CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فسانۂ آزاد

جلد سوم (حصہ اوّل)

رتن ناتھ سرشار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فسانۂ آزاد

جلد سوم (حصّہ اوّل)

مصنّف

رتن ناتھ سرشار

ترقّی اُردو بیورو، نئی دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

FASANA-AZAD VOL. III (Part I)

By: Rattan Nath Sarshar

سنہ اشاعت: اپریل، جون 1986 شک 1907

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پہلا اڈیشن: 1000

قیمت: =/Rs. 67-50

سلسلۂ مطبوعات: ترقی اردو بیورو 519

کتابت: بشیر احمد

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومتِ ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، محکمہ تعلیم ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 110066

طابع: سپر پرنٹرز ساؤتھ انارکلی دہلی 51

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاسکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فہرست مضامین

فسانۂ آزاد جلد سوم

عنوانات	صفحہ نمبر
تماشہ کیا جادو ہے	13
ثریا بیگم کی بیقراری	51
آزاد مرزا	78
اجنبیوں کی ملاقات	92
آزاد مرزا کی کارستانیاں	139
ہمایوں باغباں	180
چیستان	189
رہائی	203
مزے مزے کی نوک جھوک	211
بل گرڈ	222
حسن آرا بیگم کا نامہ بنام آزاد پاشا	225
میدانِ کارزار	227
قلندر شاہ	242
بانکی عورت	250
فرسٹ کلاس جنٹلمین	258
خوشی اور رنج	289

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نامہ نام نامی حضرت آزاد پاشا	295
بنہ ہوئی قرولی	304
جنٹلمین	329
خوجی بھی دھر لیے گئے	347
چھیڑ چھاڑ	355
زندان کو چلے مچل مچل کر	362
ثریا بیگم کا مکان	371
آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیع الزمان آن پہنچے	386
یا مبو۔ یا مبو۔ یا مبو	393
خوجی کی مصیبت	401
خوجی کا دلچسپ جواب	405
خواجہ بدیع کے اظہار	409
بیلا اور چنبیلی کی کہانی مغلانی کی زبانی	417
اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے	424
آزاد پاشا کا خط۔ وحشت خط	437
بڑی بیگم کا مکان	448
لیجیے آج ایک نیا گل کھلا۔ آزاد بیچارے پھر قید ہو گئے	455
مکالمۂ جان پرور	463
نسرین بدن اور غنچۂ دہن معشوق کی ملاقات	477
خوجی ڈوب گئے	485
کلپٹو مینیا	492
مرزا ہمایوں فر کی بیماری	499
چوری کرنے کا پاگل پن	501
معشوقۂ سمن سینہ پر میاں آزاد کترانے لگے	506
آزاد فرخ نہاد کا نامۂ خرد بنیاد	514

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شادی کی چھیڑ چھاڑ	521
بڑی بیگم کا ایوان عشرت تواماں پریوں کی چہل اور شادی کی تیاریاں	528
اپنا کیا اپنے آگے آیا	550
علما کی صحبت	556
پری کو شیشے میں اُتارا	562
تیاری اور سامان	569
معشوقہ ترنج ذقن کے نام عاشق دل سوختہ و ناکام کا نامۂ حسرت انتما اور قسطنطنیہ وغیرہ مقامات کے حالات دلچسپ و دلربا	612
شہسوار کی شرارت کا نتیجہ	625
نئی نئی باتیں	641
مصاف	648
کھوپڑی شریفۂ بدیع	655
سرٹیفکٹ	656
دیباچۂ فسانۂ آزاد	663
شہسوار گرفتار ہو گئے	677
آزاد اور شہزادی	684
کمیدان صاحب کی کارستانی	692
آزاد خستہ جان۔ زندان کو چلے مچل مچل کر	705
شہزادہ ہمایوں فر کا ماتم	714
فیروزہ خانم	722
بادی چور	744
کارستانی	752
قتل کا حال	770
خون کا مقدمہ	775
ازین ستارۂ دنبالہ دارهی ترسند	783

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لالہ کلّو	791
آزاد کا حال	795
جنازہ	799
بھوت	800
سپہر آرا کی بیتابی	806
جنگ اور خوجی	814
شہسوار کی شامت	823
قبرستان	848
آزاد مرزا اور شہسوار	865
اب دوسرا ذکر سُنیے	874
عبرت	881
نوشہ کا قتل ستم ہے	890
ماں صدقے بیٹا ذری آنکھیں تو کھولو	898
دلہن کی بیخبری	906
تحقیقات	921
قاتل گرفتار ہوا	929
بڑی بیگم کی ڈیوڑھی پر ماتم ہو رہا ہے	937
رہائی کی تدبیر	963
شادی کا پیام	968
بقیہ حال آزاد پاشا	979
منشی بدیع محقق فارسی	985
ثریا بیگم کی پریشانی	1007
شہزادی کی آرزو بر آئی۔ اور آزاد نے چاند سی دُلہن پائی	1023
رقابت	1031
رُسل و رسائل	1040

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جواب نامۂ آزاد	1046
خوجی پاگل خانے میں	1050
ثریّا بیگم کی پریشانی	1057
شہزادہ سنجر سطوت اور شادی کا پیام	1065
سواری	1086
بچھڑے ہوتے سب ملیں خدایا	1097
رہائی	1103
ناز سے خادمۂ قدرت نے کہا واہ رے میں اور تصویر یہ بول اُٹھی کہ اللہ رے میں	1111
شیر سنگھ کو جھانسا دیا	1145
شبنم کیا ہے؟	1148
داروغہ وانسپکٹر کا باقی حال	1149
کوہِ آتش فشاں کیا ہے؟	1151
بھاگ نکلے	1152
شہزادی قوس البرو یاسمن بو اور شہزادگان سکندر طلعت آئینہ زانو	1160
مس میڈا اور مس کلیرسا	1168
پھوٹ	1177
تکرار	1194
زلزلہ کیا ہے؟	1196
بھاگ نکلے	1202
پھر مصیبت پڑی	1220
زندانِ بلا	1229
شہزادہ سنجر قدر مرزا ہمایوں فر کا جنازہ	1247
رنگین شاہ	1257
تھانہ دار کی بیقراری	1267

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثریّا بیگم غائب ہوگئیں	1275
پادری صاحب آئے غضب ہوگیا	1292
پری پیکر شہزادی اور آزاد کی شادی	1315
مِس پالن	1323
خواجہ بدیعا	1338
ناظورہ پری رخسار ترائی میں اور شیروں کا شکار	1369
اوشالا پھیل کا بان	1392
دبے دانتوں نکاح کا اقرار	1407
شہزادہ مرزا ہمایوں فر	1416
شوخ	1424
صید افگنی	1433
ثریّا بیگم اور فیروزہ	1448
خوجی خم ٹھوک رہے ہیں	1456
مرقدِ منوّر	1472
فنس کے لیے چھٹکے کی فکر کی یا نہیں	1497
حالاتِ جنگ	1512
شہزادۂ خلد مکان اور مجاور کی داستان حیرت بیان	1519
مجاور کی داستان	1521
شاید جی اٹھیں دُنیا بامید قائم	1528
ذکرِ حرب	1536
جشنِ طرب	1544
خوجی پکڑے گئے	1566
مراگدائے تو بودن زسلطنت بہتر	1587
خوجی بٹری بن گئے	1595
آزاد پاشا مغرور ہوئے	1604

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیر مرد اور کتاب شمس الضحیٰ کا مضمون	1610
خوش ہوائیست فرح بخش خدا یا لفرست ؎ نازنینی کہ برویش مے گلگوں نوشم	1612
نوعروس زیبا شمائل	1626
الانتظار	1642
آزاد کا پلونا جانا	1649
آزاد پلونا کے قریب پہنچ گئے	1657
چہل پہل	1665
حالاتِ حرب	1674
خوجی کی نئی ترانیاں	1680
آزاد پاشا کی کارگزاری	1686
نامہ بنام آزاد پاشا	1688
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	1698
سانحۂ جگر دوز	1700
ثُریا بیگم کی شادی اور پریزادوں کا جُھرمٹ	1707
جاسوس	1717
ہمایوں فر کے مرقدِ منوّر پر دُلہن کے جانے کا مشورہ	1720
واقعاتِ جنگ	1731
واقعاتِ مختلف	1734
آزاد کی شمشیر جاں گزا کی چمک	1741
نئی شرمیلی دُلہن	1762
مصافِ پلونا	1779
شجاعتلو آزاد پاشا	1799

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تماشہ کیا جادو

ناظرین خود ہی سمجھ گئے ہوں گے
بی شبّو جان، بی اللہ رکھی۔ کون ... یہ بیگم صاحب
ہمارے ناظرین خوب واقف ہیں۔ یہ وہی جو
جو میاں آزاد کے خیال سے تارک دنیا ہو گئی
اللہ رے عروج! اُف رے انقلاب
مہریاں اور سہیلیاں اب ان کی جلوہ
دھوپ چھاؤں ہے۔ یہی جوگن
ان کے سبب سے پرورش پا
سے ٹکر لڑیں۔ یہ سب رو
اے زر تو خدا
القصہ ثریا بیگم
متمکن تھیں۔ بدن
ثریا بیگم:
سارا جسم
مہری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : اس میں کیا شک ہے۔
مہری : اتنا بڑا خیمہ! جس میں خدا جھوٹ نہ بُلوائے کم سے کم کوئی دس ہزار آدمی بیٹھ سکیں۔
مہری : بیٹھ سکیں؟ ہونھ بیٹھے ہی ہیں۔
بیگم : نہیں دس ہزار تو نہیں، مگر کوئی سات آٹھ ہزار سے کم نہیں ہیں۔
مہری : اب میں کیا کہوں۔
بیگم : ہوں گے اک آٹھ ہزار آدمی۔
مہری : حضور! ذری جھانک کے اچھی طرح دیکھیں تو۔
بیگم : ہاں ہاں دیکھ ہی رہے ہیں۔ مگر اللہ جانتا ہے اس روشنی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔
مہری : حضور حیرت سی حیرت ہے۔
مغلانی : بس دو انگارے جلا دیے اور دُنیا بھر جگمگانے لگی۔
مہری : جادو گر ہیں۔
مغلانی : واہ کیا نئی بات بتائی ہے۔ کسی کو آج تک معلوم ہی نہ تھا کہ یہ سب جادو ہے۔
مہری : تو میں نے کہا، تو کیا گناہ کیا۔
بیگم : داروغہ کہاں ہیں۔ کسی سے پوچھیں تو کہ یہ روشنی کاہے کی ہے؟
مغلانی : حضور وہ تو چلے گئے۔
بیگم : ذری بُلواؤ۔
مغلانی : حضور اب بھلا کیوں کر بُلوائیں۔
مہری : اے ہاں یہ بھی کچھ گھر ہے۔
مغلانی : ابھی تو دو دن اور تماشا ہو گا۔ جلدی کیا ہے پوچھ لیں گے۔
اتنے میں بینڈ باجا بجنے لگا۔ ثریا بیگم مست ہو گئیں۔
بیگم : کیا باجا ہے، واہ واہ واہ!
مغلانی : حضور گورے بجا رہے ہیں۔
بیگم : گورے؟ تمھیں کیوں کر معلوم ہوا۔
مغلانی : اے بیگم صاحب! یہ کیا سامنے بجا رہے ہیں۔
بیگم : کدھر۔ ہائیں کدھر ہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی : (اشارے سے) یہ کیا بجا رہے ہیں ؟

بیگم : ہاں سچ کہا۔ میں نے ادھر خیال ہی نہیں کیا تھا۔

اتنے میں پردہ اُٹھا۔ چھبیس گھوڑے نظر آئے۔ گھوڑے بیش بہا، دو دو ہزار کی قیمت کے۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ مشکی کی جوڑی سَوا دو ہزار کی۔ گھوڑے کیا دیو تھے۔ ایک نقرہ گھوڑا دیکھ کر کُل حاضرین عش عش کر گئے۔ پیشانی چوڑی، تھوتھنی ذرا سی :

سواری کی صفت میں اس قدر میدان باندھوں میں ... کہ عرشِ لامکاں ہو، صفحۂ کاغذ کی طولانی

قدم کا وا ایڑن میٹھی پوئی دوڑنا جمنا ... ہیں سب راہوں میں ترکی اور تازی میرے لاثانی

جو نکلے جیم مُنھ سے چین میں تو لام لندن میں ... سواران پر ذرا حل پھر کے دیکھے ان کی جولانی

تین کم سِن، پری وَش اور نوخیز میمیں صرصر تک گھوڑوں پر سوار تھیں :

اسپت کہ حنا زیب فزائے تن اوست ... کو ہیست کہ لالہ زار، در دامن اوست

نے نے غلطم کہ آسمان دگرست ... در رنگِ حنا شفق بہ پیراہن اوست

یہ چھبیس، باد رفتار، رہوار، تھوڑی ہی سی جگہ میں چکّر دیتے تھے، اور اس خوبصورتی اور پھرتی سے کہ تماشائی دنگ تھے۔

بیگم : اللہ اللہ کچھ ٹھکانا ہے۔

مغلانی : بیگم صاحب کمال ہے۔ اللہ جانتا ہے کمال ہے۔

مہری : اتنے گھوڑے! اللہ جھوٹھ نہ بُلوائے کوئی پچاس سے کم نہ ہوں گے۔

راوی : اس میں کیا شک ہے۔ بلکہ دو اوپر پچاس۔

مہری : اور ذرا سی جگہ میں اُچکتے بھی ہیں اور دوڑتے بھی ہیں۔ اور قدم قدم بھی جاتے ہیں۔ خدا کی شان ہے بیگم صاحب کیا سکھایا ہے۔

مغلانی : ان میموں کا جگر تو دیکھو۔

بیگم : یہ اچھے اچھے شہسواروں کو مات کرتی ہیں۔

مغلانی : سچ ہے حضور!

مہری : یہ سب جادو کا کھیل ہے۔

بیگم : مگر جادوگر بھی پکّے ہیں۔

مغلانی : حضور ایسے جادوگر تو کامروپ کچھیا میں بھی نہ ہوں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : اے ہے، جادوگروں سے خدا سمجھے۔

اس پر ایک عورت جو تماشا دیکھنے آئی تھی، بولی کہ اے واہ۔ وہ بیچارے تو ہم سب کا دل خوش
کریں اور آپ کوسیں۔ بھلا ان کا قصور کیا ہے، یہی نہ کہ تماشا دکھاتے ہیں۔ ثریا بیگم نے گردن پھیر
دیکھا۔ مغلانیوں اور مہریوں نے بھی اس عورت پر نظر ڈالی۔

ایک مغلانی : جادو برحق ہے، مگر کرنے والا کافر۔

عورت : اے، تو کوسنا کیا معنی بیوی۔

دوسری مغلانی : یہ تماشے والے تمھارے کون ہیں۔

عورت : تمھارے کوئی ہوں گے۔

عبّاسی : پھر تم جو چیخیں تو کیوں چیخیں۔

عورت : بہن کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا کیا معنی۔

عبّاسی : تو پیٹھ پیچھے تو چین کے بادشاہ تک کو، جس کا جی چاہے کہے۔

مغلانی : اے، تو تم بیچ میں بولنے والی کون ہو۔

عورت : تم سے کیا واسطہ۔

مغلانی : تو بس تم چپ رہو۔

عورت : تم سب تو جیسے لڑنے آئی ہو۔ بات کی، اور نوچ لیا۔

مغلانی : گاؤں کی معلوم ہوتی ہیں۔

عبّاسی : گنوارن تو ہیں ہی۔

مغلانی : کریب کا دوپٹہ اور دریائی کی گوٹ۔

عبّاسی : وہ گنوار پن تو چھپا ہی نہیں رہتا۔

بیگم : اچھا بس اب اس قصے کو مختصر کرو۔ اتنی فرنگنیں بیٹھی ہیں کسی کی زبان تک نہیں ہلی۔ ا
آپس میں کٹے مرتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے توبہ توبہ!

مغلانی : یہی تو ہم میں ان میں فرق ہے۔

عورت : مگر کوئی ان تماشے والوں کو برا بھلا بھی نہیں کہتی۔

بیگم : اچھا تو بیوی اب جانے دو۔

مغلانی : آخر کچھ معلوم تو ہو کہ یہ تمھارے کون ہیں ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : (چمک کر) اے حضور آپ کس کے مُنھ لگتی ہیں۔
بیگم : چلو تم چپ رہو۔
عورت : (اُنگلیاں مٹکا کر) بس بس ذری زبان کو لگام دو۔
عبّاسی : صاحب صاحب۔ اس موئی پولی جیران کو یہاں سے نکال دو، اور سُنیے کیا بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہیں۔ جانو یہی بڑی وہ ہیں۔ کوئی پوچھے تم ہو کس میں۔
مغلانی : خان میں نہ خان کے اونٹوں میں۔
عورت : (بیگم سے) یہ کن چھتیرنوں کو ساتھ لائی ہیں آپ ؟
مغلانی : ہاں ہم کو جو چاہو سو کہہ لو۔
عبّاسی - مگر چھتیرنوں کی قطع تو ایسی ہی ہوتی ہے جیسی آپ کی ہے۔
مغلانی : چلو اب چُپکی ہو رہو۔
بیگم : فینس بلکواؤ۔ ہم اب جائیں گے۔
مغلانی : اے میں صدقے، حضور تماشا تو دیکھ لیجیے۔
بیگم : بس اس جوتی بیزار سے ہم منزلوں بھاگتے ہیں۔
عورت : حضور بیٹھیں۔ میں اب نہ بولوں گی۔
بیگم : ہم تم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔
عورت : نہیں حضور مالک ہیں۔

یہ گفت گو ہو ہی رہی تھی کہ گھوڑے ایک قاعدے کے ساتھ پردے میں چلے گئے۔ پھر بینڈ باجا بجا، اور پردہ اُٹھا۔ ایک (زبرا) آیا۔ یہ مُلک حبش کا ایک جانور ہے۔ ایک تماشے والے نے انگریزی میں کہا، "جنٹلمین! یہ جانور زیبرا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ جانور آج تک حضرتِ انسان کے بس میں نہیں آیا۔ اس کی بھڑک کوئی نہیں مٹا سکتا۔ مگر ہم نے اس کو شیشے میں اُتارا ہے۔"

بیگم : کیا کہا ہے۔
مغلانی : حضور خدا جانے کیا گٹ پٹ کرتا ہے۔
بیگم : کسی سے پوچھتے۔ مگر یہاں کس سے پوچھیں۔
عبّاسی : یہ جانور کون ہے ؟
بیگم : خدا معلوم۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : کسی مُلک کا گدھا تو نہیں ہے۔

بیگم : (ہنس کر) اے واہ۔ بوجھے لال بُجھکّڑ اور بوجھے نہ کوئے
پاؤں میں چکّی باندھ کر، ہرن نہ کودا ہوئے

مغلانی : بھلا گدھے میں اتنے رنگ کہاں۔

عباسی : رنگ تو ہم کو ایک بھی نہیں سُوجھتا۔

بیگم : نئی جوانی اور آنکھوں کا یہ حال۔

عباسی : تو حضور ہمیں تو رنگ ونگ ایک بھی نہیں سُوجھتا۔

مغلانی : (دبے دانتوں) اینٹ کی عینک لگاؤ۔

بیگم : زرد ہے، سفید ہے، سیاہ ہے، بھدّا ہے۔ اتنے رنگ ہیں۔

عباسی : اوئی اللہ میں اپنی آنکھوں کو کیا کروں۔

بیگم : وہی جو مغلانی نے کہا۔ اینٹ کی عینک لگاؤ۔

اب سُنیے، کہ زیبرا نے چکّر میں چکّر لگانا شروع کیا۔ تماشائیوں میں صرف آٹھ آدمی ایسے تھے، جنھوں نے زیبرا دیکھا تھا۔ مگر صرف اس قدر کہ کٹھرے میں بند ہے۔ یہ کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ زیبرا چکّر لگائے۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ ٹٹیاں پھندائی گئیں۔

بیگم : اصل جادو ہے۔

مغلانی : مُوا وحشی جانور اور ایسا بس میں آگیا۔

مہری : اور آدمی ادھر اُدھر سے شڑاپ شڑاپ کوڑے جماتے جاتے ہیں۔

بیگم : چوں تک نہیں کرتا۔

مہری : کان دبائے دوڑا جاتا ہے۔

بیگم : ایلو تین ٹٹیاں اُچک گیا۔

مغلانی : اُوئی! جانور کیا نگوڑا مٹّی کا لتھوا ہے۔

بیگم : یہ گورخر تو نہیں ہے۔

مہری : ہاں ہاں۔ آپ خوب سمجھیں۔

مغلانی : گورخر ہی ہے۔

اتنے میں ایک اور زیبرا آیا، اور اس زیبرے کے ساتھ دوڑنے لگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہری : اے لو دوسرا بھی آن پہنچا۔
بیگم : مگر واہ! کیا سدھایا ہے۔
مغلانی : حضور بالکل بس میں کر لیا۔
مہری : واہ اے فرنگیو!
مغلانی : جو بات ہے انوکھی۔

دونوں زیبرے اُچک پھاند کے چلے گئے۔

بیگم : اب دیکھیں کون تماشا ہوتا ہے۔
مغلانی : حضور وہ چھپی ہوئی فہرست لے آؤں۔ مفت سب کو ملتی ہے۔ اس میں ساری باتیں لکھی ہیں کہ اس کے بعد اب کیا ہوگا، اور کس کے بعد کون تماشا آئے گا۔
مہری : لے وہی جو داروغہ صاحب پڑھ رہے تھے نہ۔ اس میں سب باتیں لکھی ہیں۔

مغلانی نے چق میں سے ایک تماشے والے فرنگی سے کہا۔ ہمیں ایک اشتہار تو لا دو۔ وہ اُردو نہیں سمجھتا تھا۔ چُپ چاپ کھڑا رہا۔ بی مغلانی نے پھر کہا۔ مگر جواب ندارد۔ اس پر مہری نے چُٹکی لی اور کہا بی مغلانی تم بڑی ڈھیٹ ہو۔ اور جو صاحب کچھ کہہ بیٹھا۔

مغلانی : اُوئی کہہ بیٹھنا کیا دل لگی ہے۔
مہری : کیا کر لیتیں تم اُن کا۔
مغلانی : یہ کیوں آخر۔ ٹکے کی اوقات، ان سب کا مالک وہ سامنے کھڑا ہے۔ وہ البتہ عزّت دار ہے اور یہ سب تو قُلی ہیں۔ صفائی کرنا، جھاڑو دینا ان کا کام ہے۔ ان سے کیا ڈر ہے۔
مہری : ہم سے تو بات نہ کی جائے۔
مغلانی : اے ہے۔ ایسی ننّھی بنی جاتی ہو۔

اتنے میں اس تماشے والے نے ایک انگریزی خواں ہندوستانی سے کہا کہ اس چق میں سے ایک لیڈی ہم سے کچھ پوچھتی تھیں۔ ہماری سمجھ میں ان کی بات نہیں آتی۔ مغلانی نے پھر کہا۔ ذری ایک اشتہار ہم کو منگوا دو۔ انگریزی خواں ہندوستانی نے اشتہار دے دیا۔ اب پڑھے کون۔ اشتہار لے کر بیگم صاحب جھوٹ موٹ بڑبڑانے لگیں۔ ادھر پردہ اُٹھا اور ایک فرس سبز رنگ پر ایک پری چہرہ میم نظر آئی:

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام   قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : یہ پریاں ہیں یا عورتیں ؟
مغلانی : حضور نک سُک سے کتنی درست ہیں۔
بیگم : چہرے سے خون برستا ہے۔
مغلانی : اور یہ جُوڑے پر کیا سیس پھول ہے۔
بیگم : (مسکرا کر) تم بھی ایک انوکھی ہی بات کہتی ہو۔
عباسی : یہ سیس پھول کیا جانیں۔
بیگم : ہاں مگر زیبائش کے لیے پھول لگا لیا ہوگا۔

گھوڑا ائے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بینڈ باجے کی تال اور سم اور سُر کے موافق۔ گھوڑا ناچتا جاتا تھا۔ لوگ دنگ تھے کہ یا الٰہی اس گھوڑے کو یہ باتیں کیوں کر سکھائیں۔

عباسی : حضور سمجھیں ؟
بیگم : عقل دنگ ہے۔
مغلانی : بڑا سمجھ دار گھوڑا ہے۔
بیگم : اور میم کو تو دیکھو، کیسی ران پٹڑی جماتے ہے۔
مغلانی : اچھے اچھے شہسواروں کے کان کاٹے۔
بیگم : کیا جانے کیا تنخواہ پاتی ہوں گی۔
مغلانی : تنخواہ کیسی ؟
بیگم : یہ سب نوکر ہوں گے۔ کچھ اس تماشے کی مالک سب تو ہیں نہیں۔
مغلانی : اے تو یہ نوکر ہیں ؟
بیگم : اس میں مالک بھی ہیں، اور مہتمم بھی ہیں، اور نوکر بھی ہیں، اور قُلی بھی ہیں۔

اس تماشے کے بعد پانچ چھ فرنگی قلیوں نے فرش کو صاف کر دیا۔

بیگم : یہ جھاڑوئیں بھی عجیب و غریب ہیں۔
مہری : حضور جو شے ہے انوکھی ہی ہے۔
بیگم : اب دیکھیے کیا تماشا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک مسخرہ آیا اور ایک جنٹلمین۔

جنٹلمین : کچھ پڑھے لکھے ہو ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسخرہ : ہاں پڑھے لکھے ہیں۔
جنٹلمین : کس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔
مسخرہ : اتوار کے اسکول میں۔
راوی : اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا۔ وجہ یہ کہ اتوار کے دن اسکول بند ہو جاتے ہیں، اور یہ حضرت فرماتے ہیں کہ اتوار کے اسکول میں تعلیم پائی ہے۔ بس لیاقت معلوم۔
جنٹلمین : مہینے میں کتنے مرتبہ اسکول جاتے تھے؟
مسخرہ : مہینے میں تین بار۔ پیر، منگل اور بُدھ۔
راوی : کیا خوب۔ مہینے میں چار اتوار، اور آپ خیر سے ہفتے میں تین بار مدرسے جاتے تھے۔
مسخرہ : اچھا بتائیے تین دُونی کتنے ہوئے؟
جنٹلمین : تین دُونی چھ۔
مسخرہ : غلط۔
جنٹلمین : واہ۔ کہیں غلط ہو نہ۔ تین دُونی چھ۔
مسخرہ : الغلط۔
ایک صف میں کالج کے طلبہ بیٹھے تماشا دیکھتے تھے۔ مسخرے نے طلبہ سے پوچھا، تین دُونی۔ ایک طالب علم بول اُٹھا، تین دُونی دس۔
مسخرہ : تین دُونی دس۔ بہت صحیح ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس جنٹلمین نے بھی اتوار کے اسکول میں تعلیم پائی ہے۔
راوی : اس پر کُل انگریز اور میمیں ہنس پڑیں۔
بیگم : کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔
مغلانی : انگریزی میں کیا جانے کیا کہہ رہے ہیں۔
مہری : ہیں ہنسی دل لگی ہی کی باتیں۔
مغلانی : ہاں یہ تو ظاہر ہی ہے۔
بیگم : مگر ہم نے جس مزے سے تماشا دیکھا۔ ایک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ ہم سب کو دیکھتے ہیں۔ ہم کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، اور تماشے کا لُطف بھی یہی ہے کہ چُھپکے سے دیکھے۔
مغلانی : حضور گھر گرہست کے لیے تو ایسا ہی ہے، ورنہ وہ دیکھیے بی مشتری مزے سے ڈٹی بیٹھی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : اُوئی۔ کدھر؟
مغلانی : وہ ایک مندیل باز ان کو ساتھ لائے ہیں۔
بیگم : اُوئی۔ کیا بھل منسی ہے۔
راوی : اور آپ اپنی بھل منسی کو تو دیکھیے، کہ تماشے میں پہنچیں ہی پہنچیں۔

مسخرے نے اپنے سر کی ٹوپی اُچھالی، اور جس طرف ٹوپی اُچھالی، اُسی رُخ خود بھی جھپٹا، تو ٹوپی سر پر تھی۔ پھر دوبارہ ٹوپی اُچھالی، پھر سر پر روکی۔

بیگم : اے واہ۔ اچھا سوانگ ہے۔
مغلانی : ہم سے تو کبھی نہ ہو سکے۔
مہری : ایلواب کی جُوتی کی نوک سے اُچھالی، اور سر پر روکی۔
بیگم : ربط کی بات ہے۔
مہری : (ہنس کر) واہ ہے۔ کیا کھٹ سے ٹوپی کھوپڑی پر آرہتی ہے اور یہ مُنھ کاہے کے لیے رنگا۔
بیگم : اے سوانگ ہے۔
مغلانی : انگریزی بولی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔
مہری : سیکھ لو۔

مسخرے اور جنٹلمین میں باتیں ہونے لگیں۔

جنٹلمین : تمھارا کیا پیشہ ہے؟
مسخرہ : گھانس چھیلنا۔
جنٹلمین : تمھارے باپ کا پیشہ؟
مسخرہ : جُوتی سینا۔
جنٹلمین : اور تمھارے دادا کا پیشہ؟
مسخرہ : سُور چرانا۔
جنٹلمین : اور تمھارے دادا کے باپ کا پیشہ؟
مسخرہ : دادا کے باپ کا رشتہ آپ نہیں جانتے؟
جنٹلمین : اچھا سوال کا جواب تو دو۔
مسخرہ : ہمارے دادا کے باپ کا پیشہ قمار بازی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنٹلمین : تو پُشتہا پُشت سے آپ رئیس ہیں۔

ان فقروں پر سامعین بہت ہنسے۔

بیگم : اللہ جانے کیا کہہ رہا ہے۔

اس کے بعد مسخرے نے ایک ولایتی کتے کو سیٹی بجا کے بُلایا۔ کرسی پر کتے کو بٹھایا۔ دس کرسیاں تلے اوپر رکھیں۔ اشارہ کرتے ہی کتا دسوں کرسیوں پر سے اُچک کر وہ ہو رہا۔

بیگم : واہ واہ وا۔

مغلانی : خوب سکھایا ہے۔

ایک کرسی پر حضرت مسخر الدولہ خود کھڑے ہوئے۔ ادھر اشارہ کیا، اُدھر کتا ان کی کھوپڑی پر سے اُچک گیا۔ اس پر بیگم صاحب ہنسیں۔ بڑے زور سے قہقہہ لگایا۔ مہری بھی ہنس پڑی۔

بیگم : بی مغلانی تمھیں ہنسی نہیں آتی؟

مغلانی : ہم ادھر دیکھ رہے ہیں۔

عباسی : اے واہ۔ اور سُنیے۔

بیگم : تم نے کچھ دیکھا بھی۔ یہ کتا اس مسخرے کی کھوپڑی پر سے کود کے وہ ہو رہا۔

عباسی : وہ دیکھیے اب کی غضب کیا۔ اس کاغذ کو پھاڑ کر اُچک گیا۔

بیگم : واہ رے کتے۔

مہری : اُفوہ۔

بیگم : کمال ہے۔ آدمی ہے تو خاک کا پُتلا، مگر بلا کی طبیعت پائی ہے:

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

مہری : جی بجا ہے حضور!

مغلانی : یہ خاک کا پُتلا آسمان میں تھگلی لگاتا ہے۔

بیگم : پروردگار کی شان ہے۔

مغلانی : اس میں کیا شک ہے حضور۔

مہری : جی ہاں:

چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل   عجب تیری قدرت عجب تیرا کھیل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : کتنی پھوہڑ ہو۔
مغلانی : جو نہ بولیں تو لاکھ من کی۔
اس پر اور عورتیں ہنسنے لگیں۔
مہری : ہیں، واہ ہے۔ چہ خوش چرا نباشد۔
ایک عورت : جو نہ بولو تو لاکھ من کی۔
دوسری عورت : مگر یہ ہوتا ہی نہیں ہے۔
تیسری عورت : بولیں اور بیچ کھیت بولیں۔
مغلانی : چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل (ہنس کر) واہ واہ وا۔
مہری : جلو جلو۔
مغلانی : ایں۔ جلنے کی کیا بات ہے۔
بیگم : بھٹیارنوں کی طرح لڑتی ہو۔
عورت : اس میں حضور کی بھی بدنامی ہے۔
بیگم : کیسی کچھ۔ مگر کہیں کس سے۔
دوسری مہری : عباسی چھیڑتی ہیں اور اپنے داؤں رو دیتی ہیں۔
عباسی : تم کو بھی ہمارے لیے زبان آئی۔
بیگم : ابکی اگر کوئی بولا تو ہم نکلوا دیں گے۔
ایک عورت نے مغلانی سے پوچھا، تمھاری بیگم صاحب کا کیا نام ہے۔ مغلانی نے کہا، ثریّا بیگم۔
عورت : کہاں رہتی ہیں؟
مغلانی : یہاں سے دور مکان ہے۔
عورت : اے تو محلّے کا نام بھی ہے کچھ۔
مغلانی : وہ سبز کوٹھی دیکھی ہے؟
عورت : نواب صاحب کے مکان کے پاس نہ؟
مغلانی : ہاں وہی، بس اس کے دس قدم آگے، ہماری بیگم صاحب کی کوٹھی ہے۔ دروازے پر ہرن بندھے رہتے ہیں۔
عورت : ہم بھی آئیں گے کسی روز۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی : آؤ ! تمھارا کیا نام ہے ؟

مسخر الدولہ بہادر، دل لگی کرتے، اُچکتے، کُودتے، پھاندتے تشریف لے گئے۔ تماشائیوں نے اس قدر تالیاں بجائیں کہ تمام خیمہ گونج گیا۔ عباسی شوخ، اور نوعمر اور بیباک تو تھی ہی۔ انھوں نے بھی تالیاں بجائیں تو کُل عورتوں نے قہقہہ لگایا۔

مغلانی : اے ہے بیچارے کو لُولُو بنالیا۔

بیگم : اے ہاں، یہ تالیاں کیوں بجائیں۔

مہری : حضور خوشی میں آن کے تالیاں بجادیں۔

بیگم : اے واہ کیا اچھی خوشی ہے۔

مغلانی : ہر مُلکے و ہر رسمے۔

مہری : ہم نے بھی ان سب کا ساتھ دیا۔

مغلانی : واہ کیا کہنا آپ کا۔

بیگم : شرمائیں نہ شرمانے دیں۔

جس وقت بی عباسی نے تالیاں بجائیں دس پانچ آدمی جو درجہ دوم میں ان کے قریب بیٹھے تھے چق کی طرف دیکھنے لگے۔

شیخ جی : کوئی بہار طبع اس چق میں متمکن ہیں۔

مرزا صاحب : ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

شیخ جی : مگر شوخی رگ رگ میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہے۔

پنڈت صاحب : شوقین ہیں۔

مرزا صاحب : کیسی کچھ۔

شیخ جی : واللہ اب تماشے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہے۔

پنڈت صاحب : خدا خیر کرے۔

مرزا صاحب : ایک جھمکڑا نظر آیا۔

شیخ جی : بڑے خوش نصیب ہو۔

مرزا صاحب : ہیں ہی۔

پنڈت صاحب : کم سِن ہے ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا صاحب : خوب دیکھا۔

نہیں روزن جو قصرِ یار میں پروا نہیں ہم کو
نگاہِ شوق رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں

پنڈت صاحب : ہائے!

خدا ترابتِ نادان درازِ سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل، خدا وہ دن تو کرے

لالہ صاحب : رُخِ انور نظر نہیں آوت۔ جلبابِ خفا میں بند کر دہن ہیں۔ ہائے گجب۔

مرزا صاحب : سبحان اللہ!

شیخ جی : بولے بھی تو کیا بولے۔

بیگم صاحب نے دیکھا کہ یہ لوگ چق کی طرف اشارہ کر کے باہم گفتگو کر رہے ہیں۔ ان کے کان کھڑے ہوئے۔

بیگم : مغلانی! دیکھو یہ مُوئے ہماری نسبت کچھ باتیں کرتے ہیں۔

مغلانی : کون؟

بیگم : وہ جو لال شالی رومال اوڑھے ہے۔

مغلانی : ہاں۔

بیگم : اور اس کے اِدھر اُدھر دو اور سنڈے مسٹنڈے بیٹھے ہیں۔

مغلانی : ہاں حضور! ایک عمامہ باندھے ہے، دوسرا چُغہ پہنے ہے۔ یہی دونوں نہ؟

بیگم : اللہ سمجھے ان نگوڑوں سے۔

مغلانی : ان پر علیؑ کی تیغ ٹوٹے۔

مہری : جنازہ نکلے مونڈی کاٹوں کا۔

عباسی : یزید کے ساتھ حشر ہو۔

ادھر ابھی مسخرے کی نقلوں، اور لطیفوں کا جن کے ناظرین اور حاضرین مسخر ہو گئے تھے، جوش باقی تھا۔ تماشائیوں کی زبان پر اسی کے تذکرے جاری تھے، کہ رفتہ رفتہ سکوت کا عالم ہوتا گیا اور سب چشمِ براہ، اور گوش بر آواز تھے، کہ دیکھیے اب کیا تماشا ہوگا۔ کون سا کرتب دکھایا جائے گا۔ اُدھر چق کے اندر بیگم صاحب نے ناز سے تن کے، ایک انگڑائی لی، اور ساتھ ہی جمائی لیتی ہوئی مغلانی کی طرف مخاطب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوکر آدھی مُنھ میں آدھی مُنھ کے باہر آواز سے گلوری مانگی۔ آرسی میں رُخِ انور کی جھلک دیکھی اور بصد انداز برنائی وشانِ خودداری وخودنمائی، آرام چوکی کے مخملی تکیہ پر گوری گوری گردن رکھ کر کہا۔ اُف تھک گئے۔

مغلانی: اے حضور بھلا کچھ ٹھکانا ہے۔ سات بجے سے یہاں آتے ہیں اور اب کوئی دس کے قریب ہے۔

عباسی: نہیں گیارہ بجے ہوں گے۔ ابھی گھنٹہ بج رہا تھا۔

بیگم: (گھڑی دیکھ کر) ابھی تو ساڑھے نو بجے ہیں۔ کچھ بہت رات نہیں آئی۔

اتنے میں یکایک، وہ متحیّر اور پُرسکوت مجمع اپنی اپنی کرسیوں پر ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ سب ایک ہی جانب متوجّہ ہو گئے اور سرگوشی ہونے لگی کہ ایک بڑا سلاخ دار پٹا ہوا کٹھرا جس میں تین جُدا جُدا مکان تھے۔ مگر تینوں فاصل سلاخ دار جنگلے کی کھڑکیوں کے کھولنے سے ایک ہو جاتے تھے وسط میں لایا گیا اور اس میں تین شیر بند تھے۔

دیکھو دیکھو اب شیر آئے، اب شیر آئے۔ سب نے ایک ساتھ مل کر کہا۔ شیروں کا آنا سُن کر بیگم صاحب چونک پڑیں اور مغلانی سے کہا۔ دیکھو داروغہ سچ کہتے تھے۔

مغلانی: دیکھیے حضور وہ شیر جو بیچ والے کٹھرے میں بند ہے، وہی سب سے بڑا ہے۔

عباسی: اور غصّہ ور بھی سب سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ کیسی نیلی نیلی آنکھیں ہیں، اور جب مُنھ کھولتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا سر نگل جائے گا۔ حضور سُنیے! تماشے والا کیا کہتا ہے۔

بیگم: اُوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ نگوڑا کیا بک رہا ہے۔

تماشا کرنے والوں میں سے ایک شخص نے جن سے یہ شیر ملے ہوئے تھے، ایک کٹھرے کا دروازہ کھولا۔ اندر جا کر جنگلہ فاصل کی کھڑکی کھول کر، اس شیر کو، جو پہلے مکان میں تھا، کھڑکی کی راہ اندر لے گیا۔ دوسرے مکان میں، جب دونوں شیر ایک جگہ ہو گئے تو اندر ہی اندر اس نے تیسرے درجہ کی کھڑکی کھولی۔ اب تینوں شیر ایک جگہ ہو گئے، اور یہ آدمی اُس وقت تماشائیوں کی حیرت و حسرت اور خطرہ و تعجب ملے ہوئے سرور سے عجب کیفیت ہو گئی تھی۔

بیگم: اب اس موے کو، جو تین شیروں میں بند ہے، ضرور شیر کھا جاویں گے۔ ہے ہے کٹھرا توڑ کر یہ شیر نکل بھاگیں تو سب کے سب کو کھا جاویں۔

مغلانی: نہیں حضور یہ سدھے ہوئے ہیں۔ دیکھیے وہ آدمی ایک شیر کا کان پکڑ کر، کس طور پر اس کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُٹھاتا بٹھاتا ہے۔ دیکھیے دیکھیے حضور! اب دیکھیے، اس آدمی نے ایک شیر کو لِٹا دیا ہے، اور کس طرح اس کو پاؤں سے روند رہا ہے۔ اور دوسرے کو قمچیاں لگا رہا ہے۔

عباسی : اے ہے قمچیاں کھا کے کیوں کر وہ شیر مُنھ پھیر لیتا ہے، جیسے بالکل بلی ہے۔ دیکھیے حضور وہ شیر جو نیچے پڑا ہوا تھا، اب اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اب اُس آدمی سے کُشتی ہو رہی ہے۔ کبھی شیر آدمی کو پچھاڑتا ہے، کبھی آدمی شیر کے سینہ پر سوار ہوتا ہے۔ یہ تماشا کوئی آدھ گھنٹے تک برابر ہوتا رہا۔ اس کے بعد صحن میں ایک بڑی میز بچھائی گئی اور اس پر بڑے بڑے گوشت کے ٹکڑے رکھے گئے۔

بیگم : یا میرے اللہ! یہ اب کیا ہو رہا ہے۔

مغلانی : دیکھیے حضور وہ انگریز صرف اکہری کمیج (قمیص) پہنے ہے جس کا گلابی تنگ ٹاکوں سے بنا ہوا پائجامہ ہے کیا کُرتا ہے۔ یا میرے اللہ! اس کے ہاتھ میں ایک بڑی لوہے کی سیخ ہے جس کی نوک ایک ایسی ہے کہ بس جیسے کٹار۔

عباسی : دیکھتی جاؤ، دیکھتی جاؤ۔

سب کی نظر اسی میز، اور اسی فرنگی کی طرف تھی کہ اس نے زور سے اس سیخ کو ایک گوشت کے ٹکڑے میں چھید دیا اور وہاں سے اس کو لے کر کٹھرے کی طرف چلا۔ گوشت کو مع سیخ کے سیخچے لگے ہوئے کٹھرے میں ڈالا۔ سیخ کا مع گوشت پہنچنا تھا کہ شیر اس کے اوپر ایسا لپکا، جیسا کہ کسی زندہ جانور پر شکار کرنے کے لیے لپکتا ہے، اور مُنھ میں دبا کر ڈکارا اور گوشت کے ٹکڑے کو اُٹھا کر دے مارا، پھر ڈکارا اور پھر دے مارا، پھر ڈکارا اور پھر دے مارا۔ جب ڈکارتا، مکان گونج جاتا اور سُننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

بیگم : ہائے ہائے بی مغلانی، تم کو کیا ہو گیا ہے۔ شیر کٹھرے سے نکل بھاگا ہے۔ اب کوئی دم میں سب کو نوالہ کر جائے گا۔ اے کمبختو! داروغہ کہاں ہے، اور عباسی کہاں مر گئی مُردار؟

مغلانی : کیا حضور کیا خیر ہے۔ عباسی ابھی یہاں ہی تھی۔ کہیں باہر سے دیکھتی ہوگی۔ عباسی او عباسی!

عباسی : (دوڑتی ہوئی آئی) بی مغلانی اُوئی کیا چلّا رہی ہو۔ دیکھو سارا مکان فرنگیوں اور فرنگنوں سے بھرا ہے۔ بڑے بڑے شہر کے رئیس موجود ہیں، وہ کیا کہیں گے۔

مغلانی : حضور یاد کرتی ہیں۔ کہاں بار بار اس میلے میں نکل جاتی ہے۔ اسی واسطے تم کہتی تھیں کہ ہم کو بھی حضور لے چلیں۔

عباسی : حضور حاضر ہوں۔ میں ابھی اس فرنگی کے لڑکے سے پوچھ رہی تھی کہ کیا شیر کٹھرے سے باہر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نکل آیا کہ اتنا غل و شور ہو رہا ہے۔

یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گلابی قمیص والا انگریز ایک شیر کو اس کا راتب دے کر، دوسرے کی طرف گیا۔ یہ وہی ہے جو سب سے بڑا شیر تھا۔ اس نے دُور سے گوشت کی بُو سونگھتے ہی کٹھرے میں اُچھلنا کُودنا، پنجوں سے سلاخوں کو ہلانا، ڈکارنا شروع کیا۔

بیگم نے گھبرا کر، ایک انگریز سے جو چلمن کے پاس کھڑا ہوا تھا، بے اختیار چلّا کے کہا کہ او صاحب، کیا شیروں سے لڑوائے گا۔ اے اس موذی پر جناب عبّاسؑ کا عَلم ٹوٹے۔

انگریز: او نہیں نہیں، کیا بات ہے۔ کچھ ڈر کا بات نہیں ہے۔ آپ دیکھتا جائیے۔

کچھ گھبراہٹ کا بات نہیں ہے، کہہ کر وہ خوش رُو، اور خوش خُو اطالیہ کا جوانِ رعنا مُسکراتا ہوا پردے کے پاس تک چلا گیا تو مغلانی کسی قدر جھجھکی۔

مغلانی: اُوئی خدا کی سنوار، کہ یہ کیسا ہے۔ چلا ہی آتا ہے۔ صاحب اُدھر ہی رہیے۔ یہاں پردہ ہے۔

انگریز: وِل بی بی لوگ ہم جانتا ہے ہم۔

عبّاسی: ارے کیا، ہم ہم، لگائی ہے۔ الگ رہ۔

بیگم: (سہم کر) چُپ رہ عباسی، چُپ رہو۔

عبّاسی: اُوئی مُوئے کو ایڑی چوٹی پر قربان کروں۔ چلا ہی آتا ہے۔ پلا ہی پڑتا ہے۔

انگریز: بی بی لوگ آپ کیوں کھپا (خفا) ہوتا ہے۔ ہم آپ کو تماشے کا سب حال بتانے آیا ہے۔ آپ کیوں ہم سے نراج (ناراض) ہوتا ہے۔

اتنے میں تیسرے شیر کو جب راتب دینے انگریز گیا، تو وہ سخت جھلّایا، اور جھنجھلایا۔ قریب تھا کر اپنے محافظ کو مع سیخ کے کٹھرے کے اندر گھسیٹ لے۔ گھڑی گھڑی ڈکارنا، اور اپنی خونخوار آنکھوں سے ڈرانا۔ زبان کو بار بار نتھنوں اور لبوں پر لاتا۔ اُچھلتا کُودتا، چلّاتا۔ یہ حال دیکھ کر دو چار تماشے والے جو اس طرف کو گئے تو یہ نوجوان خوش رُو جو بیگم صاحب سے سرگرم گفتگو تھا، وہاں سے چلا گیا۔

بیگم: اب یہاں سے گھر چلتے تو اچھا تھا۔

مغلانی: حضور تماشا ملاحظہ کیجیے۔ دیکھیے ابھی ریچھ سے آدمیوں کی لڑائی، اور ارنے بھینسے کے تماشے، اور بن مانس کو دانت سے کپڑا سیتے دیکھنا باقی ہے۔ جلدی ایسی کیا ہے دیکھ تو لیں۔

عبّاسی: حضور ابھی تو کئی قسم کے بندروں کا تماشا بھی باقی ہے۔ گورخر ابھی تک نہیں آیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی : بی عباسی کہاں کی چربی تمھاری آنکھوں میں چھائی ہے۔ گورخر تو پہلے ہی آچکا ہے۔

عباسی : لو بُوا کیا کہتی ہو۔ کب آیا ؟

مغلانی : ذرا سمجھ کے بات کرو بُوا۔ کیا ہم کہتے ہیں کہ گورخر آچکا ہے۔ کیوں حضور (بیگم صاحب کی طرف دیکھ کر) گورخر آچُکا ہے یا نہیں۔

اتنے میں کیا دیکھتی ہیں کہ وہی خوش رُو نوجوان تماشے والوں کا ساتھی، پتلون میں دونوں ہاتھ ڈالے سیٹی بجاتا، کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا، آنکھیں چُراتا، قدم بڑھاتا چلا آتا ہے۔

انگریز : وِل وِل۔ بیگم۔ بیگم صاحب۔ بی بی کیوں صاحب۔ یہ کہتا ہوا وہ پردے کے یہاں تک قریب آگیا کہ ثریا بیگم صاحب جو آرام چوکی پر چشمِ نیم باز کیے کسی قدر خوابِ ناز نین تھیں ان کی آنکھ کُھل گئی۔ دیکھا تو وہی خوش رُو جوان۔

بیگم : (جھلا کر) اے کیا کچھ اترایا ہے۔ مُنھ لگائی ڈومنی گاوے تال بے تال۔

انگریز : (ٹہل کر) وِل۔ ابھی تماشا بوت بوت (بہت بہت) ہوگا۔ اگر آپ بولے تو ہم اپنا چوکی پردے کے پاس رکھ لیوے، اور آپ سب کو سمجھاتا جاوے۔

یہاں کبھی ان عورتوں نے انگریز کی چھاؤں بھی نہیں دیکھی تھی، باتیں کرنا اور بیٹھنے کی اجازت دینا کیسا۔ بیگم صاحب اور ان کی سہیلیاں یعنی مغلانی، عباسی اور مہری سب چُپ ہو رہیں۔ کچھ دیر کے بعد جب دیکھا کہ وہ نوبادۂ گلشنِ جوانی ڈٹا ہوا کھڑا ہی ہے، تو مغلانی نے چِلّا کر کہا۔ صاحب تماشا دیکھنے دیجیے۔ آپ تو ہر گھڑی سامنے ہی آن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ سُن کر ڈیمٹ ڈیمٹ کہتا ہوا وہ نادان جوان وہاں سے ہٹ گیا۔

جب وہ نوجوان تماشے والا، دو شیروں کو بند کر چُکا، اور تیسرے خانے میں آیا، تو شیر کو دس پندرہ منٹ تک سہلایا، گردن پر کئی بار ہاتھ پھیرا اور پھُرتی کے ساتھ کٹہرے کو بند کر کے باہر آیا۔

بیگم : اُف جان میں جان آئی۔

مغلانی : حضور کیا بڑی بڑی بوٹیاں رکھی تھیں۔

بیگم : اے ابھی نو عمر ہی ہے۔

مغلانی : کون ؟ وہ جو کٹہرے کے اندر گیا تھا۔

عباسی : حضور ابھی گبھرو ہے۔ کوئی برسیں بیس ایک کا سن ہوگا مسیں بھیگتی ہیں۔

بیگم : اور خوش رُو ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی: مگر ماشاء اللہ سے کڑیل جوان ہے۔ سینہ چوڑا، گردن موٹی، شانے بھرے ہوئے۔

بیگم: جب تو شیر سے لڑتا ہے۔ کڑیل جوان نہ ہوتا تو بھلا شیروں سے اِتّا ٹھینگا مقابلہ کرسکتا تھا۔

اس پر ایک عورت نے کہا۔ حضور مقابلہ کیسا۔ سب نظر بندی ہے۔ بھلا کہیں آدمی شیروں سے مقابلہ کرسکتا ہے۔ توبہ توبہ کر بندی۔ سب جادو کا زور ہے، اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو شاید کسی کل کے زور سے شیر بنا لیے ہوں گے۔

بیگم: بی مغلانی جو یہ صاحب ادھر سے نکلے تو ذری بلا لینا۔

مغلانی: حضور اور تو سب خوش ہیں۔ وہ صاحب تو ہماری بولی سمجھ لیتے ہیں۔ سُنا یہ انگریز نہیں ہے۔

بیگم: انھیں کی ایک ٹوپی ہے۔

اتنے میں ایک صاحب جن کو تماشے والوں نے دس دن کے لیے نوکر رکھ لیا تھا، چق کے قریب آیا، تو مغلانی نے کہا۔ صاحب ذری جا کے ان صاحب کو بھیج دو، جو شیر سے لڑنے گئے تھے۔ صاحب نے پوچھا کیوں؟ کہا بیگم صاحب یاد فرماتی ہیں۔ اس نے مہتمم سے کہا۔ مہتمم نے اجازت دی اور وہ گھبراتا ہوا چق کی جانب آیا۔

صاحب: وِل۔ وہ صاحب آیا ہے۔

مغلانی: اچھا ٹھہریے صاحب۔

بیگم: پوچھو ان کا سن کیا ہے۔ صاحب سے پوچھو۔ یہ تو ہم کو حشو نظر آتا ہے۔ حیوانوں سے لڑتے اور صحبت گرماتے گرماتے خود بھی حیوان ہو گیا۔

مغلانی: ان صاحب کی کیا عمر ہوگی، جو کٹھرے میں جا کے شیر سے لڑے تھے۔

صاحب: بیسواں سال ہے۔ یہ جرمنی کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے مُلک کے نہیں ہیں۔ تینوں شیروں کو انھوں ہی نے سکھایا ہے۔

مغلانی: بیگم صاحب پوچھتی ہیں کہ ان کو خوف نہیں معلوم ہوتا ہے۔

صاحب: (مسکرا کر) یہ بڑے جیالے آدمی ہیں۔

مغلانی: بھلا بیگم صاحب کی نوکری کرنا منظور ہے۔ اگر منظور ہو تنخواہ بتا دیں۔ بیگم صاحب نوکر رکھ لیں گی۔

صاحب: اب یہ اپنے وطن جانا چاہتے ہیں۔ یہاں نہیں رہیں گے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مزاج کے موافق نہیں ہے۔
بیگم صاحب نے کہا ہم ان کو انعام دینا چاہتے ہیں۔ صاحب نے کہا تماشے کے مالک سے دریافت کرلیں، تو جواب عرض کریں۔ یہ کہہ کر تماشے کے مہتمم اعلیٰ کے پاس گیا۔ انھوں نے بیگم صاحب کی سخاوت کی تعریف کی، اور کہا جو کچھ انعام دیں فوراً منظور کیا جائے گا۔ صاحب نے بیگم صاحب کو اطلاع دی اور اسی دم انھوں نے سونے کے جڑاؤ کڑے کی جوڑی اُتار دی۔ جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہ تھی۔
مہتمم اعلیٰ سرکس کے میدان میں آیا اور کُل حاضرین کو مخاطب کرکے یوں کہنے لگا۔
صاحبو! ہم ثریّا بیگم کی فیّاضی، اور سخاوت کے کمال شُکر گزار ہیں، کہ ہمارے مسٹر جان کو جو بنگالے کے خونخوار شیروں سے اس جُرأت اور جواں مردی کے ساتھ لڑتے تھے۔ اس فیّاض لیڈی نے سونے کے کڑے کی جوڑی عطا کی۔ اس تماشے کے مہتمم کو اس عطیہ سے کوئی واسطہ نہیں بیگم صاحب نے خاص مسٹر جان کو یہ عطا فرمائی، اور یہ انھیں کا حصہ ہے۔ مسٹر جان اپنی جان پر کھیل کر شیروں سے مقابلہ کرتے ہیں، اور ذرا نہیں جھجکتے۔
صاحب نے انگریزی زبان میں کہا اور ایک ہندوستانی نے بہ آواز بلند اس کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ تو لوگ دنگ ہو گئے، کہ ثریا بیگم کون رئیس زادی ہیں۔ ایک ایک سے پوچھنے لگا مگر پتہ نہ لگا۔ حیرت تھی کہ یہ کون ہیں، کہاں سے آئی ہیں۔ کہاں رہتی ہیں۔ لیکن کوئی جانے تو کیا جانے۔ کوئی بوجھے تو کیا بوجھے۔ دو دن سے ثریا بیگم اس عظمت و شان کے درجے کو پہنچیں تھیں، ورنہ اب تک جوگن کے بھیس میں اِدھر سے اُدھر ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھیں۔ جب دس منٹ کی تماشے والوں نے مہلت لی اور لوگ باہر جانے لگے تو اس کا چرچا زیادہ ہوا۔ فرنگی جنٹلمین اور لیڈیاں، اور ہندوستانی رؤسا اور عوام سب کی یہی خواہش تھی کہ ثریا بیگم کا حال دریافت کریں، کہ یہ کون رئیسہ ہیں۔
اب سُنیے کہ بیگم صاحب نے، اور آدمیوں میں دو ایسے آدمی دیکھے جن سے یہ بخوبی واقف تھیں۔ ایک آقا دوسرا نوکر آگے پیچھے جاتے تھے۔ بھیڑ بھڑکے کے سبب سے عین چق کے قریب تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے۔

آقا: (نوکر سے) چل بے ٹھٹک کیوں رہا۔ چلتا نہیں آگے۔

نوکر: آدمی میں حواس ہی حواس ہیں۔

آقا: کیا؟ بائیں۔ ٹھہر کیوں گیا۔ اب چلتا ہے یا میں دوں اوپر سے۔

نوکر: کسی بڑھئی کو بُلا کر عقل کے ناخن لو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آقا : کیا بے تُکی بکتا ہے۔ سب باہر چلے جاتے ہیں۔ یہ رُک رہے۔

نوکر : تو آپ ہی آگے بڑھ جائیے نہ۔ جائیے۔ بندۂ درگاہ تو صاحب لوگوں میں دراتے ہوئے نہ جائیں گے۔ کوئی کچھ کہہ بیٹھے تو کیا ہو۔

آقا : تو ہم اکیلے کیوں کر جا سکتے ہیں۔

نوکر : یہ کیوں۔ کیا بھیڑیا کھا جائے گا، یا پیٹھ پر لاد کر اُٹھائے جائے گا۔ ایسے تو دُبلے پتلے بھی آپ نہیں ہیں۔ ساتا روہن بھی ہو تو کیا ڈر ہے۔ ہاتھی پر بیٹھے تو کانکھ دے۔ آپ کو جلدی ہو تو چلے جائیے۔

آقا : بغیر خدمتگار کے جانا ہماری وضع کے خلاف ہے۔

نوکر : خدمتگار آپ کا کون ہے۔ ہم تو اس وقت مالک معلوم ہوتے ہیں۔ ہم آقا، تم نوکر۔ آگے آگے ہم، پیچھے پیچھے تم۔ آگے آگے راجہ، پیچھے پیچھے پرجا۔

آقا : ہاں! تو ہم کو آگے جانے دو۔ تم بڑے شریر ہو۔

نوکر : ہزار دفعہ کہہ دیا کہ میاں وحشت کی نہ لیا کرو۔ مگر مانتے ہی نہیں۔ ابھی کوئی ایک ڈگ جمادے تو ساری مشیخت رکھی رہے۔ آئے وہاں سے رئیس بن کے۔

آقا : اچھا باہر نکل کے اس کا جواب دوں گا۔ دیکھ تو سہی۔

نوکر : اجی جاؤ بھی۔ دو اُنگل کا ہمارے آپ کے فرق ہے۔ جب یہاں ہی جواب نہ دیا تو باہر کیا بناؤ گے۔ اب چُپکے ہو رہیے۔ ناحق بن ناحق کو بات بڑھے گی۔

آقا : بس ہم انھیں باتوں سے تو خوش ہوتے ہیں۔

نوکر : خدا سلامت رکھے حضور۔ حضور کی بدولت ہم بھی دو گال ہنس بول لیتے ہیں۔ مگر خداوند ثریا بیگم نے آج اس شہر کی ناک رکھ لی۔

آقا : یار کسی طرح ان کا پتہ لگاؤ کہ یہ کون ہیں۔ شبّو جان تو چکما دے کر چلی گئیں۔ شاید یہی نکاح پر راضی ہو جائیں۔

نوکر : (مسکرا کر) ضرور۔ اور خوبصورت بھی خیر سے آپ ایسے ہی ہیں۔

آقا : کیوں۔ کیا اس میں کچھ شک بھی ہے۔ جواں، نوعمر، حسین، وجیہہ۔

نوکر : حضور بس عیب حضور میں اتنا ہی ہے، کہ اپنے مُنھ میاں مٹھّو بنتے ہیں۔

آقا : (اپنے گالوں پر تھپڑ لگا کر) سچ کہتے ہو۔ واللہ سچ ہے۔

نوکر : اس کی سند نہیں۔ اپنے آپ تھپّڑ لگائیے تو کیا۔ بات یہ ہے کہ یہ گال آپ کے اور ہاتھ کسی اور کے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب جاکر تھپڑ کی آواز آئے، ورنہ یوں تو ہمیشہ زنجک چاٹ جائے گی۔ یہ شرط ہے خداوند۔

آقا : بھئی سلارو۔ اس میں کچھ فکر ضرور کرو۔

راوی : ناظرین پہلے ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ آقا اور نوکر کون ہیں۔ ایک رونیو ایجنٹ، دوسرے میاں سلارو۔ ورنہ آقا اور نوکر میں اس قدر بے تکلفی کیوں کر ہو سکتی ہے۔

ثریا بیگم چپکے چپکے یہ دلچسپ مکالمے سنتی اور دل ہی دل میں ہنستی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک جواں رعنا نظر پڑا جس کو دیکھ کر ثریا بیگم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے:

دل میں اِک درد اُٹھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

مغلانی سے کہا، اس جوان کو دیکھتی ہو، وہ جو تنا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھا ہے۔

مغلانی : کدھر؟ حضور سامنے تو کئی کرسیاں بچھی ہیں۔

بیگم : (جھلا کر) وہ بُوڑھا آدمی ہے۔ سامنے دیکھو! ادھر کہاں نظر دوڑاتی ہو۔

مغلانی : ہاں بُوڑھا بیٹھا ہے۔ کالی ٹوپی والا۔

بیگم : اس کے دو کرسیوں بعد دیکھو۔

مغلانی : حضور وہ تو خالی ہیں۔

بیگم : (جھنجھلا کر) دِوانی ہو گیا۔ اے دو کرسیوں کے بعد کوئی ہے، یا سب خالی ہی ہیں۔ اتنی روشنی میں تمھیں سُوجھ نہیں پڑتا۔

مغلانی : جی ہاں اب دیکھا۔ اللہ جانتا ہے کتنے قبول صورت ہیں اور ہاتھ پاؤں سانچے کے ڈھلے ہیں۔ گورے گورے گال، ہونٹ لال لال۔ ابھی نامِ خدا سبزہ آغاز ہیں۔

بیگم : بالکل میاں آزاد کے ہم شکل ہیں۔ کہیں میاں آزاد ہی نہ ہوں۔ ذری داروغہ صاحب کو بُلاؤ۔

مغلانی : بہت خوب۔ اس بھیڑ میں تو شاید ہی ملیں۔

بیگم : (چیں بہ جبیں ہو کر) تو ذری اٹھو تو۔ یہیں سے بیٹھی بیٹھی باتیں بناتی ہو۔

عباسی : میں باہر جاکر بُلائے لاتی ہوں حضور۔ ابھی لائی۔

بی عباسی لہنگا پھڑکاتی ہوئی باہر آئیں۔ میانے کے پاس جاکر دیکھا کہ داروغہ صاحب حقّہ پی رہے ہیں۔ کہا چلیے نادری حکم ہے کہ ابھی ابھی بُلا لاؤ۔ بس اُٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے۔

داروغہ : اچھا اچھا، چلتے ہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ذرا دم لو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی : بڑا ضروری کام ہے۔ خفا ہو رہی ہیں۔ جلدی چلیے۔

داروغہ : یا الٰہی حقّہ تو پی لینے دو۔ لاحول ولاقوۃ۔ تین گھنٹے کے بعد اس وقت حقّہ نصیب ہوا ہے۔

عباسی : اچھا نہ چلیے۔ مگر پھر ہم کو الھنا نہ دیجیے گا۔ ہم جتائے جاتے ہیں۔

داروغہ : (حقّہ پٹک کر) چلو صاحب چلو۔ اچھی نوکری ہے۔ دن رات غلامی کرو تب بھی چین نہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ مہینہ ختم ہولے تو ہم اپنے گھر کی راہ لیں۔ پیچ پی ہزار نعمت۔

عباسی نے جاکر عرض کیا حضور داروغہ صاحب حاضر ہیں۔

بیگم : داروغہ صاحب!

داروغہ : ارشاد حضور، حاضر ہوں۔

بیگم : (آہستہ سے) جہاں پردے پڑے ہیں اس کے دائیں طرف پہلی صف میں چق کے سیدھ پر ایک بُوڑھا آدمی کالی ٹوپی پہنے بیٹھا ہے۔ اس کی کرسی کے بعد دو کرسیاں خالی ہیں۔ تیسری کرسی پر کالے کپڑے پہنے ہوئے ایک جوان بیٹھا ہے۔ ابھی سبزہ آغاز ہے۔ ان کا نام جاکے دریافت کرو۔ مگر آدمیت سے پوچھنا۔

داروغہ : یا الٰہی! حضور بڑی کڑی نوکری بولی۔ غلام کو یہ سب باتیں یاد کیوں کر رہیں گی۔ جیسا حکم ہو۔

عباسی : اُوئی۔ کیا ننّھے بنے جاتے ہیں۔ وہ باتیں کون ایسی لمبی چوڑی ہیں جو یاد نہ رہیں گی۔ پردے، پہلی صف، بُوڑھا، کالی ٹوپی، جوان گھبرو، کالے کپڑے، سبزہ آغاز۔ بس۔

داروغہ : کیا مختصر کردی بات۔ تو ہم میں اور تم میں فرق بھی تو ہے۔ تم ابھی سترہ اٹھارہ برس کی ہو، اور یہاں بالکل سفید ہو گئے۔ خیر حضور جاتا ہوں۔

داروغہ صاحب اندر تشریف لے گئے۔ پہلی صف میں کالی ٹوپی والے پیر فرتوت کو دیکھا، تو بہت ہی خوش ہوئے۔ معاً اس جوان رعنا پر نظر پڑی۔ اس کے پاس جاکر خالی کرسی پر بیٹھے، اور جُھک کر آداب بجالائے۔ جوان رعنا نے دیکھا کہ پُرانے فیشن کے ایک پیر فرتوت ہیں۔ پُرانی وضع کی چپکن اور گھٹنیلا ٹاٹ بانی جُوتا اور پگڑی اور پٹکا۔ انھوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔

داروغہ : حضور کا دولت خانہ کہاں ہے؟

جوان : اسی شہر میں۔ یہیں پیدا ہوا۔ یہیں پڑھا، یہیں رہا، یہیں تعلیم پائی۔

داروغہ : بجا۔ اسمِ مُبارک جناب کا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوان : خاکسار کو میاں آزاد کہتے ہیں۔
داروغہ : آزاد حضور کا تخلّص ہے شاید، اور اسمِ شریف ؟
جوان : یہی تخلّص ہے اور یہی نام ہے۔

یہ باتیں دریافت کر کے داروغہ صاحب بیگم صاحب کے پاس گئے۔ کہا حضور بڑے خلیق اور ملنسار آدمی ہیں۔ رئیس زادے معلوم ہوتے ہیں۔ میاں آزاد نام ہے۔ بیگم صاحب نے داروغہ کو از سر تا پا دیکھا۔ پوچھا نام کیا بتایا۔ داروغہ نے پھر کہا میاں آزاد۔ بیگم صاحب کا دل دھڑکنے لگا۔ فرطِ طرب اور وفورِ مسرت سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ جوانِ رعنا کی طرف پھر نظر ڈالی۔ داروغہ کو حکم دیا کہ جا کر پوچھ آؤ۔ اللہ رکھی سے بھی آپ واقف ہیں۔ داروغہ نے کہا تعمیلِ ارشاد میں عُذر نہیں، مگر خوف ہے کہ مبادا بد دماغ ہو جائیں۔ کچھ کہہ بیٹھیں۔ سوال کسی قدر بھونڈا ہے۔ غور کر لیجیے۔ بیگم صاحب جھلّا کر بولیں۔ ہم نے ہر پہلو پر پورا پورا غور کر لیا ہے۔ آج حقِّ نمک ادا کرو۔ کسی ترکیب سے ان کو مکان تک لاؤ۔

داروغہ صاحب سمجھے، کہ بیوی کا اس خوبرو جوان پر دل آگیا۔ عشق چرّایا۔ اب خدا ہی خیر کرے۔ سوچا کہ اگر اللہ رکھی کا ذکر چھیڑا، اور وہ بگڑ گئے تو بڑی کرکری ہوگی اور اگر نبھاؤں تو یہ موقوف کر دیں گی۔ "جائے ماندن نہ پائے رفتن"۔ یا قسمت یا نصیب کہہ کر چلے گئے، مگر پو قدمے اور ہر قدم پر سوچتے جاتے تھے۔ قہرِ درویش بر جانِ درویش پھر اُسی کرسی پر جا بیٹھے اور یوں گفتگو کی۔

داروغہ : ایک التماس ہے خداوند !
جوان : ارشاد فرمائیے۔
داروغہ : مگر شرط یہ ہے کہ حضور خفا نہ ہوں۔ سوال کے جواب میں صرف ہاں یا نہیں کہہ دیں۔ بس اور میں کچھ نہیں چاہتا۔
جوان : بہت خوب۔ ہاں کہوں گا یا نہیں۔ تیسرا لفظ زبان پر نہ آئے گا۔
داروغہ : جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ حضور کا غلام ہوں خانہ زاد۔
جوان : اب اس قدر اصرار کیوں کرتے ہیں۔ آپ، جو کچھ فرمانا ہو فرمائیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بُرا نہ مانوں گا۔ بلا تامّل فرمائیے۔
داروغہ : ایک صاحبہ دریافت فرماتی ہیں کہ حضور اللہ رکھی کے نام سے بھی واقف ہیں۔ بس ہاں یا نہیں۔ تیسرا لفظ زبان پر نہ آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوان : بس اتنے ہی کے لیے اس قدر اصرار تھا۔ میں اللہ رکھی سے بخوبی واقف ہوں مگر یہ کن نیک بخت نے دریافت کیا ہے۔ ان کے نام سے مجھے اطلاع دیجیے تو کچھ اور بھی عرض کروں۔

داروغہ : کل صبح کو جس مقام پر آپ حکم دیں میں مل لوں گا۔ کل امور طے ہو جائیں گے۔ وقت مقرر کر دیجیے۔

جوان : حضرت کل تک کی خبر نہ لیجیے۔ واسطے خدا کے بتا دیجیے :

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

آج شب کو نیند نہ آئے گی۔ ع آتشِ شوق تیز تر گردد، کا معاملہ ہے۔

داروغہ : تو پھر مجھے دریافت کر لینے دیجیے۔

جوان : بسم اللہ۔ آپ دریافت کر آئیں۔

داروغہ پھر چق کے پاس آئے۔ حضور کچھ عرض کرنا ہے۔ ایک عورت جھلّا کر بولی۔ اُوئی یہ کون ہے۔ ناک میں دم کر دیا۔ جب دیکھو مُوا چق کے پاس موجود۔ کان کھا گیا۔ مردود کا یہاں کیا کام ہے۔ واہ۔ اس پر عباسی چیخ کر بولی۔ ایسی تو صورت بھی نہیں پائی ہے بیوی۔ شکل چڑیلوں کی ناز پریوں کا۔ یہ تو ہزار بار آئیں گے۔ کسو کا اجارہ نہیں ہے۔ چق کے باہر کھڑے ہیں، کچھ بھیتر نہیں چلے آتے۔ ایسی بڑی پردے والی ہو تو یہاں آئیں کیوں۔ عورت نے کہا تو یہ مردوا یہاں گھڑی گھڑی کیوں آتا ہے؟

عباسی : سیدھی طرح بیٹھنا ہو تو بیٹھو۔ نہیں اللہ جانتا ہے کھڑے کھڑے نکلوا دوں گی ہاں۔ کوئی ایسا ویسا نہ مقرر کرنا۔

عورت : تم تو ہر دابیگنی ہو۔ تمھارے مُنھ کون لگے۔

بیگم صاحب نے آہستہ سے پوچھا۔ کہو کام بنا کے آئے یا بگاڑ کے۔ داروغہ نے کڑک کر کہا۔ حضور بگڑنا کیا معنی؟ جب کہیے چلے چلیں، مگر بعد برخاست۔ بیگم صاحب نے پھر ایک بار اس جوان خوش رُو پر نظر ڈالی، اور بولیں۔ کہہ دو ضرور ساتھ چلیں۔ اللہ رکھی کو جانتے ہیں نہ۔ داروغہ بولے جی بخوبی واقف ہیں۔

اب داروغہ صاحب پھر اُس جوان کے پاس جا کر بیٹھے۔

جوان : یا حضرت فرمائیے۔ کیا ارشاد ہوا؟ ہاں یا نہیں اب۔ پہلے آپ ہاں یا نہیں چاہتے تھے اب ہماری درخواست ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ : نہیں۔ خدا نہ کرے۔ بعد برخاست چلیے اور ضرور چلیے۔

اتنے میں بینڈ باجا بجا اور لوگ ہر بڑا کر باہر سے آئے۔ دو منٹ کے بعد تماشا شروع ہوا۔ ایک ریچھ آیا۔ تین آدمی رسّوں سے مضبوط باندھے ہوئے تھے۔

بیگم : اللہ اتنا موٹا ریچھ! کیا جانے کس جنگل کا بھالو ہے۔ اتنا بڑا ریچھ ہم نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اُف موا دیو ہے۔ خاصہ دُنیا بھر کے جانور اکٹھّا کر لیے ہیں کیا؟ اس پر کوئی سوار ہو تو جانیں، کہ بڑا جیالا ہے۔ ذری دل لگی نہیں ہے۔

مغلانی : حضور ذری ذری سے لونڈے ریچھ پر سوار ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ سوار ہوئے تو کیا کچھ تعجب کی بات ہے۔

بیگم : اے تو ان دیوؤں پر سوار ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا ریچھ کبھی دیکھا ہو تو بتاؤ۔ یہ تو پندرہ سولہ آدمیوں کو لاد کے لے بھاگے گا۔ دو ایک کی کون گنتی ہے، مگر تماشے والوں کی اُستادی میں شک نہیں۔ چو طرفہ سے موئے کو جکڑ دیا۔ اب کچھ کر ہی نہیں سکتا۔

ریچھ کو تماشے والوں نے سرکس کے میدان میں خوب دوڑایا، اس کے بعد دوسرا ریچھ آیا اور دونوں مل کر دوڑنے لگے۔

اب سُنیے، کہ ایک تماشا کرنے والا چست کپڑے پہن کر ایک ریچھ کی پیٹھ پر سوار ہوا، اور دو آدمیوں نے اِدھر اُدھر کوڑے پھٹکارنے شروع کیے۔ تھوڑی دیر کے بعد ریچھ کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک پاؤں ایک ریچھ کی پیٹھ پر رکھا، دوسرا پاؤں دوسرے ریچھ کی پیٹھ پر، اور نہایت تیزی کے ساتھ دوڑایا۔ تماشائی اس تماشے سے نہایت محظوظ ہوئے۔

ایک نواب صاحب مع رفقا و مصاحبین درجہ اوّل میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی چہ میگوئیاں سُننے کے قابل ہیں۔

نواب : کیوں میاں مسیتا۔ یہ کیا بات نکالی ہے کہ جس جانور کو دیکھو بس میں آ گیا۔ جس جانور کو دیکھو قابو میں کر لیا۔ عقل کام نہیں کرتی۔

مسیتا : عرض کروں خداوند! بس بات ساری یہ ہے کہ یہ لوگ عقل کے پُتلے ہیں۔ کوئی شے دُنیا کے پردے پر ایسی نہیں، جس سے یہ واقف نہ ہوں۔ چڑیا کا علم، ان کے ہاں مویشی کا علم ان کے ہاں۔ ہل چلانے کا علم ان کے ہاں۔ گانے بجانے کا علم ان کے ہاں۔ پھلواریوں کو سینچنے کا علم ان کے ہاں۔ سینے پرونے، کاتنے کا علم ان کے ہاں۔ کل جو سفید پتھر والی بارہ دری کی طرف سے گزرا، دیکھا کہ انبوہ کثیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمع ہے۔ سر ہی سر دُور تک نظر آتے، اور جو ہے فوق البھڑک۔ اتنے میں انگریزی باجا بجنے لگا۔ تو حضور جو گورے باجا بجاتے تھے ان کے سامنے ایک ایک کتاب کُھلی ہوئی تھی۔ اس کو دیکھتے جائیں اور بجاتے جائیں۔ مگر بس ڈھوتڑ، ڈھوتڑ، ڈھوتڑ ڈھوں۔ اس کے سوا اور کوئی بول ہی سُننے میں نہ آیا۔

لالہ نتھو : اس سب تقریر کا مطلب نہ سمجھے۔ حضور کے سوال کا جواب تو عطا کرو۔ پوچھتے ہیں کہ جانوروں کو بس میں کیوں کر لاتے۔

مسیتا : کہا نہ ہر شے کی لم دریافت کر لیتے ہیں۔ اس کی بھی لم دریافت کر لی ہوگی۔ علم کے زور سے دیکھا ہوگا کہ کون جانور کس شے پر عاشق ہے۔ بس وہی شے مہیا کر دی۔ مثلاً بلبل عاشقِ گل ہے، یا قمری کی شمشاد پر جان جاتی ہے۔ بس وہی شے مہیا کر دی۔

نواب : تسلّی نہیں ہوتی۔ کوئی وجہ خاص ضرور ہے۔ بیشک۔

رفیقِ خاص : خداوند ابو الفضل تک نے ان لوگوں کو دانایانِ فرنگ تصوّر کیا ہے۔

نواب : کیا شک ہے۔ کیا شک ہے۔ آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں۔

مسیتا : حضور ہندوستان کا نٹ بھی وہ کام کرتا ہے، جو خدائی میں کسی اور سے نہ ہو سکے۔ بانس گاڑ دیا اور اوپر چڑھ گیا، اور انگوٹھے کے زور سے کھڑا ہو گیا۔

لالہ : کُل کوئی قدر دان جاننے والا نہیں۔

مسیتا : اجی ٹکے ٹکے کو محتاج ہیں۔ کوئی پوچھتا ہی نہیں، کہ تم کون ہو۔

نواب : ہم نے آج تک ایسا نٹ نہیں دیکھا۔ واللہ نہیں دیکھا۔

رفیقِ خاص : حضور دیکھتے تو پسند ضرور کرتے، اور پسند کرتے تو نٹ کا گاؤں بھر مالا مال ہو جاتا۔ رئیسوں کے یہ معنی ہیں۔

مسیتا : کیا فرق ہے۔ رئیس ابنِ رئیس۔ ابنِ رئیس کیا شک ہے۔

اتنے میں ایک رفیق نے کہا۔ خداوند غلام نے لم دریافت کر لی، جو کبھی جھوٹ نکلے تو ناک کٹوا ڈالوں۔ بس ہم سمجھ گئے۔ حضور سلف سے خلف تک کوئی شیر سے لڑ ہی نہیں سکا۔ کیا مجال، انسان اور شیر سے لڑے، اور اس گبھرو کی جُرأت کو دیکھیے کہ تین تین شیروں سے مقابلہ کیا، اور پھر اس جواں مردی کے ساتھ کہ کسی کو تسمہ لگایا، کسی پر کوڑا جمایا، کسی پر لپٹ گیا۔ ایک شیر کے کان پکڑے، دوسرے کو تھپڑ دیا۔ یہ آدمی کا کام نہیں ہے اور اگر ہے تو کوئی آدمی کر دکھائے۔ خداوند تمام ہندوستان میں مُنادی ہو جائے، بھلا کوئی جیوٹ والا نکل تو آئے۔ ممکن ہی نہیں حضور، اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں بھی کچھ ایسے نہیں ہیں۔ آدمی کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کام نہیں۔ خداوند یہ کچھ اور ہی کھیل ہے۔

نواب نے کہا تو ایسا ہی انسان کی طاقت اور عقل سے خارج ہے کہ شیر بس میں آجائے۔ آ ہی نہیں سکتا، مگر تم کچھ ضرور سمجھے ہو۔ رفیق نے کہا ہاں حضور کے اقبال سے غلام بخوبی سمجھ گیا، مگر مشہور نہ ہونے پائے۔ نواب صاحب نے کہا۔ بتاؤ تمھیں واللہ اس میں کیا بھید ہے۔ کوئی بات ضرور۔ رفیق نے آہستہ سے کہا۔ خداوند قسم حضور کے سرِ مبارک کی (ادھر اُدھر بنظرِ احتیاط دیکھ کر تاکہ کوئی سُن نہ لے) حضور یہ (پھر ادھر اُدھر دیکھا) خداوند قسم ہے حضور کے سرِ مبارک کی واللہ جو اس میں فرق ہو تو ناک کٹوا ڈالوں۔ (پھر آہستہ سے کہا) حضور یہ سب جادُو کا کھیل ہے۔

نواب: سبحان اللہ۔ بس یہی ہے۔ ہمارے دل پر بات جم گئی۔ بس جادُو ہے، بیشک جادُو ہے۔

مسیتا: ہاں یہ مانا۔ یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے۔ انصاف کی کہی۔

لالہ: جادُو، جادُو، جادُو برحق۔ یہ سب ساحری کا کھیل ہے۔ میاں کا ذہن خوب لڑا۔ اچھی لم دریافت کی۔ شاباش، شاباش۔

نواب: اکیلا آدمی اور آدھے درجن شیروں سے لپاڈگی کرے۔ ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ شیر لاکھ کمزور ہو جائے، پھر شیر ہے۔

رفیق: خداوند ہاتھی لاکھ لُٹے گا کہاں تک لُٹے گا۔

نواب: بس ہمارے ذہن میں بات آگئی۔ یہ سب جادُوگر ہیں، اور جادُو کے زور سے شیر اور ریچھ اور سب جانور دکھا دیتے ہیں۔ اصل میں شیر ویر کچھ بھی نہیں ہے۔ سب فقرہ بازی ہے، فقرہ بازی ہے۔

مسیتا: حضور ہر صورت سے روپیہ کھینچتے ہیں۔ حضور کے قدموں کی قسم کہ ہندوستانی اس سے اچھے شیر بنا کر دکھا دیں۔ کیا یہاں جادُوگر ہی نہیں، مگر قدر تو کوئی کرتا ہی نہیں۔ حضور ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ شیر حرکت تو کرتے تھے، مگر پُتلیاں نہیں پھرتی تھیں۔ بس یہیں پر معلوم ہو گیا کہ مصنوعی ہیں۔ وجہ کیا کہ پُتلیاں نہ پھریں، اور حضور نے غور کیا ہو گا کہ جو ہیبت شیر کی ہوتی ہے اُس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

لالہ: ہاں آنکھوں سے تو یہی پایا جاتا تھا کہ کپڑے کے شیر بنائے ہیں۔ اس کے تو بندے بھی معقول ہیں۔ آنکھ بس ایک طرح چڑ رہتی تھی۔ ہلتے نہیں دیکھا۔ جادُو ہی کا کھیل ہے۔

زبر خاں: واللہ میں کہنے ہی کو تھا۔ میرے مُنھ سے میاں مسیتا بات چھین لے گئے۔ بیشک کپڑے کے شیر ہیں خداوند۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رفیق : بھلا شیروں کو دیکھ کر کسی صاحب کو خوف معلوم ہوتا تھا۔ ایمان سے کہیے گا۔ بلکہ ریچھ کے آنے سے البتہ ڈر معلوم ہوا، اور شیروں کی صورت سے ذرا بھی نہیں۔ ہندوستانی ساحر ایسی مہیب صورت بنا دے کہ سچ مچ کا شیر بھی دُم دبا کر بھاگے۔

زبر خاں : پھر اس میں کمال کیا ہے۔ جب جادُو کا کھیل ہے، تو کمال ہی اس میں کیا۔

رفیق : ان کے نزدیک کچھ کمال ہی نہیں۔ آپ تو ایسے شیر بنا دیجیے۔ شعبدہ بازی ہے۔ کہنے لگے اس میں کمال ہی کیا ہے۔ اُونہہ۔

زبر خاں : جی حضور یہ ایسی ہی بے پر کی اُڑایا کرتے ہیں۔

مسیتا : زبر خاں ہوں گے۔ ان کی نہ کہیے۔ یہ تھالی کے بیگن ہیں۔

رفیق : کہتے ہیں کہ جادُو کے شیروں سے لڑے تو اس میں کمال ہی کیا ہے۔ سُنا آپ نے۔ اس وحشت کے صدقے۔ واہ اُستاد واہ۔

مسیتا : ہونہہ۔ جادُو کے شیروں سے نہ لڑیں تو کیا سچ مچ کے شیروں سے لڑیں۔ بیدھے نہیں ہیں۔ سچ مچ کے شیروں سے مقابلہ کر کے جان دے دیں۔ اس عقل کے قربان۔ اے لاحول۔

نواب : کہیے تو اُس سے جو سمجھ دار ہو۔ نافہم سے کہنا فضول ہے۔

مسیتا : حق ہے۔ حضور، خداوند، کمال یہ ہے، کہ ہزاروں آدمی یہاں پر اس وقت بیٹھے ہیں، مگر ایک کی سمجھ میں بھی نہ آیا کہ یہ کیا اسرار ہے۔

نواب : اور پھر سمجھے تو ہمیں سمجھے۔

راوی : پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی، تم سمجھے تو کیا سمجھے

آپ کی سمجھ پر خدا کی مار۔ واہ کیا سمجھ ہے۔ ؏ بریں عقل و دانش بباید گریست

رفقا : حضور کی کیا بات ہے۔ خداوند، واللہ خوب سمجھے۔

نواب : ذہن لڑ گیا۔

راوی : اے صلّ وجلّ کیا بات ہے۔

اتنے میں اُس تماشے والے نے ایک ریچھ کو اپنے اُوپر لادا، اور دوسرے کی پیٹھ پر ایک پاؤں رکھ کر بے تحاشا دوڑایا۔ لوگ دنگ ہو گئے۔ اتنے بڑے، موٹے تازے، ریچھ کو پیٹھ پر لاد کر دوسرے ریچھ کی ننگی پیٹھ پر ایک پاؤں رکھ کر دوڑنا محال ہے۔

بیگم صاحب نے اس شخص کو پچاس روپیہ بطریقِ انعام دیا اور مہتمم سرکس نے پھر ثریا بیگم کی تعریف کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رونیو ایجنٹ نے جو سُنا کہ ثریا بیگم نے پھر انعام دیا تو سلارُو سے کہا۔ بھیّا سلارو، ثریا بیگم کا پتا لگاؤ۔ کوئی بڑی امیر کبیر معلوم ہوتی ہیں۔ سلارو نے کہا۔ ہمیں تو یہ افسوس ہے کہ تم بھالو کیوں نہ ہوئے۔ پس تم اسی لائق ہو کہ رسّوں سے جکڑ کر سامنے والے میدان میں دوڑائے۔ رونیو ایجنٹ نے آنکھیں نیلی پیلی کیں، تو سلارو دبے دانتوں بولا۔ بس بس۔ یہاں بلوہ نہ مچانا۔ یہ گھر نہیں ہے۔ گھر چل کر غصّہ اتار لیجیے گا۔ یہاں بگڑنے کا کون موقع ہے بھلا۔

آقا : اچھا کان گرما دیں۔

سلارو : میرے کان تو آگ کی طرح جل رہے ہیں۔ حضور کے کان اگر سرد پا گئے ہوں تو کہیے گرما دوں۔ اس میں غلام کو عُذر نہیں ہے۔

آقا : اچھا کیا گھر نہ چلو گے؟

سلارو : کیوں؟ کیوں نہ چلیں گے۔ کیا کچھ تمھارا ڈر پڑا ہے۔

آقا : جہنّم میں جاؤ گے۔ آقا سے ایسی باتیں کرتے ہو۔ جس کا نمک کھاؤ اُسی کو بناؤ۔ کھاؤ اور غرّاؤ۔ بھلا سمجھا جائے گا۔ فہمیدہ خواہد شُد۔ مگر (مونچھوں پر تاؤ دے کر) تو وکیل جو ثریا بیگم کی خدمت میں بار پایا۔

سلارو : مُنھ دھو رکھیے۔

نواب صاحب اور ان کے مصاحبوں کی تقریر ثریا بیگم صاحب کے داروغہ اور میاں آزاد بھی سُنتے جاتے تھے۔ میاں آزاد ان جُہلا کی باتوں پر دل ہی دل میں ہنس رہے تھے۔ اتنے میں نواب صاحب نے میاں آزاد کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔ آپ کا اسمِ مبارک؟ انھوں نے کہا۔ میاں آزاد۔ پوچھا۔ دولت خانہ کہاں؟ ع درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست۔ پوچھا۔ مذہب؟ کہا تو۔ سیّد۔

نواب : (داروغہ سے) آپ کو ہم پہچانتے ہیں حضرت۔ شاہی دَور میں شاید توپ خانہ آپ کے تعلق تھا۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ ہم نے کئی بار آپ کو دیکھا ہے۔

داروغہ : حضور توپ خانہ تو میرے تعلق کبھی نہ تھا۔ مگر شدیدیوں کے رسالے کا سر رشتہ دار البتہ تھا۔ حضور کے دولت خانہ پر حاضر ہونے کا بارہا اتفاق ہوا ہے۔ بڑے نواب صاحب خُلد مکاں میرے چچا کے محسن تھے۔

نواب : (آزاد سے) کیوں جناب یہ سب نظر بندی ہے یا کچھ اور۔

آزاد : حضرت سب طلسم ہی طلسم ہے۔ طلسمات کا کھیل ہے۔ جس طرف نظر دوڑاتا ہوں جادُو ہی جادُو نظر آتا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب : ڈھٹھ بندی اسی کو کہتے ہیں نہ۔ سوانگ جو کیا کرتے ہیں۔

آزاد : جی ہاں۔

نواب : مگر سُنا پنج کوسی آدمی آئے تو سارا بھید کھُل جائے۔ نہیں پانچ کوس کے اُدھر کا آدمی اگر آئے تو اس پر جادُو کا خاک اثر نہ ہو۔

آزاد : مگر ان کا جادُو بڑا کڑا جادُو ہے۔ دس منزل (اُدھر) کا آدمی بھی آئے تو چکما کھا جائے۔ یہ اور ہی جادُو ہے۔

نواب : اور کیوں صاحب یہ شیر بھی جادُو کے تھے ؟

آزاد : جی اس میں کیا شک ہے۔ کپڑے کے بنے ہوئے تھے۔

رفیق : ہم لوگوں نے بھی یہی تجویز کیا تھا حضور۔

آزاد : جی ہاں میں سُنتا جاتا تھا۔

میاں آزاد جادُو کے قائل نہ تھے۔ مگر نواب صاحب اور ان کے مصاحبوں کو بنانے کے لئے ہاں میں ہاں ملاتے جاتے تھے۔ بلکہ وہ ایک کہتے تھے یہ دس۔ تھوڑی دیر تک انھوں نے خوب بنایا۔ نواب صاحب اور داروغہ اور میاں مسیتا اور للہ اور کُل رفقا کو شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ تماشے والے ساحر ہیں۔

نواب : کیوں میاں آزاد صاحب آپ کے قریب یہ انگریز کون بیٹھے ہیں ؟

آزاد : جی انگریز اور ہندوستانی کہیں نہیں ہیں۔ یہ سب جادُو کے آدمی نظر آتے ہیں۔

اس فقرے پر ایک زندہ کو بے اختیار ہنسی آئی۔ میاں آزاد کے کان میں کہا۔ واللہ خوب بناتے ہو۔ سبب جادُو ہی جادُو ہے۔ نواب صاحب نے پوچھا۔ یہ روشنی کیسی ہے ؟ آزاد بولے۔ پیر و مرشد روشنی کجا۔ سب جادُو ہے۔ ورنہ لمپ نہ کنول۔ اس کے بغیر اس قدر روشنی کیوں کر ہوتی۔ تمام خیمہ جگمگا رہا ہے۔

نواب : ان سے جادُو سیکھنا چاہیے۔

آزاد : ضرور فکر کیجیے۔ داشتہ آید بکار۔

راوی : بالضرور۔ ہزار کام چھوڑ کر۔

رفیق : خداوند جادُو تو برحق ہے۔ گو کرنے والا کافر سمجھا جاتا ہے۔ کبھی اس بات کا خیال بھی نہ کیجیے گا۔ جادو سیکھنے۔

آزاد : سیکھنا ضرور چاہیے۔ چاہے جادُو سیکھ کر توبہ کر لو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں ایک پری چہرہ، برق دم، نازک اندام و گلفام، میم چمان چمان تشریف لائیں اور ان کے ساتھ ایک جنٹلمین۔

میم : وِل مسٹر ڈنبار۔ مزاج شریف۔

جنٹلمین : شکر ہے۔

میم : مسٹر ڈنبار بھلا کبھی کسی پر آپ کا دل بھی آیا ہے۔ سچ کہیے گا۔

جنٹلمین : میں جانتا ہی نہیں کہ عشق کہتے کسے ہیں۔

میم : دُنیا میں سب سے زیادہ کون چیز آپ کو مرغوب ہے۔

جنٹلمین : شہد۔

میم : عشق شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔

جنٹلمین : ہاں۔ واہ وا۔ تو پھر ہم بھی عاشق ہو جائیں گے۔

میم : (نوجوان مسوں کی طرف مخاطب ہو کر) نوخیز کنواریوں کی قسمت کا ستارہ چمک گیا۔ مسٹر ڈنبار کو عشق چرّایا ہے۔

اس پر لیڈیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ بعض بعض نے زیرِ لب تبسّم کیا۔

نواب : معلوم ہوتا ہے، مذاق کی باتیں کر رہے ہیں۔

آزاد : کون؟

نواب : یہ صاحب اور یہ میم آپ کے قریب جو بیٹھے ہیں۔

آزاد : اجی جناب یہ سب جادُو ہے۔ میم کہاں ہے، اور صاحب کہاں ہے۔ جادُو، جادُو۔ ہر سمت جادُو ہی جادُو ہے۔

نواب : ایں! جادُو کا اس قدر زور ہے۔ یا الٰہی! ہوش اُڑ گئے۔ اب یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ ہم کو خوف معلوم ہوتا ہے۔

یہ تماشا ہو ہی رہا تھا کہ ایک صاحب نشّے کی ترنگ میں اُچک کر سرکس کے میدان میں پہنچے اور یہ غزل پڑھنے لگے:

جو ملے تمھیں کہیں راہ میں تو کہو یہ بات نسیم سے — کہ دماغ تازہ کرے مِرا کسی گلبدن کی شمیم سے

فقط اتنی تم سے ہے التجا کہ لیا ہے تم نے جو دل مرا — کہ خبر بھی اس کی ضرور ہے کہ پلا ہے ناز و نعیم سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تری برقِ حُسن جو طُور پر کبھی چمکے رُخ سے نقاب اُٹھے
تو یقین ہے پھر نہ نکل سکے ارنی زبانِ کلیم سے

مِرے درد کی ہے دوا عبث مِرے واسطے ہے دعا عبث
کہیں موت کا بھی علاج ہے کوئی جاکے پوچھے حکیم سے

نظر آئی شیشے میں دُخترِ رز تو قدح کشوں کو یقین ہوا
کہ خدا نے دہر میں بھیج دی کوئی حور باغِ نعیم سے

ترے دیکھنے سے ہے مدّعا، لبِ جانفزا کا ہوں مبتلا
نہ ہے بحث مجھ کو مسیح سے نہ ہے کام مجھ کو کلیم سے

کسے طائروں کی خبر رہی کہ پھنسایا دانے نے دام میں
مِری حرص تھی کہ چھڑا دیا، مجھے ہمرہانِ قدیم سے

کہوں کیا میں صفدرِ خستہ جاں سرِ نفع ہے نہ غمِ زیاں
نہ طلب ہے مجھ کو بہشت کی نہ خطر ہے مجھ کو جحیم سے

تماشے والے اس کو بھی ایک تماشا سمجھ کر چُپکے ہو رہے اور ادھر چوطرفہ تالیاں بجنے لگیں۔ حضرت تو اس وقت نشہ کی دُھن میں تھے ہی۔ پوری غزل پڑھ گئے۔ ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔

نواب : یہ کس کی غزل ہے ؟

آزاد : مقطع نہیں سُنا آپ نے ؟ صفدر کی غزل۔

نواب : یہ کہاں کے شاعر ہیں۔

آزاد : نواب صاحب والیِ رامپور کے وزیر ہیں۔ نواب صفدر علی خاں بہادر، خوب فرماتے ہیں۔ کیا اچھا کلام ہے۔

دو چار آدمیوں نے سمجھا بجھا کر شرابی کو بٹھایا۔

سب سے آخری جلسہ یہ ہوا، کہ ایک چھوٹا سا ٹٹّو آیا۔ نہایت ہی خوبصورت اور قدم باز۔ ایک شخص اس پر سوار ہوا تو کھٹ پٹ کرتا ہوا یا بو سرکس کے میدان میں جانے لگا۔ ایسا قدم باز کہ میانہ قامت گھوڑا ساتھ دوڑتا جاتا تھا، مگر اس کی گرد کو بھی نہیں پاتا تھا۔

قدم باز ایسا گویا زیر پا امواجِ دریا ہے
سُبک خیز اس قدر ہلنے نہ پائے پیٹ کا پانی

اُس سوار نے اُتر کر کُل حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

صاحبو! برھما کا پونی (یابو) ہے۔ اس میں یہ وصف ہے کہ سوائے میرے تمام عالم میں کوئی اس پر سوار ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شہسوار کو دعویٰ ہو تو آئے۔ اکثر ریاستوں کے نامی گرامی شہسوار اس پر سوار ہوئے، اور سوار ہوتے ہی پٹخنی کھائی۔ اس پر ایک یوروپین فوجی آدمی جو کسی رجمنٹ کا سوار تھا، اٹھا اور اکڑتا ہوا چلا اور سرکس میں داخل ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار : ہم سوار ہوں گے۔ مگر ایسا نہ ہو کہ ٹٹّو اُوب کے مر جائے۔ سوچ لو۔

تماشے والا : آئیے آئیے۔ یہ ٹٹّو دب کے مرنے والا نہیں ہے۔ مگر سنبھلے رہیے گا۔

سوار : ٹٹّو ادھر لاؤ۔ اور تم پاس سے ہٹ جاؤ۔

تماشے والا : حاضر ہے۔ سوار ہو جیے۔

تماشے والے نے ٹٹّو کے کان میں کچھ کہا، تو سوار نے للکارنا شروع کیا۔ خبردار سکھانے پڑھانے کی سند نہیں۔ بس الگ ہٹیے۔ تماشے والا مسکرا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ ہٹ کر پھر کچھ کہنے لگا۔

سوار : یہ کس زبان میں باتیں کرتے ہو؟

تماشے والا : یہ ہمارے مُلک اطالیہ کی زبان ہے۔

سوار : اس زبان میں باتیں نہ کرو۔ ہم اطالیہ کی زبان نہیں جانتے۔ بس تم الگ ہی کھڑے رہو تو ہم سوار ہوں۔ ورنہ اپنے گھر کی راہ لیں۔

یہ کہہ کر سوار اس خوبصورت یابو کے قریب گیا۔ اور چُمکارنے لگا۔ یابو ان کے قریب آیا۔ حضرت نے کئی بار گردن پر ہاتھ پھیرا۔ سمجھے کہ یابو سے اب یارانہ پیدا ہو گیا، اب کچھ پروا نہیں ہے۔ خوش خوش رکاب پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ مُوا دس قدم آگے ہو رہا۔ کسی قدر خفیف ہوئے۔ دوسری بار پھر سوار ہونے لگے۔ یابو بیٹھ گیا۔ بہت کچھ کوشش کی مگر وہ جگہ سے نہ ہلا۔ چوتھی مرتبہ سوار ہوتے ہی اس نے تڑ سے زمین پر پھینکا۔ تو چاروں شانے چت۔

بہت ہی خفیف ہوئے، اور ادھر سب نے قہقہہ لگایا۔ جھاڑ پونچھ کر چلے، اور اپنا سا مُنھ لے کر اپنی کرسی پر آن کر ڈٹ گئے۔ تماشے والے نے پھر پُکار کر کہا۔ جس شہسوار کو دعویٰ ہو وہ آئے۔ افسوس ہے کہ ذرا سا یابو مُرغ کے برابر، اور اس قدر مجمع کثیر میں کوئی اس پر سوار نہ ہو سکے۔

ایک ہندوستانی شہسوار اُٹھا۔ ادھیڑ آدمی۔ کوئی بیالیس برس کا سن ہو گا۔ میانہ قامت۔ ڈھاٹا باندھے ہوئے۔ تماشے والے نے کہا تم سوار ہو گے؟ شہسوار بولا کوشش کرتے ہیں۔ دیکھیے ہمارا کیا حشر ہوتا ہے۔ سکھایا پڑھایا ٹٹّو ہے۔ ایسا ویسا تو ہے نہیں۔ شہسوار نے چادر سے کمر کسی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر یابو کی پیٹھ پر اُچک گیا۔ یابو چُپ چاپ کھڑا رہا۔ شہسوار اپنے دل میں خوش تھا کہ پالا ہمارے ہاتھ رہا۔ مگر ایڑ لگاتے ہی یابو نے گردن نیچی کر دی، تو حضرت لٹک گئے۔ چاہا کہ ران پٹڑی از سرِ نو جمائیں، مگر آسن اُکھڑ گیا اور دھم سے زمین پر آئے۔ اس پر لوگوں نے خوب قہقہہ لگایا۔

سوار : کسی اور کو شوق چرّا ہو تو آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک گورا : بس اب کسی شخص کو جرأت نہ ہوگی۔

دوسرا گورا : یہ یابو نمائش گاہ کے قابل ہے۔

ایک بڑے موٹے تازے یوربین گولہ انداز نے کہا۔ ہم بھی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہمارے بوجھ سے یابو مر جائے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔

تماشے والا : مقابلہ تو بیڈھب ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ مگر یابو اصل ہے۔ یہ بے پٹخنی دیے نہ رہے گا۔ آئیے آپ بھی دل کا ارمان نکال لیجیے۔

گولہ انداز : پھر پیچھے شکایت نہ کرنا۔ ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔

تماشے والا : ہم ذمہ دار ہیں۔ آپ سوار تو ہوں۔ مگر آپ کے پاؤں کے ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ یابو کے ہم ذمہ دار ہیں۔

گولہ انداز یابو کے قریب گیا۔ تماشے والے نے ازراہ مذاق یابو کے کان میں کچھ کہا۔ یابو نے گردن ہلائی۔ گویا سب سمجھ ہی گیا تھا۔ دو چار منٹ تک غور کرتا رہا۔ بعد ازاں یابو پر سوار ہو گیا۔ سوار ہوتے ہی یابو نے گردن نیچی کی اور ایسا پٹخا کہ گولہ انداز کوئی بیس قدم پر دھم سے گرا تو کل حاضرین نے باآواز بلند قہقہہ لگایا۔ گولہ انداز اُٹھ کر اپنی جگہ پر آیا۔

بیگم : واہ رے ٹٹو۔ ذری سا جانور اور اتنے بڑے موٹے تازے آدمی کو کس آسانی سے پٹخ دیا۔ شاباش ہے۔ واہ واہ۔

مغلانی : حضور! جادوگر کا بڑا گھر ہے۔ نہیں تو اتنا بھاری بھر کم آدمی اور ذری سے اشارے میں تڑ سے مُنھ کے بھل گرے۔

عباسی : اے وہ جو پہلے سوار ہوتے تھے نجیب خاں۔ وہ بڑے شہسوار ہیں۔ کئی گھوڑ دوڑوں میں بازیوں پر بازیاں جیت چکے ہیں۔ گھوڑے پر اس طرح سوار ہوتے ہیں جیسے کسی نے میخ گاڑ دی۔ مگر ٹٹو نے ان کے بھی چھکے چھڑا دیے۔

بیگم : بکے تو ہم مول لے لیں۔ مگر وہ بیچیں گے کیوں ؟

مغلانی : نہیں حضور! بھلا بیچنے کیوں لگے۔ یہ تو ان کی روٹیاں ہیں۔

عباسی : حضور! کوئی چوکس دام دے تو ابھی کوڑے کر ڈالیں۔

بیگم : اچھا کہاں تک بیچیں گے۔ ذری دریافت تو کرو کسی سے۔

عباسی : حضور! سو دو سو کو تو بیچنے سے رہے۔ کم سے کم دس بارہ ہزار کو بیچیں گے۔ لاکھوں روپیہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسی سے پیدا کرتے ہیں۔

بیگم : واہ بھلا دس بارہ ہزار کو اتنا سا ٹٹو خرید کر ہم کریں گے کیا؟

مغلانی : یہ تو اس سے لکھو کھا روپیہ کما سکتے ہیں۔ مگر ہمارے کس کام کا۔

اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ تماشے والوں سے دو صاحب پردے کے اندر گھس آئے۔ کہا حضور ثریا بیگم اگر رمنا دیکھنا چاہیں تو پردہ کے اندر آجائیے۔ ایک میم صاحب بتاتی جائیں گی کہ یہ کون جانور ہے اور وہ کون جانور ہے۔ بیگم صاحب نے منظور کر لیا اور کہا ہمارا داروغہ ہمارے ساتھ ضرور رہے گا۔

ثریا بیگم اور مغلانیاں اور عباسی اور مہری اور دو عورتیں ان کے ساتھ ساتھ رمنے میں آئیں۔ داروغہ صاحب بھی پیچھے پیچھے آتے تھے۔ میم صاحب نے پہلے اور نیگ اڈینگ دکھائے۔

میم : یہ اورنیگ اڈٹینگ بندر کی قسم سے ہے۔ اس کٹہرے میں دونوں بندر رہتے ہیں۔ ایک نر ہے، ایک مادہ۔ بالکل انسان کی سی صورت ہے۔ مگر جسم پر روئیں بندر کے سے ہیں۔

بیگم : کیا قدرت ہے خدا کی۔ واہ واہ! عجب عجب جانور پیدا کیے ہیں۔

مغلانی : حضور! یہی بن مانس ہے۔ مگر منھ سے کپڑا نہیں سیتا۔

عباسی : یہ مادہ ہے اور یہ نر ہے۔ حضور ان دونوں کو خرید کرلیں۔

بیگم : بھلا اگر کوئی خریدے تو یہ بک سکتے ہیں یا نہیں؟

میم : نہیں۔ یہ صرف نمائش کے لیے ہیں۔ بکری کے نہیں ہیں۔

راوی : میم صاحب ٹوٹی پھوٹی اُردو میں اپنا مطلب ظاہر کرتی جاتی تھیں جس کا ترجمہ نذرِ ناظرین ہے۔

عباسی : اور جو کوئی ایک کی جگہ پانچ خرچے تو بھی نہ بیچیں۔

میم : ایک کی جگہ پانچ نہیں، اگر ایک کی جگہ بیس بھی خرچو تو نہ بکے۔ انھیں کا تو تماشہ ہے۔ بیچنے کے لیے تھوڑا ہی لائے ہیں۔

مغلانی : انھیں پکڑا کیوں کرائے لو۔ بن مانس تو آدمی کی طرح کھڑا ہو گیا۔ کیا کھڑے ہو کے بھی چلتے ہیں؟

میم : ہاں اور لکڑی لے کر لڑ بھی سکتا ہے۔ ڈھیلا پھینک سکتا ہے۔

عباسی : تو جانور کا ہے کو آدم زاد ہے۔ واہ رے بندر!

میم : یہ جانور بڑی دِقّت سے ملا ہے۔ اس کا ملنا مشکل ہے۔

مغلانی : بھلا ہم لکڑی دیں ہم سے لڑے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میم صاحب کی اجازت سے مغلانی نے ایک لکڑی دی اور رنیگ اڈٹینگ لکڑی لے کر کھڑا ہو گیا اور لوہے کی سلاخوں پر اِدھر اُدھر دو چار لکڑی لگائیں۔ بیگم صاحب اور مغلانیاں اور مہریاں دنگ ہو گئیں۔ داروغہ صاحب نے کہا۔ خدا کی شان ہے کہ یہ بے زبان جانور اور آدمی کی طرح لکڑی استعمال میں لائے۔

بیگم : جی ہاں! آپ سے زیادہ عقل مند ہے۔ بے زبان نہ سمجھیے گا۔

مغلانی : یہ بے زبان کے بھروسہ بھولے ہیں۔ آپ سے اچھا ہے۔

عباسی : کیوں میم صاحب! کبھی یہ دونوں آپس میں لڑتے ہیں ؟

میم : کبھی نہیں۔ دونوں میں بڑا میل ہے۔ کبھی یہ اس کے زانو پر سر رکھ کر سوتا ہے اور کبھی وہ اس کے زانو پر سر رکھ کر سوتی ہے۔

اس کے بعد میم صاحب نے مختلف مُلکوں کے انواع واقسام کے جانور دکھائے جو ہندوستان کے بندروں سے بعض بعض امور میں کچھ یوں ہی سے مختلف تھے۔ میم صاحب نے کہا۔ کل یہ آٹھوں بندر چھوٹے چھوٹے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر سرکس کے میدان میں آئیں گے اور شہسواری کا کمال دکھائیں گے۔ بیگم صاحب سخت متحیّر ہوئیں کہ بندر اور شہسواری ! یہ عجیب بات ہے۔ مغلانی نے ہنس کر کہا۔ حضور ! بکرے پر سوار ہوتے تو انیٹھا سنگھ کو دیکھا مگر ٹٹوؤں پر سوار ہوتے آج ہی سُنا۔ سب طرح کے جانوروں کو سکھالیا ہے اور ایسا سکھایا ہے کہ بالکل بس میں آگئے۔ جس کو جو سکھالیا اس میں ذرا فرق نہیں ہوتا۔

میم صاحب نے مسکرا کر دریافت کیا کہ شیر کا کٹھرا کھولیں۔ بیگم صاحب جھجکیں۔ اُوئی کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ کیا شیر بھی اسی رمنے میں رہتے ہیں ؟ سُنا کہ سامنے والا کٹھرا شیروں ہی کا ہے۔ بہت خائف ہوئیں۔ بی مغلانی یہاں ٹھہرنا مصلحت نہیں۔ شیر کا کیا ٹھکانا، بپھر جائے تو معاذ اللہ بھاگتے راہ نہ ملے۔ بن مانس اگر جھپٹ بھی جائے تو دو چار مل کر پکڑ لیں اور پھر کٹھرے میں بند کر دیں۔ مگر شیروں کا مقابلہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ ہزار میں شاید ایک اُس جوان کا ساجیالا ہو تو ہو۔ مغلانی نے کہا۔ حضور! ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کٹھرا مضبوط ہے۔ لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہیں۔ ایسے کیا اناڑی ہیں کہ شیروں کو اس طرح پر چھوڑ دیں۔

اتنے میں ایک شیر ڈکارا اور بیگم صاحب گھبرا کر بھاگیں تو پائنچوں میں پاؤں لڑکھڑایا۔ گرنے ہی کو تھیں کہ ایک مغلانی نے ہاتھ سے روک لیا۔ بیگم صاحب نے کہا۔ اُوئی ایسے نگوڑے رمنے سے ہم در گزرے۔ داروغہ افینس منگواؤ۔ میم صاحب نے سمجھایا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہمارا ذمہ ہے۔ ابھی اور جانور تو دیکھ لیجیے۔

بیگم : اے ہے بس اب ہم ٹھہریں گے۔ اللہ یہ ڈکار۔ اُف! کلیجہ تک ہل گیا۔ اللہ جانتا ہے رونگٹا رونگٹا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھڑا ہے۔

میم : یہ دیکھیے زیبرا ہے۔ اس کو آپ نے اس میدان میں دیکھا ہوگا۔

بیگم : اے فینس منگواؤ۔ اللہ جانتا ہے ہماری جان پر بن آئی ہے۔

مغلانی : آپ کے دشمنوں کی۔ میں صدقے حضور! فینس حاضر ہے۔ کہار فینس لاؤ۔ اے داروغہ صاحب ادھر اُدھر پھرتے ہو، کہاروں کو نہیں بُلواتے۔

داروغہ : حضور! ان یابوؤں کو تو دیکھیے۔ بکروں کے برابر ہیں۔

بیگم صاحب نے یابوؤں کی طرف نظر ڈالی تو ارنا بھینسا بھی نظر آیا۔ اُوئی یہ مُوا دیو ہے یا جانور۔ جو جھپٹ جائے تو بھاگتے راہ نہ ملے۔ اب ہم جائیں گے۔ داروغہ نے فینس منگوائی۔ بیگم صاحب ناز و ادا سے فینس پر سوار ہوئیں۔ چوبدار، خاص بردار بسم اللہ کہہ کر ساتھ ہوئے۔ کہار چلے۔ مہریاں ادھر اُدھر فینس کا کونا دبائے چلی جاتی تھیں۔ سامنے دستی روشن تھی۔ ادھر اُدھر ایک ایک مہری اکّا لیے تھی۔ مغلانیاں ڈولی پر سوار ہوئیں اور داروغہ صاحب میانے پر۔

جب گھر پر داخل ہوئے تو کوئی دو بجے تک تماشے کا ذکر ہوتا رہا۔

بیگم صاحب نے کہا کل پھر چلیں گے مگر شیروں کی لڑائی کے تماشے نہیں دیکھیں گے۔

مغلانی : حضور! وہ کون تھے میاں آزاد۔

بیگم : ارے ہائے ہائے! ارے داروغہ کو تو بلاؤ کوئی۔

مہری نے داروغہ صاحب کو ڈیوڑھی پر جگایا اور کہا۔ حضور یاد کرتی ہیں۔ جلد چلیے۔ داروغہ نے کہا۔ ناک میں دم آگیا۔ چلو چلتے ہیں۔

داروغہ : حاضر ہوں حضور! کیا حکم ہوتا ہے؟

بیگم : نہایت بیقراری کے ساتھ۔ میاں آزاد کو ساتھ لائے یا نہیں؟

داروغہ : حضور! آنے ہی کو تھے کہ ایک صاحب انگریز کوئی افسر ہیں، وہ ان کو لے گئے۔ کہا ول آزاد! آپ کب آگیا۔ کہا پرسوں۔ صاحب نے کہا ہمارے ساتھ چلا چلے بس میاں آزاد گاڑی پر سوار ہو گئے مگر پنسل سے ایک کاغذ پر پتہ لکھ لیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ کل شام کو ضرور آئیں گے۔

بیگم : اللہ کرے تم پر بجلی گرے۔ تمھارا جنازہ نکلے۔

داروغہ : حضور! وہ خود شائق ہیں۔ ضرور آئیں گے۔

بیگم : تمھارا سر۔ افسوس وائے افسوس! داروغہ اگر کل نہ آئے تو تیری کھال ہی کھینچوں گی اور اس میں بُھس بھروں گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثریّا بیگم کی بے قراری

سینے سے کیوں نہ آئے صدا ہائے ہائے داغ — داغ آشنائے دل ہے تو درد آشنائے داغ
کیا بے کسوں سے پوچھتے ہو ماجرائے داغ — اب کوئی دل نواز نہیں ہے سوائے داغ
دل سے کبھی بُتوں کی محبت نہ جائے گی — پتّھر کا نقش ہے کوئی کیوں کر مٹائے داغ
غمخوار جان زار جگر ہے نہ دل مرا — یہ آشنائے درد ہے وہ آشنائے داغ

میاں آزاد فرخ نہاد کی جُدائی نے خاتونِ شکرلب، سیم غبغب ثریا بیگم کو آٹھ آٹھ آنسو رُلایا۔ کبھی دارو غہ پر جھلّائیں کہ اس موئے گھوسٹ مردووے سے خدا سمجھے۔ اللہ کرے اس پر عَلم بردار کا علم ٹوٹے۔ کبھی عباسی کو ڈانٹتیں کہ اے خام پارہ یہ سب تیرا ہی فساد ہے۔ نہ تُو باتوں میں لگاتی نہ میں آزاد کو بھول جاتی۔ ہے ہے! میرے تو جیسے حواس ہی بجا نہیں رہے تھے۔ کوئی پوچھے بن مانس کو دیکھ کر کیا پایا۔ ہائے یہی پایا کہ آزاد کو کھویا۔ بعد مدّت وصل کی ٹھہری تھی مگر:

آیا قریب یار تو جاتے رہے حواس
لُوٹا گیا یہ قافلہ منزل کے سامنے

یاالٰہی یہ دعائے سحری و گریۂ نیم شبی پھر کس روز کام آئے گی۔ دعا مانگتے مانگتے زبان گھس گئی مگر اثر خاک نہ ہوا:

مُدّت ہوئی اثر کا الٰہی پتا نہیں
کیا قابلِ قبول ہماری دعا نہیں

تمام شب از بس بیقرار رہیں۔ ہے ہے آزاد کو ہم نے اتنے دن بعد اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دو دو باتیں بھی نہ ہونے پائیں۔ دل کی دل ہی میں رہی:

صد غنچہ بشگفت اِلّا دلِ مَن
اے وا دلِ مَن، اے وا دلِ مَن

ہائے حیا مانع ہوئی، ورنہ چق کو پھاڑ پھوڑ کر چلی جاتی اور اس جوان رعنا کو ساتھ لاتی سیکڑوں ہزاروں جوانانِ طرح دار تھے مگر میاں آزاد سب میں نمودار تھے:

قمریاں عاشق ہیں تیری سرو بندہ ہے ترا — بلبلیں تجھ پر فدا ہیں گُل ترا دیوانہ ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر سوچی کہ اللہ رکھی کے نام سے ناحق بُلوایا۔ شاید دل میں خیال کیا ہو۔ اب اس درجے پر پہنچ کر اللہ رکھی سے کیا ملوں۔ بڑی بھول ہو گئی۔ کبھی خیال کرتی تھی کہ وعدے کے سچے ہیں۔ جو سچ مچ داروغہ سے اقرار کیا ہے تو کل شام کو ضرور آئیں گے، بالضرور آئیں گے۔ ہزار کام چھوڑ کے آئیں گے۔ کشتیِ جمعیتِ خاطر دو آبہ یاس و امید میں تھی۔ رات کاٹے نہ کٹتی۔ ایک ایک گھڑی ایک ایک برس سے زیادہ تھی:

اس عمر میں کیا تمام ہو حرص   قصّہ ہے طویل رات کم ہے
اتنا ہے درازِ روزِ فرقت   جیسی کہ شبِ وصال کم ہے
اے جوششِ مجنوں تری بدولت   دنیا کا نہ آخرت کا غم ہے

یا الٰہی! کب دو بجے تھے اور ابھی تک گھڑیال نے تین نہیں بجائے:

یارب نہیں ہوتی ہیں بسر ہجر کی راتیں
اور وصل کے دن جلد گزر جاتے ہیں کیسے

مغلانیاں خرّاٹے لیتی تھیں، مہریاں غافل سو رہی تھیں، محل دار خواب میں تھی، سپاہی بھی اُونگھتا تھا۔ شہر بھر میں سنّاٹا تھا۔ سب مست مارے پڑے تھے مگر ثریا بیگم کی نیند آزاد کی جُدائی نے حرام کر دی تھی۔ گریہ و زاری نے خواب کی راہ بند کر دی تھی:

بھرے آتے ہیں آنسو آنکھ میں اے یار کیا باعث   نکلتے ہیں صدف سے گوہرِ شہوار کیا باعث
نظر آتا ہے پژمُردہ گلِ رخسار کیا باعث   پریشاں ان دنوں ہیں گیسوئے خمدار کیا باعث
نہ وہ شوخی کی باتیں ہیں نہ وہ گرمی طبیعت کی   لبوں پر دم بدم ہے آہِ آتش بار کیا باعث

ایک بار بآوازِ بلند کہا۔ یا الٰہی! اس دلِ بے صبر کو پہلو میں کب تک تھاموں۔ اب تو یہ قابو ہی سے جاتا رہا۔ بیٹھے بٹھائے پھر جنوں نے مزاج پُرسی کی:

فصلِ گل قریب آئی اے جنوں مُبارک ہو
ہاتھ پھر لگا جانے خود بخود گریباں تک

تمام شب انتہا کی پریشانی اور اشک فشانی میں گزری۔ دلِ بے قرار آنکھیں خونبار۔ کسی پہلو چین نہ آتا تھا، اور کیوں کر آتا۔ مُدّت کے بعد اپنے دل کے چین اور سرور میاں آزاد فرخ نہاد کی نورانی صورت نظر آئی تھی، مگر اچھی طرح آنکھ بھر کے دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ جُدائی نصیب ہوئی۔ پھر دل ہاتھ سے جاتا رہا تو کون تعجب ہے:

فرقت میں اک صنم کے یہ تفرقہ پڑا ہے
دل ہم کو ڈھونڈھتا ہے ہم دل کو ڈھونڈھتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوچی کہ اگر میاں آزاد وعدے پر نہ آئے تو کہاں ڈھونڈھوں گی۔ اتنا بڑا شہرِ عذار، سیکڑوں بازار، ہزاروں محلّے، کوچے بے شمار۔ خدا جانے کہاں ٹِکے ہوں۔ کوئی تلاش کرے تو کہاں۔ بوڑھے داروغہ پر دل ہی دل میں جھلّاتی تھیں کہ پتا تک نہ پوچھا۔ فرطِ جنوں میں دل ہی سے باتیں کرنے لگیں۔ ہائے میرے دل کو اُس وقت کیا ہو گیا تھا۔ میں رمنے کی طرف کیوں گئی تھی۔ موے بن مانس سے خدا سمجھے۔ گورخر کو ارنا بھینسا کھا جاتے۔ ارنا بھینسے پر بجلی گرے۔ مگر آزاد تو ہم سے پکّا وعدہ اور سچّا اقرار کر گئے تھے کہ واپسی کے وقت ضرور ملیں گے۔ یہ دفعتاً ایسے علاحدہ کیوں کر ہو گئے کہ ہمارا نام بھی سُنا اور ٹس سے مس نہ ہوئے مارے بیٹھے رہے۔ ہائے میں کود کیوں نہ پڑی۔ اپنا کیا اپنے آگے آیا:

کیوں عشق کیا ہم نے اس فتنۂ عالم سے
دیکھا تو ہمیں اپنی تقصیر نظر آئی

یہ مصرع کسی قدر بلند آواز سے پڑھا تو عباسی نے جو قریب ہی سوئی تھی سُن لیا۔

عباسی: حضور بیگم صاحب۔ حضور! دبے دانتوں کیا خواب دیکھتی ہیں؟

بیگم: خواب و خیال تو ہے ہی ؏ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

عباسی: کیوں حضور! آج نصیبِ دشمناں بے چین کیوں ہیں۔ خیر تو ہے؟

بیگم: عباسی! کچھ نہ پوچھو۔ یہ عشق، اور عشق کے جھگڑے۔

عباسی: حضور! کچھ بیان تو کیجیے۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ لونڈی بھی سُنے۔

بیگم: تم ان جھگڑوں میں نہ پڑو عباسی! ابھی تم کم سن ہو۔

عباسی: حضور! ہوں کم سن تو کیا ہوا مگر ایک گبرو جوان کے نشترِ حُسن کا میں بھی چرکا کھاتے ہوئے ہوں۔ ہائے دل بھر آیا۔ انھیں اپنے گرفتاروں کی خبر ہی نہیں اور یہاں جان پر بن آئی ہے۔ مگر دم بخود بجز ضبط اور صبر کے اور کیا چارہ ہے۔

بیگم: عباسی! تم بھی ہمدرد نکلیں۔ ہائے ہم نے تو دل لگانے کی پوری سزا پائی ہے۔ بڑی خطا ہوئی۔ دل دے کے دردِ دل مول لیا:

بے شُبہہ خطا کی جو دل اُس بُت سے لگایا
خود ہم نے کیا شیشہ کو پتھّر کے حوالے

مگر آزاد سنگدل نہیں ہے۔ شجاع آدمی ہے۔ مردِ میدان ہے۔

عباسی: حضور نے کیا رات بھر آرام نہیں کیا۔ اب سو رہیں آپ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم: تمام رات تڑپتے گذری، کہاں تک روؤں، اب تو رونا بھی نہیں آتا، ہائے آزاد وائے آزاد!

نہ دل کو چین مر کر بھی ہوائے یار میں آئے
تڑپ کر خلد سے پھر کوچۂ دلدار میں آئے

عجب راحت ملی کچھ دین دُنیا کی نہیں پروا
جنون کے سایہ میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

عوض جب ایک دل کے لاکھ دل ہوں میرے پہلو میں
تڑپنے کا مزہ تب فرقت دلدار میں آئے

یہی راہِ وروش اپنی رہی وحشت کے عالم میں
بیابان میں کبھی پہنچے کبھی گلزار میں آئے

نہیں پروا ہمارا سر جو کٹ جائے تو کٹ جائے
تھکے بازو نہ قاتل کا نہ بل تلوار میں آئے

دم آخر وہ پونچھے اشک صفدؔر اپنے دامن سے
الٰہی رحم اِتنا تو مزاجِ یار میں آئے

ثریا بیگم عباسی سے یہ باتیں کر رہی تھیں کہ کسی شب زندہ وار عاشق مزاج رنگین طبع خوش گلو، آدمی نے یہ غزل گائی صبح کا سُہانا سماں بھیروین کی دھن میں اس غزل نے وہ لُطف دکھایا کہ ثریا بیگم کی روح وجد کرنے لگی چونکہ یہ غزل ان کے حسب حال تھی، لہٰذا دل پر اور بھی اثر ہوا۔ اور شعر تو بھول گئیں مگر مقطع وردِ زبان ہو گیا۔

دم آخر وہ پونچھے اشک صفدؔر اپنے دامن سے
الٰہی رحم اِتنا تو مزاجِ یار میں آئے

ثریا بیگم کئی بار بصد سوز و گداز یہ شعر زبان پر لائیں۔

عباسی: حضور اس وقت دھن کی چیز کوئی گائے تو بڑا لُطف ہو۔
بیگم: اور بھیروین تمہیں پسند نہیں۔
عباسی: حضور آدمی ہے تو خوش گلو۔ اللہ کرے پھر گائے۔
بیگم: کیا کہیں عباسی۔ اس وقت دل قابو سے جاتا رہا۔
عباسی: حضور دل کو ذرا ڈھارس دیجیے۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے۔ کل شام کو یہاں آزاد ضرور آئیں گے اگر نہ آئیں تو کچھ ہارتے ہیں۔
بیگم: اے ہے۔ کل شام کو، یا آج شام کو؟
عباسی: آج تو شام ہو چکی حضور۔ اب کیا دو دو شامیں ہوں گی۔
بیگم: اے کتنی دِوانی ہو اب تڑکا ہو گیا۔ تمہارے نزدیک ابھی رات ہی ہے۔
عباسی: ہاں حضور سچ کہا۔ میں ہی بھولی توبہ توبہ!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثریّا بیگم نے تھوڑا سا ٹھنڈا باسی پانی پیا۔ عباسی نے منع کیا حضور نہار منہ پانی نہ پیجیے۔ سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ بیگم صاحب نے کہا ہم از سرتا پا پھنک رہے ہیں۔ ہمیں بھلا کیا نقصان پہنچائے گا۔ حکم دیا کہ داروغہ کو جگاؤ، اور حقّ کے پاس بلاؤ۔ مہری نے عرض کیا حضور وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ دربان سے کہہ دیا ہے کہ جس وقت نماز پڑھ چکیں فوراً حاضر ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی کہ داروغہ صاحب آئے ہیں۔

بیگم: (حقّ کے پاس سے) اے داروغہ۔

داروغہ: آداب عرض ہے۔ حضور ارشاد۔ حاضر ہے غلام۔

بیگم: کہو اب کیا فکر کرتے ہو۔ آج کا اقرار ہے۔ ہے نہ ؟

داروغہ: ہاں حضور! خدا مجھے سُرخرُو کرے۔ امید تو ہے کہ آج آتے ہوں۔ حضور وہ تو خود بے قرار ہوگئے۔ وہ اللہ رکھی کا نام آپ نے ایسا بتایا کہ بے خود ہوگئے۔ آئے تو ساتھ ہی تھے مگر صاحب نے روک لیا۔ بس یہی کسر ہوگئی۔ کیا عرض کروں حضور! کمال افسوس ہے۔ مگر میں تلاش سے غافل نہ رہوں گا۔

بیگم: وہ انعام دوں کہ مالا مال ہو جاؤ۔

بیگم صاحب نے حکم دیا کہ ابھی جاؤ، اور چوطرفہ تلاش کرو۔ داروغہ نے کہا ذرا سویرا تو ہونے دیجیے۔ دو چار آدمیوں سے ملوں، مشورہ لوں، پوچھوں گچھوں، تب تو مطلب نکلے۔ یوں اُٹھ کر میں کس محلے میں جاؤں، اور کس سے پوچھوں۔ اس پر ثریّا بیگم صاحب سخت جھلائیں۔ بس تم باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔ ابھی ان کے ہاں تڑکا ہی نہیں ہوا۔ اللہ جانے پھر تڑکا اور کیوں کر ہوتا ہے۔ دوسرا ہوتا اور کچھ نہ کرتا مکان کا پتہ تو پوچھ لیتا۔ اِن سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔

داروغہ سمجھ گیا کہ گتھی سلجھتی نظر نہیں آتی۔ مزاج برہم ہی ہوتا جاتا ہے۔ آہستہ سے عرض کیا۔ حضور غلام کی ذرا خطا نہیں۔ وہ بات ہی ایسی ہوئی کہ غلام مجبور ہوگیا۔ صاحب نے باتیں کرکے فوراً بگھی پر بٹھا لیا۔ غلام دوڑا سامنے سے ایک بگھی آگئی، اور اُدھر نالے کی طرف اونٹ کھڑا تھا۔ گھوڑا اونٹ کو دیکھ کر بھڑکا، اور نہایت تیزی کے ساتھ چلا۔ میں پیچھے رہ گیا۔ بوڑھا آدمی بھلا اُس کے ساتھ ساتھ کہاں تک دوڑتا مگر قسمیں کھا گئے ہیں کہ آج شام کو ضرور آئیں گے۔

بیگم: اللہ کرے آئیں! ورنہ یہ زر اور زیور اور جاہ حشم بیکار ہے۔ ہماری زندگی ہی تلخ ہو جائے گی۔ یقین نہیں آتا کہ آزاد نہ آئیں، اور ایسی طوطے چشمی کریں — خدا مالک ہے۔

داروغہ: حضور نہ آنا کیا معنی۔ آئیں اور آئیں ان کے دل سے لگی ہے۔ شام تک حضور انتظار کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم: ہاں یہ جس میں شام تک تم کو نہ ہلنا پڑے۔ ہم ایک نہ مانیں گے۔ ابھی جاؤ۔ ابھی ابھی جاؤ۔ تمہیں کسی کے دردِ دل کا حال کیا معلوم۔

عبّاسی: حضور ہم کو اجازت دیں تو ہم بھی کوشش کریں۔ اللہ جانتا ہے شہر کے جس محلّے میں ہوں، خدا چاہے تو لونڈی ضرور ڈھونڈھ لائے۔

داروغہ: واہ بھلا کوئی بات بھی ہے۔

عبّاسی: کیا! کوئی بات بھی ہے؟

داروغہ: تم جاؤگی اور پتہ مل جائے گا۔ منہ دھو رکھو۔ کیا دل لگی ہے۔

عبّاسی: کہتے ہیں بیگم صاحب حکم دیں پھر دیکھیے۔

داروغہ: واہ وا۔

بیگم: یہ بال تم نے دھوپ میں سفید کیے ہیں، یا کوئی عارضہ ہے۔ ہماری تشفی اور تسلّی تو رہی چھپر پر۔ جو کوئی اچھی باتیں کرے، دل کو ڈھارس دے، تو اُس کا منہ نوچ لو۔ بڑے بدتمیز ہو۔ تم جاؤ عبّاسی ہم نے اجازت دی۔

عبّاسی: (بندگی کرکے) خدا مددگار ہے۔ انشاء اللہ سرخرو ہی آئیں۔

بیگم: آئیں! اللہ خدا کرے ہماری دُعا قبول ہو۔

عبّاسی: حضور بھاری سا جوڑا لوں گی۔

بیگم: جوڑا؟ اللہ جانتا ہے، سر سے پاؤں تک گوندنی کی طرح زیور سے لدی ہوگی مگر ان کا پتہ لگاؤ۔

عبّاسی: انشاء اللہ حضور کے اقبال سے پتہ لگا ہی لاؤں۔

بی عبّاسی بن ٹھن کے چلیں اور اِدھر داروغہ میانے پر لدے وہ چمکتی ہوئی خوش خوش بازار میں جاتی تھی، یہ منہ بنائے دل میں سوچتے جاتے تھے کہ یا الٰہی جاؤں تو کدھر جاؤں۔ نہ محلّے کا نام معلوم نہ مکان کا پتہ سخت حیران ہوں، کروں تو کیا کروں جان عذاب میں ہے۔ اگر میاں آزاد شام کو آگئے تو فہوالمراد۔ چشمِ ماروشن دلِ ماشاد اور اگر نہ آئے تو ستم ہے۔ عبّاسی کو کسی بات کا خوف نہ تھا۔ لہنگا پھڑکاتی ہوئی چلی جاتی تھیں۔ راہ میں ایک نواب صاحب کے ہاں کی مہری ملی، وہ بھی شوخ و شنگ عبّاسی سے اور ان سے گھُل گھُل کے باتیں ہونے لگیں۔

عبّاسی: کہو بہن خوش تو ہو۔ بہت دن پیچھے دیکھا کہاں تھیں۔

بنّو: ہاں بہن خوش ہیں۔ اب تو اللہ کی عنایت سے نواب صاحب اور بیگم صاحب میں خوب بنتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہماری بھی چاندی ہے ، سُنا ہے لاوارثی کے ہاں نوکر ہو ۔

عباسی : (مسکرا کر) مزے ہیں ہیں ، بیگم صاحبہ کے پاس لاکھوں روپیہ ہے ، اور فیاضی کا یہ عالم کہ بات کرتے انعام دیتی ہیں ، تم سے ہمارا حال کس نے کہا ۔

بنّو : ہم نے بھی اُڑتی سی خبر پائی تھی ۔ تمہاری ہمنام نے ہم سے کہا تھا ، وہ عباسی ہیں نہ ، اُن بیگم صاحب کے ہاں جو نوکر ہیں وہی ہم سے کہتی تھیں ۔

عباسی : اے بہن تم بھی تو تماشا دیکھنے گئی تھیں ۔

بنّو : ہاں وہ شیروں کا تماشا نہ ، ایک دن ہم بھی گئے تھے ۔ وہیں تو ہم کو تمہاری نوکری کا حال معلوم ہوا ، ایک کرسی پر تمہارے ہاں کا وہ بوڑھا داروغہ بیٹھا تھا ، اور اس کے پاس ایک گبھرو جوان تھے ۔ ہم نے پوچھا یہ بوڑھا کون ہے ، گھڑی گھڑی چلمن کے پاس آئے ، بیگم صاحب یہ بات بیگم صاحب وہ بات تو ہم نے سُنا کہ یہ ثریا بیگم کے داروغہ ہیں ۔

عباسی : وہ گبھرو جوان کون تھے بہن ان سے بھی واقف ہو ۔ ؟

بنّو : اے لو ، واقف ہونے کی ایک ہی کہی ۔ بخوبی واقف ہیں ۔

عباسی : وہ ہیں کون ؟ کہیں باہر سے آئے ہیں یا یہیں مکان ہے ۔

بنّو : خاص اسی شہر کے باشندے ہیں ، مگر بہن بڑے نٹ کھٹ ہیں ۔

عباسی : ہاں ، اور رہتے کہاں ہیں ، پاس ہیں یا کہیں کالے کوسوں ۔

بنّو : چلی آؤ ۔ راستے ہی میں مکان مل جائے جاتے گا ۔ کیوں خیر باشد ؟ کہیں ریجھی تو نہیں ہو ۔ ہے تو جوان ایسا ہی ۔ (مسکرا کر) طور کچھ بے طور ہیں ۔

عباسی : اے ہٹو بھی ۔ یہ دل لگی ہمیں نہیں بھاتی واہ وا ۔

بنّو : لو وہ مکان آگیا ، جہاں وہ کمرے میں پردے پڑے ہیں ۔ بس ابھی یہیں وہ رہتے ہیں جو رو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا ۔

سو سوا سو روپیہ وثیقہ کا ملتا ہے ۔

عباسی : ہاں تو کھانے بھر کو ہے ، اخاہ ستار بھی بج رہا ہے ۔

بنّو : دن رات یہاں ناچ رنگ ہی رہتا ہے ۔

عباسی اس مقام پر کترا کے ایک گلی میں جانے لگیں ۔ بنّو نے کہا اس طرف جاؤ گی کہا ہاں بہن سلام زندگی ہے تو پھر ملیں گے ۔ بنّو نے اصرار کیا کہ ذری ہمارے ہاں تک چلی چلو ، اور ہم سے وعدہ کر لو کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنی بیگم صاحب کے پاس ایک دن ہمیں بھی لے چلنا ہم بھی سلام کرائیں۔ عباؔسی نے اقرار کیا کہ جس دن آؤ، اُسی دن سلام کو لے چلیں۔ مگر کہا کہ اس وقت ہمیں اس گلی میں ایک ضروری کام ہے۔ یہ سُن کر ننّو رخصت ہوئی اور عبّاسی اس گلی میں گئی۔ چلتے چلتے ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے پر پکارا۔ اے دواجی۔ دواجی ہیں! آواز آئی۔ کون ہے؟ کہا کوئی ہے۔ یہ بتاؤ دواجی ہیں یا نہیں۔ آواز آئی مرزا صاحب کے ہاں گئی ہیں۔ تم اپنا مطلب کہو۔ عبّاسی نے کہا ذری کوئی باہر آئے تو کہیں۔ ایک لونڈا باہر آیا۔ کس کے پاس آئی ہو؟ دواجی کے پاس۔ ہوں تو ہمارا پیغام کہہ دو۔ لونڈے نے از سر تا پا، عبّاسی کو دیکھا، پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ دواجی سے کیا کہہ دوں؟ ہمارا نام عباسی۔ بس فقط اس قدر کہنا کہ عبّاسی دروازے پر کھڑی ہیں۔ لونڈا اندر گیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں واپس آن کر لونڈے نے کہا کہ ذری ٹھہریے، پڑوس میں بی ہمسائی کے ہاں گئی ہیں اگر مل گئیں تو ساتھ ہی لیے آتا ہوں۔ یہ کہہ کر لونڈے نے گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی ہے تو نہیں۔ وہاں بالکل سنّاٹا تھا۔ کہا چلیے دواجی مکان ہی کے اندر ہیں۔ عبّاسی لونڈے کے ساتھ مکان میں گئی۔ مگر جھجکتی ہوئی سوچ کر پہلے تو آواز آئی کہ مرزا صاحب کے ہاں۔ پھر لونڈے نے ہمارا نام پوچھا، اور اندر گیا۔ پھر کہا بی ہمسائی کے ہاں ہیں۔ مگر کہیں گیا نہ آیا۔ اِدھر اُدھر جھانک کے اب اندر لیے جاتا ہے۔ خیر تن بہ تقدیر اندر گئی تو دیکھا دو عورتیں ایک دالان میں چرخا کات رہی تھیں۔ لونڈے نے اشارے سے کہا اُوپر چلو۔ عبّاسی اُس کے ساتھ کوٹھے پر گئی۔ ایک دروازہ کی راہ سے، دوسرے مکان کی چھت پر لے گیا۔ وہاں ایک دالان میں روئی کے پردے پڑے تھے۔ عبّاسی کو وہاں بٹھا کر لونڈا دواجی کے پاس گیا۔ دواجی آئیں۔ بوڑھی عورت بینسٹھ برس کا سن سر ہلتا تھا۔ بال سب سفید۔

دواجی: (پردہ اُٹھا کر) عبّاسی اچھی ہیں۔

عبّاسی: (سلام کر کے) ہاں دواجی اچھی رہی۔ آپ کا مزاج تو اچھا ہے۔ اب تو آپ بالکل ہی لٹ گئیں۔ بہت برسوں کے بعد آپ کو دیکھا۔

دواجی: ہاں کوئی دو برس تو ہوئے ہوں گے۔ بلکن (بلکہ) اور زیادہ۔

عبّاسی: جی ہاں! جب آپ شمشیر دولہ کی سرکار میں تھیں، تب ایک دفعہ عشرے کے دن ملے تھے۔ جب سے پھر آج ملاقات ہوئی۔

دواجی: اب کس سرکار میں ہو۔ آج کل تو تم نے چشمِ بددور خوب رنگ روغن نکالا ہے۔ کہاں نوکر ہو۔ معلوم ہوتا ہے کوئی رقم مل گئی۔

عبّاسی: ثریا بیگم کے ہاں نوکر ہیں۔ اچھی اچھی غذا کھاتے ہیں۔ اور بھاری بھاری جوڑے پہنتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اللہ گواہ ہے ہماری بیگم صاحب ایسی ہنس مکھ ہیں کہ دم بھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیا مجاز (مزاج) پایا ہے۔ نوکر چاکر، امیر غریب سب سے ایک طرز پر ملتی ہیں۔ ذرا جو غرور چھو بھی گیا ہو۔

دواجی: ثریّا بیگم ؟ نواب صاحب کا نام تو یہ میاں کا نام کیا ہے۔

عبّاسی: (مسکرا کر) جو تجویز۔

دواجی: اے ہے کنواری ہیں۔ دو ہی باتیں ہیں۔ کنواری ہیں یا بیوہ ہیں۔ بس دونوں سے خالی ہیں، تو ان کو اپنے بس میں لا۔

راوی: واہ! خدا جانے ان کا کدھر خیال ہے۔

عبّاسی: دواجی ہم پہلے ہی شیشے میں اُتار چکے ہیں۔

راوی: اپنی ایسی تیسی۔

دواجی: اچھا تہ دل ہو کے بیٹھو تو باتیں ہوں۔ کوئی عزیز، رشتہ دار، جان پہچان، ملاقاتی ہے یا کوئی نہیں ہے ؟

عبّاسی: اُستانی جی ایک بوڑھی سی عورت کبھی کبھی آیا کرتی ہیں۔ بس اور تو ہم نے کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔

دواجی: اخاہ! یہ وہ اُستانی جی ہیں۔ ہم سمجھ گئے اُن کا آنا تو ہمیں کھٹکے گا۔ بھلا بیگم صاحب کچھ رنگین بھی ہیں۔

عبّاسی: ہاں یوں تو رنگین ہیں مگر بد نہیں ہیں۔

دواجی: دیوزاد کی قسم سے بھی کوئی آتا جاتا ہے یا نہیں ؟

عبّاسی: دیوزاد کون ؟

دواجی: (مسکرا کر) اے کسی مردوے کی بھی آمد و رفت ہے یا نہیں ہے۔

عبّاسی: کیا مجال پرندہ تو پر مار نہیں سکتا۔ کل تماشا دیکھنے گئی تھیں، اور کہیں آتے جاتے بھی نہیں دیکھا۔

دواجی: اے لو اور سنو۔ تماشا دیکھنے جاتی ہیں، اور پھر کہتی ہو کہ ایسی ویسی نہیں ہیں۔ اچھا ہم ٹوہ لگالیں گے۔

عبّاسی: اُنھوں نے تو قسم کھائی ہے کہ شادی ہی نہ کریں گی اور اگر کریں گی بھی تو ایک ـــــ قبول صورت جوان کے ساتھ جس کو ہم جانتے ہیں، اور آپ بھی ضرور جانتی ہوں گی۔

دواجی: تم تو پہیلیاں بھجواتی ہو، عبّاسی۔ اس کے کیا معنی ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی: آپ کے اڑوس پڑوس کوئی رہتے ہیں۔ جوان ہیں، حسین ہیں، وضع دار ہیں۔

داروغہ بیچارے میانے پر لدے ہوئے ابھی تک غور ہی کرتے تھے کہ کس سے پوچھیں اور پوچھیں تو کیا پوچھیں، مکان کا پتہ، محلّے کا نشان، کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اور طرّہ اُس پر یہ ہوا کہ نام بھی بھول گئے یک نہ شد دو شد۔ سچ ہے پیری و صد عیب چنین گفتہ اند۔ ایک باغ کے تکیے پر جا کر بیٹھے، مگر شہر کے ناکے سے بھی دور، تاکہ کوئی دیکھ کر بیگم صاحب سے نہ جڑ دے کہ داروغہ صاحب تو دن بھر تکیے پر بیٹھے حقہ پیا کیے۔ ایک کہار کو حکم دیا کہ نان بائی کے ہاں سے کھانا لا۔ وہ جا کے شیرمال اور کباب اور سالن لایا ایک پیالے میں تین بوٹیاں کسی قدر شوربہ اور تین چار ارویاں۔ داروغہ صاحب نفیس مزاج کھانا کھانے والے تھے، مگر بھوک کے سبب سے اسی پر قناعت کی۔

کہار: حضور کھانا تو کھایئے گو اچھا نہ ہوگا۔ نان بائی کی دکان کا ہے۔ بازار کا کھانا کبھی کاہے کو کھایا ہوگا۔ کباب شاید اچھے ہوں تو ہوں۔

داروغہ: خدا جانے کس اُلّو نے پکائے ہیں۔ اور گوشت تو بکرے کا نہیں ہے۔ بھیڑ کا گوشت ہے۔ بالکل خراب۔ لاحول۔

کہار: حضور یہاں یہ بھی غنیمت ہے ہم لوگ تو فاقے سے ہیں۔

داروغہ: دو آنے لو، چنا چباؤ۔ آج مصیبت کا دن ہے۔

کہار: دو ہی آنے سہی جو کچھ ملے۔ جمّو تو باسی روٹی اور چٹنی کھا بھی آئے ہیں۔ ہم تو بالکل کورے ہی ہیں چلیے آج یوں ہی سہی۔

داروغہ: ہم تو خود مصیبت میں ہیں جی۔

کہار نے کہا جی ہاں خداوند کیسی کچھ مصیبت ہے۔ (بے دانتوں) سیر بھر میوہ کھا کے چلے تھے۔ چار آنے کا مال یہاں چکھا۔ جس پر مصیبت ہی ہے۔ ایک کہار سے کہا، ارے کہیں سے برف تو لا۔ وہ بولا حضور اب اس وقت یہاں برف کہاں ملے بھلا، دو کہار آپس میں کہنے لگے۔ ہونہہ ڈھائی سیر چکھ کے اب برف کی سوجھی۔ ہم لوگ تو مر رہے ہیں اِن کو برف کی سوجھی۔ دوسرے نے کہا، ہاں اور تس پر اپنے حساب مصیبت ہی میں ہیں۔ برف لاؤ۔ برف نہیں ایک وہ لاؤ سنکھیا ان کے لیے برف لاؤ! کیا دُور کی سوجھتی ہے۔

داروغہ: کوئی ہے۔ کوئی ہے؟ ایں سب مر گئے اک سرے سے۔

کہار: حاضر، حکم، ہم تو موجود ہیں حضور حکم دیجیے۔!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ : دیکھو کہیں انگور کی پٹاری تو نہیں ہے۔

کہار : بہت خوب۔

عبّاسی نے دواجی کو میاں آزاد کے مکان کا پتہ دیا تو دواجی بہت ہی خوش ہوئیں۔ کہا یہ کتنی بڑی بات ہے۔ میرے پڑوسی ہیں، گو آنے جانے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ مگر وہ مجھے خوب جانتے ہیں۔ جب کبھی میرے لائق کوئی کام ہوتا ہے، فوراً یاد فرماتے ہیں۔ آدمی بھیجا، اور میں گئی۔ بالکل گھر کا سا واسطہ ہے۔ تم بیٹھو میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں۔ عبّاسی نے کہا حقہ بھروایئے تو لونڈی حقہ بھر کے لائی۔

عبّاسی : کیا اُن کو یہاں بلوانے کا قصد ہے۔

دواجی : نہیں پہلے آدمی کی زبانی پیغام بھیج لیں، پھر خود جائیں۔

عبّاسی : تو پھر جلد بھیجیے گا۔ بیگم صاحب بڑی بے قرار ہوں گی۔

دواجی : مبارک قدم، ذری میاں آؤ۔ چھوٹے مرزا صاحب کے پاس جاؤ تخلیے میں ایک پیغام کہنا ہے۔ کہنا کہ دواجی نے بھیجا ہے۔ اور کہا ہے کہ آپ کی شادی ایک جگہ ٹھہری ہے۔ یا ہم کو بلایئے یا خود تشریف لایئے، مگر جلد دیر کی بات نہیں ہے۔

عبّاسی : مگر ذرا سمجھ بوجھ کے کہنا کوئی اور وہاں پر نہ ہو۔

دواجی : ہاں ہاں، یہ اللہ کی عنایت سے سمجھدار ہیں۔

مبارک قدم : حضور میں جاکر کہوں گی کہ تخلیے میں آپ سے کچھ عرض کرنا ہے، اگر وہ اصرار کریں گے کہ یہیں کہو، یہی تخلیہ ہے تو میں کہوں گی، حضور ذرا تکلیف فرمائیں، اور تخلیے میں سُن لیں۔ جب آپ کا نام لوں گی تو خواہی نخواہی سُنیں گے۔

دواجی : نہ سُنیں گے تو نہ سُنیں گے۔ نہ سُنیں گے تو میں صلوٰتیں نہ سناؤں گی۔

عبّاسی : اور جو وہ پوچھیں کہ کس گھر سے پیغام آیا ہے تو کیا کہو گی مبارک قدم۔

مبارک قدم : کہوں گی کہ ہمیں نہیں معلوم، مگر سنا ہے کہ لڑکی حسین، اور نازک اندام ہے کئی عورتیں تعریف کرتی تھیں۔

دواجی : کہنا میں نے خود دیکھا ہے۔

عبّاسی : کہنا ابھی نام خدا چودھواں ہی سال ہے۔ اور امیر ہیں۔

مبارک قدم : کہوں گی دودھ پوت سے خوش ہیں۔

عبّاسی : ایں! اور سُنو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مبارک قدم : کیوں کیوں اس میں نقصان کیا ہے۔

دواجی : دودھ پوت سے خوش ہیں، یہی کہوگی نہ چلو بیٹھو شرم نہیں آتی۔ اری ٹھپکار، چودہ برس کا توسن، اور کنواری اور دُودھ پوت، دوائی ہو خاصی۔

مبارک قدم : (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) اُوئی مجھے اس وقت کیا ہوا۔

دواجی : اچھا اب جاؤ۔ بہت باتیں نہ بناؤ۔

مبارک قدم : جاتی ہوں۔

مبارک قدم میاں آزاد کے مکان پر پہنچیں۔ خدمت گار سے پوچھا، چھوٹے مرزا صاحب ہیں۔ کہاہاں ہیں تو مگر آرام میں ہیں۔ مبارک قدم نے پوچھا کب تک جاگیں گے۔ خدمت گار نے کہا اب ہم کو یہ کیا معلوم۔ دواجی کا ایک پیغام لائے ہیں۔

خدمت گار نے کہا ہم تو نہ جگائیں گے۔ تم اگر ایسا ہی کڑا حکم لائی ہو، تو جگا دو جا کے بہت ہو گا خفا ہو لیں گے۔ مبارک قدم گئی تو مگر جگاتے ہوئے جھجکی۔

خدمت گار : جگا دو جگا دو، بڑے دعوے سے آئی ہو۔

مبارک قدم : اے نہیں پرائے مردوے کو کون جگائے ایسا دیدہ ذلیل نہیں ہے۔

خدمت گار : ٹھہرو ہم پنکھا جھلیں۔

مبارک قدم : کیا دیر تک سویا کرتے ہیں۔ ؟

خدمت گار : نہری جوان ہیں۔ کبھی تو رات کو تین تین بجے تک جاگتے ہیں کبھی دن کو دو دو بجے تک سویا کرتے ہیں۔ کبھی کچھ کبھی کچھ پورے اور پکے آزاد ہیں۔ ان کی آزادی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

تھوڑی دیر میں میاں آزاد نے کروٹ بدلی۔ مبارک قدم نے کہا۔ آداب عرض کرتی ہوں حضور! پوچھا کون ؟ کہا میں ہوں مبارک قدم — کیوں آئی ہو ؟ کچھ عرض کرنا ہے خداوند، جاؤ۔ اس وقت ہم سو رہے ہیں، پھر آنا مبارک قدم نے دبے دانتوں کہا حضور کی نیند بھی عجیب نیند ہے۔

مرزا : اجی اب سونے بھی دو — نیند آتی ہے۔

مبارک قدم : اے حضور وہ خبر سُناؤں کہ پھڑک جائیے۔

مرزا : (چشم نیم باز سے) ہاں ! کہو کہو۔

مبارک قدم : آنکھ کھولیے تو عرض کروں۔

مرزا : تو آدھ گھنٹہ ٹھہر جاؤ۔ ہمیں بڑی نیند آئی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مبارک قدم : (اپنے دل میں) آگ لگے ایسی نیند کو، نیند کیا روگ ہے۔ (مرزا صاحب سے) تو حضور سوئیں لونڈی پنکھا جھلتی جاتی ہے۔ چاہے دوپہر تک سویا کیجیے۔ میں بیٹھی رہوں گی۔ بوڑھی عورت ہوں کوئی نام تو رکھے گا نہیں۔

مرزا: بوڑھی عورت تو نہیں اور ابھی تو ادھیڑ بھی نہیں ہو۔

مبارک قدم : اے واہ ادھیڑ نہیں جوان سہی۔ حضور آرام فرمائیں، جب جاگیے گا تو عرض کروں گی۔

خدمت گار نے اشارے سے کہا کہ اِن کو سونے نہ دو۔ باتوں میں لگاؤ۔ مبارک قدم خاک نہ سمجھی سرہانے بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگیں۔ مرزا صاحب سونے کے بڑے شائق تھے۔ تکیے پر سر رکھتے ہی خراٹے لینے لگے۔ خدمت گار نے مبارک قدم کے کان میں یوں کہا۔

خدمت گار: سونے کیوں دیا۔

مبارک قدم : جلدی جاگ جائیں گے۔

خدمت گار: اب یہ کل کی خبر لائیں گے۔

مبارک قدم : اے ہے واہ وا۔

خدمت گار : جگا دو، زور سے پنکھا جھلو۔

مبارک قدم : اچھا حضور اُٹھیے! بڑی دیر سے آپ سو رہے ہیں۔ طبیعت سُست ہو جائے گی۔

خدمت گار: ہاں حضور اب اُٹھیے۔

مرزا: سونے دو (ڈپٹ کر) آرام کرنے دو۔

خدمت گار: بہت خوب۔

مبارک قدم : حضور اب شام ہوگئی۔

مرزا: کچھ پروا نہیں ہے سونے دو۔

مبارک قدم نے باتیں کر کے، مرزا صاحب کو جگا ہی دیا۔ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے، پانی منگوایا، مُنہ دھویا، گلوری کھائی۔ اور مبارک قدم سے باتیں کرنے لگے۔

مرزا: کیا پیغام لائی ہو۔ ؎

مَرحبا طائرِ فرخ پے و فرخندہ پیام
خیر مَقدم چہ خبر یار کُجا راہ کُدام

مبارک قدم : حضور دواجی نے بھیجا ہے، اور کہا ہے کہ تخلیے میں پیغام کہنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا: اب اس سے بڑھ کر اور تخلیہ کیا ہوگا۔

مبارک قدم: (اشارہ کرکے) خدمت گار کو اُٹھا دیجیے۔

مرزا: حقّہ بھر لاؤ۔

خدمت گار: حاضر کرتا ہوں۔

مرزا: ہاں بی مبارک قدم کہو۔

مبارک قدم: حضور پہلے انعام قبولیں۔ یوں ہم نہ کہنے کے، وہ پیام سُناؤں کہ آپ بھی پھڑک جائیں۔ انعام قبولیے تو عرض کروں۔

مرزا: آزاد نہیں اگر مالامال نہ کردیں۔

مبارک قدم: جب تک مقبولہ نہ کیجیے گا میں نہ بتاؤں گی۔

مرزا: ان باتوں سے ہمیں نفرت ہے۔

مبارک قدم: اُچھل پڑیے گا۔

مرزا: کیا کوئی رقم ملنے والی ہے۔؟

مبارک قدم: رقم! اے وہ رقم ملے کہ نواب ہو جایئے ایک بیگم صاحب نے پیغام بھیجا ہے۔

مرزا: واللہ! واہ رے آزاد۔ ہے قسمت کا دھنی۔

مبارک قدم: امیر ہیں۔

مرزا: سبحان اللہ۔ پھر کیا پوچھنا ہے۔

مبارک قدم: کم سن ہیں۔ کوئی چودھواں سال ہے۔

مرزا: واللہ شکرِ خدا، ہزار شکرِ خدا۔

مبارک قدم: ناکتخدا ہیں۔

مرزا: ہاں واہ وا واہ۔

مبارک قدم: پاکدامن ہیں۔

مرزا: یا خدا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا سچ مچ۔

مبارک قدم: حسین ہیں۔

مرزا: زہے نصیب۔

مبارک قدم: اب آپ دواجی کے مکان تک چلیے چلیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا : ان کو یہیں نہ بلا لاؤ۔

مبارک قدم : میں بیٹھی ہوں۔ آپ بلوا لیجیے۔

مرزا : قادر، جا کے دواجی کو تو بلاؤ۔ کہنا جلد بلایا ہے۔

مبارک قدم : کہ دینا مبارک قدم بھی وہیں بیٹھی ہیں۔

خدمت گار : وہی نہ جو گلی میں رہتی ہیں۔ ابھی جاتا ہوں۔

میاں قادر نے دروازے پر پہنچتے ہی ڈپٹ کر للکارا۔ ارے کوئی ہے۔ اس مکان میں کوئی ہے؟ ایں کوئی بولتا ہی نہیں۔ (دروازے پر زور سے دونوں ہاتھ مار کر) ارے میاں اس مکان میں کوئی ہے۔ لاحول سب مر گئے۔

دواجی : (گھبرا کر) ارے لونڈے (آہستہ سے) دروازہ بند ہے کہ نہیں۔

لونڈا : (اکڑ کر) جی ہاں بند۔

دواجی : (جھلا کر آہستہ سے) ارے چپ لونڈی کاٹے۔؟

لونڈا : (آہستہ سے) کیوں کیوں۔ کیا چوری ہے کچھ۔؟

دواجی : چپ چپ۔ بس تو بول نہیں۔

لونڈا : (ہاتھ سے منہ بند کر کے) اخاہ۔

دواجی : دست پناہ سے زبان کھینچ لوں گی۔

قادر : ارے اس مکان میں کوئی ہے۔ یا سب کو سانپ سونگھ گیا۔

دواجی : دروازہ بند ہے نہ۔ دیکھ لے چپکے سے۔

قادر : ذرا یہاں تک تو کوئی آؤ۔ کوئی کھا نہیں جائے گا۔

لونڈا : (کوٹھے پر جا کر) دواجی۔ دواجی۔

دواجی : اے چپ موئے۔

لونڈا : آخر سبب تو فرمائیے۔

دواجی : خدا جانے کون ہے۔ ہم تو دو مہینے سے روپوش ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ اندر گھس آئے، اور جو چلا آئے نہ تو تماشا بھی دکھا دوں۔

لونڈا : آپ چپ چاپ بیٹھی رہیں بس۔ جو آئے تو دو سو پتھر یہاں سے ماروں۔

دواجی : اچھا اچھا بس اب بہت شیخی کی نہ لو۔

قادر : ہم دروازہ توڑ تاڑ کے پھینک دیں گے اب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی : قتل کر کے دھر دوں ۔

لونڈا : بوٹیاں نوچ کے چبا جاؤں کیا دل لگی ہے ۔ اے کون ہے تو ۔

دواجی : اے چُپ ۔

قادر : میاں آزاد نے بھیجا ہے اور دواجی کو بلایا ہے ۔ کوئی ہے ۔؟

دواجی : ارے اِ توبہ توبہ جا کے نام تو پُوچھو ۔

لونڈا : (باہر جا کر) کیا نام ہے ۔؟

قادر : بھلا بڑی بات بولے تو ۔ باہر آؤ تو کہیں ۔

لونڈا : (باہر جا کر) کہیے نام کیا ہے ۔

قادر : ہمارا نام قادر ہے ، اور ہم مرزا آزاد صاحب کے ہاں سے آئے ہیں ، اور دواجی کو انھوں نے بلایا ہے ۔ جا کے کہہ دو نہ ۔

لونڈا : اجی مرزا آزاد کا آدمی ہے ۔

دواجی : پُوچھو وہاں ہماری لونڈی ہے ۔

دواجی نے ڈولی منگوائی ۔ پردہ کرایا ، سوار ہوئیں ۔ قادر کو حُکم دیا کہ ساتھ ساتھ چلے ۔ قادر اُدمی ٹیڑھے تھے ۔ تیکھے ہو کر کہا ۔ واہ ہم ڈولی کے ساتھ دوڑنے والے کو کچھ کہتے ہیں ۔ ہمارے باپ کوئی ایسے ویسے نہ تھے ۔ (ابّا جان عمر بھر رسالداری کیا کیے دادا جان ہفت ہزاری تھے ۔ نانا جان کے ہاں تیل کی تجارت ہوتی تھی ۔ خسر کو خدا بخشے تمام عمر اشرفی جوتا پہنا کیے ہم سے کہتی ہیں ۔ ڈولی کے ساتھ چلو ۔

دواجی : تو ہاتھی پر چڑھ کے آئے ہوتے ۔

قادر : اللہ کا دیا سب کچھ ہے ۔

دواجی : اللہ اور دے میاں ۔

قادر : تین گھنٹے تک دروازے پر غُل مچایا کیے ۔ گلا پھٹ گیا ۔ پکارتے پکارتے ناک میں دم آگیا ۔ اب حُکم ہوا ڈولی کے ساتھ دوڑو ۔

راوی : اچھا تو میاں تم نہ دوڑو ۔ بس اس میں لڑائی کیا ہے ۔

قادر : اب تو مکان بھی آگیا ۔ روک لو ڈولی ۔ اِس پھاٹک میں لے چلو ۔

کہار پھاٹک میں ڈولی لے گئے ۔ دواجی اُتریں اوپر گئیں ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی: بندگی۔ مزاج اچھا ہے مرزا صاحب۔
آزاد : آزاد وں کے مزاج کی کیا پوچھتی ہو۔
دواجی: تو بھی۔
آزاد : دور دراز کے سفر سے آتے ہیں۔ تھکے بہت ہیں۔ جن لوگوں سے اقرار کر کے گئے تھے، وہ سب فرنٹ ہو گئے۔ خیر ہمارا بھی خدا ہے۔
دواجی: اے اب چین کرو۔ مزے سے دندناؤ چاند سی بیوی ملے گی اور دولت گھاتے ہیں۔
آزاد : شکر ہے خداوند سے

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دواجی: پھر اب کب چلیے گا۔
آزاد : پہلے کُل باتیں تو بتاؤ۔ مبارک قدم نے تو تعریف کے پُل ہی باندھ دیے۔ حسین ہیں۔ مہ جبین ہیں۔ نازنین ہیں۔ نازک بدن ہیں۔ غنچہ دہن ہیں، اور سب سے زیادہ لُطف یہ کہ نوخیز اور روپیہ والی اور عفیفہ ہیں۔
دواجی: ابھی ہم نے اپنی آنکھوں نہیں دیکھا۔
آزاد : ایں! واہ۔
دواجی: اچھا ہم جا کے دیکھ آئیں۔
آزاد : اسی وقت جاؤ۔
مبارک قدم: چلیے وہ تو بیٹھی ہی ہیں۔

دواجی فوراً وہاں سے رخصت ہوئیں۔ گھر پر آئیں عباسی سے کہا چلو ہم کو اپنی بیگم صاحب کے پاس لے چلو۔ سب معاملہ ٹھیک ہے۔

عباسی: تمہارے مُنہ میں گھی شکر۔ تو دو ڈولیاں منگوایئے۔
دواجی: مبارک قدم۔ جا کے ایک ڈولی اور لاؤ جلدی سے لاؤ۔

مبارک قدم فوراً اڈے پر سے ایک ڈولی اور لے آئی۔ ایک پر دواجی سوار ہوئیں، دوسری پر بی عباسی بیگم صاحب کے مکان پر داخل ہوئیں۔ اترتے ہی عباسی نے پوچھا دار وغہ صاحب آئے۔ ایک مہری نے کہا ان کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباّسی نے کہا چلیے دواجی آیئے۔ دواجی بھی اُتریں اوپر گئیں۔

عباّسی: (بیگم صاحب سے) حضور دواجی سلام کو آئیں ہیں۔

بیگم: بندگی کہو۔ وہ کام بنایا کچھ پتہ لگایا۔

عباّسی: سب ٹھیک ہے حضور۔

بیگم: (متحیر ہوکر) ہاں! پھر لو انعام۔ اب کیا پوچھنا ہے۔

عباّسی: بندگی حضور۔ حضور ہی کی بدولت پرورش پاتے ہیں۔ یا اور کسی کی۔

دواجی: جو آپ نے چاہا تھا وہی ہوا۔

بیگم: شکر ہے۔

دواجی: ہم کو بھیجا ہے کہ جا کر دیکھ آؤ۔

بیگم: دیکھیے۔ آنکھ، ناک، مُنہ، ہاتھ، پاؤں۔

دواجی: اے حضور فقط میاں کے حکم کی تعمیل ہے۔

بیگم: ہم کو وہ بخوبی جانتے ہیں۔

دواجی: ہاں پھر کیا پوچھنا ہے۔ واہ وا۔

بیگم: تم فقط.....

راوی: بیگم صاحب کہنے ہی کو تھیں کہ تم فقط اللہ رکھی کا نام لینا، مگر سوچیں کہ اللہ رکھی لونڈیوں بھٹیاریوں کا نام ہے اب وقعت کا خیال چاہیے لہٰذا بات ٹال دی۔

دواجی: میں بہت اچھی طرح کہوں گی۔

بیگم: (مُسکراکر) مہربانی۔

دواجی: حضور ہم نمک پروردہ ہیں۔

عباّسی: بیگم صاحب کی نظر عنایت ہو جائے گی تو مُن برسادیں گی۔

دواجی: میں آج ہی بلائے لاتی ہوں۔

عباّسی: ہاں ضرور لائیے۔

بیگم: گاڑی تیار کرادوں۔

عباّسی: ہاں۔ ہاں۔ جس میں جلدی سے آجائیں۔

دواجی: اے نہیں۔ سواری اُن کے پاس بھی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی ثریا بیگم کی بیش بہا کشتی دار فٹن پر سوار ہوکر شام کو میاں آزاد کے مکان پر گئیں۔ خدمت گار کو حکم دیا کہ میاں کو اطلاع دو۔ اتفاق سے قادر اس وقت نہ تھا۔ دوسرے خدمت گار نے جاکر اطلاع دی۔ خداوند ایک فٹن پر کوئی نیک بخت آئی ہیں۔ کوئی بڑی امیرزادی معلوم ہوتی ہیں۔ دو ہزار سے کم کی جوڑی نہ ہوگی۔ کوچبان بھی ٹھسے کے ساتھ بیٹھا ہے۔ چاکر بھی وردی ڈانٹے ہیں۔ میاں آزاد کو شک کی جگہ پورا پورا یقین ہو گیا کہ بیگم صاحب خود بنفس نفیس تشریف لائی ہیں۔ جامے میں پھولے نہ سماتے اور جب گلبدن غنچہ دہن معشوق بن بلائے خود چلا آئے تو انسان کیوں نہ اترائے۔ میاں آزاد اپنے حسن و جمال اور خط و خال اور رگاوٹ اور طرح داری سے خوب واقف تھے۔ ٹھن گئی کہ ہمارا سا حسین اور کڑیل جوان دیکھ کر بیگم صاحب ایسی ریجھیں کہ بیتابانہ خود ہی دوڑی آئیں۔ اس وقت ان کے دو چار چیدہ چیدہ دوست بیٹھے ادھر ادھر کی گپ اڑاتے تھے۔ فقرے چست ہوتے جاتے تھے۔ کرسیوں پر نشست تھی۔ دائیں جانب تخت کا چوکا بچھا تھا۔ اس پر دری اور سفید چاندنی صدر میں ایک بڑا تکیہ ادھر ادھر ہوا کے دو تکیے۔ بیچ میں اکا روشن تھا۔ کمرے میں ایک لمپ جل رہا تھا۔ میاں آزاد عظیم اللہ خانی حقہ پیتے تھے۔ خمیرہ دوسیرا دھواں دھار۔ بیگم صاحب کی آمد آمد جو سنی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آدمی سے کہا وہ دونوں نئی کرسیاں نکالو، جو پرسوں نیلام میں خریدی تھیں ایک دوست کو کمرے میں لے گئے۔ کوچ باہر نکالا۔ چاندی کا حقہ، کلابتوں کے کام کا پیچوان، گنگا جمنی چمبر، مخملی زیرانداز دستگی نکالی پیچوان تخت پر رکھا گیا اور حضور آرام چوکی پر بیٹھ کر پینے لگے۔ احباب کو حکم ہوا کہ اینجانب کے مصاحب بن جانا۔ خبردار حضور اور پیر و مرشد کے سوا کوئی اور کلمہ زبان پر نہ لانا۔

اب تینوں دوستوں کے حالات سنیئے۔ ایک محمد رضا تیس برس کا سن، وجیہ اور وضعدار آدمی۔ فارسی میں اچھی لیاقت تھی۔ علم موسیقی میں بھی دخل تھا۔ دیہات کی سوڈیڑھ سو ماہواری کی آمدنی تھی اور اسی پر بسر اوقات ہوتی تھی۔ دوسرے ٹھاکر گجراج سنگھ، راجپوت ڈیڑھ سو روپیہ ماہواری کے مالگذار سرکار۔ بڑے جیالے آدمی تھے۔ تیسرے منشی انور صاحب، شاعر نازک خیال و شیریں مقال۔ عاشق تن، رنگین مزاج۔ میاں آزاد نے خدمت گار کو حکم دیا کہ سب نوکروں کو پھاٹک کے باہر نکال دو۔ اور گاڑی پھاٹک کے اندر لے آؤ۔ خدمت نے تعمیل حکم کی۔

انور: آپ خود استقبال کے لیے جائیں۔

ٹھاکر: مگر پہلے فٹن یہاں آجائے۔ پھر آپ جائیں۔ ابھی نہیں۔

انور: فٹن تو داخل ہوگئی۔ ضرور جائیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد اُٹھ کر نیچے گئے تو فٹن سے ایک ماما، دیرینہ روز برآمد ہوئیں۔ میاں آزاد نے کہا دواجی تم اکیلی ہی آئیں، اُن کو ساتھ نہ لائیں۔ مگر خیر حالات تو بیان کیجیے۔ یہ فٹن کس کی ہے دواجی نے کہا کوٹھے پر چلیے کمرے میں اطمینان سے بیٹھوں تو سارا قصہ بیان کر چلوں۔ میاں آزاد دواجی کو لے کر کوٹھے پر گئے۔ عباسی بھی ہمراہ ہوئی۔ کوٹھے پر دواجی نے تین چار سفید پوشوں کو دیکھا تو آگے قدم بڑھاتے ہوئے جھجکیں۔

آزاد: چلی آئیے کوئی غیر نہیں ہیں۔ سب ہمدم و ہمراز ہیں۔ آئیے۔

دواجی: بھلا شمشیر دولہا کے ہاں کا تو کوئی نہیں ہے۔ ہم ان کے سامنے نہ جائیں گے۔ کیا اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ راز و نیاز کی باتیں سب کے سامنے کیوں کر کریں۔

آزاد: آپ ہمارے ساتھ ساتھ کمرے تک چلی چلیے یہاں سب دلی دوست، لنگوٹیے یار جمع ہیں۔ شمشیر دولہا سے ہمیں کیا واسطہ بلا خوف چلی آئیے۔

دواجی کمرے میں گئیں، اور آزاد کے کان میں یوں کہنا شروع کیا۔ میاں کچھ نہ پوچھو۔ اللہ جانتا ہے۔ ایسا جوبن ہم نے نہیں دیکھا۔ ایسی مہ جبین، نازنین آج تک ہماری نظر سے نہیں گذری۔ کیا مکھڑا ہے۔ بس بلا مبالغہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ اور شوخی اور چُلبلا پن اور بھی ستم ڈھاتا ہے۔ صورت ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ بھبوکا شوخ و شنگ معشوق ہے۔ ہمارے ذہن کھپ گئی ہے کہ شہزادی ہیں بیشک پادشاہ زادی ہیں۔ شہزادیوں ہی کی سی بات چیت، وہی لب و لہجہ، وہی ادا، وہی پوشاک، وہی مزاج، وہی چال، وہی بوے ریاست۔ بس جو برابر فرق نہیں پایا۔ میاں تم تو خوب جانتے ہو کہ تمام عمر شہزادیوں اور نواب زادیوں ہی میں بسر کی۔ چھٹپنے سے آج کے دن تک پادشاہ زادیوں اور محلوں میں رہے ہیں۔ میں تو عورت کی چتون دیکھ کر اُس کے دل کا حال بتادوں کہ کیسی ہے، اور بات چیت کی نوبت بھی نہ آئے تو میں تاڑ لوں وہ آدمی کیا جو قیافہ شناس نہ ہو۔ انتہا کی خلیق ہیں۔ اپنے ہاتھ سے گلوری بنا کر دی، مگر میں نے بھی آپ کی خوب خوب تعریفیں کیں۔ مجھے پوچھنے لگیں کہ کیا تم اُن کی نوکر ہو۔ میں نے کہا اُن کے باپ دادا کے وقت سے ہم پرورش پاتے ہیں۔ ایک ایک رگ و پے میں نمک پیوست ہو گیا ہے۔

آزاد: سن کیا ہے؟ ہیں کوئی بیس بائیس برس کی یا کچھ زیادہ۔

دواجی: اے ہے۔ ابھی سن کیا اُٹھتی جوانی مرادوں کے دن ہیں۔

عباسی: حضور کوئی سترہویں میں ہوں گی۔ ابھی نام خدا الّڑھ پن کے دن ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : اور عفّت کا بھی خیال ہے؟ اس کا حال تمہیں کیوں کر معلوم ہو گیا۔
عبّاسی : ایں! حضور آپ فرماتے ہیں۔ باتیں سنیئے گا تو ان کی عفّت کا حال معلوم ہو جائے گا۔ ع
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے
آزاد : ہیں طرّار بی عبّاسی۔ چشم بد دور۔ زبان کیا کترنی ہے۔
عبّاسی : (مُسکرا کر) پھر نوکر کس کے ہیں۔
آزاد : اللہ اللہ جس کی نوکر ہو، وہ خدا جانے کیسی طرّار ہوں گی۔ ضرور چلیں گے۔
دواجی : حضور ایک نظر دیکھ لیجیے اگر دل نہ آئے تو جھک کر سلام کریں۔
آزاد : ہمارے دل کی نہ کہو۔ ذرا طرح دار ہو تو یہ پھیل جائیں گے۔
دواجی : جس وقت میں گئی یقین کیجیے ہلکا پیازی رنگا ہوا دوپٹا اوڑھے ہوئے تھیں۔ اس سادگی اور صوفیانہ پن نے جوبن کو وہ بھڑکا دیا تھا کہ کیا عرض کروں۔ ع

حاجت بناؤ کی تجھے اے نازنین نہیں
زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لیے

اور ہنس مکھ ایسی کہ آدمی چاہے کیسے ہی رنج میں ہو ہنس پڑے۔
آزاد : ابھی شادی سچ مچ نہیں ہوئی ہے۔
عبّاسی : اے حضور شادی کیسی۔ اس لائق کوئی ہوئے تو پہلے۔
آزاد : (غرور میں اکڑ کر) اور ہم میں کیا بات ہے ایسی۔
دواجی : اللہ کے فضل سے جوان ہیں آپ قبول صورت ہیں۔ جوان مرد ہیں۔ ہزاروں میں نمودار ہیں۔ آپ پر جو اُن کا دل آیا تو بیجا نہیں ہے۔ مگر اس عفّت کے صدقے کہ سوا شادی کے اور کوئی کلمہ زبان پر نہیں لائیں، کوئی اُن کے سر پر تو ہے نہیں۔ اپنی آپ مختار ہیں جو چاہتیں کر گذرتیں۔ کوئی پوچھنے والا ہے۔
آزاد : آپ حقّہ پیتی ہیں؟ منگواؤں۔
دواجی : نہیں ایسی کچھ عادت نہیں ہے۔
عبّاسی : منگوایئے۔ دواجی حُقّہ بہت پیتی ہے۔
آزاد : پیچوان حاضر کرو۔
منشی انور صاحب بڑے لسّان اور طرّار اور خوش مزاج آدمی تھے۔ خدمت گار کو دھکا دیا، اور خود

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیچوان لے کر پہنچے۔ حاضر ہے خداوندا ابھی سلگا نہیں ہے پیر و مرشد۔ دواجی نے جو دیکھا کہ سفید پوش شریف زادہ حضور حضور کہتا ہے تو سمجھیں کہ اب آزاد نے حیثیت درست کی ہے۔

عباسی نے بھی انور کو از سر تا پا غور سے دیکھا۔

عباسی: اے یہ کون ہے دواجی۔

دواجی: کوئی رفیق ہوں گے۔ ہے کہ نہیں حضور۔

عباسی: حضور کون تھے۔

آزاد : بندۂ خدا ہیں اور کون ہیں۔

عباسی: کچھ نام بھی ہے؟ بندۂ خدا تو سب ہی ہیں۔

آزاد : میرے رفقا میں سے ہیں۔ چالیس پچاس روپیہ ماہواری مل رہتا ہے۔ آدمی شریف اور لکھے پڑھے ہیں۔

انور: حضور بیگم آپ کے ساتھ نکاح پڑھوائیں اور عباسی غلام کے ہتھے چڑھیں۔ انصاف اسی کا مقتضی ہے۔

عباسی: اے آگ لگے اس نگوڑے پر۔ ہمیں ایسی ہنسی گوارا نہیں ہے۔

انور: کوس لو، کوس لو، لیکن ہونا یہی ہے ایک دن۔

عباسی: حضور لونڈی رخصت ہوتی ہے۔ آپ سے اے واہ۔

آزاد : شکل و صورت بُری نہیں، سن زیادہ نہیں۔ پاجی نہیں، پڑھے لکھے شریف زادے ہیں۔ پھر اگر تمہارے ساتھ نکاح ہو تو گناہ کیا ہے۔

عباسی: (تنک کر) آپ کو ایسا نہ کہنا چاہیے۔ آپ مالک ہیں۔

انور: (باہر سے) مالک تو تمہارے ہم ہیں صاحب۔

عباسی: واہ اچھے اچھے زبان دراز نوکر ہیں۔ واہ، وا واہ۔

دواجی: اے تو چٹختی کیوں ہو۔

میاں آزاد کپڑے پہن کر دواجی کے ساتھ جانے کو تھے ہی کہ ایک صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ پرانے فشن کے آدمی چھالیٹن کا شفاف پائجامہ نیچے کرتا اور پر شربتی کا انگرکھا شالی رومال اوڑھے۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں۔ اس قطع سے تشریف لائے۔

آزاد : (اُوپر سے) کون صاحب ہیں۔ قادر کون ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قادر : مرزا محسن صاحب ہیں۔

مرزا صاحب : آداب عرض کرتا ہوں میاں آزاد صاحب، فرصت ہے ؟۔

آزاد : (قہرِ درویش بر جانِ درویش) جی ہاں قبلہ تشریف لائیے۔

مرزا صاحب آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے تشریف لائے۔ آزاد نے عباسی اور دواجی کو ایک کوٹھری میں بٹھا دیا اور کہا ہمارے ایک بزرگ آگئے ہیں۔ وہ جائیں تو ہم ساتھ چلیں۔ مرزا صاحب آن کر ایک کرسی پر بیٹھے۔

انور : مزاج اقدس حضور کی کوئی دو مہینے کے بعد آج زیارت نصیب ہوئی۔ کیا کہیں باہر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہاں آپ کو دیکھا نہیں۔

مرزا صاحب : عرض کروں حضرت! نامساعدتِ بخت سے زیادہ دشمنِ انسان اور کوئی شے نہیں ہے۔ گھر میں سخت علالت تھی۔ تپ و لرزہ اور کھانسی۔ حکیم صاحب معالج تھے۔ لوگوں نے صلاح دی کہ ڈاکٹر سے رجوع لاؤ۔ مگر حضرت اپنا عقیدہ تو یہی ہے کہ ڈاکٹروں کی ادویہ گو سریع التاثیر اور کثیر المنفعت ہیں۔ تاہم ذرا چوکے اور مریض جان بحق تسلیم ہوا۔ پھر اس بیچارے کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ میں خود بھی علیل تھا کوئی چودہ روز تک کھانا نصیب نہیں ہوا۔

انور : آپ کے چہرے سے ضعف معلوم ہوتا ہے۔ واقعی بڑی بیماری اٹھائی۔

آزاد : اب تو مزاج اچھا ہے؟

مرزا صاحب : ہاں زندہ ہوں۔ ع

شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن

اور دنیا تو سرائے الم ہے ہی۔ کھانے بھر کو خدا نے دیا ہے مگر آرام نہیں۔ کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور ہی ستاتی ہے۔

آزاد : اطبائے یونانی کی لیاقت میں تو شک نہیں مگر ہندوستان کی کاہلی کو کیا کیجیے۔ دو چار کتابیں پڑھیں اور طبیب بن بیٹھے بھلا طبابت بھی کوئی کھیل ہے۔ ع

مُردوں کو زندہ کرتے تھے جو وہ تو مر گئے
زندوں کے قتل کو یہ مسیح الزّماں ہوئے

مرزا صاحب : ہندوستان کی کاہلی کا تو ہم کو بھی افسوس ہے۔ کاہلی وہ بلا ہے بد ہے کہ خدا اس سے بچائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان ذات شریف نے خوب ہی ہاتھ صاف کیا۔

ہندوستان جنت نشان نے زمانِ پاستان میں جو ترقی کی تھی، اُس کو جب ہم زمانۂ حال کے تنزل سے مقابلہ کرتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ بعُد المشرقین حیرت ہوتی ہے کہ بارِ خدایا زمانے نے یہ کیا ستم ڈھایا کہ کچھ کا کچھ کر دکھایا۔ عُروج اور اقبال زوال اور ادبار سے مبدّل ہوا۔ ہے ہے یہ کیسی بلائے بے درمان آئی کہ ایسی بیدردی سے اس قصرِ ارفع کی بنیاد ڈھائی۔ وہی ملک، وہی سرزمین، وہی مکان، وہی مکین، مگر یہ انقلاب، یہ تغیر بیحساب کل رِیاضی اور فلسفہ وغیرہ علوم شریفہ میں ہندیوں نے ید بیضائے ناموری حاصل کیا تھا۔ آج علم و فضل خیر باد کہ ایسا چل دیا کہ پتہ ہی نہیں۔ جن قوموں کو ہم اپنی تہذیب و شایستگی کے مقابل میں وحوش سمجھتے تھے، وہ اب ہم پر حرف رکھتے ہیں۔ وہ ہم کو نیم وحشی اور جاہل کہتے ہیں۔ ع

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

انور : انقلاب! انقلاب! زمانہ گرگٹ کے سے رنگ بدلتا ہے۔

ٹھاکر : ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان میں پہلے کیا تھا اور اب کیا نہیں۔

مرزا صاحب : بجا ارشاد ہوا۔ آپ ابھی صاحبزادے ہیں اور انگریزی خوان۔ ہم لوگوں کو آپ کیا مانیں گے۔ کیوں صاحب ہم کو بھی آپ نیم وحشی سمجھتے ہوں گے (مسکرا کر) نیم وحشی و جاہل ہے نہ۔

ٹھاکر : جی نہیں۔ آپ لوگ پُرانے بزرگ غنیمت ہیں۔

مرزا صاحب : مگر ہیں نیم وحشی ہی۔ جہالت ضرور ہے۔

ٹھاکر : (مسکرا کر) نہیں قبلہ میں تو ایسا نہیں کہہ سکتا۔

مرزا صاحب : اب وہ چرچے کہاں جو شاہی میں تھے۔ کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا تھا کہ مشاعرہ نہ ہوتا ہو۔ یا پیالہ نہ ہوتا ہو۔

ٹھاکر : پیالہ کیا؟ شراب کا دور؟

مرزا صاحب : لاحول ولاقوۃ۔ یہ شراب خواری زمانۂ حال ہی کی تہذیب ہے۔ ورنہ اُس زمانہ میں شراب خواری کا ذکر کُجا، اب البتہ کسی قوم سے نہیں بچی۔ یہ بھی آپ ہی کی تہذیب ہے۔ پیالہ آپ نہیں سمجھے لکڑی گوہار میں لڑنا۔ اُستاد گتکہ لے کر اکھاڑے میں آیا۔ دس دس بارہ بارہ شاگرد چوٹیں لگاتے اور وہ بچاتے ہیں۔

دوا جی کوٹھری میں بیٹھے بیٹھے گھبرا اُٹھیں۔ عباسی سے کہا کسی ترکیب سے ان مرزا جی کو یہاں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(دفان) کرتے، ایسے جمے کہ اب اُٹھنے کا نام تک زبان پر نہیں لاتے۔ یہ یہاں چھاونی چھائیں گے۔ عباسو نے کہا ہم بھی گھبرا اُٹھے واہی تباہی باتیں بک رہے ہیں۔ حکیم ایسے، اور ڈاکٹر ایسے، اور ہندوستان ایسا اور خدا جانے کیا الّم غلّم بکتے ہیں۔ جی اُکتا گیا۔ بیٹھے بیٹھے طبیعت پریشان ہوگئی۔ کہیے تو اشارے سے بلاؤں۔

دواجی: اے نہیں، ایسا غضب نہ کرنا۔ جلد بازی سب کام بگاڑ دیتی ہے۔ جلدی شیطانی کام ہے۔

عباسی: اُدھر بیگم کی آنکھیں راستہ دیکھتے دیکھتے تھک رہی ہوں گی، اِدھر ہم بے قرار ہیں۔

دواجی: اور ہمارا یہی ٹھیک وقت افیم کھانے کا ہے۔

عباسی: ایسا نہ ہو طبیعت بگڑ جائے۔

دواجی: پھر ہر چہ بادا باد۔

اِدھر دواجی اور عباسی یہ باتیں کرتی تھیں اُدھر مرزا صاحب مسہری پر دراز ہوئے۔ بسم اللہ۔

مرزا صاحب: قادر ذوری پانوں تو دباؤ۔

آزاد: (آہستہ سے انور کے کان میں) حضرت یہ بڑی بیڈھب ہوئی۔ اب یہ کل سویرے کی خبر لائیں گے۔ لاحول ولاقوۃ۔

انور: اجی نہیں ذرا کمر سیدھی کرتے ہیں۔

آزاد: حضرت ان کا کمر سیدھی کرنا کیا کم ہے۔ اب دو گھنٹے سے کم میں نہ اُٹھیں گے۔ دیکھ لیجیے گا۔

مرزا: آتش کا کلام ہمیں پسند ہے۔

انور: (آزاد کے چھیڑنے کے لیے) کچھ فرمائیے۔

آزاد: (آہستہ سے) اونھ۔ تم نے اور ایک شگوفہ چھوڑا۔

مرزا صاحب: ایک طرح تھی انسان کیا اور ایمان کیا، اور سوزان کیا۔ اس میں بڑے بڑے شعرائے لکھنؤ کی بھی غزلیں تھیں، مگر جناب خواجہ صاحب نے کیا کیا شعر نکالے ہیں۔ اہ واہ واہ اور معنی بیوندی سبحان اللہ سبحان اللہ سنیئے گا۔ فرماتے ہیں۔ ؎

اے جنونِ دشتِ عدم کے کوچ کا ساماں کیا
جسم کے جامے کو میں نے چاک تا داماں کیا

مُنہ چھپا اب تو نہ مشتاقوں سے اے خورشید رُو
چرخِ گرداں کی طرح برسوں ہی سر گرداں کیا

مر گئیں تیری جدائی میں ہزاروں حسرتیں
عشق غارت گر نے میرے دل کو گورستاں کیا

نالۂ جاں کاہ نے پتھر کو پانی کر دیا
مرغ و ماہی کو دلِ بیتاب نے گریاں کیا

جلد نہلا مجھ کو میرے خوں سے اے شمشیر یار
دامنِ دل سالہا آلودۂ عصیاں کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے فلک مرہونِ احسان تو نہ تیرا میں ہوا
شکر ہے مجھ کو خدا نے بے سر و سامان کیا

انور : عُریان کا بھی قافیہ باندھا ہے ۔

آزاد : (چپکے سے) اجی خاموش بھی رہو ۔

انور : کیوں قبلہ عریان کا بھی قافیہ باندھا ہے ۔؟

مرزا صاحب : جی ۔ہاں ۔ سنیئے ۔کیا شعر ہے ۔ ؎

یادِ ابرو و ذقن میں اُڑ گئی آنکھوں سے نیند
گہہ کنوئیں جھانکے کبھی تلوار کو عُریاں کیا

انور : سبحان اللہ ۔خوب کہا ہے اور افغان کیا کا قافیہ ۔؟

آزاد : (چٹکی لے کر) خدا سمجھے تم سے ۔

مرزا صاحب : افغان کا بھی ہے ۔

پھر گئی آنکھوں میں وہ مژگان برگشتہ تو پھر
ذکر آرہ تھا جو آہ و نالہ و افغان کیا

آزاد : یہ کسی قدر پھیکا ہے ۔

مرزا صاحب : ہر شعر مرصّع نہیں ہو سکتا ۔

آزاد : قادر کے بجے ہوں گے ۔

انور : ابھی کے بجے ۔ کوئی سات کا عمل ہو گا ۔

آزاد : سبحان اللہ دس ۔بجا چاہتے ہوں گے ۔

مرزا صاحب : ہم ذرا سوتے ہیں، کوئی گیارہ بجے جگا دینا ۔

آزاد : گیارہ تو ۔بجا چاہتے ہیں قبلہ ۔!

قادر : ساڑھے نو کا وقت ہے ۔ اب دس ۔بجیں گے ۔

انور : رات اپنی ہے ۔ چاہے دس ۔بجیں چاہے بارہ ۔بجیں ۔

آزاد : (آہستہ سے) اچھا آج تم دق کو تو کل جواب دوں گا ۔ خدا کے لیے ان کو کسی طرح (وفان) کرو عجب بد تمیز آدمی ہو ۔

انور : دوران کا قافیہ خوب چمکا ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا صاحب: سنیئے، ؎

قامتِ موزوں تصوّر میں قیامت ہو گیا
چشم کی گردش نے کارِ فتنۂ دوراں کیا

انور: سبحان اللہ، چشم کی گردش نے کارِ فتنۂ دوراں کیا۔

آزاد: اب سو رہیے۔

مرزا صاحب نے میاں آزاد کی ناک میں دم کر دیا۔ آزاد نے مجبور ہو کر دواجی اور عبّاسی کو رخصت کیا، اور وہ دونوں بادلِ سرد وہاں سے درد کی طرح اُٹھیں۔ منشی انور اور ٹھاکر صاحب وغیرہ احباب نے بھی اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ ثریّا بیگم بیچاری چشم در راہ تھی کہ اب آتے ہوں گے، اب آتے ہوں گے۔ کھٹ ہوا اور وہ سمجھیں دواجی آگئیں۔ کسی نے دروازہ کھولا اور اُنھوں نے پکارا۔ دواجی۔ کوئی بولا۔ اور اُنھوں نے کہا لو عبّاسی آگئی۔ جھروکے سے بار بار جھانکتی تھیں۔ جب عبّاسی کے آنے میں دیر ہوئی تو اُن کی بیقراری اور بھی بڑھی۔ مگر مغلانیوں نے سمجھانا شروع کیا۔ حضور دیر آید درست آید۔ کھانا کھائیں گے کپڑا پہنیں گے مگر ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ آئیں گے ضرور۔

ثریّا بیگم: ہماری بائیں آنکھ آج کئی دن سے پھڑک رہی ہے۔

مغلانی: واہ یہ مبارک فال ہے، ایک باری نواب صاحب کی دائیں آنکھ دو دن تک پھڑکا کی تیسرے دن سرکار کا حکم آیا کہ تمہارا وثیقہ کُھل گیا۔ سات مہینے تک ضبط رہا سات مہینے کے ساڑھے تین ہزار وہ ملے۔ پانچ سو کے حساب سے یکمشت اور پھر برابر وثیقہ جاری رہا۔ سو حضور آنکھ کے پھڑکنے کی بڑی مبارک فال ہے۔

محلدار: اس بنیا (باغیچہ) کے سامنے وہ اُن کی ڈیوڑھی ہے، وہ ہیں نہیں بیگم صاحب۔ اُن کی بائیں آنکھ پھڑکی تو خزانہ نکلا خوش باش تھیں۔ اب اچھے اچھے لکھ پتی اُن کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے۔

بیگم: دیکھیے ہمارے حق میں آنکھ کا پھڑکنا کیسا نکلتا ہے۔

محلدار: حضور منہ مانگی مراد برآئے تو سہی۔ آزمائی ہوئی بات ہے۔

مغلانی: ہزاروں لاکھوں کروڑوں بار کیا کچھ آج کی آزمائی ہے۔

دواجی اور عبّاسی فٹن پر سوار ہوئیں اور چلیں۔ ان کا بیان تو یہاں چھوڑا اب اُن میاں آزاد مرزا کا حال سُنیئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد مرزا

آزاد مرزا ایک وجیہ اور صبیح خوش رُو اور قوس ابرو باغ و بہار اور طرحدار جوان تھے۔ کئی زبانوں سے واقف۔ اصنافِ سخن پر قادر ناظم ناثر فنون سپہ گری میں طاق۔ فنِ شناوری میں مشاق بہت متمول تو تھے نہیں مگر سوا سو روپیہ کے وثیقہ میں اچھی طرح بسر ہوئی جاتی تھی۔ اکیلا دم۔ عزیزنہ رشتہ دار جس کی فکر ہو یا جوان کی روٹیوں پر پڑا ہو۔ یہ شخص بدمعاش بھی پرلے سرے کے تھے۔ چوروں کے پیر، اُٹھائی گیروں کے لنگوٹیے یار، ڈاکوؤں کے شریک حال۔ گرہ کٹوں کے پیرو کار کسی کی جان لینا اُن کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ جس سے یارانہ ہوا۔ اُسی کی گردن کاٹی۔ امیر سے مل جل کے رہنا۔ اور اس کی گھڑکی جھڑکی سہنا ان کا خاص پیشہ تھا۔ لیکن جس امیر کی سرکار میں دخل پایا اُسی کو نیچا ضرور دکھایا۔ اگر ممکن ہوا تو لنگوٹی بند ھوا دی، ورنہ کچھ لے دے کے الگ ہوئے اور یاروں میں بنکارنا شروع کیا۔ کیوں کیسا پھانسا۔ شریف اور وضعداروں کی صحبت سے نفور تھے، مگر ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا کسی روز بے آبرو کرڈالے۔ شہر کے مہاجن اور ساہوکار از حد خائف اور بدرم ناخریدہ غلام تھے۔ جس مہاجن سے جو مانگا اُس نے مارے خوف کے حاضر کر دیا، اور اگر انکار کیا تو دوسرے روز چوری ہو گئی۔ سیٹھ روپا مل نامی ایک مہاجن امیر کبیر اور مشہور و معروف تاجر شہر کو آپ نے ایک مرتبہ یہ چٹھی لکھی۔

"سیٹھ جی صاحب کی خدمت میں بندگی بصد سرافگندگی"۔ کبھی یارانِ سرِ پل سے بھی واحد شاہد ہو گئے۔ تعلقداروں سے خوب مال چیرا۔ وثیقہ داروں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ ایرا غیرا نتھو خیرا ایک نہ چھوٹنے پایا۔ سود پر سود چڑھایا۔ اب آپ یاروں کی نظر پر چڑھے ہیں، اگر بھل منسی سے کہنا مان جاؤ تو فہو المراد چشم ماروشن دلِ ماشاد۔ ورنہ بھگتو گے۔ ع

تھوڑا لکھنا بہت سمجھنا

تمہارا دوست آزاد مرزا

ع

لالہ روپا مل آدمی تھے انتہا سے زیادہ کنجوس

نخوانده۔ بجز باب لالہ نے صرف خط کو پڑھوا کر چاک کر ڈالا، اور کہا جھک مارتا ہے۔ ایک سپاہی اور بڑھا دیا جائے۔ دیکھیں تو آزاد مرزا کیا کر سکتا ہے۔ ایک اٹھوارے تک تو خیریت سے رہے۔ نویں روز پھر ایک رُقعہ آیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"لالہ جی۔ کچھ خیر ہے۔ بھلا وہ مرا ہوا آدمی جس کو حضور نے سپاہیوں کے زمرے میں نوکر رکھا ہے۔ ہمارا کیا بنائے گا۔ ناحق تین چار روپیہ مہینے پر پانی پھیرتے ہو اُس کو موقوف کر دو۔ ہم چوری ضرور کریں گے اور نہ کریں تو بسر کیوں کر ہو۔ ع

روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

"وہی آزاد مرزا"

لالہ صاحب نے اس خط کو بھی پھاڑ کے پھینک دیا۔ دسویں دن منیب جی کوٹھی کی کوٹھڑی کھولتے ہیں تو روز سے کہیں زیادہ روشنی۔ ایں! یہ روشنی کیسی؟ دیکھتے ہیں تو چھت کاٹی ہے۔ ارے! صندوق کھلا پڑا ہے۔ ہائے ہائے چوری ہوگئی۔ آدمی نوکر چاکر، سپاہی، اڑوسی پڑوسی سب ہی جمع ہوگئے۔ تو آمین آ، پولیس والوں کو خبر ہوئی وہ بھی دوڑے آئے۔

لالہ جی پوجا پر تھے۔ کہاری نے جا کر کہا۔ لالہ رات چوری ہوئے گئی۔ ایں! پوجا چھوڑ کر لالہ جی نے کھڑاؤں پہنی اور کانپتے ہوئے کھٹ پٹ کرتے چلے۔

منیب: چوری ہوگئی۔ لُٹ گئے۔ لُٹ گئے!

لالہ: اُف لوٹ لے گیا۔ یہ ہوا کیا۔ آیا کدھر سے۔

منیب: کیا جانے کدھر سے آیا۔ یہ سپاہی سب کے سب مر گئے تھے۔

ایک سپاہی: رات بھر جاگتے رہے لالہ۔ تمام رات جاگتے تھے۔

دوسرا سپاہی: ہم نے جب پہرا بدلوایا تو ۱۲ بجے تھے اس وقت تک منیب جی حساب جوڑ رہے تھے۔

منیب: دو بجے چوری ہوئی ہوگی۔ آدھی رات تک ہم یہاں بیٹھے۔

تیسرا سپاہی: کچھ کھٹ پٹ کی آواز تو آئی تھی، مگر میں سمجھا کہ چوہے ہیں۔

لالہ: اسرپھیاں (اشرفیاں) ہیں یا نہیں۔؟

منیب: معلوم ہوتا ہے جاگ ہوگئی، یا آہٹ ہوگئی۔ جانے کیا ہوا جو سب بٹور نہ سکا۔

لالہ جی رو پیٹ کے بیٹھ گئے۔ ایک مرتبہ کسی امیر کا مکان چوروں نے تاکا صلاح ہوئی کہ مرزا آزاد سے مدد لیں۔ اس محلے میں ایک پُرانا نامی ڈاکو رہتا تھا۔ جس کے سبب سے کسی چور کی دال گلنے نہیں پاتی تھی۔ اُس نامی چور کا مقولہ تھا کہ ڈاین بھی سات گھر بچا کر کھاتی ہے۔ ہم اپنے محلہ میں چوری نہ ہونے دیں گے۔ جب وہ نامی چور مر گیا، تو شہر کے چوروں نے اس محلہ میں اس امیر کو تاکا اور اِس چور کی جورو سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جس کا نام آبادی خانم تھا کہا کہ آج روشنی اور مشعل اور کھانے پینے کا انتظام کر رکھنا۔ شب کو ہم سب یہاں بیٹھ کر چوری کرنے جائیں گے۔ چور کی بیوی سوچ کہ اتنے عرصے تک اس محلے میں رہے۔ میاں پڑوسیوں کو مثل بھائیوں کے سمجھتے تھے۔ اب اُن کی وفات کے بعد محلہ والوں پر کیا ہاتھ صاف کروں۔ شام کو بی ہمسائی کو پکارا۔

آبادی خانم : بی ہمسائی، بی ہمسائی ا۔

ہمسائی : کیوں آبادی خانم آئی۔ ٹھہرو (کوٹھے پر آن کر) کہو خیریت ہے۔ ؟

آبادی : کیا بتائیں بہن! ایک مصیبت آن پڑی ہے۔ گوڑ بھری ہنسیا ہے۔ نہ نگلتے بنے، نہ اُگلتے بنے۔ کہوں تو ماں ماری جائے، نہیں تو باپ کتا کھائے۔

ہمسائی : اللہ خیر کرے بہن۔ کیا کچھ روپیے پیسے کا معاملہ ہے۔ ؟

آبادی : کیا بتاؤں۔ وہ جب تک زندہ رہے، محلے کا دم بھرتے رہے۔ کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تو آنکھیں نکال لیتے، مگر اب تو اللہ نے اُن کو اٹھا ہی لیا۔

ہمسائی : تمہیں جس شے کی ضرورت ہو ہم سے کہو۔

آبادی : اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ نواب صاحب نے چھ روپیہ مہینا مقرّر کر دیا ہے، مگر آج ایک بیڈھب بات ہونے والی ہے۔ بس کچھ پُوچھو نہ بہن۔

ہمسائی : اے تو بتاؤ تو کچھ جب بوجھوں بھی۔

آبادی : پانچ چھ چور آئے تھے۔ کہہ گئے ہیں کہ آج ڈاکہ ماریں گے۔

ہمسائی : کس کے ہاں۔ ؟

آبادی : پہلے تو سامنے والے لالہ کے ہاں جائیں گے۔ وہ لکھ پتی ہیں۔ پھر تمہارے ہاں پھر کمیدان کے گھر ہیں۔ کہہ گئے ہیں کہ مشالیں (مشعلیں) بنا رکھنا۔

ہمسائی : یا میرے اللہ آج تو گھر میں پیارے کے ابّا بھی نہیں ہیں۔

آبادی : لالہ کے ہاں کسی صورت سے کہوا بھیجو۔

ہمسائی : ابھی ابھی (لونڈی سے) جو کچھ حال سنا ہے؟ چپکے سے لالہ جی کے ہاں کہہ آ اور اُدھر ہی سے کمیدان صاحب اور چھوٹے مرزا اور منجھو صاحب سے بھی کہتی آنا۔

لونڈی : بہت خوب۔ کہیئے تو مرزا ناور بیگ کو بُلا لاؤں۔

ہمسائی : ضرور کہنا تمہاری چچی اکیلی ہیں، اور آج اس قدر کا طوفان آنے والا ہے، چل کے رات کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہیں رہو۔

تمام محلے میں خبر مشہور ہوگئی اور کھل بلی پڑگئی۔ کمیدان صاحب نے تلوار سرہانے رکھی۔ آدمیوں کو حکم دیا کہ رات کو خوب چوکس رہیں اور دروازے پر روشنی رہے۔ لالہ صاحب نے بھی کئی آدمیوں کو دروازے پر بٹھادیا، اور مع اعزا و اقربا جاگتے رہے۔ ذرا آدمی کی چاپ سُنی اور بادِ ہوائی گولی داغ دی۔

چور جو آئے دیکھا کہ ہر دروازے پر چراغ روشن ہیں۔ تمام محلّے میں جاگ ہے۔ کسی کے دروازے پر سپاہی بیٹھا ہے کہیں کوٹھے پر سے لوگ کھنکار رہے ہیں، کہیں بات بات پر گولی چلتی ہے۔ سخت متحیر اور بد دماغ ہوتے۔ نامی چور کے گھر پر ایک ایک دو دو کرکے آئے۔ کیوں کہ یہی اُن کی بیٹھک قرار پائی تھی۔ نامی چور کی جورو آبادی خانم نے کہا۔ مشعل تیل حاضر ہے۔ پراٹھے اور قورمہ پکا رکھا ہے۔ پان، تمباکو، حقہ سب حاضر ہے۔ چوروں نے کھانا کھایا اور ڈھاٹے باندھ باندھ تلواریں لٹکا کر چلے۔ دس قدم بھی نہیں گئے تھے کہ ایک چھت سے آواز آئی (آچھین) اور پانچ چھ قدم بڑھے ہوں گے کہ ایک شخص نے کہا (تیل اور بلّی) تب تو چور چکرائے کہ یا الٰہی جب آئے تب بھی یہی حال تھا اور اب بھی یہی کیفیت ہے۔ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

اتنے میں لالہ کے مکان سے کسی نے بندوق داغی اور اُس کے ساتھ ہی تپنچے کی آواز آئی۔ ادھر ایک آدمی نے بہ آواز بلند کہا (کیوں بیدھے ہوکے آئے ہو۔ جانتے ہو کس کا مکان ہے۔ دھر لیے جاؤ گے)۔ اس فقرے پر چور الگ ہوگئے۔

آزاد مرزا: یارو کچھ سمجھے بھی۔ ہم تو سمجھ گئے۔

ایک چور: آپ کیا خاک سمجھے۔

دوسرا چور: آزاد مرزا بڑے چالاک آدمی ہیں۔ یہ ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔ حضرت!

پہلا: یہ محلّے بھر میں آج جاگ کیسی ہوگئی ہے؟ توبہ توبہ۔

دوسرا: یہی ہمیں بھی حیرت ہے۔

تیسرا: ساتھیوں میں سے کسی نے کہہ دیا ہے۔ بُری بات ہے۔

آزاد مرزا: اجی حضرت۔ آپ لوگ تو سیکھتے ابھی کیا جانیں۔ یہ سارا فساد اُس آبادی خانم مردار کا ہے کہ محلّے والوں سے سب کہہ دیا ہم سے سنیے۔ قتل کے قابل کام کیا ہے۔

پہلا چور: کیا بات کہی ہے۔ واللہ یہی ہے اس میں شک نہیں بس کھُپ گئی۔

دوسرا: آج کوئی دس بارہ ہزار کی رقم ہاتھ آتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیسرا : اِیں! کوستے ہو۔ کم سے کم پچیس ہزار تو ہاتھ آتے۔ مگر دل کی دل ہی میں رہی۔ واللہ اتفاق۔

آزاد : ہم تو جا کے اُس مردار کو قتل کیے ڈالتے ہیں۔

دوسرا : کام تو ایسا ہی کیا ہے۔ کشتنی سوختنی۔

آزاد مرزا : تمام محلّے میں جاگ ہو جانا کیا معنی۔ ایک بجے کا وقت سارا زمانہ سو رہا ہے، مگر اس محلّے میں سونے کا نام ہی کوئی زبان پر نہیں لاتا۔ توبہ توبہ۔ لاحول ولاقوۃ۔

چور : جی ہاں فساد اُسی کا ہے۔ ع

تیرا ہی تو ہے فساد مُردار
داماد کو گل دیا مجھے خار

آزاد مرزا : چلیے بس اب شاعری کا خون نہ کیجیے۔ معلوم ہے آپ بڑے شاعر غرّا ہیں۔ ہمارے نزدیک اب یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔

چور : بیشک۔ بلاشبہ۔ پہلے چل کر اُن سے پوچھیے تو۔

راوی : آبادی خانم، اور کمیدان، اور لالہ جی، اور بی ہمسائی، میں پہلے ہی مقرّر ہو گیا تھا کہ جب چور آئیں تو ایک کنکری پھینک دینا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ محلّے بھر میں جاگ ہو گئی۔

آزاد مرزا : واللہ آج بڑی گوڑی گئی۔ افسوس، صد افسوس۔

چور : چلیے کل نہیں پرسوں نہیں، نرسوں سہی۔

دوسرا : اجی آج تو ہاتھ نہ گرمائے۔

چور : ہاں آج تو دل کی دل ہی میں رہی۔

آزاد مرزا سب ساتھیوں کو ہمراہ لے کر آبادی خانم کے ہاں گئے۔ دروازہ کھلوایا۔ اندر داخل ہوئے اور جلی کٹی باتیں کرنے لگے۔

آزاد مرزا : آبادی خانم ہم لوگ تمہارے کمال مشکور ہیں۔ تم نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ محلّے میں انٹی چینٹی تک کو خبر کر دی۔

آبادی خانم : اے واہ۔ بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔

آزاد : نہیں خدا جانتا ہے ہم پر بڑا احسان کیا۔

آبادی : اے تو کاہے کا احسان۔

آزاد مرزا : یہی کہ ہم کو چوری نہ کرنے دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آبادی خانم : اور یہ سب کے سب چلے کیوں آئے۔

آزاد مرزا : باتیں بناتی ہے۔ سارے زمانے کو خبر کر دی، اور ہم سے چکنی چپڑی باتیں کرتی ہے۔ سب کے سب چلے کیوں آئے؟ چلے نہ آتے تو کیا جوتے کھاتے۔ مگر بغیر قتل کیے نہ جائیں گے۔

آبادی خانم : میاں جو میرا قصور ہو تو زندہ چنوا دو۔ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔ میرا جو برابر قصور نہیں۔

آزاد مرزا : سچ ہے، ہمیں معلوم ہے۔

بڑی دیر تک اُس میں اور آزاد میں بحث رہی، آخر کار آزاد مرزا نے غصّے میں آکر تلوار ماری۔ آبادی خانم کی ران پر چھلتی ہوئی پڑی اور تڑپ کر کوٹھے کی طرف بھاگی۔ چور چاہتے تو اُس کو پکڑ لیتے، مگر انھیں اُس کی بیکسی اور بے بسی پر کمال رقت آئی۔ تلوار کھا کر آبادی خانم نے کوٹھے پر خوب غل مچایا۔ محلّے والے سمجھ گئے فوراً پچیس تیس آدمی دوڑ پڑے اور چور تو پکڑ لیے گئے، مگر آزاد مرزا چھ آدمیوں کو زخمی کر کے نلوہ بچ نکلے۔ اُن کے مزاج کی عجیب کیفیت تھی۔ بچّوں میں بچے، بوڑھوں میں بوڑھے، جوانوں میں جوان، کوئی بات ایسی نہیں جس کا اُن کو مذاق نہ ہو ایک سال تک فوج میں بھی نوکر رہے تھے۔ وہاں بھی ان کی حرکتوں سے لوگ عموماً نالاں تھے۔ ایک دن یہ دل لگی کی کہ رسالہ کے بیس گھوڑوں کی اگاڑھی پچھاڑی کھول ڈالی۔ گھوڑے ہنہنا ہنہنا کے لڑنے لگے۔ حضرت کے نزدیک یہ بھی ایک دل لگی تھی۔ رات کا وقت سب پڑے سو رہے تھے گھوڑے جو کھلے تو سب چونک پڑے۔

ایک : لینا لینا، چور، چور، چور ہے۔ پکڑ لینا جانے نہ پائے۔

دوسرا : ارے میاں خیر تو ہے، خیر تو ہے؟ بتاؤ تو یہ گھوڑے کہاں لڑ رہے ہیں۔ مشعل روشن کرو۔

تیسرا : کل رسالے کے گھوڑے کسی شریر نے کھول دیے۔

بڑی دقّت سے چند گھوڑے پکڑے گئے۔ چھ گھوڑے سخت زخمی ہوئے۔ تین گھوڑے رات کو کہیں ڈھونڈھے نہ ملے خدا جانے لڑتے لڑتے کدھر بھاگ گئے۔ اب تحقیقات شروع ہوئی کہ یہ کن ذات شریف کی کارستانی تھی۔ آزاد مرزا بھی سب کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے، اور اس شریر آدمی پر سخت ناراض تھے، جو اس کا باعث ہوا۔

آزاد مرزا : یہ شیطان کا کام ہے خدا کی قسم۔

افسر : اُس شیطان کی گوشمالی کی جائے گی۔

آزاد : وہ اُسی لائق ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسر: ہاں غضب کیا مردود نے۔
آزاد: مل جائیں تو چچا ہی بنا کر چھوڑوں۔ شکر ہے کہ ہمارا گھوڑا تو بچ گیا۔ کئی گھوڑے زخمی ہوئے۔
جو افسرِ اعلیٰ اس امر کی تحقیقات کے لیے مقرر ہوئے کہ کس شریر نے گھوڑوں کی اگاڑی پچھاڑی کھول دی اُنھوں نے سوال شروع کر دیے آزاد مرزا کی بھی باری آئی۔
افسر: تم اُس وقت کیا کرتے تھے؟
آزاد: کس وقت؟
افسر: جس وقت گھوڑے کھول دیے گئے۔
آزاد: ہم میٹھی نیند سو رہے تھے، اور ایک خواب دیکھ رہے تھے۔
افسر: کیا خواب دیکھتے تھے۔
آزاد: خواب بتانے سے تاثیر جاتی رہتی ہے۔
افسر: تم گستاخ ہو۔ تمہاری ہی شرارت ہے۔
آزاد: اجی حضرت! پہلے اُس بے ادب کے کان پکڑیے، جو گھوڑوں کی دُم میں لقدا باندھ گیا۔ ہم سے کیا واسطہ۔ ہم نے گستاخی کیا خاک کی۔ پہلے گھوڑوں کا علاج تو کیجیے۔
افسر: تمہارا نام لکھ لیا۔
آزاد: بسم اللہ
افسر: کوئی گواہی دے سکتا ہے کہ یہ اس وقت سوتے تھے۔
سپاہی: ہم تو یہ گواہی البتہ دے سکتے ہیں کہ ہم نے اُس اصطبل میں سے اُن کو نکلتے دیکھا۔
سوار: اور ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے بڑے سے چپکے چپکے اصطبل کی طرف جاتے تھے۔
سائیس: صاحب ہم نے جب للکارا کہ گھوڑا کیوں کھول ڈالا تو ہم کو ایک تھپڑ مارا۔
دوسرا سوار: ہاں اس کے ہم بھی گواہ ہیں۔
دوسرا سائیس: ہم نے گھوڑا کھولتے ہوئے تو نہیں دیکھا مگر اس قدر جانتے ہیں کہ یہ دو دن سے اسی تاک میں تھے۔
آزاد: یک نہ شد دو شد۔
افسر: تمہاری خطا ظاہر ہے۔
آزاد: لاحول ولاقوۃ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک انگریز کی سفارش سے ستّر روپیہ ماہواری کے کلرک مقرّر ہو گئے تھے۔ ایک دن دل لگی، دل لگی میں آپ کو یہ سوجھی کہ کل عمّال کے جوتے دریا میں پھینک دیے۔ سر رشتہ دار اُٹھے۔ اِدھر اُدھر جوتا ڈھونڈھتے ہیں۔ کہیں پتا ہی نہیں۔ چپراسی کو پکارا، دیکھو جوتا کہاں ہے۔ کہیں ہو تو بتائے۔ ناظر اُٹھے جوتا ندارو۔ ایں! یہ جوتا کون لے گیا۔ جب پیشکار صاحب کو صاحب ضلع نے بُلایا دیکھتے ہیں تو جوتا غائب کیا خوب تحصیل میں ڈھونڈھا۔ پتا ہی نہیں۔ چپراسی پھر آیا۔ حضور پیشکار صاحب بلا رہے ہیں۔ جلدی چلیے

پیشکار: ارے بھئی جوتا ہی کوئی ذات شریف اُڑا لے گئے۔

چپراسی: حضور میرا جوتا پہن لیں۔

پیشکار: واہ اچھا لالہ بشن دیال ذرا اپنا بوٹ تو اُتار دو۔

لالہ بشن دیال پٹواری تھے۔ ان کا لکڑ توڑ جوتا پہن کر پیشکار صاحب بڑے صاحب کے اجلاس پر گئے۔

صاحب: ول پیشکار صاحب۔ آج بڑا امیر ہو گیا۔

پیشکار: (متحیر ہو کر) خداوند!

صاحب: بہت بڑا قیمتی بوٹ پہنا ہے۔

پیشکار: حضور جوتا کوئی ذات شریف ٹہلا لے گئے۔

صاحب: ایں! کہاں سے؟

سر رشتہ دار: حضور میرا جوتا بھی نہیں ملتا۔

صاحب: ایں! یہ کیا بات ہے۔

چپراسی: خداوند ناظر جی کا جوتا بھی نہیں ملتا۔

صاحب: (ہنس کر) او عجب بات منصرم صاحب کو بلاؤ۔

چپراسی نے منصرم صاحب سے کہا کہ چلیے بڑے صاحب حضور کو بلاتے ہیں۔ منصرم صاحب اُٹھتے ہیں تو ایک پاؤں کا جوتا ندارو۔ ایں! معقول جوتا کدھر گیا۔ چپراسی نے ہنس کر کہا خداوند کچہری بھر کے جوتے غائب ہیں۔

مُنصرم: لاحول ولاقوۃ۔

چپراسی: کسی کا جوتا پہن لیجیے۔

بڑے صاحب تو مسکرا کر خاموش ہو رہے مگر چھوٹے صاحب جو بڑے خوش مذاق آدمی تھے۔ اجلاس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے اُٹھ کر دفتر میں گئے تو دیکھتے ہیں کہ ایک ہڑ بونگ کا عالم ہے۔ ادب و آداب بالائے طاق قہقہے پر قہقہہ پڑ رہا ہے۔ لالہ پٹر چند محرر بڑے جگت باز آدمی تھے۔ صاحب کو سلام کر کے کہا حضور کوئی گور گا ہم سب کی گرگابیاں لے بھاگا۔ تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ سوائے میاں آزاد مرزا کے اور سب کی جوتیاں ندارد ہیں۔ منصرم صاحب نے کہا اتفاق سے ایک پانوں کا جوتا نکال کر بیٹھا تھا۔ حریف نے اُس کو بھی نہ چھوڑا سررشتہ دار نے کہا ہماری بھی دونوں جوتیاں ندارد ہیں۔ سرِ دفتر مسٹر بالرڈ کا بھی ایک بوٹ غائب تھا۔ چھوٹے صاحب نے کہا، ہم اُس شخص کو انعام دینا چاہتے ہیں۔ اُس نے بڑا کار نمایاں کیا ہے۔ سب کے جوتے غائب کر دیے، مگر جس دن ہمارا جوتا غائب کر دے، اُس دن ہم اُس کو ایک ہفتے کی تنخواہ انعام دیں۔

آزاد : اور اگر ہمارا جوتا غائب کر دے تو ہم پورے مہینے کی تنخواہ دیں۔

راوی : واہ کوئی بیدھا ہی ہو گا۔

آزاد : (چھوٹے صاحب سے) میں حضور سے زیادہ فیاض ہوں۔

صاحب : دل ہم جانتے ہیں تمہاری شرارت ہے۔

آزاد : بجا ہے۔ ہم نے جوتا پانوں سے نکالا ہی نہیں۔ کوئی لے کہاں سے جاتا۔

ایک شخص نے آزاد مرزا کا بکس جو کھولا تو ایک پاؤں کا بوٹ موجود ہے۔ ایں! واہ مرزا صاحب آپ تو ادھوڑی آستر کے چور نکلے کل عمال نے اُن کو گھیر لیا۔

سررشتہ دار : حضرت ہمارا جوتا تو حوالے کیجیے۔

اہلمد : میں نے آج ہی نیا جوتا پہنا تھا۔

محرّر : میں غریب آدمی ہوں۔ غریبوں پر تو رحم کرو۔

ناظر : لے حضرت بائیں ہاتھ سے اب بوٹ رکھ دیجیے۔

آزاد : جس نے لیا ہے وہ اور تو چاہے کسی کو دے بھی دے مگر تم کو حشر تک نہ دے گا۔

محرّر : اور ہم کو تو غریب سمجھ کر دے دیں گے۔

منصرم : ایک پانوں کا بوٹ ہمارا ابھی غائب ہے۔

اہلمد : یہ بوٹ آپ ہی کا تو نہیں ہے؟

منصرم : ایں! ہی تو ہے۔ یہاں یہ کہاں سے آیا۔

اہلمد : کیا آپ نے نہیں سُنا۔ آزاد مرزا کے بکس میں تھا۔ یہ اُنھیں حضرت ذات شریف کی کارستانی ہے۔ ہم لوگ بڑے صاحب کو عرضی دینے والے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں ایک چپراسی نے کہا، منصرم صاحب وہ جوتے تو ایک آدمی بڑے سے جھوّے میں بھر کر دریا میں ڈبو آیا۔ میں نے دور سے منع کیا۔ اُس نے کہا آزاد مرزا کا حکم ہے۔ آزاد مرزا نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا حضرت یہ بھی یا رجون کا ایک کھیل تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ایک ہندو کے ہاں گئے۔ وہ اسس وقت روٹی پکا رہے تھے۔ پوچھا ٹھاکر صاحب کیا پکتا ہے۔ کہا روٹی اور گوشت یہ صبح سے بھوکے تھے۔ جب دیکھا کہ کھانا پک گیا تو چپکے سے جوتا اُتار کر ٹھاکر کی رسوئی میں جا بیٹھے۔ اُس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو ڈانٹ بتائی۔ ایں یہ کیا کیا۔

آزاد : کچھ نہیں ہم نے کہا دیکھیں کس تدبیر سے روٹی پکاتے ہو۔

ٹھاکر : رسوئی جھوٹی کر دی۔

آزاد : (تجاہل عارفانہ) تمہیں واللہ۔

ٹھاکر : اجی بس جاؤ بھی۔

آزاد : کمال افسوس ہوا۔

راوی : ہم کو معلوم ہے اور جب روٹی اور گوشت چکھ لیجیے گا۔ تو اور بھی افسوس ہو گا۔ بیچارے کتنے ہمدرد آدمی ہیں۔

ٹھاکر : یہ تم کو سوجھی کیا۔

آزاد : میاں ہم کو کیا معلوم تھا کہ تم لوگوں کے عقائد مذہبی کیا ہیں۔

ٹھاکر : صحیح ہے۔ ایسے ننھے ہیں آپ۔

آزاد : پھر اب یہ کھانا بیکار ہی جائے گا۔

ٹھاکر : نہیں کوئی مسلمان کھا ہی لے گا۔

آزاد : تو پھر ہم سے زیادہ اور کون ہے۔

ٹھاکر : آپ ہی کھانا شروع کیجیے۔

آزاد بسم اللہ کہہ کر تھالی بڑھانے کو تھے کہ ٹھاکر نے للکارا ہائیں ہائیں رسوئی تو جھوٹی کر چکے اب کیا برتنوں پر دانت ہے۔ برتنوں میں آزاد نے کھانا کھایا اور دُعا دی کہ خدا کرے ایسا اُتو روز ایک نہ ایک پھنس جائے۔

ٹھاکر : اور کچھ منگوا دوں۔

آزاد : عنایت، نوازش، یار تم لوگ مرچیں بہت کھاتے ہو۔

ٹھاکر : جو میں جانتا تو دو چار اور جھونک دیتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : ہم بھی بلانوش ہیں ۔

ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے کہ آزاد مرزا کی ملاقات کو ایک ڈپٹی صاحب آئے ۔ آزاد مرزا گو نوکر تو ستر ہی روپے کے تھے، مگر وثیقے کے سوا سو بالائی رقم ملتی تھی ۔ مثل امیرزادوں کے رہتے تھے ۔ پوشاک قیمتی اور صاف ستھری کچھ انگریزی کچھ ترکی مکان سجا سجایا آراستہ رہتا تھا ۔ فرش مکلّف بچھا ہوا ۔ لیمپ کنول جھاڑ ۔ سواری کے لیے کیت گھوڑا اور قیمتی بگھی ۔ خدمت گار نوکر چاکر ۔ شام کو دو گھڑی دن رہے، دس پانچ سفید پوشوں سے صحبت رہتی تھی ۔ دیکھنے میں بھی مشتین آدمی تھے ۔ سُرخ و سفید حکام اور عُمال اور رؤسا سب ان کے پاس آیا کرتے تھے ۔ آدمی مقرر اور لسّان بھی تھے ۔ وم تقریر گویا پھول جھڑتے تھے ۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ بلبل ہزار داستان چہک رہا ہے ۔ نشہ ان سے کوئی نہیں چھوٹنے پایا تھا ۔ چرس یہ پیئیں ۔ مدک پر یہ جان دیں ۔ گانجے کے یہ دم لگائیں ۔ بھنگ کا وہ کچا لوٹا چڑھائیں جس میں سینک کے عوض جوتی کھڑی رہے ۔ کبھی کبھی دھتورا بھی سبزی میں ملا لیتے تھے اور معمول تھا کہ دن بھر میں ایک بار سنکھیا ضرور کھاتے ۔ شراب سردی میں دو وقتہ اور گرمی میں شام کے وقت ۔

ارباب نشاط سے ملاقات ۔ ڈوم ڈھاڑی طبلیے، گویّے، کلاونت، قوال کتھک، کوئی ایسا نہیں جس سے آزاد مرزا سے ملاقات نہ ہو کسی ملک سے کوئی گویّا آئے، ان کے ہاں ضرور جلسہ ہو گا ۔ ایک بین کار گوالیار سے آیا ۔ آزاد مرزا کا مکان پوچھتا ہوا سیدھا چلا آیا ۔

آزاد : آپ کا کہاں سے آنا ہوا ۔

بین کار : گوالیار سے بخط راست گوالیار سے آتا ہوں ۔

آزاد : فروکش کہاں ہو ۔

بین کار : ہم تو آپ کا نام سُن کر آئے ہیں ۔ اور کہاں جائیں ۔

آزاد : ہاں ہاں ۔ خانۂ بے تکلف ہے ۔ قادر ان کا اسباب نیچے ایک کوٹھری میں رکھ لو ۔ اور باغ کی طرف کی کھڑکی کھول دو (بین کار سے) آپ آرام سے رہیے ۔

بین کار : یہاں سے جو جاتا ہے، آپ ہی کا نام لیتا ہے کہ شہر میں یوں تو صد ہا رئیس ہیں مگر میاں آزاد مرزا صاحب بہادر نے عجب مزاج پایا ہے ۔

مُصاحِب : اس میں کیا فرق ہے ۔ یہ اللہ کی دین ہے ۔ میاں چاہے جس کو دے ۔ اس میں کسی کا اجارہ نہیں ہے ۔

بین کار : اب بھی دیکھیے کہ ہزاروں لاکھوں میں ان کا نام ہے ۔ یہ وہ جوان ہیں اللہ جانتا ہے جو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک نظر دیکھ لے تو ہزار جان سے عاشق ہو جائے ۔

مصاحب : اجی دور دور تک شہرہ ہے ۔

بین کار : بلا شبہ۔ حسن بھی عجب نعمت خدا داد ہے ۔

مصاحب : سبحان اللہ۔ کیا پوچھنا ہے ۔

بین کار : خداوند! شہر بھر حضور کے مکان پر حاضر ہو گا۔ جس دن مجھ سے دو چار رئیسوں نے سُنا بس اُسی دن تمام ملک میں شہرت ہو گئی۔ آج تو میں خستہ ہوں۔ کل انشاء اللہ سب کو سُنیئے گا ۔

شاگرد : (بین کار کے ساتھ دو شاگرد بھی تھے) حضور ایسا تیار ہاتھ ہے کہ قدر دان کے سامنے اگر بجائیں تو پھڑک جائے ۔

دوسرا : تلونڈی کی طرف ایک راجہ صاحب نے ہاتھی کا ہاتھی انعام میں دے دیا تھا ۔

آزاد : قدردانی شرط ہے ۔

بین کار : اور حضور کمال بھی تو مُقدم ہے ۔ باکمال کوئی چیز ہی نہیں ۔

آزاد : سُبحان اللہ ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

کمال عجب شے ہے ۔

شاگرد : حضور ادھن کی طرف کا ایک بین کار آیا تھا۔ بڑا مشہور بین کار نام بہرام خاں جی تھا۔ بڑی ڈوں کی لی کہ ہمارے سامنے کوئی بین بجا تو لے کیا مجال ہے ۔ اُستاد کے سامنے بھی اس نے کہا۔ اُستاد بولے بھائی جان ایک سے ایک بڑھ کر ہے ۔ غرور بندے کو لازم نہیں غرور کی گردن نیچی۔ بس کہنے لگا اگر دعویٰ ہو تو مقابلہ کر لو۔ اُستاد نے کہا اور بس خداوند کوئی دو ڈھائی ہزار آدمی جمع تھے کیسے کیسے اُستاد اور بانی کار بیٹھے ہوئے کہ میں کیا عرض کروں ۔ جو تھا اپنے فن میں طاق تھا۔ بس پھر اُستاد نے ایسا ایسا چھپایا کہ رو دیے ۔ ساری مشیخت نکل گئی ۔ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے تھے ۔

الغرض آزاد مرزا نے دس دن میں بین کار کو دو سو روپیہ دیے ۔ ایک گل بدن کا تھان اور تینوں آدمیوں کی دونوں وقت کی روٹی غرض کہ جو آیا اُس نے یہیں سری ٹیک کی ۔

آزاد مرزا کو مسئلے بھی خوب یاد تھے ۔ ایک مرتبہ کسی جلسہ عام میں حضرت نے فرمایا کہ ہم اپنے دادا ہیں ۔ لوگوں نے کہا اس کے کیا معنی فرمایا کہ بس اس کے یہی معنی کہ ہم اپنے دادا ہیں ۔ جب احباب نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اصرار بلیغ کیا تو اس ادق مسئلے کو حضرت نے یوں حل کر دیا۔
آزاد : ہم نے ایک بیوہ کے ساتھ شادی کی۔ اُس بیوہ کی پہلے شوہر سے ایک پوتی تھی۔ والد ماجد اُس پوتی پر عاشق ہو گئے اور اُس کے ساتھ شادی کر لی تو اس حساب سے ہمارا باپ، ہمارا داماد ہوا، اور ہماری پوتی ہماری ماں ہوئی۔ کیوں کہ والد بزرگوار نے اُن کے ساتھ نکاح پڑھوایا تھا۔ میری بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو والد کا سالا ہوا، اور میرا چچا ہوا۔ کیوں کہ میری ساس کا بھائی تھا۔ میرے باپ کی بیوی کے ایک لڑکا ہوا۔ وہ میرا بھائی ہوا۔ ایک حساب سے میرا نواسا بھی ہوا، کیوں کہ میری لڑکی کا لڑکا تھا۔ میری بیوی میری نانی ہوئی۔ کیوں کہ ماں کی ماں تھی، تو میں اپنی بیوی کا شوہر اور پوتا ہوا۔ چونکہ پردادی کا شوہر پردادا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں اپنا دادا خود ہوا۔

اس فقرے پر یاران سرپل نے خوب قہقہہ اُڑایا۔
آزاد : کیوں صحیح ہے یا غلط ہے۔
احباب : سبحان اللہ کیا کہنا ہے آپ کا۔ آپ ایسے ہی ہیں۔

شہر میں کوئی فرو بشر ایسا نہ تھا، جو میاں آزاد مرزا سے واقف نہ ہو۔ شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ اُن کے ایک مطلع کی مشاعرہ بھر میں سخنورانِ نازک خیال نے تعریف کی۔

رُخِ گل رنگ پہ آخر خطِ اخضر آیا
سچ تو ہے جس سے ڈرے بس وہی مُنہ پر آیا

شاعری میں آزاد مرزا روح القدس کے شاگرد تھے۔ عمر بھر کسی سے اصلاح ہی نہ لی۔ فارسی کا کلام بھی اچھا تھا۔ ایک لڑکے کی وفات میں اُنھوں نے یہ شعر بھی کہا تھا۔

کجائی بلو جانِ بابائے من
کہ درد فراقت گاویم فشردہ

اس شعر کی ایک لائق عجمی نے تعریف کی تھی۔

ایک دن دھن جو سمائی، تو آزاد مرزا عین وقت پر کچہری سے ندارد ہو گئے۔ صاحب نے اِدھر اُدھر چپراسی بھیجے۔ مگر کہیں پتا ہی نہیں۔ ایں! آزاد مرزا کہاں چلے گئے۔ کسی نے کہا علیل ہو گئے ہوں گے۔ کوئی بولا نماز پڑھنے گئے ہوں گے۔ صاحب جھلا کر بنگلے چلے گئے اور کہہ گئے کہ ہمارے حکم کے بغیر دفتر میں اب نہ آنے پائے۔ آزاد کو خبر ہوئی۔ اُنھوں نے کہا لاحول ولاقوۃ ابھی ابھی حکم لکھوالاؤں کہ آزاد مرزا کو فوراً داخل ہونے دو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب کی بگھی رَو میں چلی جاتی تھی کہ ایک مقام پر شہتوت کے درخت پر سے آواز آئی۔ (روک، گاڑی) چھوٹے صاحب نے سائیس سے پوچھا یہ کون ہے۔ سائیس نے کہا حضور آواز تو اس درخت سے آئی تھی مگر درخت پر کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ اتنے میں پھر آواز آئی۔ شہتوت کھاتے جائیے۔

صاحب: دل پھر بولا یہ کون ہے؟

سائیس: حضور آواز درخت ہی سے آتی ہے۔

صاحب: دیکھو غور کرکے یہ کون ہے۔ نظر نہیں آتا۔

ایک رہرو: وہ کیا پتّوں کی آڑ میں بیٹھے ہیں۔

صاحب: او بے شک۔ وہ بیٹھا ہے۔ تم کون ہے۔

آزاد مرزا نے شہتوت کے کئی گچھے اوپر سے توڑ توڑ کر پھینکے۔ اور دھم سے خود بھی کود پڑے۔ اور صاحب کے قریب جاکر ہاتھ جوڑ کے یوں ہم کلام ہوئے۔

آزاد مرزا: غلام کو پہچانا۔

صاحب: تم پاگل خانے جاؤ۔

آزاد: بہت اچھا۔ تو کل سے پاگل خانے ہی میں کام کروں گا۔ کیا حضور کا وہیں اجلاس ہوگا؟

چھوٹے صاحب خوش مذاق تو تھے ہی ان کا قصور معاف کر دیا اور فوراً لکھ دیا کہ دفتر میں جانے پائیں۔ ہرگز مواخذہ نہ کیا جائے۔

ایک بار انسپکٹر آف پولیس کے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آزاد کا شرغہ گھوڑا ٹرّا تھا۔ اور بغیر مذاق کے اُن سے رہا نہ جایا چاہیے۔ چپکے سے اُتر پڑے۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا انسپکٹر صاحب کے کمیت گھوڑے کی طرف چلا۔ اُنھوں نے لاکھ سنبھالا، مگر گر ہی پڑے۔ پیٹھ میں خفیف سی چوٹ آئی، اور گھوڑے لڑنے لگے۔ اب سُنیے کہ جو لوگ گھوڑوں کے پکڑنے اور بیچ بچاؤ کی کوشش کرتے ہیں، اُن سے آزاد لڑتے ہیں۔

انسپکٹر: مردود ہو جو تمہارے ساتھ آج سے کہیں جائے۔

آزاد: (ہنس کر) خیر باشد۔ کیوں کیوں؟

انسپکٹر: بس الگ رہو۔ تمہاری صحبت بڑی خطرناک ہے۔

آزاد: خدا کی قسم فقط تفریح کے لیے گھوڑا چھوڑ دیا۔

انسپکٹر: خدا سمجھے تم سے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اجنبیوں کی ملاقات

مرزا محسن صاحب آزاد مرزا کے بزرگ تھے۔ مگر آزاد مرزا کے مخل ہوئے تو یہ سخت جھلّائے۔ دواجی اور عباسی کو رخصت کر کے کہا خدا حافظ ہے۔ اب اس وقت تو ہمارا چلنا نہیں ہو سکتا، مگر کل شام کو ضرور آئیں گے۔ چاہے اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے۔ زمین اور آسمان کے قُلاّبے مل جائیں۔ طوفان آئے، بھونچال آئے، مگر ہم ضرور آئیں گے۔ اس میں فرق نہ پڑنے پائے گا۔

جب رات بھیگی اور بڑے مرزا خراٹے لینے لگے تو آزاد نے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کی چار پائی کو چوطرفہ رسّوں سے باندھو۔ نیچے لٹکا دو۔ خدمت گاروں نے کہا حضور جاگ اُٹھیں گے۔ کہا ہرگز نہیں۔ یہ جب سوتے ہیں مُردوں سے شرط کر کے سوتے ہیں۔ اُٹھنے کا نام زبان پر لاتے ہی نہیں۔ تم لوگ چاروں پایوں میں رسّے باندھ کر نیچے لٹکا دو۔ خدمت گاروں نے جو اتنی شہ پائی، تو فوراً پانی بھرنے کی رسّی اُٹھالائے۔ چاروں پائے رسّی سے باندھے۔ اور چار پائی نیچے لٹکا دی۔ مرزا محسن غافل سو رہے ہیں۔ سحر کے وقت جب اُن کی آنکھ کھلی اور چار پائی سے اُترے تو دھم سے زمین پر۔ ارے! خدمت گاروں نے ازراہِ شرارت چار پائی تو لٹکا دی تھی، اور رسّی اِدھر اُدھر کھمبوں سے باندھ دی۔ مرزا محسن کے ایک پانوں میں ضرب شدید آئی۔ میاں آزاد مرزا دل میں تو خوش ہوئے کہ ہم نے اس کو سزا دی۔ مگر ظاہر میں آدمیوں پر بہت جھلّائے۔

قادر: خداوندیہ پریتوں کا کام ہے۔ غلام تمام رات مارے درد کے تڑپا کیا۔ میرے فرشتے خاں کو بھی خبر نہیں کہ چار پائی کون لٹکا گیا۔ اگر میرا قصور ہو تو باندھ کے اُڑا دیجیے۔

احمد: حضور بھلا اس قدر تو غور کر لیں کہ اگر ہم چار پائی اُٹھاتے اور لٹکاتے تو مرزا صاحب جاگ نہ اُٹھتے۔ یہ بے شک بھوت پریت کا کام ہے۔

آزاد: ہاں اس خوبصورتی سے چار پائی انسان نہیں لٹکا سکتا۔

راوی: واللہ کیا خوب فیصلہ کر دیا۔ ہم تو اس انصاف کے قائل ہیں۔

مرزا صاحب: لاحول ولاقوۃ بھلے کو اوپر سے چار پائی پھینک نہ دی ورنہ جان ہی جاتی۔ اب آج سے آپ کے ہاں رہنے والے کی ایسی تیسی۔

آزاد: (اپنے دل میں) ہات ترے کی جیسا دق کیا ویسی سزا پائی۔

راوی: یہی غنیمت ہے کہ بیچارے کی جان بچ گئی، ورنہ آپ نے تو اپنے حساب کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رکھا تھا۔

اب سنیئے! کہ دواجی اور عباسی جو بیگم صاحب کے ہاں پہنچیں۔ تو مہریوں نے دروازے ہی سے غل مچانا شروع کیا۔ آئیں آئیں حضور آگئیں۔ وہ فتّن دروازے پر ٹھہری بیگم کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ فوراً کمرے کے اندر چلی گئیں، اور دریچے سے دیکھنا شروع کیا۔ دواجی اور عباسی دونوں اُتر چکی تھیں۔ اندر آئیں۔ عباسی نے ڈیوڑھی میں پوچھا۔ داروغہ صاحب آئے۔ سنا کہ اُن کا پتا ہی نہیں، مع کہاروں اور میانے کے غائب ہیں۔

دواجی : حضور کہاں تشریف رکھتی ہیں۔ کوٹھے پر یا شہ نشین ہیں۔

مغلانی : چلی آؤ یہیں تشریف رکھتی ہیں۔ عباسی کہاں ہیں۔

عباسی: حاضر ہے۔ عباسی پیچھے رہنے والی نہیں۔ ہمیں بھی کوئی داروغہ مقرر کیا ہے۔

بیگم : عباسی۔ کہو خوشخبری۔ جلد مژدہ سناؤ۔

عباسی : حضور کے اقبال سے سب معاملہ چوکس ہے۔ کسی بات کی وہ نہیں۔

بیگم : آئے ہیں یا خدا نخواستہ نہیں آئے۔ بس یہ بتادو۔

عباسی : حضور سب معاملہ لیس تھا۔ کپڑے پہن چکے۔ فٹن سڑک پر آئی چلنے کو ہی تھے کہ بس ایک بوڑھے آگئے۔ خدا جانے اُن کے چچا ہیں یا کون۔ بس پھر نہ آسکے بڑی دیر تک منتظر ہے کہ اب اُٹھیں۔ اب اُٹھیں۔ لیکن اُنھوں نے اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ اب کل ضرور آئیں گے۔ قسم کھائی ہے کہ چاہے جو ہو آئیں گے ضرور۔

بیگم: عباسی ذری ادھر آنا تم سے کچھ دریافت کرنا ہے۔

عباسی : ارشاد حضور خاطرِ جمع رکھیے وہ خود تڑپ رہے ہیں۔

بیگم : اُن کا حلیہ تو بتاؤ۔ جو ہم پوچھیں تم اُس کا جواب دیتی جاؤ۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ نک سک سے درست ہیں یا نہیں۔

عباسی: حضور ایسے خوبصورت گبھرو تو ہم نے نہیں دیکھے۔ وہ رنگ —— وروغن ہے کہ گھنٹوں گھورا کرے۔

بیگم: کشیدہ قامت یا پستہ قد۔؟

عباسی: جی نہیں پستہ قد نہیں ہیں۔ گران ڈیل ہیں۔

بیگم : بدن چھریرا ہے یا دُہرا۔؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : حضور موٹے تازے تو نہیں ہیں مگر کاواک اور کبڈ بدن بھی نہیں ہیں۔ کسی قدر چھریرے ہیں مگر گرارے۔

بیگم : باتیں کیسی کرتے ہیں ہنس مُکھ ہیں یا تُرش رُو۔؟

عبّاسی : ہنس مُکھ، پہروں باتیں سُنا کیجیے اور پھر یہی جی چاہے کہ سُنتے ہی جائیں۔ باتیں کیا کرتے ہیں پھول جھڑتے ہیں۔ اور چاہے باتیں بھی نہ کریں، یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہنس رہے ہیں۔ خندہ پیشانی اسی کو کہتے ہیں۔

بیگم : بھلا کچھ وحشت بھی مزاج میں ہے۔ بول چال بات چیت میں۔؟

عبّاسی : ہاں حضور بے شک ہے۔ بیٹھے بیٹھے تڑسے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے لگے ہیں۔

ثریّا بیگم کے دل میں کھپ گئی کہ میاں آزاد ہی ہیں۔ وہی نک سُک، وہی چال ڈھال، وہی وحشت وہی خندہ پیشانی، وہی تقریر، وہی لسّانی، وہی حُسن و جمال۔ ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ہائے اتنے دن کے بعد دیکھا بھی تو گفتگو کی نوبت نہ آئی۔ اور اس اوبار کے صدقے کہ اُس دن صاحب گاڑی پر بٹھا لے گئے۔ ملنے نہ پائے۔ آج ایک بوڑھے چلے آئے اُنھوں نے نہ آنے دیا۔ ثریّا بیگم کو ایک قسم کی مایوسی سی ہو گئی۔ مگر دنیا بامید قایم۔ سوچیں کہ کبھی نہ کبھی تو ملیں ہی گے۔ عبّاسی تاڑ گئی کہ میاں آزاد سے اور ان سے کبھی کی جان پہچان ہے۔ سمجھایا کہ حضور آج رات اور کل دن خاموش رہیں۔ کل شام کو جس طرح بنے گا وہ ضرور آئیں گے اور حضور کی آرزو بر آئے گی۔

بیگم صاحب نے کہا۔ عبّاسی وہ تو ہزار کام چھوڑ کر آئیں گے مگر جب خدا کو بھی منظور ہو۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ ان سے اور ہم سے جدائی ہی رہے۔ ؎

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا
کہ جس کے عوض یوں رولانے لگا

مگر اپنی قسمت اس کو کوئی کیا کرے۔ عبّاسی نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔ بیگم صاحب ع دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے۔ مگر خوب یاد رکھیے کل اتنے وقت حضور خوش و خرم ہوں گی۔

دوا جی : حضور اب اجازت ہو تو رخصت ہوں کل ضرور حاضر ہوں گی۔

بیگم : اے کھانا تو کھاتی جاؤ۔ ابھی تو ایسی رات بھی نہیں آئی ہے۔

دوا جی : بہت خوب۔ اور حضور کی سی رئیس زادیوں کے تو نمک پرورده ہیں۔

بیگم : عبّاسی بی مغلانی سے دو اشرفی تو مانگ لاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : کیا ان کو دیجیے گا۔ اچھی بات ہے۔ نام ہو جائے گا۔

عبّاسی نے منگلانی سے اشرفی مانگی۔ بیگم صاحب کو دی۔ بیگم صاحب نے دواجی کو دی۔ انھوں نے جھک کر بندگی کی، اور کہا، اللہ کرے حضور کی مراد دل برآئے۔ آج سے خاص حضور کی نمک پرورده ہوئی۔ جب کسی قسم کی ضرورت ہو لونڈی کو یاد کیجیے گا۔ فوراً حکم بجالاؤں گی۔ حضور میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ ایک جھنجھی بھی اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے دے دی، تو تمام عمر اُس کا دم بھرا۔ بیگم صاحب نے کہا یہ ہے ہی کون بڑی رقم۔ تم نے آج ہمارے لیے محنت بھی تو کی۔

دواجی نے کھانا کھایا اور ڈولی پر سوار ہو کر گھر گئیں۔ رخصت کے وقت بیگم صاحب کو دعائیں دیں۔ اور کہا کہ حضور میں کل ضرور لیتی آؤں گی آپ ذری عبّاسی کو شام کے وقت بھیج دیجیے گا۔

دواجی راستے بھر یہی سوچتی گئیں کہ اچھی سرکار میں دخیل ہوئی اب چین ہی چین لکھتا ہے۔ جاتے ہی ایک اشرفی کی بہنی ہوئی اور جو آزاد مرزا آ گئے تو مالا مال کر دیں گی۔ دواجی کو یقین واثق تھا کہ آزاد مرزا ضرور آئیں گے۔ آزاد کی خو بو سے خوب واقف تھیں۔ سوچیں کہ کل دن کو کسی وقت جا کر بیگم صاحب کی اور بھی زیادہ تعریف کروں گی تا کہ آتش شوق اور بھی مشتعل ہو۔

ادھر عبّاسی اور بیگم صاحب میں باتیں ہونے لگیں۔ عبّاسی کا دماغ عرشِ بریں پر تھا کہ آزاد مرزا کو ڈھونڈھ نکالا۔ مکان کا پتا پایا۔ کل اُن کو اپنے ساتھ لاؤں گی۔ پھر پورا انعام پاؤں گی۔

اتنے میں ایک مہری نے آن کر کہا۔ بیگم صاحب داروغہ صاحب آئے ہیں۔

بیگم : آئیے داروغہ صاحب۔ زندہ آئے بڑی بات۔

داروغہ : ہاں حضور اتفاق سے جیتا آیا۔ ورنہ بچنے کی تو کوئی صورت نہ تھی۔

بیگم : تم ایسے بے حیا اور زندہ نہ آئیں۔ تم تو قسم کھا آئے ہو کہ مرو ہی گے نہیں۔ کہو کہیں پتا لگا۔

داروغہ : حضور قسم ہے حضور کے نمک کی، کہ شہر کا کوئی مقام نہ چھوڑا۔

بیگم : اور کہیں پتا نہ ملا ہے نہ۔ ہر مقام پر گئے مگر پتا نہ پایا۔

داروغہ : کوئی کوچہ گلی کوئی بازار کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تلاش نہ کی ہو، مگر اتفاق۔

راوی : اس کی تو ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ناکے کے باہر تکیے پر بیٹھے رہے۔

بیگم : اچھا انجام کیا ہوا۔ ملے یا نہیں ملے۔

داروغہ : حضور سُنا کہ ریل پر سوار ہو کر کہیں باہر جاتے ہیں۔ فوراً تیز گاڑی کرایہ کی اسٹیشن پر پہنچا۔ میاں آزاد سے چار آنکھیں ہوئیں کہ اتنے میں ریل کو کی، اور گھڑگھڑاتی ہوئی چل۔ میں لپکا کہ دو دو باتیں کر لوں،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر ایک فرنگی نے ہاتھ پکڑ لیا کہ اب نہ دوڑو۔ آزاد نے غل مچاکر کہا گھبراؤ نہیں دو ہفتہ میں واپس آؤں گا۔

راوی: اچھی بٹی۔ مگر دھر لیے گئے عباسی موجود ہے۔

بیگم: یہ سب سچ کہتے ہو نہ۔ جھوٹ کا تو اس میں نام نہ ہوگا۔

داروغہ: جھوٹ کوئی اور بولا کرتے ہوں گے۔

بیگم: صبح سے کچھ کھایا تو نہ ہوگا یا کھانا کھا چکے۔

داروغہ: تنگی اور نمش کے سوا جو کچھ اور کھایا ہو۔ تو قسم نہ لیجیے۔ اس وقت الحمدﷲ بھوکا ہوں مگر ایسا خستہ ہو گیا ہوں کہ گرا پڑتا ہوں۔ سخت مصیبت میں مبتلا ہوا۔

عباسی نے کہا حضور ہم ایک بات بتائیں تو اُن کی شیخی ابھی ابھی نکل جائے۔ ساری شیخت رکھی رہے۔ اس جھوٹ کو دیکھیے۔ بس ایک کام کیجیے کہ کہاروں کو یہیں بلاکر پوچھنا شروع کیجیے۔

بیگم صاحب نے کہا اچھا۔ یہ تدبیر خوب سوچیں۔ حکم دیا کہ ایک کہار بلایا جائے۔ کانا کہار آیا۔ کانے کو دیکھتے ہی، داروغہ صاحب کے حواس پیتر اہوئے ع کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

عباسی: بیگم صاحب پوچھتی ہیں داروغہ صاحب کہاں کہاں گئے تھے؟

کہار: (کانی آنکھ دباکر) حضور قسم دے کے پوچھتی ہیں یا یوں ہی۔

عباسی: (قسم و بجر) اور جھوٹ بولے تو برطرف کر دیے جاؤ گے۔

کہار: حضور ہمیں جو سکھایا ہے وہ ہم کہے دیتے ہیں۔

عباسی: (مُسکراکر) اے لو اور سُنو سکھایا بھی ہے۔

کہار: صبح سے اب تک سکھایا ہی کیے یا کچھ اور کیا۔ ہو تہر!

بیگم: (مُسکراکر) اس وقت داروغہ کا بس چلے تو مار ہی ڈالیں۔

عباسی: لے اب صاف صاف بتاؤ کہاں گئے تھے۔

کہار: کہیں گئے ہوں تو میں بتاؤں۔ یہاں سے اپنی سسرال گئے وہاں بیٹھے۔ کسی نے کھانے کو بھی نہ پوچھا۔ وہاں سے ایک جگہ مجلس میں گئے۔ حقے پیے چھپے، کہا ایسی جگہ لے چلو جہاں پرندہ پر نہ مارتا ہو۔ ہم لوگوں نے صلاح کی کہ ناکے کے باہر جائیں۔ ناکے کے باہر ایک تکیے میں میانہ اُتارا۔ گوندنی کے سایے میں داروغہ جی نے آرام کیا۔ کہار جاکر سالن اور روٹی نانبائی کی دُوکان سے لایا۔ داروغہ صاحب نے چکھا۔ ہم لوگوں کو چنے کے لیے پیسے دیے۔ دن بھر سویا کیے۔ شام کو حُقّے پیے حکم دیا چلو۔ راستے میں سکھاتے گئے کہ یہ کہنا وہ کہنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : داروغہ صاحب سلام! اجی ادھر دیکھیے داروغہ صاحب۔
بیگم : کیوں صاحب یہ جھوٹ، ریل گھر گئے تھے آپ؟ بولو صاحب۔
داروغہ : حضور اب کیا عرض کروں۔ کچھ کہتے نہیں بن پڑتا۔ قہرِ درویش بر جانِ درویش۔
بیگم : اس میں قہرِ درویش کیا ہے۔ شرم نہیں آتی۔ بوڑھے ہو گئے اور جھوٹ بولنا نہیں چھوڑتے۔ غیرت دار ہو، تو ڈوب مرو۔ چلّو بھر پانی کافی تھا (چق کے پاس سے دیکھ کر) اے عبّاسی یہ کہار تو کانا ہے۔
داروغہ : حضور جب ہی تو ایسا شریر ہے کہ میرے منہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ یہی تو شرارت ہے اس کی۔ ایک ہی پاجی ہے۔ مردود نے بالکل غلط بیان کیا۔
کہار : جھوٹے پر نالت (لعنت) کہو بیش باد۔
داروغہ : بیش باد۔ بس اب خوش ہوئے نامعقول۔

دوسرا کہار آیا۔
عبّاسی : اے عیدو۔ داروغہ صاحب آج کہاں کہاں گئے تھے۔ سچ بول۔
عیدو : ناکے کے باہر نکل گئے تھے۔
عبّاسی : وہاں کیا کیا۔
عیدو : کھانا کھایا۔ پڑے سو رہے۔ پھر شہر میں آئے۔ مجلس میں گئے۔ آدمیوں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں جو لمبے سے آدمی ہیں۔ گورے گورے کسی کو معلوم ہی نہ تھا۔
عبّاسی : داروغہ صاحب بولیے۔ اب کہیے۔
داروغہ : تو پھر اور کس سے دریافت کرتا، ناکے تک تو ہو آیا۔
بیگم : سودائی ہو خاصے۔ کسی نے ریل کے جانے کا حال نہیں بتایا۔ عیدو یہ گاڑی پر سوار ہو کر کہیں گئے تھے۔
عیدو : حضور شاید گئے ہوں میں نے نہیں دیکھا۔
داروغہ : تم تو پڑے سو رہے تھے۔ تم کہاں سے دیکھتے بھلا۔
عیدو : ہاں ہاں وہی تو ہم بھی کہتے ہیں۔ داروغہ صاحب شاید ہم بھی آپ کی طرح دن بھر سوئے ہوں، مگر ریل گھر آپ کس وقت گئے اور وہاں ناکے پر گاڑی کہاں سے آئی۔

داروغہ کا بس چلتا تو ان دونوں کہاروں کو خصوصاً واحد العین کو زندہ کھڑے کھڑے چنوا دیتے۔ مگر بے بس تھے ٹپٹا کے رہ گئے۔ بیگم صاحب نے کہا بس جاؤ، تم کسی مصرف کے نہیں ہو۔ تم سے کوئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کام نہیں نکلتا بس اسی قابل ہو کہ باورچی خانے کا داروغہ کر دے۔ کھانا پکانے میں البتہ طاق ہو۔ داروغگی خیر صلاح، داروغہ نے اپنے دل میں کہا جیسی آپ بیگم ہیں ویسے ہم داروغہ۔ آپ بھی انوکھی ہم بھی انوکھے۔ ع

وزیرے چنیں شہر یارے چنان

داروغہ اور کہار رخصت ہوتے۔ بستر پر لیٹ کر داروغہ صاحب نے ان دونوں کہاروں کو بلایا۔ دونوں روپوش ہو گئے۔

شب کو عباسی بیگم صاحب سے بیٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی کہ گانے کی آواز آئی۔

بیگم: کون گاتا ہے۔

عباسی: حضور ذرا سننے دیجیے۔ غزل

از من جدا مشو کہ توام نور دیدۂ آرام جان و مونس قلب رمیدۂ

از دامن تو دست ندادند عاشقان پیراہن صبوری ایشان دریدۂ

از چشم زخم دہر مباد ت گزند زانکہ در دلبری بغایت خوبی رسیدۂ

چشم بداز تو دور کہ در طرز دلبری خط بر جمال یوسف کنعان کشیدۂ

با ہم نمی رسد بزمیں دیگر از نشاط تا سوی من بلطف عنایت تو دیدۂ

داری خیال پرسش عشاق بینوا گویا کہ بوی صدق از ایشان شنیدۂ

منعم مکن ز عشق وے اے مفتی زمان

معذور دار مت کہ تو او را ندیدۂ

بیگم صاحب نے کہا عباسی یہ کون ہے؟ اس دن بھی دو بجے کے وقت گایا تھا۔ آج بھی گا رہا ہے۔ یہ کون ہے؟ چوٹ کھایا ہوا ہے۔ ذری کل کسی سے پوچھنا۔ عباسی نے کہا حضور مجھے معلوم ہے یہ ایک وکیل ہیں۔ سامنے مکان ہے۔ وکیل کا لفظ سن کر بیگم صاحب کسی قدر چونکیں۔ پوچھا تم ان کو جانتی ہو؟ کہا میں ان کو تو نہیں جانتی مگر ان کے ہاں ایک آدمی نوکر ہے اس کو بخوبی جانتی ہوں۔ پوچھا وہ آدمی کون ہے؟ کہا ایک شیخ ہے۔ پوچھا نام۔ کہا سلار بخش۔

بیگم: سلار بخش! اور وکیل کا کیا نام ہے۔ مدار بخش؟

عباسی: (مسکرا کر) حضور ان کا نام تو نہیں معلوم، کیوں؟

بیگم: یوں ہی پوچھا، مگر خوش گلو ہیں۔ اچھا گلا ہے۔

عباسی: ایک دن ادھر سے جاتے تھے میں دروازے پر کھڑی تھی کہنے لگے۔ مہری صاحب سلام۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں نے کہا بندگی۔ ہم سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ میں نے کہا آپ اپنا مطلب کہیے۔ آپ کو کسی کے نام سے کیا واسطہ۔ کہنے لگے ہم ایک رئیس زادے ہیں۔ ہمارے یہاں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ کسی شے کی کمی نہیں۔ میں نے کہا اللہ اور اس سے زیادہ دے۔ میاں آپ کو پوچھتے تھے کہ اس میں کون بیگم صاحب رہتی ہیں۔ کیسی ہیں۔ عمر کیا ہے۔ میں نے کہا آپ کو ان باتوں سے کیا مطلب۔

بیگم: ایسے آدمیوں کو مُنہ نہ لگایا کرو۔ خبردار، خبردار!

بیگم صاحب نے جو سلارو اور مصنوعی وکیل اور اُن کی لن ترانی کا حال سُنا تو ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔ سوچیں کہ یہ شخص راہ چلتے چلتے بھی دو دن ہی کی لیتا ہے۔ اور گھر میں جاؤ تو ایک ــــــ سڑی چٹائی۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

اتنے میں پھر گانے کی آواز آئی۔ اور اب کی بیگم صاحب نے آواز پہچانی ؎

اے دل بکوی دوست گذاری نکردۂ

فرصت زدست دادۂ کاری نکردۂ

بیگم: اے یہ تو کہیں بالکل قریب ہی ہیں۔ ہے نہ؟

عباسی: جی ہاں حضور۔ دو گھر بیچ میں ہیں۔ مہتابی سے تو مکان معلوم ہوتا ہے۔

بیگم: چلو دیکھیں تو۔ مگر وہ تو نہ دیکھ لیں گے۔ جانے بھی دو۔

عباسی: نہیں حضور اُن کو کیا معلوم ہو گا چپکے سے چل کے دیکھ لیجیے۔

بیگم صاحب عباسی کے ساتھ مہتابی پر گئیں تو دیکھا کہ وکیل صاحب ایک چھپر کھٹ پر دراز ہیں، اور سلارو حقہ بھر رہا ہے۔ چپکے سے نیچے اُتر آئیں تو عباسی نے ایک اور پتے کی سُنائی۔

عباسی: حضور وہ سلار بخش کہتا تھا کہ ایک عورت پر جان دیتے ہیں۔

بیگم: وہ کون تھی۔ نام تو پوچھنا۔ وہ تھی کون؟

عباسی نے کہا سلار بخش نے نام تو بتایا تھا مگر مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ دیکھیے شاید ذہن میں آجائے۔ آپ دس پانچ نام لیں۔ بیگم صاحب نے کہا۔ نظیر بیگم، جعفری بیگم، حسینی خانم، آبادی، زمانی بیگم، شبّو خانم، عباسی اُچھل پڑی۔ کہا جی ہاں یہی یہی۔ یہی حضور مگر شبّو خانم نہیں اُس نے شبّو جان بتایا تھا۔ شبّو جان تو کل حالات سے واقف تھیں۔ خاموش ہو رہیں، مگر سوچیں کہ اس سودائی کا پڑوس اچھا نہیں جل دے کے چلی آئی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ بلوہ کرے۔ سامنے مکان ہے۔ دروازے تک آ ہی چکا۔ عباسی اور سلارو میں گفتگو بھی ہوئی۔ یہ عباسی کو معلوم ہی ہو گیا، کہ شبّو جان نام تھا۔ اب فقط

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نا جاننا باقی ہے کہ شبّو جان یہی ہیں سو اللہ نہ کرے کہ یہ بھید ہمارے آدمیوں پر کھل جائے تو پھر غضب ہی ہو۔ جہاں بات پھوٹی پھر بوئے گل کی طرح کوئی اُس کو روک نہیں سکتا۔ اگر نوکروں، چاکروں، مغلانیوں، ہریوں کو معلوم ہو گیا تو ہماری بڑی کرکری ہوگی۔ کسی طرح سے مکان بدل دینا چاہیے۔ شب کو اسی خیال میں سو رہیں۔ صبح کو پھر وہی دھن سمائی کہ آزاد آئیں بعد مدت آنکھیں سینکیں۔ وہ اپنا حال سنائیں، ہم اپنی بیتی سنائیں۔ وفعتاً خیال آیا کہ میں تو آزاد کے نام پر جوگن ہو گئی تھی۔ آزاد اب آ کے اس جاہ و حشم کو دیکھیں گے تو کیا خیال کریں گے۔ سمجھیں گے کہ خود مختار کم سن عورت ہے۔ کہیں سے روپیہ ہاتھ آ گیا، میری یاد دل سے جاتی رہی۔ گلچھرے اُڑانے لگی۔

عبّاسی: حضور کو اس وقت کوئی فکر ہے۔

بیگم: نہیں فکر کیسی۔ یوں ہی ایک بات سوچ رہی ہوں۔

عبّاسی: نہیں حضور کوئی فکر ضرور ہے وہ تو بشرے ہی سے پایا جاتا ہے کہ کچھ خدانخواستہ رنج ہے۔ اللہ رحم کرے آج آزاد مرزا تو آئے داخل ہیں۔

بیگم: خدا کرے آئیں تمہارے منہ میں گھی شکر۔

عبّاسی: داروغہ صاحب آج ہم سے بہت خفا ہیں۔ بولے تک نہیں۔

بیگم: کل تم نے اُن کو ذلیل بھی تو کیا تھا۔

عبّاسی: ہم نے کاہے کو ذلیل کیا۔ اُن کی حرکتوں نے ان کو ذلیل کیا جھوٹی کہانی بنا کے کہی، اور کہاروں نے ذلیل کیا، مگر وہ تو چکنے گھڑے ہیں حشر تک جو کبھی ذلیل ہوں۔

بیگم: تو آج کس وقت جاؤ گی۔ شام سے پہلے ہی جاؤ۔

عبّاسی: حضور بس کوئی دو گھڑی دن رہے جاؤں گی یہاں سے دواجی کے ہاں اور اُن کو لیکر آزاد مرزا کے ہاں۔ وہ تو کل ہی آ گئے ہوتے مگر ایک مُوا خبیث ایسا آ گیا کہ بنی بنائی بات بگاڑ دی۔ چلیے خیر۔ دیر آید درست آید۔ ہرج کیا ہے۔ سمجھا جائے گا اور تین پہر کی تو بات ہے۔ بات کرتے سات آٹھ گھنٹے ختم ہوتے ہیں۔

بیگم: ہائے جدائی کی گھڑی پہاڑ ہو جاتی ہے، اور وصل کی گھڑی چٹکی بجاتے ختم۔

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کی تو بولا صبحِ وصل
میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا

عبّاسی: حضور کو "شعربیں" خوب یاد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم: اب تو خاک بھی یاد نہیں ہگر ہاں کسی زمانے میں سب کچھ یاد تھا۔ اب تو مصیبت کے دن جھیلنے ہیں۔ خدا ہماری مصیبت دور کردیگا۔

عباسی: آمین۔ آمین اللہ آمین۔

اِتنے میں مغلانی نے آن کر کہا بیگم صاحب دوّاجی کے ہاں سے ایک عورت آئی ہے۔ حکم ہوا آنے دو۔ ایک ادھیڑ عورت آئی۔ بیگم صاحب کو بندگی کی۔ اور کہا حضور سے تخلیے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ بیگم صاحب نے حکم دیا کہو۔ اُس نے کہا کہ دواجی نے بھیجا ہے۔ آج صبح کو کمی تھیں اور سب باتیں طے کر آئیں۔ آج شام کو لے کر آجائیں گی۔ آزاد مرزا نے کمال اشتیاق ظاہر کیا ہے۔ انھیں افسوس ہے کہ کل نہ آسکے۔ مگر آج تو چاہے جو ہو وہ دم بھر نہ رکیں گے۔

الغرض دوسرے روز آزاد مرزا بن ٹھن کے تیار ہوئے۔ شام کو بی عباسی دواجی کے ہاں پہنچیں۔ دواجی نے کہا خوب آئیں۔ صبح سے دس آدمی آچکے۔ تڑپ رہے ہیں۔ کہتے ہیں اگر آج نہ لے چلیں تو جان دے دوں گا، اور میں تمہاری منتظر تھی۔

عباسی: بیگم صاحب کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جلدی چلیے اب۔

دواجی: میں نے ابھی ابھی بھجوایا تھا۔ کہا ابھی آؤ۔

عباسی: اُن کو سمجھا دیجیے کہ چل کر تمیز سے ملیں جس طرح بیگموں سے با ادب پیش آنا چاہیے اس طرح پیش آئیں۔ بہت اترا نہ جائیں۔

دواجی اور عباسی ڈولیوں پر سوار ہوکر شام کو آزاد مرزا کے ہاں گئیں۔ پردہ کرایا گیا۔ اوپر گئیں۔ سلام کیا بیٹھیں۔ مزاج پرسی کی اور یوں گفتگو شروع ہوئی۔

آزاد: رات بھر تڑپا کیے۔ دن بھر تڑپا کیے۔ اب برائے خدا آج تو لے چلو۔

دواجی: اے لو۔ یہ ایک ہی ہوئی۔ ہم نے پہلوتہی کب کی۔

آزاد: مگر اپنی بدقسمتی کو کیا کروں۔ جو کام ہوا پورا ہی نہ ہوا۔

دواجی: آج تو وہ نکھار ہے کہ بلائیں لے۔ وہ نور برستا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ سولہ سنگار کرکے بیٹھی ہیں۔ حسن کیا بلائے جانِ عاشق ہے۔ اُس پر شوخی اور بھی دوبالا ہے۔

خوب رُو جتنے ہیں، دل لیتی ہے سب کی شوخی
ہے مگر آپ کی شوخی تو غضب کی شوخی

آزاد: اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی طبیعت ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی : پھر یہ تو ہے ہی، جسے پی چاہے وہی سوہاگن۔ کچھ گورے کالے پر فرض نہیں ہے۔

عباسی : حضور اب کس سواری پر چلیں گے۔ گاڑی نکلوایئے۔

آزاد : ہمارے پاس تو بریلی کارٹ ہے۔ اُس پر آپ دونوں کیوں کر سوار ہو سکیں گی۔ بی عباسی تم چاہے پیچھے بیٹھ لو مگر دواجی کا بیٹھنا معیوب بات ہے۔

دواجی : اے حضور کرائے کی گاڑی منگوالیں۔ ہم سب بیٹھے چلے جائیں۔

آزاد نے خدمت گار کو حکم دیا کہ فوراً ڈاکٹر بابو کی پالکی گاڑی لاؤ۔ آدھ گھنٹے میں ڈاکٹر بابو کی پالکی گاڑی آئی۔ آزاد مرزا نے کپڑے بدلے۔ عطر ملا۔ دواجی کو دیا۔ عباسی کے دوپٹے میں اپنے ہاتھ سے لگایا۔

عباسی : اے واہ حضور۔ بھلا ہم غریب آدمی۔ ٹکے کی اوقات عطر ملنا کیا جانیں۔

آزاد : سبحان اللہ ٹکے کی اوقات! اور خیر سے عطر کی لپٹ آرہی ہے۔

عباسی : یہ بیگم صاحب کے ملا تھا پرسوں آج تک بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔ اللہ اللہ۔ کیوں نہیں۔

آزاد مرزا چلنے ہی کو تھے کہ ایک درویش برآمد ہوئے۔ یہ شعر پڑھتے ہوئے کھٹ پٹ کرتے کوٹھے پر آئے۔ ؎

حافظ ز کنج میکدہ بیرون نمی رود
کالطیر فی الحدیقۃ واللیث فی الاجم

آزاد جھک کر آداب بجالائے۔ درویش نے بیٹھ کر آزاد کو اجازت دی کہ بیٹھو۔ دواجی انتہائی ضعیف الاعتقاد تھیں۔ مگر عباسی کو ان باتوں سے اصلا سروکار نہ تھا۔ دور سے دونوں چپ چاپ دیکھتی جاتی تھیں۔

آزاد : کہیے شاہ صاحب۔ کوئی تازہ مژدہ سنایئے۔

شاہ صاحب : مژدہ تازہ؟

آن خوش خبر کجاست کزیں فتح مژدہ داد
تا جان فشانمش چو زر و سیم در قدم

آزاد : حضور شاہ صاحب۔ وہ دیوانی عورت اب بھی آپ کو برا بھلا کہتی ہے؟

شاہ صاحب : (آہ سرد بھر کر)

بہ تیغم گر زند دستش نہ گیرم
دگر تیرم زند منت پذیرم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : حاصل دینا کیا ہے ؟

شاہ صاحب : سرورِ روح ۔

آزاد : اور وہ کیوں کر حاصل ہو ؟

شاہ صاحب : نفس مطمئنہ کی پیروی سے ۔

آزاد : کچھ اور فرمائیے !

شاہ صاحب : ہاں (آنکھیں نیلی پیلی کر کے)

سحر ببوے گلستان و می شدم در باغ | کہ تا چو بلبلِ بیدل کنم علاجِ دماغ
بچہرہَ گلِ سوری نگاہ می کردم | کہ بد وران شب تیرہ براستی چو چراغ
چنان بحسن جوانی خویش بد مغرور | کہ داشت از دل بلبل ہزار گونہ فراغ
کشادہ نرگس رعنا ز دیدہ از حسرت | نہادہ لالہ حمرا بجان و دل صد داغ
گہی چو بادہ پرستان صراحی اندر دست | گہی چو ساقی مستان بکف گرفتہ ایاغ
زبان کشیدہ چو تیغے بسرزنش سوسن | وہاں کشادہ شقائق چو مردم انفاغ

نشاط و عیش و جوانی چو گل غنیمت دان
کہ حافظا بنود بر رسول غیر بلاغ

آزاد : اچھا فرمائیے ہم جس کام کو جانا چاہتے ہیں وہ پورا ہوگا ؟

درویش : (سوچ کر)

از رقیبت ولم نیافت خلاص
زانکہ القاص لایحب القاص

آزاد : کیوں شاہ صاحب آپ کس غرض سے عبادت کرتے ہیں ؟

درویش : کوئی غرض نہیں۔ بجز اس کے کہ اپنے معبود حقیقی کا شکر ادا کریں ۔

آزاد : بہشت میں جانے کی غرض نہیں ہے ۔

درویش : جہاں وہ بھیجے ۔

آزاد : سبحان اللہ ۔ کیا خوب بات کہی ہے ۔

درویش : کروڑوں بندگان خدا سیدھے ڈھرے سے بھٹک گئے ہیں ۔ دنیاوی امور میں ایسے پھنس گئے کہ عاقبت کی خبر ہی نہیں رہی ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایدل بکوی دوست گذاری نکردۂ
فرصت ز دست دادہ کارے نکردۂ
میدان فراخ دیدہ و گوئی نبردۂ
شاہین بدست عزم شکارے نکردۂ

ذرا سی سختی حضرت انسان سے نہیں سہی جاتی، ہندو اور مسلمان دونوں میں مقبول بندگانِ خدا، خاصان خدا کم پاؤ گے۔ شرع کی پابندی وہیں تک کرتے ہیں، جہاں تک آسان ہے۔ ورنہ ذرا کسی امر میں سختی نظر آئی، اور انھوں نے ترک کر دیا۔ افسوس! ؎

زرسم ازیں چمن نہ بری آستینِ گل
کز گلشنش تحمل خاری نہ کردۂ

آزاد: لسان الغیب حافظ شیراز کا کلام آپ کو بہت مرغوب طبع ہے۔

شاہ صاحب: (آبدیدہ) ہو کر۔

شعر حافظ ہمہ بیت الغزل معرفت ست
آفرین بر نفس دلکش و نظمِ سخنش

آزاد: گستاخی معاف فرمائیے، تو ایک امر دریافت کروں۔ مگر بے ادبی معاف۔

شاہ صاحب: بے ادبی کیسی۔ اگر کوئی کلمہ سخت کہنا ہے تو خوشی سے کہو۔ صحیح ہو گا تو تسلیم کروں گا، شکر گذار ہوں گا اور اگر محض میری دلشکنی کے لیے کہو گے تو برا نہ مانوں گا۔ تاکہ تمہاری آرزو میں خامی نہ آئے۔ جو شخص کسی کو اس غرض سے بے وجہ برا کہے کہ اُس کے دل پر چوٹ لگے اُس کو لازم ہے کہ برا ہی نہ مانے۔ بس برا کہنے والے کی دلی تمنا نہ بر آئے گی اور تمہارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔

آزاد: نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ جس سے آپ برا مانیں۔ سوال یہ ہے کہ اُس دیوانی عورت سے آپ کو محبت کیوں ہے؟ عوام آپ پر حرف رکھتے ہیں۔ معاف فرمائیے گا۔

شاہ صاحب: (مُسکرا کر)

منعم مکن ز عشق وے اے مفتی زمان
معذور دارمت کہ تو اور اندیدۂ

سنو آزاد مرزا وہ عورت ایک ملک دیرینہ روز ہے۔ کم سے کم میرے علم و یقین میں اُس کا سن کوئی سو برس کا ہو گا۔ بد قطع، کریہ منظر، ترش رو، سرکہ جبین، مگر میں اس کے حسن باطن کا کشتہ ہوں۔ اس کے خیالات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فاخرہ نے مجھے مار ڈالا ہے۔ برسوں اس قسم کے لوگوں سے ملاقات رہی۔ مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی۔ لیکن اس دل و دماغ کی عورت میری نظر سے آج تک نہیں گذری۔

آزاد: معاف فرمایئے گا میں نے ان کو آج تک نہیں دیکھا۔ صرف لوگوں کی زبانی سُنی سُنائی بات تھی۔ جو سُنا تھا، وہ محض بنظرِ استفسار عرض کیا کہ میری تشفی ہو۔ میں نے جو کچھ سنا تھا وہ غلط نکلا۔

شاہ صاحب: دُنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو تمام عالم اچھا کہتا ہو۔ اگر کروڑ آدمی اچھا کہتے ہیں تو کروڑ بُرا۔ یا اگر دس کروڑ اچھا کہتے ہوں گے تو ہزار بُرا بھی ضرور کہیں گے۔

بلبل یہ زمانہ ایک گل کا نہ ہوا
محکوم ائمۂ درسُل کا نہ ہوا
انسان کو عبث غرور یکتائی ہے
اللہ یہ اتفاق کُل کا نہ ہوا

جب خدا ہی کی نسبت مَعاذَ اللہ جُہلا کے کچھ اور ہی خیالات ہیں۔ (نقل کفر کفر نباشد) تو انسانِ ضعیف البنیان کی کیا ہستی ہے۔

راوی: یہ شاہ صاحب بڑے مقدّس اور طیب النفّس آدمی تھے۔ اور انتہا کے متدیّن۔ تین پانچ نہیں جانتے تھے۔ سیدھے سادھے آدمی تھے۔ اکثر لائق فائق آدمی اُن کے معتقد تھے۔ آٹھ دس روپیہ ماہواری میں بسر کر لیتے تھے۔ لیکن بعض حضرات ان کو بھی اور بنے ہوئے فقیروں کی طرح سمجھتے تھے۔ شاہ جی کو اس سے بھی کچھ مطلب نہ تھا۔ شب و روز یادِ خدا میں مصروف رہنا اور طلبہ کو درس دینا ان کا خاص اور مطبوع فرض تھا۔

آزاد: اگر کوئی بلائے اور باصرار بلائے تو جاؤں یا نہیں۔

شاہ صاحب: کوئی کا لفظ شرح طلب ہے۔

آزاد: کوئی ایسا جو میرے علم و یقین میں بد نہیں ہے۔

شاہ صاحب: ذکور میں سے یا اُناث کے فرقے سے؟

آزاد: یہ سوال بیڈھب ہے۔

شاہ صاحب: اِس کے بغیر ہم جواب نہ دیں گے۔

آزاد: ایک رئیس زادی ہے۔

شاہ صاحب: کبھی کی ملاقات؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: کبھی کی نہیں۔

شاہ صاحب: بلانے کی غرض تو معلوم ہو۔

آزاد: سُنا ہے کہ وہ نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ اور یہ از روے شرح جائز ہے۔

شاہ صاحب: مگر ہندوستان میں یہ رسم نہیں ہے کہ عورت اپنے نکاح کے بغیر کسی کو بلائے۔ یہ نئی بات ہے۔ اس سے کھٹکا پیدا ہوا۔

آزاد: مجھے یقین ہے کہ وہ عفیفہ ہیں، پاکباز، پاکدامن۔

شاہ صاحب: شک ہے۔ خدا کرے پاک باز ہوں! حاشا و کلا میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ پاکدامن نہیں ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُن کو غیر مرد کے بلانے کی جرأت کیوں کر ہوئی۔

راوی: خدا جانے اُنھوں نے کیا سمجھ کر بلایا۔ واللہ اعلم کس کا دھوکا ہوا۔ ورنہ عصمت میں ذرا شک نہیں۔

آزاد: ہاں۔ یہ تو بجا ارشاد ہوا۔

شاہ صاحب: کچھ ہم ضرور ہے۔

دواجی اور عباسی بھی چُپکے چُپکے یہ باتیں سُن رہی تھیں۔ اور دل میں سمجھتی تھیں کہ آج بھی ناغہ ہوا۔

دواجی: رنگ اچھا نہیں نظر آتا۔

عباسی: اس دن وہ مرزا جی کھلے، آج یہ شاہ صاحب آئے ہیں۔ یہ تو صاف صاف رخنہ اندازی کر رہے ہیں۔ ان سے چھٹکارا پانا ذری ٹیڑھی کھیر ہے۔

دواجی: اور اگر آج نہ چلے تو ہم بیگم صاحب کو مُنہ نہ دکھائیں گے بس۔

عباسی: ہماری خرابی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جھوٹا سمجھ لیں۔

دواجی: آزاد مرزا ادھر آئیں تو ہم سمجھائیں کہ اگر آج آپ نہ چلے تو ہماری بڑی کرکری ہوگی اور ہم کو عمر بھر کے لیے ندامت رہے گی۔

اتنے میں شاہ صاحب نے آزاد سے کہا آپ کا میلان طبیعت یہی ہے کہ اس وقت آپ وہاں جائیں اور قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ وہ مقام اچھا نہیں۔ اگر واقعہ میں وہ نیک بخت اور عفیفہ ہیں تو کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ بلا سبب اور بے وجہ ہندوستان کی رئیس زادی کسی غیر مرد کو بلائے۔ اعزّہ و اقربا ہیں یا نہیں۔ ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : انتقال کیا۔ اعزہ واقربا بھی نہیں ہیں۔ خود مختار ہیں۔

شاہ صاحب : ایک شریف زادی اپنے گھر سے نکل کر سرا میں فروکش ہوئی تھی۔ اتفاق سے ایک دن سرا میں میرا بھی گذر ہوا ملا فرقان نامی ایک بزرگ ایران نژاد سرا میں ٹکے تھے۔ بڑے باکمال عالم و فاضل بزرگ ہیں۔ انھیں کی زیارت کے لیے گیا تھا۔

روی مقصود کہ شاہان بدعامی طلبند
سببش بندگی حضرت درویشان ست

دیکھا کہ ایک عورت نہایت کم سن اور کمال حسین رنگین ڈوپٹا اوڑھے کھڑی ہے۔ حیرت ہوئی کہ بارخدایا سرا میں اور ایسی مہ جبیں۔ ایک شخص سے پوچھا یہ نیک بخت کون ہیں۔ کہا دس پانچ روز سے سرا میں ٹکی ہیں۔ پوچھا کوئی اُن کے پاس آتا جاتا ہے۔ کہا کوئی بھی نہیں ہم نے ان کے پاس آتے جاتے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور بھی تعجب ہوا کہ یا للعجب! یہ کیا بوالعجبی ہے۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ ان بی صاحب کا نام اللہ رکھی ہے، اور کوئی صاحب آپ ہی کے ہم نام میاں آزاد تھے، اُن پر اُن کی جان جاتی تھی۔ لیکن میاں آزاد کی صورت بالکل آپ کی شکل سے مشابہ ہے۔ ذرا فرق نہیں۔ اللہ رکھی کسی قدر کشیدہ قامت ہیں۔ ہنس مکھ، شوخ چلبلی، سُرخ و سفید، اور لطف یہ کہ صباحت کے ساتھ ملاحت بھی خداداد ہے۔

آزاد : یہ خوب بات ہے۔

شاہ صاحب : ہاں۔ گفتگو بھی نہایت شستہ ہے۔

آزاد : اور آواز۔

شاہ صاحب : پیاری۔ مگر گانے سے ان کو کیا واسطہ۔

آزاد : آواز کا ذکر ہے۔ گانے سے کیا سروکار۔

شاہ صاحب : چہرہ بس پری کا ٹکڑا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزی دیگری

ہم نے تمام عمر میں ایسی حسین نہیں دیکھی۔

آزاد : خدا ہی خیر کرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کین دولت از گفتار خیزد

غلام تو عاشق ہوگیا۔

شاہ صاحب : ایں! ایسی عورت پر۔

آزاد : ہمارے اصول تو شاہ صاحب یہ ہیں کہ نکاح میں کوئی قباحت نہیں۔

شاہ صاحب : ہائے ہائے مگر۔

نشاید ہوس باختن با گلی
کہ ہر بامدادش شود بلبلی

آزاد : جو حکم ہو، تعمیل بسر و چشم منظور ہے۔

شاہ صاحب : اللہ رکھی ہمیں نہ بھولے گی۔

آزاد : وہ ہمارے ہم نام کہاں ہیں۔

شاہ صاحب : خدا جانے کہیں نوکر ہو گئے ہیں شاید۔

آزاد : حقّہ بھر لاؤ۔

شاہ صاحب : نوازش عنایت مہربانی۔

اُس دن بھی اتفاق سے میاں آزاد کا جانا نہ ہوا مینہ اس زور سے برسا کہ جل تھل کر دیا۔ دوّاجی اور عبّاسی دو بجے رات تک آزاد ہی کے ہاں تھیں۔ شاہ صاحب نے طرح طرح کی تعجب آمیز، اور عبرت انگیز، باتوں سے دل بہلایا۔ وقتاً فوقتاً حقّانی اشعار زبان پر لائے۔ دو بجے پانی کھلا تو عبّاسی ڈولی پر سوار ہو کر اپنے گھر گئی۔ اور دوّاجی اپنے گھر وعدہ ہو گیا کہ کل ضرور چلیں گے۔ اس میں فرق نہ پڑنے پائے گا۔ عبّاسی جو بیگم صاحب کے ہاں پہنچی تو پھاٹک ہی سے پوچھنا شروع کیا۔ سرکار کا مزاج کیا ہے۔ برہم تو نہیں ہیں۔

داروغہ : جاؤ تو آج۔

عبّاسی : (ڈر کر) یا الٰہی خیر ہے۔

داروغہ : بس آج نکالی گئیں۔ میں نے جڑ دی کہ جھوٹی ہیں۔

عبّاسی : واہ جھوٹی کی ایک ہی کہی۔

داروغہ : لائی ہو اُن کو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی : اے اب اس مینہ بوندی میں اب تک ٹپکا ٹپکی ہو رہی ہے۔ اور کس زور سے برسا کہ معاذ اللہ۔

داروغہ : تم خود کیوں کر اسکیں باتیں بناتی ہو۔

عباسی اندر گئی۔ کوٹھے پر آئی۔ محلدار سے پوچھا سرکار کہاں ہیں۔ کہا آرام میں۔ اتنے میں بیگم صاحب کی آنکھ کھل گئی۔

عباسی : آداب عرض ہے (کانپتے ہوئے) حضور لونڈی حاضر ہے۔

بیگم : آج تو ہمیں خود مایوسی تھی۔ ابر کے آتے ہی جان سن سے نکل گئی کہ ہائے ہائے اب کیا ہوگا۔

عباسی : حضور تیار ہو چکے تھے۔ مگر اتفاق۔ اس موئے مینہ کو آگ لگے۔

بیگم : ایسا نہ کہو۔ مینہ کا برسنا ہی اچھا۔

عباسی : حضور دل جلتا ہے۔

بیگم : مینہ چاہے جس قدر برسے کال نہ پڑے گا، اور خشک سالی ہو تو کال کہیں لینے نہیں جانا ہے۔ کھانا کھایا؟

عباسی : حضور خوب چھک کے کھا چکی۔ بڑے رنگین آدمی ہیں۔

بیگم : اچھا پھر اب سو رہو۔ جو مقسوم میں لکھا ہے، وہ ہونا ہے۔ بے تقدیر کے کچھ نہیں ہوتا۔

عباسی : حضور اب میں کیا کہوں اللہ جانتا ہے۔ یقین کیجیے کہ آپ سے زیادہ بیقرار ہیں۔ مثل ماہی۔ آب تڑپ رہے ہیں۔ مگر روز کوشش کی اور ناکام رہے۔ اس دن وہ مزا آگئے آج بارش نے وہ تار باندھا کہ تو بہ ہی بھلی۔

موت مانگوں تو رہے آرزوے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

راوی : اچھا شعر پڑھا حسب حال اور برجستہ۔

بیگم : دل گواہی دیتا ہے کہ ہم سے اور ان سے ملاقات ہرگز نہ ہوگی بس دیکھ لینا۔ روز یہی خرابیاں واقع ہوں گی۔ آج مینہ برسا۔ پرسوں بھونچال آیا۔ ترسوں آگ لگی۔

عباسی : اللہ نہ کرے۔ کل تو چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔

بیگم صاحب نے کہا مزاج اور بات چیت اور خط و خال کا حال تو بیان کرو دیکھیں وہی ہیں یا کوئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور عباسی بولی، حضور لال لال گال ہیں۔ لال لال ہونٹ، سُرخ و سفید چہرہ۔ پیارا مکھڑا۔ سینہ چوڑا، بدن چھریرا فربہ، لمبے ۔ بے جوان ہیں۔ میں کیا عرض کروں حضور بیگم صاحب نے پوچھا یہ معطر کہاں سے آتی ہو۔ کہا حضور اُنھیں نے عطر مل دیا۔ میں شرما کر خاموش ہو رہی۔ کہا کہ خداوند ہم غریب آدمی ہیں۔ فرمایا واہ تم اور غریب۔

بیگم صاحب نے حکم دیا کہ اب آرام کرو، اور عباسی سو رہیں۔

صبح کو آزاد مرزا اُٹھ کر ایک دوست کی ملاقات کو گئے۔ وہاں دیکھا کہ کئی آدمی ایک شخص کو بنا رہے ہیں۔ اور قہقہے پر قہقہہ لگا رہے ہیں۔ وہ شخص دُبلا پتلا، مرا پٹا آدمی تھا۔ قرینے سے ان کو معلوم ہو گیا کہ چانڈو باز ہے۔ احباب میں سے ایک صاحب نے پوچھا کیوں بھئی چانڈو باز کبھی نوکری بھی کی ہے۔

چانڈو باز : اجی حضرت عمر بھر ڈنڈ پیلے اور جوڑیاں ہلائیں۔ شاہی میں ابا جان کی بدولت فیل نشین تھے۔ ابھی پار سال ہی تک ہم بھی گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تھے۔ مگر جوئے کی لت تھی۔ سب دولت داؤں پر رکھ دی تو ٹکے ٹکے کو محتاج۔ کریں تو کیا کریں۔ ناچار سرا میں ایک بھٹیاری اللہ رکھی کے ہاں جا کر نوکری کی۔

آزاد مرزا : کس کے ہاں۔

چانڈو باز : اللہ رکھی نام تھا۔ ایسی خوبصورت کہ میں کیا عرض کروں۔

آزاد : ہاں شب کو بھی ایک شخص نے تعریف کی تھی۔

چانڈو باز : تعریف کیسی۔ تصویر ہی نہ دکھا دوں۔

آزاد کو یاد آ گیا کہ جس وقت بیگم صاحب کے داروغہ شب کو تماشے میں ہمارے پاس آئے تھے۔ اُس وقت اُنھوں نے پوچھا تھا کہ اللہ رکھی کو جانتے ہو۔ چکرائے کہ یا الٰہی بیگم کو اللہ رکھی سے کیا واسطہ اتنے میں اللہ رکھی کی تصویر چانڈو باز نے نکالی۔ اور کہا دیکھیے کیا قبول صورت ہیں۔

آزاد : اُہو ہو ہو۔

عجب ہے کھینچی مصوّر نے کس طرح تصویر\
کہ شوخیوں سے وہ اک رنگ پر رہے کیوں کر

جس نے دیکھی پھڑک گیا ؎

ناک میں نیم کا فقط تنکا\
شوخی چالاکی مقتضا سِن کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک صاحب نے اس تصویر کو دیکھا اور کہا ۔

خوش وسمہ کشیدی خم ابروے دوتارا
کردی چہ سیہ تاب دمِ تیغ قضارا

دوسرے صاحب یوں بولے ۔

گر مصوّر صورتِ آن دلستان خواہد کشید
حیرتی دارم کہ نازش راچہ سان خواہد کشید

تیسرے صاحب نے فرمایا ۔

قدش نہ سرو نہ شاخِ گل و نہ شمشاد ست
براستی الفِ جانِ آدمی زاد ست

چوتھے صاحب نے تصویر چوم لی ۔

پانچویں نے پنسل لے کر لکھ دیا ۔ مصور کے ہاتھ اور اس ماہ سیما کے گل رخسار چوم لے ۔ سبحان اللہ ۔ سُبحان اللہ ۔

چھٹے صاحب بغور دیکھ کر بولے ۔

روی تو گل لب تو قند ست
گلقند علاجِ دردمند ست

چانڈو باز : کیوں ۔ ہے پری یا نہیں ۔؟

آزاد : پری پری ۔ اصل پری ۔

چانڈو باز : پرستان کی پری میں یہ ادا یہ دلبری کہاں ۔

آزاد : کیا صورت ہے واہ واہ ۔

چانڈو باز : حُسن اسے کہتے ہیں ۔ ایک آدمی وہاں ٹلے تھے ۔ میاں آزاد اُن پر عاشق ہوگئے ۔ بس کچھ آپ ہی کی سی صورت تھی ۔

راوی : اب آزاد مرزا سمجھے کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے ۔ شاہ صاحب بھی یہی کچھ کہہ چکے ، اور اُنھوں نے بھی یہی کہا ۔

آزاد : چلیے ہمارے گھر چلیے ۔

چانڈو باز : دولت خانہ یہاں سے کس قدر فاصلے پر ہے ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: غریب خانہ دو قدم پر ہے، وہ سامنے۔

چانڈو باز اور آزاد ساتھ ساتھ گئے۔ راستہ میں آزاد نے کہا اب یہ بتاؤ کہ وہ آج کل کہاں ہیں۔ کہا ہم نہیں جانتے۔ مگر یہیں کہیں ہیں۔ سرا سے تو بھاگ گئی تھیں۔ خدا جانے کہاں ہیں۔ مگر آزاد پر جان دیتی تھیں۔

آزاد مرزا نے بڑے تپاک سے چانڈو باز کو اپنے گھر میں ٹکایا۔ اور انتہا سے زیادہ خاطر کی۔ چانڈو باز کے دماغ عرش بریں پر تھے کہ ہمارے پاس وہ تصویر ہے جس کو دیکھتے ہی لوگ عش عش کر جاتے ہیں۔ اور آزاد دل میں سوچتے تھے کہ ہم نے اس عورت کو کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور ہے۔ مگر یاد نہیں آتا کہاں دیکھا ہے۔

آزاد: بھائی جان۔ اچھی طرح بیٹھئے اس کو بھی اپنا گھر تصوّر فرمائیے۔

چانڈو باز: اب اس وقت چانڈو پلواؤ تو بات بنے۔ ہماری جان جاتی ہے، اور کل سے چانڈو نصیب نہیں ہوا۔ جمائی پر جمائی آتی ہے۔ اور ہاتھ پانوں ٹوٹے جاتے ہیں۔

آزاد نے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ فوراً چانڈو کا بندوبست کر دو۔ تھوڑی دیر میں میاں چانڈو باز بخت برگشتہ کی طرح سرنگوں نظر آئے۔ جب دو تین چھینٹے پی چکے تو آزاد بھی ان کے قریب جا کر بیٹھے اور یوں گفتگو کرنے لگے۔

آزاد: ہاں اب اللہ رکھی کا مفصل حال تو کہو اور میاں آزاد کون تھے جو کچھ معلوم ہو سب بیان کرو۔

چانڈو باز: اللہ رکھی کی صورت تو آپ کے ذہن مبارک میں آ ہی گئی ہوگی۔ اب اُن کی سیرت کا حال سُنیئے۔ شوخ، چلبلی، چنچل، آگ بھبوکا، تیکھی چتون، مگر ہنس مکھ، ذرا تیکھی ہوئیں، اور پھر ہنس دیں۔ سرا میں آن کر ٹکی تھیں۔ وہاں میاں آزاد پر عاشق ہوئیں۔ وعدہ کر لیا کہ نکاح پڑھوائیں گے۔ مگر میاں آزاد قول ہار کے نکل گئے۔ انھوں نے نالش کر دی۔ پکڑ آئے دھرے گئے۔ مگر پھر بھاگ گئے۔ اس کے بعد ایک بیگم حسن آرا تھیں۔ اُن پر ریجھے۔ اُنھوں نے کہا روم جاؤ تو ہم نکاح پر راضی ہوتے ہیں۔ نہیں تو ہم راضی نہیں ہو سکتے۔

آزاد: ایں! معقول۔ روم جا کے کیا بنائیں گے۔ یہ نئی بات سُنی۔

چانڈو باز: لڑائی ہے نہ روم میں۔

آزاد: اچھا پھر لڑائی کو شادی سے کیا واسطہ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چانڈوباز: اُنھوں نے کہا تھا کہ اگر وہاں غنیم سے لڑو اور ہنجا دکھاؤ تو ہم نکاح پر راضی ہو جائیں۔ ورنہ اللہ اللہ خیر صلاح۔

پھر ایک دفعہ اللہ رکھی اور آزاد سے ملاقات ہوئی تو اللہ رکھی نے کہا حسن آرا تمہیں مبارک ہو، مگر ہم کو نہ بھول جانا۔ آزاد نے آبدیدہ ہو کر کہا ہرگز نہیں۔

آزاد: اور حسن آرا رہتی کہاں ہیں؟

چانڈوباز: یہ ہمیں نہیں معلوم۔

آزاد: مگر اللہ رکھی کو دیکھو تو پہچان لو یا نہ پہچانو؟

چانڈوباز: فوراً پہچان لیں نہ پہچاننا کیا معنی۔

آزاد: اچھا تھوڑی دیر کے بعد تم سے کچھ کہیں گے۔

چانڈوباز: ایک پونڈا تو منگوا دیجئے۔

آزاد مرزا نے پونڈے کی پھاندی منگوا دی اور باورچی کو حکم دیا کہ قند کے چانوں اور کھیر آج ضرور پکے۔ چانڈوباز نے خوب تن کے کھانا کھایا۔ کھاتے کھاتے چانڈوباز نے کہا میاں آزاد کے ساتھ ایک ناٹے سے آدمی بھی گئے ہیں۔ خوجی اُن کا نام ہے۔ بڑے مشہور مسخرے ہیں۔ آزاد مرزا نے جتنی باتیں سُنیں سب یاد رکھیں۔

شام کو عباسی دواجی کے ہاں گئی۔ دواجی نے ڈولی منگوائی۔ آزاد مرزا کے پاس آئیں۔ کہا اگر چلنا ہے تو بس اب چلے چلیے، ورنہ پھر آنے جانے کا لفظ زبان پر نہ لایئے گا۔ وہ سخت بددماغ ہو گئی ہیں کہ روز ٹالتے ہیں۔ اس کا باعث آخر کیا ہے۔ آنا ہو تو آئیں، اور جو آنا ہو تو نہ آئیں۔ آزاد نے کہا میں تیار بیٹھا ہوں چلیے۔ فوراً پالکی گاڑی منگوائی۔ چانڈوباز کوچ بکس پر صاحب بن کے بیٹھے۔ دواجی اور عباسی ایک طرف اور آزاد مرزا ایک طرف بگھی پر بیٹھے اور روانہ ہوئے۔

آزاد مرزا نہایت بیش بہا کا شانی سیاہ مخمل کا کوٹ پہنے تھے۔ ٹوپی ترکی سیاہ، پتلون خاکی، وارنش کا بوٹ، طلائی گھڑی جیب میں پڑی ہوئی۔ خدمت گار کے پاس چاندی کی گڑگڑی۔ دو روپیہ سیر والا تمباکو شکبو۔ خاصدان میں گلوریاں خود بدولت عطر و معنبر۔ جب گاڑی محلِ معلی تک پہنچی تو بیگم صاحب کو اطلاع دی گئی۔ وہ خود نکھر کر بیٹھی تھیں کہ آزاد فرخ نہاد آتے ہوں گے۔

پہلے عباسی اور دواجی اندر گئیں۔

عباسی: مبارک حضور آ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : (ہنس کر) شکر ہے۔

دواجی : اب حضورِ چق کے اندر تشریف رکھیں۔

بیگم : اچھا بلاؤ۔

دواجی : آئیے حضور! تشریف لائیے۔ انعام نہ بھول جائیے گا۔

عبّاسی : اللہ جانتا ہے کیا شُبھ گھڑی ہے۔

دواجی : کیا پوچھنا ہے جم جم جیئیں۔

عبّاسی : حضور کرسی پر تشریف رکھیں۔

دواجی : اطلاع تو کر دو۔

آزاد مرزا کمرے کے باہر برآمدے میں چق کے پاس کرسی پر بیٹھے۔ عبّاسی نے کمرے کے باہر آن کر کہا۔ حضور بیگم صاحب فرماتی ہیں کہ ہمارے سر میں اس وقت شدّت سے درد ہے۔ آپ آج تشریف لے جائیے۔ کل اگر آپ کے ابّا جان مانع نہ ہوں تو آئیے ورنہ پرسوں تشریف لائیے۔ بشرطیکہ شاہ صاحب اجازت دیں، اور اگر اجازت بھی دیں، اور مینھ برسنے لگے، تو خیر بارش کے وقت تکلیف نہ کیجیے گا۔ کیوں کہ مٹّی کا بدن ہے شاید بہہ جائے۔

آزاد : (مسکرا کر) بیگم صاحب سے عرض کر دیجیے کہ دردِ سر کا ایک نایاب نسخہ میرے پاس ہے۔ معاً دردِ سر جاتا رہے تو سہی۔

عبّاسی : (ہنس کر) وہ فرماتی ہیں کہ ایسے ایسے مداری ہم نے بہت چنگے کیے ہیں۔

آزاد : اور اپنے دردِ سر کا علاج نہیں ہو سکتا۔

صندلی رنگوں سے مانا دل ملا
دردِ سر کی کس کے ماتھے جائے گی

عبّاسی : فرماتی ہیں کہ آپ کے پاؤں کی منہدی تو نہیں گھس گئی۔

آزاد : کہئے سدا سہاگن نہیں ہوں۔

عبّاسی : فرماتی ہیں اس تقریر سے اور بات بڑھے گی اب ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کھائیے۔

آزاد : واہ یہ بھی انتہائے گرمجوشی ہے۔

بیگم : بندہ پرور۔ آپ کی اس مسلسل تقریر سے دردِ سر کو اور ترقی ہوتی ہے از برائے خدا آپ مجھے اس وقت آرام کرنے دیجیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: یاالٰہی ؎

ہم ایسے ہو گئے اللہ اکبر اے تری قدرت
ہمارا نام سن کر ہاتھ وہ کانوں پہ دھرتے ہیں

بیگم: اے عباسی۔ یہ کون مرچڑا ہے۔ (مسکرا کر) ہو ہو۔

آزاد: ع

وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہیں

بیگم: ہم کوئی سر کہ جبین تو ہیں نہیں کہ خدا ناکردہ روئیں۔

آزاد: اللہ رے کج خلقی۔

بیگم: چلیے ہم کج خلق ہی سہی۔

آزاد: ہم تو سائل ہیں۔

بیگم: سائیں جی اور گھر دیکھیے۔

آزاد: یک در گیر و محکم گیر۔ ہمارا تو یہ اصول ہے۔

بیگم: عباسی ذری ان صاحب سے کہہ دو کہ ہمیں بک بک کرنے کا دماغ نہیں ہے۔

آزاد: اللہ رے نزاکت اور اُف رے نازک مزاجی۔ یا تو وہ اختلاط کی باتیں تھیں اور یا اب یہ کج خلقی۔

ہم بھی کشتہ تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

بیگم: ایں! چہ خوش چرا نیا شد۔ گویا برسوں کی ملاقات ہے۔

آزاد: ہم تو درویش آدمی ہیں۔ ع

چیزے بدہ درویش را چیزے بگو درویش را۔

آج کی ملاقات ہو خواہ دو برس کی۔

بیگم: تو یہ کہیے۔ آپ خیر سے ہمارے جاننے والوں میں ہیں۔

راوی: بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اب ثریا بیگم کو سمجھائے کون کہ جس شخص سے باتیں کرتی ہو وہ محض اجنبی ہے مگر وہ سنتی کب ہیں۔ برسوں کے بعد اپنے پیار سے آزاد کو پایا ہے۔

آزاد: اگر چاہنے والوں میں ہیں تو عجب نہیں مگر حضور کی چاہ تے ہمیں اور بھی کنویں جھنکائے ہائے چاہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی کیا بُری شے ہے۔ ؎

من ازآن حسنِ روزافزون کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

بیگم : بڑے لسّان آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ چہک رہے ہیں۔

آزاد : طوطی نو بہار صباحت کے مقابل ہیں بھی نہ چہکیں تو پھر کب چہکیں۔

بیگم : آپ کا اسم مبارک۔

آزاد : میاں آزاد۔

بیگم : (فرط طرب سے آبدیدہ ہوکر) مزاج شریف۔

آزاد : دور سے مزاج پرسی بھلی نہیں معلوم ہوتی اور اس وقت ہمارے مزاج کی نہ پوچھیے۔ لامکان پر ہے۔ مُنہ مانگی مراد پائی۔ الحمد اللہ۔

بیگم : آپ تو پہیلیاں بجھواتے ہیں۔ اے عباسی یہ مغلانیاں کہاں یہ کس اجنبی کو سامنے لاکے بٹھا دیا۔ واہ، واواہ۔

عباسی : (مُسکراکر) حضور زبردستی ہنس پڑے۔

بیگم : محلّے والوں کو اطلاع دو۔

آزاد : تھانے پر رپٹ لکھوادو، مشکیں بندھوادو۔

زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو
اپنے دل تنگ میں جگہ دو
مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ
کالے ناگوں سے ہم کو ڈسواؤ

بیگم : (دل میں) اللہ نہ کرے ہا دشمن کے کان بہرے۔

آزاد : پھر آپ ہی کچھ سزا دیں۔ ایک تحفہ حقیر پیش کش کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

یہ کہہ کر آزاد نے اللہ رکھی کی تصویر پر تنویر عبّاسی کو دی اور کہا ہماری طرف سے پیش کردو۔ عبّاسی نے جاکر تصویر بیگم صاحب کو دی۔ تصویر دیکھتے ہی ثریّا بیگم دنگ ہوگئیں۔ ایں! یہ تصویر کیسی۔ اللہ اللہ یہ تصویر چُھپاکے لے گئے تھے۔ ثریّا بیگم کی تصویر اس پوشاک میں نہیں اُتاری گئی تھی۔ جو بیگمات کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پوشاک ہوتی ہے، مگر اور ہی فیشن میں تھی۔ کہا پوچھو اس تصویر کی کیا قیمت ہے۔

عبّاسی : حضور اس تصویر کی قیمت دریافت کرتی ہیں ؟

آزاد : کہیے یہ بکاؤ نہیں ہے۔

بیگم : وجہ! آخر دکھائی کیوں ؟ اسی غرض سے نہ کہ کوئی دام لگائے۔

آزاد : اس کی قیمت دینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

بیگم : کچھ کہیے تو، کس کام کی تصویر ہے۔

آزاد : بے ادبی معاف اپنی صورت سے ملائیں۔ تصویر بس ہی ہوگی۔

بیگم : (مُسکراکر) بجا ہے۔

آزاد : اچھا حضور مطابق کرلیں نہ ع   ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

عبّاسی : ایڑی چوٹی پر قربان کردیں۔

راوی : واہ بس۔ ذرا زبان کو روکیے۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ تصویر کس کی ہے۔

آزاد : ایک شہزادے دو لاکھ روپیہ اس تصویر کا دیتے تھے۔

عبّاسی : گھر کی ٹیکی اور باسی ساگ۔

بیگم : یہ تصویر ان کو ملی کہاں ؟

آزاد : جس کی تصویر ہے اُس سے دِل مل گیا ہے۔

بیگم : ذرا مُنہ دھو آئیے۔

اس فقرے پر عبّاسی کسی قدر چونکی۔ ایں یہ مُنہ دھو آنا یہ کیا معنی۔ بیگم صاحب سے کہا ذرا حضور مجھے تو دیں۔ اُنھوں نے انکار سخت کیا، اور کہا صندوقچہ لاؤ۔ صندوقچہ کھولا اور تصویر رکھ کر پھر اُس کو بند کردیا۔

آزاد : اس شہر کی اچھی رسم ہے۔ دیکھنے کو چیز لی اور ہضم۔ بی عبّاسی ہماری تصویر لا دو ؟

بیگم : لاکھوں کدورتیں ہیں۔ ہزاروں شکائتیں۔

آزاد : کس سے یہ ؟

بیگم : ایں اب کوئی آپ کے مارے بات نہ کرے۔

آزاد : خیر کدورتیں ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کدورت اُن کو ہے مجھ سے نہیں ہے سامنا جب تک
اِدھر آنکھیں ملیں اُن سے اُدھر دل مل گیا دل سے

بیگم : کچھ خیر ہے۔ ہوش کی دوا کرو۔

آزاد : ہم تو اس ضبط کے قائل ہیں۔

بیگم : (ہنس کر) بجا۔

آزاد : اب تو کھلا کر ہنس دیں۔ واسطے خدا کے اس چق کے باہر آؤ، یا خاکساروں کو اندر بلاؤ۔ نقاب اور گھونگھٹ کا رسم توڑو۔ اب دل بے قابو ہے۔

بیگم : عبّاسی ان صاحب سے کہو کہ اب ہمیں سونے دیں۔ کل رات آنکھوں میں کٹی ایک بے مروت نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

آزاد : دن کو موقع نہ تھا شب کو مینھ نے دق کیا۔

بیگم : بس بیٹھے رہو۔

یہ عبث کہتے ہو موقع نہ تھا اور گھات نہ تھی
مہندی پانوں میں نہ تھی آپ کے برسات نہ تھی
کج ادائی کے سوا اور کوئی بات نہ تھی
دن کو آ سکتے نہ تھے آپ تو کیا رات نہ تھی
بس یہی کہیے کہ منظور ملاقات نہ تھی

آزاد : ع

معشوق پن نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

بیگم : معشوق پن! ذرا چونچ سنبھالے ہوئے۔

عباسی دنگ تھی کہ بارِ خدایا یہ کیا اسرار ہے۔ بیگم صاحب جامے ہی سے باہر ہوئی جاتی ہیں۔ مغلانیاں انگشت حیرت بزنداں کہ ان کو ہوا کیا ہے۔ داروغہ صاحب کٹے جاتے تھے، مگر چپ۔ مجال کیا کہ لب ہلا سکیں۔

بیگم : کوئی بھی دنیا میں کسی کا ہوا ہے۔ سب کو دیکھ لیا خط نہ کتابت، نہ پیام، ہڑ پا تڑ پا کر مار ڈالا۔ خیر ہمارا بھی خدا ہے۔

فراقِ یار میں جھیلیں مصیبتیں کیا کیا گذر گئیں مرے سر پر قیامتیں کیا کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: گذشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط۔ اب تو جو ہوا وہ ہوا۔

بیگم: ہاں جس کے دل پر گذرے وہی جانے۔ بے مروتوں کو کسی کے دردِ دل کا حال کیا معلوم۔

آزاد: اپنی وحشت کے دلولے ہمیں جانتے ہیں۔

بیگم: وحشت نہ ہوتی تو وعدہ کر کے مکر کیوں جاتے۔

آزاد: نالش تھی تو داغ دی آپ نے۔

بیگم: بس اب پچھلی باتوں کو تہ کر رکھو۔ انتظار کرتے کرتے ناک میں دم آگیا۔

راہ ان کی تکتے تکتے یہ مدّت گذر گئی

آنکھوں کو حوصلہ نہ دیا انتظار کا

آزاد: اب تو قصور معاف ہو۔

بیگم: آزاد (روکر) ہائے بس دل ہی جانتا ہے۔

آزاد: فلک تفرقہ پرداز سے کوئی بھی جھگڑ سکا ہے۔

بیگم: ٹھان لی تھی کہ دس دن تک بات نہ کروں گی۔ جس طرح مجھے جلایا ہے اُسی طرح ترساؤں گی۔

حضور یار کوئی بات ہم سے ہو نہ سکی

اگرچہ دل میں بھری تھیں شکایتیں کیا کیا

پیارے آزاد اس وقت کلیجہ بانسوں اُچھل رہا ہے۔ ہائے سمجھی تھی کہ آزاد سے ملیں گے تو دل کو چین حاصل ہوگا۔ مگر بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔

وصالِ یار سے دونا ہوا رنج

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اب اُدھر کا حال تو کہو۔ گئے تھے۔

راوی: میاں آزاد کچھ واقف ہوں تو بتائیں حُسن آرا کا نام سُن لیا تھا۔ اور اس قدر معلوم تھا کہ جنگ پر گئے ہیں۔ بات خوب بنائی۔

آزاد: وہاں کا حال نہ پوچھو شیشۂ دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ ع

آن قدح بشکست — وآن ساقی نماند

ثریا بیگم اس قدر محظوظ ہوئیں، کہ جامے میں پھولے نہ سمائیں۔ سمجھیں کہ اب پالا ہمارے ہاتھ رہا۔ کہا آخر کچھ تو کہو، ماجرا کیا ہے۔ اس گرم جوشی سے سنتے تھے اور اس سرد مہری سے پیش آئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد نے کہا عورت کی بات کا کیا اعتبار بیگم صاحب بولیں۔ واہ سب کو نہ شامل کرو۔ پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ایک ہم ہیں ایک وہ آزاد اپنے دل میں ہنسے کہ ہم نہ تم کو جانیں نہ ان کو ہمارے نزدیک دونوں یکساں ہیں مسکرا کر کہا آپ کی وفاداری میں کیا شک ہے۔

بیگم : میں تمہیں اندر بلا لیتی مگر یہ عورتیں خدا جانے اپنے دل میں کیا سمجھیں۔

آزاد : ذرا ایک جھلک تو دکھا دو۔

قانع بہ تجلّی نشود شائقِ دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتوان کرو

بیگم صاحب نے چق کے قریب ایک کرسی بچھوائی اور چھم چھم کرتی ہوئی آن کر بصد شانِ برنائی، متمکن ہوئیں۔ آزاد نے جو جمالِ عیش کا نظارہ کیا تو ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ سونے کی چڑیا ہاتھ آئی۔ کہا حضور خدا کے لیے چق اُٹھوا دیں۔ ہائے یہ گھونگھٹ کیا معنی۔

رحمتِ حق جو اٹھا دے ابھی چہرہ سے نقاب
بے گنہ دوڑیں خوشامد کو گنہگاروں کی

بیگم صاحب نے آرسی میں رُخِ انور دکھایا تو آزاد دستِ حنائی مشاہدہ کر کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

عجب رسائی ہے قسمت میں اے حیا تیری
چمن تو چھوٹ گیا دستِ نازنیں میں رہے

بیگم : اشعار بہت سے یاد ہیں۔

آزاد : اب تو اس وقت چوکڑی بھولی ہے۔

بیگم : اُف کیا کیا صدمے اُٹھائے۔ مگر خیر نیش کے بعد نوش نصیب ہو یہی غنیمت ہے۔ کہیے اب کیا حکم ہے۔

اقرار جو کیے تھے کبھی ہم سے آپ نے
کہیے وہ یاد ہیں کہ فراموش ہو گئے

آزاد : یاد ہیں۔ نہ یاد ہونا کیا معنی جب حکم ہو۔

بیگم : حقّہ بھر لاؤ آپ کے لیے۔

آزاد : اگر اجازت ہو تو اپنے مصاحب سے حقّہ منگوا لوں۔

بیگم : مصاحب سے یا خدمت گار سے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: خدمت گار کی یہ مجال نہیں کہ یہاں آسکے۔ بی عباسی ذرا ان سے کہو کہ حقّہ بھروا کرے آئیں۔

عباسی باہر گئی تو دیکھا میاں چانڈو باز پینک میں ہیں۔ شوخ اور چلبلی تو تھی ہی، کان کے پاس جاکر کہا جاگتے رہو۔ چانڈو باز چونک پڑے۔ کیوں کیوں خیر ہے۔ عباسی نے کہا گڑگڑی بھروا یئے اور لے چلیے۔ چانڈو باز خوش ہو گئے کہ اب اللہ رکھی سے ملیں گے۔ فوراً قادر کو حکم دیا کہ چلم بھروا حقّہ تازہ کرو۔ گڑگڑی ایک ہاتھ میں لی۔ دوسرے ہاتھ میں خاصدان۔ اوپر گئے گڑگڑی دے کر چق کی طرف جھکے اور کہا! آداب بجالاتا ہوں کیسے مزاج شریف اللہ رکھی صاحب۔

ثریا بیگم دھک سے رہ گئیں۔ وہ تو خیر گذری کہ عباسی وہاں پر نہ تھی ورنہ بڑی کرکری ہوتی۔ اب کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی چپکے سے چانڈو باز کو کمرے میں بلالیا اور کہا واسطے خدا کے ہمیں اللہ رکھی نہ کہنا یہاں ہمارا نام ثریا بیگم ہے۔ بتاؤ تو تم ان کے ساتھ کیوں کر ہولیے تم سے تو دشمنی تھی۔ چلتے وقت کوڑا مارا تھا۔ تمہارے خون کے پیاسے تھے۔ اب شیر و شکر کیوں کر ہو گئے۔ چانڈو باز نے کہا اب یہ کون موقع ہے۔ عرض کروں گا۔

آزاد: کیا شان خدا ہے۔ مصاحب یار پائیں یا آقا ترساتے جائیں۔

بیگم: کیوں گھبراتے ہو۔

آزاد: ہجر میں اس درجہ بے قراری نہ تھی جس قدر اب ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

بیگم: اور اس موئے مسخرے کو کہاں چھوڑا۔

چانڈو باز: وہ لڑائی پر مارا گیا۔

بیگم: اے ہے! مار ڈالا گیا۔ بڑا ہنسوڑہ تھا بیچارہ۔

راوی: آزاد مرزا کی جانے بلا، کہ وہ مسخرا کون تھا۔

بیگم: پھر اب آئے ہو تو آہی جاؤ۔

آزاد: اس کے کیا معنی؟

بیگم: (چق اٹھا کر) آؤ اب آؤ۔

آزاد خدا کا شکر ادا کر کے کمرے میں گئے۔ ثریا بیگم نے فوراً ہاتھ چوم لیا آزاد نے بھی بے جھجک دستِ نگاریں کا بوسہ لیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : اُف برسوں کے بعد آرزو برآئی۔

آزاد : ہم کس سے کہیں کہ کوہ وہامون میں بسر ہوئی۔

بیگم : ہائے افسوس آزاد! دن رات تمہارے ہی خیال میں رہتی تھی۔ مگر اب مجھے مایوسی ہوگئی تھی۔

آزاد : خدا نے مایوسی کو مبدّل بہ راحت کیا۔

عبّاسی نے دیکھا کہ آزاد مرزا داخل ہوگئے، تو کمرے میں جانا خلاف مصلحت سمجھی۔ چانڈو باز فرش کے ایک کونے پر بیٹھے، مگر ان کو حیرت تھی کہ اللہ رکھی نے اس قدر عروج کیوں کر پایا۔ اللہ اللہ کب یہ بیگم بن گئیں۔ مغلانیاں مہریاں محلدار، چوبدار، داروغہ خدمت کے لیے مقرر ہیں۔ عالیشان محل میں مزے سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ سرا کے ایک کونے میں پڑی رہتی تھیں۔

ثُریا بیگم نے اپنے پیارے ہاتھوں سے گلوریاں بنائیں، اور اپنے ہی ہاتھ سے میاں آزاد کو کھلائیں۔ آزاد دل ہی دل میں سوچتے تھے کہ خداوند ہم سے کون کار نیک سرزد ہوا جس کے جلدو میں تو ہم پر اس درجہ مہربان ہوگیا۔

صدقے اس بندہ نوازی کے ترے میں جاؤں

باپ ماں سوتے ہیں کب ایسے شفیق وہ مشفق

نہ صنم جادو جمال، نوعروس زہرہ مثال اس درجہ تپاک اور اُلفت سے پیش آتی ہے۔ کبھی اپنے دستِ حنائی سے پان و بیڑے کھلاتی ہے، کبھی ہاتھ چومے لیتی ہے۔ کبھی ہماری بے مروتی اور بے مہری کے طعنے دیتی ہے۔ حالانکہ نہ کبھی کی ملاقات، نہ جان نہ پہچان صورت آشنا تک نہیں۔ آدمی خوش اعتماد تو تھے ہی یقین واثق ہوگیا کہ کوئی کار خیر ایسا ضرور سرزد ہوگیا ہے۔ جس سے خدا خوش ہوگیا۔ چانڈو باز حیرت کی نظر سے اِدھر اُدھر دیکھتے تھے، مگر سب کے سامنے کچاچٹھا دریافت کرنا خلافِ وضع تصوّر کرتے تھے۔

ثریّا بیگم خوب واقف تھیں، کہ داروغہ مغلانیاں، مہریاں، محلدار، پیش خدمتیں، کہار، رسائیس اور دربان میں سے کوئی بھی ان کی پچھلی حالتوں سے واقف نہ تھا۔ اگر خوف تھا تو چانڈو باز سے کہ مبادا کسی روز پینک میں سارا حال بک دے نوان کی کرکری ہو، اور عزّت خاک میں مل جائے۔ آزاد سے انھیں خوف نہ تھا سمجھتی تھیں کہ میاں آزاد اس حالت میں بھی ہم پر عاشق تھے۔ اور اب بھی ان کا عشق کم نہیں ہوا ہے۔

ثُریا بیگم کو پورا پورا یقین تھا کہ آزاد جنگ روم سے واپس آکر حسن آرا کو عقد نکاح میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لائیں گے۔ جس سے قول ہارے ہیں اور وعدہ کرکے گئے ہیں۔ مگر جب آزاد کی زبانی سنا کہ وہ عزم فسخ گیا تو دل کو کسی قدر ڈھارس ہوئی۔

آزاد مرزا: زمانے کا بھی کیا انقلاب ہے۔

راوی: ثریا بیگم سمجھیں کہ بیرے او بار اور اقبال کا ذکر کرتے ہیں۔ کہاں انقلاب تو سلف سے چلا آتا ہے۔ لوگ اقرار کچھ کرتے ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

آزاد: ہائے افسوس! یوں نہیں کہتیں کہ لوگ چاہتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ اور ہے۔ تدبیر کچھ کرتے ہیں اور نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے۔

من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

اگر کل باتیں انسان کے اختیار ہی میں ہوں، تو سب کی آرزو ہی نہ برآئے۔ مگر سب باتیں اختیار میں کہاں ہیں۔

بیگم: جس بات کا نتیجہ اچھا نکلے وہی اچھی۔

آزاد: بات ہے تو یہ ہے۔

باتیں کرتے کرتے دوپٹے کو اس ادا سے سنبھالا کہ آزاد بیخود ہو گئے۔ کہا اب آج ہم گھر نہ جائیں گے۔ یہیں بستر جمائیں گے۔ ثریا بیگم نے اشارے سے جواب دیا کہ خاموش رہو۔ تھوڑی دیر کے بعد کان میں کہا۔ اک ذرا تامل کرو دو چار روز نہیں، تو دس بارہ روز میں نکاح ہوا جاتا ہے۔ جہاں اتنے دن تک خاموش رہے اب چند روز تک اور سکوت اختیار کرو، آزاد سے کبھی کی ملاقات تو تھی ہی نہیں چپکے ہو رہے۔ ہاں، نا، کا جواب نہ دیا۔ اس قدر کہا کہ جو آپ کی مرضی ہو۔ بیگم صاحب بولیں نہ۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آسان کن

آزاد نے مسکرا کر یوں جواب دیا۔

من نگویم یار کشتہ مرا
دلِ بے اختیار کشتہ مرا

چانڈو باز نے کہا خداوند یہ باتیں تو ہوا ہی کریں گی۔ اب چلیے کل پھر تشریف لایئے گا مگر پہلے بی اللہ.....

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں چانڈو باز اللہ رکھی کہنے کو تھے مگر خاموش ہو رہے۔

بیگم : ذرا سمجھ بوجھ کر۔

چانڈو باز : قصور ہوا۔

آزاد : ہم سمجھے ہی نہیں کیا قصور ہوا۔

بیگم : ایک بات ہے۔ یہ خوب جانتے ہیں۔

آزاد : پھر اب اجازت ہے۔

بیگم : اے واہ۔

میاں آزاد کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور بے اختیار یہ مصرع زبان پر آیا۔ ع

انچہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

ثریا بیگم کی دلربائی و خود نمائی و شان برنائی جوانی کی اُمنگ نے ان کے شیشہ صبر و شکیب کو چکنا چور کر ڈالا بڑی دیر تک ضبط کرتے رہے مگر آخر کار دل بے قابو ہو گیا۔ ثریا بیگم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس شعر کو ترجمانِ دل کیا۔

دل می رود ز دستم صاحب دلان خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

ثریا بیگم ان کی بے قراری دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔

آزاد : پھر اب کیا حکم ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سب گرم جوشی کا نتیجہ خدا نخواستہ خراب نکلے۔ اگر ایسا ہوا تو میں جان دے دوں گا۔

بیگم : میں تو یہ خود ہی کہنے کو تھی۔ تم میری زبان سے بات چھین لے گئے۔

آزاد : ہماری ثابت قدمی کا حال خدا ہی جانتا ہے۔

بیگم : خدا تو سب جانتا ہے، اگر آپ کی ثابت قدمی کا حال ہم سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا (مسکرا کر) یا یہ جانتے ہیں (چانڈو باز کی طرف مخاطب ہو کر) یاد ہے۔ بھول جانا کیا معنی۔

چانڈو باز : خوب یاد ہے۔ بھول جانا کیا معنی۔

بیگم : سنو میاں آزاد، اگر اب کی بھی ویسا ہی اقرار ہے جیسا پیشتر کیا تھا تو خدا ہی حافظ ہے۔

آزاد : واواہ خدا جانے اس مرتبہ کیا اتفاق ہوا۔

بیگم صاحب نے کان میں کہا۔ ہمیں اس حالت میں دیکھ کر متحیر ضرور ہوئے ہو گے کہ اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عظمت پر کیوں کر پہنچ گئی۔ اور بوڑھا یاد ہے جس کی طرف سے آپ نے خط لکھا تھا۔ وہ نیچے ٹولہ یاد ہے، وہ مہری یاد ہے۔ کس مزے سے آپ نے بوڑھے کی طرف سے خط لکھا اور کس چپکے سے ہمارے گھر کا پتا پوچھ لیا مگر دال نہ گلنے پائی۔ میاں آزاد کچھ جانتے ہوتے تو سمجھتے۔ ہاں ہاں کرتے جاتے تھے۔ کسی بات کا اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتے تھے۔ بیگم صاحب نے کہا سرا میں تم نے ہم کو نہیں پہچانا تھا۔ دوسرے دن تک میں نے بھی تذکرہ نہیں کیا۔ وہ پارسی اب کہاں چلے گئے۔

کئی دن تک خوب تماشے دیکھنے میں آئے۔ اُس لڑکے کی کتنی پیاری آواز تھی اور جو مچھلی والی۔ کی نقل کرتا تھا وہ بھی بڑا پیارا تھا۔ (ساڑھے تین پیسے مچھلی نا بیچوں گی) اور وہ بنیا کتنا بڑا مسخرہ ہے کیوں؟ اس کیوں کے جواب میں میاں آزاد خاموش ہو رہے صرف گردن ہلادی۔ ثریّا بیگم بولیں تم بھولے ہوئے ہو۔ اے وہ پارسی نہیں یاد ہیں اُونٹنی پر سوار ہو کر روزرات کو پہنچتے تھے اُف فوہ۔ وہ بات مجھے نہ بھولے گی۔ جب میں پہلے پہل اونٹ پر سوار ہوئی۔ مگر واہ کتنی پیاری صورت ہوتی ہے۔ دیکھنے سے ہنسی آتی ہے، کوئی کل درست نہیں۔ اور وہ یاد ہے جب ایک فقیر نے کہا تھا میاں بیوی کی جوڑی سلامت رہے، اور (چانڈو باز کی طرف مخاطب ہو کر) انھوں نے کہا اب میاں، بیوی نہ کہنا بہن بھائی ہیں۔ اور ہم تو اُونٹنی پر سوار چلے جاتے تھے۔

آزاد کے ہوش اُڑ گئے کہ پچھلی باتیں میں کیوں کر بتا سکوں گا۔ مگر تشفی یہ تھی کہ چانڈو باز سے بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ وہ واقف کار آدمی ہے۔ آزاد نے اسقدر البتہ کہا کہ تم تو وکیل کے پاس گئی تھیں اور ہم کو پکڑوا بلوایا تھا مگر سچ کہنا ہم بھی کس چالاکی سے بھاگ گئے تھے۔

بیگم : اور اُس کا آپ کو فخر ہے۔ شرماؤ نہ شرمانے دو۔

آزاد : (نیچی گردن کر کے) خدا جانے کیا سبب تھا۔ وہ موقع ہی اور تھا۔

بیگم : ہمارا حال سنو سرا میں جب تم کو ہم نے ڈھونڈھ نکلا اور تم ہم سے رخصت ہو کر گئے تو ایک ہفتے تک ہماری روح پر صدمہ رہا۔ کسی پہلو چین نہیں آتا تھا سوچتی تھی کہ یا خدا ایسا نہ ہو کہ آزاد اب واپس نہ آئیں اور پھر عمر بھر صورت نہ دکھائیں۔ ہائے جنگ کے میدان میں اُس ظالم کافر نے بیچارے کو کیوں بھیجا حسن آرا بیگم کو دل ہی دل میں میں نے صلواتیں سنائیں۔ کچھ دن دیوانہ پن کی حالت میں رہی اور اُسی حالت میں جوگن ہو گئی۔ مگر جوان عورت اور اللہ کی عنایت ہے۔

بیگم صاحب اس کے بعد کچھ اور کہنے کو تھیں مگر مسکرا کر خاموش ہو گئیں آزاد تو ایک کائیاں تھا۔ سمجھ گیا کہ بیگم صاحب اپنے حسن و جمال کی تعریف کرنے کو تھیں۔ کہا ہاں فرمائیے۔ فرمائیے۔ جوان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورت اور اللہ کی عنایت سے نازنین مہ جبین بیگم صاحب کسی قدر لجا کر بولیں، ہاں ہاں پھر کچھ جھوٹ ہے نہیں ہی۔ خیر اب جو گن جو ہوئی تو ایک جگہ رہنے لگی۔ سب سے الگ تھلگ، وہاں دور دور سے لوگ جوق جوق آنے لگے کوئی لڑکا مانگے۔ کوئی دولت۔ کوئی نوکری۔ عورتیں زیادہ آتی تھیں۔ ایک دن دو جوان جوان عورتیں رتھ پر سوار ہو کر آئیں زیور سے از سر تا پا لدی ہوئی تھیں۔ دونوں نوخیز۔ دونوں حسین شریف زادیاں تھیں۔ ایک نے کہا ہمارے میاں ہم سے مخاطب نہیں ہوتے۔ ادھر اُدھر جاتے آتے ہیں۔ ہزاروں روپیہ لٹاتے ہیں۔ گانون ہے نقد روپیہ ہے۔ مہاجنوں کے ہاں روپیہ جمع ہے۔ مگر ہم خوش نہیں ہیں۔ کوئی ترکیب ایسی بتایئے کہ ہمارے میاں کا ان بیسواؤں سے دل پھر جائے، دوسری نے کہا۔ میری ساس سے اور مجھ سے بالکل نہیں بنتی۔ اٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ ادھر میں نے بات کی اُدھر اُنھوں نے پٹوا لیا۔ ایک رئیس آیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے کئی دن تک مجھے دق کیا کہ ہمیں دعا دو کہ لڑکا ہمارے ہاں پیدا ہو۔ میں نے ایک چھوٹا سا دالان بنوایا ایک مہاجن نے دو دالان اور بنوا دے ایک باغیچہ تھا صاف ستھرے مکان میں ہم رہنے لگے۔

آزاد اس قصے کو بغور سنا کیے۔

بیگم: بڑا طول طویل قصہ ہے۔ کوئی کہاں تک بیان کرے ایک دن ایک سوار تھا۔

آزاد: رسالے کا سوار۔ سرکاری رسالے کا سوار تھا؟

بیگم: نہیں ایک بھلے مانس ہیں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے پاس آئے۔ اُن کی باتوں سے عشق کی بو آتی تھی۔ میں سمجھ گئی کہ ان کا دل آیا ہے باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہو گیا کہ تمہارے جانی دشمن ہیں جب تمہارا ذکر آئے فوراً چیں بہ چیں ہو جائیں اور کہیں کسی نہ کسی روز قتل ہی کر ڈالوں گا۔ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ مگر میں نے کبھی تذکرہ بھی نہیں کیا کہ میاں آزاد کے نام پر میری جان جاتی ہے چپ چاپ سنا کرتی تھی۔ مگر کئی بار میں نے ٹوک دیا کہ خبردار کسی کے قتل کا خیال دل میں نہ لانا۔

آزاد: اور مجھ سے عداوت کا سبب میں نے کیا بگاڑا ہے۔

بیگم: ایں! اے تم اُس کو بھولے جاتے ہو۔ وہی جو تمہارے سبب سے حسن آرا بیگم کے ہاں سے نکالے گئے تھے۔ یہی اُن کو خار تھا۔ اُس نے ٹھان لی تھی کہ آزاد کو نصیب اعدا قتل ہی کر ڈالوں گا۔ زندہ نہ چھوڑوں گا خیر۔ وہ ہمارے ہاں رہنے لگے تو ہم سے روز کہیں کہ نکاح پڑھوا لو۔ میں اُن سے کہہ نہ سکوں کہ میں آزاد کے نام پر جان دینے کو بیٹھی ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: اگر مل جائے تو تماشا دکھا دوں کہ نکاح کیسا ہوتا ہے۔

بیگم: کچھ دن تک تو ہماری خوشامد کرتے رہے، جو حکم دیا اس کی تعمیل کی۔ بالکل جیسے غلام۔ اللہ جانتا ہے غلامی کرتا تھا ایک دن سنا کہ حسن آرا بیگم کوٹھے پر سے گر پڑیں۔ بس بیتاب ہو کر ان کے دیکھنے کے لیے گئے۔ ریل پر ان کو بہت سا روپیہ مل گیا۔ بس اترا گئے۔ اب ہم پر حکومتیں کرنے لگے اب یہ خبط ہو گیا کہ ہمارے نے خدمت گار کو بلاؤ۔ فضل تفضل افضل آدمی نہ آدم زاد و غل مچا رہے ہیں۔ ہاتھی لاؤ۔ پالکی نکالو، فنس تیار کرو، فٹن ابھی حاضر ہو۔ یا میرے اللہ!!!۔

آزاد: یہ تو جنون کی باتیں ہیں۔ ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

بیگم: میری ناک میں دم کر دیا جان عذاب میں ہو گئی۔ آخر شش میں وہاں سے بھاگی اب قصے کو طول کون دے۔ وہاں سے ایک بیچاری استانی جی مجھے اپنے ہاں لے گئیں۔

اس آخری فقرے پر آزاد مرزا کے کان کھڑے ہوئے۔ اخاہ یہ وہ عورت ہے تھانہ دار کی زبانی اس کے حسن گلوسوز کی تعریف سن چکے تھے۔ اب ان کو اس قصے کے سننے میں اور بھی لطف حاصل ہوا بیگم صاحب نے کہا استانی جی بڑی مہربانی سے پیش آتی تھیں مگر رات کو ایک مرتبہ ان کے ہاں چوری جو ہوئی تو تھانہ دار آیا اور وہ گھر میں تھیں نہیں۔ تھانہ دار کی کہیں ہم پر نظر پڑی۔ بس لگا بے تکی بکنے مجھے اس موے نے ایسا دق کیا کہ اللہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں میں کنویں میں کودنے کو تھی مگر چلا گیا پھر آیا، میں نے منہ نہیں لگایا۔

آزاد: کوئی ذات شریف ہوں گے۔

راوی: آپ تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ کیا ننھے بنے جاتے ہیں۔

بیگم: تمہاری بدولت بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ افسوس۔

آزاد: ہم کس سے کہیں کہ ہم پر کیا گذری۔

آزاد کے دل میں خیال ہوا کہ اگر تھانہ دار سن پائے گا کہ حضرت آزاد وہاں داخل ہوئے تو دشمن ہی ہو جائے گا مگر یہ بھی ایک ہی چھٹے گرگے تھے سوچے کہ اگر تھانہ دار نے سن لیا اور ہمارے درپے آزار ہوا تو ہم بھی سمجھ لیں گے۔ اندھیرے اجالے ایک اینٹ سے کام تمام کر دیں گے۔ یاران سرپل کے نزدیک یہ کتنی بڑی بات ہے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

بیگم صاحب نے پھر قصہ چھیڑا۔ کہا وہاں سے بھاگ کر میں ایک وکیل کے ہاں رہی۔ ان کا نام تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یاد نہیں مگر اُن کے خدمت گار کا نام سلار بخش ہے۔ سلار و سلارد بھی کہتے ہیں۔ یہی سامنے تو مکان ہے۔ آزاد مرزا ان حضرت سے بھی واقف تھے۔ کئی بار اُس سیدھے سادے رونیوا بخنٹ کو چکما بھی دے چکے تھے۔ رونیوا بخنٹ نے اُن سے ایک دن بر سبیل تذکرہ کہا بھی تھا کہ آج ہی کل میں ایک پری وش کے ساتھ نکاح ہو گا۔ شبّو جان نام بھی بتایا تھا۔ آزاد نے کہا وکیل کے ہاں تم نے اپنے کو کس نام سے مشہور کیا تھا کہا شبّو جان۔ آزاد دل میں خوش ہوئے کہ خوب پتا ملتا جاتا ہے۔ جس عورت کے حسن و جمال کی اتنے عرصے سے تعریف سنتے آئے ہیں اُس کو آنکھوں دیکھا اور اسی لطف کے ساتھ دیکھا کہ وہ خود عاشق زار ہے۔

بیگم : وہاں سے بھاگ کے ہم یہاں آئے۔ ایک اور بات بھی کہنے کے قابل ہے مگر نہ کہیں گے۔ کیا ضرور ہے۔

آزاد : (گلے میں ہاتھ ڈال کر) نہیں۔ ضرور کہو ہمارا ہی خون پیے جو نہ کہے۔

بیگم : بھاگی تو راتوں رات۔ مگر راستہ نہیں معلوم۔ (آبدیدہ ہو کر) اُف! جب وہ وقت یاد آتا ہے دل بھر آتا ہے۔ اندھیری رات اور کیسی تاریکی کہ الامان الامان۔ اور میں اکیلی عورت جنگل کا واسطہ جانوروں کا خوف یا اللہ ایسی مصیبت میں دشمن بھی نہ مبتلا ہو چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچی۔

یہ کہہ کر بیگم صاحب بے اختیار رونے لگیں۔ آزاد نے قسمیں دیں اور سمجھا کر کہا گذشتہ را صلوٰۃ۔ جو ہوا وہ ہوا شکر ہے خدا نے تم کو صحیح و سالم محفوظ جگہ پر پہنچایا یہی ہزار غنیمت ہے۔

بیگم صاحب نے کل حال بیان کیا آزاد کمال متحیّر تھے اور کہانی ہی ایسی تھی۔ اگر ثریا بیگم کو معتبر نہ سمجھتے تو اس قصّے کا ہرگز یقین نہ آتا۔

آزاد : اُفوہ بڑی مصیبت اُٹھائی۔

بیگم : جان پر بن آئی تھی۔

آزاد : بارے شکر ہے۔ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

بیگم : اب اور ایک لطیفہ سنو۔ اُستانی جی ہماری سوت نکلیں۔

آزاد : (ہنس کر) ایں! یہ کہو۔ واہ وا۔

بیگم : ہمیں خود نہیں معلوم تھا۔ اُستانی جی کو بھی بڑا تعجب ہوا۔

آزاد : اُستانی جی کو میں پانچ چھ برس سے جانتا ہوں۔ بڑی نیک عورت ہیں۔

بیگم : واہ ایسی نیک پیدا کہاں ہوتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: شکر خدا کہ اس مصیبت کے بعد تم کو پایا۔ بچھڑے ہوؤں کو خدا نے ملایا۔

روز عیش وطرب ماہ صیام ست امروز
کام دل حاصل وایّام بکام ست امروز

آج تو بس وہ دن ہے کہ بادۂ احمر لنڈھائیں خود بھی پئیں اور تم کو بھی پلائیں۔

محتسب بیہدہ گو پند مدہ رندان را
کان کہ باشاہد و مے نیست کدام است امروز

بیگم: اب شبھ گھڑی نکاح ہو تو جی خوش ہو جائے۔

آزاد: انشاءاللہ۔

چانڈو باز: ہم واللہ۔ واہ بیگم صاحب کی طرف ہوں گے۔

آزاد: چاہے جس طرف ہو۔

بیگم: آپ کے توکل سے نوکر ہوئے ہمارے پرانے نوکر ہیں۔

آزاد: میں خوب واقف ہوں۔

چانڈو باز: جی ہاں کوڑا آپ ہی نے جمایا تھا۔

راوی: وہ کوئی اور ہی تھے۔

آزاد: کوڑا ابھی تک نہیں بھولے ہم بہت سی باتیں بھول گئے۔

راوی: یاد کب تھیں۔

بیگم: اے ہے۔ ابھی سے بھول گئے۔ تمہارے تو کوئی عزیز کوئی رشتہ دار تھے۔ یہ مرزا تمہارے کون ہیں۔

آزاد بیچارے کہیں تو کیا کہیں۔ خاموش ہو رہے۔ مسکرا دیا۔

بیگم صاحب نے کہا اب اس وقت کہاں جاؤ گے نیچے داروغہ صاحب کے کمرے میں سو رہو۔

آزاد نے کہا اچھا۔ اٹھنے ہی کو تھے کہ موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔

آزاد: ایں! باتوں باتوں میں تڑکا ہو گیا۔ یہ شب وصل تھی نہ اس قدر جلد ختم ہو گئی اور جو شب ہجر ہوتی تو کاٹے نہ کٹتی۔ اے لو کوّے بھی بولنے لگے۔

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کی تو بولا شب وصل
میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : بھور ہی ہوگیا مگر واہ ری رات یہ رات مدتوں بعد نصیب ہوئی۔

آزاد : پھر اب ہم کو رخصت ہونا چاہیے۔ اجازت ہے؟

بیگم : بسم اللہ۔ مگر شام کے وقت نہ آئے تو عمر بھر ملاقات نہ ہوگی۔

آزاد : خدا نہ کرے آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔

آزاد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چانڈو باز بھی اُٹھے۔ عباسی بھی انگڑائی لیتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ بیگم صاحب نے میاں آزاد کا ہاتھ چوم لیا۔ اور آزاد نے ایک بوسہ لے کر کہا رخصت۔

گاڑی باہر تیار تھی میاں آزاد گاڑی پر سوار ہوئے چانڈو باز نے کہا حضور چلیں غلام شام کو حاضر ہوگا۔ آزاد نے اصرار کیا کہ ضرور آؤ۔ ثریا بیگم نے تاکید کر دی تھی کہ تم اُن کے ساتھ نہ جانا اور اُن کو اس بات کی ٹوہ تھی کہ ہمارے ہی ساتھ چلیں۔ آزاد نے ایک نہ سُنی زبردستی چانڈو باز کو اپنے پاس بٹھا ہی لیا اور کوچبین سے کہا چلو۔ ناچار چانڈو باز کو جانا پڑا مگر غل مچا کر ڈیوڑھی والوں سے کہہ دیا کہ ہم دوپہر تک ضرور آئیں گے راہ میں میاں آزاد نے سینکڑوں ہی سوال کیے۔

آزاد : کیوں جی۔ یہ بیگم صاحب ہم کو وہی آزاد سمجھتی ہیں۔ کیا ہماری اُن کی شکل بالکل ملتی ہے۔ اس درجہ مشابہت ہے۔

چانڈو باز : حضور آپ اُن سے بیس ہیں اُنیس نہیں ہیں۔

آزاد : یہ تم نے کہیں کہہ تو نہیں دیا کہ یہ اور شخص ہے۔

چانڈو باز : واہ وا واہ۔ میں کہہ دیتا تو آپ وہاں دھنسنے بھی پاتے یہ اختلاط اور گرم جوشی کی باتیں ہوتیں؟ اب کہئے تو جا کے جڑ دوں۔ بس ایسی ہی باتوں میں تو آگ لگ جاتی ہے ہم کہہ دیں تو کھڑے کھڑے نکال دیے جاؤ۔ بس اب یہی جی چاہتا ہے کہ گاڑی سے کود پڑوں اور جا کے کہہ دوں۔ بھلا کہہ دینے سے ہم کو کیا مل جائے گا۔

آزاد : یار بڑے تیکھے آدمی معلوم ہوتے ہو مگر ان کا حال جہاں تک معلوم ہو ہم کو صاف صاف بتاؤ۔

چانڈو باز : کچا چٹھا کہہ دوں گا اُن کو تو میں عرصہ دراز سے جانتا ہوں۔

آزاد : ہمارے سوالوں کے جواب دیتے جاؤ۔

1۔ یہ کون ہیں۔ کس کی لڑکی ہیں۔ شادی ہوئی ہے یا نہیں۔

2۔ سرا میں کیوں رہی تھیں۔ کس کے پاس رہتی تھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

3۔ آزاد کون شخص تھے۔ حسن آرا کون ہیں کہاں رہتی تھیں۔
4۔ کیا حسن آرا نے آزاد کو روم بھیجا تھا۔ آزاد روم کیا کرنے گئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔
5۔ آزاد نے ان کو کیوں چھوڑ دیا۔ حسن آرا پر دل کیوں آیا۔ تم سے کیوں کر ملاقات ہوئی۔؟
بھئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر سرا میں رہیں تو اب اس قدر دولت مند کیوں کر ہوگئیں۔

چانڈو باز: اب چل کے دو چار چھینٹے اڑائیں، گرمائیں۔ حقّے کے دم لگائیں۔ تو عرض کریں۔

آزاد: (مسکرا کر) بہت اچھا۔ چلیے چھینٹے اُڑائیے۔

چانڈو باز: اب گھر کس قدر فاصلے پر ہے۔

آزاد: وہ سامنے ہے آن پہنچے۔

آزاد مرزا نے کوچ مین کو للکار کر کہا، اس پھاٹک میں چلو بس یہی مکان ہے۔ قادر نے کہا حضور بتا دیا ہے۔ گاڑی پھاٹک میں ٹھہری آزاد مرزا اترنے ہی کو تھے کہ بارہ کانسٹبلوں نے ان کو گھیر لیا۔

آزاد: (بیترا بدل کر) ایں! تم لوگ کون ؟۔

کانسٹبل: سرکاری آدمی۔

آزاد: کیا کام ہم کو کیوں روکتے ہو، ارے کوئی ہے۔ یہ کیا اندھیر ہے ہم کیا کوئی قیدی ہیں۔

جمعدار نے آگے بڑھ کر وارنٹ دکھایا اور کہا بس اب آپ ہماری حراست میں ہیں۔ ہم کو حکم ہے کہ جہاں پاؤ فوراً گرفتار کر لاؤ۔

چانڈو باز دبکے دبکائے گاڑی میں بیٹھے تھے۔ ایک کانسٹبل نے ان کو بھی نکالا اور کہا چل ساتھ تو بھی گرفتار ہو گیا ہے۔ آزاد مارے غصّے کے تھر تھر کانپنے لگے۔ دو کانسٹبلوں کو انھوں نے ٹھپر دیے تو جمعدار کے حکم سے آٹھ آدمیوں نے مل کر ان کی مشکیں کسیں اور کہا اگر اب کی پھر شرارت کی یا ہاتھ اٹھایا تو بے عزّت ہو جائے گا۔ آزاد سوچے کہ اب مقابلہ کرنا فضول ہے۔ خاموش ہو رہو۔ جمعدار سے کہا، حضرت آپ خوب جانتے ہیں، ہم شریف ہیں۔ اور شریف آدمی کے لیے اس سے زیادہ شرم کی اور کیا بات ہے کہ سرِ راہ اس مصیبت سے جائے۔ اگر تمہارے امکان میں ہو تو ہم کو اپنے ساتھ ساتھ لے چلو۔ اس طرح ذلّت کے ساتھ نہ لے چلو۔

جمعدار: حضرت! امکان میں تو کچھ بھی نہیں ہے انسپکٹر صاحب سے آپ سے دشمنی ہے۔ انھوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکم دیا ہے کہ جس ذلّت کے ساتھ لاسکو لاؤ۔ ذرا رحم نہ کرنا۔

آزاد: خیر۔ آپ تو دھر ہی لیے گئے اگر بچے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

جمعدار: انھیں باتوں سے تو یہ دن دکھا ہے۔

آزاد: پھر اب تو جو ہوا وہ ہوا، خیر سمجھا جائے گا۔

جمعدار: چلیے چلیے۔ ایک بات میں البتہ رعایت کرسکتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ کے ہاتھ کھول دوں مگر خرابی یہ ہے کہ آپ آدمی شریر ہیں بھاگنے کی کوشش ضرور کیجیے گا۔

آزاد: کیا مجال۔ بھاگ کے جاؤں گا کہاں۔

جمعدار: اچھا کھول دو بھئی۔

کانسٹبل: جمعدار صاحب کھول دوں۔

دوسرا: صاحب یہ کسی کے مان کے نہیں ہیں۔

تیسرا: دس بارہ آدمیوں کو تو یہ کچل کے دھر دیں گے۔

اتنے میں چانڈو باز نے کہا۔ جمعدار صاحب ہم کو اتنا تو بتا دیجیے کہ ہم کس جرم میں دھرے گئے کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ پھر ہم جو مصیبت میں گرفتار ہوئے تو کیوں ہوئے۔ ہائے ہماری کوئی نہیں سنتا۔

جمعدار نے کہا ہاں بھئی اس بیچارے نے کیا کیا، اس کو چھوڑ دو۔ حوالدار بولا خداوند اس کے نام کا بھی وارنٹ ہے۔

چانڈو باز: ہمارا نام کیا ہے؟

جمعدار: نام وارنٹ میں دیکھو۔

چانڈو باز: ہاں بس نام بتاؤ۔ مگر تم کہو گے جھوٹ نام بتایا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ قلم دوات کاغذ دے دو۔ ہم اپنا نام لکھ دیں۔

جمعدار: کیا خوب اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ اپنا صحیح صحیح نام لکھیں گے۔

کانسٹبل نے کہا حضور اس میں دولت خاں لکھا ہے۔ چانڈو باز سر پیٹنے لگا۔ دولت خاں کس کمبخت کا نام ہے۔ ہمارا نام جعفر علی خاں ہے۔ دولت خاں کہیں اور رہتے ہوں گے۔

الغرض تھانے پر پہنچے انسپکٹر نے سر ہلا کر کہا آئیے۔ میاں آزاد مزاج شریف۔ بہت دن کے بعد آج آپ نظر آئے۔ آزاد کے دل میں آئی کہ اُٹھ کر دو ایک لگائیں۔ مگر جھجکے۔ پھر انسپکٹر نے چھیڑنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے کہا۔ آج آپ کہاں بھول پڑے ۔ آزاد نے مسکرا کر کہا۔ مزاج پرسی کے لیے آئے ہیں۔ انسپکٹر ہنسے ۔ میاں آزاد ۔ دیکھو ہم کیا کہتے تھے ۔ وہی ہوا نہ۔ بس اب کان پکڑو ۔ خبردار اب ہمارا مقابلہ نہ کرنا۔ سمجھے تم لاکھ کائیاں اور شریر ہو۔ تو کیا ہوا۔ ہم پولیس کے لوگ ہیں۔

آزاد نے بگڑ کر کہا۔ اپنا کام کرو تم ہو کیا بیچارے ۔ جب روبکاری ہوگی تب دیکھا جائے گا۔ ہم سمجھ گئے کہ کس فرضی جرم میں تم نے ہمیں پھانسا ہے۔ اچھا فہمیدہ خواہد شد۔ خیر کیا مضائقہ ۔

آزاد مرزا تھوڑی ہی دیر کے بعد حوالات میں تھے ۔ چانڈو باز مفت میں دھر لیے گئے ۔ آزاد تو اپنے قصور سے بخوبی واقف تھے، مگر چانڈو باز بیچارہ آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا۔ سپاہیوں کو بھی اس پر رحم آتا تھا۔ انسپکٹر نے دل لگی کی باتیں کرنا شروع کیں ۔

انسپکٹر : کہیے میاں آزاد صاحب کیا کھانا پکے ؟

آزاد : میں تو خونِ جگر پیتا ہوں اور غم کھاتا ہوں ۔

انسپکٹر : خدا مبارک کرے ۔

آزاد : کیا مرے ہوئے سے دل لگی کرتے ہو ۔

انسپکٹر : موے پر سو دُرّے ۔

آزاد : ناحق پٹو گے اس وقت۔ کیوں شامتیں آئی ہیں۔

انسپکٹر اور میاں آزاد مرزا میں کچھ عرصے تک گلچھپ رہی۔ چانڈو باز کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ ہائے چانڈو پینے کا وقت آیا اور چانڈو ندارد۔ جناب انسپکٹر صاحب واسطے خدا کے ذرا سی افیم ہی دے ڈالیے، تو جی اُٹھیں۔ ورنہ مردے سے بدتر تو ہیں ہی ۔

انسپکٹر : ابھی کیا ہوا ہے۔ ابھی دیکھتے جاؤ کیا کیا مصیبتیں جھیلو گے ۔

آزاد : ہاں ان کو دھمکا لو۔ یہ تمہاری دھمکی میں آجائیں گے مگر ہم نے پیش نہ پاؤ گے۔ ہم تو تمہاری کچھ حقیقت ہی نہیں سمجھتے ۔

انسپکٹر : تمہارا دل ہی جانتا ہوگا زبان سے کہنے سے کیا مطلب نکلتا ہے ۔

آزاد : جس جس شخص سے تم نے ناجائز طور پر دھمکا دھمکا کر روپیہ لیا ہے۔ اُس کو پیش کروں گا۔ تم بھاگ کے جاؤ گے کہاں بھلا ۔

انسپکٹر : (مسکرا کر) درست۔ آپ ایسے ہی ہیں۔ کیا کہنا ہے۔

آزاد : وہ اُس دن کون تمہارے پاس آئے تھے۔ ہم سے اڑتے ہو۔ کچا چٹھا سناؤں۔ تو سہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ذب کر رہنے والے اور ہوتے ہیں۔

انسپکٹر: رسّی جل گئی مگر رسّی کا بل نہ گیا۔ کیوں؟

آزاد: خیر۔ اب اس ٹھائیں ٹھائیں سے کیا مطلب اب تو تمہارے بس میں ہیں۔ مگر جس دن چھوٹے اُسی دن تمہاری خیر لے لیں گے۔ (مونچھوں پر تاؤ دیکر) انشاء اللہ۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ ایک شاگرد اس کے لیے کافی ہے چٹکیوں میں کام انجام پائے۔ یوں (چٹکی بجا کر) یوں یوں۔

انسپکٹر: تم لاکھ غصّہ دلاؤ ہمیں تمہاری باتوں کا ذرا جو خیال ہو۔ خصوصاً اس وقت ہمارے امکان میں ہے کہ تم کو کھانا نہ دیں پانی نہ دیں بھوکا پیاسا رکھیں۔ بیٹیں ٹھونکیں۔ مگر یہ سپاہی پن کے خلاف ہے۔ وہ جوان مرد نہیں جو ایسا کرے۔ جواں مردی اور جیالا پن اور شریر اور ایسے بے بس کو دق کرنا اور شئے۔ بودا پن اسی کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو پکڑ پایا اور پریشان کرنے لگے۔

آزاد: آپ کی نوازش کا شکریہ۔ کمال عنایت کی۔

انسپکٹر: مگر تم بڑے شریر آدمی ہو پرلے سرے کے بدمعاش۔

آزاد: اور تم کتنے سیدھے سادھے آدمی ہو کیوں؟

انسپکٹر: اب ہماری سادگی تو اس سے ظاہر ہے کہ تم ہمارے تھانے پر آن کر ہمیں کو گالیاں دیتے ہو۔

آزاد: یہ ہمارا جیالا پن ہے۔

آزاد مرزا نے اس قدر جرم کیے تھے کہ اُس کا شمار کرنا خود آزاد مرزا کے امکان سے خارج تھا۔ ایک جرم سرزد ہوا ہوتا تو یاد رہتا۔ دو جرم ہوتے تو خیال میں آتے۔ دس جُرم کیے ہوتے تو اُن پر غور کرتے۔ جب سال کے 365 دن میں ایک لاکھ تین سو پینسٹھ جرم سرزد ہوں تو کہاں تک گنے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس خاص جرم میں ماخوذ ہوئے، اب پوچھیں تو کس سے۔ انسپکٹر سے جانی دشمنی۔ جمعدار سے عداوت۔ تھانہ دار خون کا پیاسا۔

چانڈو باز: بھائی جوانو۔

کانسٹبل: بیٹھے رہو۔ چُپ چاپ۔ بک بک نہ کرو۔

چانڈو باز: ارے یارو۔ ذرا چانڈو پلواؤ دو بھائی۔

کانسٹبل: اور سُنو۔ چنڈو مانگتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا: (ہنس کر) نشہ باز جوان ہیں کوئی۔ کیا چانڈو پیو گے۔

چانڈو باز: آخر اتنے آدمیوں میں کوئی چانڈو باز ہے یا سب کے سب — روکھے پھیکے ہی ہیں۔ اے توبہ۔

تھانہ دار: اگر آج چانڈو نہ ملے تو کیا ہو۔

چانڈو باز: مر جائیں۔ اور کیا ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔

تھانہ دار: اچھا۔ بھلا دیکھیں کیوں کر مر جاتے ہو۔

چانڈو باز: واہ اچھی دل لگی ہے دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا دم نکل جائے آپ کے نزدیک —— ہنسی ٹھٹھا ہے۔

تھانہ دار: کوئی شرط بدتا ہے۔

کانسٹبل: حضور سے کیا شرط بدیں کوئی اور بدے تو بدتے ہیں۔

انسپکٹر: کیا شرط ہے۔

تھانہ دار: ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کو چانڈو نہ ملے تو یہ مر جائے۔ اور یہ کہتے ہیں نہ مرے۔ دو دو روپیہ بدتے ہیں۔

انسپکٹر: ہم بھی بدتے ہیں۔ اگر نہ ملے گا تو یہ مر نہ جائے گا۔

کانسٹبل: تو ہمیں چھٹیل رہے۔

چانڈو باز: (حسرت سے) اے واہ رے مقسوم۔ سمجھے تھے اللہ رکھی کے ہاں اب چین کریں گے۔ چین تو رہا بالائے طاق قسمت یہاں لے آئی۔

تھانہ دار: اللہ رکھی کون؟

چانڈو باز: اجی کوئی ہوں گی۔ اس وقت آنکھوں میں اندھیرا سا چھایا ہے۔ چوندھیایا ہوا ہوں۔ کچھ سوجھ ہی نہیں پڑتا۔

تھانہ دار: اللہ رکھی کون ہیں۔ یہ بتا دو تو ابھی چانڈو منگوا دوں۔

چانڈو باز: نہ منگوا دیجیے۔ کیا ہو گا کیا۔ مریں گے تو نہیں ہم۔ اتنا خوب جانتے ہیں مگر ہاں قریب المرگ ہو جائیں گے۔

تھانہ دار: لو اور بدو۔ اب تو ہارے یا نہیں ہارے۔

کانسٹبل: ارے لاحول ولا قوۃ۔ حضور دو روپیہ گئے۔ بڑا افسوس ہوا۔ یہ کمبخت پہلے نہ بولا۔ اب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتا ہے۔ کاش کے پہلے ہی کہا ہوتا۔ پہلے زبان سے نہ نکلا۔ اب کہنے چلے ہیں۔

چانڈو باز: اگر رحم ہو تو ذرا سا چانڈو پلوا دو۔

انسپکٹر: (ڈپٹ کر) چپ رہو۔ کیسا چانڈو۔

تھوڑی دیر کے بعد تھانہ دار نے چپکے سے افیم کی ایک گولی دی، اور کہا خبردار! انسپکٹر صاحب سے نہ کہنا۔ چپکے کھا لو۔ چانڈو باز کی جان میں جان آئی۔ تھانہ دار کا شکریہ ادا کیا۔ افیم سے ڈھارس ہوئی۔ کہا بھائی جان آج سے ہم تمہارے عاشق ہو گئے۔ اب جو کام کہو مُستعد ہیں۔ چاہے جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ تھانہ دار نے کہا بس ہمیں اس قدر بتا دو کہ یہ اللہ رکھی کون ہیں۔ جن کا تم نے ابھی نام لیا۔ چانڈو باز کہے تو کیا کہے، اور بولے تو کیا بولے۔ سُسٹ مار کر خاموش ہو رہا۔ تھانہ دار نے پھر چھیڑا کہ کیوں حضرت یہ ہم نے آپ کے ساتھ سلوک کیا، اور آپ اُس کا یہ بدلہ دیتے ہیں۔ سچ ہے۔ نیکی کا زمانہ ہی نہیں۔ خیر فہمیدہ خواہد شد۔ چانڈو باز نے کہا فلاں سرا میں ایک عورت رہتی تھی۔ اللہ رکھی اُس کا نام تھا۔ اللہ رکھی کی ایک چھوٹی بہن تھی۔ پیاری اُس کو ہم پڑھایا کرتے تھے۔ اب وہ یہاں سے دو کوس پر ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ نہایت خوبصورت ہے۔

تھانہ دار: بھلا اُستانی جی سے بھی اُن کو کچھ تعلق ہے یا نہیں؟

چانڈو باز: اُستانی جی کون۔ میں نے نام بھی نہیں سُنا۔

تھانہ دار: واللہ خیر۔ مگر اُستانی جی تو مشہور عورت ہیں۔

چانڈو باز: وہ اُستانی جی کے ہاں نہیں جانے والی تھیں۔ دن رات سرا میں رہتی تھیں۔ اللہ رکھی نام تھا۔

تھانہ دار: جوگن بھی ہو گئی تھیں۔

ناظرین غالباً سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ تھانہ دار کون ذات شریف ہیں۔ یہ وہی تھانہ دار ہیں، جو اُستانی جی کے ہاں آئے تھے۔ جنھوں نے چوری کی تحقیقات کی تھی۔ جو جوگن پر عاشق ہوئے تھے۔ ان کو ٹوہ تھی کہ جوگن بھاگ کے کہاں چلی گئی۔ ثریا بیگم کے محل کی طرف سے کئی بار گئے۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ وہ جوگن یہی ہیں۔

الغرض آزاد مرزا اور چانڈو باز حوالات بھیجے گئے۔

اب سُنیے کہ شام کے وقت ثریا بیگم سولہ سنگار کرکے، بن ٹھن کر بیٹھیں تھیں۔ ہر دم انتظار تھا کہ آزاد اب آئے، اور اب آئے۔ عباسی روانہ ہو ہی چکی تھیں۔ عباسی دوا جی کے مکان پر گئیں۔ دوا جی نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہا آج میرے سر میں درد ہے تم خود ہی جاؤ۔

عباسی : اوئی۔ اللہ نہ کرے ہم تو اکیلے نہ جائیں گے۔

دواجی : ایں! وجہ!

عباسی : آپ تو غضب کرتی ہیں۔ جوان جہاں عورت، پرائے مردوں میں کیوں کر بے دھڑک چلی جائے۔ جان نہ پہچان خالہ جی سلام۔

دواجی : ہم تو کئی باری ہو آئے ہیں اور اکیلے گئے۔

عباسی : تو آپ جہاندیدہ ہیں۔ میں جوان ہو کے ایسی بیدھڑک نہیں ہونا چاہتی۔ وہاں جو بوڑھی ہوتی تو کچھ اندیشے کا مقام نہ تھا۔

دواجی : اتنا تو سمجھو کہ اپنی بیگم صاحب کے چاہتے شوہر کے پاس جاتی ہو، وہ کیا کچھ دوانے تھوڑا ہی ہیں۔ جاؤ جاؤ۔ ڈر کا ہے کا ہے۔

عباسی : دواجی۔ ہمارا تو قدم نہیں اُٹھتا۔

دواجی : اچھا ڈولی منگواؤ۔ اس قدر کا درد ہے کہ سر پھٹا پڑتا ہے۔ مگر تم مانتی ہی نہیں ہو۔ ہاری مانو نہ جیتی۔

دونوں ڈولیوں پر سوار ہوئیں، اور چلیں۔ پھاٹک پر پہنچیں تو بند۔ دواجی نے کہا۔ اے کہارو۔ ڈولی کیوں رکھ دی۔ قادر کو پکارو۔ کسی خدمت گار کو بلاؤ۔ جا کر آواز تو دو۔ موئے سڑی سنتے نہیں۔ کہار نے کہا اجی حضور کوئی بولے بھی جب۔ کوئی ہے۔ اس مکان میں کوئی ہے۔ ایک آدمی نے اندر سے پوچھا کون۔ تم کون۔ کہاروں نے کہا کھول دو۔ پھاٹک کھلا۔ ڈولیاں اندر گئیں۔ دواجی نے کہا پردا کراؤ۔ ہم لوگ اُتریں گے۔

ایک شخص نے اوپر سے پوچھا آزاد مرزا کے پاس آئی ہو نہ۔ دواجی ہیں۔

دواجی : جی ہاں۔ بندگی مرزا صاحب۔

مرزا : بندگی۔ آئیے۔ یہاں آئیے؟ تو مصیبت کا حال کہوں۔

دواجی : یا خدا خیر کیجیو۔ اے میاں مصیبت نصیب اعدا کیسی۔ (ڈولی سے اُتر کر) آؤ عباسی۔ ہاں حضور فرمائیے تو۔

مرزا : کوٹھے پر آئیے۔

مرزا صاحب نے دواجی اور عباسی کو بٹھایا اور کہا کیا عرض کروں وہ تو قید ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی : (چونک کر) کیا!!! ارے!!!
عبّاسی : (ہاتھ ملکر) ہے ہے۔ یہ ہوا کیا۔
مرزا: ستم ہوا اور کیا بتاؤں۔ کیسا لائق۔ پڑھا لکھا آدمی۔ فہمیدہ۔ متین۔ سنجیدہ۔ مگر اتفاق۔
عبّاسی : اب ہم کیا مُنہ لے کے جائیں۔
دواجی : سنّاٹا ہو گیا۔
مرزا: شب کو کہیں گئے تھے۔ صبح کو بگھی دروازے پر آئی۔ اُترنے ہی کو تھے کہ کانسٹبلوں نے جھپٹ کر گھیر لیا۔
دواجی : وجہ؟ کیا چوری چکاری کی خدانخواستہ۔ کسی کو قتل کر ڈالا کسی کا گھر پھاندے۔ شریف زادوں رئیس زادوں کو تھانہ والے کیوں کر راہ چلتے پکڑ سکتے ہیں۔
مرزا: خدا جانے کیا بات ہوئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔
عبّاسی : اب میں جا کے کہوں کیا۔
دواجی : بیگم صاحب کو بڑا قلق ہو گا۔
عبّاسی : قلق! اے اللہ نہ کرے وہ تو جان دینے پر آمادہ ہو جائیں گی۔
دواجی : ہم کو بھی ساتھ لے چلنا۔ بھلا آپ کو کچھ قصور معلوم ہے۔ آخر پولیس والے کیوں پکڑ لے گئے۔ قصور کیا ہوا تھا۔ کچھ معلوم تو ہو دوڑ دھوپ کیجیے۔ گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا ہو گا۔
مرزا: ابھی ایک کونسلی کے ہاں سے آتا ہوں۔ بڑے مشہور بیرسٹر وکیل ہیں۔ غافل نہیں ہوں۔
عبّاسی : اُف۔ یہ کیا ہوا۔
دواجی : کیا سے کیا ہو گیا۔ سوچے کچھ تھے ہوا کچھ۔
مرزا: جی ہاں۔ پھر یہ تو قاعدہ ہی ہے۔

من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کند فلک راچہ مجال

انسان کچھ کرتا ہے اور فلک تفرقہ پرواز کچھ کرتا ہے۔

راوی : بجا ارشاد ہوا۔ سارا قصور فلک ہی کا ہے۔
دواجی : آپ سے اور آزاد مرزا سے تو قریب کی رشتہ داری ہے۔
مرزا: لڑکا ہے میرا بھتیجا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دواجی : آپ کا کیا نام ہے؟

مرزا : محسن مرزا۔

عباسی اس درجہ ملول تھی کہ بے اختیار رونے لگی محسن مرزا اور دواجی نے سمجھایا کہ اللہ نے چاہا تو آزاد کل ہی پرسوں تک۔ بخیر و خوبی چھوٹے آتے ہیں۔ گھبرانے کی کیا بات ہے۔ عباسی بولی دواجی ہماری بیگم صاحب سن پائیں گی تو بس مردے سے بدتر ہو جائیں گی۔ آزاد اُن کی جان ہیں۔ قید اور حوالات کا نام سنتے ہی کانپ اُٹھیں گی۔ مگر خیر جو اللہ کی مرضی ہو۔ میں جا کے کہوں کیا۔ ہائے غضب۔

دواجی : جھوٹ بولو۔ بہانہ کرو۔ کہو حضور آج اُن کو تپ چڑھی ہے۔ کہا ہے اگر ممکن ہوا تو دس بجے شب کو آؤں گا ورنہ کل بس اسی طرح ٹال دو۔

عباسی : تا بکے۔ آخر یہ کب تک۔

دواجی : اے ہے تو کیا تب تک آزاد مرزا آ نہ جائیں گے۔

عباسی : اچھا تو ہے بہتر۔

مرزا : ہاں یہ ترکیب اچھی ہے۔ مگر کون بیگم صاحب۔

دواجی : (مسکرا کر) حضور کے بھتیجے مثل لڑکے کے ہیں۔ حضور سے ہم نہ کہیں گے۔ معاف کیجیے گا۔

مرزا : دواجی دعا مانگو کہ عزت رہ جائے۔

دواجی : آمین۔ آمین۔ آمین۔

عباسی : آمین۔ اللہ اُن کی آبرو رکھے۔

آزاد مرزا کی کارستانیاں

ناظرین کو حیرت ہوگی کہ آزاد مرزا اس جرم میں ماخوذ ہوئے۔ دواجی کا اُن کے گھر میں آنا کوئی جرم نہیں ہے۔ ان کا ثریا بیگم کے پاس جانا داخل گناہ نہیں۔ پھر اہل پولیس ان کو کیوں گرفتار کر لے گئے۔

آزاد مرزا نے مختلف عہدوں پر کئی ضلعوں میں نوکریاں کیں۔ ایک ضلع میں صاحب ڈسٹرکٹ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ان کو دفعتہً انسپکٹر مقرر کر دیا۔ اور پیشی کا کام ان سے لینے لگے۔ ایک روز آزاد مرزا صاحب کے بنگلے پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے کہ شیطان نے ان کو ورغلانا شروع کیا۔ کمرے سے اُٹھ کر شاگرد پیشے میں گئے۔ وہاں غل مچا کر بیرا کو پکارا، اور کہا صاحب بولتے ہیں کہ تم ابھی جا کے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دو کہ صاحب کے ہاں لڑکا ہوا۔ آپ کو جلد بُلایا ہے۔ اُدھر سے بارک ماسٹر صاحب کو بھی لیتے آنا۔ اگر چھوٹے صاحب دورے سے آئے ہوں تو اُن کو بھی اطلاع دو کہ صاحب نے جلد بُلایا ہے۔ بیرا کو کیا معلوم کہ یہ حضرت کی بٹی ہوئی ہے۔ معتبر متین آدمی۔ پولیس کے انسپکٹر صاحب کے مزاج میں درخور صاحب سے دریافت کرنے کی اِس نے اصلا ضرورت نہ دیکھی۔ ڈاکٹر صاحب کے بنگلے پر گیا۔ جھک کر سلام کیا اور کہا حضور صاحب نے یاد کیا ہے۔ سلام یاد ہے، اور کہا بولو کہ ہمارے ہاں لڑکا ہوا آپ جلد آئیے۔

ڈاکٹر صاحب کے کان کھڑے ہوئے۔ پوچھا کن صاحب کے ہاں لڑکا ہوا۔ کپتان صاحب کے ہاں! ابھی چوتھا مہینا ہے کہ ان کے ہاں لڑکا ہو چکا۔ اب کیوں کر لڑکا ہوا۔ اس پر بیرا بھی چکرایا۔ کہا حضور یہ تو سچ ہے، مگر مجھ سے انسپکٹر صاحب نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب نے کپڑے پہنے، اور حکم دیا کہ بگھی نکالو۔

یہاں سے بیرا حکم کے مطابق بارک ماسٹر کے ہاں گیا۔ آدمی کی زبانی کہلا بھیجا کہ صاحب کے ہاں لڑکا ہوا۔ آپ کو جلد بُلایا ہے۔ میم صاحب باہر نکل آئیں، کہا صاحب ہوا کھانے گیا ہے ہم چلتے ہیں۔ مگر بیرا کی تقریر میم صاحب کی سمجھ میں نہ آئی۔ حیرت تھی کہ چار مہینے کے بعد لڑکا کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے۔

یہاں سے بیرا چھوٹے صاحب کے بنگلے پر پہنچا۔ صاحب ٹہل رہے تھے۔ بیرا نے ان سے بھی پیغام کہا۔ چھوٹے صاحب آدمی ٹھٹھول اور زندہ دل تھے، بیرا کو بنانے لگے۔

صاحب: ول۔ کیا ہوا۔ صاحب کے گھر میں لڑکا ہوا۔

بیرا: حضور۔ کہا ہے ڈاکٹر صاحب کو بلاؤ اور بارک ماسٹر صاحب کو اور چھوٹے صاحب کو بھی! آؤ۔ میں حاضر ہوا۔

صاحب: (ہنس کر) تم ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تھا یا پہلے ہمارے ہی پاس آیا۔

بیرا: حضور پہلے ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تھا وہ تو پہنچ گئے ہوں گے۔

صاحب: اور پھر ڈاکٹر صاحب نے تمہارے دماغ کا علاج کیا یا نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیرا: صاحب میں سمجھا نہیں حضور !

صاحب: چار مہینے کے بعد عورت کے بچّہ پیدا ہوتا ہے ؟ بولو۔

بیرا: حضور یہاں پر میں بھی قائل ہوگیا مگر صاحب نے پولیس کے انسپکٹر کی زبانی کہلا بھیجا تھا۔

راوی : آدمی معتبر تھا۔ پھر یقین کیوں کر نہ آتا۔

صاحب: ہماری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا بک رہے ہو۔ اچھا ہم چلتے ہیں۔ صاحب نے لکڑی لی اور چلے۔

اب سنیئے کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کی گاڑی پہنچی۔ گاڑی سے اترتے ہی کہا۔ صاحب کہاں ہے۔ کپتان صاحب کمرے سے نکل آئے۔ ہاتھ ملایا۔ کمرے میں لے گئے ڈاکٹر صاحب نے پوچھا لڑکا ہوا یا لڑکی؟ پتان صاحب جواب دینے ہی کو تھے کہ بندوق کی آواز آئی۔ ایں یہ بندوق کس نے داغی۔ صاحب کے نوکروں میں ایک شخص بہت پرانا ملازم تھا۔ صاحب کا منہ چڑھا۔ اس نے کہا حضور ہم لوگوں میں قاعدہ ہے کہ جب کسی کے ہاں لڑکا ہوتا ہے تو بندوق داغتے ہیں۔ صاحب نے پوچھا کس کے ہاں لڑکا ہوا۔ اس نے کہا حضور کے ہاں۔

یہ کہہ کر پھر بندوق داغی۔ ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے بولے آخر یہ بات کیا ہے۔ لڑکا کیونکر پیدا ہوا۔

صاحب: ہم سمجھتے ہی نہیں کہ تم نے کیا کہا، اور ہمارے نوکر نے کیا کہا۔ لڑکا کس کے ہاں پیدا ہوا، یہ ماجرا کیا ہے۔ لڑکا کیسا؟۔

ڈاکٹر : تمہارا بیرا ہمارے پاس آیا۔ کہا صاحب کے ہاں لڑکا ہوا ہے چلیے آپ کو جلد بلایا ہے۔ میں چلا آیا۔

اتنے میں ڈسٹرکٹ انجینئر صاحب کی میم صاحب آئیں۔ گاڑی سے اتریں۔ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ ڈل ابھی ہمارے پاس تمہارا ایک سردار آیا اس نے ایسی بات کہی جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ڈاکٹر صاحب مسکرانے لگے چپکے سے کہا۔ لڑکا پیدا ہونے کی خبر تھی نہ۔ صاحب خاموش ہو رہے۔

اب سنیئے کہ چھوٹے صاحب بھی ڈنڈا لے کر موجود۔ چھوٹے صاحب کا نام وال تھا۔

وال : ڈل اسمتھ (کپتان صاحب) خیریت ہے ہم نے اس وقت ایک انوکھی بات سنی۔ جو نیچر کے خلاف ہے۔ گوڈ مارننگ ڈاکٹر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈاکٹر : (ہنس کر) معلوم ہوتا ہے کہ بیرا شہر بھر میں کہہ آیا کہ صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس بیرا کو بلاؤ۔ پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔

وال : میں نے کئی بار کہا کہ تم سٹری ہو۔ کہا نہیں حضور ڈاکٹر صاحب کو بھی بلایا اور آپ کو بھی۔

اتنے میں کپتان صاحب کی بیوی مسز استھ ہوا کھا آئیں۔ آتے ہی قہقہہ پڑا۔ وال صاحب اور کپتان صاحب اور ڈسٹرکٹ انجینیر صاحب کی میم نے مل کر خوب قہقہہ لگایا۔ میم صاحب دنگ کہ یا خدا یہ کیا اصرار ہے۔ کمرے میں اچھی طرح قدم بھی نہیں رکھا اور ان لوگوں نے فرمایشی قہقہہ لگانا شروع کیا۔

وال : بیٹھیے۔ بیٹھیے۔ جب سُنیے گا تو سخت حیرت ہو گی۔

میم صاحب : آج تم سب کے سب کو ہوا کیا ہے۔

وال : پاگل ہو گئے ہیں۔ ایک سرے سے سب کو سودا ہو گیا۔ اور اس قدر اثر پہنچا کہ بیرا تک سٹری ہو گیا۔

اس پر بھی ایک فرمایشی قہقہہ پڑا۔

میم صاحب : اب ہمیں بتا دو؟

بارک ماسٹر کی میم نے کان میں کہا تمہارا بیرا زمانے بھر میں کہہ آیا کہ صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ میرے ہاں گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں گیا۔ وال کے ہاں گیا۔ ہم سب کو خوف تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ یہاں جو آئے تو سنا تم ہوا کھانے گئی ہو۔ یہ اُس کو سوجھی کیا۔ میم صاحب آگ ہو گئیں حکم دیا کہ بیرا کو لاؤ۔ وِل تم کہاں کہاں گیا تھا۔ بیرا نے کہا۔ حضور ہم سے انسپکٹر نے کہا کہ صاحب بولتا ہے ڈاکٹر صاحب کے پاس جاؤ اور بولو ہمارے ہاں لڑا ہوا۔ آپ آئے اور بارک ماسٹر صاحب کو بلالاؤ۔ اور اُدھر ہی سے چھوٹے صاحب کو بلاؤ۔

میم صاحب : وہ کون انسپکٹر آف پولیس ہے؟

صاحب : ایں!او آزاد مرزا نے کہا؟

بیرا : ہاں ہاں حضور وہ خوبصورت سے آدمی۔ کثرتی جوان۔

صاحب : اسے کمرے سے بلالاؤ۔ کہو ابھی صاحب نے بلایا ہے۔

بیرا : حضور وہ تو۔ وہاں نہیں ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب: جہاں ہوں فوراً بلاؤ۔ اور کہو ابھی ابھی آئے۔

وال: ہیلو! یہ وہ آزاد مرزا ہے جس نے کچہری کے سب جوتے دریا میں ڈال دیے تھے۔

آزاد مرزا کی حرکتوں سے حُکام تک واقف تھے۔ مگر ان کی لیاقت اور ان کے حسن اور جادو بھری تقریر کا وہ اثر تھا کہ حاکم چاہے جس قدر ناراض ہو یہ راہ پر لے ہی آتے۔ لیکن انھوں نے قسم ہی کھائی تھی کہ چاہے کوئی حکم پھانسی ہی کا دے ہم بغیر مذاق اور دل لگی کے نہ رہیں گے۔

ایک مرتبہ صدر منصرمی کی حالت میں صاحب مہتمم بندوبست اور ایک ہندوستانی ڈپٹی صاحب اور خود بدولت گھوڑوں پر سوار کسی گاؤں میں تحقیقات کے لیے جاتے تھے۔ اثنائے راہ میں آپ نے یہ دل لگی کی کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور چھوڑ دیا۔ گھوڑا انتہا کا شریر تھا۔ معاً ڈپٹی صاحب کے گھوڑے کے قریب پہنچا۔ ڈپٹی صاحب ضعیف الجثہ مہین آدمی۔ انھوں نے جو دیکھا کہ بلا سر پر آگئی تو چاہا کہ گھوڑے سے اتر پڑیں مگر اترنے کے قبل ہی دونوں گھوڑے لڑنے لگے۔ اور ڈپٹی صاحب بڑے زور سے ایک کھیت میں گرے۔ صاحب نے پیچھے پھر کر دیکھا تو لوگوں کو پکارا۔ خود گھوڑے سے اترے حکم دیا کہ دونوں گھوڑوں کو پکڑ لو۔

آزاد: (ڈپٹی صاحب سے) کیوں حضور چوٹ تو نہیں آئی۔

ڈپٹی: ٹانگ میں بہت چوٹ آئی وہ تو کہیے خیر گذری کہ کھیت میں گرا ورنہ اگر پکّی سڑک ہوتی تو ہڈّی پسلی ٹوٹ جانے کا خوف تھا۔

آزاد: (اپنے دل میں) چوک گئے۔ خیر اب کی سہی۔ اس مرتبہ انشاءاللہ ایسی جگہ گرے جہاں سے اٹھنا ہی محال ہو۔

صاحب: یہ ہوا کیا۔ آپ کیوں کر گرا ڈپٹی صاحب؟

ڈپٹی: میں آہستہ آہستہ گھوڑا چلاتا تھا۔ صدر منصرم صاحب کو شاید گھوڑے نے پھینک دیا۔ یہ اتر پڑے۔ بس گھوڑا میرے گلے پر آن پہنچا۔

آزاد: بہت بچے۔ نہیں تو خدا جانے کیا کا کیا ہو جاتا۔

صاحب: (مسکرا کر) ہم جانتے ہیں، یہ انھیں کی شرارت ہے۔ گھوڑا تو شریر ہے ہی، مگر یہ بھی کچھ کم شریر نہیں ہیں۔

آزاد مرزا کے اصول ساری خدائی کے اصول سے جداگانہ تھے۔ انھوں نے مختصر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ جس میں مختلف امور کی نسبت سوال و جواب تھے۔ رسالہ قابلِ دید ہوگا۔ مگر ہمیں اس کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مختصر حال معلوم ہوا ہے۔ ہر ایک سوال کا جواب آزاد مرزا کا ترجمانِ دل ہے۔

سوال : سب پیشوں میں افضل اور اشرف کون پیشہ ہے ؟

جواب : چوری کرنا۔ ڈاکا مارنا۔ چوری سے بہتر کوئی پیشہ نہیں ہے۔ پکا چور وہ ہے جو پولیس کو ایک حبّہ نہ دے اور مہینے میں کم سے کم چار پانچ ہزار روپیہ چوری کے ذریعہ سے پیدا کر لائے۔ چوری کو اور پیشوں پر اشرفیت اور افضلیت اس سبب سے ہے کہ چوری ایک مردانہ کام ہے۔ بزدل آدمی کیا کھا کے چوری کرے گا۔ چور شجاع سپاہی کی طرح جان بہ کف جاتا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

چور پرائے مکان میں جا کر مالک مکان سے مقابلہ کرتا ہے۔ لطف یہ کہ چور کا گرفتار کرنا کارے دارد۔ سو آدمیوں میں چور گھر جائے مگر ممکن کیا کہ کوئی پکڑ پائے۔ ع

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو

پھر کسی کے نوکر نہ چاکر۔ کوئی کام نہ کاج۔ کسی سے واسطہ نہ سروکار مزے سے دن بھر ادھر اُدھر پھرنا بارہ بجے کے بعد کبھی چوتھے پانچویں کسی کے ہاں جا کے ہاتھ صاف کیا مال لائے۔ مہینوں گلچھرے اُڑائے۔ چین ہی چین لکھتا ہے۔ ع

نی غم زرد نی غم کالا

اس سے بڑھ کر لطف یہ ہے کہ جس قدر امیر اور رئیس اور زردار ہیں سب ڈرتے رہتے ہیں۔ جس قدر زیادہ روپیہ پاس ہو گا، اسی قدر زیادہ خوف ہو گا۔

سوال : عقل مندی کی کیا تعریف ہے ؟

جواب : عقل مند وہ جس کے قول و فعل کا اعتبار نہیں۔ کہے کچھ اور کرے کچھ یہ صاحب رسالۂ اخلاق لکھ گیا ہے۔ محقق طوسی اور محقق دوّانی کو ہم نہیں مانتے۔ آزاد کی یہی رائے ہے کہ جس کے قول و فعل کا اعتبار نہ ہو وہ عقلمند۔

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

اس شعر کو بالکل بھول جائے۔

سوال : دانشمند آدمی وقت کیوں کر صرف میں لاتا ہے ؟

جواب : پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، قمار بازی، چانڈو بازی، جعل سازی، افترا پردازی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دنیا سازی، یہ دانشمند کے اشغال ہیں۔ دانشمند وہ جو بلا محنت روپیہ پیدا کرے۔ صبح سے شام تک بٹیر لڑائے۔ یا پتنگ چھپکائے۔

سوال : وہ کون شے ہے جو انسان کو گمراہ کر دیتی ہے؟

جواب : نیکی۔ اس سے زیادہ تباہی کی اور کوئی بات نہیں۔ جہاں نیکی کا خیال آیا اور آدمی مارا پڑا۔ نیکی کسی حالت میں روا نہیں۔

اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم
اے دیانت بر تو سخت از تو رنجے یافتم

سوال : جواں مردی کی کیا تعریف ہے؟

جواب : پرایا مال قبضہ کر جانا۔ لے کے پھر واپس نہ دینا۔ کسی سے دو شالہ لائے فوراً رہن رکھ دے۔ گھوڑا سواری کو فانگے نخاس میں اونے پونے داموں پر کوڑے کرے۔ جواں مردی کی یہ تعریف ہے، لے کے اگر دے دیا تو بزدل ہے۔

سوال : باپ پر کیا فرض ہے؟

جواب : بیٹے کو ڈاکہ زنی سکھائے۔ اس سے زیادہ فرض آزاد مرزا کے باپ کو بھی نہیں معلوم تھا۔

سوال : خوش تقریری کی کیا تعریف ہے؟

جواب : خوش تقریر وہ جو یاوہ گو ہو، جو اس قدر بکے کہ سُننے والا تھک جائے۔ جس کی تقریر سے سامع کی تضیعِ اوقات ہو۔

سوال : بے ایمان کی کیا تعریف ہے؟

جواب : بے ایمان وہ ہے جو مخیر ہو ہمدرد ہو۔ کسی کی ذراسی تکلیف پر رو نہ دے۔ بس ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر بے ایمان اور کوئی نہیں ہے۔

کیا خوب تو جتنے رقیقُ القلب ہیں۔ سب بے ایمان ٹھہرے۔

سوال : کوئی ایسا بھی ہے جو چور ہو اور شاہ بھی؟

جواب : بعض پولیس والے چور سے کہیں چوری کر شاہ سے کہیں جاگتا رہ۔ جس کے ہاں چوری ہو اسی کو ڈپٹیں۔ اور اگر کچھ مل جائے تو ہاتھ بھی گرمائیں۔ مگر پکا شاہ وہ پولیس والا ہے جو ہاتھ بھی گرمائے اور دھرا بھی نہ جائے اگر مقام بالا دست نے گرفتار کر لیا تو کچا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوال : وضعدار کون ہے؟

جواب : جو شرم وحیا دونوں کو بھون کے چٹ کر جائے۔ شرم چہ کتی ست کہ پیش وضعداران آید۔

سوال : سیدھے آدمی کی کیا تعریف ہے؟

جواب : اس زمانے میں سیدھا وہ کہلاتا ہے جو بے وقوف ہو۔ تین پانچ نہ جانتا ہو۔ اگر کسی کی ہجو کرنی منظور ہو تو بس صرف اس قدر کہہ دو کہ فلاں شخص سیدھا ہے۔ مطلب یہ کہ بے وقوف ہے عقل سے بے بہرہ ہے۔ ایک لونڈا چاہے تو بازار میں بیچ ڈالے۔

سوال : نشہ بازی کی نسبت کیا رائے ہے؟

جواب : اگر نشہ کی حالت میں اپنے مطلب کی سوجھے تو نشہ بازی نہیں ہے۔ اور جو نشے میں ایسے بے ہوش ہو جائیں کہ دین و دُنیا کی خبر نہ ہے تو نشہ کے قریب نہ جائے نشے کی حالت میں اور لوگوں سے ان کا مافی الضمیر دریافت کرے مگر اپنا راز نہ کہے۔

سوال : قتل کی نسبت کیا حکم ہوتا ہے۔

جواب : چوری کی حالت میں اگر صاحب خانہ یا کوئی اور شخص مقابلہ کرے تو اُس کو صرف زخمی کر دینا گناہ ہے لازم ہے کہ اُس کو تہ تیغ کرے۔ ہرگز زندہ نہ چھوڑے بیکس کا قتل گناہ ہے۔ لیکن اگر کسی سے لاگ ڈانٹ ہو جائے تو اس پر رحم کرنا عقل اور جواں مروی کے خلاف ہے۔ موقع ملا اور قتل کیا۔

سوال : واجب التعظیم کون ہے؟

جواب : بوڑھے آدمی عموماً اور ڈاکوؤں کے سردار خصوصاً آزاد مرزا انھیں اصول کی پابندی کرتے تھے۔ قتل کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ چوری میں یہ طاق تھے۔ نشہ بازی میں یہ شاق تھے۔ سب ٹنوں پورے انھیں کون کہے لنڈورے۔ کسی چیز میں کم نہ تھے۔ کئی بار لوگوں کے گھر جلائے۔ جس سے بگڑے اس کو تباہ کر ڈالا۔ اُن کی دوستی بندر کی دوستی ہے۔ موقع پاکر دوست کے باپ کو نہ چھوڑیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آزاد مرزا کسی گانوں میں مسافرانہ طور پر ٹکے تھے۔ وہاں کمسریٹ کے ہاتھی بھی چارے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ٹہلتے ہوئے خود بدولت بھی گئے۔ ایک فیلیاں سے پوچھا کیوں بھئی ان ہاتھیوں میں کوئی حرام زادہ بھی ہے۔ داروغہ نے کہا وہ ہاتھی اک ذرا بڑا دیکھا ہے۔ تین برس کا عرصہ ہوا کہ یہ ہاتھی بگڑ گیا تھا۔ اور اب بھی جو کوئی انار یا چرخی چھڑائے تو زنجیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اتنا سننا تھا کہ معاً شرارت نے ہدایت کی آج دل لگی دیکھو۔ فیلیاں سے کہا۔ یار کہو تو ہم جا کے چارہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لے آئیں۔

فیلیاں: آپ فیل بانی کیا جانیں؟

آزاد: اگر جانتے نہ ہوتے تو کہتے کیوں برسوں یہ کام کیا ہے آزما لو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

فیلیاں: اچھا پہلے اس ہاتھی کی گردن پر آئیے۔ یہ جو ادھر بندھا ہے پاٹھا۔ دیکھیں تو سہی آپ کتنے ہیں۔ آزاد مرزا ہاتھی کی گردن پر سوار ہو گئے اور ہاتھی لے چلے۔ کوئی سو قدم لے جاکر واپس لائے۔ فیلیانوں نے بھی دیکھا کہ ہوشیار آدمی ہیں۔ اعتبار بڑھا۔ پوچھا حضور رئیس آدمی ہیں یہ فیلبانی کہاں سے سیکھ لی۔ آزاد نے کہا ہم خوب واقف ہیں اگر تم لوگ اجازت دو تو کل اس اک دنتے پر سوار ہوں۔

ایک روز حضرت وہاں اور ٹک گئے۔ دریافت کیا کہ گاؤں میں کوئی آتش باز بھی ہے معلوم ہوا کہ بوڑھا ایک آدمی ہے مگر اس کو آنکھوں سے مطلق نہیں سوجھتا آزاد مرزا اس کے پاس گئے۔

آزاد: السلام علیک۔

آتش باز: سلام صاحب۔ حکم آپ کہاں سے آئے ہیں حضور!

آزاد: کچھ آتش بازی ہمیں دے سکتے ہو۔

آتش باز: مجھ کو تو اب سوجھائی نہیں دیتا اور نہ بناتا ہوں مگر سو پچاس انار پڑے ہیں۔

آزاد: لاؤ ہم سب خرید لیں گے اور دام نقد دیں گے۔

آتش باز نے انار منگوائے۔ آزاد نے دیکھا کہ ہزارہ بھی ہے۔ دس انار اور ایک ہزارہ خرید کر مزدور کے ہاتھ لے چلے۔ خدمت گار کو سکھا دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر آگ دکھا دینا۔

دوسرے روز اس اک دنتے ہاتھی پر سوار ہوئے۔ دس ہاتھی اور ساتھ تھے گاؤں سے باہر نکلے ہی تھے کہ خدمت گار نے ایک جھاڑی میں انار پر چنگاری رکھی۔ اور ہاتھی بگڑا۔ آزاد جھک کر ایک درخت کی شاخ میں لٹک گئے اور ہاتھی بھاگا۔

فیلیانوں نے اپنے اپنے ہاتھی بھگائے۔ اک دنتے نے دو ہاتھیوں کو اس زور سے ٹکر دی کہ ایک گر پڑا۔ دوسرے کا فیلیاں زخمی ہو گیا۔

اب سنیئے! کہ آزاد مرزا مزے سے درخت پر بیٹھے ہیں۔ ہاتھی نے پہلے ایک آدمی کو جو کھیت میں کام کر رہا تھا سونڈ سے اٹھایا اور اٹھا کر دے پٹکا تو جان نکل گئی۔ ایک اور آدمی کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ پھرتی کے ساتھ فقیر کے جھونپڑے میں گھس گیا۔ ہاتھی نے کئی بار ٹکر لگائی اور جھونپڑے کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھپر کو خاک میں ملادیا۔ اگر وہ آدمی کوٹھری کے اندر دبکا پڑا نہ رہتا تو ہاتھی ہرگز نہ چھوڑتا۔ آزاد مرزا بڑے غور سے دیکھتے جاتے تھے کہ آدمی بچا یا نہیں جب ان کو معلوم ہوا کہ آدمی بچ گیا۔ تو کمال افسوس کیا کہ دل لگی نہ ہونے پائی۔ اے لاحول ولا قوۃ۔

ہاتھی نے ایک گاڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ایک بیل زخمی ہوا۔ ایک آدمی مر گیا۔ اب گانوں میں ہلڑ مچ گیا کہ ہاتھی بگڑ رہے ہیں۔ زن و مرد سب خائف تھے۔ جہاں سینگ سمایا اِدھر اُدھر دبک رہے۔ اب ہاتھی نے گانوں کا دورہ شروع کیا۔ ایک اور ٹٹو کی بھینٹ لی۔ دو بھینسوں کو مار ڈالا۔ تین چار چھپر پھینک دیے۔ جب فیلبانوں نے دیکھا کہ ہاتھی سر ہی پر آن پہنچا اور ہاتھیوں سے مقابلہ ہو جائے گا۔ تو آگ روشن کر دی ایک دنتا بھاگا۔

ایک محرر بند و بست بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ٹخ ٹخ کرتے جاتے تھے۔ جب گانوں میں پہنچے تو لوگوں نے اِدھر اُدھر سے غل مچانا شروع کیا۔ بھاگ۔ بھاگ۔ منشی جی بھاگ جاؤ۔ لالہ صاحب بھاگو۔ ہاتھی بگڑ گیا ہے۔ لالہ صاحب قوت سامعہ سے بے بہرہ تھے۔ سنتے کس کی ہیں۔ مزے سے ٹخ ٹخ کرتے جاتے تھے۔ دو چار آدمیوں نے مکانوں اور چھتوں سے ڈھیلے پھینکے مگر یہ کان دبائے چلے ہی گئے۔ ہاتھی نے جو اِن کو دیکھا تو چنگھاڑنا شروع کیا۔ یہ ایسے بے خبر ذرا بھی نہ سمجھے۔ ٹٹو کو ایڑ لگا کر چاہتے تھے کہ گانوں میں ذرا کو دائیں کہ اتنے میں ایک آدمی نے درخت سے کہا۔ بڑے بھائی سلام۔

لالہ : درخت کی طرف دیکھ کر آج اس گانوں میں سناٹا کیا ہے۔

آدمی : ہاتھی بگڑا ہے۔ ہاتھی۔ وہ دیکھو اس کوٹھری میں سونڈ ڈال کر کسی کو نکالنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ بھاگو۔ بھاگو۔ گھوڑی چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔

لالہ : ہم آج اسی گانوں میں ٹھہریں گے۔ صاحب پرسوں تک آجائیں گے۔

آدمی : صاحب چاہے جب آئیں۔ ہاتھی آیا ہی چاہتا ہے۔ کیوں زندگی کے دشمن ہو گئے ہو۔

لالہ : ہمارے صاحب۔ صاحب مہتمم بند و بست بہادر۔

آدمی : جاؤ مرد آدمی۔ کیا اُونچا سنتے ہو۔

لالہ : آج یہ اس گانوں میں سناٹا کیوں ہے۔ اس کا تم نے جواب نہ دیا۔

آدمی : تو بہ اور اب تک ہم بکا کئے اور آپس قدر۔ بحر طویل سُن مچکے اور وہی مرغی کی ایک ہی ٹانگ۔

لالہ : تم کچھ کہتے ہو ہم کچھ کہتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آدمی : یا تم بہرے ہو۔ یا ہم بہرے ہیں۔

لالہ : اجی ہم پوچھتے ہیں کہ آج اس گاؤں میں سب دکانیں کیوں بند ہیں۔

آدمی : (غل مچا کر) آج یہاں ہاتھی بگڑا ہے۔ ہاتھی بگڑا ہے۔

لالہ : کیا؟ ہیضہ آیا ہے؟ افوہ۔ تو ہم بھی بھاگ جائیں۔

آدمی : ارے یار عزیز ہیضہ نہیں ہے۔ ہاتھی بگڑا ہے۔ وہ تو گلے پر آن ہی پہنچا۔ ارے!

لالہ : یار تم اونچا سنتے ہو۔ بہرے ہو۔

آدمی : یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے۔

اس قدر کہہ ہی چکے تھے کہ ہاتھی نے سونڈ سے ان کو گھسیٹا ارے! صرف ارے کا لفظ زبان سے نکلا تھا۔ ہاتھی نے سونڈ سے پکڑ کر اچھالا دھم سے زمین پر گرے۔ ہاتھی نے ٹٹو کی بھی خبر لی۔ اور اسی دم ٹٹو کو مار ڈالا۔ یہ جو گرے تو ہاتھی ان کو چھوڑ کر ٹٹو کی طرف مخاطب ہوا۔ اور ٹٹو کو مار کر اور کسی طرف جانے کو تھا کہ لالہ صاحب نے از راہ حماقت اٹھتے ہی غل مچایا۔ ارے۔ دوڑو۔ ہاتھی نے مار ڈالا۔ ہاتھی پھر ان کی طرف دوڑا۔ سونڈ سے اچھالا۔ دھم سے گرے۔ ہاتھی نے ایک پاؤں پیٹھ پر رکھا چٹکیوں میں جان سن سے نکل گئی۔

آزاد مرزا درخت سے یہ سب کارروائی دیکھا کیے۔ لالہ کی حالت دیکھ کر بہت ہنسے۔ ایسے شقی سے خدا سمجھے۔ اب سنیئے کہ ایک مسافر درزی اپنی بیوی کو ساتھ لیے باہر سے آتا تھا ہاتھی کے بگڑنے کی اس کو مطلق خبر نہ تھی جس درخت پر حضرت بندر کی طرح بیٹھے تھے، اسی کے سایہ میں درزی اور اس کی جورو نے دم لیا۔ آزاد مرزا کی باچھیں کھل گئیں کہ ان دونوں کی بھی ہمارے سامنے جان جائے گی۔ الامان الامان۔ عورت نے اپنے پیارے بچے کو دودھ پلانا شروع کیا۔ درزی ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔

عورت : آج بھیا بہت ہنس رہے ہیں۔

درزی : (لڑکے کو جورو کی گود سے لے کر) بھیا۔ وہ ہنس دیا۔ یہ بڑا مسخرہ ہوگا۔ یہ لونڈا بڑا مسخرا ہوگا۔

عورت : بھیا (ہاتھ بڑھا کر) آؤ ہمارے پاس آؤ۔

درزی : بھلا بلاؤ تو۔ جو کبھی جائے۔ ہمارا ذمہ۔

عورت : (پھر ہاتھ بڑھا کر) آؤ تو بھیا۔ آؤ شاباش (شاباش)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

درزی : نہ جانا بھیّا۔ خبردار۔ وہ ہنس دیا مسخرا۔

درزی اور اُس کی جورو اپنے پیارے لڑکے سے کھیل رہے تھے مگر یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اجل سر پر کھیلتی ہے۔ آزاد گھبرا رہے تھے کہ مبادا ہاتھی اور کسی رخ نکل جائے ادھر نہ آئے اور یہ شکار مفت میں ہاتھ سے نہ جائے۔ راستے میں درزی نے اپنی جورو سے کہا۔ ذرا بھیّا کو سلا دے۔ راستے میں گرمی بہت کھائی ہے۔ ایسا نہ ہو بیمار ہو جائے۔ اور یہ خبر نہ تھی کہ بھیّا دو گھڑی کے مہمان ہیں اور بہت جلدی ایسی میٹھی نیند سوئیں گے کہ حشر تک نہ جاگیں گے۔

عورت : امیروں کے لڑکے اس دھوپ میں مکان کے باہر نہ نکلتے ہوں گے۔ ہم غریب آدمی ہیں۔ ملنے کی ہماری اوقات اس چلچلاتی دھوپ میں نہیں ذرا سارے بچے کو لے کر نکلے ہیں۔

درزی : (آہ سرد بھر کر) ہاں! اللہ اس کو جلا دے۔

عورت : (لڑکے کو چوم کر) خدا اس کو زندگی دے۔

راوی : زندگی کے دن تو پورے ہو گئے۔ اب دم کے دم کا مہمان ہے۔

عورت : (پھر چوم کر) یہ بڑا امیر ہو گا۔ ہاتھی پر چڑھے گا۔

راوی : حضرات ناظرین۔ اس فقرے پر بے ساختہ رونا آتا ہے۔

درزی : فیل نشین ہو گا۔ کیوں بیٹے۔

لڑکے نے مسکرا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ درزی جامے میں پھولے نہیں سماتا تھا مگر افسوس ہے کہ اُس کی خوشی صرف ایک چشم زدن میں خاک میں مل گئی۔ اور دل کی دل ہی میں رہی۔ ہائے کیسی حسرت کا مقام ہے۔

عورت لڑکے کو لے کر چھاتی سے لگائے ٹہلنے لگی۔ ہلا جا لڑکے سو جا۔

درزی : ستّو گھولیں۔ مگر گُوڑ تو ہے ہی نہیں۔

عورت : گاؤں سے جا کر گُوڑ لے آؤ۔

درزی : اب تو ہم سوتے ہیں۔ اب تین کوس تو اور چلنا ہے۔ شام تک پہنچ جائیں گے۔

راوی : ارے غافل کیسی شام۔ کس کی صبح۔ ایک چشم زدن میں کام تمام ہوا جاتا ہے۔

عورت : خالہ بھیّا کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔

راوی : ہائے افسوس۔ خوش نہیں جان دیں گی۔

عورت ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئی۔ لڑکے نے ٹھنڈی ہوا جو کھائی تو سو رہا۔ درزی بھی گھاس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر چادر بچھا کر سو یا۔ درزن کی آنکھیں جھکی پڑی تھیں۔ مگر سوئے تو کیونکر درزی بیالیس برس کا تھا درزن اٹھائیس سال کی لڑکا سوا دو برس کا۔ یہ پہلوٹی کا لڑکا تھا۔ اور ماں باپ کا پیارا گھر کا اُجالا۔

آزاد مرزا نے چاہا کہ درخت کی کوئی شاخ کاٹ کر اُن پر پھینک دیں، تاکہ مع بچّے کے دونوں میاں بیوی مر جائیں۔ خدا سے دعا مانگا کیے کہ ہاتھی ادھر آنکلے اور ان سب کا کام تمام کردے۔ تھوڑی دیر کے بعد دو سوار آئے، اور اسی درخت کے قریب ایک درخت کے سایہ میں گھوڑے روک کر ستانے لگے۔

ایک سوار : (پٹھان) عورت۔ او عورت۔ تو کون ہے؟

دوسرا : (ہندو) اِدھر آ۔ یہ لکڑی ہم کو اٹھادے۔

پٹھان : اس کے ساتھ بھی کوئی ہے۔ یا یہ اکیلی ہی ہے۔

ہندو : بول۔ ذرا اِدھر آن کے یہ لکڑی اُٹھا دینا اخاہ! یہ دماغ ہے۔

پٹھان : یہ حُسن پر گھمنڈ کرتی ہے، یہ جانتی ہی نہیں کہ ہم جنگی پلٹن کے ہیں۔ ابھی دل پر آجائے تو اسی گھوڑے پر زبردستی بٹھالیں، اور بھگالے جائیں۔ کوئی تیرے ساتھ ہے یا اکیلی ہی ہے۔

ہندو : بڑی ڈھیٹ ہے۔ اس کا لڑکا اس سے چھین لو، تو راضی ہو۔ بات پوچھتے ہیں۔ نہیں بتاتی۔ ایسی ڈھیٹ ہے بتادے۔ پھر ہم اُتر پڑیں گھوڑے پر سے یہ یوں نہ مانے گی۔ لڑکا اس سے چھین لو تو سیدھی ہو جائے۔ عورت سخت خائف ہوئی۔ چاہا کہ میاں کو جگادے۔ مگر سوچی کہ یہ دو اور میاں اکیلے۔ شاید لڑائی ہونے لگے اس سے جب تک ٹال سکوں ٹالوں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی سوار اُترے تو میاں کو فوراً جگادو۔ پٹھان اور ہندو نے آپس میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں۔ پٹھان گھوڑے سے اُترا۔ اُس کے اُترتے ہی عورت نے پکارا۔ عبداللہ کے ابّا ذری اُٹھو تو۔ درزی خرّاٹے لے رہا تھا۔ سنکا تک نہیں۔

اتنے میں ہاتھی نے جو گھوڑوں کو دیکھا تو فوراً دوڑا۔ ہندو سوار نے پکارا خاں صاحب بھاگو۔ ہاتھی آگیا۔ خاں صاحب نے معاً رکاب پر پانوں رکھا اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہو رہے عورت نے غل مچایا۔ عبداللہ کے ابّا جلدی اُٹھو۔ ہائے غضب ہو گیا۔ درزی گھبرا کر اُٹھا تو ہاتھی گلے پر تھا۔ ہوش اُڑ گئے۔ ہندو سوار نے گھوڑا بگٹٹ پھینکا۔ مگر پٹھان ذرا دور لے جا کر ٹھہر گیا۔ ہاتھی نے پہلے درزی کو سونڈ سے اُچھالا درزی کا دم نکل گیا۔ عورت اِدھر اُدھر سراسیمگی کے ساتھ بھاگی۔ اور آخر کار اُسی طرف گئی جدھر پٹھان کا گھوڑا تھا۔ ہاتھی بھی ساتھ ہی دوڑا اب تو خاں صاحب نے بھی گھوڑا سرپٹ دوڑایا، مگر ان کو کمال افسوس تھا کہ ایسی خوبصورت اور جوان عورت کی مفت میں جان گئی۔ مگر قہر درویش بر جان درویش۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس وقت چارہ کیا تھا۔ ہاتھی سے مقابلہ کرنے سے رہے۔ عورت نے لاکھ کوشش کی کہ بچ نکلے مگر ہاتھی نے سونڈ سے پکڑ ہی لیا اُچھالنے ہی کو تھا کہ لڑکا اس کی گود سے گر پڑا ہاتھی نے عورت کو سونڈ سے اُچھال کر اُس پر پانوں رکھ دیا اور دم کے دم میں اُس کے شوہر کی طرح اُس کا بھی کام تمام کیا۔ وہاں سے پلٹنے کو تھا کہ بچے پر اس کی نگاہ پڑی فوراً سونڈ سے آہستہ سے اُٹھایا اور اسی درخت کے نیچے رکھ دیا۔ جس پر آزاد مرزا بیٹھے تھے۔ یہاں رکھ کر چلا گیا۔

آزاد مرزا نے درخت سے اُتر کر اُس معصوم بچے کو اُٹھا لیا اور بہ ہزار دقت درخت پر چڑھایا۔ پلیٹھ میں چادر سے کس دیا، اور درخت پر مع بچے کے چڑھ گئے۔

حضرات ناظرین آزاد مرزا کی شقاوت قلبی کا اس سے زیادہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس معصوم کو درخت سے پھینکا اور عمداً اسی قصد سے کہ لڑکے کی جان جاتی رہے۔ اور خود بدولت خوش ہوں کہ ہم نے اس لطف کے ساتھ ایک بچے کی جان لی۔

نیش عقرب نہ از پئے کیں است

مقتضائے طبیعتش ایں است

بچے کی بساط کیا۔ گرتے ہی جان سن سے نکل گئی۔ افسوس صد افسوس۔

چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار

بر خاک چو قطرہ ہائے باران رفتند

ہاتھی جو پلٹ کر آیا تو بچے کا سر پھٹا دیکھ کر سونڈ سے اُٹھایا۔ مگر نہایت سہولیت کے ساتھ پھر زمین پر رکھ دیا اور کئی بار سونگھا۔ اس کے بعد لڑکے کو سونڈ سے اُٹھا کر گردن پر بٹھایا۔

ہائے افسوس۔ اس بچے کی ماں کی پیشین گوئی اس وقت صادق آئی کہ (بھیا ہاتھی پر چڑھیں گے) ہائے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ بھیا اُس وقت فیل نشیں ہوں گے جب بھیا ہی نہ ہوں گے۔ الامان۔ الامان۔

حضرات ناظرین۔ اس شقی القلب کی شقاوت پر شیطان کی پھٹکار۔ ہاتھی تک کو اس بے گناہ کی حالت زار پر رحم آیا۔ مگر آزاد مرزا نے وہ فعل کیا جو خود شیطان سے بھی نہ ہوتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ واقعی مقام عبرت ہے۔

حکام ضلع کو خبر ہوئی کہ فلاں گانوں میں ایک ہاتھی نے بدعت کرنا شروع کی ہے۔ کئی آدمی مار ڈالے۔ کئی مکان ڈھا دیے۔ کئی چھپر دن کو نوچ نوچ کے تباہ کر دیا۔ کئی جانوروں کی جان لی۔ صاحب ضلع نے فوراً صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ ضلع کے نام خط بھیجا اور لکھا کہ اس خط کے دیکھتے ہی موقع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واردات پر جاؤ اور اس ہاتھی کو گرفتار کر لو۔ اگر یہ نہ ممکن ہو تو گولی مار دو۔

کپتان صاحب کی بیم صاحب نے کہا ہم نہ جانے دیں گے یہ تمہارا کام نہیں ہے یہ زمیندار کا کام ہے کپتان صاحب نے سمجھا بجھا کر راضی کر لیا حکم دیا کہ دس سوار بندوقیں لے کر ہمارے ساتھ چلیں۔ ایک گھنٹے میں کپتان صاحب روانہ ہوئے۔ موقع واردات پر پہنچے تو تھانہ دار سے بھی ملاقات ہوئی۔

صاحب: دل۔ ہاتھی کہاں ہے۔

تھانہ دار: حضور اب تو سامنے جاتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں دو آدمی لے کر تھانہ سے آیا، دونوں کو زمینداروں کے گھوڑوں پر سوار کیا۔ یہاں جو آیا تو ہاتھی نے جھپٹ کر ایک کانسٹیل کو گھوڑے سے اتارا مگر اتفاق سے وہ گر پڑا تو گھوڑے کو روند ڈالا۔ کانسٹبل بھاگ کے اس مندر میں چھپ رہا۔ گھوڑے کو مار کر مندر کی طرف گیا۔ سونڈ اندر ڈالی مگر کانسٹبل دور ہو گا پایا نہیں اب ہم لوگ یہاں آن کے کھڑے ہوئے ہیں۔ گھوڑا وہ پڑا ہے۔

صاحب: ہے کہاں؟ ہاتھی کا بھی کہیں پتا ہے یا نہیں؟

تھانہ دار: حضور وہ اس درخت کے پاس نالے میں ہو گا۔

صاحب: دو سوار ہمارے ساتھ چلیں۔

تھانہ دار: حضور ایک کام کریں ذرا ٹھہرے رہیں۔ میں یہاں کے زمیندار کا گھوڑا لے آؤں۔ اُس کو گھوڑوں کا بہت شوق ہے۔ ابھی دو ہزار کو ایک گھوڑا خرید لایا ہے۔ بڑا تیز گھوڑا ہے۔

زمیندار کا گھوڑا تھانہ دار صاحب بہت جلد لے آئے۔ ایک شہوار گل چلا اُس پر سوار تھا۔ اور چار گھوڑے اور اُن کے ساتھ تھے دو پران کے اعزا اور دو بڑا بلدکا۔

صاحب: دل گھوڑا دو ہزار کا ہے۔

شہوار: ہاں حضور۔ یہی ہے۔

صاحب: تم گھوڑے پر خوب سوار ہوتا ہے۔ جا سکتا ہے ہاتھی کے پاس۔

شہوار: ہجور ہاتھی شسر نا ہیں۔ ہاتھی کے باپ کے پاس چلے جاتیں۔

صاحب: اچھا جاکے دیکھو ہاتھی کہاں پر ہے۔ یا ہم کو اپنا گھوڑا دے دو۔

شہوار: نا ہیں۔ ہم آپ جایت ہے۔

یہ کہہ کر شہوار ہوا ہوا۔ دیکھا کہ نالے میں ہاتھی بے خبر سو رہا ہے۔ شہوار نے آکر اطلاع دی کہ ہاتھی نالے میں سو رہا تھا۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سن کر جاگ اٹھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں نے فوراً گھوڑے کی باگ اُٹھائی اور سرپٹ ڈورایا۔

کپتان نے پوچھا کتنا بڑا ہاتھی ہے کیا بہت بڑا ہے۔ ہوش اُڑے ہوئے تھے کہ خدا ہی خیر کرے۔

شہسوار نے کہا ہاں بہت بڑا ہاتھی ہے اور بڑا ہو یا چھوٹا ہماری جان لینے کے لیے کافی ہے۔

الغرض کپتان صاحب مع بارہ چودہ سواروں کے ہاتھی کی طرف گئے۔ کانوں میں بالکل سناٹا۔ ہاتھی نالے میں سو رہا تھا۔ آزاد مرزا نے جو یہ کیفیت دیکھی تو کمال افسوس کیا۔ یہ چاہتے تھے کہ چاہے خود بے آب و دانہ دو دن تک درخت پر بیٹھے رہیں مگر ہاتھی نہ پکڑا جائے۔ بھلا پچاس ساٹھ آدمیوں کا تو خون کرے۔ اور تھوڑی دیر سے راستہ بھی بند ہو گیا تھا۔

ہاتھی نے جو بارہ چودہ گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنی تو چونک پڑا اور دوڑا پہلے تو پانچ سات سوار پیچھے ہٹ گئے کہ مبادا چوٹ کرے، مگر کپتان صاحب نے للکارا اور کہا دیکھو ہم نہیں ہٹتے پھر تم لوگ کیوں ہٹتے ہو۔ الغرض گولیوں کا چھرّا چلنے لگا۔ دو چار گولیاں کھا کر ہاتھی اور بھی جھلایا۔ میاں آزاد مرزا۔ سوچے کہ ایسا نہ ہو کوئی گولی ہم پر پڑ جائے تو درخت سے لاش گرے۔ بہ آواز بلند یہ شعر گانے لگے۔

خدنگ ناز سے اوروں کو کیجیے گھائل
بغل میں ہے میرا زخم جگر بچائے ہوئے

ایں! یہ کون بولا۔ یہ آواز کدھر سے آئی۔

ایک سوار : ہاتھی ہے کوئی آسیب ہے۔

دوسرا سوار : کیسی مہیب آواز تھی۔ اُف توبہ۔ توبہ۔ اب گولی نہ چلنے پائے۔

تیسرا سوار : بھائی جان ہم نے وہ وہ لڑائیاں دیکھی ہیں کہ بس کچھ کہنے کی بات نہیں۔ اب مرے اور اب مرے مگر یہاں پر ہمارا قدم بھی ڈگمگانے لگا۔

چوتھا سوار : اجی کام کرو اپنا۔ آسیب لائے وہاں سے ہونہہ !!!

پانچواں سوار : بڑے مرد کی دم ہو تو گولی چلاؤ نہ جب جانیں سوار ہو۔

شہ سوار نہایت گھبرایا۔

کپتان صاحب اور تین سوار ادھر ادھر گھوڑا پھینک کر دیکھ رہے تھے کہ ہاتھی کدھر چلا گیا۔ ہاتھی کا کہیں پتا ہی نہیں۔ درخت سے پھر آواز آئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا پناہ میں رکھے تمہاری پلکوں سے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

کپتان : کون ہے۔ یہ گاتا کون ہے۔

سوار : حضور خدا جانے کس طرف سے آواز آئی۔

کپتان : تم لوگوں میں سے کسی نے گایا ہوگا۔

سوار : حضور یہاں ہوش اُڑے ہوئے ہیں۔ گانے کی کس کو سوجھتی ہے۔

کپتان : پھر ہمارے سوا اور یہاں کوئی ہے بھی تو نہیں۔

سوار : ہاں یہ بھی سچ ہے۔

اتنے میں پھر آواز آئی۔

کسی کے مُنہ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت
کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے

کپتان صاحب کو سخت استعجاب ہوا۔ درخت کی طرف دیکھنے ہی کو تھے کہ ہاتھی برآمد ہوا۔ ایک جھاڑی میں جو نالے سے پچاس ساٹھ قدم پر تھی، چھپ رہا تھا۔ اور درختوں کی آڑ کے سبب سے کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ فوراً بندوقیں دغیں۔ تین گولیاں مستک پر پڑیں۔

اتنے میں ہاتھیوں کا داروغہ پندرہ ہاتھی لے کر آن موجود ہوا۔ اس نے کپتان صاحب سے کہا کہ حضور گولیاں تو چلاتے ہیں مگر ہاتھی مر جائے گا تو حضور ہی سے قیمت لی جائے گی اس پر کپتان صاحب بہت جھلّائے۔

کپتان : چُپ رہو۔ یو سور ہم سے بے ادبی کرتا ہے تم۔

داروغہ : حضور ہم بھی عزّت دار ہیں اور کمسریٹ کے داروغہ ہیں۔

کپتان : ہم کچھ پروا نہیں کرتا۔ تم چُپ رہو۔ تمہارے ہاتھی نے گانوں کو خراب کیا مکانوں کو توڑ ڈالا۔ آدمیوں اور جانوروں کو مار ڈالا۔ تم اُس کا ذمّہ وار ہے۔ کیوں ایسا ہاتھی رکھا۔ اور تم اب مت بولے۔

داروغہ : حضور جنرل پلیٹ صاحب جانیں آپ جانیں۔

کپتان : ہم جنرل پلیٹ کو نہیں جانتا۔

داروغہ : اچھا تو اپنے ہاتھی کو پکڑ لیں۔ مگر آپ گولی نہ چلائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کپتان: وِل۔ ٹھیک بات ہے۔ بے شک پکڑ لاؤ۔

داروغہ نے فیلبانوں کو حکم دیا کہ چلو، تین طرف سے ہاتھی گئے۔ مست ہاتھی نے پہلے تو سخت مقابلہ کیا مگر اپنے ہاتھیوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں اُسی ہاتھی کا فیلبان گردن پر بیٹھ گیا۔ کُل ہاتھیوں نے گھیر لیا اور لے چلے۔ کپتان صاحب روانہ ہی ہونے کو تھے کہ کھپر درخت سے آواز آئی۔

جو پہنچے تربتِ عاشق پہ ناز کہتا ہے
حضور خاک سے دامن ذرا اُٹھائے ہوئے

ایک سوار نے کہا حضور وہ درخت پر آدمی میں نے دیکھ لیا۔ غور کر کے دیکھا تو آزاد مرزا۔ کپتان صاحب نے کہا بس ہم سمجھ گئے۔ یہ سارا فساد تمہارا ہی ہے۔ ہم کو کبھی یقین نہ آئے گا کہ اس میں تم شریک نہ تھے۔

آزاد مرزا: حضور یوں تو زبردستی کی بات ہی اور ہے مگر ہاتھی کے بگڑنے میں۔ میرا کیا قصور ہے۔ کیا میں نے ہاتھی کو سکھا دیا تھا کہ تو مست ہو جا۔ ہاتھی بھی آدمی ہے کہ کہنے سُننے سے مان جائے۔ فیلبان کی غفلت البتہ تھی۔ اس میں شک نہیں۔

کپتان: اچھا پہاڑ پر سے تو اُترو۔

آزاد: (درخت سے اُتر کر) آداب عرض ہے۔

کپتان: (جھلا کر) بڑے بدمعاش ہو۔

آزاد: جی ہاں۔ اپنی جان بچائی نہ۔ اسی سے بدمعاش قرار پائے۔

کپتان صاحب نے سواروں کو حُکم دیا کہ ان کو ساتھ لے کر اور گانوؤں میں جا کر داروغہ اور فیلبانوں کو بُلوایا اور اظہار لینے شروع کیے۔

کپتان: کس کا ہاتھی ہے۔ ہمارا مطلب یہ کہ یہ ہاتھی کا کون چرکٹا ہے۔

داروغہ: چرکٹا یہ ہے اور فیلبان یہ ہے۔

کپتان: وِل۔ تم سوار تھا۔ یا چرکٹا سوار تھا۔

فیلبان: حضور۔ حضور۔

کپتان: بولو حضور۔ حضور نہیں بتاؤ اس وقت کون اس پر سوار تھا تم کہ یہ؟

آزاد: بتا دے ڈرتا کیا ہے۔ کوئی پھانسی تو دے نہیں دے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : اس جرأت کے صدقے۔ ع

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

کیا مزے سے ڈپٹنے لگے گویا ان سے کچھ واسطہ ہی نہیں۔ ڈھیٹ ہو تو ایسا تو ہو۔ فیلبان نے داروغہ کی طرف دیکھا کہ کیا کہوں۔ کیا نہ کہوں داروغہ نے جھلّا کر کہا۔ میری طرف کیا۔ دیکھتا ہے جو بات صاف صاف کہہ دو نہ۔

فیلبان : خداوند۔

کپتان : کوئی ہے۔ اس کو لے چلو ساتھ۔

داروغہ : سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ ارے کمبخت جواب کیوں نہیں دیتا۔

چیرکٹا : صاحب ہم یہاں تھے۔

فیلبان : تو پھر میں تھا۔ میں سوار ہوا تھا۔

آزاد : اور سنیے کیا کسی اناڑی کو سوار کیا تھا کیا۔

راوی : اناڑی کو نہیں۔ بڑے خرانٹ گرگے کو۔

فیلبان : حضور یہ جو سامنے کھڑے باتیں کرتے ہیں یہی اس پر سوار تھے۔

کپتان صاحب نے کہا۔ ہم سمجھے ہی ہوئے تھے کہ انھیں ذات شریف کی کارستانی ہے۔ یہ ایک ہی بدمعاش ہیں وہی بات نکلی نہ آخر۔ آزاد اور فیلبان میں جھک جھک چلنے لگی۔

آزاد : ہم فیلبانی کیا جانیں۔ ہم کیا پر کٹے ہیں۔

فیلبان : آپ نہیں سوار ہوئے تھے؟

آزاد : کچھ واہی سا ہے۔ ہم سوار ہوئے بس اس سے ہاتھی بگڑ گیا۔ حضور یہ ہاتھی لیے جاتا تھا۔ میں نے کہا ہم بھی سوار ہوں گے۔ اس نے منظور کر لیا۔ میں بیٹھ گیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔

کپتان : تمہارا بیٹھنا ہی برا ہے۔

فیلبان : حضور دو سو آدمی گواہی دیں گے کہ یہی سوار تھے۔ یہ فیلبانی خوب جانتے ہیں کہیے گواہ پیش کروں۔

گانوں کے کئی آدمیوں نے گواہی دی۔

نجلبن : اس ہاتھی پر جو فقیر کی کٹی کے پاس بندھا ہے۔ یہ سوار تھے۔ (آزاد کی طرف اشارہ کر کے)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کپتان : تمہارا نام کیا؟

نجبن: (مسکراکر) حضور ہمارا نام نہ لکھیں۔

کپتان : ذل تم کہاں پر تھی۔

نجن: حضور مجھے اللہ نے بچایا۔ میری تو جان ہی گئی تھی۔ میں ہاتھی کے پاس ہی کھڑی تھی۔

آزاد: اور ہاتھی تم کو کھا نہ گیا۔

کپتان : تم نہ بولو۔

آزاد: ہم گواہوں سے سوال نہ کریں۔

اس کے بعد ایک اور گواہ آیا اس نے کہا حضور میں محرّر بندوبست ہوں۔ یہ صاحب جو آپ کے قریب ہیں ہاتھی کی گردن پر سوار تھے۔ جہاں پر فیلبان بیٹھا ہے۔ تھوڑی دور ہاتھی کو لے گیے تو کسی نے انار چھڑایا اور ہاتھی بگڑا۔

کپتان : انار کیا میوہ؟

گواہ : نہیں خداوند۔ آتشبازی کا انار۔ فیرورک۔

کپتان : اُو۔ ہاتھی بھڑکا اس سے۔

گواہ : جی ہاں حضور اور ہمارے ساتھ کا ایک محرّر بھی مارا گیا۔ وہ لاش پڑی ہے۔

تیسرے گواہ نے کہا میں فقیر ہوں اپنی کُٹی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ یہ صاحب ہاتھی کو لے چلے اور راستے میں کسی نے آتشبازی چھوڑائی اور ہاتھی بھڑکا میں بھاگ کے باغ کی ایک عمارت میں چھپ رہا دو آدمیوں کو ہاتھی نے میرے سامنے مار ڈالا۔ اور ایک بھینس کو۔

چوتھے گواہ نے سرے سے سب حال کہا پہلے ایک چھوٹے ہاتھی پر سوار ہوئے۔ پھر بڑے ہاتھی پر۔ راہ میں کسی نے آتش بازی چلائی۔

کپتان : کیا چیز۔ کون آتش بازی۔

گواہ : انار تھے۔ دو انار۔

کپتان : تم کہاں پر تھا۔

گواہ : حضور کنوئیں پر پانی بھر رہا تھا۔ ہوش اُڑ گئے۔ رسّی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھڑے سمیت کنوئیں میں چلی گئی۔

کپتان : آزاد مرزا ہاتھی پر تھے یا کوئی اور بھی تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گواہ : میں آزاد مرزا کو نہیں جانتا ہوں۔ مگر یہ صاحب تھے جو کالی ٹوپی دیے کھڑے ہیں۔

آزاد : خدا کرے میری ٹوپی کی طرح تیرا بھی مُنہ کالا ہو۔

گواہ : واہ۔ کیا بھلے مانس ہیں۔

کپتان: جب ہاتھی بھاگا تو یہ کہاں گئے۔

گواہ : حضور ہم نے نہیں دیکھا۔ ہوش کس کے ٹھکانے تھے۔

آزاد : بھلا ہاتھی کس رُخ بھاگا تھا۔

گواہ : ادھر سامنے۔

آزاد : تم کہاں پر تھے۔ کنوئیں پر یا نیچے۔

گواہ : میں کنوئیں پر۔

آزاد : دیکھا حضور۔ ہے جھوٹا یا نہیں اگر کنوئیں پر کھڑے ہوتے تو مارے گھبراہٹ کے کنوئیں میں نہ گر پڑتے۔ رسّی اور گھڑا تو چھوٹ گیا مگر خود بدولت نہ گر پڑے۔ سب بنائی ہوئی کہانی کہہ رہا ہے۔

کپتان: تم پھر بولا۔

آزاد : حضور جھوٹ جو کوئی بولتا ہے نہ تو آگ لگ جاتی ہے۔

کپتان: اچّھا آگ لگے۔ مگر دور رہو، اور مت بولو۔

گواہ : حُضور میں بھی بہت بچا۔

آزاد : جو ہے وہ اپنے ہی بچنے کی کہتا ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ اتنے بے گناہ بیچارے مارے گئے۔

راوی: ہمدرد تو ایک آپ ہیں بس۔

کپتان صاحب نے داروغہ سے کہا کہ تم حال بیان کرو۔ داروغہ نے کہا حضور نہ فیلبان کا قصور ہے اور نہ ان کا قصور اُس کا قصور ہے جس نے انار چھوڑے۔ آزاد مرزا صاحب تو ہاتھی کو بہت اچھی طرح لے گئے۔ جس طرح فیلبان لے جاتے ہیں۔ یہ ہمارے پاس آئے۔ پوچھا کس کے ہاتھی ہیں۔ کس قدر راتب روز پاتے ہیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ بیٹھے ہم نے حقّہ بھروایا کہ رئیس آدمی ہیں۔ حقّہ پیتے پیتے پوچھا کہ ان میں کوئی مست ہاتھی بھی ہے۔ میں نے کہا یہ ہاتھی آتش بازی سے ڈرتا ہے۔ پوچھا ہم اُس پر سوار ہوں۔ ہم فیلبانی جانتے ہیں۔ ہم نے کہا ہم کو تسکین کیونکر ہو۔ آپ پہلے چھوٹے ہاتھی پر چڑھیں پھر اس کو لے جائیں۔

کپتان: آزاد مرزا سُنتے جاتے ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : حضور مجھے اس وقت کچھ اور ہی فکر ہے۔

کپتان : وہ کیا۔ قید خانے جانے کی۔

آزاد : نہیں، فکر یہ ہے کہ دُنیا کیونکر قائم ہے اور آسمان پھٹ کیوں نہیں پڑتا۔ بس اسی میں غلطان پیچان ہوں۔

کپتان : اُوہم سمجھا۔ تم اب پاگل بنا چاہتا ہے۔

آزاد : واہ۔ کیا خوب سمجھے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دُنیا میں اس قدر جھوٹ بولا جاتا ہے اور آسمان و زمین قائم ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ نہیں یا الٰہی اس قدر جھوٹ!

کپتان : یہ سب کا سب جھوٹا ہے اور تم سچّا ہے۔

آزاد : اجی حضور کچھ ہو گا بھی ہم نہیں جانتے۔

داروغہ : بس خداوند ہاتھی پر سوار ہوتے تھوڑی دُور لے گئے واپس آئے تو اس ہاتھی پر سوار ہوئے۔ مگر ایک دن اُن کے بیٹھے تھے، اور دوسرے دن ہاتھیوں پر سوار ہوئے۔

آزاد : بجا۔ اور تیسرے دن؟

داروغہ : بس یہ وہاں تک گئے تھے کہ کنوئیں کے پاس انار چھوڑا اور ہاتھی بھڑ کا لے کے بھاگا۔ ان کی جان گئی۔ خدا خانے یہ بچے کیونکر کپتان صاحب نے حکم دیا کہ یہاں اگر کوئی شخص آتش بازی بناتا ہو تو اُس کو ابھی ابھی گرفتار کرلاؤ۔

داروغہ : بس خداوند۔ اب پتا لگ جائے گا۔

کپتان : خبردار اُس سے کچھ نہ کہنا۔

داروغہ : ہاں خبردار۔

آزاد : میں اپنے ساتھ لے آؤں۔

کپتان : ول۔ مہربانی آپ کا۔

آزاد : خیر۔ ہائے اس زبان کو کہاں چھپاؤں۔ زبان سے نکل ہی گیا۔

خدنگِ ناز سے اوروں کو کیجیے گھائل
بغل میں ہے مرا زخمِ جگر بچائے ہوئے

کپتان : ول تم اوپر سے کیا بکتا تھا۔

آزاد : خداوند شعر خوانی کر رہا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا پناہ میں رکھے تمہاری پلکوں سے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

دو سوار اور دو چوکیدار آتشباز کے مکان پر گئے۔ ارے کون ہے۔ کوئی ہے اس مکان میں کوئی ہے۔

عورت: کون ہے غل مچا رکھا ہے۔

سوار : آتشبازی کے گاہک ہیں۔

عورت: یہاں اس وقت کوئی نہیں ہے۔

سوار : آتشباز کہاں ہے؟

عورت: کہیں گئے ہیں۔

اتنے میں آتشباز بھی آن پہنچے۔ حکم کیجیے کیا آتشبازی بنوائیے گا۔ کہا ہاں ذرا ہمارے ساتھ چلیے۔ ایک رئیس بنوائیں گے۔ اُس کو ساتھ لے کر دوسرے آتشباز کے مکان پر گئے۔ وہ بیچارہ بوڑھا۔ بہزار دقت گھر سے نکلا۔

آتشباز: صاحب میرے بنائے کچھ نہ بنے گا۔

سوار : اچھا ذرا ہمارے ساتھ چلے چلو۔

آتشباز: دور نہ جایا جائے گا۔

سوار : پاس ہے۔

بوڑھے آتشباز نے صاحب کے پاس جا کر قبول دیا کہ ایک آدمی دس بارہ انار اور ایک ہزارہ خرید لے گیا تھا۔ پوچھا تم اُس کو پہچانتے ہو۔ کہا مجھے اچھی طرح سوجھ نہیں پڑتا۔ مگر میری لڑکی نے دیکھا تھا وہ شاید پہچان لے۔

الغرض کپتان صاحب کو معلوم ہو گیا کہ شرارت آزاد مرزا ہی کی ہے۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ویسے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

آزاد مرزا کی کارستانی اور ثریّا بیگم کی پریشانی کا حال یہاں چھوڑا۔ اب میدان جنگ کا تذکرہ سُنیے۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ آزاد فرخ نہاد کو ہم نے قلعہ معلیٰ میں چھوڑا تھا۔ دو دن تک جنگ نہ ہوئی مگر تیسرے دن اس قلعہ فلک شکوہ کے پاس اسفندیار ثانی رشکِ رستم سیستانی آزاد فرخ نہاد قریب شام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب جو آزاد ایک گلزار پر بہار میں مصروف گلگشت تھے کہ کسی شخص ہندی الاصل نے یہ تین عاشقانہ شعر گانا شروع کیے۔

آنکھوں میں ادا پھرتی ہے ہر بار کسی کی
دل چھینے لیے جاتی ہے رفتار کسی کی
سوتوں کو جگا دیتا ہے ٹھکرا کے وہ جانا
مردوں کو جلا دیتی ہے رفتار کسی کی
پھر باغ میں آتا ہے کوئی رشکِ مسیحا
مشتاق ہے پھر نرگس بیمارِ کسی کی

آزاد کو دلبر سیم تن، ناظورۂ غنچہ دہن خاتون ماہ سیما، حسن آرا بیگم، یاد آئیں۔ آہ آتشباز نے خرمن صبر پر بجلیاں گرائیں۔ نرگس شہلا دیکھ کر چشم بیمار یاد آئیں۔ عشق خرد سوز نے آفت ڈھائی۔

عشق در آمد ز در گفت — سلام علیک
عقل برون شد ز سر گفت — سلام علیک

باغ کے ایک کنج میں سو رہے تو یہ خواب دیکھا۔
دیکھتے کیا ہیں کہ حسن آرا دو چار نوخیز ہمجولیوں کو ساتھ لے کر ایک پہاڑ پر کھڑی ہیں۔ معقول! حسن آرا اور قلۂ کوہ! مگر خواب ہی تو ہے۔ ان کی اور حسن آرا کی آنکھیں چار ہوئیں تو دور ہی دور سے یوں مکالمہ ہونے لگا۔

حسن آرا: کہیے بندہ پرور، مزاج شریف۔ اللہ اللہ آج تو دماغ ہی نہیں ملتے، عرش برین پر ہیں ؎

ادبت پُر غرور و بے پروا
ہم غریبوں پہ تو ہے رحم کی جا

آزاد: جان جان ہم سے اور یہ چہل! کوہ و ہامون میں ٹھوکریں کھائیں، مگر تم نے ذرا جھوٹوں بھی نہ پوچھا کہ:

جدا چوں گشتی از یاران غمخوار
چرائی ہمچو مجنوں سر بہ کہسار
چہ پیش آمد کہ او حال چوں ست
مگر صحرا نوردی از جنوں ست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ل میں سینکڑوں ارمان ہزاروں حسرتیں بھری تھیں سوچتے تھے کہ اگر بخت برگشتہ نے یاری کی اور جان آزاد خاتوں پر بیزار سے وصل کی ٹھہری تو اس قدر شکایت کروں گا کہ ان کی زبان بند ہو جائے گی۔ مگر خدا نے جو یہ دن دکھایا تو تمہاری زبان بند کرنا کیسا۔ خود ہماری ہی زبان بند ہو گئی۔

حسن آرا: (مسکرا کر) پھر جو لن ترانی کی لے گا۔ اس کا یہی حال ہو گا۔ حضرت کا کلیم نہیں جلوۂ طور دیکھتے ہی غش ہو گئے۔ جب ارنی گو سے اوج طور کی یہ کیفیت ہوئی تو تم کیا بیچارے ہو۔

آزاد: ایں! واہ۔ عاشق زار کی اچھی قدر کی کہ (تم کیا بیچارے ہو) ؎

پیمبر میں نہیں عاشق ہوں جانی
رہے موسیٰ ہی سے یہ لن ترانی

تمہارے عشق نے کنوئیں جھنکائے   زخم جگر پر تیر عشق کھائے
خود ملک الموت کو رحم آیا   قضا تک نے ترس کھایا

تہ تیغ اس صبر سے زخم کھائے
قضا بھی تھکی مرحبا کہتے کہتے

حسن آرا: شہید کشتۂ ناز آپ ہی ہیں۔ جن پر ہم عاشق ہوئے وہ جوان طناز آپ ہی ہیں۔ آزاد گلفام آپ ہی ہیں۔ عشاق میں سب سے زیادہ بدنام آپ ہی ہیں۔

آزاد: ع

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں   غرض آفت رسیدہ ہوں

مستم زغم عشق تو مستم مستم
دل در طلب وصل تو بستم بستم
گویند مرا عاشق بدنام توئی
من کر نہ توان بود کہ ہستم ہستم

حسن آرا: او ستمگر! او ظالم برسوں بعد صورت دکھائی اور اُلٹا ہمیں سے شکوہ کرتا ہے۔ اب اپنا حال تو بتاؤ اس جدائی میں کیسی گذری کیا کیا پیش آیا۔

آزاد: ہائے اس کہانی کو کہاں تک بیان کرو۔ بحر طویل ہے۔

نہ پوچھ درد اسیری کی داستان صیاد
سُنی نہ جائے گی تجھ سے مری فغان صیاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں آزاد نے دیکھا کہ دس برس کی ایک چھوکری آئی اور آہستہ سے حسن آرا کے کان میں کچھ کہا۔ حسن آرا نے کہا آزاد اگر اجازت دو تو ذرا امّا جان سے مل آؤں۔ آزاد نے فوراً دوپٹے کا دامن پکڑ لیا، اور کہا واللہ ہم دم بھر نہ جدا ہونے دیں گے۔ تم پہلو سے ہٹیں اور مرغ روح پھڑک کر ٹھنڈا ہو گیا حسن آرا نے کہا اللہ نہ کرے تمہارے دشمنوں کی یہ کیفیت ہو۔ از برائے خدا ہمارے سامنے بد شگنی کی بات نہ زبان سے نکالا کرو، اس چھوکری نے جھنجھلا کر کہا۔ ہم جا کے کہے دیتے ہیں کہ ایک مردوا نگوڑا دیوان کو نہیں آنے دیتا۔ حسن آرا کو تاب کہاں کہ آزاد کی نسبت ایسا کلمہ کسی کی زبان سے سنیں اور خاموش ہو رہیں چھوکری کو ڈانٹ بتائی اور کہا خبردار جو پھر کبھی ایسی بات کہے گی تو تو ہی جانے گی۔ اس کا جگرا تو کوئی دیکھے جینے کی باتیں کر و نڈیا۔ اور سنیے ابھی سے چل نکلی ہیں۔

آزاد: کہنے دو۔ ابھی نام خدا کم سن نو عمر ہیں۔ ان کے کہنے کا خیال کسے ہے مگر بڑھ کے ستم ڈھائیں گی۔

خدا ترا بتِ نادان دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

شاید آپ کی امّی جان کی منہ چڑھی ہوں۔ وہاں جا کے جڑ ہی دیں۔

حسن آرا: باشد، پروا کسے ہے۔ ہم ہوں اور آزاد ہوں۔ دینا ہو یا نہ ہو۔ ہم کو تو بس تم سے غرض ہے۔

خراباتِ جہاں برباد ہو جائے تو ہو جائے
رہے ساقی سلامت خم کی خیر آباد میخانہ

آزاد: اس اچپلاہٹ کے صدقے۔ اس شوخی اور سج دھج کے قربان۔ ع

بسان برق بیتابانہ تیری اچپلاہٹ ہے

اتنے میں ایک درخت سے ہُد ہُد نے کہا، حسن آرا بلبل شیراز ہے۔ آزاد نازک آواز ہے۔

حسن آرا: بھلا کبھی طیور ذی شعور کو بھی اس طرح کی جادو بھری تقریر کرتے سنا تھا۔

آزاد: ہُدہُد اور یہ گفتگو۔ شان کبریائی ہے۔ اب آمدم بر سر مطلب بعدِ مدت وصال نصیب ہوا۔ پھر کیا ارشاد ہوتا ہے۔ مدعائے ضروری الاظہار تو کہہ دیا اب حکم کا منتظر ہوں۔

حسن آرا: اب رنگ لائی گلہری۔ اپنا مطلب نہیں چھوٹنے پایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ستم زدہ ہے دل کہوں نہ کہوں
پوچھتے ہیں وہ مدعا میرا

آزاد نظر حسرت سے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ہوئے وہاں سے اُٹھے۔

رخصت اے زندان زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خار دشت اب تلوا مرا کھجلائے ہے

حسن آرا نے جھپٹ کر نہایت شوخی کے ساتھ آزاد کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کچھ خیر ہے۔ ع
عاشق تو ہوئے پہ میرزائی نہ گئی

واہ۔ بس دیکھ لیا۔ ذرا سی بات پر ایسے روٹھے۔ واہ بندہ پرور واہ۔ بس جائیے دیکھ لیا۔ اُس وقت حسن آرا کی بیقراری اور رنگ رخسار کا متغیر ہونا آزاد کو ایسا بھایا کہ بے اختیار بوسہ لے لیا اور کہا جانِ من۔ یہ صرف آزمایش تھی کہ دیکھیں تم کو محبت ہے یا نہیں۔ حسن آرا نے کہا۔

یہ عذرِ امتحانِ جذب دِل اچھا نکل آیا
ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

آزاد: اے بوے کاکل نے مست کر دیا۔ چاہ زنخنداں دیکھ کر دل ڈانواں ڈول ہے۔ دستِ حنائی خون رُلاتا ہے۔ ہر عضو بدن جان کا دشمن ہے مگر پھر بھی جان سے زیادہ عزیز ہو۔ میری طرف کوئی نہیں میرا دل تک اُس کا ہو گیا۔ بس انتہا ہے۔

مجھ عشق مشرب کی طرف اے جان جان کوئی نہیں
گیسو ہیں ہندو کی طرف عارض مسلمان کی طرف

آزاد نے حسن آرا کی گوری گوری گردن میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ دفعتہً ایک ترکی سوار نے شانہ پکڑ کر ہلایا۔ آزاد پاشا۔ آزاد پاشا جلد اُٹھیے۔

آزاد: (گھبرا کر) کیوں کیوں خیر باشد۔ خیر باشد۔

سوار: کوچ جلد تیاری کیجیے۔ بس اب دیر نہ لگائیے۔

آزاد: ہائے کیا خواب دیکھ رہا تھا۔ کس مزے سے حسن آرا سے باتیں ہوتی تھیں۔ اُف مار ہی ڈالا۔ خیر خواب میں تو جھلک دکھا دی یہی ہزار غنیمت ہے۔ شکر ہے کہ خواب ہی میں یکجائی ہوئی سہی۔ خواب میں بھی نہ بھولے۔ میدانِ جنگ میں بھی اُسی کی یاد ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل سے اُس گل کی آرزو نہ گئی — مرتے مرتے کبھی یہ بو نہ گئی
روح تن سے جُدا ہوئی لیکن — مسرتِ وصل دل سے تو نہ گئی
نیچی نظریں ہمیشہ اُن کی رہیں — کبھی شرم و حیا کی خو نہ گئی
خم کے خم پی گئے مگر دل سے — خواہشِ ساغر و سبو نہ گئی
ہم بغل میں ہوا تھا کس گل سے — عطر کی پیرہن سے بو نہ گئی
ہر چمن میں پھرے برنگ نسیم — لالہ رویوں کی جستجو نہ گئی

اور سب خواہشیں گئیں صفدر
نہ گئی اُس کی آرزو نہ گئی

سوار تو کہہ کر چل دیا۔ میاں آزاد یہاں خواب کا خیال یاد کر کے رو رہے ہیں ہے ہے۔ کس محبت اور کس بانکی ادا سے جھپٹ کر کہا تھا کہ ہماری ہی بھتی کھائے جو آگے قدم بڑھائے۔

لگایا ہے دل اُس کی زلف سیا سے
اگر جان جائے تو جائے بلا سے
مرا حال سُن کر کہا کس ادا سے
مرے یا جیسے کوئی میری بلا سے
رسائی اگر عرش تک میری ہوتی
اسی بُت کا سائل میں ہوتا خدا سے

اتنے میں ایک سوار پھر آیا۔

سوار: آزاد پاشا۔ وہاں سب تیار ہو گئے۔ بس ایک آپ ہی کی دیر ہے۔

آزاد: (چونک کر) کیا! تیاری کیسی؟ کیا فوج کہیں جائے گی۔

سوار: ہاں ہاں جلد آئیے۔ میں چلتا ہوں۔ ابھی آئیے۔

آزاد پاشا معاً قلعے میں داخل ہوئے۔ تو سخت خفیفکہ اس قدر دیر میں آئے، مگر پھرتی کے ساتھ تیار ہو گئے۔ افسر کمانیر نے کہا آزاد پاشا اس وقت بڑی بری خبر سُنی ہے۔ بہت عجلت کے ساتھ جاؤ۔ سب سامان لیس ہے۔ تمہاری نسبت یہاں مشہور ہو تھا کہ دریا میں ڈوب گئے مگر ایک سوار نے بیان کیا کہ باغ میں سوتے ہیں۔ آزاد پاشا نے سرسری طور پر وزیر جنگ کا حکم سُنا اور رسالے کے ساتھ چلے ایک پاشا نے کہا یہاں سے چار کوس پر غنیم نے مورچے باندھ لیے ہیں۔ اور پہاڑوں پر کئی رسالے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو جانب سے گولہ برسے گا۔ مقابلہ مساوی نہیں۔ آج البتہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ مگر ہر چہ بادا باد۔ ڈھائی کوس زمین طے کر کے گرد آوری کے سواروں نے رسالے کو روک دیا۔ اور بیان کیا۔ روسیوں کا لشکر جرار جس میں نصف سے زیادہ کاسک ہیں ایک پہاڑی پر جوق جوق جمع ہے۔ کئی اتواپ اژدرو ہاں ساتھ ہیں۔ رسد ابھی کافی طور پر نہیں آئی ہے رسد کا انتظار کر کے کل یا پرسوں تک آگے بڑھیں گے۔ اس مقام پر افسروں میں باہم مشورہ ہوا۔

علیقو: ہمارے نزدیک آگے بڑھنا جہالت ہے اول تو وہ بلندی پر ہم نشیب میں دوسرے اُن کی جماعت کہیں زیادہ ہے۔ تیسرے فوج قوی ہے۔

آزاد: قلعے سے اور کمک آنی چاہیے۔ ورنہ ضرور شکست پائیں گے کمیٹی کی رائے یہ قرار پائی کہ ترکی فوج غنیم کے مورچوں سے ایک کوس کے فاصلے پر قیام کرے، چنانچہ اس رائے کے مطابق فوراً عمل میں آیا، اور دس سواروں کو حکم دیا گیا کہ فوراً افسر کمانیر کے پاس قلعے میں جائیں۔ رسالہ کے افسر اعلیٰ نے ایک خط ان کے نام لکھا۔ جس کا منشا یہ تھا۔ صاحب من۔ ہمارا لشکر ایسے مقام پر ہے۔ جہاں سے روسی فوج ایک میل ہے۔ مگر اب زیادہ بڑھنے کا موقع نہیں رہا۔ اس کے کئی سبب ہیں۔ یہ غنیم نے ایسے عمدہ مقام پر مورچہ باندھا ہے کہ اگر ہماری فوج دو چند ہو تو عہدہ برآ نہو سکے۔ اس کی جماعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ایک کوس اس طرف ہم ہٹ آئے ہیں۔ فوج بھیجیے۔

سوار خط لے کر روانہ ہوا۔ اب سنیے کہ روسیوں کو جب ترکی فوج کے آنے کی خبر ہوئی تو دوربینوں سے دیکھنا شروع کیا جنرل نے حکم دیا کہ آدھ گھنٹے کے بعد گولہ اتارنا شروع کر دو۔ اس آدھ گھنٹے کے عرصے میں ترکی لشکر پیچھے ہٹ گیا تھا گولہ اندازی روسیوں کے یہاں سے شروع ہو گئی۔ مگر دو میل تک آتے آتے گولہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ اُس کی تیزی اور حدت باقی نہیں رہتی تھی۔ روسیوں نے دیکھا کہ گولے بیکار صرف ہوتے ہیں اور ترکوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا حکم دیا کہ گولہ اندازی یکقلم موقوف۔ اس گولہ اندازی سے ترکوں کا ذرا بھی نقصان نہیں ہوا آدھ گھنٹے کے بعد ترکوں کی فوج میں کھل بلی پڑ گئی۔

روسیوں کا ایک رسالہ ایک طرف سے اور دوسرا رسالہ دوسری جانب سے آن پہنچا اور دونوں طرف سے باڑھ چلنے لگی۔

آزاد: ارے! بڑا دھوکا ہوا۔

سوار: گرد آوری کے رسالے نے ذرا اطلاع نہ دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مختار پاشا: بھاگنا ہماری وضع کے خلاف ہے۔ لڑیں گے اور جان دیں گے اتنے میں گرداوری کے سواروں میں سے ایک سوار گھوڑے کو بگٹٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ آتے ہی غل مچایا کہ بھاگو۔ اب یہاں پر ٹھہرنا فضول ہے ہمارے ساتھ کے سب سوار مار ڈالے گئے۔

مختار پاشا: پھر اب کیا کیا جائے۔ بھاگنے کا تو نام نہ لو۔

سوار: اب بغیر بھاگے بنتی بھی تو نہیں بھاگیں تو کیا کریں کیا۔

آزاد نے کہا مشورے کو مختصر کیجیے وہ دیکھیے دو آدمی لٹ گئے۔

افسر اعلیٰ نے حکم دیا کہ گولے کا جواب دو۔ ادھر سے بھی گولہ چلنے لگا اور دائیں دائیں کی آواز دشت بلاخیر میں گونجنے لگی۔ ایک گھنٹے کامل تک طرفین سے گولہ چلا۔ اس کے بعد ترکوں کے پاس سامان رسد بہت کم رہ گیا۔

آزاد: سامان اب نہیں ہے۔ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔

علیقو: ایک آدمی روسیوں کے لشکر میں بھیجا جائے۔

مختار پاشا: ہائے۔ افسوس والے افسوس دھوکے میں مارے گئے۔

سوار: ایک دفعہ ہی دھاوا کر دیا جائے۔ ہر چہ باداباد۔

مختار پاشا: اچھا دھاوا کر دو۔ سمجھا جائے گا۔

اب سنیے کہ شام ہو گئی ــــ شام کے وقت دھاوا کیا گیا مگر روسیوں نے اس قدر گولے چلائے کہ فوج آگے نہ بڑھ سکی۔ ترکی سپاہی بکمال جرأت شمشیر برہنہ لیے ذراتے گھستے جاتے تھے مگر افسروں کی غلطی کے سبب سے آگے بڑھے اور بھون ڈالے گئے۔ ایک نامہ نگار نے جو قلعہ کوہ سے کل کیفیت دیکھ رہے تھے یوں لکھا ہے۔ (اس جنگ میں ترکوں نے وہ داد شجاعت دی جس کا حق ہے۔ ترکوں کو خوب معلوم تھا کہ روس کی فوج سے گولیوں اور گولوں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ بڑھے اور مرے مگر صرف اپنے افسروں کے حکم کی تعمیل کے لیے جان دیتے تھے۔ تیس ترکی اس بسالت کے ساتھ سینہ سپر ہو کر گئے کہ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ دو ترکوں نے گھس کر چار گھوڑے اور دو روسی سواروں کو مجروح کیا اور ایک آدمی کو مار ڈالا۔ (جب تک تاریخ یورپ قائم ہے۔ تب تک ترکوں کی جوانمردی یادگار رہے گی۔) یہ ایک غیر متعصب اور غیر کف نامہ نگار کی رائے ہے۔

جب آزاد پاشا نے یہ کیفیت دیکھی تو افسروں سے کہا کہ اب کچھ دیر میں ہم اور آپ یا تو اتواب روس کے گولوں سے جان بحق تسلیم ہوں گے یا گرفتار ہو جائیں گے۔ اب دل کی حسرت دل ہی میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہی جاتی ہے۔ گرفتار ہوئے تو گویا مردہ بدست زندہ اور مقتول ہوئے تو گذرے۔

اب سُنیئے کہ رات ہوگئی اور رات بھی وہ تیرہ وتار کہ الامان گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا۔ آزاد فوج روس میں دَرا کر گھسنے ہی کو تھے کہ ایک رسالہ روس نے عقب سے آن کر توپیں لگا دیں اور گولہ چلنے لگا۔ اس موقع پر ادھر کی فوج بھاگی اور اس وقت قرین مصلحت بھی یہی تھا کہ میدان جنگ سے بھاگ جائیے ؎

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن

کہ جاہا سپر باید انداختن

کچھ سوار اور سپاہی زخمی ہوئے اور کچھ مارے گئے کچھ بھاگ نکلے۔ آزاد پاشا بھی سب کے شریک تھے انھوں نے جو گلگوں صرصر تک تو کڑکڑایا تو ایک میدان کی طرف نکل گئے۔ شب کا وقت اور شب بھی کیسی کہ دیجور روشنی کہیں نام کو نہیں مقام معلوم نہیں یا الٰہی جائیں کہاں اور خوف یہ کہ مبادا روسی مار ڈالیں۔ اس وقت آزاد کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ حسن آرا سے جو اقرار کیا تھا وہ آج خاک میں ملا جاتا ہے۔ ہم تو قتل ہوں گے مگر حسرت یہ ہے کہ حسن آرا بیچاری تڑپ تڑپ کے زندگی بسر کرے گی۔ اور ہماری حالت زبوں سے اس کو کوئی اطلاع نہ دیے گا۔ کمال بیقراری میں چلے جاتے تھے کہ ایک مزدور ان کو ملا اور اُس نے ترکی زبان میں ان سے یوں گفتگو کی۔

مزدور: حضور یہاں سے پڑاؤ کتنی دُور ہے۔

آزاد: ہم کیا جانیں پڑاؤ کہاں ہے۔ ہم اس وقت میدانِ جنگ سے آتے ہیں۔

مزدور: آپ بھی ترک ہیں۔ لب و لہجہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

آزاد: تم کون ہو اور اس وقت کہاں جاتے ہو۔

مزدور: ہم مزدور ہیں۔ گھڑی اُٹھائے لیے جاتے ہیں۔

آزاد پاشا اُس مزدور سے باتیں کر ہی رہے تھے کہ دفعتہً ایک تپنچہ سر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی آزاد کے گوش چپ کے قریب ہو کر سن سے نکل گئی۔ آزاد نے جو دفعتہً فیر کی آواز سنی تو پہلے کسی قدر چونکے مگر معاً اُس مزدور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گھوڑے سے اُترے دیکھا تو تپنچہ پاس دو تھپڑ لگائے۔ تپنچہ چھین لیا پوچھا سچ بتا تو کون ہے۔ کہا میں روسی جاسوس ہوں آزاد نے اُس کو چھوڑ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی راہ لی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پنھائے جب اُس گل کو پھولوں کے ہار
نزاکت سے دُہری کمر ہوگئی

ع

نزاکت دولت خداداد ہے
ناز کبدن معشوق کا کیا کہنا

معشوق لاکھ حسین ہو اگر نازک اندام نہیں تو وہ گل ہے۔ جس میں بو نہیں۔ پھول چاہے کیسا ہی خوشرنگ ہو مگر بوے خوش کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ نازکی واقعی نعمت خداداد ہے۔ مگر ایشیا کے شعرا کا بایاں قدم لے۔ معشوق کی نزاکت کی تعریف کی مبالغے کو بھی شرما دیا۔ ایک صاحب اپنے ناز کبدن معشوق کی شان میں فرماتے ہیں۔

بغرقش گل کند گر سائبانی
قدش خم گردد از بار گرانی

معقول! کیا نزاکت ہے اس نازکی کے صدقے سایہ گل کے بار سے قد خمیدہ ہو جائے۔ اللہ اللہ! دوسرے صاحب یوں فرماتے ہیں ؎

بر آن نازک بدن آخر دلِ ما یاری گردد
کہ در پیراہنش گل از نزاکت خاری گردد

سبحان اللہ۔ اِس نازکی کے قربان۔ اچھی نزاکت ہے کہ گل خار کی طرح کھٹکے۔ واہ۔ مہری کا کلام سُنیے۔

نازکی بس کہ تر اور بدن ست
پیرہن بار بر دوش تن ست

عریانی پسند ہے۔ جامہ تو اچھا ہے جس کا سیدھا نہ اُلٹا۔

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

بدن کی نزاکت ہے کہ پیرہن بار دوش ہے، اے توبہ غلطی ہوگئی بار دوش ہی نہیں۔ بلکہ بارِ بر۔ اور بار دوش۔ واہ واہ۔ ستم کی نازکی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

یار نازک بدن از بند قبا میر نجد ہمچو گلبرگ کہ از بادِ صبا میر نجد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور اُردو شاعر نے بھی ستم ڈھایا ہے کہ۔

پہنائے جب اُس گل کو پھولوں کے ہار
نزاکت سے دوہری کمر ہوگئی

ہائے ری نازکی۔ اگر یہی حال ہے تو خدا ہی کمر کا حافظ ہے۔ پھر واقعی یہی شعر حسب حال ہوگا۔

پائنچے جبکہ اُس پری نے اٹھائے
میں پکارا خدا کمر کو بچائے

اب فرمائیے یہ نزاکت ہے یا عارضہ ہے۔ نزاکت کی کچھ حد بھی ہے۔ اِس کے جواب میں شعرا صرف اس قدر کہہ کر خاموش ہو رہیں گے کہ یہ مبالغہ ہے اور شاعری میں مبالغہ جائز ہے۔ الکذب احسنہ۔ ورنہ پھر ویسے ہی شعر ہوں گے جیسا یہ شعر ہے۔

وندان تو جملہ در دہان اند
چشمان تو زیر ابروان اند

اگر مبالغہ نہیں تو کلام مثل طعام بے نمک ہے۔ بجا ارشاد ہوا اور نمک جب تک زہر کے درجے کو نہ پہنچ جائے تب تک کھانا خوش ذائقہ ہی نہ ہو۔ درست ہے۔ یار لوگوں نے اپنے مطلب کے لیے اکثر ناجائز باتوں کو جائز کر لیا ہے۔ محرروں اور مبتدیوں نے قلم کی چوری جائز قرار دے لی اگر کوئی مبتدی قلم چرائے تو یہ داخل سرقہ نہیں ہے۔ اسی طرح شاعری میں جھوٹ بولنا عین ثواب ہے خیر۔ اس تمہید کا ماحصل یہ ہے۔

آزاد پاشا تو میدان میں یکہ و تنہا گھوڑا دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے اُن کا حال پھر لکھیں گے۔

اب سُنیئے کہ شہزادہ فرخ گہر مرزا ہمایوں فر بہادر کئی مہینے تک نیپال کی ترائی میں شیروں کا شکار کیا کیے۔ صید افگنی کا ان کو کمال شوق تھا۔ تین مہینے کے بعد سیر و سیاحت اور صید افگنی کر کے واپس آئے، تو حُسن آرا بیگم کے قصر پر فضا کے قریب اپنی دلکشا کوٹھی میں فروکش ہوئے۔ آتے ہی رفقا سے دریافت کیا کہ کہو پڑوسی کیسے ہیں۔ کبھی کبھی ٹوہ لگاتے رہے تھے یا نہیں۔ نور محمد رفیق سے جو ہمراز تھے یوں عرض کیا۔

نور محمد: حضور خدمت گار نے بہت صحیح حال کہا تھا۔
شہزادہ: ہاں! ہم نے تو خوب تحقیقات کی تھی مگر سُنا کہ وہ فقرہ بازی ہی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نور محمّد : حضور عباسی مجھے ملی تھی۔ اُس نے مسکرا کر کہا شہزادے بہادر شادی کا نام سُنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ واہ سپہر آرا بیگم روز مہتابی پر جا جا کے دیکھتی تھیں۔

شہزادہ : ہائے افسوس ہم کو لوگوں نے بہکا دیا۔

نور محمّد : خداوند۔ غلام نے تو کئی بار عرض کیا تھا مگر حضور نے ایک نہ سُنی مجبور۔ اگر حضور غلام کی التماس قبول کرتے تو اب تک شادی ہو گئی ہوتی۔

شہزادہ : خیر۔ پھر اب تو مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید کا نقشہ ہے۔

نور محمّد : اگر حضور حکم دیویں تو عبّاسی کو جا کے بُلا لاؤں۔

شہزادہ : اہو ہو۔ اگر ایسا ہو تو سبحان اللہ۔ جاؤ مگر وہ آئے گی؟

نور محمّد : خداوند وہ آئے اور اُس کا باپ آئے۔

شہزادہ : (مُسکرا کر) نہیں اُس کے باپ سے ہم کو کیا واسطہ ہے۔ آپ جا کے اُس کو لے آئیں بوڑھی عورت ہے نہ۔

نور محمّد : حضور۔ ابھی ع

برس پندرہ یا سولہ کا سِن

شہزادہ : اچھا لاؤ بھی۔

نور محمّد نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا کہ عبّاسی کو جا کر بلا لاؤ۔ عبّاسی چمکتی ہوئی آئیں۔ نور محمّد دوسرے زینے سے عبّاسی کو مرزا ہمایوں فر کے پاس لے گئے۔ شہزادے نے دیکھا تو پھڑک گئے۔ اللہ اللہ یہ سن و سال یہ حُسن و جمال؟ آئیے بی مہری صاحب۔ کہیے مزاج شریف۔

عبّاسی : (مُسکرا کر) حضور کے جان و مال کو دعا دیتے ہیں۔

شہزادہ : کہیے حُسن آرا بیگم صاحب کا مزاج تو اچھا ہے؟

عبّاسی : ہاں حضور!

شہزادہ : اور دوسری بہن کون ہیں۔ اُن کا نام بھول گئے۔

عبّاسی : (مُسکرا کر) بجا۔ اُن کا نام تو آپ ضرور ہی بھول گئے ہوں گے۔ دریں چہ شک۔

شہزادہ : ایں! اس کے کیا معنی۔

عبّاسی : حضور اس کے یہ معنی کہ کوٹھے پر سے (دھوپ میں آئینہ دکھائیے) اور گھوڑا گھاری کرے اور لوگوں سے پوچھے کہ بڑی بہن حسین زیادہ ہے یا چھوٹی؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہزادہ : ہمیں تو تم حسین معلوم ہوتی ہو، قسم خدا کی۔

عبّاسی : اے حضور ہم غریب آدمی۔ بھلا ہمارے حسن کا کس کو خیال ہے۔ جیسے جنگل کے پھولوں کی خوشبو جو کسی آدمی کی ناک تک نہیں جانے پاتی۔

شہزادہ : ہمارے گھر پڑ جاؤ۔

عبّاسی : ایں! ایلو۔ اور سنو اے حضور بھلا کوئی بات ہے۔ اللہ جانتا ہے، کیا مجاز پایا ہے اور ہنسنا بولنا ہی کام بھی آتا ہے حضور۔

شہزادے نے عمداً عبّاسی سے چہل کی بالکل بے تکلف ہو جائیں۔ عبّاسی نے صاف صاف بیان کر دیا کہ سپہر آرا بیگم۔ بیشتر آپ پر جان دیتی تھیں۔ بار بار آپ ہی کا نام لیتی تھیں۔ گھڑی گھڑی مہتابی پر جاتی تھیں۔ گھنٹوں کے بعد وہاں سے آتی تھیں۔ آپ کو چھب دکھانے کے لیے خوب خوب نکھرتی تھیں۔ دن رات آپ ہی کا دم بھرتی تھیں۔ مگر جب سے آپ چلے گئے طبیعت پھر گئی۔ شہزادے نے جیب سے پانچ اشرفیاں نکالیں اور کہا عبّاسی اگر ہمیں کسی ترکیب سے لے چلو تو پانچ اشرفیاں اور دوں۔

عبّاسی : اے حضور بھلا میں کیوں کر لے چلوں۔

شہزادہ : ہم نہیں جانتے۔ ہمیں ضرور لے چلو۔ واسطے خدا کے۔

عبّاسی : اے منشی جی (نور محمد سے) ذرا سمجھاؤ تو حضور کو۔ بھلا میں وہاں کیونکر لے جا سکتی ہوں۔ رئیسوں کا گھر۔ شریفوں کی بہو بیٹیوں میں غیر مرد کا کیا کام۔

نور محمّد : کوئی ترکیب تو سوچو۔ تم تو اللہ کی عنایت سے بڑی تیز طبیعت ہو۔

عبّاسی : اور آج تو ممکن ہی نہیں لو خوب یاد آیا۔

شہزادہ : یہ کیوں آج کیا بات ہے۔

عبّاسی : آج مہمان آنے والے ہیں۔

شہزادہ : (چونک کر) ایں! مہمان! مہمان! آنے والے ہیں مہمان کیسے۔

عبّاسی : حضور گھبرائیں نہیں۔ کوئی مرد وا نہیں ہے۔ ایک میم صاحب ہیں۔

شہزادہ : کیا دعوت کی ہے یہ ملاقات کہاں سے ہو گئی۔

عبّاسی : میم صاحب نے کسی سے سن لیا تھا کہ بیگم صاحب پڑھی لکھی رئیس زادی ہیں۔ اُن کا بنگلہ تو سامنے ہے نہ۔

شہزادہ : اخاہ۔ یہ آنے والی ہیں مس فیرنگٹن۔ پھر کسی ترکیب سے سپہر آرا سے باتیں تو کروا دو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی: اچھا ایک تدبیر ہے۔ آج باغ میں نشست ہوگی۔ باغ کی دیواریں بلند کردی گئی ہیں نہ تو اب باغ کا آدمی سڑک سے نہیں سوجھتا۔ باغ ہی میں نشست ہوگی حضور۔ چل کے کسی درخت پر بیٹھ رہیں۔

شہزادہ: ہم گھسنے کیونکر پائیں گے عبّاسی۔

عبّاسی: اے میں سب بندوبست کرلوں گی۔

نور محمد: نہیں۔ یہ واہیات بات ہے۔ ہم کو پسند نہیں۔ حضور شہزادے ہیں بادشاہ کی اولاد۔ وہاں تنہا جانا اور درخت پر بیٹھنا اور پھر وہاں سے آنا بدنامی اور جوکھم کی بات ہے۔

شہزادہ: تم باغبان کو گانٹھ لو، عبّاسی۔ بس ہم چلے چلیں۔

نور محمد: ہاں یہ بات مانی۔ کیوں عبّاسی۔

عبّاسی: بس حضور یہی سب سے بہتر ہے۔ حضور چلیں۔ باغبان کے پاس بیٹھیں۔ چھپٹے وقت باغبان سے کہہ کر کسی درخت پر جا بیٹھیں اور سارا تماشا دیکھیں۔

شہزادہ: جاؤ تم باغبان کو گانٹھو۔ اب وقت نہ ضائع کرو۔

عبّاسی: بہت خوب مگر حضور میرے یہاں آنے کا حال نہ کسی کو معلوم ہو۔

عبّاسی رخصت ہوئی۔ شہزادۂ ہمایوں فر باغ باغ تھے کہ بعد مدت دیدار یار نصیب ہوگا۔

مطرب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بنو
بادۂ دلکشا بجو تازہ بتازہ نو بنو
با صنمے چو لعبتے خوش بنشیں بخلوتے
بوسہ ستاں بکام ازو تازہ بتازہ نو بنو

یہ دو شعر پڑھتا ہوا ایک شخص اُس طرف سے گذرا تو نور محمد نے کہا لیجیے حضور فال مبارک ہے۔ ع
بوسہ ستاں بکام ازو تازہ بتازہ نو بنو

فتح ہے۔ فتح ہے۔ فتح ہے۔ انشاء اللہ پھر آواز آئی۔

شاہد و دل ربائے من میکند از برائے من
نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

اتنے میں عبّاسی لہنگا پھڑکاتی اور مسکراتی ہوئی آئیں۔ لیجیے حضور اب میری پانچ اشرفیاں اور ہوئیں۔ شہزادے نے کہا بتاؤ بتاؤ فتح ہے۔ فتح ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : اے حضور عبّاسی جس کام میں ہو اُس میں فتح کہیں لینے جاتا ہے۔

شہزادہ : کیا سپہر آرا سے کہا تھا۔

عبّاسی : نا حضور ہم سے خود باغبان نے کہا کہ بیگم صاحب ہم لوگوں سے پردہ ہی نہیں کرتیں۔

شہزادہ : فتح ہے۔ بس اب مار لیا۔

عبّاسی : دو اشرفیاں باغبان کو دینی پڑیں گی۔

شہزادہ : اوہ! یہ کون بات ہے؟ ہاں چلیں گے کیونکر؟

عبّاسی : (مُسکرا کر) حضور یہ شہزادگی کے ٹھاٹھ تو وہاں ہوں گے نہیں دھوتی پہنیے، اور مرزائی پہنیے، اور موٹے کپڑے کی بد قطع ٹوپی دیجیے، اور چادر کمر سے باندھیے، اور ڈھائی تلے کا چمرودھا جوتہ پہنیے۔ تب وہاں کے قابل ہو جیے گا۔

شہزادے نے کہا ہمیں سب منظور ہے۔ تم شام کو آؤ اور باغبان کو فوراً بھیج دو۔ عبّاسی نے جا کے باغبان کو بھیجا۔ شہزادے نے اُس کو ایک اشرفی دی اور کہا چودھری جو تم سے پوچھیں یہ کون ہیں تو کہنا ہمارے بھانجے۔ نام پوچھیں تو کہنا۔ ہمایوں۔ باغبان نے ہمایوں کا لفظ بخوبی یاد کر لیا۔ سلام کیا اور روانہ ہوا۔

شام کو ہمایوں فر نے مالیوں کی سی قطع بنائی مگر کپڑے سب سفید تھے۔ جب تاریکی ہوئی تو باغبان آن کر ان کو اپنے ساتھ لیا گیا۔ ہمایوں فر باغ میں پہنچے تو پھڑک گئے۔

دیکھا کہ پھولوں کی روشوں کے وسط میں ایک پکّا اور اونچا چبوترا ہے۔ اُس پر فرشِ مکلّف بچھا ہے۔ نہایت قیمتی قیمتی کرسیاں اُس پر چو طرفہ خوشنمائی کے ساتھ رکھی ہیں۔ بیچ میں کرسیوں پر حسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم، جہاں آرا بیگم اور گیتی آرا بیگم، اور مس فیر نگٹن متمکن تھیں۔ باغبان نے گلدستہ بنا کر مرزا ہمایوں فر کو دیا اور کہا جا کے میز پر رکھ دو۔ مرزا ہمایوں فر نے مس فیر نگٹن کو جھک کے سلام کیا اور سپہر آرا کی کرسی کے قریب گلدستہ رکھ دیا پھر جھک کے سلام کیا اور چبوترے کے ایک کونے میں با ادب کھڑا ہو گیا۔

سپہر آرا : ہیرا۔ ہیرا۔ یہ کون ہے۔

ہیرا : (باغبان) حضور غلام ہے آپ کا بھانجا ہے میرا۔

سپہر آرا : کیا نام ہے؟

ہیرا : حضور ہمایوں نام ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: ایں! ہمایوں فرتو نہیں نام ہے؟

سپہر آرا: اے واہ۔ ایسے ایسے سینکڑوں موے باغبانوں کو اُن پر سے قربان کر دے۔

اتنے میں مس فیرنگٹن نے کہا چلو باغ میں سیر کریں۔ سیر کرتے کرتے مس فیرنگٹن نے ایک طرارہ بھرا تو ایک پٹری سے دوسری پٹری میں ہو رہیں۔ اور وہاں سے جھپٹیں تو ایک اور روشن میں تھیں۔ کجا حُسن آرا بیگم کی نستعلیق چال کجا فیرنگٹن کا طرارے بھرنا۔ حُسن آرا بیگم نے کہا ہمایوں ذرا وہ پھول توڑ لانا۔ ہمایوں مالی جھپٹے ہی تھے کہ پھول توڑ لائیں کہ دفعتہً اس نے طرارہ بھرا اور تڑ سے پھول توڑ لیا۔ ہمایوں اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اللہ اللہ ہندوستان کی نزاکت کو دیکھیے اور ان کی شوخی اور چستی کو یہ دو زینے چڑھنے میں ہانپ جائیں گے۔ طاق سے صندوقچہ اُتارنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے وہ دو گھڑی دن رہے سے کرکٹ کھیلا کرتی ہیں۔ اِدھر اُچکیں اُدھر ہو رہیں۔ یہ دوڑیں وہ جھپٹیں اور یہاں یہ کیفیت ہے۔

پنھائے جو اُس گل کو پھولوں کے ہار
نزاکت سے دُہری کمر ہو گئی

نزاکت کو تپ دق کے درجے پر پہنچا دیا۔ خاص مدقوق اور نازک کی ایک تعریف ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ نزاکت حُسن کی آگ کو ہزار درجے بھڑکا دیتی ہے۔ مگر ہر ملکے و ہر رسمے۔

مِس: آپ کرکٹ نہیں کھیلتیں۔

حُسن آرا: نہیں ہم لوگوں میں یہ بات معیوب ہے۔

مِس: ہوا کھانے آپ جاتی ہیں۔

حُسن آرا: جب دس گیارہ برس کا سن تھا تب گاڑی پر سوار ہو کر جاتے تھے۔ اب نہیں جا سکتے۔ ہمارے ملک میں معیوب ہے۔

مِس: دل۔ گاڑی آپ ہانک لیں۔

حُسن آرا: (مُسکرا کر) توبہ توبہ۔

اتنے میں جہاں آرا بیگم پائنچے اُٹھائے ناز وادا سے آئیں۔ مِس فیرنگٹن نے ان کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور کہا آئیے ہم اور آپ ناچیں۔

حُسن آرا: (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) اے اے کہیں ایسا اماں جان کے سامنے نہ کہنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا : آپ لوگ گیند بھی کھیلتی ہیں۔

مِس : ہاں۔ روز۔ لان ٹینس۔ کرکٹ۔ بیڈمنٹن۔

سپہر آرا : ایں! پشتو بولنے لگیں۔

حسن آرا : ہم لوگ ان باتوں کو عیب سمجھتے ہیں۔ عورت اور مرد میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔

مِس : ول۔ اپنے اپنے ملک کی رسم ہے۔

یہ کہہ کر مس فیرنگٹن نے گانا شروع کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد حسن آرا اور جہاں آرا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ٹہلنے لگیں تو دو گھنٹے کامل ٹہلا کیں۔

حسن آرا : (کرسی پر بیٹھ کر) اُوئی ہمارا تو دم ہی نکل جاتے۔

جہاں آرا : ہم تو ہانپنے لگے بہن۔

سپہر آرا ایک بنچ پر بیٹھنے کو تھیں کہ ہمایوں مالی جھپٹ کر کرسی لے آیا۔

سپہر آرا : ارے مالی۔ ذری خوشبودار پھول توڑ لے آ۔ ایک رومال میں باندھ کر مغلانی کو دے دینا کہ ہمارے سرہانے پر رکھ دے۔

ہمایوں مالی نے جوہی اور بیلے چنبیلی کے پھول توڑ کر مغلانی کو دیے اور کہا سپہر آرا بیگم کے سرہانے رکھ دینا۔ انھیں پھولوں کے ساتھ رومال میں ایک رقعہ بھی باندھ دیا۔

رقعے کا مضمون یہ تھا۔

جاناں من سے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اور اگر دیدار اور گفتار دونوں نصیب ہوں تو۔ ع

آتشِ شوق تیز تر گردد

کشتۂ خنجر ناز کا اگر علاج منظور ہو تو جلالو۔ ورنہ ایک بے اعتنائی دم کے دم میں عاشق خستہ جان کا کام تمام کر دے گی، اور پھر مسیحا کی مسیحائی بھی کام نہ آئے گی۔

اتنے میں مس فیرنگٹن بھی رخصت ہوئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

آزاد پاشا فرس تند خو پر سوار اُس لق و دق میدان میں حیران و پریشان چلے جاتے تھے۔ قدم قدم پر خوف تھا کہ مبادا روسیوں کی فوج مل جائے یا کسی مہیب درندے سے مقابلہ کی نوبت آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جائیں تو کدھر جائیں۔ اس کا فیصلہ انھوں نے گھوڑے ہی کی رائے پر چھوڑ دیا۔ چلتے چلتے ایک مقام پر صید مصیبت ہوئے۔ پچیس روسی سواروں سے مڈھ بھیر ہوئی۔ آزاد پاشا کا گھوڑا اس تیزی کے ساتھ جارہا تھا کہ جب تک سواروں کے کلّے پر پہنچے تب تک ان کو معلوم ہی نہ ہوا کہ کس بلا کا سامنا ہونے والا ہے۔ سوار آہستہ آہستہ سامنے سے آتے تھے۔

آزاد پاشا پر ایک سوار نے بندوق سرکی۔ ایں! اس بلائے ناگہانی سے خدا بچائے۔ غور کرکے دیکھا تو روسی سوار۔ ارے! لاحول ولاقوۃ! بُرے پھنسے مگر ہمت مردانہ کے صدقے۔ گھوڑے کو پھیر کر ایک سوار پر شمشیر خوش غلاف کا تُلا ہوا ہاتھ مارا تو دھم سے پشت اوہم سے زمین پر لوٹنے لگا۔ اس پر روسیوں نے گولی چلائی مگر خدا حافظ حقیقی ہے۔ ہوا تک نہیں چھو گئی۔ آزاد پاشا نے سروہی سے ایک اور سوار کو زخمی کیا اور گھوڑا بڑھا کر چاہتے تھے کہ ایک اور منحوس کا کام تمام کروں کہ ایک گولی سے دستِ چپ کی ہتیلی کسی قدر زخمی ہوئی۔ شیر کی خاصیت ہے کہ چوٹ کھا کے آگ ہو جاتا ہے۔ ہمارے شیر دل میاں آزاد نے جو چوٹ کھائی، تو شعلۂ غضب بھڑک اُٹھا، بلا خوف وخطر کمیتِ خوشخرام کو آگے بڑھا کر تین روسی سوار ونکا ایک چشم زدن میں کام تمام کر دیا۔ دو کے سر خاک وخون میں غلطان تھے۔ تیسرے کی لاش پھڑک رہی تھی۔

جب روسیوں کے بیڑے میں گولیوں کی آواز گئی اور ایک شخص نے جاکر اطلاع دی کہ ترکوں کے سواروں سے مقابلہ ہو گیا تو روسیوں نے اسی سوار معاً بھیجے کہ مدد دیں، اور اگر ضرورت ہو تو رسالے کا رسالہ بھیج دیں۔

اس وقت اگر حسن آرا بیگم اپنے آزاد کی بسالت اور جوانمردی دیکھتیں، تو اور زیادہ امتحان کی منتظر نہ رہتیں۔ ایک آزاد خستہ جان اور مقابلے کے لیے اتنے جوان۔ الامان الامان۔ آزاد پاشا زبانِ حال سے یہی اشعار کہتے تھے۔

سرِ تیغ من خون شیران خورد
ہمان گرز مغزِ دلیران خورد
چو تیغ من از کینہ آید برون
کند ہفت کشور چو دریائے خون
مرا خندہ آید بدین داوری
کہ پیشم تو آئی و جنگ آوری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد پاشا نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو سمجھ گئے کہ اب زیست محال ہے۔ جو سوار موجود تھے وہی جان لینے کے لیے کیا کم تھے کہ یہ سوار اور کمک کے لیے آئے۔

اب سُنیے کہ رُوسی سوار ایسے چوندھیائے کہ اپنے لشکر کو ترکوں کا رسالہ سمجھے اور گھوڑوں کی باگ اٹھا کر بھاگے تو پیچھے پھر کر دیکھنا قسم تھا۔ آزاد پاشا اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بھاگنے ہی کو تھے کہ چھ سواروں نے ان کو گھیرا۔ انھوں نے گولی چلائی ایک سوار تڑ سے زمین پر گرا۔ دوسری گولی چلائی۔ ایک سوار کو مجروح کیا۔ اتنے میں کئی سواروں نے ان کو گھیرا اور تلوار چلنے لگی۔ آزاد پاشا داؤں گھات سے چوٹیں لگاتے تھے۔ اور غنیم کی چوٹیں بچاتے تھے۔ گھوڑا پھیر کر ایک منٹ میں سات آدمیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پشت توسن سے زمین پر گرا دیا۔ مگر ایک کی دوا دو تلوار تو اپر ایک نہ پڑنے پائی۔ لیکن اس عرصہ میں کئی گولیاں پڑیں آخر کار زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے (الٰہی خیر کیجو) اور بیہوش ہو گئے۔ روسی سوار اور ان کے دو افسران کے قریب آئے۔

ایک افسر : کیا مر گیا یا جان باقی ہے۔

دوسرا افسر : کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے اور نبض بھی گرم ہے۔

سوار : ناک کاٹ لو۔ فوراً ناک کاٹ لو اور چھوڑ دو۔

دوسرا سوار : جی چاہتا ہے تلوار سے ناک اور کان کاٹ لوں۔

افسر : ہاں۔ داغی تو ضرور کرنا چاہیے۔ ہے اسی لائق۔

راوی : ستم کا سامنا ہے۔ آزاد بے بس اور بے کس غش میں پڑے ہیں ادھر غنیم کے سوار کلے پر کھڑے ہیں۔ کوئی ناک کاٹنے کا غمناک فقرہ سُناتا ہے۔ کوئی اُس کے بھی کان کاٹتا ہے۔ وہ لوگ پھر باہم یوں مکالمہ کرنے لگے۔

"بڑا جری آدمی ہے۔ ایک بُھنگے کے لیے اتنے سواروں کو لانا پڑا۔"

"افوہ کچھ ٹھکانا ہے۔ اتنی سی جان اور اتنے جوان۔ شاباش۔"

"ہمارے نزدیک اس کو زندہ چھوڑنا بڑی غلطی ہے۔ قتل ہی کرنا مناسب ہے۔ اس اُفعی کو فوراً قتل کرنا لازم ہے۔ ورنہ بڑی بدعتیں کریگا۔"

"بھلا اگر اس کو بیڑے میں لے چلیں تو کیسا۔"

"سب سے اچھا۔ یہ رائے ہم کو سب سے زیادہ پسند ہے۔"

"اور اگر مر گیا تو پھر۔"

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"پھر اچھا ہو۔ مر جائیے گا تو کیا ہوگا۔"

راوی: کوئی حسن آرا کے دل سے پوچھے۔ اگر اس وقت حسن آرا بیگم آزاد کی حالت زار اور غنیم نو روسیہ کی گفتگو سے واقف ہوں تو زندگی وبال ہو جائے۔ اللہ رکھی زہر کھائے۔ زینت النسا کی جان پر بن آئے۔ اختر النسا پھوٹ پھوٹ کے روئے۔ وینشیا جینے سے ہاتھ دھوئے۔

الغرض روسیوں نے ٹھان لی کہ آزاد کو اپنے لشکر میں لے جا کے قید کریں۔ دیکھا تو خون میں ڈوبے ہوئے غش کے سبب سے حس و حرکت تک محال تھی۔ ایک شقی القلب نے کہا ہمارے نزدیک اس قدر زحمت اٹھانا اور اس کو لاد کر لے جانا حماقت ہے۔ اس کے زخموں پر زخم لگاؤ تا کہ بلبلا بلبلا کے دم توڑ دے۔

"ابھی نہیں جب ذرا ہوش آئے فوراً چرکا لگاؤ"۔

"ہاں موئے پر سو درّے"۔

"مرے ہوئے کو مارنا۔ مٹے ہوئے کو مٹانا۔ گرے ہوئے کو اور ٹھوکر لگانا دلیل شجاعت نہیں ہے۔

"شجاعت کا یہاں کیا ذکر ہے۔ مطلب تو ایذا رسانی سے ہے۔

"ایذا رسانی بھی انسانیت کے خلاف ہے۔

الغرض ایک رحم دل آدمی نے ان سنگدل حضرات کو سمجھایا۔ ایک بڑی ڈولی پر آزاد پاشا کو بہ آرام لٹا کر فوج میں لائے۔ ڈاکٹروں نے مرہم پٹی کی فکر کی۔ آزاد پاشا کی جرأت اور جوانمردی کا ذکر خیر سن کر کل لشکری ان کو دیکھنے آئے۔ گو رات کا وقت تھا مگر ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

"بڑا چالاک آدمی ہے۔ اکیلا آدمی اور اتنے آدمیوں سے مقابلہ کیا؟"

"کئی آدمی زخمی ہوئے۔ کئی آدمیوں کو مار ڈالا۔ آدمی کیا دیو ہے"۔

"زخم بھی بہت کھائے۔ خون کے سُرّاٹے بہ رہے ہیں"۔

"ڈاکٹر نے بھیا کو ہٹایا اور کہا کہ اس کے جسم سے کئی سیر خون نکل گیا ہے اور مارے ضعف کے قریب بہ ہلاکت ہے۔ اگر تم سب گھیرے رہو گے تو بہت جلد عالم فانی سے کوچ کر جائے گا۔ افسروں کی صلاح قرار پائی کہ اس کا علاج عمدہ طور پر ہو۔ سپاہی آدمی ہے۔ سپاہی کی قدر کرنی چاہیے۔ چھ آدمی خدمت کے لیے مقرر ہوئے۔ چالیس آدمیوں کا پہرا رہا۔ چالیسوں کے پاس ہر قسم کے اسلحہ تھے۔ دو ڈاکٹر مقرر ہوئے۔

آزاد پاشا تمام شب غشی کے عالم میں رہے۔ دین و دنیا سے بے خبر۔ صبح آنکھ کھلی تو اس قدر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضعف تھا کہ اب مرے اور اب مرے صبح کے وقت (پھر کل لشکریوں نے آزاد کو گھیر لیا۔ چونکہ رُوسی خود سپاہی آدمی ہیں۔ آزاد کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اتنے میں ایک جنرل نے جو اسی وقت وارد ہوتے تھے اس بھیڑ کو دیکھ کر سبب دریافت کیا تو ایک رُوسی کرنل نے یوں بیان کیا۔

کرنل : گرداوری کے لیے تیس چالیس سوار باہر گئے تھے دفعتہً بندوقوں کی آواز آنے لگی۔ ہم سمجھے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اتنے میں ایک گو یندے نے اطلاع دی کہ ترکوں سے اور گرداوری کے رسالے سے مقابلہ ہو گیا۔ ہم نے اسّی سوار بھیجے کہ کمک کریں اور اگر ضرورت ہو تو جنگ کا پورا سامان بھیجیں مگر وہاں صرف ایک ترکی افسر رسالہ تھا اور اسی ایک افسر نے سب سے مقابلہ کیا اور اس جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ شاید آپ نے بھی اس سن میں نہ سُنا ہو۔ ہر بُن مو سے یہی کہتا تھا کہ ؎

بسیہ گولہ و گرد بازو منم
گران سنگ راہم ترازو منم
زتن بر کسنم گردن بیل را
بدم در کشم چشمۂ نیل را
ہر آنکس کہ جانش بکین برگزم
بسے جامہ راور سگاہن رزم

خبر آئی ہے کہ آٹھ آدمی زخمی اور چار جان بحق تسلیم ہوئے تین گھوڑے جان سے گئے اور طرہ یہ کہ ہمارے رسالے کے بیس پچیس آدمی بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنرل : ایک سوار کے مقابل میں بیس پچیس بھاگ کھڑے ہوئے ؟

کرنل : یہ شخص بڑا جیالا ہے۔ ہم اخبار میں اس کی تعریف لکھیں گے۔

جنرل : مگر اس کے بچنے کی کوئی اُمیدٌ ہے۔

کرنل : ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ضعف انتہا سے زیادہ ہے دو چار روز تک اٹھنے کے قابل نہ ہوں گے۔

جنرل : ڈاکٹر صاحب کو بلاؤ۔ ہم خود زبانی گفتگو کریں گے۔

ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا ہم اس شخص کو گو ترکی ہے تہ دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ اس نے بڑا کار نمایاں کیا۔ بڑا جری آدمی ہے۔ جنرل صاحب کے سامنے ڈاکٹر نے زخموں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دھویا۔ مرہم لگایا پٹیاں باندھیں۔ اور آواز سے کہا کہ تم آہستہ سے گفتگو کیا کرو۔

آزاد نے اشارے سے شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا گھبراؤ نہیں تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔

اب سُنیئے کہ علیقو پاشا اور احمد پاشا اور مختار پاشا وغیرہ بعد شکست، قلعے میں واپس گئے مگر آزاد کا کہیں پتا نہیں سمجھے بیچارہ مارڈالا گیا سب کو سخت افسوس تھا کہ ایسا زندہ دل آدمی مار ڈالا گیا۔ یوں تو شکست کا رنج ہر صغیر و کبیر کو تھا ہی مگر آزاد کے قتل کا افسوس بھی کچھ کم نہ تھا۔

علیقو: ستم ہو گیا۔ واللہ کمال افسوس ہے۔

احمد: خدا جانے کس کس سے وعدے کر کے آئے تھے۔

مختار: دل کی دل ہی میں رہی۔ حسرت ہی حسرت رہ گئی۔

احمد: ہائے ستم۔ واللہ نظروں کے سامنے اُس کی تصویر پھر رہی ہے۔ ایک سوار نے ان کو میدان کی طرف جاتے دیکھا تھا خدا جانے کیا انجام ہوا۔

افسر کمانیر نے حکم دیا کہ دس گوئندے بھیجے جائیں۔

دس روز تک آزاد پاشا اچھی طرح ہل نہیں سکتے تھے۔ روسیوں کی طرف سے کئی آدمی ان کی خدمت کے لیے مقرر تھے اور روسیوں کو ان سے ایک قسم کا اُنس ہو گیا تھا۔ آزاد پاشا کو نقاہت کے سبب سے یقین واثق تھا کہ اب زندگی محال ہے۔ اس خیال نے اِن کو پردیس اور اجنبیوں میں اور بھی افسردہ کر دیا۔ روز و شب حُسن آرا کی تصویر نظر کے روبرو رہتی تھی۔ اور کبھی کبھی چونک کر آہستہ سے پکار اُٹھتے تھے (حُسن آرا) اور پھر اپنی وحشت اور بیقراری پر زار زار روتے تھے۔ پہلی شب کو تو انھیں ذرا بھی ہوش نہ تھا۔ دوسری شب کو بھی گھنٹوں غشی کی حالت میں پڑے رہے۔ مگر تیسری شب کو اِن کا بُرا حال تھا۔ حسن آرا کو یاد کر کے روتے تھے۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی تو عجب طرح کا خواب دیکھا۔

کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بجرے پر حُسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم اور مسز اپیلٹن (وینیشیا) اور میاں آزاد بیٹھے ہیں۔ ایک طرف سے زینتُ النسا اور دوسری جانب اختر النسا ملاح کا کام کر رہی ہیں۔ اور اللہ رکھی سفید دُلائی اوڑھے ہوئے کہتی ہے آزاد ؏

وہ جو ہم سے تم سے قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

انھوں نے کہا ہمیں تو تمہاری صورت تک نہیں یاد ہے۔ قول کیسا اور اقرار کیسا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اللہ رکھی: یہ آئین وفاداری میں جائز نہیں ایک معشوق کو بغل میں لے کر بیٹھو اور ایک کو جلاؤ:

رقیباز آتش ہجر شش من مہجورمی سوزم
نمی سوزی تو از نزدیک من از دور می سوزم

حسن آرا: اُوئی کیسی ڈھیٹ عورت ہے یہ ہے کون؟

اللہ رکھی: عاشق شیدا، جو تم وہ ہم۔ کوئی اور تو نہیں مقرّر کیا ہے۔

آزاد نے اشارے سے کہا خاموش ہو رہو۔ اس پر اللہ رکھی کسی قدر تنگی اور انگلیاں مٹکا کر بولی آپ اس معاملہ میں دخل نہ دیں۔ آزاد نے انگلی سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو رہو۔ اور حسن آرا نے اللہ رکھی کے جلانے کی غرض سے آزاد کے گل رخسار کا بوسہ لیا تو اللہ رکھی خوب روئی، اور یہ شعر زبان پر لائی:

رقیب روسیہ پنہاں چو گیرد از لبش بوسہ
چو خط نقرہ بر سنگِ محک پنہاں نمی آید

حسن آرا: پنہاں کیوں لیں کیا کچھ تمہارا ڈر پڑا ہے۔ (پھر بوسہ لیا)۔

اللہ رکھی آبدیدہ ہو گئی۔ سپہر آرا نے کہا تم ہو کون اور یہ رونا دھونا کیا معنی، ان کو بجرے پر کیوں بٹھایا۔ تم اُتر جاؤ ابھی اُتر جاؤ۔ اللہ رکھی نے یہ شعر پڑھا:

غیروں کو بوسے دیتے ہیں کس کس مزے سے وہ
ہم ہیں کہ اُن کی بزم سے اُٹھوائے جاتے ہیں

یہ کہہ کر اللہ رکھی دریا میں کود پڑی۔ اور معاً آزاد کی آنکھ کھل گئی تو: بکرانہ معشوق زریں کمر فقط وہ اور زخم جگر۔

آزاد پاشا گو ضعیف نقیہ خستہ جان پریشان حال اور کمال آشفتہ تھے مگر اس خواب نے ان کو کسی قدر تسلی دی۔ ان کی تسلی کچھ ضعیف الاعتقادی کے سبب سے نہ تھی بلکہ اس کا خاص باعث یہ تھا کہ انھوں نے ان گلبدنوں کو اپنے اردگرد دیکھا تھا۔ جس سے وہ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ مگر اس خوشی کے ساتھ رنج بھی کسی قدر توام تھا۔ اللہ رکھی کی گریہ وزاری اور بیقراری اور رشکِ رقابت حسن آرا سے دریا میں کود پڑنا ان کے رگ دل پر نشتر کا کام کرتا تھا۔ اللہ رکھی کو انھوں نے خواب میں اسی وضع سے دیکھا تھا جس وضع سے وہ نکھر کر کوٹھری سے نکلتی تھیں اور نور کے تڑکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس ناظورہ ملک فریب کے جمال میں پر ان کی نظر پڑتی تھی ؎

در تماشائے جمال او سراپا دیدہ ام

ایک سر مو بر تنم بے لذت دیدار نیست

آزاد دل میں سوچنے لگے کہ اگر میں ضعیف الاعتقاد ہوتا تو اس خواب سے جانِ رفتہ از سر نو بدن میں آجاتی اللہ اللہ زینت النسا اور اختر النسا کے رنگین اور حنائی ہاتھوں میں بانس ہو۔ اور ہم بجرے پر سوار ہوں۔ اِدھر اُدھر مہوشان گلفدار ہوں اللہ رکھی اور حسن آرا میں نوک جھوک ہو اور سوتیاڈاہ سے دونوں تیکھی ہو ہو کر ایک دوسری کو طعنے دیں۔ جب یہ ہو تو پھر عرش بریں پر دماغ کیوں نہ ہو۔ ؎

چرا خوشدل نباشم چوں تو شوخے ہم نشین دارم

برنگ چرخ من ہم آفتابے برزمین دارم

اتنے میں ڈاکٹر صاحب آئے۔

ڈاکٹر: آج آپ بہت خوش نظر آتے ہیں۔ کل سے افاقہ ہے۔

آزاد: جی ہاں۔ اس وقت طبیعت بشاش ہے۔

ڈاکٹر: شب کو درد تو نہ تھا۔

آزاد: اوّل شب کسی قدر کرب تھا مگر کوئی گیارہ بجے سے آنکھ لگی تو اب بیدار ہوا۔

ڈاکٹر: اب آپ البتّہ چھ روز میں بالکل اچھے ہو جائیں گے۔

آزاد: آپ کی نوازش۔

ڈاکٹر: آپ ترک ہیں۔

آزاد: میں ترک نہیں۔ ہندی ہوں مگر ترکی کے نام پر جان دیتا ہوں۔

کرنل: (مسکرا کر) ہم سن رہے ہیں۔

آزاد: میں نہایت خوش ہوا کہ آپ سنتے تھے اور اس سے آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں راستباز آدمی ہوں کبھی اپنی خواہش اور اصل رائے کے خلاف کوئی کلمہ زبان پر نہ لاؤں گا۔ اس میں چاہے جو ہو۔

کرنل: آپ پورے اور پکے سپاہی ہیں سپاہی کی یہی تعریف ہے۔

آزاد: اب تو قیدی ہوں میری کل آرزوں کا خون ہوا۔ اب زندگی وبال ہے اگر مقتول ہوا تو گویا جی گیا اس زندگی پر مرگ کو ترجیح دیتا ہوں۔

کرنل: آپ چھوڑ دیے جائیں گے مگر بعد اختتام جنگ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چند روز کے بعد ایک دن کرنل صاحب جو آزاد پاشا کی مزاج پرسی کے لیے آئے تو دیکھا آزاد زار زار روتے ہیں پوچھا وجہ۔ آج طبیعت کیسی ہے۔ آزاد نے صاف صاف بیان کر دیا کہ ایک دخت لشکر لب پر جان جاتی ہے۔ ہندوستان اسی غرض سے چھوڑا تھا کہ جنگ روم میں نام کریں اور اس مہ پارہ عابد فریب کو عقد نکاح میں لائیں مگر میری کل آرزوؤں کا خون ہو گیا۔

کرنل : ہم صحیح کہتے ہیں کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔

آزاد : بعد اختتام جنگ رہا ہوئے تو کیا۔

کرنل : رہا ہو کر سیدھے ہندوستان جاؤ۔ اس ناظورۂ شیریں حرکات کو عقد نکاح میں لاؤ۔

آزاد : ہائے یہی تو ستم ہے۔ وعدہ تو یہی تھا کہ سرخرو ہو کر آئیں گے تو بیاہیں گے۔

کرنل : تمہارے حال پر ہمیں افسوس آتا ہے مگر ہم تم کو رہا نہیں کر سکتے۔

آزاد : ہائے ع

گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

کرنل : افسوس ہے مگر جنگ دو سردار دو۔

آزاد : ہائے یہ کیا سمجھتے تھے کہ ایسا خراب انجام ہو گا۔ سنا کرتے تھے۔ ؎

کشورِ عشق است ایمن از خطر
کز خرابی می شود آباد تر

مگر دیکھا تو عشق کو خانماں خراب ہی پایا۔ ایک شاعر کا قول ہے:

بہر دردم عشق درمان ساز شد
جذبہ اش ہر سو کمند انداز شد

مگر یہاں قضیہ بالعکس ہے، ہمارے درد کے لیے عشق درمان ساز نہ ہوا حضرت تجلّی فرماتے ہیں:

عشق جان را سوے جانان رہبر ست
درمیانِ جزو کل پیغمبر ست

مگر جاناں تک رسائی کجا۔ یہاں خود جان کے لالے پڑے ہیں۔

ہمایوں باغبان

ہمایوں باغبان کو اپنے طالع فرخ پر ناز تھا کہ سپہر آرا بیگم کو بے حجاب و برافگندہ نقاب دیکھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب جہاں آرا نے کہا کہ ہمایوں فرتو نہیں ہے، اور سپہر آرا تیکھی ہو کر بولیں کہ ایسے ایسے باغبانوں کو اُن پر سے قربان کر دوں، تو کمال مسرور ہوئے۔ اور باغبان سے یوں گفتگو کرنے لگے۔

ہمایوں : آج تم کو اس قدر انعام دوں گا کہ جی خوش ہو جائے گا۔

باغبان : حُضور ہی کی بدولت سب کچھ ملتا ہے۔

ہمایوں : وہ پیازی دوپٹا اوڑھ کر کون بیٹھی تھیں۔

باغبان : سپہر آرا بیگم۔ یہ بیگم صاحب کی چھوٹی صاحبزادی ہیں۔

ہمایوں : کیا ہر روز باغ میں آتی ہیں۔

باغبان : جی ہاں کسی دن ناغا نہیں ہونے پاتا۔ صبح شام سیر کے لیے آتی ہیں۔

ہمایوں : تو ہم بھی ہر روز آیا کریں گے۔ کچھ ہرج تو نہیں ہے؟

باغبان : بس اسی طرح پر آنا ہوگا۔ پورے مالی بنے ہوئے۔ اتنے میں جھروکے سے سپہر آرا نے باغبان کو آواز دی۔

سپہر آرا : باغبان۔ مالی۔ مالی۔

باغبان : حُضور۔ حُکم۔

سپہر آرا : اے یہ مالی کون آیا تھا ہمایوں ہمایوں۔

باغبان : حضور میرا بھانجا ہے۔

سپہر آرا : اس کو نوکر رکھ لو۔

ہمایوں باغبان کھڑے سُن رہے تھے۔ باغبان نے کہا حضور وہ سرکار ہی کا تو نمک کھاتا ہے۔ یوں بھی نوکر ہے ووں بھی نوکر ہے۔

سپہر آرا : خوش سلیقہ آدمی معلوم ہوتا ہے مگر ہمایوں تو مسلمانوں کا نام ہے۔

باغبان : ہاں حضور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

سپہر آرا : ہاں اِتو بڑا فہمیدہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔

باغبان : حضور پڑھا لکھا ہے۔

دوسرے دن شام کو سپہر آرا اور حُسن آرا باغ میں آئیں تو دیکھا چبوترے پر دو نقشے کھنچے ہیں۔

سپہر آرا : اے باجی جان شطرنج ہی کے نقشے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا: ایں! ہاں ہیں تو شطرنج ہی کے نقشے۔

سپہر آرا: (مغلانی سے) یہ بنائے کس نے؟

حسن آرا: کل تک تو نہیں تھے۔

سپہر آرا: اہاہا۔ ہم سمجھ گئے باجی جان۔ یہ ہمایوں باغبان نے بنائے ہوں گے۔

حسن آرا: ہمایوں باغبان کون ہے؟

سپہر آرا: اے جوان سا باغبان ہمارے باغبان کا بھانجا تھا۔ جس کو جہاں آرا بہن نے ہمایوں فر بنایا تھا۔

حسن آرا: آہا۔ وہ؟

باغبان: ہاں حضور اسی نے بنایا ہے۔

سپہر آرا: دیکھو تو باجی۔ نقشے دیکھو ذری۔

پہلا نقشہ یہ تھا:

سیاہ بازی

	پیل سیاہ				اسپ سفید		اسپ سیاہ
	اسپ سیاہ		پیادہ سیاہ		پیادہ سیاہ	پیادہ سیاہ	
				شاہ سیاہ		پیادہ سیاہ	
			اسپ سفید				
			پیل سیاہ	پیادہ سفید			
		پیادہ سیاہ					
وزیر سفید		شاہ سفید					پیل سفید

سفید بازی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سفید دو چال میں مات کرتا ہے۔

حسن آرا نے اس نقشے کو بغور دیکھا مگر سمجھ میں نہ آیا۔ سپہر آرا کہتی جاتی تھیں نہ باجی جان اگر اس نقشے کو نہ حل کیا تو ہمیں بڑا رنج ہوگا۔ حسن آرا نے کہا بہن طبیعت ہی تو ہے۔ طبیعت لڑ جائے تو اس سے مشکل نقشے نکال لیں۔ اور نہ لڑے تو آسان سے آسان نقشہ بھی نہ حل ہو سکے مگر سوچنے دو شاید طبیعت لڑ جائے۔

دوسرا نقشہ یہ تھا:

سیاہ بازی

		سفید رخ					
					اسپ سیاہ		
				پیل سفید		اسپ سفید	
			پیادہ سیاہ	پیادہ سیاہ شاہ سیاہ		پیادہ سیاہ	
	اسپ سیاہ						
			رخ سفید	پیادہ سفید	شاہ سفید		
پیل سفید							

سفید بازی

سفید بازی سیاہ بازی کو دو چال میں مات کرے۔

حسن آرا: بڑا ٹیڑھا بیڑھا نقشہ ہے۔

سپہر آرا: اس کو حل نہ کیا تو کچھ نہ کیا۔

حسن آرا: کچھ زبردستی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : اے ہے۔ اتنی بڑی شطرنج کھیلنے والی ہو، اور ذری سا نقشہ حل نہ ہو سکے گا۔

حسن آرا : تم بھی تو کھیلتی ہو۔ تمہیں حل کردو۔

باغبان : حضور اگر حکم ہو تو وہ اور اور نقشہ بھی بنائے۔

حسن آرا : ذری غور کرنے دو۔

سپہر آرا : جب جانیں کہ حل ہی کرلو۔

حسن آرا : ہم سے پہلا نقشہ تو نہ حل نہ ہو سکے گا۔ دوسرے کو دیکھیں۔

ہمایوں باغبان دل ہی دل میں ہنس رہے تھے کہ منہ مانگی مراد پائی۔ اب سپہر آرا سے گفتگو کرنے کا خوب موقع ملے گا۔ مگر انھوں نے ٹھان لی تھی کہ کچھ دن تک رات کو صورت دکھائیں گے۔ دن کے وقت قریب نہ جائیں گے ایسا نہ ہو کہ راز کھل جائے۔

حسن آرا : (باغبان سے) یہ تمہارے بھانجے کو شطرنج بازی کس نے سکھائی۔

باغبان : حضور اس کو شوق ہے لڑکپن سے کھیلتا ہے۔

حسن آرا : اس سے پوچھو اس نقشے کو حل کردے گا۔

باغبان : کیا حضور۔

حسن آرا : تم نہ سمجھوگے۔ وہ ہے کہاں۔

باغبان : کل بلوا دوں گا۔

باغبان نے کہا حضور میرا بھانجا لکھتا بھی خوب ہے۔ اگر حکم ہو تو دکھا دوں۔ حسن آرا نے کہا لاؤ۔ باغبان نے ایک وصلی لاکر دی، اس پر یہ اشعار نہایت ہی خوشخط لکھے تھے۔

چیستان

چیست آن نکتہ سنج لب بستہ — کہ بود زلف مشک سا بر سرش
سر زلفش رسیدہ تا پایش — پائے تا زلف بستہ در کمرش
طبع مشکل پسند گرداری — می شوی بہرہ ور ز برگ و برش
تازہ نخلے نشاندہ سید — کہ درختے کہن بود ثمرش

حسن آرا : یہ چیستان بوجھو بہن۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : یہ ہمایوں باغبان تو عجب باغبان ہے. شطرنج باز بھی ہے. خوشنویس بھی ہے. چیستان گو بھی ہے. مگر اس چیستان کو ہم حل کریں گے۔

حسن آرا : بھلا بوجھو تو۔

سپہر آرا : شعر پڑھو۔

حسن آرا : پہلا شعر یہ ہے :

چیست آن نکتہ سنج لب بستہ
کہ بود زلف مشک سا بسرش

سپہر آرا : اللہ جانتا ہے ہم بتا دیں گے. چاہے کچھ بد لیجیے۔

حسن آرا : بس بیٹھی رہو. بتا دیں گی۔

سپہر آرا : ایک ایک اشرفی بدتے ہیں۔

حسن آرا : آؤ ہاتھ پر ہاتھ مارو. آئیے. لے بتاؤ اب۔

سپہر آرا : یہ حقّہ ہے۔

حسن آرا : واہ حقّہ ہے. کیونکر حقّہ ہے۔

سپہر آرا : ہاں ہاں سنیے. ؎

چیست آن نکتہ سنج لب بستہ
کہ بود زلف مشک سا بسرش

نکتہ سنج بھی ہے اور لب بستہ بھی ہے. حقّہ بولتا ہے یا نہیں اور لب بستہ بھی ہے کسی نے کہا ہے نہ کہ ع

بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

اور زلف مشک سا کیا ہے. دھواں. بسرش دھواں حقّہ کے سر پر ہوتا ہے یا نہیں. بس اب اشرفی لائیے۔

حسن آرا : ہائیں! ہے تو حقّہ ہی مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔

سپہر آرا : بس اب ہم ایک نہ سنیں گے باجی۔

حسن آرا : اچھا مطلب تو سمجھاؤ :

تازہ نخلی نشاندہ سید ۔۔۔ کہ درخت کہن بود ثمرش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کا مطلب کیا ہے۔ درخت کہن پر ثمر کیونکر ہو سکتا ہے۔

سپہر آرا: بس اب ہم نہیں جانتے۔

حسن آرا: ایں! تو مطلب تو سمجھا دو۔

سپہر آرا: اس شعر کو تو ہم خود ہی نہیں سمجھے باجی۔

حسن آرا: (مسکرا کر) اے لو اور سنو۔ پھر تم شرط کیا جیتوگی۔

سپہر آرا: اچھا جائیے۔ نہ دیجیے خیر۔

اس کے بعد باغبان نے ایک اور وصلی دی جس پر یہ شعر لکھا تھا:

از عاشقان صادقت اے دلستان منم
اوّل کسے کہ بر تو خدا شد ز جان منم

سپہر آرا: کیا اچھا شعر ہے۔

حسن آرا: ہاں (چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔)

سپہر آرا: باجی جان ہمیں یہ شعر بہت پسند ہے۔

حسن آرا: کچھ اور بھی ہے اور کوئی وصلی ہے۔

باغبان: ہاں حضور دو اور ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔

اس وصلی پر یہ شعر درج تھا:

کوچۂ دلبر میں میں بلبل چمن میں مست ہے
ہر کوئی یاں اپنے اپنے پیرہن میں مست ہے

حسن آرا: خواجہ صاحب کا کلام ہے:

دورِ گردوں ہے خداوندا کہ یہ دورِ شراب
دیکھتا ہوں جس کو میں اس انجمن میں مست ہے

یہ اسی غزل کا شعر ہے جس کا یہ مطلع لکھا تھا۔

سپہر آرا: اور وہ دوسری وصلی کہاں ہے۔

باغبان: یہ ہے حضور۔

اس پر یہ اشعار لکھے تھے:

دیکھنا مہندی ملی اس سیمبر کی انگلیاں　　سیم کا سارا بدن ہے اور زر کی انگلیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سورۂ قدر آ کے تربت پر پڑھا ہیں جی اُٹھا
واہ کیا معجز نما ہیں کیا اثر کی اُنگلیاں

بین کی آواز دلکش اِس قدر ہوتی نہیں
کر رہی ہیں سحر اُس مطرب پسر کی اُنگلیاں

تو وہ ماہِ مصرِ خوبی ہے کہ تیرے سامنے
ہوں قلم یعقوب کے لختِ جگر کی اُنگلیاں

اُنگلیاں اُس کی حنائی یاد آتی ہیں مجھے
خون بھری ہیں پنجۂ مژگانِ تر کی اُنگلیاں

غیرتِ شیریں ہے او فرہاد وہ شیریں ادا
گل شکر ہیں ہونٹھ پورین نیشکر کی اُنگلیاں

کیا بچا کر جان بھاگے دشمن اُس کے ہاتھ سے
رکھتی ہوں طاقت جہاں شق القمر کی اُنگلیاں

تو وہ شعلہ ہے اشارہ گر کریں تیری طرف
شمع ساں جلنے لگیں اہلِ نظر کی اُنگلیاں

کر دیا سیراب ناسخ دم میں فوجِ تشنہ کو
چشمہائے فیض تھیں خیر البشر کی اُنگلیاں

سپہر آرا: اِس کا بھانجا بھی خوش مذاق معلوم ہوتا ہے۔

حسن آرا: (بے اعتنائی کے ساتھ) ہاں ہوگا۔

سپہر آرا: کیا! ہوگا؟

حسن آرا: اب اِس ذکر کو جانے دو۔

سپہر آرا: کیوں کیوں۔ کیوں باجی جان۔ تمہارے چہرے کا رنگ کیوں بدل گیا۔

حسن آرا: کل اِس کا جواب دوں گی۔

ہمایوں باغبان کے ہوش اُڑ گئے۔ سمجھے کہ حسن آرا نے بھانپ لیا۔ اب خدا ہی خیر کرے۔ سپہر آرا نے بھولے پن کے ساتھ کہا نہیں باجی جان آخر بتاؤ تو تم اس وقت خفا کیوں ہو۔

حسن آرا بیگم سمجھ گئیں کہ یہ سب شہزادہ ہمایوں فر کی کارستانیاں ہیں۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مرزا ہمایوں فر نے حسن آرا بیگم کی مہتابی پر پتنگ ڈھایا تھا۔ ان سب نے ملکر پتنگ لوٹا۔ تو اُس پر یہ شعر لکھا تھا۔

از عاشقان صادقت اے دلستان منم
اوّل کسے کہ بر تو فدا شد ز جان منم

حسن آرا کو یہ شعر یاد تھا۔ پڑھتے ہی چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ مگر سپہر آرا کچھ بھی نہ سمجھیں۔

حسن آرا: کچھ سمجھیں بھی یا نہیں سمجھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : اب ہم کچھ نہ کہیں گے۔ ہزار بار پوچھ چکے بتاتی ہی نہیں۔

حُسن آرا : یہ مرزا ہمایوں فر کی کارستانی ہے۔

سپہر آرا : ایں! اُوئی اللہ۔ یہ ہتھکنڈے! واہ واہ۔

حُسن آرا : ہمایوں باغبان! ہونہہ اچھا نام رکھا۔ سچ سچ بتاؤ یہ ہمایوں کون ہے۔ خبردار جو جھوٹ بولا۔ سچ سچ کہہ دے۔

سپہر آرا : بھانجا ہے تیرا۔

حُسن آرا : بتاؤ۔ خاموش کیوں ہے۔

باغبان : حُضور۔ حُضور!

حسن آرا : کیا حضور حضور لگائی ہے بتاتا نہیں۔ ؎

از عاشقان صادقت اے دلستان منم
اوّل کسی کہ بر تو فدا شد ز جان منم

یہ شعر اور تیرا بھانجا لکھے۔

باغبان : وہ مسلمان ہو گیا تھا، اور حضور میں مالی نہیں ہوں، قوم کا کایتھ ہوں، مگر گھر بار چھوڑ کر باغبانی کرنے لگا۔ ہمارا بھانجا پڑھا لکھا ہوا تو تعجب کی کونسی بات ہے۔

حُسن آرا : چل جھوٹے سچ سچ بتا۔ نہیں اللہ جانتا ہے کھڑے کھڑے نکلوا دوں گی۔

سپہر آرا اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ ہمایوں فر نے بیطور پیچھا کیا۔ حُسن آرا سے کہا باجی جان آخر اس مالی بننے کی ضرورت ہی کیا تھی، اب تو اُن کو خبر پہنچ ہی گئی ہے کہ نکاح ضرور ہوگا۔ پھر اب بے صبری کیا ہے، وہ بھی ہمیں کوئی جلد باز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ دھوکا دیکر گلے مل گئے۔ اب کی باغبان بن کے آئے۔

جہاں آرا : اے ہے۔ بہن ہم نے اُس روز مارے گرمی کے دوپٹا بھی اُتار رکھا تھا۔ اللہ گواہ ہے سزا دینے کے قابل آدمی ہے۔ بھل منسی کے یہ معنی نہیں گرہستوں میں مالی یا چمار بن کے دھنسے۔ مگر ہیرا نکال دینے کے لائق ہے۔ اِس کو کچھ چٹایا ہوگا۔ جب ہی پھسل گیا مگر نمک حرام ہے۔

حُسن آرا اور جہاں آرا باغبان کے خلاف تھیں مگر سپہر آرا خوش تھیں کہ ہمایوں فر یہاں تک آئے تو۔ دعا مانگتی تھیں کہ خداوندا کہیں تڑکا ہو تو ہم ہیرا باغبان سے سب حال دریافت کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باغبان کے ہوش اُڑ گئے۔ حُسن آرا نے قسم کھائی کہ اگر شام کو ہمایوں باغبان نہ آیا تو ہم موقوف کردیں۔ باغبان نے کہا حضور مالک ہیں۔ مگر بیس برس سے اس سرکار کا نمک خوار ہوں، کوئی قصور غلام سے سرزد نہیں ہوا۔ باغ کو ایسا آراستہ کیا کہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ صبح سے شام تک محنت کرتا ہوں۔ اور میرا بھانجا تو کل ضرور حاضر ہو گا۔

جہاں آرا: اس میں فرق پڑے گا تو تو جانے گا۔

باغبان: ایسی بات ہے بیگم صاحب۔

جہاں آرا: اور اگر قصور ہوا ہے تو سچ سچ کہہ دے معاف کر دیں۔

باغبان: قصور تو ہر حال میں معاف ہو جائے گا۔

حسن آرا: کہیں اس بھر دے سے بھی نہ رہنا۔

باغبان: تو حضور جب کوئی قصور ثابت بھی ہو۔

اتنے میں کسی نے بڑی بیگم سے جا کے خبر دی کہ حُسن آرا بیگم ہیرا باغبان پر خفا ہو رہی ہیں پوچھا خطا۔ کہا یہ ہم کو نہیں معلوم مگر بہت خفا۔ مغلانی نے آن کر پوچھا حضور خیر ہے بڑی بیگم صاحب دریافت کرتی ہیں کہ ہیرا سے کون خطا سرزد ہوئی۔ حُسن آرا کہیں تو کیا کہیں۔ سپہر آرا بولیں کچھ نہیں کہہ دو ہم ان کے بتا دیں گے۔ مغلانی کو یوں ٹالا۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگیں۔

جہاں آرا: کہہ دینا کہ باغبان کی شرارت ہے۔

سپہر آرا: نہیں باجی اس سے کیا مطلب۔

حُسن آرا: پھر آخر کہیں گے کیا۔

سپہر آرا: آپ کچھ نہ کہیں ہم سمجھ لیں گے اپنے۔

حُسن آرا: اچھا۔ تم کو اختیار ہے مگر کہیں گھبرا کے کہہ نہ دینا کہ ہمایوں فر باغبان ہیں۔

جہاں آرا: آخر کہنے میں کیا عیب ہے۔

حُسن آرا: نہیں بہن یہ سچ ہے کہ ؎

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازران بر سنگ

جب دل صاف ہے تو پھر کسی کا خوف کیا۔

سپہر آرا: ہمایوں فر بیچارے کا نام لینے سے فائدہ۔ کوئی نام رکھے گا۔ کوئی بھلا بُرا کہے گا اور شہزادے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: اے ہے کچھ ٹھکانا ہے اُن کا تو جیسے جامہ ہی پہنے ہوئے ہو۔

سپہر آرا: واہ بہن سوائے وہی بدگمانی کے اور دوسری بات نہیں۔

جہاں آرا: اب مجھ سے کیوں چھپاتی ہو۔ میں تو سب سن چکی ہوں۔

الغرض حُسن آرا اور سپہر آرا اور جہاں آرا نے آرام کیا اور باغبان نے کانپتے ہوئے ہمایوں فر سے کہا تم گھبراؤ نہیں ہم سمجھ لیں گے اندیشے کا مقام نہیں۔ یہ کہہ کر ہمایوں فر پیچھے سے چلے گئے۔

دوسرے روز شہزادہ بلند اراوہ مرزا ہمایوں فر بہادر نے باغبان کو بلوایا اور کہا آج پھر ہم کو لے چلو۔

باغبان: لے چلنے میں تو غلام کو عذر نہیں مگر کل آپ دیکھ ہی چکے۔

ہمایوں: تم کو خوف کیا ہے؟

باغبان: حضور غریب آدمی ہوں۔

ہمایوں: پھر وہ موقوف کر دیں تو ہم نوکر رکھ لیں گے۔

باغبان: حضور میں نوکری کو نہیں ڈرتا عزّت کو ڈرتا ہوں۔

ہمایوں: واہ۔ کیا مہینا پاتے ہو۔

باغبان: حضور چھ روپیہ ملتے ہیں۔

ہمایوں: آج سے چھ روپیہ ہماری سرکار سے تمہاری زندگی بھر ملا کریں گے۔

باغبان: (سلام کرکے) حضور کیا کہنا خداوند کا۔ مگر میں اپنی عزّت کو بہت ڈرتا ہوں۔

ہمایوں: آج ہم کو چلنے دو۔ ہمارے آنے کے بعد کچھ اور تو نہیں کہتی تھیں۔

باغبان: آپس میں کچھ باتیں کرتی تھیں میں سُن نہیں سکا۔ تو اب شام کو میں آؤں گا اور اپنے ساتھ ہی حضور کو لے جاؤں گا۔

ہمایوں: بہتر تم ڈرو نہیں۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ باغبان سلام کرکے روانہ ہوا۔ ہمایوں فر نے یہ تین شعر ایک پرچے پر لکھے۔ ؎

بر خامۂ فضل تست تصحیح ۔۔۔ گر نسخۂ فضل ما سقیم ست

چشم ہوس مریض عصیان ۔۔۔ ہر نسخۂ رافت حکیم ست

در طاعت گرچہ ما مقیم ۔۔۔ غم نیست کہ کار یا کریم ست

پھر ایک اور پرچے پر یہ اشعار لکھے ؎

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے خدا خواہم دل دیوانۂ　　ہائے ہائے گریۂ گرستانۂ

سینۂ از نالۂ رشک شعلہ زار　　خوشۂ آہے پُراز تخمِ شرار

تا چو برق از سوز دل خندان شوم　　در ہوائے خویش بال افشان شوم

از جنون جان ودلم رابر فسروز　　تا شب ہجرم شود روزِ عشق روز

تیر آہم را اجابت شد ہدف　　دامن پاک جنون آمد بکف

سایہ افگن گشت ناگہ بر سرم　　خرم وخندان در آمد از درم

کفر وایمان در رہش کردم نثار　　گفتمش از روے عجز وانکسار

خیر مقدم اے جنون نیک فال　　اے توام شیر نیستان خیال

ایک پرچے پر لکھا تھا۔ ؎

من تائب ومن زاہد لیکن چہ کنم دل را

با طائفۂ خوبان وزدیدہ سرے وارد

یہ سب پرچے شہزادۂ ہمایوں فر نے اپنے پاس رکھے اور دعا مانگنے لگے کہ یا خدا شام ہو۔ یا خدا جلد آفتاب غروب ہو یا خدا کہیں شام ہو۔ بار بار کمرے کے باہر جاتے تھے بار بار گھڑی کی طرف دیکھتے تھے۔ سوچے کہ آؤ ذرا سو رہیں پھر سمجھا جائے گا۔ سونے میں وقت بھی نہ معلوم ہو گا اور بیقراری بھی کم ہو جائے گی لیٹے مگر بڑی دیر تک نیند نہ آئی۔ اتنے میں دو پہر کی توپ دغی۔ مرزا ہمایوں فر کھانا کھانے کے بعد کسی قدر آرام کرتے کے عادی تھے۔ ایک کے عمل میں نیند آگئی۔ خدمت گار کو حکم دیا کہ ہم کو بہت جلد جگا دینا۔ جب تین بجے تو اس خدمت گار نے دوسرے خدمت گار سے کہا سرکار نے حکم دیا تھا کہ جلد جگا دینا۔ اب جگا دو۔ دونوں میں یوں گفتگو ہونے لگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"نہ نہ کہیں ایسا کام بھی نہ کرنا جگانا وگانا نہیں۔"
"کیوں نہ جگانا کیا معنی۔ اے میاں تین بج گئے۔"
"وہ تین بجیں یا چار بجیں اس سے تمہیں کیا مطلب ہے۔"
"آخر جگانے کیوں نہیں دیتے؟"
"بھیا یہاں کچھ اور ہی معاملہ ہے۔ تم کچھ سمجھتے تو ہو نہیں بیکار ٹائیں ٹائیں لگائی ہے۔"
"اجی ان کو شام تک نہ جگاؤ۔"
"یہ کیا بات ہے بھئی۔ اس کے کیا معنی۔ بتاؤ تو ہمیں واللہ۔"
"اس کے یہ معنی کہ سرکار کا کسی پر دل آیا ہے شام کا وعدہ ہے شام کو ملاقات ہوگی۔ تڑکے سے ایک ہزار بار تو وقت پوچھ چکے قسم اپنے ایمان کی اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو کوئی دس ہزار مرتبہ کلاک گھڑی اور اندر کے کمرے والی گھڑی دیکھ چکے اور کوئی دو لاکھ دفعہ دروازہ کھول کے وقت دیکھ چکے کہ کہیں شام ہو تو جائیں۔ اس وقت ذرا آنکھ لگ گئی ہے سونے دو ابھی سے جاگیں گے تو پھر بار بار وقت دریافت کریں گے۔"

اب سنیئے کہ سپہر آرا بیگم تمام رات سوچا کیں کہ یا خدا میں کسی سے پوچھوں کہ یہ ہمایوں کون ہے۔ گو رات کا وقت تھا مگر شکل صورت سے رئیس معلوم ہوتا تھا۔ آدمی خوشرو ہے اور قد و قامت ہمایوں فر کے برابر ہے سوچتے سوچتے یہ تدبیر سوچ کہ باغبان سے دریافت کرے صبح کو پردہ کرا کے باغ میں تنہا ٹہلنے لگی۔ باغبان کو بلایا اور یوں کہا۔

سپہر آرا : ہیرا یہ کل گلدستہ کس نے پیش کیا تھا۔
باغبان : حضور کہا نہ کہ بھانجا ہے میرا۔
سپہر آرا : چل جھوٹے۔
باغبان : حضور آنکھوں کی قسم کھاتا ہوں۔
سپہر آرا : تیرا بھانجا اور پڑھا لکھا۔ بس بیٹھ بھی۔

سپہر آرا نے باغبان کو ڈانٹنا شروع کیا۔ ہیرا بیچارہ کانپ رہا تھا کہ اب آج اپنے بھانجے کو کیونکر لاؤں۔ ہمایوں فر نے چاٹ ایسی دی تھی کہ ہیرا اُن کا دم بھرتا تھا۔ ایک اشرفی پائی اور چھ روپیہ مہینا عمر بھر کے لیے مقرر ہو گیا۔ سپہر آرا چاہتی تھی کہ ہیرا صاف صاف بتا دے کہ ہمایوں فر ہی آئے تھے تو انعام بھی دے اور بچا بھی لے۔ ہیرا کو کیا معلوم تھا کہ سپہر آرا بیگم کی دلی خواہش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ ہے۔

ہیرا: ناحق اپنے بھانجے کو بُلایا۔

سپہر آرا: کچھ دوانہ ہوا ہے بڑھے۔ بھانجے کو بُلایا؟ ہو نہ تیرا بھانجا اور اس قدر خوش سلقہ۔

ہیرا: اب میں کیا کہوں۔

سپہر آرا: کہے گا کیا تیرا بھانجا اور ایسا حسین ہو۔

ہیرا: اچھا بیگم صاحب پھر اگر میرا بھانجا نہ ہو تو ناک کٹوا ڈالوں۔

سپہر آرا: صاف صاف بتادے ہیرا۔ بی مغلانی اس موئے کو ذری سمجھا تو دو۔

مغلانی نے ہیرا کو علاحدہ لے جاکر سمجھانا شروع کیا۔ تم کو کیا ہے۔ تو کہہ کیوں نہیں دیتا۔ آخرش معلوم تو ہو کہ تھا کون۔ اگر سچ سچ بتادے تو انعام دلواؤں۔ یہ سامنے والے تھے نہ شہزادے۔ باغبان کا رنگ متغیر ہو گیا۔ افوہ یہاں تو سب تاڑ گئے۔ اب مفر محال ہے مگر خیر ہمایوں فر تو چھ روپیہ دیے جائیں گے۔ باغبان کو اس امر کا بہت خیال تھا کہ کہیں بدنام نہ ہو جاؤں۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ اس بڑھوتی میں کلنک کا ٹیکا لگے تو کہیں کا نہ ہوں۔

مغلانی: ارے بتادے جو ہمایوں فر آئے ہوں تو سپہر آرا بیگم خوش ہو جائیں، اُن کا اُن پر اور اُن کا ان پر دل آیا ہے۔

ہیرا: مجھ اسّی برس کے بوڑھے کو تم بناتی ہو۔

مغلانی: جناب امیر کی قسم جھوٹ نہیں کہتی۔

ہیرا: ہاں آئے تو وہی تھے۔

مغلانی: حضور۔ ذرا ادھر آئیے ـــ اِس نے انعام کے قابل کام کیا ہے۔

سپہر آرا: (ہنس کر) اے واہ ہے۔

مغلانی: حضور انعام دلوائیں۔

سپہر آرا: چہ خوش چرا نباشد۔

مغلانی: اب اس کی سند نہیں ہے۔

سپہر آرا: اے تو کس بات کا انعام۔ کچھ سٹرن ہو۔ واہ وا۔

مغلانی: اب جو کچھ کہنا ہو کہہ دیجیے۔ نہیں کوئی آجائے گا۔

سپہر آرا: آج جب آئیں تو یہ کاغذ دے دینا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کاغذ پر یہ اشعار لکھے تھے:

چہ رنگین بود جوشِ خلوتِ نازونیاز امشب — تو میگر دی عتاب از ناز و من تقصیر میگفتم
تو خندان چو گل من غنچہ سان دلتنگ غم بودم — تو از بیداد و من از نالۂ شبگیر میگفتم
فلک خاکِ ترا خشت غم من ساخت اے واعظ — تو از تدبیر میگفتی من از تقدیر میگفتم
مزاجِ نازکِ او بر نمی تابد غو غا را — سخن در محفلش گراز لبِ تصویر میگفتم

چو شمع از سوزِ دل میسوختم من تا سحر گویا
گہے از اشک و گہہ از آہِ بی تاثیر میگفتم

کہا جب وہ آئیں تو یہ کاغذ دینا۔

راوی: اگر حُسن آرا بیگم لکھتیں تو وہ برجستہ اور عاشقانہ اشعار ہوتے کہ ہمایوں فر بھی پھڑک جاتے۔ مگر سپہر آرا بیگم نے بھی بڑی جستجو اور تلاش کے بعد یہ اشعار لکھے تھے۔

اتفاق سے حُسن آرا بیگم بھی ٹہلتی ہوئی آگئیں۔

حُسن آرا: سپہر آرا۔ دیکھو ہم نے شعر اس دفتی کے کونے پر لکھا ہے ہیرا کو جس وقت وہ آئیں یہ دفتی دکھا دو۔

سپہر آرا: اے تو باجی۔ جب ہمایوں فر ہوں بھی۔

حُسن آرا: کتنی سادی ہو۔ جب ہوں بھی۔ جب ہوں بھی (مُنہ چڑھاکر)۔

سپہر آرا: اچھا ہمایوں فر ہی سہی۔ بس۔ ہاں وہ شعر تو سُناؤ۔

حُسن آرا: جب ہوں بھی۔ جب ہوں بھی۔

سپہر آرا: شعر سُناؤ باجی۔ بس اب مُنہ چڑھا چکیں۔

حُسن آرا: ہم نے یہ لکھا ہے:

اسیرِ حرص و شہوت ہر کہ شد ناکام میباشد
دریں آتش کسے گر پختہ باشد خام میباشد

سپہر آرا: اِس سے مطلب۔

حُسن آرا: تم کیا جانو کہ اس سے کیا مطلب ہے۔

حُسن آرا بیگم نے باغبان کو حُکم دیا کہ جیسے ہی وہ آئیں ویسے ہی یہ کاغذ دے دینا۔ ہیرا نے جھک کر سلام کیا اور کاغذ لے لیا۔ شام کو ہیرا باغبان ہمایوں باغبان کے مکان پر گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں : آگئے ۔ اچھا ٹھہرو ۔ آج بہت سوئے ہم ۔

ہیرا : ہاں حضور آواز بھی بھاری ہے ۔

ہمایوں : ان لوگوں نے جگایا ہی نہیں ۔

خدمت گار : حضور جگایا تو تھا ۔ مگر حضور نے نیند میں فرمایا کہ سونے دو ۔

ہمایوں : ہمیں نہیں یاد ہے ۔

باغبان : (تخلیے میں) خداوند بہت خفا ہوئیں کہ یہ کون تھا اور کہا ہے کہ ہم موقوف کر دیں گے ۔

ہمایوں : اوہ ۔ اس سے تم کو کیا واسطہ ۔

باغبان : حضور مجھے آدھ سیر آٹے سے مطلب ہے ۔ بس اور کچھ نہیں ۔

ہمایوں : ہم کو چلنے تو دو ۔

باغبان : حضور آج چلیے تو سہی دیکھیے تو کیا ہوتا ہے ۔

ہمایوں : اجی سمجھا جائے گا ۔ ہمیں کوئی کیا سکھائے گا ۔

باغبان : اب یہ جانیں وہ جانیں ۔ غلام جیسا حضور کا نوکر ویسا بیگم صاحب کا نوکر ۔

جھٹپٹے وقت ہمایوں باغبان کے ہمراہ گئے ۔ سپہر آرا بیگم نکھر کر منتظر تھیں کہ ہمایوں فر آئیں تو آنکھیں سیکیں آب رواں کا باریک دوپٹا عطر موتیا سے بسا ہوا تھا ۔

اتنے میں ایک مغلانی نے کہا بیجیے آگئے ۔ ہیرا نے پہلے وہ شعر دکھایا جو حسن آرا بیگم نے لکھا تھا ۔ پڑھ کر ہمایوں باغبان ہنسے ۔ پھر وہ اشعار پڑھے جو سپہر آرا بیگم نے لکھے تھے ۔ اور بھی خوش ہوئے ۔

حسن آرا : ہیرا ذری یہاں آؤ ۔

ہیرا : حاضر ہوں حضور (ہاتھ جوڑ کر) حکم ۔

حسن آرا : تمہارا بھانجا آیا ۔

ہیرا : حاضر ہے حضور ۔ وہاں بیٹھا ہے ۔

حسن آرا : بلاؤ ۔

باغبان : (ہمایوں کو بلا لایا) ۔

ہمایوں نے آداب عرض کیا اور گردن جھکالی ۔

حسن آرا : تمہارا کیا نام ہے جی ۔

ہمایوں : ہمایوں ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن آرا: ہمایوں؟ کیوں صاحب ہمایوں نام ہے۔ مکان کہاں ہے۔

ہمایوں: کہاں عرض کروں۔ ع

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجیے چھوڑیے گانوں کا نام

حُسن آرا: اخاہ یہ مالی شاعر بھی ہیں خیر سے۔ کیا شعر بھی کہتے ہو۔

ہمایوں: حضور کچھ بک لیتا ہوں۔

حُسن آرا: کچھ سناؤ۔

ہمایوں: اگر اجازت ہو تو زمین پر بیٹھ جاؤں۔

سپہر آرا: بڑے گستاخ ہو تم۔

حُسن آرا: اچھّا مونڈھا لو۔ اور وہیں چبوترے کے نیچے بیٹھو۔ کہیں نوکر ہو۔

ہمایوں: جی ہاں حضور نوکر ہوں۔ آج کل شہزادہ ہمایوں فر کی ہمشیرہ کے ہاں نوکر ہوں۔

اس فقرے پر حُسن آرا اور سپہر آرا مسکرانے لگیں۔ جہاں آرا بیگم اور گیتی آرام بیگم اس فقرے کا مطلب نہیں سمجھیں۔ مگر ہمایوں فر نے کہی خوب۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ شہزادہ ہمایوں فر حُسن آرا اور سپہر آرا سے عورت بن کر ایک بار گلے مل آئے تھے۔ اتنے میں بڑی بیگم اگئیں۔ ہمایوں فر مارے خوف کے بھاگ گئے۔ تو ان کی جیب سے یہ خط گر پڑا۔ باغبان نے اُٹھالیا اور حسُن آرا کو دے دیا۔

نقل نامۂ خاتم الشعرا اسحبان الامم حسّان العجم مولانا ساسان ششم ابوالقاسم مولوی محمد فضل رب صاحب عرشی، لازال ظلہ، محمد و دأعلی مفارِقُ الانام بنام فخرالدولہ نواب علاءالدّین احمد خاں بہادر رستم جنگ فرمانروائے لوہارو۔

فرخ گہرا۔ خودرا افرایا و خاطرِ خطیر گرامی بندگان مذادن، و خونابہ دروں را باآتش افشانیِ پنہانی دوزخ ازرہگذرِ دیدہ بردن نہ ترادیدن راشگرف رو یدہ ایست۔ ضمیر آلائے و بوالعجب سرگذشتست۔ خستگی اندائے شرارئے کہ دردل نہفتہ دارم نہ آن مایۂ آتشخیز ست کہ بہ شورابۂ نگارش شستن توانم و ہنگامہ نوی کہ بہ شگرف کاری روزگار بجادوی فکر برانگیختہ ام نتوانم کہ بافسوں خوانیِ نیرنگ گفتار فرونشانم۔ از جگر تفتگیہائے خستگی رہ گزر داغہائے تازہ کہ بہار سینہ دارم برنتابم۔ از فرۂ کلک فروریزم و شعلہ ہائے کہ در منقل ناطقہ بر صاعقہ انبوہی اندوہ آتش خیز اندیشا رم کہ بایوان سرائے ورق برافروزم از گدا ختگی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل و جگر خراشی نکوہش سرمایۂ اندیشہ آرند خون ست وز فان بدشنہ صلائے دُور باش از قفا برون و ہنگامہ آرائی گفتار کہ وابستہ بہ توانا دل درون آسائے نہاد ست۔ آن خود از بے برگی دانش و کنش دست بالا بہ ہنگامہ داد ست۔ حز وحیر تم کہ گونہ گون اندیشہ ہا بنواہائے صد رنگ در پردۂ رامشگری دارد و رنگار رنگ زمزمہ ہا در جلوہ فروشی سازِ فغان ور زخمۂ سرانگشتہائے بتان سنجد خونگرمی جفائے آرزو ہوس ست کہ حرا بدین روز سیاہ نشانیدہ خون گشتہ آرزو ہا را دستمایہ ناز نامۂ قُلزم در دادہ گل و لالہ ہا عذارِ تنگ خیال پر می انگیزد و فردوسی سخنوران می نامد و پیشگاہ دیبا و اطلس بافان منکہ گلیم موسوی بر سر کشیدہ بطورِ معنی از سوزنِ نور کہن دلق می دوزم و از رشتہ ہائے ایزدی الہام صد رقعہ پیوند می دہم باین پلنگینہ پوشی و پلاس نشینی کہ از بختِ خویش دارم پرنیان پوشان کی توانند کہ ہمچو منی تنگ آفریدہ را بر بساط خود جا دہند و آتشم از آزمندی بے سود فرد نشانند و مرا بر سفرہ ہم کاسۂ خود گردانند جسرد اور ایش در طبایع ارباب راد بسان موج بر آب پیچیدہ است و از طینت تنگ چشمانِ دہر برنگ ملایمت از سنگ رسیدہ طبع کریم کہ ایزدی نواز شہا را گنجینہ ایست ، بلبش آرزو و بسے دار بہا از فرطِ نزاکت زبان سائل را از نوک دشنۂ گدیہ نمید ہد و۔ فطرت لئیم از استلم جلق بنمائی خشونت اندر بایست مساس نباشد۔ دانم از تیرہ روزی کہ دارم چراغ زیرِ دامنم و آفتاب در کف دن بیفروغ و این خود برہان کوری ست کہ آئینہ وار خوشتنم رخ نستیگم را چہ چارہ۔ نمک گریہ برین زخمہا لیر بزم دور رہ گذر امید خس و خار اندیشۂ ناقبولی می نگرم ۔ قطعہ :

چشم خواب آلودۂ گلفت خانۂ در بستہ است
سیل گر غافل شود آتش درین بنیاد ریزد
در ہمہ آئینہ وارِ گوہرِ رازِ دل است
یک کفِ خاکش کن دور رہ گذار یاد ریز
زندگی بیداری ست ایثار جان پاک کن
صورتِ مرگ است رنگِ خواب بر اجساد ریز
رنگہا در پردۂ تحریک مژگان خفتہ است
ہر چہ میخواہد دلت زین خانۂ بہزاد ریز
مدعا اینست کز معنی نظر غافل مباش
بر اثر پائے تماشا ہر چہ بادا باد ریز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیتابی نغم کہ لطمہ خور بیداد بخت نار سا ست نہ آن مایہ پردہ کشائے آتشخیزی رقمست بذوق بخشی ہنگامہ توانم سرود۔ ونہ آنقدر اندوہ دوی خانگی خواران آن انجمن دارم کہ بگردش ایاغ خامہ سرگرانم توان کرد۔ سومنانی ور آستین دارم وناقوسی برلب سمندر رے ورچشم دارم وطوفان دربغل طوقی درگلودارم و بندی برپا۔ چہ گویم کہ درین سفر چگونہ بسر بردم وایدون رخت بگدام کشور افگندہ ام۔ ودیدۂ امید بالتفات کدام خواجہ دوختہ دارم۔ فرمانروائے این قلمرو آنچنان بستر گانہ نوازش بامن بپیوست کہ یکسر زنگ اندوہ سفر از آئینہ خاطر زدودہ شد۔

رہائی

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

دس روز تک میاں آزاد فرخ نہاد ایسی مصیبت میں رہے کہ الامان۔ دل میں رنج وحرمان، آنکھیں خونچکان، سینہ بریان، آزاد کو یقین کامل تھا کہ اس زندان بلا سے چھٹکارا محال ہے۔ اوّل تو جان کے لالے پڑے تھے۔ بات کرنا تک دوبھر تھا۔ تقلیل غذا اور حسرت وناکامی اور روز وشب کے غم مفارقت جانان نے اور بھی ضعیف کر دیا۔ ہمّت ٹوٹ گئی۔ سوچتے تھے کہ اگر اس بیماری سے بچ بھی گئے تو نتیجہ کیا ہوگا۔ اختتام جنگ تک قید سے نجات نہ ملے گی، اور بعد جنگ رہا ہوئے تو کیا۔ ان خیالات نے آزاد کو خون رُلایا۔ مگر اِن کی وہاں سُنتا کون تھا۔ دن رات مصروف گریہ وزاری رہتے تھے۔ مگر روسیوں کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگتی تھی۔

باغبان بے درد سے گل بے وفا گلچیں رقیب
کون سنتا ہے چمن میں نالہائے عندلیب

ڈاکٹر البتہ اِن کا سچّا دوست تھا۔ اور وہ کرنل بھی ان کی محبّت کا دم بھرتا تھا۔ بھائیوں کی طرح ہمدردی کرتا تھا۔ مگر ایسا ایک بھی اِن کو نظر نہ آیا جو رہائی کی فکر کرتا۔ دن رات یہی خیال رہتا تھا۔

پروانہ میں نہیں ہوں کہ دم بھر میں جل بجھوں
گھلتا ہوں مثل شمع برابر تمام رات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دسویں روز ڈاکٹر کی عنایت اور توجہ سے یہ اس قابل ہوئے کہ دس بارہ منٹ ٹہلیں۔ چہل قدمی کریں۔ گیارہویں روز ڈاکٹر نے طاقت عود کرنے کی دوا دی اور کہا اب آپ اچھے ہیں۔ صرف نقاہت ہے۔ اور نقاہت چٹکیوں میں جاتی رہے گی۔ آزاد نے دست بستہ عرض کیا کہ میں آپ کا کمال مشکور و ممنون ہوں۔ ترکوں کے لشکر میں بھی میرا اسی ہمدردی سے علاج ہوتا مگر میں انتہا سے زیادہ نقیہ ہوں۔ بات بھی کرتا ہوں تو ٹھہر ٹھہر کے۔ ڈاکٹر نے دلاسا دیا اور کہا اب آپ مطلق نہ گھبرائیں۔ دو ہی چار روز میں ضعف دور ہو جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے سامنے دوا پلا کر رخصت ہوئے۔ آزاد کمال رنج وغم میں چھپر کھٹ پر لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ عالم رویا میں تصوّر جانان نے ان کو وہی چاند سا مکھڑا دکھایا جس پر ان کی جان جاتی تھی۔

دکھلائے اُس نے دستِ حنائی تمام رات
مہندی سے دل میں آگ لگائی تمام رات
دل میں، جگر میں، سینہ میں، پہلو میں، آپ نے
بجلی کہاں کہاں نہ گرائی تمام رات

دیکھتے کیا ہیں کہ حُسن آرا بیگم ایک نازک اور بیش بہا پلنگڑی پر بصد ناز دل ربائی متمکن ہیں۔ مشاطہ چابکدست سلیقہ شعار کے ہاتھ سے زلفِ چلیپا گندھوا رہی ہیں۔ ایک دفعہ مشاطہ نے رُخِ انور سے زلف معنبر جو اُٹھائی تو نور کا بکہ نظر آیا۔ بعینہ جیسے ماہ تابان گہن سے چھوٹے۔ آزاد پر نظر پڑی تو مشاطہ نے کہا خدا نظر بد سے بچائے اور حسن آرا نے آنچل سے چہرہ ڈھانپ لیا تو آزاد نے کہا:

آنکھیں چُرائے ہم سے ہے وہ دل ربا عبث
گوشے میں چھپ کے بیٹھ رہی ہے حیا عبث

اتنے میں حسن آرا نے شمشیر بُرّان دکھا کر کہا۔ بس خیر اسی میں ہے کہ اس وقت جاؤ ورنہ سر تن سے جُدا ہو جائے گا۔ آزاد نے گردن جھکا دی اور کہا۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ کہتے ہی آنکھ کھل گئی۔ آزاد اپنے دل سے دیوانہ وار یوں گفتگو کرنے لگے۔ حُسن آرا بیگم نے خواب میں بھی چہرۂ زیبا کی جھلک دکھا ہی دی۔ مگر زلف سنورنے کا کیا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ صورت دکھا کر پھر بھی ترسایا:

در پردہ یہ بھی تھا مری تقدیر کا بگاڑ
اُس نازنین نے زلف بنائی تمام رات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اخاہ. خوب یاد آیا (چونک کر) شمشیرِ اصفہانی سے گلوئے عاشقِ جانی تن سے جُدا کرتی تھیں. پاس شرم و حیا کرتی تھیں. مگر الھڑ پن کے صدقے قتل کرنا بھی نہ آیا بقول صبا:

محو ابرو کے لیے خنجر فولاد آیا
ذبح کرنا بھی نہ تجھ کو مرے جلّاد آیا

مگر خیر ہم تو امتحان میں پورے اُترے۔ ؎

اللہ رے اشتیاقِ شہادت کہ خواب میں
گردن تھی اور خنجر قاتل تمام رات

زلفِ مشک سا کا چہرۂ رعنا سے اُلٹنا ستم کا سامنا تھا مگر قسمت نے خوب یاری کی. بقول صفدر:

آئے اندھیری شب میں نظر چودھویں کا چاند
چہرے سے زلف بہر خدا اے حسین اُلٹ

اِدھر اُدھر ٹہل کر آزاد یہ اشعار پڑھنے لگے:

ذرا ٹھہرو نہ ہو یاروں سے تم اے جانِ من رخصت
سحر ہونے تو دو ہے انجمن کی انجمن رخصت
پھنسے ہم دام میں صیاد کے جاتے ہیں گلشن سے
مقدّر نے چھڑایا تم سے اے اہلِ چمن رخصت

روسی سپاہیوں نے ان کی کیفیت دیکھی تو قہقہے لگانے لگے. ایک نے کہا دیوانہ ہو گیا ہے۔ دوسرا بولا۔ دیوانہ ہو نہیں گیا ہے۔ دیوانہ بنتا ہے. تیسرے نے کہا یہ بھی غلط ہے۔ تڑپ رہا ہے کہ کسی طرح قید سے نجات پاؤں۔ چوتھے نے رائے دی کہ اپنی زبان میں خدا سے دعا مانگتا ہے کہ جلد رہا ہوں۔ آزاد اور ہی دھن میں تھے. اور روسی سپاہی اور ہی اُدھیڑ بن میں۔

وہ سمجھتے تھے کہ آزاد دیوانہ ہے۔ یہ خبر ہی نہ تھی کہ دیوانہ نہیں عاشقِ نرگسِ مستانہ طالب نظارۂ جمالِ جانانہ ہے۔ ایک دفعہ آزاد آپ ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے. سوچے کہ خنجرِ قاتل سے ذرا نہ ڈرے۔ اُس ترکِ زرّیں کمر نے تلوار کھینچی مگر ہم نے گردن نہ کھینچی نہ کھینچی۔ معرکۂ عشق میں قدم ڈگمگانے نہ پائے:

ہم رہیں گے امتحانِ عشق میں ثابت قدم
ہار جانا دل کا ننگ ہمّتِ مردانہ ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر سوچے کہ بار خدایا حسن آرا نکھرتی کس کے لیے تھیں اُن کا عاشق دیوانہ آزاد تو میدان جنگ میں ہے یہ سنگار، اور نکھار کی اُن کو کیا ضرورت تھی ہائے:

باسایہ ترا نمی پسندم
عشق است و ہزار بدگمانی

پھر خیال آیا کہ ایک زمانہ اُس کا عاشق زار ہے:

قمریاں عاشق ہیں تیری سرو بندہ ہے ترا
بلبلیں تجھ پر فدا ہیں گل ترا دیوانہ ہے

اس خیال سے ان کی طبیعت کمال منتشر ہو گئی اور کہنے لگے:

بے طرح گلوں پہ ہے تو شیدا
گلچین نہ ہوا ہو کوئی پیدا

بس یہی تو معشوق میں عیب ہوتا ہے۔ وہ گل کیا جس میں بوئے وفا نہیں۔ مگر شکر خدا ہزار شکر خدا کہ اُس کے در تک خواب میں رسائی تو ہوئی:

اُسی کا کوچہ ہے باغ جنت اُسی کا در سجدہ گاہ عالم
دماغ کیونکر نہ عرش پر ہو کس آستانے پہ اپنا سر ہے
نظر میں حور جنان ہے صفدر پری کو گھر بیٹھے دیکھتے ہیں
تصوّر اپنا کہاں کہاں ہے خیال اپنا کدھر کدھر ہے

اتنے میں کرنل صاحب آئے۔ آزاد نے مصافحہ کیا اور کہا آج آپ اور دنوں سے کسی قدر اچھے نظر آتے ہیں۔

آزاد: مگر اس زندگی سے بیزار ہیں۔ موت کا نوحہ خوان ہوں۔

کرنل: پھر جنگ میں اور ہوتا کیا ہے۔ فتح یا شکست۔

آزاد: اب اس گوشے کے سوا اور کہیں جا سکتا ہوں یا نہیں۔

کرنل: کہیں نہیں جب بخوبی اچھے ہو جاؤ گے تو ڈیرے میں رہنے کا حکم دیا جائے گا۔ ابھی تو علیل ہو۔ جہاں اور بیمار رہتے ہیں وہاں تم بھی ہو۔

آزاد: اگر اجازت ہو تو عرض حال کروں مگر کان دھر کے سُنیئے۔

کرنل: ہمارے امکان سے آپ کی رہائی خارج ہے اور جو حکم ہو بسر و چشم بجالاؤں۔ مگر یہ غیر ممکن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے کہ رہا کراؤں۔ پس المعذور مجبور ۔

آزاد : خیر ہمارا بھی خدا حافظ ہے۔ نہ ہو رہائی نہ سہی۔ ع

گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

فہمیدہ خواہد شد ۔

کرنل : اور جو کہو حاضر کروں۔ کھانا پینا پوشاک خدمت گار۔ جس شے کی ضرورت ہو ابھی ممکن ہے۔ جس امر میں تکلیف ہو رفع کر دی جائے۔ مگر رہائی میرے امکان سے خارج ہے۔ میں مجبور ہوں۔

اتفاق سے اُسی وقت ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے زخموں کو دیکھا۔ مزاج کا حال پوچھا۔ کہا آپ صبح شام ہوا کھایا کیجیے۔ کرنل صاحب نے کہا یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اتنے بڑے پاشا کو اس درجہ مطلق العنان چھوڑنا اصول جنگ کے خلاف ہے مگر اس قدر ممکن ہے کہ دن بھر میں ایک بار۔ بحراست رسالہ میدان میں ہوا کھانے بھیجیں۔ اس قدر البتّہ ممکن ہے۔

آزاد : مجھے ابھی گھوڑے پر سوار نہ ہوا جائے گا۔ اور پیدل جانا محال ہے کوئی ایسی سواری تجویز یے جس میں بالکل تکان نہ معلوم ہو۔

کرنل : بگھی۔ ایک بروچ مقرر کر دی جائے گی۔

ڈاکٹر : ہاں تکان نہ معلوم ہو۔ پانچ چھ روز میں ضعف جاتا رہے گا۔

آزاد : اس میں شک نہیں کہ روسی جوانمرد ہیں اور سپاہی کو دوست رکھتے ہیں۔ آفرین صد آفرین۔

ڈاکٹر : ترک بھی ہمارے قیدیوں کے ساتھ اسی طور پر پیش آتے ہیں۔

آزاد : مگر کاسک فوج روس کے ننگ ہیں۔ جابر۔ ظالم۔ وحشی۔ خونخوار مردم آزاد۔ الغرض ایسا کوئی عیب نہیں جو ان میں ہو۔

ڈاکٹر : ہمارے ہاں کاسک اور آپ کے ہاں باشی بروق۔ دونوں کی جوڑ ہے نہ ترک روسیوں کو ہنس سکتے ہیں نہ روسی ترکوں کو۔

آزاد : بھلا اب مفر کی بھی کوئی صورت ہے یا تمام عمر قید خانہ ہی جھیلیں گے۔

ڈاکٹر : یہ مدیر سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن قواعد جنگ کی رُو سے دو طرح پر آپ کی رہائی ممکن ہے۔ ایک بعد اختتام جنگ پھر آپ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ رُوسی اس مقام کو چھوڑ کر واپس جائیں تو بھی آپ رہا کر دیے جائیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : (آہ سرد کھینچ کر) بعد جنگ رہائے ہو تو رہا ہونا نہ ہونا مساوی ہے۔

ڈاکٹر اور کرنل دونوں رخصت ہوئے۔ دوسرے روز ایک نہایت بیش بہا اور خوشنما گاڑی میاں آزاد کی سواری کے لیے آئی۔ تیس چار سوار گاڑی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے آزاد کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے ہوا کھانے کے لیے گاڑی حاضر ہے۔ آزاد گاڑی پر سوار ہوئے تو دو مختلف خیالوں نے ان کے دل میں جگہ پائی۔ رنج اور خوشی۔ رنج اس سبب سے کہ آزادی جو ان کے خمیر میں تھی اور جس پر یہ جان دیتے تھے اِن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور اب مثل قیدیوں کے سواروں کی حراست میں ہوا کھانے جاتے ہیں۔ جو اِن کو کمال شاق گذرتا تھا۔ خوشی یہ تھی کہ مرتے مرتے بچے اور گو قید تھے لیکن روسیوں نے ان کی جوانمردی پر نظر ڈال کر اس قدر رعایت کی کہ اِن کو مثل افسران جلیل القدر اس تزک و احتشام اور دھوم دھام سے ہوا کھانے بھیجا۔ گاڑی پچاس قدم گئی ہوگی کہ آزاد نے دریائے زخار موجزن دیکھا تو کوچمین سے مختلف باتیں دریافت کرنے لگے۔

آزاد : کیا یہ ساحل بحر ہے۔

کوچمین : حضور یہ ٹاپو ہے۔ جس قلعہ معلیٰ میں ترکوں کی فوج ظفر موج آج کل مقیم ہے وہ اسی دریا کے کنارے پر واقع ہے

آزاد : (اپنے دل میں) چین ہی چین لکھتا ہے (کوچمین سے) قلعہ یہاں سے کس قدر فاصلہ پر ہے۔

کوچمین : اگر خشکی خشکی جائے تو گھوڑے پر دو گھنٹے کا راستہ ہے۔ اور اگر دریا دریا جائے تو پانچ گھنٹے میں پہنچے۔

آزاد کی جان میں جان آئی۔ اُنھوں نے کوچمین سے سینکڑوں باتیں پوچھیں اور کل باتیں اُن کے مفید مطلب تھیں۔

آزاد : دریا کس قدر عمیق ہے۔

کوچمین : یہاں پر تو کوئی دو آدمی ڈباؤ ہے۔ مگر پاؤ کوس کے بعد قد آدم ہوگا۔

آزاد : اگر کوئی شخص قلعے کو جانا چاہے تو خشکی کی راہ سے جائے ؟

کوچمین : چاہے جدھر سے جائے۔ خشکی کی راہ سے دو مقام پر ہماری فوج ملے گی ایک اسی میدان میں ہے۔ دوسری تھوڑی دور آگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: اِس مقام سے اور کون کون مقام ملحق ہے۔

کوچمین: حضور یہ توٹاپو ہے۔

آزاد: ہاں! یہ ٹاپو ہے۔ خیر۔

آزاد اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اوّل تو اس ٹاپو سے جانا امرِ محال ہے۔ دوسرے اگر گئے بھی تو رُوسی فوج کے سپاہی میدان میں گرفتار کرلیں گے۔ دریا کی راہ سے جائیں تو کیونکر جائیں۔ اِس قدر دم کجا ابھی تک ضعف باقی ہے۔ مگر سوچے کہ ایک دفعہ کوشش ضرور کریں گے۔ اس میں ہر چہ بادا باد۔ اگر نکل گئے تو فہوالمراد ورنہ یا قسمت یا نصیب۔ تن بہ تقدیر۔

دو چار روز تک اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہتے تھے کہ کیا کریں اور کیونکر بھاگ نکلیں۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر کار انھوں نے ایک سوار سے کل حال بیان کردیا۔ یہ سوار ان کا کمال شکر گزار تھا۔ دو بار میاں آزاد کی وجہ سے اس کا بھلا ہوا دم بھرنے لگا۔

آزاد: سنو بھئی ہم تو زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں۔ مگر تم سے ایک راز کی بات کہتے ہیں۔ اگر صلاح دو تو سبحان اللہ ورنہ تمہیں اختیار ہے چاہے فوج میں مشہور کردو۔

سوار: افسوس تو یہ ہے کہ آپ نے ابھی ہم کو پہچانا ہی نہیں۔

آزاد: خیر اب پہچان لیں گے۔

سوار: (مُسکراکر) کیا بھاگنے کی نیت ہے۔

آزاد: (متعجب ہوکر) ہاں ہے تو کچھ ایسی ہی نیت۔

سوار: پھر کچھ فکر کریں۔

آزاد: (قدموں پر ٹوپی رکھ کر) واسطے خدا کے کچھ فکر کرو ہم تم سے اپنی پوری سرگذشت کہہ چکے ہیں۔ اگر کچھ بھی پاس محبت ہے تو اس گاڑھے وقت کام آؤ ورنہ ہم تو زندہ درگور ہیں۔ یہی بھاگے اور پکڑے گئے تو بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ پابجولان ہو جائیں گے۔ بس یہی یا کچھ اور مزید برآں نیست کہ مار ڈالے جائیں بلا سے۔ ؎

ایں ہم اندر عاشقی بالای غمہای دگر

جب زندگی تلخ ہوگئی تو اس جینے سے مرنا ہی اچھا۔ جینے سے تنگ آگئے۔

سوار: میں چاہے اپنی جان دے دوں۔ مگر آپ پر آنچ نہ آنے دوں گا۔

آزاد: اور یہ مجھے گوارا نہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار : سنو آزاد میں بالکل اکیلا ہوں۔ جورو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا۔ تمام عالم میں کوئی دوست ہے نہ یار، عزیز نہ غمگسار۔ اگر میری جان گئی تو گیا۔ پھر پچاس سے زیادہ سن بھی آیا۔

آزاد : کوئی ترکیب ایسی بتاؤ جس سے میں بھاگ سکوں۔

سوار : دو چار روز میں غور کر کے کہوں گا۔

آزاد : مجھے یقین واثق ہے کہ اگر تم شریک ہو جاؤ تو میں آسانی سے بھاگ نکلوں مگر تمہارا شریک ہونا مقدم ہے۔

سوار : میں دل و جان سے شریک ہوں۔

آزاد : جب تک علیل ہوں تب تک تو بھاگنا محال ہے۔ ہاں اگر بیڑے میں رہنا ہو تو ممکن ہے۔

سوار : دو چار روز میں تمہارے قیام کے لیے کوئی مقام تجویز ا جائے گا۔

اتنے میں وہی کرنل پھر آئے۔ آزاد سے کہا ہم نے ترکوں سے ایک شکست فاش پائی۔ ایشیا میں ہماری فوج بہت دور تک بڑھ گئی تھی۔ آخر کار ترکوں نے بسر کردگی جنرل شکست دی۔ قلعہ اردھن وغیرہ جو ہم نے فتح کر لیے تھے بدرجۂ مجبوری چھوڑ دینے پڑے۔ یورپین ٹرکی میں بھی ترک ابھی غالب ہیں۔ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔ ایک جنگ میں ہمارے چالیس سوار اور دو افسر گرفتار ہو گئے۔ مگر بارہ ترکوں کو ہم بھی گرفتار کر لائے ہیں۔

آزاد : وہ کہاں ہیں۔ میں اُن سے مل سکتا ہوں۔؟

کرنل : دور سے دیکھ سکتے ہو مگر باتیں نہیں کر سکتے۔

آزاد : شکر ہے کہ ترکوں نے زور شمشیر دکھا دیا۔ الحمدللہ۔

کرنل : (مسکرا کر) قید میں بھی تم ذرا خوف نہیں کرتے۔ شاباش۔

آزاد : اگر آزاد کے ٹکڑے ٹکڑے بھی اُڑا دیے جائیں تو ہر ٹکڑے سے یہی آواز نکلے کہ خدا ترکوں کو فتح یاب کرے۔

کرنل : دیکھا جائے گا۔ جنگ دو سر دار۔

آزاد : شکر ہے کہ قید خانے میں ترکوں کی فتح کی خبر پائی۔

آٹھ دس دن کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اب آزاد پاشا تندرست ہیں کسی قسم کی شکایت باقی نہیں۔ لہٰذا حسب الحکم افسران فوجی ان کو اجازت دی گئی کہ اس ٹاپو پر فوج میں رہا کریں۔ افسروں کو یقین واثق تھا کہ آزاد بھاگ نہ سکیں گے اگر ٹاپو سے چلے بھی گئے تو میدان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی فوج میں فوراً گرفتار ہو جائیں گے۔ آزاد کئی روز تک فوج میں رہے لشکری ان کے عاشق ہو گئے تھے۔ آزاد پاشا اس حسرت سے اپنے حالات بیان کرتے تھے کہ اکثر رقیق القلب رو دیتے تھے۔ اکثر دعا مانگتے تھے کہ آزاد رہا ہو جائیں۔ روماف سوار جوان کا مددگار تھا ایک روز ان کے پاس آیا اور کہا کہ آج شب کو دس بجے ملوں گا، اور تم کو بھاگ جانے کا موقع دوں گا۔

الغرض ٹھیک دس بجے روماف میاں آزاد کے پاس گئے اس وقت بیڑے کے کُل سپاہی خواب غفلت میں تھے، صرف ایک پہرے والا سوار جاگتا تھا۔

آزاد نے ادھر اُدھر دیکھ کر تپنچہ سر کیا اور پہرے والا سوار اسی مقام پر ٹھنڈا ہو گیا۔ تپنچے کی آواز سُن کر دو چار آدمی بیدار ہو گئے سمجھے کہ ترکوں کی فوج آ گئی، دو تین نے غل مچایا (ترک آ گئے، تُرک آ گئے) آزاد پاشا نے روسی زبان میں روماف سے پوچھ کر کہا بس اتنے ہی میں ڈر گئے، اور جب تُرک سچ مُچ آ جائیں گے تو بھاگ ہی کھڑے ہوگے، یہ فقط دل لگی کی تھی۔ ان سب کو یقین ہو گیا کہ مذاق ہی مذاق تھا۔ ادھر وہ سوئے ادھر آزاد پاشا ایک توسن چالاک پر سوار ہو کر چلے اور فوراً گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

مزے مزے کی نوک جھوک

اِدھر خورشید عالم افروز نے جلباب خفا سے رُخ انور کی جھلک دکھائی۔ نسیم سحر نکہت گل تر لے کر چمنوں میں آئی۔ اُدھر عاشق خستہ حال کشتہ تیغ جمال شہزادہ فرخ گہر میرزا ہمایوں فر کو یہ دھن سمائی کہ آج تڑکے ہی تڑکے اِن بُتانِ زیبا شمائل و لُعبتانِ شیریں خصائل کے حُسنِ عالم افروز سے آنکھوں کو نور بخشیں اور جوبن لوٹیں۔ بے تابانہ کوٹھے پر آئے اور اس صنم خانہ عشرت کاشانہ کی طرف نظر ڈالی تو مہتابی پر اُداسی چھائی ہوئی۔ کلیجہ تھام کے بیٹھ گئے۔ دردِ دل چمکنے لگا۔ دعا مانگی کہ بار خدایا ذرا تو جھلک دیکھ لوں۔

آخر کار جذب دل کی کشش نے تاثیر دکھائی طرفۃ العین میں ایک نورانی شکل مہتابی پر نظر آئی۔ شہزادہ ہمایوں فر کے دل کی کلی کھل گئی۔ من مانگی مراد پائی۔ برسوں کے بعد مہتابی پر چاند سی صورت خدا نے دکھائی۔ دیکھتے ہی خدا کا شکر ادا کیا کہ دُعا قبول کرلی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے صبا جذب پہ جس دم دلِ ناشاد آیا
اپنے آغوش میں اُڑ کر وہ پریزاد آیا

جوشِ جنون کے صدقے آخر آرزو بر ہی آئی سپہر آرا بیگم کی نظر جو ہمایوں فر پر پڑی تو لجا کر آنچل سے مُنہ چھپالیا۔ ہمایوں فر کو یہ ادا دل وجان سے بھائی اور یہ بیت بے اختیار زبان پر آئی۔ ؎

اللہ اللہ زکہ ایں قاعدہ آموختہ
کیست اُستاد تو انیہاز کہ آموختہ

سپہر آرا دل سے تو چاہتی تھیں کہ ہمایوں فر کے چہرۂ زیبا پر نظر غلط انداز ڈالیں مگر پھر بھی حیا مانع تھی۔ تھوڑی دیر تک مہتابی پر اٹھکھیلیاں کر کے زینے کی طرف آئیں۔ مرزا ہمایوں فر نے اشارے سے قسمیں دیں کہ دم بھر اور نہ آجاؤ۔ لیکن وہ ایک ادائے دلربا کے ساتھ نظر سے اوجھل ہوگئیں ہمایوں فر نے مہتابی کو پھر خالی پایا تو کفِ افسوس مل کے رہ گئے۔ فوراً ہیرا مالی کو بلایا اور کہا آج تم جان پر کھیل جاؤ سویرے ہی سویرے ہم کو لے چلو۔ باغ کے کسی چھپر میں بٹھا دینا۔ ہیرا کو چاٹ تو دے ہی چکے تھے سوچ کر کہا حضور جان جوکھم تو ضرور ہے۔ مگر چلیے کچھ پروا نہیں۔ دوسرے دروازے سے لے چلوں۔ ہمایوں فر نے سادے کپڑے پہنے اور ہیرا کے پیچھے پیچھے چلے۔ ہیرا نے دوسرا دروازہ کھول دیا، اور چپکے سے ان کو بلالیا۔ ہمایوں فر جا کر ایک چھپر میں بیٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حُسن آرا اور جہاں آرا ہاتھ میں ہاتھ دے کر گلگشت چمن میں مصروف ہیں۔ اتنے میں سپہر آرا بھی ہرن کی طرح اچھل بل کرتی ہوئی باغ میں آئیں۔

سپہر آرا: باجی جان ابھی ہمایوں فر کوٹھے پر کھڑے تھے میں نے دیکھا تو اشارہ بازی کرنے لگے۔ آنچل سے مُنہ چھپا کر میں وہاں سے چلی آئی۔ رات دن یہ کوٹھے ہی پر ٹنگے رہتے ہیں بے فکرے تو ہیں ہی۔

ہمایوں فر نے مسکرا کر اپنے دل میں یہ شعر پڑھا:

کچھ خبر بھی ہے تمہیں اپنے گرفتاروں کی
جان آنکھوں میں ہے اب عشق کے بیماروں کی

حُسن آرا: تم کوٹھے پر کرنے کیا گئی تھیں۔ جان بوجھ کے جانے سے فائدہ کیا۔ اور زمانے بھر میں اپنے کو رسوا نہ کرنا۔ اب نہ جانا سمجھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: ان سے چھپ کے کہاں جاؤگی۔ ابھی کل ہی رات کو امی جان سے باتیں ہوچکی ہیں۔ صبح و شام پیغام ہوا ہی چاہتا ہے۔

سپہر آرا: خیر اب اپنی سفارش رہنے دیجیے۔ بس دیکھ لیا۔

جہاں آرا: (مسکراکر) اے لو۔ یہ تو صاف صاف طعنے دینے لگیں۔

حُسن آرا: ایں! اہو ہو۔ تو اب اماجان سے صاف صاف کہہ دیں۔

سپہر آرا: باجی جان اس معاملے میں ہمیں چھیڑا نہ کیجیے بیکار۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ جہاں آرا کی نظر شہزادے پر پڑی۔ خوش رو اور قوس ابرو جوان دیکھ کر جہاں آرا درخت کی آڑ میں ہو رہی۔ اور اشارے سے حُسن آرا کو دکھایا کہ اس کھپریل میں کوئی نامحرم بیٹھا ہے۔ حُسن آرا نے جھانک کر دکھا تو ہمایوں فر کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اس غیرتِ مہرِ رشکِ ماہ کی شرم آگئیں نگاہ دیکھتے ہی ہمایوں فر نے آنکھیں نیچی کرلیں۔ حُسن آرا نے ہیرا کو للکارا۔

حُسن آرا: بی مغلانی۔ ذری اُس موئے باغبان کو تو بلاؤ کیوں رے مونڈی کاٹے یہ کیا تیرے ہتھکنڈے ہیں۔ یہ کھپریل میں کس کو لاکے بٹھایا ہے سینڈ دلوائے گا کیا۔ ایک دفعہ کی طرح دی تو اب سر پر چڑھ گیا۔

ہمایوں: معلوم نہ تھا کہ سرکار کے گلگشت کا کون وقت ہے۔

حسن آرا: ان باتوں سے ملے گا کیا۔ تمہیں یہاں آئے آپ نے کیا بنایا۔

ہمایوں: یہی کیا کم ہے کہ جھڑکیاں اٹھائیں۔ گھڑکیاں کھائیں۔

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

حُسن آرا: آخر ش شرم و حیا بھی کوئی شے ہے یا بے حیائی کا آسرا ہے۔

ہمایوں: اب تو لحاظ ٹوٹ گیا۔ اگر قصور ہوا ہو تو معاف کیجیے:

اسیر تازہ ہے صفدر خفا نہ ہو اتنا
ابھی نہیں ہے وہ تیرا مزا جدان صیاد

حُسن آرا اور جہاں آرا ایک چھوٹے سے خوشنما خس پوش بنگلے میں بیٹھیں اور حکم دیا کہ پردے ڈال دو۔ سپہر آرا بھی بصد شوخی و دل ربائی پائنچے اٹھاکر اُس کھپریل کی طرف سے چلیں، جہاں شہزادہ ہمایوں فر تاک میں بیٹھے تھے۔ چھاگل کی آواز سنتے ہی ہمایوں فر کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ جوبن وہ شوخ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنون کہ زاہد شب زندہ دار بھی دیکھے تو اسی بت کا کلمہ پڑھنے لگے۔ شہزادے نے نظر بھر کر دیکھا تو تیر نظر کلیجے کے پار ہو گیا۔ رخ رنگین اور کاکل مشکین گوری گوری گردن اور پیارے پیارے مکھڑے کو دیکھتے ہی سن سے جان نکل گئی۔ ہر عضو بدن سانچے کا ڈھلا ہوا:

رگِ گل سی کمر لچکتی ہوئی
چوٹی ایڑی تلک لٹکتی ہوئی
سرو سا قد تو گل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے
جب نظر سے نظر دو چار ہوئی
ایک برچھی جگر کے پار ہوئی

ہمایوں: (ہاتھ جوڑ کر) ایک نظر غریبوں کی طرف بھی:

کیا خداداد حُسن پایا ہے
آپ اللہ نے بنایا ہے

سپہر آرا: (اٹھلا کر) ع

جوبن ہے ہم پہ نام خدا پھر کسی کو کیا؟

اس مصرع برجستہ اور اس اٹھلانے پر ہمایوں فر کا بحرِ عشق جوش زن، اور طائرِ دل نخچیر تیر محن ہوا۔ ہونٹوں پر جان آئی۔ اس حاضر جوابی نے آتشِ جنون اور بھی بھڑکائی۔

ہمایوں: او بت ترسا کبھی رحم بھی آتا ہے۔ یوں بھی کوئی معشوق ترساتا ہے:

آئے نہ آئے رحم اُنھیں اختیار کیا
ہم دردِ دل کا حال مفصل سُنائیں کیا

سپہر آرا: عباسی! ذری اِدھر تو دیکھو کوئی دوانہ یہاں آن بیٹھا ہے۔

عباسی: کہاں بیگم صاحب۔ دیکھوں۔ اوئی۔ آپ کون صاحب ہیں۔ (کھلکھلا کر کہا) اے آخر یہ ہیں کون۔ کیا سنہری پی ہے۔ یا کالا پانی ہیں تو کچھ نشہ ہی کے طور (ہنس کر) حضور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ اے ہیرا۔ پوچھو تو۔ یہ باغ میں انجبی (اجنبی) گھس آتے ہیں اور تجھ کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔ بُڑھاپے میں ہوش حواس سب جاتے رہے۔

ہیرا: تو کون اجنبی کون ہے۔ یہ تو بھانجا ہے میرا۔ کل بھی آیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی: چل جھوٹے۔ مگر سُنیئے حضور (ہمایوں فرسے) یہ ڈورے کہیں اور ڈالیے۔ سمجھے آپ۔ بس خیر اسی میں ہے کہ اب تشریف لے جائیے۔ اللہ جانتا ہے تم پر رحم آتا ہے۔ ایں! یہ ڈھٹائی کوئی اس طرح کہیں جاتا ہے۔

سپہر آرا نے ہمایوں فر کو اشارہ کیا کہ اب یہاں سے جانا ہے اچھا ہے۔ ہمایوں فرنے آہستہ سے کہا ذرا ایک بات سُن لو۔ میں صدقے ایک ہی بات کہوں گا۔ دوسری بات کہوں تو زبان کاٹ ڈالو۔ قسم لو۔

ہمایوں: بی عباسی، تم ہمیں بھول گئیں۔ آج تو عرش پر سرکار کا دماغ ہے۔

عباسی: اے لو میں آپ کو جانتی کب تھی۔ کس دن کی میری آپ کی جان پہچان ہے۔ اور یہ ہمارا نام کس موے نے اِن کو سکھایا۔ اللہ اللہ یہ سکھائے پڑھائے آئے ہیں۔ یہ کہیے جب ہی ایسے ڈھیٹ ہیں آپ۔

ہمایوں: کبھی آغا طاہر کی سرکار میں تم نوکر تھیں۔ یاد کرو۔

عباسی: اخاہ حضور معاف کیجیے گا۔ اب اتنی دیر بعد پہچانا۔ حضور آج یہاں کہاں بھول پڑے۔ سویرے سویرے۔

راوی: کیا بھولی بنی جاتی ہیں۔ اور باغبان سے خود ہی سانٹھ گانٹھ کی تھی سچ ہے۔ ع

زناں را کید ہائے بس عظیم است

ہمایوں: فقط باغ کی سیر کو آیا تھا۔ فضا دلآویز ہے۔

سپہر آرا: ایں! اللہ نہ کرے۔ واہ یہ کیا بد باتیں مُنہ سے نکالتے ہو۔

یہ محبت آمیز فقرہ کہہ کر سپہر آرا بھی بنگلے میں گئیں اگر بس چلتا تو تمام دن نہ جاتیں مگر مجبور تھیں۔ خوف تھا کہ مبادا حُسن آرا خفا نہ ہو جائیں جہاں آرا باتیں سنائیں۔ بنگلے میں جا کر بیٹھیں تو ایسی باتیں کیں کہ گویا ہمایوں فر کے آنے کی ان کو خبر ہی نہ تھی۔ پوچھا باجی جان وہ نقشے حل کیے۔ حُسن آرا نے دبے دانتوں جواب دیا۔ نہیں کچھ غلط سلط سے معلوم ہوتے ہیں۔ آج کسی وقت غور کروں گی۔

جہاں آرا نے کسی قدر افسردگی کے ساتھ کہا۔ سنو سپہر آرا یہ باتیں ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ اللہ کی شان تم کل کی چھوکری اور یہ جگرا۔ واہ واہ۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ہے تو بھد پسل ہندی مثل مگر کتنی سچ ہے۔ تم وہاں دھوپ میں کھڑی ہو کر کس سے باتیں کرتی تھیں۔ سپہر آرا نے فوراً بات بنائی کہا۔ باجی چل کے جا ہے دیکھ لو۔ عباسی نے کہا کوئی دوانہ بیٹھا ہے۔ میں سمجھی وہ بوڑھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھوسٹ ہے گلی کے لونڈے چڑھایا کرتے ہیں۔ (ایک لکڑیا بانس کی کانی آنکھ تماشے کی) وہ کانا نہیں بوڑھا ہے جب عباسی نے کہا کوئی اور ہے تو ہیرا بولا میرے گانوں سے آیا ہے۔ یہیں چپکی ہو رہی، اور وہاں تھا کون۔ کر تو ڈر نہ کر تو ڈر۔

جہاں آرا: آج ہم اتّی جان سے لڑیں گے۔ ہمایوں فر سے نکاح ضرور ہو، اور یہ موا خبیث ہیرا کھڑے کھڑے نکال دینے کے قابل ہے۔ مگر ہماری عقل کام نہیں کرتی کہ تم کیسی ڈھیٹ ہو گئی ہو۔ آج تک کہیں ایسا نہیں ہوا۔ (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) ہوش اُڑ گئے۔

سپہر آرا: اپنی ہی سی کہے جائیں گی۔ کسی کی سُنیں گی نہیں۔

جہاں آرا: بس چلو بیٹھی رہو۔ شرماؤ نہ شرمانے دو۔ اے واہ۔

حسن آرا: نہیں جہاں آرا بہن۔ اس وقت تو سپہر آرا کا قصہ نہیں ہے۔ اُس نے ان کو دیکھا کہاں۔ یہ تو اُدھر ہیں۔

جہاں آرا: وہ لاکھ اُدھر تھیں مگر یہ بُری بات ہے۔

مرزا ہمایوں فر سوچے کہ اب چلنا ہی بہتر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑیں۔ ہیرا باغبان کو دو اشرفیاں دیں اور کہا دروازہ کھول دو تو ہم چلے جائیں مگر شام کو ہم سے ضرور ملنا۔ ہیرا نے سلام کیا۔ اشرفیاں لیں۔ دروازہ کھولا اور کہا۔ چپکے سے چلے جائیے۔

اب سُنیئے کہ عباسی کمال شوخی تیسرے دروازے سے نکل کر پچھواڑے جا کھڑی ہوئی اُدھر مرزا ہمایوں فر دروازے کے باہر آئے۔ اُدھر عباسی نے کہا۔ ارے! یہ کون ہے۔ ذری ٹھہرو تو سہی۔ ہمایوں فر ہکّا بکّا ہو گئے۔ ایں۔ ایں۔ عباسی تم اور غل مچاؤ۔ افسوس واسطے خدا کے اب بولو چالو نہیں۔ بس ہم کو جانے ہی دو۔

عباسی: اے حضور میں فقط دل لگی کرتی تھی۔ آپ جائیں۔

ہمایوں: سپہر آرا بیگم پر جان جاتی ہے۔ عباسی اب کوئی فکر کرو۔

عباسی: جہاں آرا بیگم کا اس وقت یہاں ہونا اچھا بھی ہوا بُرا بھی ہوا۔ اُنھوں نے سپہر آرا بیگم کو خوب للکارا کہ تم بڑی ڈھیٹ ہو۔ نامحرم سے بے جھجک باتیں کرتی ہو۔ ایسا دیدہ دلیر ہے۔ اُن کی بڑی بہن نے ان کا جنبہ کیا، اور کہا نہیں بہن اُنھوں نے تو ہمایوں فر کو دیکھا بھی نہ تھا۔ خوب نوک جھونک ہوتی۔ آپ سے بھی اُن سے بھی۔

ہمایوں: بارے بخیر گذشت ہاتھ پانوں بچا کے چلے آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی: اب حضور جائیں لونڈی کو دیر ہوتی ہے۔

شام کو جہاں آرا بیگم نے کھانا کھانے کے وقت ذکر چھیڑا بڑی بیگم نے کہا شریفوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے پیغام ہو مگر ہاں ہمایوں فر سعادت مند اور معقول پسند لڑکا ہے، اور اولاد شاہ شہزادے ہوتے ہیں۔ کون شک کر سکتا ہے۔ وہ شہزادے ان کی ہاں شہزادی اور پھر لڑکا ہونہار ہے، بد چلن نہیں۔ روپیہ بھی پاس ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ کسی شے کی کمی نہیں۔ مگر جب اُن کی طرف سے پیغام بھی ہو جہاں آرا بیگم خاموش ہو رہیں۔ مگر دل میں کچھ سوچتی جاتی تھیں۔ جب کھانا کھا کر فراغت پائی اور چاروں بہنیں اوپر کے کمرے میں جا کر بیٹھیں تو باہم یوں میٹھی میٹھی باتیں ہونے لگیں۔

جہاں آرا: امی جان کیا جانے کس فکر میں ہیں وہ پرانی ہی رسم کی پابندی کرتی ہیں۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ کوئی ہمایوں مالی بن کر آیا کوئی کھپریل میں جا کر بیٹھا۔ کوئی کوٹھے پر سے ڈورے ڈالتا ہے۔

گیتی آرا: ہے ہے جو امی جان سُن لیں تو وہ مہناسنہ چاہیں کہ گھر میں رہنا مشکل ہو جائے۔

حسن آرا: ہے تو ایسا ہی، اب ہیرا کو ہم موقوف کر دیں گے۔

سپہر آرا اپنے دل میں سوچتی تھیں کہ عباسی کو گانٹھیں گے اور سمجھا بجھا کر بھیجیں گے کہ اپنی اماں جان سے کہہ سُن کر پیغام بھجوائیں۔ دل میں کمال محظوظ تھیں کہ مراد دلی بر آئی۔ اب تھوڑے ہی دنوں میں دروازے پر شہنائی بجے گی رنگ رلیاں منائیں گے۔

جہاں آرا: سپہر آرا، یوں آؤ بہن۔ شکر گزار تو ہماری نہ ہوئی ہوگی۔

سپہر آرا: بندگی۔ بس۔ یا اور ایک بندگی کروں۔

حسن آرا: گویا بڑا احسان کیا۔ بہنوں پر بھی احسان ہوتا ہے۔

جہاں آرا: اے کیوں۔ ہوتا کیوں نہیں ہے۔

سپہر آرا: اب بڑی ہو کیا کہوں۔ کوئی برابر والی کہتی تو میں بھی جواب دیتی۔

اتنے میں عباسی اودا دوپٹا پھڑکاتی ہوئی آئی۔ کہا۔ حضور وہ بوکھل سا آدمی جو کھپریل میں بیٹھا تھا نہ۔ اس نے بہت دق کیا۔ سپہر آرا نے پوچھا کس کو دق کیا۔ تم کو۔ کہا۔ نہیں حضور واہ مجھ کو کیا تھوڑا دق کرتا۔ میں ٹھیک نہ بناتی۔

اب سُنیے کہ مُغلانیاں اور محلدار خوشخبری سُن کر سپہر آرا بیگم کے پاس گئیں۔ کہا مبارک حضور سپہر آرا بیگم چتون سے دیکھ کر بولیں کچھ خیر ہے۔ بڑی بدتمیز ہو تم۔ عباسی بھی جمک کر آئی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور ایک مغلانی پر پلیچ پڑی۔ اے واہ۔ سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ عمر بھر شہزادیوں نواب زادیوں میں رہیں مگر سلیقہ چھو نہیں گیا۔ اپنے گھر میں خدا جانے انسان کیا باتیں کرتا ہے۔ تم جا کے ڈھنڈھورا پٹوا دو۔ اور تو اور ان بوڑھی پر ہنسی آتی ہے۔ بھوں تک کے بال سفید ہو گئے۔ بچپنے کی باتیں ابھی تک نہیں گئیں کیا نزلہ کا عارضہ ہے جب ہی بال سفید ہو گئے۔ بوڑھی مغلانی یہ تقریر سن کر آگ ہو گئی اور پوپلے مُنہ سے بولی۔ لڑکی جینے کی باتیں کر جمّا جمّا (جمعہ جمعہ) آٹھ دن کی پیدائش اور باتیں کیسی کرتی ہے۔ بوڑھی بوڑھی۔ ہم ایسے بوڑھے ہو گئے اب۔۔۔۔۔ اور بالوں کے سفید ہونے کی نہ کہو۔ تمہاری طرح کوئی مفلس تو ہے نہیں۔ ایمان کی قسم ہمارے ابّا بھی سجاع الدولہ کہ ذرّیات میں سے تھے خاتون جنّت کی قسم دو دو تولے عطر بالوں میں ڈالتی تھی اور سولہ رُوپیہ سیر سے کم کا تیل جس نے بالوں میں ڈالا ہو اُس سے خدا سمجھے۔ بال تو سفید ہوا ہی چاہیں۔

عبّاسی : (اُنگلیاں مٹکا کر) اوئی یہ عطر سے بال سفید ہو گئے۔ ورنہ ابھی ننھی سی ہیں۔ آپ بیشک کیوں نہیں۔

مغلانی : اب تمہارے مُنہ کون لگے۔ زمانے بھر کی آوارہ۔ عبّاسی اس فقرے پر آگ بھبو کا ہو گئی اور جھلّی تو دوپٹہ زمین پر گر پڑا چہرہ مارے غصّے کے تمتمانے لگا۔ اتنی بے لفظ سُنائیں کہ مغلانی کے آئے حواس غائب ہو گئے۔ حسن آرا اور جہاں آرا نے تو تھمو کر کے دوپٹہ اُڑھا اور کہا۔ اے ہے کوئی ایسا جامے سے گذر جاتا ہے تم تو اس وقت اپنے آپے ہی میں نہیں رہیں۔

عبّاسی : حضور کے قدموں کی قسم میری طرف سے پہل نہیں ہوئی یقین نہ آئے تو سپہر آرا بیگم صاحب سے دریافت کر لیجیے۔ میں نے تو یوں ہی ایک بات کہی بس آؤ دیکھا نہ تاؤ اِس قدر گالیاں دیں کہ میرا اللہ ہی جانتا ہے ان کے مزاج میں اس بوڑھاپے میں آئی (اتنی) گرمی ہے تو ہمارے تو ابھی گرما گرمی کے دن ہی ہیں۔

سپہر آرا : نہیں ہم نے آج تک بی مغلانی کی زبان سے ایسی بات نہیں سُنی تھی۔ عبّاسی کو کہا زمانے بھر کی آوارہ ہے۔ شریفوں میں آوارہ اور خام پارہ کی کیا گفتگو ہے۔

راوی : آپ تو عبّاسی کی سی کہا چاہیں۔ رازداں ہے نہ۔

حُسن آرا : یہ بات کیا ہوئی آخر چھیڑ کس کی تھی۔

عبّاسی : اے حضور میں تو بولی نہ چالی۔ آپ ہی آپ بگڑ اُٹھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: یہ تو تم ناحق کہتی ہو عباسی۔ ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی بھلا بجا کے دکھا تو دو۔

عباسی: خفا مجھ سے اس پر ہوئیں کہ بوڑھی کیوں کہا اپنے حساب ابھی بارہ ہی برس کی ہیں۔ کہنے لگیں کہ بال سفید ہو گئے تو کیا ہوا جو زیادہ عطر ملے گا اُس کے بال سفید ہو جائیں گے۔ میں پوچھنے ہی کو تھی کہ بال تو عطر سے سفید ہو گئے اور یہ سر کاہے سے ہلنے لگا (ہنس کر) توبہ۔

جہاں آرا: ہاں کہنا تو تھا۔ چوک کیوں گئیں۔

عباسی: حضور میں نے کہا اور چٹخینگی۔ ناحق بن ناحق کو جھگڑا بڑھانے سے کیا مطلب!۔

اتنے میں ایک مہری نے آن کر عباسی سے کہا بڑی حضور تم کو بلاتی ہیں عباسی نے کہا ہاں ہاں چلو۔ بلاتی ہیں تو ڈر کاہے کا ہے۔ کیا ہمارے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔ ہم بڑی بیگم صاحب سے جا کے کہیں گے کہ واہی تباہی بکتی تھیں سپہر آرا بیگم کو برا معلوم ہوا ہم نے بھی ڈرتے ڈرتے ایک بات کہی:

دریں دریائے بی پایاں دریں طوفان شور افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسلہا

میاں آزاد نے بسم للہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر مرکب سبک عناں پر جولان کو دریائے زخاد میں ڈالا اور کہا قسمت یا نصیب کہہ کر چلے قدم قدم پر خوف کھاتے تھے بہت آہستہ آہستہ جاتے تھے کہ مبادہ کوئی روسی دیکھ پائے غل مچائے گھوڑ پیچھے دوڑائے دریا میں غنیم سے لڑیں۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔ پندرہ بیس قدم جا کر گھوڑا ہنہنایا۔ اپنے سایے سے کسی قدر بھڑ کا پیچھے آیا۔ آزاد سوچے کہ کس مصیبت میں جان ہے اِدھر ٹاپو اُدھر میدان ہے ذرا خبر ہو جائے تو پہرے والا گولی چلائے بادپا شکی گھوڑا ذرا اڑ گیا مگر آزاد چمکار کر راہ پر لائے۔ پھر خائف ہوئے کہ گھوڑے کی سواری اور دریا کا واسطہ اور اندھیری رات ہے۔ شب تار رشک ظلمات ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔ جوں توں کر کے چلے قہر درویش برجان درویش۔ اتنے میں رعد نے گرجنا شروع کیا اور پورب کی سمت بجلی اس زور سے لونکی کہ الٰہی توبہ۔ توسن صبا رفتار و طاؤس نگار برق کی چشمک زنی سے بیقرار ہوا اور پھر ہنہنانے لگا اُدھر آواز رعد اِدھر شہیۂ فرس گلگوں نشراد۔ آزاد سخت تکلیف میں تھے کہ یا الٰہی اب کیا کروں پورب کے رخ جانا ہے اور اُسی سمت بجلی چمک رہی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں کالی کالی گھٹا چو طرفہ چھا گئی اور ننھی ننھی بوندیں بھی پڑنے لگیں۔ اب ستم کا سامنا ہے نیچے دریا اوپر بادل اِدھر اُدھر غنیم کی فوج۔ آزلو یکہ و تنہا بیک بینی و دو گوش ابر و رعد ستم گوش۔ کوسوں تک گھٹا ٹوپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اندھیرا چھایا ہوا۔ اب پورب نظر آتا ہے نہ پچھم۔

آزاد نے دریا کی طرف دیکھ کر بصد حسرت کہا۔ او ظالم او بے رحم سمندر۔ خوب یاد رکھنا کہ حُسن آرا کا پیارا اس وقت تیرا مہمان ہے۔ پھر گھبرا کر کہا۔ وائے قسمت کی خوبی۔ یہ کیا معلوم تھا کہ اس دریائے قہار میں قبر بنے گی۔ عاشق خستہ جان و دلفگار کو تہ خاک جانے کی آرزو ہی رہ جائے گی۔ خاک کے عوض قسمت پانی ہی میں قبر بنائے گی۔ آزاد کیسے آزاد کا نشان تک نہ رہے گا۔ اے کاش کہیں مزار ہوتا تو حُسن آرا دو پھول تو کبھی چڑھاتیں۔ فاتحہ پڑھنے کو آتیں۔ کبھی تو یہ شعر حسب حال ہوتا:

جو پہنچے تربت عاشق پہ ناز کہتا ہے
حضور خاک سے دامن ذرا اُٹھائے ہوئے

مرتے تو ہیں مگر لاکھوں حسرتیں لے کر آزاد جاتے ہیں کروڑوں آرزوؤں کا خون ہوگا۔ میدانِ کارزار میں دل کھول کر سیفِ شجاعت کے جوہر بھی نہ دکھانے پائے کہ گربۂ قضا نے طائر روح کو تاکا۔ زندان بلا سے نجات پائی تو اس گرداب بلا میں پڑے:

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

ایک بار اس زور سے رعد کی آواز آئی کہ آزاد سمجھے آسمان پھٹ پڑے گا اور فرس تند خواس در جہ بیقرار ہوا کہ آزاد کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ آسمان کی طرف نظر کر کے کہا۔ او ظالم او ستم گر شعرا تجھے برسوں سے گالیاں دیتے آئے ہیں اور تو اسی قابل ہے۔ آج مجھ سے میرا محبوب مطلوب چھٹتا ہے۔ آج وہ شبِ بلا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے:

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں

اللہ بس باقی ہوس۔

اب سُنیے کہ بادِ مخالف چلنا شروع ہوئی اور آزاد کو اِس قدر عرصۂ دراز کے بعد اب معلوم ہوا کہ وہ چڑھاؤ پر جاتے ہیں۔ رہے سہے ہوش اور بھی فِرو ہوئے۔ ناکامی اور نامرادی چوطرفہ مجسّم نظر آنے لگی اب یقین واثق ہو گیا کہ زندگی محال ہے:

لگائے ٹھٹ کھڑی ہے نامرادی
تمنائے دل نکلے کدھر سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد کس خوشی سے روانہ ہوئے تھے۔ مایوسی کے بعد عروس مراد نے جلوہ دکھایا۔ بخت نارسا نے قید جانے سے چھڑایا تھا مگر دریا میں آئے تو کوہِ ناکامی ٹوٹ پڑا۔ سفینۂ دل موج خیز طوفانِ بلا میں ہے۔ سوار نے دلاسا دیا تھا کہ آگے بڑھ کر دریا پایاب ہے۔ اور یہ معلوم ہی نہ تھا کہ عاشق شوربخت کی زندگی مثال حُباب ہے۔

اب سُنیئے کہ اِدھر برق و باران نے ستم ڈھایا اور اُدھر موجوں کی جولانی اور دریائے بلاخیز کی طغیانی نے طرفہ آفت بپا کی سچ ہے:

بدریا در منافع بے شمار ست
اگر خواہی سلامت بر کنار ست

آزاد کبھی پیشتر اس دریا کی صورت سے بھی آشنا نہیں ہوئے تھے سوچے کہ کدھر جاؤں اور کدھر نہ جاؤں۔ فکر عمیق نے ذرا مدد نہ دی۔ عقل بھی غوطے کھایا کی۔ اتنے میں رم جھم مینہ برسنے لگا۔ سمند خطا پسند کی یہ کیفیت کہ دس دس ہاتھ اُچھلنے لگا۔ باگ اب ہاتھ سے چھوٹی۔ اور اب چھوٹی۔ یا الٰہی۔ یا خدا رحم کیجیو۔ حسن آرا کو عاشق زار کی کیوں کر اطلاع ہوگی۔ اے کاش اُس بُتِ نادان کو میری اُس مصیبت کی خبر ہو جائے کہ صرف اُس کے لیے آزاد نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ وہ آزاد فرخ نہاد جو غم والم کے قریب نہیں جاتا تھا۔ زندہ دل آدمی۔ خوش مذاق، خوش مزاج اُسے سختی اور پریشانی سے کیا واسطہ تھا مگر۔ ع

ہر چہ باد اباد ماکشتی در آب انداختیم

زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جان کو رو بیٹھے:

حباب وار یہاں زندگی ہے دم بھر کی
یہ دم رہے نہ رہے یہ مکان رہے نہ رہے

حُسن آرا کو یہ داستان غم سُناؤں تو کلیجہ تھام کے بیٹھ جائیں۔

اِن خیالات نے آزاد کو اور بھی پریشان کر دیا۔ کئی بار چاہا کہ کود پڑیں۔ جھگڑا ہی مٹے مگر کودنے کی کوشش کے وقت گویا حُسن آرا روک دیتی تھیں۔ سپہر آرا کی بھولی بھولی اور پیاری پیاری صورت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ اللہ رکھی کی شوخی یاد آتی تھی۔ ایک مرتبہ ان کے قریب بجلی اس تیزی سے چمکی کہ گھوڑا بے اختیار اگلے پاؤں سے کھڑا ہو کر معاً بائیں ہاتھ کی طرف کئی گز کے فاصلے پر اُچک گیا اور آزاد پاشا اُچھل کر دریا میں گرے۔ الامان۔ الاماں!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میا رائے بخت بہر غرق مادر شور دریارا
پر ماہی مگر وان باد و باراں کشتی مارا

حضرات ناظرین۔ قیامت کا سامنا ہے یا نہیں، آزاد پاشا اس بے کسی اور بے بسی کی حالت میں پشت توسن سے گریں۔ کیسا سانحۂ جگر دوز ہے اُف ایسا طنّاز جیالا خوش رو جوان اور یوں گرداب تباہی میں آئے۔ آزاد پاشا گرے اور گرتے ہی سنبھلے۔ پیراک تو تھے مگر اس مصیبت کے عالم میں دریا پیر نادل لگی نہیں ہے۔ اور دریا بھی کون۔ زخار۔ قہار۔ جس کا اور نہ چھور۔ اور اس پر طرہ یہ کہ چڑھاؤ کا ٹنا اور بھی قیامت ہے۔ آزاد پاشا شہ زور تو تھے ہی بسم اللہ کہہ کر کھڑی لگاتے ہوئے چلے مگر پانی کا وہ زور تھا اور ہوا کی وہ تیزی کہ موج کے تھپڑے ان کو خس و خاشاک کی طرح اِدھر اُدھر بہائے پھرتے تھے۔ دس قدم بہزار خرابی گئے اور پانی نے بیس قدم پیچھے ہٹا دیا۔ کبھی ملاحی چیرتے تھے کبھی کھڑی لگاتے تھے مگر دس قدم اِدھر یا دس قدم اُدھر۔ ہوش پرّان حواس غائب کرتے دھرتے کچھ بن نہیں پڑتی تھی۔

اب اِدھر کا حال سُنیے کہ آزاد پاشا تو مرکب صرصر تگ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اُدھر پہرے والا جب پہرا دینے آیا تو اپنے ساتھی کو ڈھونڈھا مگر پتا نہ پایا۔ اِدھر اُدھر تلاش کی مگر اُس کی خبر نہ ملی۔ آواز دی۔ صدائے برنخاست بجلی جو چمکی تو دفعتہً ایک چیز نظر آئی قریب جاکر دیکھا تو لاش۔ ارے! غُل مچایا سب کے سب جاگ اُٹھے۔ تمام بیڑے میں ہلڑ مچ گیا۔ پہرے والے کی لاش پہچانی گئی۔ ابھی تک کسی فرو بشر کو میاں آزاد پر شک نہیں گذرا کرنل صاحب آتے آتے ہی حکم دیا کہ آزاد پاشا کو لاؤ۔ اور آزاد پاشا دریا میں ملاحی چیر رہے ہیں۔ وہاں کہاں۔ سواروں نے کہا حضور اُن کا پتہ نہیں ملتا خدا جانے کہاں بھاگ گئے۔

کرنل : (ہاتھ ملاکر) بس نکل بھاگا۔ یہ اُسی کا کام ہے۔ وہاں شب کو بندوق کس نے سر کی تھی۔ بندوق کی آواز کس طرف سے آئی تھی۔

سوار : حضور اسی طرف سے آواز آئی تھی۔ جہاں آزاد قید تھے۔

میجر : ہم نے کہہ دیا تھا کہ بغور دیکھ لو۔ مگر کسی نے نہ مانا۔ افسوس!

سائیس : میں نے اُٹھ کر پکارا تو کسی نے کہا کہ ہم لوگوں نے دل لگی کی تھی ترک یہاں کہاں ہیں۔ جو ایسا ہی خوف ہے تو خدا خیر کرے اگر سچ مچ ترک آجائیں تو شاید جوتیاں چھوڑ چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہو۔ اللہ اللہ یہ ہیبت! اے لاحول۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنل : آزاد سے کس کس سے دوستی تھی۔ نام لکھے جائیں سب کے ۔
میجر : (مسکراکر) ایک تو مجھی سے دوستی تھی۔ میرا نام لکھیے اور ایک آپ سے دوستی تھی اپنا نام بھی لکھیے ۔
کرنل : افسروں کو مستثنا کر کے سواروں اور پیادوں میں کس کس سے زیادہ تپاک ——— اور ملاقات تھی ۔

آزاد پاشا کے دوستان صادق اور یاران موافق کے نام لکھنے بیٹھے تو فی صدی نوے کا تخمینہ کیا گیا۔ فہرست کیا طومار تھا۔ کرنل صاحب نے ہاتھ ٹیک کر کہا۔ بس اب اس بارہ میں تحقیقات ہی کرنا فضول ہے جب ہمارے لشکر کے اتنے آدمی اُن کے خیر خواہ اور جاں نثار ہیں تو تحقیقات ہی بیکار ہے۔ کئی آدمیوں سے سوال کیے کہ تم نے بندوق کی آواز سُنی تھی سُنی تو کچھ دریافت بھی کیا کہ کس نے سر کی کسی آدمی کو جاتے آتے دیکھا۔ کچھ آہٹ ہوئی یا یوں ہی چل دیا۔ سب اپنی اپنی روایت بیان کرنے لگے ۔

ایک : میں غافل سو رہا تھا کہ بندوق دغی۔ لیٹے لیٹے گردن اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو سناٹا تھا۔ سمجھا کہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر بدستور سو رہا۔ مجھے نہیں معلوم ہوا کہ کس نے بندوق چلائی۔ اور کون بھاگا، اور کیا بھاگا۔ بس اور میں کچھ نہیں جانتا ۔
دوسرا : میں جاگ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پاشا نے بندوق لی اور داغی مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بھاگنے والے ہیں یا پہرے کے سپاہی کو اُنھوں نے ٹھنڈا کیا۔ ان کے ارد گرد دو چار روسی بھی تھے۔ اس سے مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ دل لگی کر رہے ہیں ۔
تیسرا : پہرے والے کو گرتے میں نے نہیں دیکھا۔ مگر بندوق کی آواز آئی تو میں نے بھی غُل مچایا، ایک شخص نے کہا ترک آ گئے۔ دوسرے نے غُل مچایا۔ ترک ترک میں تلوار لے کر اُٹھا ہی تھا کہ کسی رُوسی نے ہنس کر کہا۔ جاؤ بس دیکھ لیا۔ ترکوں کے نام سے اس قدر خائف ہو۔ ذرا بندوق سر ہوئی اور گھبرا کر ترک ترک غُل مچانا شروع کیا۔ جب میں نے یہ فقرہ سُنا تو کمال نادم ہوا۔ تلوار رکھ کر سو رہا ۔
چوتھا : روماف کی صورت کا ایک سوار اس کے پاس دس بجے گیا تھا۔ اتنا مجھے خوب یاد ہے، اور میں نہیں جانتا ۔

کرنل صاحب نے روماف سے پوچھا۔ اس نے صاف انکار کیا۔ میں تو نو بجے کے وقت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سو رہا تھا۔ آزاد کے پاس دس بجے میں کیا کرنے جاتا۔

الغرض لشکر میں بگل بجنے لگا تاکہ میدان کے جوان بھی ہوشیار ہو جائیں۔ کئی سوار دوڑائے گئے کہ آزاد کا پتا لگائیں مگر بارش نے ناک میں دم کر دیا۔

خیر یہ لوگ آزاد کی تلاش کیا کریں۔ اب ان کی کیفیت سنیئے! بیماری کے سبب سے نقیہ اور ہلکان تو ہو ہی گئے تھے، کچھ دیر کے بعد دم پھول گیا۔ اب ڈرے خدا بچائے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بس اب کوئی دم کے مہمان ہیں۔ تو جان پر کھیل کر کنارے کی طرف جانے کا قصد کیا۔ آٹھ دس بار ناکام ہوئے۔ آخر کار گیارہویں بار جبکہ ڈوبنے ہی کے قریب تھے حسن اتفاق سے اِن کا پانو تہہ پر پڑا۔ اور زور کر کے یہ کنارے تک آئے تو شل ادھ مرے آتے ہی ریت میں گر پڑے تو بے ہوش۔ ایک گھنٹے کے بعد ہوش آیا۔ آنکھ کھلی دیکھا کہ چاندنی نکھری ہوئی ہے، اور ان کے پانو کنارے پر اُس مقام پر ہیں، جہاں دریا کا پانی آن کر بر جستہ القہقری واپس جاتا ہے۔ پانو کی انگلیوں کی کبھی کبھی پابوسی بھی کرتا ہے۔ اُٹھے تو دیکھا کہ ایک سوار ٹیلے پر کھڑا ہے۔ ہوش اُڑ گئے۔ بھاگنے ہی کو تھے مگر سوار سے بھاگ کے کہاں جاتے۔ بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کا مشکی گھوڑا تھا سوار نہ تھا۔ ہنس کر گھوڑے کے قریب گئے اور گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا شاباش۔ اچھے وقت ملے مگر کہیں پھر نہ دغا دینا۔ گھوڑا ہنہنایا۔ انھوں نے پھر گردن پر ہاتھ پھیرا اور پھر کہا۔ شاباش خوب ساتھ دیا غازی مرد۔

دو گھنٹے کے بعد میاں آزاد گھوڑے پر سوار ہوئے، اور راتوں رات دریا کے کنارے کنارے چلے۔ سحر کاذب کے وقت انھوں نے ذرا دم لیا۔ پھر چلے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مقام ملا جہاں شکار کھیلتے ہوئے کشتی پر گئے تھے۔ جان میں جان آئی۔ آگے بڑھے تو ایک ترکی سوار ملا۔

سوار: السّلام علیکم۔ محمد اللہ کہ مع الخیر واپس آئے۔ یہاں تو خبر مشہور ہو گئی تھی کہ قید کر لیے گئے۔

آزاد: اب دم لوں تو کُل حال بتاؤں۔ خدا نے بچایا بڑی مصیبت سے دو چار ہوا تھا۔ مگر اس کی بندہ نوازی کے صدقے کہ جان بچا کر بخیریت واپس آیا۔

سوار: قلعے میں اور فوج آئی ہے۔ اب لشکر جرّار ہمارے پاس ہے۔

قلعہ معلّی میں آزاد پاشا داخل ہوئے تو سواروں اور پیادوں اور افسروں نے دوڑ دوڑ کر استقبال کیا۔ علیقو پاشا نے جھپٹ کر گود میں اُٹھا لیا۔ چو طرفہ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : کوئی اٹھائیسویں روز چھٹکارا ملا۔ اُف مر مٹا۔

علیقو : اجی اب چل کے رنگ رلیاں مناؤ۔ سپاہی کے لیے تلوار کے مُنہ مرنا معراج ہے۔ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

آزاد : اب حالات جنگ تو بتائیے۔ سُنا بڑی شکست پائی۔

علیقو : بس اُس مرتبہ فوج ایسی منتشر ہوئی کہ کچھ نہ پوچھو۔

آزاد : ہم نے خبر پائی تھی کہ کئی آدمی گرفتار کر لیے گئے۔

علیقو : ہم نے اڑتالیس ۴۸ آدمی گرفتار کیے اور ہمارے صرف سات آدمی روسی پکڑلے گئے۔ ایشیائے کوچک میں یلان ٹرکی نے علم فتح نصب کر دیے اور روسیوں کو اس جوانمردی سے ہٹایا کہ بول گئے۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد　　اگر خارے بود گلدستہ گردد

ع　بیدل نیم ہنوز بہ بینیم چہ می شود

آزاد : ہم نے روسی لشکر کی اکثر باتیں اس قید میں دریافت کیں۔ واقعی بڑے جرار آدمی ہیں۔ میدان کارزار سے ان کے قدم نہ ہٹیں گے۔

اتنے میں ایک افسر نے آزاد سے کہا کہ آپ کے نام ایک خط آیا ہے مگر ہم نے بھانپ لیا کہ کسی معشوق نے بھیجا ہے۔ خط سے بہشت کی لپٹیں آتی ہیں۔ آزاد معاً تاڑ گئے کہ حُسن آرا بیگم کا خط ہوگا۔ فرطِ بے قراری و بیتابی سے کہا۔ واسطے خدا کے جلد لاؤ۔ افسر موصوف نے خط دیا تو آزاد پاشا کا دماغ طبلۂ عطار بن گیا۔ کئی بار بوسے لیے۔ لفافہ دیکھا تو حسن آرا کا نستعلیق خط۔ باچھیں کھِل گئیں فرطِ ابتہاج سے ٹوپی اُچھال دی اور بے اختیار کہہ اُٹھے۔

خطت می بینم و گرد سوادِ نامہ می گردم
خدائے جنبش آن دست و طرزِ خامہ می گردم

حُسن آرا بیگم کا نامہ بنام آزاد پاشا

ہر کہ ز غنچہ دم زند لب بکشا کہ ہم چنیں
ہر کہ ز گل سخن کند رُخ بنما کہ ہم چنیں
ہر کہ بگوید این سخن عمر دو بارہ چوں شود
زبر من بر دو دمے باز بیا کہ ہم چنیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرے پیارے آزاد پاشا. تمہاری پیاری حُسن آرا سے زیادہ خوش نصیب شاید ساری خدائی میں کوئی نہ ہوگی مگر دل و جان سے یہی دعا مانگتی ہوں کہ بارِ خدایا آزاد کی صورت دکھا معرکہ دار و گیر سے صحیح و سالم واپس لا۔ اب آنکھیں تم کو ڈھونڈھتی ہیں:

در انتظار یک نگہہ سرمہ سای تو
چشمم سفید شد بسر خاک پای تو

آزاد تمہاری ایک ایک ادا دل میں اس طرح کھپ گئی ہے اور تمہاری دلی محبّت کا نقش میری لوحِ سینہ پر ایسا مرتسم ہے کہ بعد فنا بھی نہ مٹے گا. میرا دل تم نے اپنا کر لیا۔

اے کہ از ناوک مژگان دل من دوختہ
این قدر شوخی چشمان زکہ آموختہ

مُنہ کھول کے دردِ دل کسی سے کہہ نہیں سکتی کہ ہمجولیاں طعنے دیں گی۔ خدا جانے کیا کیا سمجھیں گی۔ مگر ہر چہ بادا باد۔ میری عفت اور پاکدامنی کا خدا شاہد ہے:

گرچہ بد نامی ست نزد عاقلان
مانمی خواہیم ننگ و نام را

صبح کو خانہ باغ میں دل بہلا رہی تھی۔ عجب سماں تھا۔ ہر برگ و بار نزہت توامان تھا۔ تدرواںِ خوش خرام کی بال جنبانی طیور ذی شعور کی زبان لبریز حمد سبحانی۔ نوعروسان چمن رشک خوبان فرخار، غنچوں پر جوبن گلوں پر بہار۔ میں پہلے ہی تاڑ گئی کہ آج ترالے ٹھاٹھ ہیں۔ اللہ اللہ اس دھوم دھام سے چمن میں عروس بہار آئی ہے۔ ٹہل ہی رہی تھی کہ جگر گوشہ سپہر آرا شوخی کے ساتھ دوڑ کر آئی۔ ہنستے ہنستے اخبار لائی۔ کہا باجی جان میاں آزاد نے ایک معرکہ سر کیا۔ اخبار مسرّت بار پڑھا تو ہزاروں بار چوما بس اب ہندوستان میں تمہاری ایسی شہرت ہے کہ مجھے تشفی ہو گئی اب آؤ۔ اور جلد آؤ۔

ایک افسر نے مُسکرا کر کہا، اس خط میں کیا لکھا ہے۔ آزاد نے کہا تمام ہندوستان میں آج تک کسی دوشیزہ نے ایسا خط نہ لکھا ہوگا۔ اس کے بعد مطلب ترجمہ کر کے سُنا دیا اور افسروں سے باتیں کرنے لگے۔

دگر روز کیں ساقی صبح خیز
زمے کرد بر خاک یاقوت ریز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو لشکر چو دریائے آتش و مان
کشادند باز از کمینہا کمان
دگر بادہ در کار زار آمدند
بشیر افگنی در شکار آمدند
ہمان کوہ سر، و می زگر گینہ چرم
نہ دل بلکہ فولاد زاگرد نرم
ورائے جگر تاب و فریاد زنگ
زسر سغز می بردواز روے زنگ

میدانِ کارزار

اِدھر سالار گیتی فروز یعنی خورشیدِ عالم افروز نے علم زرفشان سے نصف کرہ زمیں پر سکۂ حکمرانی بٹھایا۔ اُدھر ایک ترکی سوار خشمناک آغشتۂ خون وخاک توسن چالاک کو سبک پویہ کرتا ہوا قلعۂ معلیٰ میں آیا اور آتے ہی باآواز بلند کہا۔ اے مردان بکوشید تا جامۂ زنان نہ پوشیدہ:

دگر بار میدان شد آراستہ
ز پیغولہا نعرہ برخاستہ
کشیدند صف قلب داران روس
وزان قلب آراستہ چون عروس
کہن پوستینے در آمد بجنگ
چو از ژرف دریا بر آمد نہنگ

لشکر میں فوراً بگل دیا گیا اور ترکی جوانانِ جرّار واز موده کار مسلّح ہوکر میدانِ کارزار میں جانے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سیل عظیم کی طرح قلعے سے لشکر اُمڈا۔ شمشیر تیز اور اسلحۂ ستم خیز، صبار فتار، مرکبوں کی چالاکی۔ خونخوار راکبوں کی خشمناکی سوز زبانِ حال سے پکار پکار کے کہتے تھے کہ:

سنانم ز پہلو در آمد نہ ناف
دروغے نمی گویم اینک مصاف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک میل کے فاصلے پر دونوں لشکر صفیں باندھ کر آراستہ ہو گئے۔

نمایندہ رومی بہر سو ستیز
برآوردہ از روسیان رستخیز
برآمیختہ لشکرِ روم و روس
بسُرخ و سپیدی چو روے عروس

میدان مصاف میں ادھر روسیہ کا جرس گردوں خروش اُدھر رومیوں کا کوس فلک شگاف۔ فوجی باجا نامرد کو بھی جواں مرد بنائے۔ بزدل کی رگ حمیت بھی جوش میں آئے۔ ادھر روس کے جوانان تُند خو اُدھر روم کے نبرد آزمایانِ کینہ جو اُدھر کاسک کی فوجِ دلیر، ادھر باشی بزوق غرندہ شیر، اُدھر جنرل کشور کشا۔ ادھر پاشا زور آزما، دونوں طرف باجے کی آواز سے لشکری مست ہو رہے تھے جانبین کے سواراں روئیں تن اور افسرانِ صف شکن تلے ہوئے تھے کہ ادھر جنگ چھڑے اور ہم جان پر کھیل جائیں۔ غنیم کے چھکّے چھوڑائیں۔ فوجی باجا ان نوجوانوں کی آتشِ شوق کو اور بھی بھڑکا رہا تھا۔ طبل ان کے سمندِ جوش پر مہمیز کا کام کرتا تھا۔ مگر سپہ سالارانِ سالخوردہ سمجھاتے تھے کہ ذرا باگیں روکے ہوئے۔ نوجوان دست بدعا تھے کہ یا الٰہی معرکہ ستیز اور میدانِ رستخیز گرم ہو۔ شپاشپ تلوار چلے۔ دل کھول کر غنیم سے لڑیں۔ گلگون خوش رفتار معشوقوں کے مزاج کی طرح جوش کر رہا تھا۔ ترکوں کے رسالے میں سے ایک نے کہا اگر کوہ البرز بھی ہو تو ایک گرز سے ہم جگر فگار کر دیں۔ شیر ژیان ہو تو تیر کلیجے کے پار کر دیں۔ دوسرا بولا۔ ایک طمانچے میں دیو کو تحت الثریٰ پہنچاؤں، پیل و مان کو زمین پر گراؤں، یہ جوش و خروش، شیر مردانِ فولاد پوش و سخت کوش دیکھ کر سپہ سالار خرد آگاہ نے کل سپاہ کو مخاطب کیا، اور یوں کہا۔

اے غازیان باوقار و مردانِ خدا۔ ہماری فوج بحرِ موج کے جوش و خروش سے ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ ہمارا ایک ایک نیزہ روسیوں کے جگر کے پار ہو گا۔ غنیم سپہ کا ردم کے دم میں تباہ و خوار ہو گا۔ مگر ایسا نہ ہو کہ اپنے زعم میں آپ ہی آ رہو۔ خبردار سنبھلو۔ استقلال اور صبر نعمت خداداد ہے۔ مردِ میدان وہ ہے جو دور اندیش اور آخر بیں ہو۔ لاکھ پر سر کیں ہو، مگر معرکہ جنگ میں خوب دیکھ بھال کے لڑے۔ پہلے اپنے کو دشمن کے وار سے بچائے پھر اُس پر چوٹ جڑے۔

خدا حضرت سلطان المعظم کو اس معرکہ نبرد میں سرخرو اور فائز بمرام کرے ہم چشموں اور سلاطین کرام میں نیک نام کرے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پادشاہے کہ پائگاہش را ... برتراز چرخ سائبان بستند
برفلک بخت نوجوانش را ... بہ ظفر عقد جاودان بستند
رہروان قوافل جبروت ... ہووج قدر اوگران بستند
سائبان قضائے دولت او ... از مکان تا بہ لامکان بستند
کشتی بحر ضمیرش را ... زاطلس چرخ بادبان بستند
بہر پابوس اور کاب ظفر ... برسمند سبک عنان بستند

جاودان عیش باو کزپے او
ہفت آئیں کن فکان بستند

اس آخری شعر پر نعرہ (آمین ثم آمین) اس زور سے بلند ہوا کہ کان کے پردے پھٹنے لگے۔
یوں تو دونوں فوجوں میں ہر فرد بشر نیزہ گذار اور دلیر و جوار تھا مگر آزاد پاشا گل رزمگاہ میں اپنی آپ ہی نظیر، جرأت میں عدیم السہیم جنگ کے فنون میں فرد تھے۔ انتہا کے جیالے غضب کے شیردل شیرمرد تھے۔ ہر بُن مو جنگجو تھا۔ تشنۂ خون عدو تھا۔ اور خیال وِصالِ ناظورۂ خورشید جمال توسن ولولہ پر تازیانے کا کام کرتا تھا۔ بانگ درا اور صدائے جرس نے اِن کو اور بھی مست کر دیا۔ ایک قسم کا جنون ہو گیا کہ اِدھر توپ پر بتی پڑے یا بندوق چلے اُدھر گھوڑا دوڑا کر قلب فوج میں پہنچوں۔ اور ایک سرے سے روسیہ کے سر اُڑانے شروع کروں۔ جُوں جُوں دیر ہوتی تھی جنون کا زور بڑھتا جاتا تھا۔

اسیر دام زنجیر جنونم کرد صیادی
کہ از ہر گردش چشمش برقص آید پری زادی

اب سُنیئے کہ طرفین کے سپہ سالار اِس فکر میں تھے کہ پہلے غنیم کی جانب سے توپ چلے تو ہم جواب دیں۔ روسی منتظر تھے کہ رومی بسم اللہ کریں اور رومی چاہتے تھے کہ روسیوں کی طرف سے گولہ اندازی شروع ہو۔ دونوں اپنی اپنی گھات میں تھے۔ گو دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے تھے، مگر حملہ آور ہونا مصلحت کے خلاف تھا۔
آخرکار روسیوں کی طرف سے اتواپ کوہ شکن پر بتیاں پڑیں اور جانبیں سے گولے اور گولیاں چلنے لگیں۔ ایک شبانروز یہی کیفیت رہی، اور ہزاروں گلبدن نوجوانوں کے نشین بدن زخمی ہو کر لاشیں پھڑکنے لگیں۔ آدھی رات سے دست بدست جنگ شروع ہوئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ترکی اور روسی سپاہیوں نے خوب داد تہوری دی ان کی شمشیر خارا شگاف۔ ان کی تیغ خوشں غلاف اس نے للکارا کہ او طفلک نادان تو اور مقابلہ شمشیر اصفہان۔ ایک ضرب میں کام تمام کروں گا، ماروں گا اور مروں گا مگر پیچھے نہ ہٹوں گا۔

وہ بولا اے جوان اجل رسیدہ سنبھل۔ دیکھ مرد یوں وار کرتے ہیں۔ یوں غنیم سے پیکار کرتے ہیں۔ اس نے بڑھ کر ہاتھ دیا۔ اُس نے چوٹ بچائی۔ اُس نے گھٹنا ٹیک کر تلوار چلائی۔ آزاد نے بڑھ کر سیف دو پیکر چمکائی فوج رُوس چوندھیائی۔ روسیوں نے کہا ہمارا لشکر دل بادل ہے ترکی بولے ہماری تلوار فرمان قہرمان چل ہے:

اُترے جگر سے جس کے اُسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خون میں تر نہ ہو

میدانِ کارزار گرم تھا طرفین نے خبر پائی کہ کمکی فوج مارا مار مدد کو آئی ہر دو افواج ظفر امواج نے دلوں کو تسکین دی تازہ دم سپاہ نے تشفی بخشی۔ معرکہ گیرودار کی گرم بازاری تھی۔ دونوں طرف فوج جرّار مصروف پیکار تھی۔ ترکی شمشیر زن، روسی تفنگ افگن، جب لڑتے لڑتے طرفین کا لشکر تھک گیا۔ تو سپہ سالاروں اور افسروں نے بکمال چابکی و چستی اس فوج کو ہٹایا اور تازہ دم سپاہیوں کو آگے بڑھایا۔ تُرکوں نے جدال و قتال کے لیے کمرِ ہمّت چُست باندھی۔ اور برس پڑے، رُوسی نعرہ خوشی بلند کر کے جان پر کھیل کر لڑے۔ دونوں اس شجاعت سے میدان میں ڈٹے کہ یہ ہٹے نہ وہ ہٹے۔

اتنے میں روسیوں نے پھر گولے اُتارے۔ تُرکوں نے بھی تاک تاک کے نشانے لگائے اور نعرے مارے۔ ہر وار اور آواز تفنگ سے میدانِ جنگ کوسوں تک گونجنے لگا۔ ع

سریوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

بیس نوجوانانِ ترک بکمال تہوری آگے بڑھے۔ عین فوج غنیم میں جا کر خوب لڑے بھڑے اور دو شیر دلوں نے رُوس کی ایک اژدر۔ دہاں توپ میں کیل ٹھوک دی، سات آٹھ گولہ اندازوں کی جان لی۔ مگر ایک کی دوا دو۔ چالیس پچاس روسی ان یلانِ تہمتن پر ٹوٹ پڑتے۔ جان بکف تو وہ گئے ہی تھے حتی الوسع خوب مقابلہ کیا۔ دیر تک لڑے۔ آخر کار جب تلواریں دو نیم ہو گئیں تو دم توڑا۔ مگر مرتے دم تک مُنہ نہ موڑا۔ گولے علی الاتصال دوطرفہ برستے تھے مجروح نہ بچارے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تڑپتے تھے کہ ہائے اگر زخم نہ کھاتے تو حق نمک ادا کر جاتے۔ جب گولہ گولی بارود کا صفایا ہوا تو ناچار جانبین کے جانبازوں نے پھر تیغ خون آشام ہاتھ میں لی۔ داد شجاعت دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر تو پکار تھی یہ اِدھر وہ اُدھر گرا
وہ نیمچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا

آزاد پاشا نے اے مردان بکوشید کی صدا کی اور

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغ شرر فشان
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الامان
آواز دی زمین نے کہ یا حافظِ جہان
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسمان

ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غُل تھا کہ فوج روس کا دفتر الٹ گیا

آزاد کی ولایتی سروہی کی چمک کا ایک نے بھی مقابلہ نہ کیا۔ اس صفائی کے ساتھ ہاتھ لگاتے تھے کہ ایک ایک ضرب میں دس دس سر زمین پر آتے تھے۔ یہ آئی وہ گئی یہ چمکی وہ پڑی۔ یہ سر کاٹا وہ سر اُڑا دیا۔ بنوٹ کے اُستاد کا کوئی کیا مقابلہ کرے گا۔ پاؤلے بھر بھر کے اس طرح جاتے تھے کہ غنیم کی روح لرزنے لگتی تھی۔ ایک چشم زدن میں پرے کے پرے صاف کر دیے۔ ایک غازی کی تلوار نے ستم ڈھایا۔

گہہ شرق میں خورشید کے مانند عیاں تھی
گہہ غرب میں شکلِ مہِ نو جلوہ کناں تھی
گہہ چرخ پہ روشن صفت کاہکشاں تھی
یہ تیغ کا پرتو تھا فقط خود وہ کہاں تھی

سن اس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
مُنہ کی وہی کھاتا تھا جو مُنہ اس کے چڑھا تھا

ترک آفرین کی صدا بلند کرتے تھے رُوسی تک مرحبا مرحبا کہتے تھے رُوس کی فوج سے ایک نوخیز جواں خوبرو نے ایک بیش بہا شمشیر میاں سے نکالی اور گو پیچھے کی صف میں تھا۔ مگر بھیڑ کاٹ کر نامِ خدا کے میاں آزاد کی طرف آیا اور آتے ہی پشت کی طرف سے وہ ہاتھ تُلا ہوا لگایا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نشانے پر آزاد نے چرکا کھایا۔ آزاد چوٹ کھانے کے عادی تو تھے ہی نہیں۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا چھٹے لہ اس بدانجام کا کام تمام کریں مگر اُس نے پھر ایک بھرپور ہاتھ لگایا۔ اگر آزاد فنون سپہ گری، اور بانک بنوٹ سے واقف نہ ہوتے تو بھنڈارا کھل جاتا۔ انھوں نے اپنی تلوار پر اُس کو روکا اور ہاتھ میں اس طرح پر گھمایا کہ دونوں تلواریں سروں سے اونچی ہو کر الگ ہو گئیں۔ اِس کا لُطف وہی ناظرین اُٹھائیں گے۔ جنھوں نے لکڑی پھینکی ہے۔ اور اس کو وہی سمجھیں گے جوان فنونِ مردانہ کو جانتے ہیں۔ اب اس نازک مقام پر بڑی اُستادی یہ ہے کہ جب ہاتھ گھوم کر سر پر سے جائے اور تلواریں الگ ہوں، تو جو پھرتی کے ساتھ پہلے ضرب لگائے، وہ دوسرے کو مارے گا۔ آزاد نے تلواروں کے جدا ہوتے ہی پیترا بدلا اور تڑسے چالاکی کا ہاتھ دیا۔ وہ جوان رعنا ہنس کر ذرا آڑا ہو گیا۔ اور چوٹ بالکل خالی گئی۔ آزاد ایسے خفیف ہوتے کہ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ مارے غصّے کے بدن کانپنے لگا۔ اُس کو ان گل چہرہ نے چمک کر پالٹ کا ہاتھ لگانا چاہا۔ پالٹ بچا کر آزاد نے ایک انی لگائی چھچھلتی ہوئی چوٹ پڑی، مگر خون نہیں آیا۔ ایسی چوٹ پڑی جسے اُستاد لوگ اصلاح میں رسنا کہتے ہیں۔ جوان ممتاز نے مُسکرا کر کہا۔ بس۔ آبڑھ کر۔ یہ کہہ کر وہ جوانِ رعنا شمائل، پیل دمان کی طرح جھوم کر خود آگے بڑھا۔ اور آزاد پاشا سے تلوار چلنے لگی۔ ان دونوں کی ضربتِ شمشیر جگر دوز کے خوف سے دس دس قدم تک کوئی آدمی نہ تھا۔ ناظرین کو یہ سن کر استعجاب ہو گا کہ جس وقت ان دونوں مبارزانِ روئیں تن اور اُستادان کامل فن میں تلوار چلنے لگی اس وقت کل رُوسی اور تُرکی جنگ کو چھوڑ کر انھیں کا تماشا دیکھنے لگے۔ دونوں ہم سن، دونوں کم سن، دونوں زیبا اندام، دونوں گل فام، دونوں فنِ سپہ گری میں طاق، دونوں داؤ پیچ میں شاق، دونوں جیالے، دونوں جاں باز، دونوں شیر طبیعت، دونوں طنّاز۔ طرّہ یہ کہ رُوسی نوجوان بھی ایک نوعروس شیرین حرکات کے تیر نگہ کا گھائل تھا۔ اُس کا دل بھی نکاح کی طرف مائل تھا۔ وہ نگارِ عربدہ جو بھی یہی قول ہاری تھی کہ تُرکوں کے خون سے اپنی شمشیر کی پیاس بجھاؤ۔ سرخرو ہو کر آؤ تو ہم بغل ہو۔ جوانی کے لُطف اُڑاؤ۔ ع

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

آزاد دل ہی دل میں کہتے تھے کہ خداوندا اس وقت پیاری حسن آرا اگر ہم کو شمشیر بکف ایسے سربلند و دغا پسند جوان سے لڑتے دیکھیں تو ہماری محنت ٹھکانے لگے، اور وہ دعا مانگتا تھا کہ یا خدا اس ڈوھ کے ڈوھ کو اگر گرادوں تو مدعائے دلی حاصل کروں۔ مگر آزاد کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ مخالف بھی اسی درد میں مبتلا ہے، یہ بھی اسیر دام زلفِ مشک سا ہے۔ نہ رُوسی کو معلوم تھا کہ یہ تُرکی پاشا ہماری طرح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معشوق کے کہنے سے آیا ہے۔ محبوب کا حکم دل و جان سے بجالایا ہے۔ یہ بھی کشتۂ تیغ ادا ہے۔ یہ بھی خستہ جگر ایک معشوق پری پیکر کا شیدا ہے۔ دونوں جوانانِ رعنا تن و گل بدن اپنی اپنی گھات میں تھے۔ آزاد پاشا نے مخالف کا کام اب تک کب کا تمام کر دیا ہوتا مگر اتنی کڑی بیماری اٹھائی تھی۔ زخم پر زخم اور تلوار پر تلوار کھائی تھی۔ بیس روز کی بیماری بدن بھر پر زخم۔ رات کی وہ مصیبت کہ الاماں چڑھے ہوئے دریا میں چڑھا و کاٹنا دل لگی نہیں ہے۔ پھر راتوں رات گھوڑے پر آنا اور دشت و صحرا میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا۔ دو دن کیا معنی ایک دن بھی آرام نہ کرنے پائے کہ مورچے پر آئے۔ یہاں ایسا سخت مقابلہ ہوا کہ الاماں جب آزاد نے دیکھا کہ دم ٹوٹنے لگا تو باتیں شروع کر دیں۔

آزاد : (پینترا بدل کر) تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے، ورنہ خدا جانے اب تک تم کہاں ہوتے۔ اب بھی تلوار رکھ دو۔ کہا مانو۔

جوان: عقل کے ناخن لو۔ ہوش کی دوا کرو۔ ڈھیر کر دوں گا۔

آزاد : (مسکرا کر) اب تمہاری یہی مرضی ہے کہ لاش پھڑکتی ہو کیوں؟

جوان : دم پھولنے لگا ہے استاد مگر شیخی نہیں جاتی۔

آزاد : تمہاری قضا میرے ہی ہاتھ ہے۔ قضا سر پر کھیل رہی ہے ایک ہاتھ میں زمین پر لوٹتے ہو گے۔ اپنی جان کے دشمن ہو۔

اتنے میں ایک روسی نے بڑھ کر کہا۔ واہ بس اتنے ہی تھے تم کو ہر دم یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ سمن بر حور پیکر تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اس قدر سننا تھا کہ اس جوانِ زیبا شمائل کا بحرِ جوش، اور بھی موجزن ہوا۔

آزاد سمجھ گئے کہ یہ بھی ہماری ہی طرح کسی زہرہ جبین، نازنین کا والہ و شیدا ہے۔ سوچے اگر اس وقت حسن آرا بیگم، اور وہ لیڈی جس پر یہ ریجھا ہے۔ ہم دونوں کو باہم مصروف پیکار دیکھیں تو بڑی دل لگی ہو۔ پھر دونوں میں سے ایک کی لاش بہت جلد پھڑکنے لگے۔

جوان خوش رو نے للکار کر کہا۔ بس اب وارا نیارا ہو جائے یہ کہہ کر آگے جھپٹا اور دس بارہ ہاتھ آزاد پاشا پر اس زور سے لگائے کہ آزاد کسی قدر گھبرا اٹھے۔ اس نے ان کو دم نہ لینے دیا لیکن ممکن کیا تھا کہ ان پر چوٹ پڑتی۔ ہوا تک نہیں چھو پاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں ان کا دم ٹوٹ گیا۔ اب آزاد بغلیں جھانکنے لگے۔

حضرات ناظرین خوب یاد رکھیے کہ بیماری نے ان کو ایسا شل کر دیا تھا کہ اگر دوسرا ہوتا تو مورچے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر جانے ہی سے انکار کرتا۔ مگر یہ جری اور قوی آدمی تھے۔ اس جواں مردی کے ساتھ ایسے زبردست سپاہی سے لڑنا آزاد ہی کا کام تھا۔ آزاد نے اس طرح پر پیترے بدلے کہ وہ جوانِ رعنا کسی قدر فاصلے پر ہو گیا اور اُس کی چوٹیں بالکل بے کار جاتی تھیں۔

جوان : بول گئے۔ ٹھہر تو جاؤ۔ ہنپا ہنپا کے قتل کروں تو سہی۔

آزاد : بس ایک ہاتھ کے ہو۔ اب کی ہاتھ پڑا اور تم دنیا سے کوچ کر گئے۔ تمہاری جوانی پر افسوس آتا ہے۔ کیا گبھرو جوان ہے۔

جوان : اللہ اللہ۔ آپ بھی ہمارے چاہنے والے ہوتے۔ خیر ایک تو پیدا ہوتے (مسکرا کر) قضا کے تو جہ خوان ہو۔

آزاد اس عرصے میں کسی قدر سُستا چکے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اب ہم لڑنے کے قابل ہوتے تو باتیں کرتے کرتے ڈانٹا اور (سنبھل) کہہ کر ایک انی ایسی جمائی کہ جوانِ رعنا چوندھیا گیا۔ ہنوز اچھی طرح سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ آزاد نے چاکی کا ہاتھ دیا مگر ابھی تک زخمی نہیں ہوا۔ میاں آزاد جو پھرتی سے جھپٹ کر گئے تو وہ گھبرا اُٹھا۔ طرفین سے لوگوں نے کہا بس اب دونوں جدا ہو جاؤ۔ آزاد نے کہا بغیر قتل کیے چلے جانا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ پچاس کاسک تلواریں لے لے کر ترکوں کی فوج میں دھر دھمکے ترکوں نے بھی تیغ خون آشام سے کام لیا۔ اور دم کے دم میں دشتِ ستم گلنار ہو گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد چاروں طرف بے کفن لاشیں نظر آنے لگیں۔ آزاد پاشا بھی ایک درخت کے نیچے خون میں آغشتہ پڑے تھے، وہ جوانِ رعنا ان سے چھ قدم پر بے ہوش غشی کے عالم میں دنیا فراموش۔

آزاد پاشا اور وہ جوانِ رعنا سامنے آلودۂ خاک و خون بے کسی کی حالت میں پڑے تھے۔ آزاد بے ہوش تھے مگر پرانے زخموں کے انگور ابھی بھرنے بھی نہ پائے کہ انھوں نے زخموں پر اور زخم کھائے بس بلبلا اُٹھے۔ تڑپنے لگے۔ جوانِ رعنا کا خون اس قدر نکل گیا تھا کہ ہوش ہی باقی نہ رہا۔ آزاد نے اُسی حالت میں آہ سرد بھر کر کہا او جوان گل فام درد کی لذت سے تو آگاہ نہیں۔ اس درجہ ہمارے جسم کے زخم البتہ زبان سے چٹخارے بھر رہے ہیں۔

بل گڑ

دواجی اور عباسی مہری نے جو ثریا بیگم کو آزاد مرزا کے قید ہو جانے کی خبر سنائی اور ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل پر بجلی گرائی پہلے یقین نہیں آیا۔ کیا انھوں ہی نے سکھایا ہوگا کہ جا کے ثریا بیگم کو آزما۔ کہہ دینا کہ ہم امتحان میں پورے اتریں گے، یہ بھڑے کسی اور کو دیں۔ آزاد اور قید ہو جائیں۔ کیا طاقت۔ دواجی تو خیر ہمارے مزاج سے واقف نہیں مگر تم سے عباسی شکایت ہے۔ ایسی باتیں منہ سے نکالتی ہو۔

عباسی: حضور بات ہی ایسی ہوئی۔ بس کیا عرض کروں۔

دواجی: (گردن نیچی کرکے) سنا کہ ادھر وہ گاڑی پر سوار ہو کر گھر پہنچے ادھر برق اندازوں نے گھیر لیا، اور کہا۔ بس اب چلیے آپ اس وقت سے حوالات میں ہیں۔

بیگم: (ہاتھ ملکر) اے! ہائے ہائے۔ یہ ہوا کیا۔

دواجی: حضور کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر اُن کے ایک عزیز ہیں۔ وہ پیروی کرنے والے ہیں۔ روپیہ بھی خرچیں گے۔

بیگم: روپیہ نگوڑا کیا مال ہے تم جا کے کہو کہ جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو۔ ہم سے لیں۔

دواجی: بہت خوب۔ ابھی جاتی ہوں۔ ڈولی منگوانا عباسی۔

عباسی: بہت اچھا۔ حضور، حکم ہو تو داروغہ صاحب کو بھی بھیج دیں شاید کوئی ضرورت ہو۔

بیگم: توبہ توبہ۔ تم تو جان بوجھ کے انجان بنی جاتی ہو عباسی۔ داروغہ بوبک بھلا وہاں کیا بنائے گا۔ بس دواجی تم چلی جاؤ۔ بڑا احسان ہوگا۔

دواجی ڈولی پر سوار ہوئیں اور خوش خوش گئیں۔ آزاد مرزا کے عزیز سے کہا۔ ایک بیگم صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں جس قدر روپیہ کہے بھیج دیں مگر آپ خوب پیروی کیجیے۔ اور کہا ہے کہ انگریز وکیل ضرور ہو۔ آزاد مرزا کے عزیز بڑے مرزا اُن سے بھی بڑھ کر بگڑے باز تھے۔ فوراً درخواست منظور کر لی، دواجی کے ساتھ ایک گاڑی پر سوار ہو کر ثریا بیگم کے مکان پر آئے۔ دواجی نے اندر جا کر کہا حضور مرزا صاحب آگئے کہا۔ اچھا بلاؤ چق کے اُدھر بیٹھاؤ۔ پھر کچھ سوچ کر عباسی کو پکارا۔ پوچھا سن کیا ہے۔ عباسی نے کہا۔ اے کوئی ہوں گے۔ ساٹھ پینسٹھ برس کے۔ حکم ہوا کہ چق کے باہر بٹھاؤ۔ بڑے مرزا صاحب آئے گھٹنا سفید چلیت، کرتا ڈوریے کا تن زیب کا انگرکھا، چوڑی چوڑی گوٹ بانکی نکے دار ٹوپی معطر و معنبر جھکنے کا رومال زیب دوش۔ سرخ ولایتی زری کا بوٹ۔ ہاتھ میں عقیق کا کنٹھا۔ اکڑتے ہوئے آئے، اور کرسی پر بیٹھے۔ ثریا بیگم نے عباسی سے کہا ہے تو بوڑھا۔ مگر خم دم جوانی ہی کے ہیں۔ بانکا بوڑھا ہے۔ چتون کتنی تیکھی ہے، بال سفید ہو گئے مگر ٹوپی بانکی ہی دیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں عباسی نے کہا حضور بیگم صاحب آداب عرض کرتی ہیں۔ بڑے مرزا نے کہا ہماری طرف سے دعا کہو۔ عباسی نے کہا حضور بیگم صاحب پوچھتی ہیں، آزاد مرزا کو کہاں بھیجا۔

بڑے مرزا: (آنسو بہاکر) کیا کہوں بیگم صاحب افسوس ہے۔

بیگم: ہائے ہائے۔ میں آپ کی بہو ہوں۔ (رو کر) سمجھے آپ۔

بڑے مرزا: میرے سر آنکھوں پر خدا کرے آزاد مرزا جلد چھوٹ آئیں۔ میں کیا کروں کیا نہ کروں زمانہ بھر اُن کا دشمن ہے۔ پولیس سے عداوت عملے سے تکرار، میرے پاس اس قدر روپیہ کہاں کہ پیروی کروں۔ وکلا بغیر لیے دیے مانتے نہیں۔ جان عذاب میں ہے۔

بیگم: اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ روپیہ کی آپ کو کیا فکر ہے۔ خدا نے چاہا تو سب بندوبست ہو جائے گا۔ سو، دوسو جو کہیے حاضر ہے۔

بڑے مرزا: فوجداری کے مقدمہ ہیں اونچے وکیل ذرا لیتے بہت ہیں۔

بیگم: آپ جاکے دریافت کر لیجیے اور پھر مجھ سے فرما دیجیے۔

بڑے مرزا: میں کل بوائیلو صاحب بیرسٹر کے پاس گیا تھا۔ اُنھوں نے کہا ایک پیشی کے دوسو لوں گا۔ اور ایک پنڈت جی ہیں اچھے وکیل ہیں۔ وہ بھی دوسو مانگتے ہیں۔ اگر منظور ہو تو چار سو روپیہ دو تمہارے آزاد مرزا تمہارے پاس آجائیں۔

بڑے مرزا نے کرایہ کی گاڑی منگوائی۔ سوار ہوتے ایک وکیل کے پاس گئے۔ اُس سے مشورہ کیا۔ فوراً واپس آتے۔

بیگم صاحب کے پاس جاتے ہی چق کے باہر ایک پلنگ پر دھڑ سے گر پڑے۔ اُف۔ اُف بیگم صاحب نے پوچھا کیوں خیر تو ہے۔ کہا۔ آج عزّت ہی گئی تھی۔ خدا نے بچالیا۔ آبرو رہ گئی۔ میں جو یہاں سے گیا تو ایک صاحب دوڑتے ہوتے آتے۔ اور ہانپتے ہانپتے کہنے لگے۔ آزاد مرزا کو آج تھانہ دار ہتکڑی پنھاکر عین چوک سے لے جائیں گے۔ بس میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ فرزند کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ہوش اُڑ گئے سچ مچ ہوش اُڑ گئے۔ حُسنِ اتفاق سے شاہی ایک رسالدار مل گئے اُنھوں نے جو میری حالت غیر دیکھی تو پوچھا کیوں خیر باشد۔ میں نے کہا بھائی رسالدار۔ اس وقت میری آبرو تمہارے ہاتھ ہے۔ کہا جو کہو۔ میں دل وجان سے حاضر ہوں۔ میں نے کہا دوسو روپیہ دو، تو پولیس والوں کو گانٹھ لوں۔ بس اتنا سُننا تھا کہ وہ پھر مجھے نظر نہ آتے۔ اب میں مانگوں تو کس سے مانگوں۔ دوسو روپیہ کچھ ایسی ویسی رقم تو ہے نہیں۔ ناچار پولیس کے جمعدار کے پاس گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُس سے وعدہ کیا کہ دو گھنٹے میں روپیہ داخل کروں گا اور تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ صرف ایک مکان ہے وہ آپ رہن رکھ لیں۔

بیگم : اے ہے۔ یہ آپ باتیں کیسی کرتے ہیں۔ بہو بنا کے اس درجہ مغائرت۔ رہن اور بیع اور گرو گانٹھ کیسی۔ دو سو روپیہ ابھی لیجیے۔ عبّاسی ذری داروغہ کو بُلا لو۔ کہو جلدی سے آجائے۔ کچھ کام ہے۔

عبّاسی : حضور وہ تو آج ماندے ہوگئے ہیں جو کام ہو فرما دیجیے۔

بیگم : کہو دو سو روپیہ کی فکر کردیں مگر جلد دیر نہ ہو۔

عبّاسی نے آن کر کہا حضور وہ کہتے ہیں کہ ایک سو دس روپیہ نقد ہے۔ اور باقی کی اشرفیاں ہیں حُکم ہو تو لے آؤں۔ بیگم صاحب نے حُکم دیا کہ ابھی ابھی لاؤ۔ عبّاسی ایک سو دس روپیہ نقد اور پانچ اشرفیاں لائی۔ بڑے مرزا صاحب نے روپیہ اور اشرفیاں رومال میں باندھ کر جیب میں رکھیں۔

بیگم : دو ہی گھنٹے کا وعدہ تھا نہ۔ پھر اب دو گھنٹے تو ہوگئے ہوں گے۔

بڑے مرزا : ہاں رُخصت ہوتا ہوں۔ تم گھبرانا نہیں۔

بیگم : نہیں۔ گھبرانے کی بھلا کیا بات ہے۔ مگر فقط آپ کا سہارا ہے۔ اور خدا کی عنایت کا بھروسا ہے۔ آپ میرے بھی بزرگ ہیں اور اُن کے بھی بزرگ ہیں۔

راوی : بزرگ کے بھروسے نہ رہے گا۔ یہ بڑے ذات شریف ہیں۔ ان کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ یہ وہ حضرت ہیں۔ بس خلاصہ یہ کہ آزاد مرزا کے بھی چچا ہیں۔ ع

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

بڑے مرزا صاحب گاڑی پر سوار ہو کر گھر آئے۔ اُسی دم مُغلی پراٹھے اور زردہ اور شامی کباب اور تلی اردیاں اور بوٹ پلا اور قورمہ پکوایا۔ اور خوب چھک کے کھایا۔ کہاں کا جھگڑا۔ آزاد مرزا مریں چاہے کھپیں۔ قید رہیں چاہے حوالات میں۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں۔ ان کو اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے ان سے کچھ کہا۔ اِنھوں نے چپکے سے جواب دیا باہر گئے اور ایک آدمی کو اپنے ساتھ لائے۔ نہایت خوب صورت گبھرو تھا۔ کوٹھے پر لے گئے۔ ایک کمرے میں بٹھایا فوراً بازار سے کھانا منگوایا کھلایا اور کہا بس اب اِدھر اُدھر جھانکنا نہیں کہ فوراً دھر لیے جاؤ۔ مست مارے پڑے رہو۔ سمجھا جائے گا چوکی کے جمعدار کو بُلا کر دس روپیہ دئے اور کہا کہ اگر ہمارے خلاف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی وارنٹ سمن سفینہ جاری ہو تو ہم کو پہلے سے اطلاع دینا۔ جمعدار نے سلام کر کے دس روپیہ لیے مگر مسکرا کر کہا آپ اتنے بڑے امیر اور دس روپیہ۔

شام کے وقت بڑے مرزا ثریا بیگم کے پاس گئے کہا ہزار خرابی اس قدر کوشش کی کہ آزاد مرزا ہتکڑی سے بچے رہے۔ سوچ لیا تھا کہ اگر آبروریزی ہوئی تو زہر کھا کر سو رہوں گا۔ دو سو روپیہ چٹایا جب کہیں پولیس والوں سے نجات ملی۔ خدا نے آبرو رکھ لی۔ ورنہ باقی کیا رہا تھا۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا تھا۔ ایک شاہ جی آئے ہیں۔ ابھی کم سن آدمی ہیں۔ مگر جو کہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔ کہو تو لے آؤں۔

عباسی: حضور ضرور ضرور بلوائیے کیا نام ہے شاہ جی کا۔

بڑے مرزا : بل گر بہت خوب صورت جوان ہے۔

عباسی: بل گر؟ کیا ہندوا ہے۔

بڑے مرزا : تو اس سے کیا مطلب۔ نیک اندر بد و بد اندر نیک۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را
نمی بینی کہ گادے در علف زار
بیالاید ہمہ گاوان دِہ را۔

راوی : کیا خوب آپ بھی دوسرے خوجی ہیں کیا موقع پر رباعی پڑھ دی۔

عباسی: تو حضور اُس کو بلوائیں۔ سن کیا ہوگا۔

بڑے مرزا : یہی کوئی انیس بیس برس۔ ابھی سبزہ آغاز ہے۔

عباسی: (اپنے دل میں) خدا کرے آئیں۔ دو گال ہنسنے بولنے کا موقع ملے (بڑے مرزا سے) پھر اُن کو بلوائیے نہ۔ ہیں قبول صورت؟

بڑے مرزا : خدا کی قسم وہ حُسن ہے کہ گھنٹوں انسان گھورا کیے۔

عباسی: ہاں! اور اس سن و سال میں یہ بات

بیگم : (اشارہ ابرو سے) عباسی۔ بڑے مرزا صاحب کے لیے حقہ منگواؤ۔

عباسی: بہت خوب لاؤ۔ حقہ بھر لاؤ۔

حقہ پی کر بڑے مرزا صاحب تشریف لے گئے۔ اور جھٹپٹے وقت بل گر کو ساتھ لے کر بیگم صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے دریافت کیا کہ اگر کوٹھے پر لاؤں تو ہرج تو نہیں ہے۔ انھوں نے کہا۔ اے واہ۔ آپ بزرگ ہیں۔ جو مناسب سمجھیے وہ کیجیے۔ مجھے اس میں کیا دخل ہے۔ بڑے مرزا اور چق کے ادھر بُل گر اور بڑے مرزا اور چق کے اُدھر ثریّا بیگم اور عبّاسی۔

عبّاسی نے جو اس نوجوان پر نظر ڈالی تو ہزار جان سے عاشق ہوگئی۔ آہو ہو ہو۔ کیا رسیلی آنکھ ہے۔ کیا پیارا مکھڑا ہے۔

عبّاسی : اے باباجی آپ ذری کُھل کے بیٹھیے۔

بڑے مرزا : ہاں۔ ہاں آپ آرام سے بیٹھیں۔ خانہ بے تکلف ہے۔

عبّاسی : باباجی۔ آپ چلم پئیں تو بھر لاؤں۔

بُل گر : کسی چیز کی اچھیا تو ہے نہیں مائی۔ پر تو جو دیدو۔

عبّاسی : لیجیے یہ چلم بھر کے لائی ہوں۔ کہیے تو حقّہ بھروادوں۔

بُل گر : اچھا مائی۔ ناریل ہو۔ یا مدریا ہو۔ جو ہو۔

عبّاسی نے فوراً عظیم اللہ خانی حقّہ بھروایا۔ روپیہ سیروالا مشکبو تمباکو بل گر کو دیا۔ بل گر آہستہ آہستہ حقّہ پینے لگے۔ ثریّا بیگم کی بھی اس نوجوان پر نظر پڑی۔ عبّاسی سے کہا۔ عبّاسی اللہ جانتا ہے اس گبھرو پر ہمارا دل آگیا۔ ہائے ہائے کیا پیاری ادا ہے اور کیا بانکپن ہے۔ عبّاسی اور بیگم صاحب میں رقابت ہوگئی۔ عبّاسی نے چق کے باہر جاکر یوں کہا۔

عبّاسی : باباجی حکم ہو تو کھانے کو منگواؤں مٹھائی، پوری۔

بُل گر : اچھا مائی۔

بیگم : (چق کے اندر سے) کہاں سے آنا ہوا شاہ جی صاحب۔

عبّاسی : اے شاہ جی صاحب نہ کہیے۔ ہندو فقیر ہیں۔ باباجی کہیے۔

بُل گر : نہیں مائی۔ جو موج میں آئے سو ہی کہو۔ ہم تو سادھو سنت ہیں۔ جو موج ہو سو ہی کہو مائی جی۔

بیگم : آپ کس شہر میں رہتے ہیں، اور کب سے یہاں ہیں آپ؟

بُل گر : مائی جی ہم تو پہاڑوں پر رہتے ہیں۔ اور رمتے جوگی ہیں۔ کبھی کلو بھیتر میں۔ کبھی کاشی جی میں کبھی کہیں، کبھی کہیں، بدری ناتھوں ہو آئے۔ کشمیر ہو آئے۔ پھرنا اور بھجن کرنا۔ بس دو کام ہیں مائی جی۔

بیگم : ان کی آواز آزاد کی آواز سے بہت ملتی ہے۔ بعینہ ویسی ہی آواز ہے۔ اور صورت بھی کچھ کچھ ملتی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(عبّاسی سے) عباّسی کہیں آزاد کے بھائی تو نہیں ہیں ۔

عبّاسی : اے حضور نہیں ۔ یہ بیچارے فقیر آدمی ۔ سیدھے سادھے ۔

راوی : واہ ۔ سیدھا پن دو چار روز میں کُھل جائے گا ۔

اے کبک خوشخرام کہ خوش میروی بناز
غرّہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

بڑے مرزا : باباجی گاتے بھی خوب ہیں ۔ اچھی آواز ہے ۔

عبّاسی : پھر کچھ کہیے باباجی ۔ ہم بھی سُن لیں ۔

بَل گر : تو مائی ۔ ہم تو گویّے نہیں ہیں ۔ موج میں آئے تو بھجن کہنے لگے ۔ نہیں تو کچھ کام نہیں ۔ فقیر سادھو سنت تو ہیں ہی ۔

عبّاسی : اچھا پھر جب موج آئے ۔ تب کہیے ۔ میں آپ کی خدمت کو حاضر ہوں ۔

راوی : کیوں نہیں ۔ ایسے متبرک آدمیوں کی خدمت جائز ہے ۔

بَل گر : مائی تو بڑی نیک مائی ہے ۔ ہم تو ہر کے نام کا بھجن کرتے ہیں ۔ جو پانا سو ہی اُڑانا ۔

عبّاسی : مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ۔ مسلمان ہو جائیے ۔

بَل گر : جیسا ہندو ویسا ہی مسلمان ۔ ہم کو دونوں ایکساں ہے نہ ہندو سے لڑائی نہ مسلمان سے ۔ جیسا ہی یہ ویسا ہی وہ ۔

عبّاسی : اچھا پھر ہمارے ہاتھ کا پان کھا لیجیے تو جانیں ۔

بَل گر : لاؤ مائی ۔ جو یہ بات ہے تو سادھو کو کیا ۔

عبّاسی نے جھٹ پٹ گلوری بنائی اور بَل گر کو اپنے ہاتھ سے کھلائی ۔ بیگم صاحب کو عبّاسی کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری ۔ بڑے مرزا بھی کسی قدر متحیر ہوئے ۔ مگر دونوں نے اس وقت کچھ نہ کہا ۔

عبّاسی : شاہ جی اب تو ہمارا حقّہ بیو گے ۔ لاؤں ؟

بَل گر : لاؤ مائی ۔ جو دو ۔ وہ ایک ہے ۔ وہی اللہ ۔ وہی خدا ۔ وہی پرمیشر ۔ وہی ہر ۔ نام بہت ہیں ۔ پر وہ ایک ہی ہے ۔ ایک خدا ۔ ایک خدا ۔

بیگم صاحب نے اصرار کیا کہ شاہ جی صاحب ضرور گائیں ۔

بڑے مرزا : طبلہ بایاں پکھاوج منگاؤ ۔ سُر کی آس کے لیے سارنگی ہو ۔

عبّاسی : ابھی ابھی بایاں تو موجود ہی ہے ۔ طبلہ ستار والے کی دُکان پر رکھا ہے ۔ ذری جاکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لے تو آؤ۔ کوئی ایک خدمت گار جا کر طبلہ پکھاوج سارنگی اِدھر اُدھر سے مانگ لایا۔

بُل گر نے طنبورہ چھیڑنا شروع کیا۔ بڑے مرزا نے سارنگی چھیڑی۔ بی عباسی نے بایاں لیا۔ جب ساز مل چکے تو بل گر الاپنے لگے۔ اس کے بعد پوچھا کون چیز کہوں مائی۔

عبّاسی: اُستادی کو تو یہاں تہ کر رکھیے۔ کوئی چلتی پھرتی چیز کہیے کہ ہم بھی حظ اُٹھائیں۔ اس تنا ریں ریں سے جی اُکتا گیا۔ کوئی ٹھمری پٹہ کہیے۔

بُل گر: جو پسند ہو مائی۔ پر اس اُستائی ہی میں جو مائی لوگوں کو خوش نہ کیا تو ساد ھو کیسے۔

عبّاسی: کوئی گوری کی چیز کہیے۔ وقت کی چیز ہے۔

بُل گر: ٹھمری تو سادھو نے کبھی سُنی نہیں ہے، مگر اچھا یہی موج ہے اس وقت جو کہو سو ہی گاؤں۔

عبّاسی: یہاں کوئی اُستاد تھوڑا ہی بیٹھا ہے کہ ٹھمری گانے میں حرف رکھے۔ ہم تو عطائی ہیں۔

بُل گر: (مسکرا کر) تو مائی فقیروں کو بھی گانا سُنانا ہوگا۔

عبّاسی: (ناز کے ساتھ ہنس کر) اے واہ۔ ہم گانا بجانا کیا جانیں۔

بُل گر: نہیں مائی۔ اس وقت ساتھ تو خوب دیا۔ لے کار معلوم ہوتی ہو۔ طبیعت تو اچھی پائی ہے مائی۔ تم بھی گلے سے کچھ کرتی ہو مائی۔ (بیگم سے)۔

عبّاسی: ہم کس لائق ہیں، لیکن اگر آپ کچھ بتائیں تو شاید سیکھ جاؤں۔

راوی: انشاءاللہ گھبرائیے نہیں۔ فقیروں کی سنگت ہے تو پکی ہو جاؤ گی۔

بُل گر: تو ٹھمری کی اچھا ہے۔ غزل کہوں ٹھمری کہوں۔ جو اچھا ہو۔

عبّاسی: (بیگم صاحب سے) حضور کچھ حکم دیجیے! اچھا غزل گائیے۔

بُل گر نے یہ غزل گوری کی دُھن میں حسب حال کہی۔

قتلِ عشاق کیا کرتے ہیں — بت کہیں خوف خدا کرتے ہیں
مہندی ملنے کے بہانے قاتل — کفِ افسوس ملا کرتے ہیں
تم ہمیں بھول گئے ہو صاحب — ہم تمہیں یاد کیا کرتے ہیں

اس غزل کو اس خوش الحانی سے مناسبہ ادا کیا کہ ثریا بیگم اور عباسی دونوں آتشِ عشق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مشتعل ہوگئی۔ ثریا بیگم اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ اب تک آزاد کے بعد سے ہم نے کسی جوان سے دل نہیں ملایا، مگر اس فقیر کے حسن و جمال نے ایسا محو کر دیا کہ اب دل قابو میں نہیں ہے۔ پیار کی نظر سے اس گل بدن اس طرح دار جوان کو گھورا کیں۔ اتنے میں عباسی کے کان میں اس فقیر نے کہا! مائی یاد رکھنا میرا دھرم لیا ہے۔ پان کھلایا۔ حقہ پلایا۔ اب ہم تم کو چھوڑ کے نہ جائیں گے۔

قلندر شاہ

جس شہر میں خاتونِ حور لقا ماہ سیما ثریا بیگم کا خانۂ عشرت کاشانہ تھا۔ اس سے دس کوس کے فاصلے پر فخرِ روسا عظام افتخار امرائے کرام نواب سکندر جاہ کا ایوانِ عظمت توامان تھا۔ ان کے والد بزرگوار مشہورِ دیار و امصار، اعزاز الدولہ، نواب سنجر صولت کہ امثال و اقران میں نام برآوردہ معمّر و پرورده، پیرِ کہن، سخاوت و اہت میں یکتائے زمن تھے۔ ستر برس کی عمر میں تیس بتیس لاکھ زرِ نقد چھوڑ کر خلد علیین اور بہشتِ بریں کی طرف سدھارے۔ سکندر جاہ کا سن تیس برس کا تھا۔ بڑے نواب صاحب کے سامنے خوشامدیوں کی دال نہیں گلتی تھی۔ یارانِ سر پل کی ایک نہیں چلتی تھی مگر ان کے مرتے ہی ان حضرات نے چھوٹے نواب کو چنگ پر چڑھایا۔ بھرّے دے دے کر خوب بنایا یہاں تک کہ نواب اعزاز الدولہ کا چالیسواں بھی نہیں ہونے پایا کہ سکندر جاہ کو افیم کا شوق چرایا۔ رفقائے بد باطن نے نشے کا رنگ جمایا۔ نواب صاحب کو راہ پر لائے خوب گل چھرّے اڑائے۔

ایک روز نواب سکندر جاہ مسند تکیہ لگائے رفقا ادھر اُدھر بصد ادب پرے جمائے بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ مصاحب خیر خواہی کا دم بھرتے تھے کہ امامی نامی ایک شخص آیا۔ آداب بجا لایا۔ اور کہا خداوند آج ایک شاہ جی اس شہر میں وارد ہوئے ہیں۔ واللہ کیا نور کا گلا پایا ہے۔ گویا بیجو نائک نے خود علم موسیقی سکھایا ہے۔ تان سین کی روح کو انھوں ہی نے شرمایا ہے۔ گوالیار کے مشہور بین کار نے صبح کو ان کی دعوت کی وہاں شاہ جی نے مالکوس کی آستائی کہی تو واقف کاروں اور گویّوں نے ہاتھوں ہاتھ داد دی خیال کے استاد ہیں، مگر بالکل وارستہ مزاج اور آزاد ہیں۔ دن رات بجانے سے سروکار ہے۔ وہ ہیں بایاں ہے، اور ستار ہے۔ نورِ الٰہی چہرۂ انور سے صاف عیاں ہے۔ شنجرفی رنگ سرخ و سفید جوان ہے۔ سنا خدار سیدہ ہیں، مگر بشرے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیس بائیس سال کا سن ہے۔ حضورِ والا اجازت دیں تو بلا لاؤں۔ دو چیزیں ان سے سنواؤں۔ نواب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب نے فوراً حکم دیا کہ جاؤ، اور ابھی ابھی گاڑی پر لاؤ۔ امامی نے کہا خداوند ایک صاحب نے یابو بھیجا تھا۔ جواب دیا کہ ہماری دونوں ٹانگیں ٹیڑھی کے ٹاگھن سے آگے جائیں۔ اچھے اچھے عربی نژاد گرد کو نہ پائیں۔ اور خداوند مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی اسٹیشن پر ٹکٹ بابو نے کرایہ کچھ زیادہ مانگا۔ انھوں نے مسکرا کر کہا۔ ہم اپنی ریل آپ چلائیں گے۔ اب تجھ کو ایک جھنجی کوڑی نہ دیں گے۔ بس ادھر انجن کو کار یل چلی۔ ادھر شاہ جی نے کندے جوڑے اور ہوا ہوئے تو ریل سے گیارہ منٹ قبل دوسرے اسٹیشن پر داخل ہوگئے۔ نواب صاحب نے کہا، اچھا جس طرح آئیں اس طرح لاؤ۔ مگر کُتّے کی چال جاؤ بلی کی چال آؤ۔ امامی حکم پاتے ہی فوراً روانہ ہوئے اور چشم زدن میں داخل ایوانِ مسرور کا شانہ ہوئے۔ نواب صاحب نے شاہ جی کو دور سے دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔ ان کے استادہ ہوتے ہی رُفقا اور حاضرین بھی بہ ادب کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ ایک سبزہ آغاز جوان طنّاز کھڑاؤں پہنے۔ تہ بند باندھے نیلگوں چادر اوڑھے، امامی کے ساتھ ہے۔ صباحت کی کان، وجاہت کی جان، بصد زیب و تجمل کرے میں آیا۔ نواب صاحب نے آداب عرض کرکے مسند پر بٹھایا اور خود مسند جواہر نگار کا کونا دبا کر بیٹھے۔ شاہ جی سے یوں باتیں ہونے لگیں۔ گفتگو سننے کے قابل ہے۔

نواب: بحمد اللہ کہ مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کی زیارت ذریعہ حصولِ فیض و برکت ہے۔ شکر خدا صد ہزار شکر خدا۔

روئے مقصود کہ شاہان بہ دعا می طلبند
پیش بندگی حضرتِ درویشانست

شاہ جی: (مسکرا کر) الدنیا دار الغرور والعقبیٰ دار السرور۔

الا یا ساکن القصر المعلّی
ستدفن عنقریب فی التراب

نواب: حق ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔ شاہ جی صاحب! ایسا ہی ہے۔

رفقا: کیا شک ہے خداوند۔ شاہ جی صاحب نے بہت درست فرمایا۔

راوی: سمجھے خاک نہیں، مگر بجا اور درست اور حق ہی کی چوطرفہ سے آوازیں آنے لگیں۔ رفقا نے تعریف کے پُل باندھ دیے۔

امامی: حضور ہفت زبان ہیں۔ عربی، فارسی، ترکی، انگریزی سب زبانیں جانتے ہیں۔ علم نجوم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو شاہ جی کے حصّے کا ہے۔ خدا گواہ ہے۔

راوی: ہفت زبان تو میاں امامی نے بتایا، مگر خیر سے نام چار ہی زبانوں کے یاد ہیں۔ عربی فارسی، ترکی، انگریزی۔ آگے آیت۔

نواب: شاہ جی صاحب۔ حقّہ پیجیے تو پیچوان حاضر ہے۔

شاہ جی: فقیروں کو لاو نعم سے کیا واسطہ بچہ۔ جو ملا لے لیا۔ نہ ملا خیر نہ ہوئے۔ الدّنیا دار الغرور و العقبیٰ دار السرور۔ شکر خدا شکر خدا۔

نواب: کوئی ہے! وہ پیچوان جلد لاؤ۔ بسواں* کا تمباکو بھروالاؤ۔ حکم پاتے ہی خدمت گار سلیقہ شعار حقّہ لایا۔ اور شاہ جی کے سامنے پیچوان لگایا۔ چاندی کی چلم چاندی کا عرق گبرا کاشانی مخمل کی وستگی بیش بہا زیر انداز۔ پیچوان دل پذیر۔ تمباکو مشکبو۔ شاہ جی نے کہا: بچہ ہم تو مٹّی کی چلم پسند کرتے ہیں، اور تمباکو اپنے ہاتھ سے بھرتے ہیں۔ خدمت گار چلم لایا۔ تمباکو دیا۔ شاہ جی نے چاندی کی چلم کو ایک طرف میں الٹا۔ مٹّی کی چلم میں تو ابھرا اور پینے لگے۔ نواب باوقار اور رفقا نے فخریہ وہ چلم پی۔ کش پر کش لیا۔ تبرک سمجھ کر حقّہ پیا۔

امامی: خداوند۔ ہاتھوں کی برکت کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس تمباکو کی بو باس ہی اور ہے حضور بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ اللہ جانتا ہے باکمال درویش ہیں۔ ایسے فقیروں کی زیارت قسمتوں سے ہوتی ہے۔

شاہ جی: بچہ فقیروں کے نفس کو مغرور نہ کرو۔ ہم غلام اہلِ صوف ہیں۔

نواب: اخاہ۔ حضور صوفی صافی ہیں۔ کیا کہنا۔ سُبحان اللہ، سُبحان اللہ۔

مصاحب: قربان جاؤں حضور۔ واللہ صوفیوں کا بڑا گھر ہے۔

امامی: ایں! اجی یہ کہو کہ زمین اور آسمان کو روکے ہوئے ہیں۔ جو کہہ دیں وہی ہو جائے۔ مجال کیا بال برابر جو فرق ہو۔

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

شاہ جی: (مُسکراکر) اگر انسان غفلت کا پردہ اُٹھادے اور عیونِ باطن سے شاہدِ حقیقی کے جمال

---

* بسواں ایک مشہور قصبہ ہے جہاں کا تمباکو مشہور ہے۔ ضلع سیتاپور، اتر پردیش میں واقع ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باکمال پر نظر ڈالے تو معتکفانِ کعبۂ جلال یزدانی ملائکہ نورانی سے گوئے سبقت لے جائے، مگر نیّت کے فتور اور مکر وزور سے انسان اپنی آبرو خاک میں ملا دیتا ہے۔ قلندر شاہ نے ہوا و ہوس اور پیروی نفسِ امّارہ اور غضب و شہوت کو آتشِ ریاض سے بالکل سوختہ کر دیا۔ کیسی ہی خوب صورت اور نکیلی طرح دار مائی ہو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیں گے۔ سب مال نہیں ہیں۔ مگر نواب خوب یاد رکھو۔

اَلا یَا سَاکِنَ القصرِ المعلّیٰ
ستدفن عنقریب فی التّراب

اماجی : شاہ جی صاحب۔ بھلا افیوں کا بھی کچھ شوق ہے حضور والا کو۔؟

نواب : (اشارے سے منع کر کے) اس گفتگو سے کیا مطلب ہے جی۔؟

شاہ جی : (مُسکرا کر) جو درویش کے سامنے رکھ دو گے، انکار نہ کرے گا۔ شراب کو دُودھ کر دکھائے، افیم شہد سے زیادہ شیریں ہو جائے۔ چرس اور گانجے کا نشہ نہ چڑھے، مگر ریاض، ریاض، ریاض۔

پرستندہ آفرینندہ باش
در ایوانِ طاعت نشینندہ باش

اماجی : لاؤ جی پیالیاں لاؤ۔ اور شاہ جی کے سامنے بھی رکھو۔

نواب : حضور کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اسی شہر میں یا کہیں اور۔؟

شاہ جی : درویشوں کا مکان کبھی زمین کبھی آسمان۔ ع
درویش ہر کجا کہ شب
جہاں ٹھہر آئی وہیں بستر جمایا۔ سب سے الگ تھلگ اور پھر سب کے ساتھ مگر:

درویش رواں رہے تو بہتر
اب دریا بہے تو بہتر

اتنے میں افیم گھلنے لگی اور یارانِ موافق نے چُسکی لگائی تو بلبل کی طرح چہکنا شروع کیا۔ واہ ری چینا بیگم تیرا کیا کہنا ہے۔

اماجی : شاہ جی سچ کہیے گا، چنبا بیگم بھی کیا شے ہے۔ کیوں۔؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ جی: بچہ یہ نوشدار رہے۔ آبِ حیات اور آبِ بقا ہے۔ مگر ریاض، ریاض، ریاض۔ ع
پرستندۂ آفرینندہ باش آن بچہ

نواب: کسی شربت کو اس پر ترجیح نہیں۔ یہ وہ شے ہے۔ واہ وا واہ۔

رفقا: خداوند۔ شربتِ مرداریداس کے مقابل میں گرو ہے۔ رنگت یہ نکھارے۔ قوت یہ بخشے۔ علم یہ سکھائے۔ شب زندہ داری اس کا ادنا نتیجہ اور اثر ہے۔ جسے افیم کا شوق نہیں وہ بڑا بدقسمت ہے۔

راوی: جی بالکل بد نصیب اور تو نیر۔ مگر دو فائدے حضور نے خوب بتائے۔ ایک تو یہ کہ افیم پینے سے انسان سرخ و سفید ہو جاتا ہے۔ اس میں تو کسی بیوقوف ہی کو شک ہو گا۔ اور اس سے بڑھ کر فائدہ یہ بتایا کہ بخشتی ہے۔ افیم کیا شیر مادر ہے۔ ایسی قوت بخشے کہ رگ و پے میں طاقت دوڑ جائے۔ رگوں میں خون کے عوض طاقت ہی طاقت نظر آئے، اور شب زندہ وار تو ضرور رہے۔ چاہے ہوش نہ باقی رہے۔ گردن زمین سے مل جائے۔ مگر نیند کا آنا حرام ہے۔ ادھر چسکی پی اور اُدھر میں گئے۔ بجا ارشاد ہوا۔ افیم کیا آبِ حیات ہے۔

اتنے میں ایک افیونی بولے۔ یارو یہ کیا اندھیر ہے۔ کوئی عرضی بھی نہیں دیتا۔ ڈھائی روپیہ، اور تین روپیہ، اور چار روپیہ تو سرکاری پیادہ خریدے اور سولہ کے حساب سے بکے۔ کوئی افیمی بولتا ہی نہیں۔

امامی: یہ کب کا ذکر کرتے ہو۔ کس جُگ کی بات کرتے ہو میاں۔؟

افیونی: اسی جُگ کی۔ سولہ روپیہ سیر بکتی ہے کہ نہیں۔؟

امامی: میاں کچھ خیر ہے، وہ دن لد گئے۔ چار۔ پانچ روپیہ کی شرح ہے۔ گیارہ روپیہ سیر کا فائدہ۔ چین ہی چین لکھتا ہے یارو۔

رفقا: بھئی سچ کہو۔ تمہیں واللہ، ارے میاں نہیں۔ جھوٹے ہو۔

امامی: ناک ناک بدتے ہیں آؤ۔ ہو جائے شرط ابھی ابھی بدلو۔

رفقا: بھئی تمہارے مُنہ میں گھی شکر۔ ازیں چہ بہتر۔ ہم چنیں کند۔

نواب: ذرا دریافت کرنا۔ کہ بازار میں کے روپیہ سیر کا بھاؤ ہے۔

حسنو: خداوند جو پانچ روپیہ سیر کا بھاؤ ہو نہ تو فصل پر لاکھ دو لاکھ من بھروا رکھیے۔ واللہ کام آئے گی۔ (مُسکرا کر) صحیح عرض کرتا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اماں: لاکھ دو لاکھ من! العظمۃ للہ۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ میاں یہاں اور ہی دُھن ہے۔ دو تولہ صبح، دو تولہ شام۔ ایک سینی اور ایک قاب چلینی۔ اتنے میں ایک خدمت گار نے جمائی لی تو سب کے نشے ہرن ہو گئے۔ ایک بگڑے دل رفیق نے للکارنا شروع کیا۔

بگڑے دل: اے ہے سامنے ہی ان کے جمائی لی۔ نشہ ٹوٹ گیا۔ عجیب آدمی ہو۔

اماں: اِن کی یہی حرکتیں ہیں۔ اُس دن افیم میں کتھا ملا دیا۔ اب جب پھر چسکی لگائیں تو کہیں نشہ جمے۔ چلیے ایک گنڈے کی اور سہی۔

نواب: اچھا تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ شاہ جی کو بھی دو۔

اِتنے میں شاہ جی نے زبان کھولی تو سب کو بند کر دیا۔ شاہ جی نے یہ داستان چھیڑی۔ نواب بابا! ایک دن لہر جو آئی تو فقیر نے آنکھ بند کر لی۔ کھولی تو ایک نئے ملک میں پہنچا۔ (راوی۔ فقیر پینک میں ہوں گے اُس وقت) وہاں ایک آدمی ملا۔ سر گھٹا ہوا دس قدم اور آگے بڑھ کر ایک بھدڑی ملا۔ اس کا بھی سر گھٹا ہوا۔ پھر پانچ چھ آدمی ایک چبوترے پر شطرنج کھیلتے نظر آئے، مگر وہ سب بھی گھٹے گھٹائے۔ تب تو فقیر کو تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ سوچے کہ شاید اس ملک میں سر پر بال نہ جمتے ہوں۔ ایک آدمی سے پوچھا تو اُس نے مسخرے پن کی راہ سے کہا۔ بابا یہاں کی عورتوں نے مردوں پر ایسا رعب جمایا ہے کہ بال از خود کھوپڑی سے کھسک جاتے ہیں۔ فقیر سیدھے سادے آدمی۔ کہیں مُنہ سے نکل گیا کہ اچھا بابا تیرا ایسا ہی حال ہو گا۔ سو اُس دن سے آج تک اُس کی کھوپڑی گنجی ہے۔ فقیروں درویشوں سے کبھی ہنسی دل لگی نہ کرے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ اِس گانوں کی رسم تھی کہ کل قوم میں چاہے کوئی مرے سب کے سب سر ضرور گھٹوائیں گے۔ اس جھوپڑے میں سو برس کی بڑھیا کھوسٹ مری، اور پنچ کو سب سر گھٹ گئے۔ لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اِس گانوں میں سر پر بال آنے ہی نہیں پاتے۔ اِدھر دو چار روز کی حجامت ہوئی، اُدھر ناؤ ٹھاکر نے اُسترہ تیز کیا۔ گرمی کے دنوں میں تو خیر کچھ معلوم نہیں ہوتا، مگر سردی میں کھوپڑی ہی جانتی ہے۔ اور جو کہیں برفستان میں جانے کا اتفاق ہو تو بھیجا تک کھنگر بن کے رہ جائے۔

شاہ جی کی اس تقریر سے کُل حاضرین و مصاحبین خوش ہوئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ شاہ جی بڑے لسّان اور طرار اور خوش مذاق آدمی ہیں۔ دو چار ضعیف الاعتقادوں کو اِس کا بھی یقین واثق تھا کہ شاہ جی جو کہیں گے وہی ہو گا۔ چاہے اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے۔ ممکن نہیں کہ ان کی بات ٹلے۔ شاہ جی نے دوسرا ذکر چھیڑا۔ نواب بابا، فقیر ایک پہاڑ کی طرف نکل گئے تو وہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا دیکھا کہ ایک مکان میں چار بھائی اور ایک عورت اور وہ عورت چاروں کی بھاوج اور چاروں کی جُورو۔

اماامی : ایں! واہ، اچھی نرالی چوکڑی تھی۔ لاحول ولا قوۃ۔

رفیق : کس قوم کے لوگ تھے۔ شاہ جی! اور ان کا مذہب کیا تھا؟

شاہ جی: مذہب کا پتا ہی نہیں لگتا تھا۔ مسلمانوں کے ہاں سے روٹی لے کر گئے۔ اور گھر میں رکھی۔ ہندو ہیں ہندو، مسلمان ہیں مسلمان۔ نیا ہی مذہب ہے۔ مگر عورتیں ایسی حسین کہ دنیا کے پردے پر نہ ہوں گی۔ ان کے حُسن کا رُعب ایسا ہے کہ ایک بادشاہ جوان کے ملک میں داخل ہوئے تو کنوئیں پر ایک تیرہ چودہ برس کی کنواری کو پانی بھرتے دیکھا۔ ہوا تیز چل رہی تھی، اور آنچل کو اُڑائے دیتی تھی۔ بادشاہ نے کنوئیں کے پاس ہاتھی روک دیا۔ اُس چھوکڑی نے تیکھی چتون کر کے کہا۔ اُو مردے! شرم اور حیا بھون کھائی۔ آنکھیں بند کرلے۔ بادشاہ ایسے رُعب میں آئے کہ آنکھیں بند کرلیں اور کل حوالی موالی فوج اور افسروں نے آنکھیں بند کرلیں۔ دوسرے روز بادشاہ نے اُس لڑکی کو کہ حُسن و جمال کی کان تھی بلوایا۔ اس کی پاکدامنی کے صدقے کہ وہ چھاروہ سالہ چھوکری اکیلی گئی اور بادشاہ سے سوال و جواب کر کے جیسی گئی تھی ویسی ہی پھر آئی۔

مصاحب: مگر شاہ جی۔ جب چار آدمیوں کی ہوئی تو پاک دامنی کہاں باقی رہی۔ اتنا تو سوچیں حُضور۔

شاہ جی: یہ تو اُن کے ملک کی رسم ہے۔ مگر جو عورت دیکھی خورشید جمال مشتری خصال اور ایسی بے تکلّف اور بے باک کہ غیر مرد سے برابر باتیں کرنے کو مستعد ہو جائیں۔ ذرا نہ شرمائیں۔ وہاں جادو کا بھی بڑا زور ہے۔ ایک دن قلندر شاہ بیٹھے ہوئے دودھوا پی رہے تھے۔ سمجھے؟

نواب: کیا پی رہے تھے۔ ابھی آپ نے یہ کون لفظ کہا تھا۔

رفیق : دودھوا حضور (کان میں) شراب کو کہتے ہیں۔ ان میں اس قدر کمال ہے کہ شراب کو دودھ کر دکھائیں۔ فوراً دودھ بن جائے۔

دوسرا رفیق: اور یہ قلندر شاہ کون ہیں شاہ جی۔ پہلے بھی آپ نے ان کا نام لیا تھا۔ یہ بھی کوئی درویش ہی ہوں گے۔

اماامی: خود شاہ جی کا نام ہے۔ عجیب پاگل آدمی ہو بھئی۔ ہونہہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ جی: بس بچہ ایک عورت آن کے پاس بیٹھ گئی۔ فقیر نے دیکھا نوجوان اور نکیلی اور گوری چٹی۔ پوچھا امّا جان یہاں کیوں آئیں۔ (مُسکرا کر) بچہ فقیر کا بہت بڑا گھر ہے۔

رفیق: ایں! امّا جان چہ معنی دارد۔ یہ کیا لطیفہ ہے۔ خاصے رہے۔

اماجی: اے میاں کچھ تمیز بھی ہے۔ فقیر ہیں یا نہیں، یا وہ بھی آپ کی طرح چھٹے ہوئے رسیا ہیں۔ ان درویشوں کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ دل صاف ہوتا ہے اور باطن پاک۔

شاہ جی: بس بابا۔ وہ مُسکرانے لگی۔ اور فقیر کو اس نے بہت دِق کیا۔ فقیر نے کئی بار سمجھایا کہ امّا فقیر کو دق نہ کرو۔ وہ ایسی ڈھیٹ تھی کہ گُد گُدانے لگی۔ تب تو فقیر بد دماغ ہو گیا۔ اور سر پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ سنگ مرمر کی بن گئی۔ حق۔ حق۔ حق۔ یا معبود!

نواب: ایں! عیاذاً باللہ!!! سنگ مرمر کی عورت ۔۔۔ ہو گئی!!! خدا دعائے بد سے بچائے شاہ جی صاحب۔

شاہ جی: وہاں پر آدمی بھیج کے دریافت کرلے بابا۔ اب تک موجود ہے۔ خاص سنگ مرمر کی بنی ہوئی۔

نواب: (کانپ کر) افوہ۔ مگر سزا اُس کی۔ کیوں فقیر کے مُنہ لگی۔

شاہ جی: اور ایک دفعہ بابا کسی مہاجن کی جورو جوالا کے پہاڑ کے اِرد گرد طواف کرتی تھی جس کو ہندو کیا جانے کیا کہتے ہیں۔ فقیر نے دیکھا تو بڑی خوبصورت۔ پوشاک بڑی بھاری اور زیور بھی کئی ہزار کا پہنے تھی۔ بس اُس نے فقیر کو بُری نظر سے دیکھا تو دیکھتے ہی آگ میں گر پڑی۔ فقیر نے جھپٹ کر ہاتھ پکڑا تو آگ بجھ کر راکھ۔ سزا تو فقیر نے دلائی مگر جرم خفیف تھا جلنے نہ دیا۔ اس کے میاں نے کہا زیور اور جاگیر لو۔ اشرفی لو۔ ہم نے کہا بابا فقیر کو ٹھیکریوں سے کیا کام ہے۔

راوی: جی اس میں کیا شک ہے۔ پاؤ تو حلال ہی کر ڈالو مگر زبانی داخلہ یہ کہ روپیہ اور اشرفی ٹھیکری ہے۔ سچ ہے۔

شعاید سے مکائد سے دغا سے
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

نواب: شاہ جی اب آپ غریب خانے ہی پر رہا کیجیے۔ کچھ دن تو یہاں تشریف رکھیے۔ قدم درویشان رد بلا مشہور ہے۔

شاہ جی: جو خدا کی مرضی۔ ع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پرستندہ آفرینندہ باش

سمجھے بابا۔ پرستندہ آفرینندہ باش۔

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن زِخدا جدا نباشند

اس تقریر کے بعد نواب نے سو روپیہ دیے اور قلندر شاہ رُخصت ہوئے۔

بانکی عورت

ثریّا بیگم کا حالِ زار، پریشانی اور انتشار، آزاد کے ہجر میں سر دھننا دیوانوں کی طرح تنکے چننا، روز و شب گریہ و زاری، اضطراب و بیقراری کا حال ناگفتہ بہ۔ مغلانیاں، مہریاں، محلدار، دواجی سب مل کر سمجھاتی تھیں کہ بیگم صاحب دن رات رونے اور خدانخواستہ آنکھیں کھونے سے کیا فائدہ۔ اللہ پر بھروسا کیجیے۔ بھوکوں کو کھانا کھلائیے۔ جمعرات جمعرات، جنوں کی مسجد میں جائیے۔ فقیروں کی خدمت کیجیے۔ خیرات دیجیے۔ اللہ نے چاہا تو صبح شام ہی آزاد مرزا قید سے چھٹکارا پائیں۔ مگر یہ نصیحتیں بیگم صاحب کی آتشِ شوق کے ساتھ بادِ تند کا کام کرتی تھیں۔ بصد حسرت و حرمان ٹھنڈی سانسیں بھرتی تھیں۔ دل نوحہ خواں، اشعارِ غم وردِ زباں۔

از دستِ تو دل کباب تا کے
جان در طلبت خراب تا کے
در بحرِ غمت غریق گشتم
ایں زندگی حباب تا کے
آخر باہجر او بسازم
دل می کند اضطراب تا کے

اتنے میں ایک مغلانی نے بصد ادب عرض کیا۔ حضور ایک بانکی ترچھی عورت ڈیوڑھی پر کھڑی ہے۔ کہتی ہے اگر حکم ہو تو بیگم صاحب کو سلام کر لوں۔ حاضر ہونے کی اجازت دی جائے۔ بیگم صاحب ازبس متحیّر ہوئیں کہ یہ بانکی ترچھی عورت کون ہے۔ تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔ اچھا بلا لو۔ مغلانی نے ڈیوڑھی کے پاس جا کر کہا۔ آؤ حضور نے اجازت دے دی ہے۔ پردہ اُٹھا کر وہ عورت صحن میں داخل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئی۔ مغلانی اپنے ساتھ کوٹھے پر لائی۔ ایک زنِ مرد نما کی قطع، اور وضع ساری خدائی کی عورتوں سے نرالی تھی۔ گلبدن کا چُست گھٹنا چوڑیوں دار۔ قرمزی نیفہ لاہوری ریشمی ازار بند۔ بانکا صندلی عمامۂ زیب سر عمامے میں جا بجا گلہائے معنبر کا شانی مخمل کا دگلا۔ اُس پر ہلکا کار چوبی کام۔ ہاتھ میں آبنوس کا پنجرہ اس میں طوطی سنبل فام، بوٹ زرد مخملی، پھُندنا لال لال، خرام ناز سے دل کبک وتدرو پامال۔ اکڑتی، بررتی، تنتی ہوئی آئی۔ اور جھک کر آداب بجا لائی۔ گھر بھر کی نظر اُسی پر تھی۔ ایسی انوکھی وضع کی عورت کسی نے کبھی کاہے کو دیکھی تھی۔ مگر حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔ ایک ایک ادا دل رُبا و دل پذیر تھی۔ چہرہ گلِ خنداں۔ ابرو شمشیر اصفہان فتنے کی مست کرنے والی عطر کی لپٹ سے روح کا دماغ وجد کرتا تھا۔

از کجامی آئی اے سرمستِ خوبی محو ناز
عطر آگیں تا بد امن، عنبر افشاں تا کمر

ثریا بیگم نے حیرت سے اُس زنِ زُہرہ تمثال، پر نظر ڈالی۔ سوچیں کہ اُنیس بیس برس کا سن وسال اور یہ نور عالم افروز یہ جمال۔ کھُب گئی کہ کسی شریف کی بہو بیٹی ہے۔ لڑکپن میں آوارہ ہوگئی ہوگی۔ اب لحاظ ٹوٹ گیا۔ شرم منزلوں دور ہے۔ حیا سے طبیعت نفور ہے۔ طوطی کا پنجرہ لے کر سرِ بازار میرگشت کیا کرتی ہے۔ مغلانیاں مہریاں سب دنگ کہ یا الہٰی یہ اُٹھتی جوانی گلاب سا یہ رنگ اور اس طرح بے باکی سے ساتھ گلی کوچوں کی سیر کرتی پھرے۔ سب کی نظر اُس کی طرف تھی۔ اُس پری کی دلیری اور حسنِ گلوسوز دیکھ کر ثریا بیگم کے دل میں انواع واقسام کے خیالات نے جگہ پائی سوچیں اگر آزاد کی نظر اس حورِوش پر پڑے تو شاید ہم کو بھی بھول جائیں۔ اسی کو عقد نکاح میں لائیں۔ پھر ثریا بیگم کفِ افسوس ہی ملے۔ کسی اور کی دال ہی نہ گلے۔ بیس منٹ تک سب کے سب خاموش رہے۔ اس کے بعد عباسی نے خاموشی کا طلسم توڑا۔

عباسی: کیوں بیوی تمہارا مکان کہاں ہے اور یہ پہناوا کس ملک کا ہے۔ اللہ جانتا ہے آج تلک ایسی وضع (وضع) دیکھنے ہی میں نہ آئی کیا مردانی پوشاک ہے۔ تمہارا نام کیا ہے بیوی؟

عورت: ہمارا گھر پری پیکر جوانوں کا دل ہے۔ جس حسین گھبرو کی نظر پڑی اسی کے دل میں ہم نے جگہ کرلی۔

عباسی: مکان کا پتہ تو ٹھیک معلوم ہوگیا۔ اب نام بھی بتاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورت: معشوقہ خانم۔ غریبوں کا نام کیا پوچھتی ہو۔

عباسی: واہ ایک حُسن اور دوسرے جوانی کی دولت کیا کم ہے۔ ہر کو تو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی یہ بڑے خوش قسمتوں کے حصّے میں آتی ہے۔ ایسا مکھڑا شہر میں شاید ہی کسی کا ہو۔ ہزار دو ہزار میں فرد ہو۔

معشوقہ: پھر یہ اللہ کی دین ہے۔ کسی کا اس میں اجارہ نہیں۔ اس تقریر کے بعد معشوقہ خانم خود بخود گانے لگیں۔

ناز میخانہ و می نام ونشاں خواہد بود
سرمۂ خاک رہ پیر مُغاں خواہد بود
بروائے زاہد خود بیں کہ ز چشم من وتو
راز ایں پردہ نہاں ست و نہاں خواہد بود

سوہنی کی دھن میں اس نازک آوازی کے ساتھ یہ غزل گائی کہ ثریا بیگم اس زن مشتری خصال کی حرکات شریں اور خوش الحانی و سحر بیانی پر ہزار جان سے شیدا ہو گئیں۔ کہا ہمارے قریب آن کے بیٹھو معشوقہ خانم مسکرا کر ان کے قریب آئیں۔ طوطی کا پنجرہ سامنے رکھ دیا۔ اور یوں چہکنے لگیں۔ گو بھر اُسی طرف مخاطب ہو گیا۔

بیگم صاحب: سمندر کے پار ایک کہسار عظمت بار پر جانے کا اتفاق ہوا تو عجیب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ گلزمین مینو آئیں نظر محل معلی میں آیا تو آنکھوں نے وہ نور موفور پایا کہ حیطہ بیان سے خارج ہے۔ عمارت سپہر تواماں شمہ ایوان گردوں نشان۔ پہاڑ ایسا بلند و رفیع کہ آسمان باوصف شوکت و شان اُس سے کہیں نیچا نظر آتا تھا۔ اور قلعۂ کوہ سے اس محل کے ایک مینار پر کھڑے ہو کر ہم نے دیکھا تھا کہ بادل پہاڑ کے نیچے برس رہے ہیں۔ ایک ایک غار اس قدر وسیع کہ الامان۔ تختۂ یونان ایک غار میں سما جائے۔ اس کوہ زمرد فام کے محل لطافت انضمام میں ایک رئیس عالی مقام وجیہ و نازک اندام شریں بیان طوطی کلام سے آنکھ لڑی۔ خدا اور خدا کا رسول آگاہ ہے کہ ایسا بانکا ترچھا اور گل چہرہ جوان آج تک نظر سے نہیں گذرا۔ قامتِ موزوں سرو جوئبار فرخ نہادی الف ابجد آزادی چہرہ گلگون پیرایش نور نظر۔ برگ گل سے تر۔ پیشانی نورانی۔ ابرو بسم اللہ سورۂ نور۔ یا کلید باب سرور۔ سبکروی رفتار پر کبک خوشخرام نثار:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بسکہ جان بخشد خرامِ آن پری
ساز واز نقشِ قدم کبکِ دری

ٹکٹکی بندھ گئی۔ حیرت تھی کہ اللہ اللہ بشر ہیں یہ نازوادا ہے۔ الٰہی یہ حُسن ہے یا اعجاز ہے:

بصورتِ توبتے کمتر آفرید خدا
تراکشیدہ دوست از قلم کشید خدا
چوکرد نقش تو بر صفحۂ وجود رقم
صد آفرین ززبانِ قلم شنید خدا

قریب آیا تو ہوش وحواس رفوچکر ہوگئے۔ غنچۂ نورسیدہ۔ سبزۂ نودمیدہ ابھی نامِ خدا سبزہ آغاز ہی ہیں مسیں بھیگتی ہیں۔

برگرد عارضت خطِ مشکین نوشتہ اند
یا بوستان بزیر گلستان نوشتہ اند

گیسوے عطر انگیز و لخلخہ بیز کی بوے خوش نے مجھے مست کردیا۔ وہ سرو خرام اٹھکیلیاں کرتاہوا چلنے لگا۔ میری طرف نظر ڈال کر مسکراتا تھا اور اُس تبسم ناز کی دل پر بجلیاں گراتا تھا:

از تبسّم می کند آن شوخ پر سو قتلِ عام
بسکہ شمشیرِ تبسم خوش غلاف افتادہ است

وہ جوان بعد آن بان لبِ جوئبار ایک کُنج پر بہار میں بیٹھ کر دریا کی روانی مشاہدہ کرنے لگا۔ میں بھی آہستہ آہستہ اُس کنج میں گئی تو دریا کی کیفیت دیکھ کر عشعش کرنے لگی۔ وہ لطف حاصل کیا کہ بیان سے باہر۔

تعالیٰ اللہ ازیں دریاچۂ نور
کہ موجش می زند گلبانگِ منصور
بوصفِ برتر از چرخِ برین ست
خروسِ جرس را آبشخوراین ست

حضور خیاطِ اَزل نے قباے حُسن اسی کے لیے موزوں کی ہے۔ جب میری طرف اداے دل رُبا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے دیکھتا تھا۔ شیشۂ دل بادۂ طرف سے لبریز ہو جاتا تھا۔ شکستہ دلوں کی مومیائی کہوں خال چہرۂ زیبائی کہوں۔ جو کہوں صحیح ہے۔

کیا خدا داد حُسن پایا ہے
آپ اللہ نے بنایا ہے

ایک مرتبہ گھنٹی بجائی اور ایک رسّی ہلائی تو کوئی دو سو پریاں بانکی اور قیمتی لباس زیب تن کیے ہوئے، چھما چھم آئیں۔ سب کے ہاتھوں میں ایک ایک بلّوریں رکابی تھی۔ اُس پر عمدہ عمدہ گلوریاں اور عطردان۔ اللہ جانتا ہے، بیگم صاحب ایسی بھینی خوشبو کہ میری روح وجد میں تھی۔ خدا جانے کیتکی کا عطر تھا یا کاہے کا تھا۔ ایسی ہلکی اور بھینی اور مست کرنے والی خوشبو کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ خواصوں نے گلوریاں کھائیں۔ تو حضور یقین کیجیے کہ پان اور عطر اور مصالح کی خوشبو سے مل کر عجب بات پیدا ہوئی۔ پہلے تو خواصیں میری طرف دیکھ کر کسی قدر جھجکیں۔ پھر متحیر ہوئیں، اور حضور میں اُس وقت از سرتا پا صندلی پوش تھی۔ اور صندلی دوپٹہ ایسا بانکا بندھا تھا کہ دیکھنے سے تعلّق تھا۔ ایک درخت کے سائے میں تنی ہوئی کھڑی تھی۔ ایک خواص نے بڑھ کر مجھے گلوری دی۔ آہو ہو ہو حضور کے قدموں کی قسم آج تک اس قطع کی گلوری کھائی ہی نہیں۔ اُس جوان نے ایک دفعہ پھر گھنٹی ہلائی اور ایک ایک خواص باری باری گئی۔ جوان نے اِدھر اُدھر گل رخسار کے بوسے لیے۔ پانچ چھ جو چندے آفتاب چندے مہتاب تھیں۔ اُن کو تو اُس پری رو جوان نے چوم لیا، اور باقی خواصیں خود بوسے لیتی تھی۔ دس پانچ شوخ خواصوں نے گلے بھی لگایا۔ اور بوسے بھی لیے اور خواصیں ایسی ایسی مہ جبین، ایسی ایسی نازنین کہ انسان دیکھتے ہی جان دینے لگے۔ مُکھڑے چاند کے ٹکڑے اور ایسی بانکی ادا کہ ایک اشارے میں قتل کر ڈالیں۔ اُس جوان رعنا کی اشارہ بازی اور خوش اندازی نے مجھے مار ہی ڈالا۔ میں نے اُس کو مخاطب کر کے بے جھجک کہا، حشر کے دن قتل کا دعویٰ کروں گی۔ جُرم تو صرف یہی ہے نہ کہ عاشق ہوئی، مگر سزائے قتل آئین عشق بازی میں کب روا ہے۔ روزِ حساب دامن پکڑوں گی اُس کا جواب مسکرا کر یوں دیا۔

میں کہوں گا حشر میں قاتل کو پوچھے گا اگر
وہ قضا تیری تھی یا میری ادا تھی میں نہ تھا

اتنے میں ایک بار پھر گھنٹی بجی اور رسّی ہلی تو یہ خواصیں ایک ناز معشوقانہ کے ساتھ چلی گئیں اور تیرہ تیرہ چودہ چودہ برس کی بیس بائیس چھوکریاں اچپلاہٹ کرتی ہوئی آئیں۔ سب طرّار اور گل عذار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتے ہی سب نے زلفِ چلیپا کھول ڈالی۔

کھولی ہے کس نے کاکلِ مشکین یہ اے صبا
آتی ہے بو دماغ میں مشکِ تتار کی

اُن پریوں نے زلفِ مشکین کھول کر ناچنا شروع کیا تو قیامت ڈھائی۔ اوّل تو کم سن۔ دوسرے اُس نور بار کی مطبوعہ۔ تیسرے شوخ شنگ اور گل رنگ اور اُس پر طرّہ یہ کہ سب کی سب مست تھیں۔

شعلۂ جوّالہ راطعنِ گران جانی زند
ہر کہ وقت رقص آن گلگون غبار دیدہ است

اب سُنیے کہ ایک حور وش أنا البرق کہتی ہوئی آئی اور اُس جوان تنگ دہان کے گورے گورے گالوں کا بوسہ لے کر یہ شعر زبان پر لائی:

چو گل شگفتہ بصد آب رنگ می آئی
ز شہر آئینہ یا از فرنگ می آئی

دوسری مو پریشان مست، خندان، دستِ رنگین کو چوم کر یہ شعر گانے لگی۔

بوسے تو روئے گل کے لیے فرطِ شوق میں
حیران ہوں اب کہ عذر کروں باغبان سے کیا

تیسری شوخ نے گت ناچتے ناچتے پیشانیٔ نورانی کو آہستہ سے چوما اور کہا:

من بقربانت روم کن زود قربانی مرا
تیغ جوہر دار باشد چینِ پیشانی مرا

چھم چھم چھم چھم، ایسا ناچ بھی ہم نے عمر بھر نہیں دیکھا تھا۔
چوتھی چھیل چھبیلی رنگیلی چمک دمک کر آئی اور بوسہ لیتے ہی اس درجہ لجائی کہ پھر گردن نہ اُٹھائی۔ فرطِ حیا سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔

در خلوتے کہ آئینہ بیدار بودہ است
ہرگز شرم بند قبا وا نکردہ است

قیاس سے میں سمجھ گئی کہ دختِ سیمیں تن کو جوانِ غنچہ دہن سب سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ اسی کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ پھر گھنٹی بجائی تو یہ بھی شانِ دل ربائی کے ساتھ چل دیں۔ اب مجھے موقع ملا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حضور میں تو دل و جان سے عاشق ہو ہی گئی تھی۔ آگے بڑھ کر میں نے جھک کے سلام کیا۔ کہا کون ہو۔ میں نے کہا بندۂ خدا ہیں۔ اور ہیں کون؟ پوچھا پیشہ کہا۔ عشق بازی۔ پوچھا کس کی عاشق ہو۔ کہا تمہارے حسنِ گلوسوز پر جان دیتے ہیں۔ اس وقت صد ہا پریوں نے رخسار گل گوں کا بوسہ لیا۔ اور سینکڑوں کو تم نے خود چوم لیا۔ مگر ہمارے دل کی آرزو نہ بر آئی۔ ہم تیر حسرت ہی کھا کر رہے۔ تمہاری بدولت طرح طرح کے ظلم سہے۔ مگر اب بھی وفا کا دم بھرتے ہیں۔

چمکی ہزار بار مرے سر پہ تیغ ظلم
جھپکی نہ آنکھ ہمت مردانہ دیکھنا

اس جوان نے کہا کچھ خیر ہے۔ میں ابھی عشق و حسن کے جھگڑے کیا جانوں اس بھولی تقریر پر میں نے بے اختیار ایک بوسہ لیا۔ جس کا مزہ اب تک نہیں بھولی ہوں۔ میں نے لبِ لعل شکر خا کا بوسہ لیا، تو ہونٹھوں کو گرم پایا۔ چہرہ تمتمانے لگا۔ جوانی کا عالم۔ بوسے کا جواب دینے ہی کو تھا کہ پہاڑ پر بڑے زور سے آندھی آئی۔ اور گرد اس قدر بلند ہوئی کہ آسمان کے نیچے ایک اور آسمان نظر آنے لگا۔ گرد اور غبار اور آندھی کے ساتھ ہی گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی۔ اور ایک اُڑن کھٹولا آسمان سے اُترا۔

عباسی : اوئی، اُڑن کھٹولا جو کہانیوں میں سنا کرتے ہیں وہی نہ۔ یا اللہ ہمارے تو ہوش اُڑ جاتے ہیں بہن۔ بھلا دن کا وقت تھا یا رات تھی۔ رات ہو تو اور بھی کانپ جائیں۔

معشوقہ : بس حضور کھٹ سے اُڑن کھٹولا زمین پر آیا۔ اِدھر کھٹولا آیا، اُدھر چشم زدن میں ایک بیچ کی پری اُتری اور دم کے دم میں کھٹولا مع اُس جوان اور اُس پری کے غائب ہو گیا۔ جب اس گھبرو کو میں نے نظر سے اوجھل پایا تو تمام عالم آنکھوں میں تیرہ و تار نظر آیا۔ فوراً آندھی موقوف ہو گئی۔ وہ دو سو خواصیں اور وہ سب رقاصہ نے اُن کر بہت کچھ لعنت ملامت کی۔ میں نے کہا مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک بوسہ لیتے ہی یہ حال ہو جائے گا۔ لیکن مفصّل کیفیت تو بیان کرو کہ یہ ہوا کیا۔ اُن میں سے ایک نوخیز چھوکری نے یوں بیان کیا۔

اس جوان پر پرستان کی ایک پری عاشق ہے۔ اور ہم سب بھی پریاں ہیں۔ جادو کے زور سے ہمارے پر تم کو نظر نہیں آتے۔ اُس پری کا حکم ہے کہ خبردار کسی عورت پر نظر بد نہ ڈالنا۔ اس وقت تم پر کسی قدر ریجھے تھے تو پری اُن کو اُڑن کھٹولے پر بیٹھا کر لے گئی مگر اس نے قسم کھائی ہے کہ خود سزا نہ دوں گی۔ کسی انسان ہی کے ذریعہ سے سزا دلواؤں گی۔ اب سنا ہے کہ وہ بیچاری کسی زندان میں قید ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثریّا بیگم : (متحیّر ہو کر) کیا؟ قید ہے، بھلا اُن کا نام بھی تمہیں معلوم ہے۔؟

معشوقہ : جی ہاں حضور میں نے سب دریافت کر لیا ہے۔ آزاد مرزا، آزاد مرزا نام سُن کر ثریّا بیگم نے مغلانیوں کی طرف دیکھا۔ مغلانیوں نے بیگم صاحب کی طرف۔ عبّاسی نے دانت کے تلے اُنگلی دبائی اور کہا ارے! تو کچھ اور ہی گُل کھلا۔

ثریّا بیگم : آزاد مرزا، نام ہے؟ کسی نے بہکا تو نہیں دیا کہیں۔ اُفوہ!

معشوقہ : اے حضور بہکایا نہیں وہ آپ کے ہاں بھی آتے تھے۔ اور حضور بے ادبی معاف! حضور بھی اُن پر ریجھی ہوئی ہیں۔ اور ایک حضور پر کیا فرض ہے، آزاد وہ خوشرو جوان ہے کہ جو دیکھتا گھنٹوں گھُورا کرتا ہے۔

ثریّا بیگم : تو قید خانے اور پری سے کیا مطلب ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ خدا جانے کیا کہتی ہو۔

عبّاسی : حضور ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہوئی بات ہے۔ کہاں پہاڑ، کہاں جوان، کجا خواصیں، کہاں پری اور قید خانہ۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ مُواڈینگ اُڑار ہا تھا زمانے بھر کی۔

مغلانی : اے ہے یہ کبھی کہنا بھی نہیں۔ کیا پرستان کو بھی بنی ہوئی بات سمجھتی ہو۔ ابھی کم سِن نادان ہو۔ جب جھپیٹ میں پڑو گی تو ساری قلعی کھل جائے گی۔ جوانی کے زُعم میں چاہے بڑھ بڑھ کے باتیں بنا لو۔ بڑھاپے میں معلوم ہو جائے گا۔

معشوقہ خانم نے طوطی کا پنجرا اُٹھایا اور کہا اب لونڈی رخصت ہوتی ہے۔ کل بشرط زیست پھر آؤں گی۔ جب وہ چلی گئی تو ثریّا بیگم اور عبّاسی اور مغلانیاں باتیں کرنے لگیں۔ عبّاسی سب سے لڑتی ہے کہ یہ سب گپ ہی گپ تھی۔ مگر ان سے کسی کو اتفاق نہ تھا۔ یہ باتیں ہوئی ہی تھیں کہ داروغہ صاحب اندر آئے۔ کہا۔ کچھ بسنت کی بھی خبر ہے۔ دروازے پر تھانہ دار کھڑے ہیں۔ ثریّا بیگم نے گھبرا کر پوچھا کیوں کیا واردات ہوئی۔ کیا آزاد مرزا قید سے بھاگ گئے۔ تھانے پر کسی مخبر نے جڑ دی کہ ایک دن یہاں ہندو فقیر بن کر آئے تھے اور آج عورت کے بھیس میں طوطے کا پنجرہ لیکر : بیگم صاحب کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ اَرے! یہ آزاد تھے!!! دیکھا میں نے کہا ہی تھا کہ آزاد سے صورت ملتی ہے۔ پوچھا کون تھانہ دار ہے۔ داروغہ نے پتا دیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی ذاتِ شریف ہیں جو اُستانی جی کے ہاں ان پر ریجھے تھے۔ ثریّا بیگم کا خون خشک ہو گیا۔ سمجھیں کہ اگر بات کھُل گئی تو اب کی اس کے پنجے سے بچنا محال ہو جائے گا۔ داروغہ سے کہا تھانہ دار کو کچھ لے دے کر رخصت کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خبردار۔ لڑائی نہ مول لینا۔ پولیس والوں سے لڑنا اچھا نہیں۔

فرسٹ کلاس جنٹلمین

غنچۂ نو دمیدہ بُستانِ شجاعت۔ زعفران زارِ کشمیر بُسالت شیر دل نبرد آزما، آزاد پاشا میدانِ کارزار میں بادلِ زار زخموں کی تکلیف سہہ رہے تھے، اور اردگرد روس کے نوجوانان، روئیں تن، خونیں کفن کے جسم سے خون کے شرّاٹے بہ رہے تھے۔ خاتونِ ماہ سیما جہاں آرا اِس فکر میں تھیں کہ سپہر آرا کا شہزادۂ فرّخ گہر مرزا ہمایوں فر کے ساتھ نکاح ہو۔ ہنسی خوشی بیاہ ہو۔ ثریا بیگم آٹھ آٹھ آنسو روتی تھیں۔ تپ، ہجر میں جان کھوتی تھیں۔ ان سب کا حالِ عبرت مآل تو وقتاً فوقتاً نذرِ ناظرین اعجوبہ گزیں ہوگا۔ اب سر دست ایک نئے بگڑے ہوئے کا تذکرہ سُنیئے۔ ایک معمّر وسن رسیدہ، گرگِ باران دیدہ ٹھاکر نے نوّے برس کے سن میں وفات پائی۔ جوان لڑکا چھوڑ کر مرا۔ تو خیر ٹھاکر کی بن آئی۔ ٹھاکر صاحب دو چار گانوں کے زمیندار تھے، مگر قرض سے چوٹی تک ڈوبی ہوئی تھی۔ اُٹھتی جوانی کے عالم میں جو انہوں نے دولت کثیر پائی، تو خوب گل چھرّے اُڑائے۔ ہزاروں لاکھوں مفت لٹائے۔ آخیر کار مفلس کنگال ہوگئے۔ بدوضعوں نے ایسا چنگ پر چڑھایا کہ چھٹے ہوئے بدمعاش ہوگئے۔ اپنے باپ کے طفیل میں بی۔اے کا امتحان پاس کر چکے تھے۔ حکّام سے مل کر ان کو ساٹھ روپیہ کی کلرکی ملی۔ گانوں کی آمدنی بھی سو روپیہ ماہواری کے قریب تھی۔ جس میں سے باسٹھ ۶۲ روپیہ قرض خواہوں کے نذر ہوتا تھا۔ ان کو صرف اٹھانوے روپیہ ماہ بماہ ملتا تھا۔ گنی بوٹی اور ناپا شوربا شامتِ اعمال سے شراب خواری اور بادہ گُساری کے عادی ہوگئے۔ معاش کم خرچ کثیر۔ آئے تو کہاں سے پہلے دیسی شراب کے شائق ہوئے، بھٹی سے تین تین بوتلیں روز آنے لگیں۔ دس بجے سے پانچ بجے تک کچہری میں کام کرتے تھے۔ شب کو شراب لنڈھاتے تھے اور پیتے پیتے بیہوش ہو جاتے تھے۔ ایک دن اپنے گانوں میں بیٹھے ہوئے بادۂ احمر سے طبیعت بہلاتے تھے۔ حَوائی مُوائی چٹکیوں پر نچاتے تھے کہ اتفاق سے ایک نمبر اوّل کے مے خوار کا گذر ہوا۔ صحبت کو اپنے مزاج کے موافق پاکر یہ بھی اُسی ٹکڑی میں شریک ہوگئے۔ جب جام ان کے سامنے آیا، اور ایک رند مشرب نے اپنے ہاتھ سے زبردستی ساغرِ مے پلایا تو بُلبُلِ ہزار داستان کی طرح چہکنے لگے۔ ٹھاکر کو بکمال محبت صلاح دی کہ حضرت دیسی شراب زہر ہے۔ سنکھیا ہے۔ اگر حضور کو اس کا شوق ہے تو ولایتی شراب لنڈھائیں۔ سوداگروں کی کوٹھی سے عمدہ عمدہ قسم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی برانڈیاں منگوائیں۔ یہی لطفِ زندگانی ہے۔ راحِ روح بادۂ اُرغوانی ہے۔ ٹھرّا جنٹلمین کے پینے کے قابل نہیں۔ حضور فرسٹ کلاس یعنی درجۂ اعلاء کے جنٹلمین ہو کر دارو کا شغل کریں۔ مقام استعجاب ہے۔ ٹھاکر صاحب دل میں کمال خفیف ہوئے۔ فوراً ڈوامینڈ کمپنی کی عالیشان کوٹھی سے حسب تجویز بادہ گسار سو روپیہ کی شراب منگوائی اور ایک مہینے تک خوب پی۔ اور خوب پلائی۔ ایک مہینے کے بعد ذرا تمیز ہوئی کہ شراب کیوں کر پی جاتی ہے۔ جوانی کی آگ کو اس طرح پر بھڑکاتی ہے۔ چند روز تک خفیہ طور پر پیا کیے۔ آخر کار کُھل کھیلے۔ جب تک ڈوس ملولی اور اکشامبروں کا جام نہ ہو۔ تسکین نہ ہو۔ آرام نہ ہو۔ رفتہ رفتہ نوبت بایںجا رسید کہ درجنوں کے درجن تاجران نامی اور سوداگرانِ گرامی کی کوٹھیوں سے آنے لگے گُل رفقانے ایک دن نشے کی حالت میں ان کو خوب بنایا۔

تہور علی : حضور اولڈ ٹام کو جنٹلمین ہاتھ سے نہیں چھوتے۔

گبرے مل : ہمارے صاحب جھاڑ برانڈی اور وسکی پیتے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

امام علی : برانڈی تو اکسیر کا فائدہ بخشتی ہے بھائی جان۔ اور۔

تہور علی : دریں چہ شک۔ آبِ حیات ہے تو یہ ہے۔ اور چشمۂ حیوان ہے تو یہ ہے:

شراب کہنہ کہ روشن گر روانِ منست
مصاحبِ من و پیرِ من و جوانِ منست

گبرے مل : حضور جنٹلمین ہیں، اور جنٹلمین بھی درجۂ اوّل کے۔ ٹھرّا پینا حضور کی شان کے خلاف ہے۔ اگر شغل ہی کرنا ہے تو بادۂ پرتگال چاہیے۔ اعلا درجے کی برانڈی پیجیے خداوندا!

دقیقہ کہ طلوعِ صبحِ ارزاق باشد
باید کہ بہ کف جامِ مُروق باشد

رئیس نوجوان ناآزمودہ کار تو تھے ہی، فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے کا شوق چرّایا اور مصاحبوں نے پٹی پڑھائی کہ حضور شیمپین اور ہاک استعمال میں لائیں۔ دیسی کے تو سایہ سے شرفا بھاگ جائیں۔ جنٹلمینوں کے پینے کی اور ہی قسم کی شراب ہے۔ حضور فرانس میں درجۂ اعلاء کے جنٹلمین پانچ ہزار روپیہ روز صرف کرتے ہیں۔ یہاں اور نہیں تو فرانس اور لندن کی شرابیں تو ہوں اور قل آعوزیوں کی بات کا کچھ ٹھیک نہیں۔

شراب ایک ہے لندن کی ہو کہ کوثر کی
اک اپنے واسطے زاہد حلال کرتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھاکر صاف نے برانڈی کا ذائقہ چکھا تو دیسی شراب نظر سے گر گئی۔ اب اگر کوئی دیسی شراب کی تواضع کرتا ہے تو مُنہ بنا کر جواب دیتے ہیں۔ وِل فرسٹ کلاس جنٹلمین کے پینے کے لائق نہیں ہے۔ یہ کمہار، دھوبی، کہار، لوگ پیتا ہے۔ جنٹلمین ہے۔ کیوں نہیں۔ آپ ایسے ہی ہیں۔ مگر صبر کیجیے! آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ جنٹلمینیت سب نکل جائے گی۔ ٹھاکر صاحب دس بجے کچہری جاتے تھے اور پانچ بجے واپس آتے تھے۔ تھوڑی اوقات۔ سواری کجا۔ گانوں کی رقم کو رقم کثیر سمجھ کر بادہ گساری اختیار کی اور یارانِ سر پل نے بھرّے دے دے کر برانڈی پر لگا یا۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین بنا یار۔

اب سُنیے کہ نشہ بازی کے پینگ بڑھے۔ پہلے تو صرف ایک کوٹھی سے لین دین شروع ہوا۔ رِوَاینڈ کمپنی، پھر ایک اور کوٹھی سے شرابیں آنے لگیں، چیٹر اینڈ کمپنی۔ رفتہ رفتہ کرجی اینڈ کمپنی۔ فرونجی اینڈ سنس۔ ان سب سے بھی لین دین ہونے لگا۔ ذرا کسی روز ہوائے خنک چلی اور حضرت نے قلم دوات کاغذ مانگا، اور فوراً ایک کمپنی کے نام رقعہ لکھا۔ اور اُسی دم بھیج دیا۔

بخدمت رِوَاینڈ کمپنی۔ صاحبِ من مہربانی کر کے ایک بوتل ڈنس ہونی برانڈی کی، اور دو بوتلیں سوڈا کی ہمدستِ حاملِ لطف فرمائیے۔ اور ہمارے حساب میں درج کر لیجیے۔

آپ کا خادم 'ٹھاکر'

دوسرے روز فرونجی اینڈ سنس کے نام حکم کیا (از راہِ عنایت پیل برانڈی) کی ایک بوتل جلد بھیجیے۔ الغرض دو مہینے کے بعد بل آنا شروع ہوئے۔ پہلے روِاینڈ کمپنی کا بل ملاحظہ فرمائیے۔ بہت مختصر رقم ہے۔

۲، جولائی	ڈنس ہونی برانڈی	ایک بوتل	عہ ۱۲/
۳، "	سوڈا واٹر	دو بوتل	۴/
۴، "	پیل برانڈی اولڈ	ایک بوتل	عہ ۴/
۶، "	اِکشا نمبر وَن	دو بوتل	معہ ۱۲/
۱۰، "	شیمپین	دو بوتل	لعہ ۱۰/

الغرض چوسٹھ روپیہ کا ٹوٹل تھا۔ اب فرونجی کے ہاں کا بل آیا۔ ٹوٹل دیکھا تو چوبیس روپیہ، چیٹر اینڈ سنس کے ہاں کا بل آیا ستائیس روپیہ۔ الغرض کُل ایک سو پندرہ روپیہ کا بل اور ساٹھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے نوکر۔ تھوڑی اوقات اور خرچ اس قدر بڑھا ہوا۔ گرمی کی فصل آئی تو حوالی موالی مفت خوروں نے صلاح دی کہ حضور آج کل تو بس شیری اور شیمپین اور کلیرٹ کے دن ہیں۔ آج کل برانڈی اور وسکی سخت مضر ہے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین یہی پیتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب کو فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے کا دلی شوق تھا۔ فوراً ایک سوداگر کو لکھ بھیجا کہ ایک درجن عمدہ سے عمدہ شیری شراب کی بھیج دو اور آدھا درجن شیمپین کا۔ مہینے کے بعد بل آیا، تو شیری ایک درجن کے ساٹھ روپیہ اور شیمپین نصف درجن کے اٹھائیس روپیہ۔ ایں! اللہ اللہ بڑی قیمتی چیز ہے بھئی یاران سر بل نے کہا ہاں قیمتی ہونے میں کیا شک ہے۔ پھر فرسٹ کلاس جنٹلمین بننا بھی تو دل لگی نہیں ہے۔

ایک روز ٹھاکر صاحب کے دو دوست آئے۔ ایک گنوار خاص ان کے گانوں کے، دوسرے شہر کے رہنے والے۔ گنوار کا نام رگھناتھ سنگھ۔ اور دوسرے صاحب کا نام جوالا سہائے۔ ٹھاکر صاحب نے دونوں کی تواضع کی۔ پہلے شیمپین کا ادھا کھولا۔ جوالا سہائے نے قیمت پوچھی کہا ڈھائی روپیہ۔ گنوار کے ہوش اڑ گئے (اڈھائی روپیا! ارے یو اڑھائی روپیا کا آوت ہے؟ باٹ پڑ گئی) اس کے بعد برانڈی کی بوتل کھلی، اور سوڈا کے ساتھ پینا شروع کیا۔ ٹھاکر صاحب نے خوش ذائقہ کرنے کے لیے تھوڑی سی بیٹرز بھی ملائی۔ اس کے بعد ایک بوتل کلیرٹ کی کھولی۔ گنوار کے تو ہوش اڑ گئے۔ چھ کنڈے کا ٹھرا صبح سے شام تک پینے والا، چھ چھ روپیہ فی بوتل کی شراب کا ذائقہ کیا جانے۔ مگر جوالا سہائے نے ٹھاکر صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا۔

جوالا سہائے: بھلا مہینے میں کتنی بوتلیں خرچ ہوتی ہوں گی۔

ٹھاکر: اجی اس کی نہ پوچھو، کبھی سو کی اڑ گئی کبھی دو سو کی۔

جوالا سہائے: درست، اور یہ شیمپین اور کلیرٹ پینا کس گوکھے نے سکھایا ہے آپ کو۔ یہ نو دس بوتلیں دن بھر میں پی جاؤ اور ذرا نشہ کیا معنی سرور تک نہ ہو۔ بغیر سرور کے شراب پانی ہے۔

ٹھاکر: لاحول ولاقوۃ۔ بھائی جان ہم کچھ نشہ کے لیے تھوڑا ہی کلیرٹ پیتے ہیں۔ ہم کو تو اس کلیرٹ مرد کا ذائقہ ہی پسند نہیں ہے۔ مگر مجبوری ہے۔ جنٹلمین کھانے کے بعد گرمی کی فصل میں کلیرٹ ضرور پیتے ہیں اور ہم بھی جنٹلمین ہیں اور اعلا درجے کے۔

جوالا سہائے: اچھا یہ کہیے۔ یہ خبط دامنگیر ہے۔ آپ جنٹلمین ہیں؟ آپ کے باپ بھی جنٹلمین تھے، یا آپ ہی جنٹلمین بن گئے۔ اللہ اللہ اب یہ خبط سمایا کہ جو جنٹلمین کرتے ہیں وہی حضور بھی کریں۔ باندھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے درخت میں بیس لگائے گن کے، اور بھول جائے تو پھر سے گنے۔ جنٹلمین بنے ہیں۔ بس شراب ہی پینے میں جنٹلمینیت ہے۔ اور کسی چیز میں بھی ہے۔ جنٹلمین کی وضعوں سے مطلق واسطہ نہ رکھا۔ شراب پینے کے لیے جنٹلمین بن گئے۔ شیمپین اور کلیرٹ پینے کی تمہاری حیثیت ہے۔ جنٹلمین بننے پر مرتے ہیں۔ واسطے خدا کے اس خبط میں نہ پڑو، ورنہ پچھتاؤ گے۔

ٹھاکر : تو پھر کیا ٹھرا پئیں جس میں منزلوں سے بدبو آتی ہے۔

جوالا سہائے : اوّل تو پینا ہی کیا فرض ہے۔ مہینے میں دو چار بار پی تو خیر مضائقہ نہیں مگر یہ نہیں کہ برانڈی کا پیپا بن گئے۔ اور اگر ایسے ہی دھتیا ہو تو اولڈ ٹام پیا کرو یہ نہیں کہ شیمپین اور شیری اور برانڈی اُڑانے لگے۔ اس حماقت سے توبہ کرو بھائی جان۔

ٹھاکر : بس اپنی صلاح رہنے دیجیے۔ اولڈ ٹام! ہو تھ۔ پاجی مقرر کیا ہے۔ بھلا کسی جنٹلمین کو اولڈ ٹام پیتے دیکھا ہے۔

جوالا سہائے : ہائے افسوس۔ بھائی اب تمہارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ خدا خیر کرے۔ اس جنٹلمین بننے کے پھیر میں یہ دو چار گانوں جو باقی رہے ہیں یہ بھی گھوم جائیں گے۔ اور آپ لیمون نون چاٹ کر رہ جائیں گے۔

ٹھاکر : رَم اور اولڈ ٹام جنٹلمین چھوتے نہیں۔ نام نہیں لیتے اچھی صلاح دی۔ جو فرسٹ کلاس جنٹلمین کرتے ہیں وہی ہم بھی کریں گے بس۔

جوالا سہائے : نامعقول۔ بس جنٹلمینوں کا تتبع شراب ہی پینے میں ہے یا کسی اور بات میں بھی تین روپیہ تو مکان کا کرایہ دیتے ہیں آپ اور دعوا یہ کہ ہم جنٹلمین ہیں۔ پروفیسر اِس تین سو ماہواری پاتے ہیں، اور پچاس روپیہ مہینے کے بنگلے میں رہتے ہیں۔ پرنسپل صاحب کی ایک ہزار تنخواہ ہے اور سوا سو کوٹھی کا کرایہ، میجر بنگ تین سو پنشن کے پاتے ہیں، اور ساٹھ کوٹھی کا کرایہ ہے۔ آپ شیری اور کلیرج پیتے ہیں۔ تو فرسٹ کلاس جنٹلمین بنتے ہیں، مگر رہیں گے تین ہی روپیہ ماہوار کے مکان میں۔ یہ بھی معلوم ہے۔ جنٹلمین جب ریل پر سوار ہوں گے، درجۂ اوّل کا ٹکٹ لیں گے۔ آپ کو ابھی پرسوں ہی تیسرے درجہ میں دیکھا تھا جنٹلمین بننا کیا خالہ جی کا گھر سمجھے ہیں۔ چلے وہاں سے جنٹلمین کی دم بن کے۔

ٹھاکر : اچھا آپ ہی بتائیے آج کل گرمی میں کس کا شغل کریں۔

جوالا سہائے : جن ہالنڈ جن۔ نہایت ہی سرد شراب ہے اور خاص گرمیوں کے قابل۔ واللہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہت سرد ہے۔

ٹھاکر : پھر اس سے تو کھیرے، الگڑی کے بیج ہی اچھے اگر سرد ہی چیزوں کے پینے کا خیال ہے تو خیارین نے کیا چوری کی ہے۔ کجا شراب یا عرق عنب الثعلب۔ اے لاحول ولا قوۃ گھو گھے ہی رہے۔

جوالاسہائے : اچھا تم کسی ڈاکٹر سے پوچھو کہ جن کیسی ہے۔ اور اس کی کیا خاصیت ہے۔ مفید ہے یا مضر ہے۔ نہایت سرد شراب ہے۔ پوچھ دیکھو نہ۔

ٹھاکر : اجی شرابیں میرے ناخون (ناخن) میں لکھیں ہیں جن گھوڑوں کے پینے کی شراب ہے جنٹلمین نہیں پیا کرتے۔

جوالاسہائے : تم ایسے جنٹلمین ایک روز پٹ بھی جاتے ہیں سمجھے؟ صاحب ایسے جنٹلمین ذلیل بھی ہوتے ہیں۔ شراب پینے کے لیے کیا جھپ سے جنٹلمین بن گئے۔ جنٹلمین! گنوار کے لٹھ، عمر بھر سوریاں چرایا کیے آج جنٹلمین بن بیٹھے، مگر یار وہم تو اُن ذاتِ شریف کے قائل ہیں، جنھوں نے اُن کو فرسٹ کلاس جنٹلمین بنا دیا۔ وہ بھرے بتائے بس حضرت بھی سمجھنے لگے کہ ہم بھی جنٹلمین ہیں۔ غضب خدا کا۔ اولڈ ٹام نہیں پیتے کہ ہم جنٹلمین ہیں اگر آدھی بوتل اور پیجیے تو کم سے کم اٹھائیس روپیہ مہینا صرف ہو پھر؟ تھوڑا ہی کچھ؟

ٹھاکر : اچھا برانڈی کے ساتھ ہم نے کیا ملایا تھا، یہ بتا دیجیے تو جانیں؟ ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔ اگر بتا دو۔ کیا دل لگی ہے۔

جوالاسہائے : حضرت میں اس کا خفقق نہیں ہونا چاہتا اور نہ میں فرسٹ کلاس جنٹلمین ہوں، آپ کو جنٹلمینی مبارک ہو۔ پھر دھوتی کیوں پہنتے ہو۔ کھانے میں وہی ہندو پن۔ پہتی اور موٹی موٹی روٹیاں جنٹلمین تو مٹن چاپ اُڑاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پی تو پانچ روپیہ بوتل کی شیمپین اور چوکے میں جا کے دال روٹی کھائی۔ لالہ کچوری مل جنٹلمین بننا دل لگی نہیں ہے۔ شیری اور شیمپین پینے سے بھی کوئی جنٹلمین بنا ہے۔ آپ کوٹھی کی کوٹھی پی جائیے تو کیا۔ جنٹلمین کی اور ہی صفتیں ہیں۔

اتنے میں کہاری نے آن کر کہا۔ رسوئیاں بن گئی تون بلادت ہیں۔ جوالاسہائے نے قہقہہ لگایا اور کہا کیوں حضرت یہی جنٹلمینیت کی لیتے تھے۔ اس وقت سردار آتا اور ہاتھ جوڑ کر کہتا۔ حضور حاضری ٹیبل پر خانساماں نے چنی ہے۔ لالہ کچوری مل شیری اور کلیرٹ پی کر اپنے منہ میاں مٹھو بن لو مگر جنٹلمین بننا بہت مشکل ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھاکر: آپ کی بلا سے ہم جنٹلمین نہیں نہ سہی۔ بس اب خوش ہوئے۔

جوالاسہائے: اچھا صاحب آپ جنٹلمین اور آپ کے باپ جنٹلمین۔ بس چلیے اب تو بکھیڑا نہیں رہا۔ مگر استاد تم تو خاندان کے فخر پیدا ہوئے، جنٹلمین بن بیٹھے، شیری اور شیمپین لنڈھانے لگے۔ اگر حضورِ والا کے بزرگوار تو جنٹلمین نہ تھے سنتر پشت سے کوئی اور جنٹلمین ہوا ہی نہیں۔ بجز حضور کی ذات کے کیوں خداوند! جھیپے تو نہ ہوگے۔ اے لاحول ولاقوۃ۔

ٹھاکر: ہم جنٹلمین ہیں، اور جنٹلمین بھی کون، فرسٹ کلاس۔

دس بارہ روز کے بعد ایک شخص نے صلاح دی کہ آج کل بیئر شراب ضرور پیا کرو۔ حضرت نے آدھی درجن بیئر کی منگوائی۔ کھولی اور پینے بیٹھے تو بد ذائقہ، ناگوار، بدمزا منہ بنایا۔ کہا بڑی کڑوی ہے بھئی۔

یاران سرپل: ایں! جنٹلمین کبھی منہ بنا کر بیئر نہیں پیتا۔

ٹھاکر: بیئر پینے میں منہ نہیں بناتے ہیں جی کھٹمل نے کاٹا تھا۔ بیئر کے تو پیپے کے پیپے چڑھا جائیں۔ یہ کون بات ہے بھائی۔

یاران سرپل: اجی ٹھاکر صاحب ایسے ویسے کو نصیب کہاں ہو۔

ٹھاکر: آدھی بوتل پی جاؤں گا آپ کے سامنے ہی نصف بوتل نہ پی جاؤں تو سہی۔ دیکھتے جائیے بس۔

یاران سرپل: حضور صبح شام کوئی آدھی درجن تو میم لوگ ختم کر دیتی ہیں۔ بیئر کوئی شراب تھوڑا ہی ہے۔ صرف شراب کا نام ہے۔

ٹھاکر: فی درجن کیا دینا پڑتا ہے۔ کوئی چھ روپیہ؟

یاران سرپل: جی نہیں کوئی پونے پانچ روپیہ ہوئے۔ بس اور کیا۔

ٹھاکر: ہمیں معلوم نہیں کہ فرسٹ کلاس جنٹلمین لوگوں سے ملتے کیونکر ہیں۔

یاران سرپل: حضور پہلے تو پٹے پر قلینچ کرائیے۔ البرٹ فیشن۔

ٹھاکر: اچھا، اس کے بعد۔ پہلا زینہ تو یہ ہے اور دوسرا۔؟

یاران سرپل: اس کے بعد منہ بنوائیے۔ جاکٹ پتلون پہنیے، بوٹ انگریزوں کا سالا یئے۔ کھٹ پٹ کرتے ہوئے بازار میں جائیے۔

ٹھاکر: انگریزی کپڑے ابھی نہ پہنیں گے۔ لوگ ہنسیں گے کہ کرشتان ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باران سرپل : تو فرسٹ کلاس جنٹلمین کیسے ؟ لوگوں کا خوف گیا۔

ٹھاکر صاحب نے پٹے پر قلینچ کرائے۔ چار ابرو کا صفایا ہوا۔ سمجھے کہ اب فرسٹ کلاس کے جنٹلمین بن بیٹھے۔ اب اس قدر کسر بھی نکل گئی۔ چھل چھلا ترش ترشا کے جنٹلمین بن گئے۔ ایک شخص نے کہا خداوند جنٹلمین تیسرے چوتھے کھانا ضرور دیتے ہیں۔ حضرت نے یہ بھی منظور کر لیا۔ دلی خواہش تھی کہ کس تدبیر سے فرسٹ کلاس جنٹلمین بنیں۔ کہا ہم بھی کھانا دیں گے۔ ہوٹل کے ایک خانساماں کو بلا کر کہا۔ ہمارے باورچی کو طرز بتائے جاؤ۔ اور فرسٹ کلاس جنٹلمین کے لائق کھانا پکواؤ۔ اس نے فہرست لکھوانے کے قبل دریافت کیا کہ کس قدر آدمی ہیں ؟ ٹھاکر صاحب نے کہا دس بارہ اب دعوت کے اخراجات کا تخمینہ سنیئے۔

ڈاک	فولز کٹلٹ	بیکن	مٹن	لوف	رائیس
عہ	عمہ	عہ	عمہ	عہ	عہ
سرکا	کری	پوٹیٹو	منڈ پوٹیٹو	.	فروٹ
معہ	ے	صہ	معہ	.	عہ
پزارڈ فروٹ	پکلس	شیمپین	شیری	.	وسکی
عہ	عہ	عہ	للعہ	.	للعہ
برانڈی	بیئر	سوڈا	لمونیڈ	.	اسٹوٹ
عہ	عہ	للعہ	عہ	.	عہ
کلیرٹ	چار	.	.	.	.
عہ	عہ	.	.	.	.

خانساماں : حضور یہ اوسط درجہ کے جنٹلمین کا کھانا ہے۔ بارہ بلکہ پندرہ آدمی بخوبی کھا سکتے ہیں دو چار چیزیں میں نے نہیں لکھوائیں جو حضور کے باورچی سے پک نہ سکیں گی۔ ٹھاکر صاحب حساب کرتے ہیں تو تین سو ستائیس روپیہ۔ اللہ اللہ ! اب چکرائے بھئی جنٹلمین بننا جوکھم سے خالی نہیں ہے۔ ایک ہی دعوت میں دِوالا نکل جائے گا۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ بارہ آدمی اور تین سو ستائیس روپیہ الاماں۔ الاماں اور فی آدمی ستائیس روپیہ چار آنہ خرچ۔ ہمارے باپ سے بھی اس قدر نہ ہو سکے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر قہر درویش بر جانِ درویش ؏ ہر چہ باداباد ماکشتی در آب انداختیم۔ ادھر اُدھر سے روپیہ لے کر آپ نے دعوت کی تیاری کی۔ یاران سرپل نے کہا حضور پرانے فیشن کی ڈیوٹ تو ہٹائیے۔ لمپ منگوایئے کم سے کم پانچ چھ دیوار کے لمپ ہوں اور تین چار ٹیبل لمپ۔ چبوترے پر یہ ٹاٹ جو بچھا ہے یہ ہٹایا جائے۔ اس پر فرش بچھے، اُس پر بستر ہوں۔ کرسیاں لگائی جائیں۔ یہ ڈیوٹ تو بابا آدم کے وقت میں ایجاد ہوئی تھی۔ نئی روشنی والے لمپ کے بغیر دم بھر نہیں رہ سکتے۔

ٹھاکر: بھئی ہماری تو ناک میں دم آگیا۔ اب سے آئے گھر سے آئے۔ اب آج سے جنٹلمین بننے کی کوشش نہ کریں گے۔ پیچ پی ہزار نعمت پائی۔ ہم درگذرے فرسٹ کلاس جنٹلمین نہیں، ہم پاجی ہی سہی۔

راوی: خیر اب تو سوچے۔ اب بھی سویرا ہے حضرت:

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کو ہکن بگڑا
چلا جب چال کوّا ہنس کی اس کا چلن بگڑا

شام کے وقت ایک صاحب نے کہا۔ حضرت ذرا اپنے آدمیوں کو حکم دیجیے کہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر آئیں۔ میلی کچیلی دھوتی باندھ کر جنٹلمینوں کے بیرا نہیں رہا کرتے۔ سر پر پگڑی۔ کپڑے صاف ہوں۔ ننگ دھڑنگ سامنے آنا کیا معنی۔ آدمیوں نے کئی مہینے سے تنخواہ نہیں پائی تھی۔ صاف ستھرے کیونکر رہتے۔ حضرت نے فی آدمی ایک روپیہ دیا کہ دھوبی کے ہاں سے کپڑے لو۔ کرایہ کی میز، کرایہ کی کرسیاں آئیں۔ ٹھیک وقت پر میزبان تشریف لائے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین نے سب سے ہاتھ ملایا۔ کرسیوں پر بٹھایا۔ باتیں ہونے لگیں۔

ایک: کرکٹ بال ضرور کھیلا کیجیے۔ جنٹلمین اس کے ازبس شائق ہوتے ہیں۔ اور یہ مکان جنٹلمین کے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ کوئی کوٹھی لیجیے۔

دوسرا: ہاں یار یہ تو ہم کہنے ہی کو تھے۔ ہے تو ایسا ہی۔

جوالا سہائے: (سلام کر کے) آداب عرض ہے۔ بس فرسٹ کلاس جنٹلمین بن چکے۔ آپ کی نقصانِ مایہ و دیگری شماتتِ ہمسایہ۔

ٹھاکر صاحب فرسٹ کلاس جنٹلمین کے نام ایک مہینے میں اس قدر بل آئے کہ ہاتھ پانو پھول گئے۔ گنوار آدمی تو تھے ہی سوچے کہ کسی کے سامنے تو بوتلیں منگوائی نہیں تھیں، ہم صاف مکر جائیں گے کہ جانتے ہی نہیں کس کی شراب، کیسی بوتل، کہاں کا بل۔ ہم شراب خوری اور بادہ گساری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا جائیں۔ اس زعم میں حضرت نے کچھ اور بوتلیں بھی منگوائیں سمجھے تھے کہ ٹکا تو خرچ نہ ہوگا، سوداگر کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ لو۔ دوسرے روز رواینڈ کمپنی کے ہاں کا بل آیا، کھولتے ہیں تو ٹوٹل دو سو اڑسٹھ روپیہ۔ ایں لیجیے تڑکا ہوگیا۔ ساٹھ روپیہ ماہواری کے کلرک اور دو سو اڑسٹھ کا بل۔ چپراسی سے کہا پرسوں آؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد فرونجی کی دکان کا بل آیا۔ ٹوٹل میں تین سو چھیالیس۔ چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ دانتوں کے تلے انگلی دبائی۔ کہا پرسوں لاؤ۔ اس کے بعد ایک اور سوداگر کی کوٹھی کا بل بلا کی طرح نازل ہوا۔ ٹوٹل ڈھائی سو روپیہ گیارہ آنے پانچ پائی۔ کہا کل کسی وقت آؤ۔ اب کل روپیہ کا حساب جو لگاتے ہیں تو آٹھ سو چونسٹھ گیارہ آنے پانچ پائی۔ یاالٰہی حساب کیوں کر بیباق ہوگا۔ ساٹھ روپیہ کی آمدنی، اور گانوں سے بہت ملے چالیس پچاس۔ چار سو روپیہ ماہواری کا گھر کا خرچ۔ تنخواہ میں پوری نہ پڑے گی۔ یہ ہزار روپیہ کے قریب کس سے ادا ہوگا۔ کوئی چودہ سو روپیہ ہو تو کام نکلے۔

ایک ہفتے تک بل پر بل آئے، اور چپراسی پلٹائے گئے۔ آخر کار دو ایک چپراسی دھرنا دے کر بیٹھے۔ کہا بے لیے ہم نہ جائیں گے۔ ہر روز آپ دوڑاتے ہیں۔ صاحب ہم پر الگ خفا ہوتے ہیں اور ٹانگیں الگ ٹوٹتی ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے ڈانٹ بتائی۔ کچھ پروا نہیں تم چلے جاؤ۔ برابر ایک چپراسی معاً چلا گیا، پر چلتے وقت اتنا کہہ گیا کہ حضور کہتے ہیں ہم فوراً چلے جائیں گے مگر دو چار روز میں فکر کر رکھیے گا۔ دوسرے چپراسی نے کہا۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہو وہ لکھ دیجیے، ہم صاحب کو دکھا دیں۔ ٹھاکر صاحب نے بل کی پشت پر پنسل سے یوں لکھا۔

ہمارے پاس یہ بل اٹھارہ تاریخ کو بھیجا جائے۔ ٹھیک اٹھارہ کو ہم روپیہ حوالہ کر دیں گے۔ اٹھارہ تاریخ کو پھر بل آیا۔ ٹھاکر صاحب کے دو ایک گنوار بھائی بند بھی آئے تھے۔ ٹھاکر نے چپراسی کو اشارہ کیا کہ الگ بیٹھو ان لوگوں کے سامنے نہ لاؤ۔ چپراسی چلا گیا مگر دوپہر کو پھر آیا۔ حکم ہوا پانچ بجے لاؤ۔ پانچ بجے آیا۔ کہا کل صبح کو آؤ۔

دوسرے روز رواینڈ کمپنی کی دکان سے یہ نوٹس آیا۔

ٹھاکر صاحب: ہم نے آپ کو زمیندار سمجھ کر دو سو سے زیادہ کا اسباب دے دیا۔ لیکن اتنے دن ہوئے آپ نے قیمت نہیں ادا کی۔ افسوس کا مقام ہے۔ اگر کل روسا ایسا ہی کیا کریں تو کوٹھی کیوں کر چلے۔ لہٰذا ہم نوٹس دیتے ہیں کہ آپ ازراہِ نوازش ہمارا روپیہ پرسوں تک بیباق کر دیں۔ ورنہ ہم نالش کے ذریعہ سے وصول کر لیں گے۔ فقط یہ نوٹس پڑھتے ہی ان کے ہوش فرد ہوگئے۔ فوراً جواب لکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب من۔ آپ کا روپیہ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر بھیج دیا جائے گا، مطمئن رہیے۔ حسن اتفاق سے اُسی وقت جوالا سہائے بھی آ گئے۔ ان کے بشرے پر نظر ڈالی تو سُست پایا۔ پوچھا اس وقت اُداس کیوں ہو۔ خیریت تو ہے؟ ٹھاکر صاف نے دبے دانتوں کہا۔ ہاں خیریت ہے۔ آپ بیٹھیے میں پوجا کر کے آتا ہوں۔ ٹھاکر صاحب پوجا کے پابند تھے، ادھر پوجا کرنے گئے اُدھر جوالا سہائے نے ایک اخبار اُٹھایا۔ اخبار پر ایک لفافہ رکھا تھا۔ ان کو مرض تھا کہ چاہے جس کسی کا خط ہو کھول کے پڑھیں گے ضرور۔ کھولا تو یہ عبارت نظر سے گذری۔

ٹھاکر صاحب: ہم نے آپ کو زمیندار سمجھ کر دو سو سے زیادہ کا اسباب دے دیا۔ لیکن اتنے دن ہوئے آپ نے قیمت نہیں ادا کی۔ افسوس کا مقام ہے اگر کُل رؤسا ر ایسا ہی کیا کریں تو کوٹھی کیونکر چلے۔ لہٰذا ہم نوٹس دیتے ہیں کہ آپ ازراہ نوازش ہمارا روپیہ پرسوں تک بیباق کر دیں ورنہ ہم نالش کے ذریعہ سے وصول کر لیں گے فقط اخاّہ، اب یہ نوٹس آنے لگے۔ خدا ہی خیر کرے۔ جب ہی ٹھاکر صاحب اُداس بیٹھے تھے۔ نوٹس لفافے میں بند کر کے میز پر رکھ دی۔ جب پوجا کر کے ٹھاکر صاحب واپس آئے تو یوں گفتگو ہوئی۔

جوالا سہائے: یار آج تو واقعی اُداس معلوم ہوتے ہو۔ وجہ کیا؟

ٹھاکر: جی نہیں۔ طبیعت ذرا سُست ہے۔ فضل الٰہی ہے۔

جوالا سہائے: میں ایک نہ مانوں گا چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔

ٹھاکر: آپ کو تو خبط ہے۔ وہی واہی تباہی باتیں کرنے لگے۔

جوالا سہائے: واہی تباہی باتیں نہیں کرتا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں، اور سُنیے حضرت! اگر آپ اسی طرح دو چار مہینے اور فرسٹ کلاس جنٹلمین بنیں گے تو پلٹ ہی جائیے گا۔ پیتے ہم بھی ہیں، اور خدا کے فضل سے ٹھرّا کبھی نہیں پیا۔ ہمیشہ برانڈی اور اولڈ ٹام ہی پیا کیے۔ مگر آمدنی کے مطابق دو سو روپیہ ماہواری تنخواہ ملتی ہے، اور اٹھارہ بیس روپیہ ماہواری کی شراب پیتے ہیں۔ بس یہ انتہا ہے ورنہ گیارہ بارہ پندرہ تک کا بل آتا ہے۔ آپ تو شیری اور شیمپین اور موریل استعمال کرنے لگے جو خاص اُمرا کے پینے کی چیزیں ہیں، جتنی چادر ہو اتنے ہی انسان پاؤں پھیلائے۔ ورنہ دو ہی دن میں بھیک مانگنے کی نوبت آئے گی۔ افسوس تو یہ ہے کہ کوئی کھو کے سیکھتا ہے، تم کھو کے بھی نہیں سیکھے۔ گانوں رہن رکھ چکے، مگر ابھی تک فرسٹ کلاس جنٹلمین کی بُو دماغ سے نہیں گئی۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے کے لیے زرِ کثیر اور حُسنِ تدبیر مُقدّم ہے۔ تم کل کے لونڈے بیس برس کا سن،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گانوں میں رہے گا۔ گانوں میں بڑھے گنوار کے لٹھ۔ تم یہ باتیں کیا جانو۔ جنٹلمین بننے کا ہم کو شوق ہے۔ مگر ان کی طرح اُلّو نہیں بنتے۔

ٹھاکر: بھائی جان۔ تم میں اور ہم میں کچھ فرق ہے۔ ہم رئیس ابن رئیس۔ امیر ابن امیر، تعلقہ دار زمیندار۔ لاکھ گئے گزرے ہوں۔ مگر بوئے ریاست نہیں جاتی۔ اور تم نوکری پیشہ لوگ، خاں ہیں نہ خاں کے اُونٹوں میں۔ آج نوکری جاتی رہے کل جوتیاں چٹخانے لگے۔ بس۔

جوالا سہائے: ہاں! یہ خبط ابھی باقی ہے۔ آپ بھی وَاللہ اُنھیں رئیسوں میں ہیں، جو گلی کوچوں میں جوتیاں چٹخاتے ہیں۔ اور نواب کہلاتے ہیں۔ ہمیں ایک نقل یاد آئی۔ ایک میاں صاحب، پھٹے حالوں جوتی کو سٹ سٹ کرتے ہوئے، سبزی منڈی سے نکلے تو دیکھا کہ ایک نوخیز کنجڑن نکھر کر دُکان پر بڑے ٹھسّے سے بنی ٹھنی ہوئی بیٹھی ہے۔ دُکان میں انواع واقسام کی ترکاریاں چُنی ہیں۔ ایک آدمی ناندوں سے پانی چھڑک رہا ہے۔ حضرت ـــــ نے اَدّھی کی کوڑیاں نکال کر کہا۔

میاں صاحب: بی کنجڑن۔ ذری اَدّھی کی پالک دے دینا۔ میں صدقے۔

کنجڑن: (تیکھی چتون کرکے) اُوئی دور ہو موئے۔ اَدّھی کا سودا کوئی ٹٹ پونجیے بیچتے ہوں گے۔ یہاں روپیوں کے سودے کرتے ہیں۔ چل پرے دور۔ اور سنو آیا ہوا وہاں سے ادھی کی کوڑیاں لے کے۔

اتنے میں ایک فقیر نے کہا میاں صاحب سلام عرض ہے۔

میاں صاحب: (منہ پھیر کر) اونہہ۔ کیا بدتمیز لوگ ہیں۔ گستاخ۔ ٹوپی سر پر رکھی اور سلام کرنے کو موجود۔ خبردار اب کی سلام کرنے آیا تو سر پر کچھ لپیٹ لینا۔ بے ادب، بدتمیز۔ نوابوں سے یوں مل کر تو قبلہ آپ بھی اُنھیں ٹوٹے پھوٹے نوابوں میں ہیں۔

ٹھاکر: اجی سُنا نہیں۔ رسّی جلی مگر رسّی کا بل نہیں جلا۔

جوالا سہائے: افسوس، صد افسوس، یہ خیال آپ کو بہت جلد ایسا ذلیل کرے گا کہ عمر بھر یاد کیجیے گا۔ رئیس کی دُم بنے ہیں۔ اے لاحول۔

ٹھاکر: خیر آپ کی بلا سے۔ ہم سمجھ لیں گے۔ آپ کو کیا۔ رئیس ہیں ہی ہم۔

ٹھاکر صاحب اور جوالا سہائے میں بڑی دیر تک گلگنپ رہی۔ آخر کار ٹھاکر نے اپنے دوست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو تشفی دی، اور کہا بھائی ہم گنوار نہیں ہیں۔ ہم بھی بہت دور بین ہیں مگر اتفاق سے چپیٹ میں آ گئے۔ خیر اب بھلا کوئی چکمہ دے لے تو جانیں۔ ٹانگ کی راہ نکل جائیں۔

جوالا سہائے : ہم تو اب رخصت ہوتے ہیں، مگر تمہاری خیر نہیں نظر آتی۔

ٹھاکر : خیر ہمارا ابھی خدا حافظ ہے۔ ہم بھگت لیں گے آپ کی بلا سے۔

اتنے میں دو ایک خدائی خوار آئے۔ علیک سلیک کے بعد ٹھاکر صاحب سے یوں گفتگو ہونے لگی۔ دونوں باہم سازش کر کے آئے تھے۔ ایک لالہ۔ دوسرے، میر صاحب کو خدا ایسوں کی صحبت سے بچائے۔

لالہ : حضور ایک صاحب نے کہا کہ آج کل ایک قسم کی شراب سب شرابوں سے عمدہ ہے۔ مقوی بھی، مفید صحت اور سرد۔

ٹھاکر : ہاں! کیا نام بتایا۔ ہم نے ضرور پی ہوگی۔ نام تو بتاؤ۔

میر صاحب : اس میں کیا شک ہے خداوند۔ حضور رئیس زادے ہیں۔

لالہ : خداوند اس کا نام بھلا ہی سا ہے۔ دیکھیے میں اس وقت بھولا جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ اس کا نام کار لووٹر ہے۔ خوب یاد آیا۔ ضرور منگوائیے گا۔ کار لووٹر۔ بڑی تعریف کرتے تھے ضرور منگوائیے۔

ٹھاکر : کار لووٹر۔ کبھی نام ہی نہیں سُنا۔ برانڈی کی قسم سے تو ہرگز نہیں ہے۔ اِکشا نمبر ون۔ اِکشا نمبر ٹو۔ بی ہایو۔ قرینس۔ بوفرٹ۔ ڈنس موٹی۔ پیل کو آئپنگ۔ انسی برانڈی، شیمپین برانڈی۔ جری برانڈی۔ یووی وی۔ کسی قسم کی برانڈی ہم سے چھوٹنے نہیں پائی۔ یہ کار لووٹر نیا نام سنا۔ کوئی ہے قلم دوات کاغذ منگواؤ۔

لالہ : حضور منگوا کر ایک دفعہ چکھ لیں پھر معلوم ہو جائے گا۔

میر صاحب : ہاں بس کیا بات کہی ہے۔ ایک ہی بوتل منگوائیے گا ایسا نہ ہو کہ حضور ایک درجن کے درجن منگوا لیں۔ پہلے آزما لیجیے۔

لالہ : جی اور کیا۔ حضور کا تو قاعدہ ہے کہ درجن سے کم منگواتے ہی نہیں۔ کاغذ اُٹھایا اور درجن بھر منگوالی۔

ٹھاکر صاحب نے روا اینڈ کمپنی کے نام فوراً ایک چھٹی لکھی۔ صاحب من۔ آپ مہربانی کر کے شراب کار لووٹر کی ایک بوتل ہمارے نام درج حساب کر کے لُطف فرمائیے —— راقم ٹھاکر انخ نوخرہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پندرہ منٹ میں آدمی بوتل لے کر آیا۔ ٹھاکر صاحب نے فوراً بوتل لی۔ پہلے لیبل پڑھا اور کہا اہو ہو۔ اچھی چیز ہے۔

لالہ: حضور فصل کی چیز ہے۔ ضرور پیا کیجیے۔ حضور والا! یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میر صاحب نے ایک شاعر باکمال کا ذکر چھیڑا۔ کہا حضور آج کل یہ سب شاعر غرّا اور سخندان بے ہمتا ہندوستان میں تشریف لائے ہیں۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ شیرازی ہیں۔ حضور اِن کو ضرور بلوائیں۔ ٹھاکر صاحب نے نام پوچھا۔ کہا حضرت مولوی محمد فضل رب صاحب عرشیؔ۔ ٹھاکر صاحب نے کہا نام تو ولایتوں کا سا ہے، اور تخلص بھی۔ شل عسجدی اور عنصری درود کی وقدسی و انوری وسعدی ایرانی معلوم ہوتا ہے۔

میر صاحب: خداوند معقول ومنقول فروع و اصول کُل علوم اور اصنافِ سخن پر قادر ہیں۔ اکیس روز کے عرصے میں تلخیص المفتاح کی شرح صنعتِ تعطیل میں لکھی۔ زبان آوری میں اس درجہ تحقیقات کامل ہے کہ مرزا نوشہ غالب سا اُستادِ مُسلّم الثبوت اُن کا مدّاح تھا اور سُنیے پاژند جو اعتقاد پارسیانِ عجم صحیفۂ آسمانی ہے۔ اس کی شرح ان صاحب نے بہ کمال لیاقت لکھی ہے۔ مولوی احسن اللہ خاں صاحب ثاقب مصنّف آتشِ کے بیداد اور منشی نثار احمد صاحب خاوری مُصنّف ارمغان پارس اور مولوی عبدالرزاق صاحب قادری مُصنّف کشکولِ دانش جناب مولانا کے تلامذہ ہیں۔ ایک غزل مصنفہ جناب ممدوح مجھے یاد ہے۔ سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ خاص اہلِ عجم کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

من نتائج سخنور خدا آگاہ فرزانہ روشن گہر، علامّہ جلیل فاضل نبیل حضرت ابو قاسم مولوی محمد فضل رب صاحب عرشیؔ۔

طوفانِ خیال ست جہاں ناز بران ہیچ — نقشے ست ز وہم تو مکین ہیچ مکان ہیچ
غافل ز قضا سعی تو بازو نہ کشاید — این ناچخ و تیغ و تبر و تیر و سنان ہیچ
تمثال حباب ست بد ہر آنچہ کہ بینی — خیز و نہ ازیں نقش بجز موج کمان ہیچ
لیلاے ترا ناقۂ توحید غزا لیست — محمل نہ کشودیم ازیں کثرتیان ہیچ
از بوالہوسی والۂ ہر شمع نہ گردید — پروانہ بود در نظر دیدہ وران ہیچ
آغاز چہ بود است کہ فرجام بہ سنجم — پیدا و نہان دو جہان جملہ بدان ہیچ
کثرت طلبد وحدتِ ارباب طلب را — اطلاق بود فارغ و تقلید بتان ہیچ

عرشیؔ نمکِ صبر برین زخم نریزیم
تکبیر قبول واثرِ شور و فغان ہیچ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ غزل سُن کر صاحب نے پوچھا یہ صاحب ہندو ہیں یا مسلمان ۔؟

راوی: اِس ذہن رسا، اور سوجھ بوجھ کے صدقے غزل اور نام اور تخلص سُن چکے ۔ میر صاحب نے بیس دفعہ کہہ دیا کہ مولانا فضل رَب عرشی کا کلام ہے ۔ اور ٹھاکر صاحب کو ابھی تک یہی نہیں معلوم کہ ہندو ہیں یا مسلمان ۔ پڑھ گئی کارلو دٹر زیادہ لنڈھائی ۔ ہندو بیچارہ ٹوٹی پھوٹی اُردو ہی کہہ لے تو ہم سمجھیں بڑا کام کیا ۔ فارسی کلام اور ہندو ۔؟

بُت بھی لینے لگے خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی ۔

میر صاحب: حضور محمدؐ فضل رب نام ہے ۔ تلخیص والمفتاح کی شرح بھلا ہندو کیا کھا کے لکھے گا ۔ جناب مولانا باتعلم والفضل اولئنا ۔ بڑے سخنور گرانمایہ ہیں ۔ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ۔ یہ غزل جو حضور نے سنی ہے ، اس میں حضور مولانا صاحب نے قلم توڑ دیے ۔ سُبحان اللہ ۔ سُبحان اللہ ۔ کیا دلکش کلام ہے ۔ حکم ہو تو اور بھی کلام سناؤں اور ان کو بلواؤں ۔

ٹھاکر: اچھا بُلواؤ ۔ ع

امن ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

راوی: عقل کے ناخن لو ۔ ڈھائی ڈھائی سو ، اور تین تین سو ، روپیہ ماہواری کی نوکریاں آتی ہیں ، اور وہ نہیں جاتے ۔ افتخار العلما خاتم الشّعر النواب قمر رکاب حضرت فخر الدولہ مرزا علاء الدّین احمد خاں بہادر والی لوہارو اور رئیس نامدار گردو مدار ، نواب صاحب بہادر جاوڑہ قدردانی فرماتے ہیں عالی جناب سرخیل آپا صاحب انگرہ بہادر کہ رئیس ثریّا جاہ ہیں ۔ انتہا سے زیادہ قدرو منزلت کرتے ہیں ، مگر ہمارے ٹھاکر صاحب بھی دُھن کے پکّے ہیں ۔ ٹکا پاس نہیں ۔ فارسی عربی سے خاک بہرہ ور نہیں ۔ مگر بلانے کو موجود یہ کارلو دٹر دریافت کرتے ہیں کہ ہندو ہیں یا مُسلمان ۔ چہ خوش تمام یوسف زلیخا پڑھ گئے ۔ مگر زلیخا زن بود یا مرد اس میں ابھی شک ہے ۔ گلستان چاٹے بیٹھے ہیں مگر حکایت کے معنی نہیں جانتے ۔

ٹھاکر صاحب نے نشے کی ترنگ میں مولانا صاحب کے نام ایک خط لکھا کہ آپ یہاں تشریف لائیں تو آپ کی قدر و منزلت کی جائے ۔ خط ڈاک کے ذریعہ سے بھیجنے ہی کو تھے کہ جوالا سہائے آ گئے ۔ خط پڑھتے ہی آگ ہو گئے ۔ ٹھاکر صاحب کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ۔ اور کہا آپ کے فشن کے ایک رئیس ہمیں ابھی ملے تھے ۔ اس کے بعد یہ روایت بیان کی ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک گنڈیری والا ٹوکرا سر پر رکھے گلی کوچوں میں صدا دیتا پھرتا ہے۔ گنڈیریاں پونڈے کی ایک افیمی نے یہ صدائے خوش آیند سنی، تو کفن پھاڑ کر چیخ اُٹھے۔ اے میاں پونڈے کی گنڈیری والے! ذری ادھر آنا، میری جان۔ گنڈیری والا آیا۔ افیمی نے پوچھا کتنے سیر دیں۔ کہا مول تول چھ پیسے ہیں۔ ایک گنڈے سیر آئیں گی۔ افیمی نے جھلا کر کہا سارے شہر میں ٹکے سیر بکتی ہیں۔ کھلا ہوا بھاؤ ہے۔ تمہاری گنڈیریاں ایسی کہاں کی انوکھی ہیں۔ گنڈیری والے نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا، اگر جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کرے تخت نہ نصیب ہو۔ اللہ اللہ اپنے حساب شہزادے ہیں۔ رہیں جھونپڑوں میں خواب دیکھیں محلوں کا۔ گنڈیریاں بیچنے نکلیں اور شہزادگی کی لیں۔ اے تیری قدرت۔ انھیں رئیسوں میں حضور بھی ہیں۔ ٹکا کفن کو پاس نہیں، اور فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے پر جان دیتے ہیں۔ ہم کو دیکھو کہ جنٹلمین بنے پھرتے ہیں، مگر عقل اور تمیز کے ساتھ۔

ایک روز فرسٹ کلاس جنٹلمین یعنی ٹھاکر صاحب کسی ضرورت سے ریل کے اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ کرایہ کی گاڑی سے اُترے اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں ایک ٹم ٹم آیا۔ ٹھاکر صاحب نے دیکھا تو جوالا سہائے۔ جوالا سہائے اس طرف سے عین پلیٹ فارم پر گئے جدھر سے یوروپین حکام اور جنٹلمین جاتے تھے۔ ریل کے کانسٹبل نے سلام کیا۔ دو ایک آدمی جو دروازے پر کھڑے تھے ہٹ گئے۔ جوالا سہائے کھٹ پٹ کرتے اندر داخل ہو گئے۔ ٹھاکر صاحب نے اِن کو دیکھا تو سخت شرماتے اور دل میں سوچنے لگے کہ ہم فرسٹ کلاس جنٹلمین، اور کدّروں میں بھریں۔ جوالا سہائے اس ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچیں۔ ایک دروازے کے پاس کھڑے ہوئے۔ جوالا سہائے سے علیک سلیک کے بعد کہا کہ آج کہاں کی تیاریاں ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت نے اندر آنا چاہا۔ کانسٹبل نے روکا۔ کہاں کہاں؟ ابھی ٹھہریے۔ ریل کے چبوترے پر سب کو جانے کا حکم نہیں ہے۔ جوالا سہائے نے کہا آنے دو۔ کانسٹبل ہٹ گیا۔ ٹھاکر صاحب تشریف لائے۔ اتنے میں اسٹیشن ماسٹر اپنے کمرے سے برآمد ہوئے۔ آتے ہی جوالا سہائے سے ہاتھ ملایا۔ وِل جوالا سہائے، کیا آج کہیں جانے کا عزم ہے۔ جوالا سہائے نے جواب دیا جی نہیں۔ ایک دوست آنے والے ہیں۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہل کر جوالا سہائے اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں گئے۔ ٹھاکر صاحب کو جرأت نہ ہوئی کہ جوالا سہائے کے ساتھ جائیں۔ ٹہلتے ٹہلتے دیکھا کہ ایک کمرے کے دروازے پر تختہ لگا ہے۔ اور اُس پر لکھا ہے (جنٹلمین کا ویٹنگ روم)، چپراسی سے پوچھا اس کمرے میں کیا ہے۔ کہا اس میں امیر لوگ آن کر بیٹھتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب اپنے دل میں سوچے کہ ہم بھی فرسٹ کلاس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنٹلمین ہیں، چل کے بیٹھنا چاہیے۔ اب سُنیے! اکراس کمرے کے قریب ایک اور کمرا تھا۔ اس کے تختے پر لکھا تھا " لیڈیز ویٹنگ روم"، حضرت اُسی کمرے میں گھس گئے۔ وہاں تین لیڈیاں بیٹھی تھیں۔ ایک کسی کرنل صاحب کی میم۔ دوسری ایک انجینر کی بیوی۔ تیسری کسی سولین کی مس۔ پہلے تو جھجکے مگر فرسٹ کلاس جنٹلمین ہونے کے زعم میں ایک کُرسی پر جا کر بیٹھے۔ میموں نے جوان پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ ایک ہندوستانی مرد لیڈیوں کے خاص کمرے میں بیٹھا ہے، تو بد دماغ ہوگئیں۔ چپراسی نے ان کے قریب اُن کر کان میں کہا۔ حضور یہاں نہ بیٹھیے میم لوگوں کا کمرا ہے۔ آپ نے جھلا کر جواب دیا۔ کچھ پروا نہیں۔ ہم فرسٹ کلاس جنٹلمین ہے۔ اتنے میں ریل کا ایک انگریز آیا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ول تم کون ہے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین، اور تم کا لفظ، ان کی شان میں کہا جائے۔ آگ ہو گئے۔ کہا ہم فرسٹ کلاس جنٹلمین ہے۔ ہم سے ایسی باتیں نہ کرو۔ صاحب جھلا گیا۔ تم ابھی کمرا چھوڑ دے گا۔ بس چلو۔ یہ لیڈیوں کا کمرا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جوالا سہائے اسٹیشن ماسٹر کے ساتھ ٹہلتے ہوئے، ادھر سے گذرے ایں! یہ کیا غل مچ رہا ہے۔ پردہ اُٹھایا تو دیکھا ٹھاکر صاحب سے کلنجپ ہو رہی ہے۔ ایں! آپ یہاں کہاں، خیر باشد۔

صاحب: یہ بدتمیز آدمی لیڈیوں کے کمرے میں آ کے بیٹھا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر: تم پاگل ہے یا کون ہے؟ ابھی اُٹھو یہاں سے یو فول۔

جوالا سہائے: نہیں۔ نہیں، ہمارے دوست اور معزز آدمی ہیں۔ ٹھاکر صاحب! اب یہاں سے اُٹھ چلیے۔ یہ لیڈیوں کا کمرہ ہے۔ یہ آپ کو کیا سوجھی کہ یہاں پہنچے۔

صاحب: ہم نے جو آہستہ سے کہا تو بگڑنے لگا۔ باہر چلو۔

ٹھاکر صاحب اس تو تو میں میں کے بعد نکالے گئے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمینی خاک میں مل گئی۔ جوالا سہائے نے آڑے ہاتھوں لیا اور کہا ایک دن جنٹلمین بننے کا شوق آپ کو پٹوائے گا۔ بغیر پٹے آپ ٹھیک نہ ہوں گے۔ مرد خدا انگریزی پڑھے ہوئے ہو۔ اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ لیڈیوں کے بیٹھنے کا کون کمرا ہے، اور جنٹلمینوں کے بیٹھنے کا کون کمرا ہے۔ ٹھاکر صاحب اور بھی پشیمان ہوئے مگر خود کردہ را چہ علاج۔ ایک مرتبہ ٹھاکر صاحب فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے کے لیے ریل کے فرسٹ کلاس میں سوار ہوئے۔ جب ریل چلی، تو آپ نے چرٹ نکالا اور دیا سلائی سے روشن کر کے پینے لگے جس درجے میں ہمارے نوجوان فرسٹ کلاس جنٹلمین بیٹھے تھے، اُسی میں ایک لیڈی بھی تشریف رکھتی تھیں۔ لیڈی نے کہا۔ آپ اس درجے میں چرٹ نہ پئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھاکر : وجہ؟ ہم بھی جنٹلمین ہیں۔ چرٹ نہ پینے کا سبب؟ کوئی چرکٹا مقرر کیا ہے۔ سب جنٹلمین چرٹ پیتے ہیں۔ ہم نے بھی پینا شروع کیا۔

لیڈی : نہیں۔ نہیں۔ آپ نہ پئیں۔ ہم کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بو ہمیں پسند نہیں ہے۔ آپ چرٹ نہ پئیں ہمارے سامنے ہم علیل ہیں۔

ٹھاکر : تو میم صاحب آپ مہربانی کرکے اسپیشل ٹرین چھوڑ دیجیے۔ کیا خوب۔ اب آپ کے سبب سے کوئی چرٹ نہ پیے۔ افسوس ہے کہ آپ ہمیں جنٹلمین نہیں سمجھتیں۔

اسپیشل ٹرین والا فقرہ سنتے ہی میم صاحب برافروختہ ہوئیں، اور فرسٹ کلاس کے دوسرے درجے میں جاکر ایک یورپین سے کہا کہ ہمارے درجے میں ایک بدتمیز ہندوستانی بیٹھا چرٹ پی رہا ہے۔ ہرچند ہم نے منع کیا مگر وہ ہماری نہیں سنتا۔ وہ صاحب پادری تھے۔ آہستہ سے کہا کہ جنٹلمین ہیں آپ؟ مہربانی کرکے چرٹ نہ پئیں میم صاحب کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ ٹھاکر صاحب نے جو اپنی شان میں جنٹلمین کا لفظ سنا تو کھل گئے۔ کہا بہت خوب۔ چرٹ پھینک دیا۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ یہ شخص بھی ہمارا سا فرسٹ کلاس جنٹلمین ہے۔ سچ ہے۔

خمیدہ کرتا ہے انسان کو جوہر شرافت کا
اصالت جس میں ہوتی ہے وہی تلوار کستی ہے

الغرض فرسٹ کلاس جنٹلمین بننے کے شوق میں کئی بار جناب ــــ ٹھاکر صاحب ذلیل ہوئے۔

ایک روز ٹھاکر صاحب اپنے مکان پر یاران سرپل سے گپ اڑاتے تھے، اور حوالی موالی ان کو اُلّو بناتے تھے کہ ایک پرانے دوست تشریف لائے۔ آتے ہی کہا۔

گو نہیں پوچھتے ہم سے وہ مزاج
ہم تو کہتے ہیں دعا کرتے ہیں

ٹھاکر : اخاہ آؤ بھئی کھلاڑی۔ کہاں رہے۔

دوست : زمین اور آسمان کے درمیان میں۔ کہو مزاج اچھے پرانے دوست سے فرسٹ کلاس جنٹلمین بڑے تپاک سے پیش آئے اور بڑی خوشی سے کہا کہ یار چپے ہم اب فرسٹ کلاس جنٹلمین ہوگئے ہیں۔

دوست : فرسٹ کلاس جنٹلمین ہوگئے؟ اے لاحول۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین بننا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلے یہ تو بتائیے کہ جنٹلمین کھاتے کیا ہیں۔ ؟

ٹھاکر : ہاں! یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ ہمیں نہیں معلوم۔

دوست : آخر آپ جو جنٹلمین بنے تو فرمائیے جنٹلمین کھاتے کیا ہیں۔ ؟

ٹھاکر : مغلی پراٹھے (مسکرا کر) سچ کہنا ہے کہ نہیں۔

دوست : مغلی پراٹھے تم کیا جانو۔ تم تُرئی کی بھاجی اور ساگ کھانا جانو۔ دو ٹکڑے سینک لیے پیالہ بھر دال رکھ لی۔ چلیے رسوئی ہوگئی، اور مغلی پراٹھے نئی روشنی کے جنٹلمین نہیں کھاتے جنٹلمین جب کھائے گا۔ لُوف، ٹوسٹ، بسکٹ، ریڈنگ بسکٹ۔

ٹھاکر : تو ہم کچھ ولایت کا کھانا تھوڑا ہی کھاتے ہیں۔

دوست : سُنیے! اگر جنٹلمین بننا ہے تو گانوں کے کوڑے کرو۔ گاہک کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔ اُونے پونے داموں پر الگ کرو۔ اور ایک بنگلہ مول لو۔ یا زمین لے کر بنوالو۔ ایک گھوڑا خریدو کم سے کم دو سو کا 14 یا 15 ہاتھ سے کم نہ ہو۔ چالیس روپیہ کا ساز خریدو۔ ایک بربلی کارٹ یا ڈاک کارٹ ہو۔ ایک کوچمین، ایک گراس کٹ، دو بیرا، دو سردار، دو باورچی، ایک چپراسی، ایک سقہ، ایک خاکروب، ایک چوکیدار۔

ٹھاکر : اب ختم بھی کروگے۔ یا ایک ایک کر کے دوالہ ہی نکال دوگے۔ خدا ہی خیر کرے۔ ایک یہ ہوا ایک وہ ہو۔ کچھ حد بھی ہے۔

دوست : ایک آیا ہو۔ ایک چھوچھو ہو۔ لڑکے پالنے کے لیے ایک عورت نوکر رکھیے اگر صاف سُتھرے کپڑے پہنے رہے۔ میلی کچیلی نہ رہے۔

ٹھاکر : یہ گاڑی اور گھوڑے اور چھوچھو اور آیا اور اتنے نوکروں چاکروں کی تنخواہ اور اخراجات کا متحمل کون ہو گا۔

دوست : پھر آپ جنٹلمین بن چکے، اور یہ دھوتی اُتاریئے لالہ دیتو پرشاد! اور یہ باریک کپڑے پھینکیے۔ شربتی اور جامدانی اور کامدانی کو دور کیجیے۔ اور ذرا قد بھی بڑھائیے۔ جنٹلمین بونے نہیں ہوا کرتے۔ کسی قدر پستہ قد ہوں تو خیر۔

ٹھاکر : (پیشانی پر ہاتھ پٹک کر) ہائے ستم۔ اب قد کس کے گھر سے لائیں۔

دوست : پھر ہونا تو ایسا ہی چاہیے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

ٹھاکر : اچھا گانو بیچتے ہیں۔ آپ کوئی خریدار بہم پہنچایئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوست : ہاں۔ہم ذمّہ دار ہیں۔ کتنے گانوٗں ہیں۔
ٹھاکر : اجی اب کہاں۔ اب تو دو گانوٗں رہ گئے ہیں بس۔
دوست : کوئی تین ہزار تک بک جائیں گے۔ خاصی حیثیت بن جائے گی۔
ٹھاکر : اجی حیثیت تو اب بھی بنی ہے۔ مگر جنٹلمین بننے کی ترکیب بتایئے۔
دوست : خاص الخاص جنٹلمین بننے کی یہی ترکیب ہے کہ گانوٗں کے کوڑے کیجیے، اور عمدہ بنگلہ لے کر اس میں رہیے اور شام کو مزے سے گاڑی پر ہوا کھایئے۔
ٹھاکر : اور شراب۔ اُس کا نام ہی نہ لیا آپ نے۔
دوست : لاحول ولا قوۃ۔ کس مُردار کا نام لیا۔ شراب کی فکر نہ کیجیے۔
ٹھاکر : اس قیل وقال کے بعد ٹھاکر صاحب نے اپنے دوست سے باصرار کہا کہ آپ مہربانی کرکے کوئی خریدار جلد بہم پہنچائیں۔ ہم نے ٹھان لی ہے کہ گانوٗں کو جلا کر ڈالیں۔ ان کے دوست نے کہا آج ہی لیجیے ایک مہاجن کو بُلاتے لاتا ہوں۔ دوسرے روز صبح کو لالہ بالمکند مہاجن کو لے کر ٹھاکر صاحب کے پاس آئے۔
دوست : تخلیے میں آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ ذرا ادھر آیئے۔ تو دو دو باتیں کرلیں۔ لالہ بالمکند تم بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔
بالمکند : ہاں ہاں۔ ہم نشانِ خاطر ہیں۔ آپ باتیں کیجیے۔
دوست : (کان میں) ٹھاکر صاحب۔ مہاجن کو تو ہم لے آئے۔ اب آپ توڑ کر لیجیے۔ بڑا سیدھا آدمی ہے۔ تین پانچ نہیں جانتا۔ اس سے فیصلہ کرلو۔
ٹھاکر : بھئی گانوٗں تمہارا، میں فیصلہ کرنے والا کون۔ کاغذات دیکھ لو قیمت چکا دو۔ نقدہ، حرمتہ۔ جو کچھ ملے نقد ملے۔
دوست : ہم تو جانتے ہیں کہ اس قدر قیمت وصول ہو جائے کہ ایک چھوٹا سا بنگلہ، اور ایک گاڑی، اور ایک گھوڑا، بیس بائیس کُرسیاں، دس بارہ مونڈھے، دو تین میزیں، چار لمپ، اور سٹ پٹ خرید سکیں، اور کچھ روپیہ بنک میں بھی رہے۔
ٹھاکر : لانا ہاتھ۔ بھئی خوب سوچے۔ بنک میں روپیہ ضرور رہے۔ اس سے انسان کا بھرم ہوتا ہے۔ ہے کہ نہیں؟
دوست : اجی ہم تو وہ بات بتائیں گے، جس سے آپ پکّے فرسٹ کلاس جنٹلمین بن جائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنک میں روپیہ جمع نہ ہو تو ہمارے نزدیک جنٹلمین نہیں، کوئی جنٹلمین ایسا نہیں جس کا روپیہ بنک گھر میں نہ ہو۔ مگر مہاجن سے ذرا نرم گفتگو کیجیے گا، اور چم چچڑ نہ بن جائیے گا کہ اس قدر نہیں اس قدر جو دے فوراً منظور کر لو۔

ٹھاکر : لاحول ولاقوۃ۔ ارے بھیا یہ تو تمہاری رائے پر منحصر ہے۔ ہم سے کیا واسطہ، جو دام تم اور وہ لگا دیں ہمیں منظور ہے۔ نکل جائیں جب ہی کہو۔ ایسی بات ہی بھلا۔

دوست : اچھا تو کچھ کہہ تو دو۔ ہمیں معلوم ہو جائے۔ مگر جنٹلمین مول تول نہیں کرتے۔ ایک بات کہہ دو۔ ہزار بار غرض ہو، چوم کے لیں۔ ورنہ اپنی رادھا کو یاد کریں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں۔ ہے کہ نہیں۔؟

ٹھاکر : عجب آدمی ہو واللہ۔ نامعقول۔ کہہ تو دیا کہ تیری رائے پر اس کا فیصلہ چھوڑا۔ اب سیاہ سفید کا اختیار ہے۔

دوست نے مہاجن کو علاحدہ بلا کر کہا لو بھئی یہ کاغذات ہیں دیکھ لو۔ اور جو دام لگاؤ ان سے کہہ دیں۔ سات آٹھ ہزار کا مال ہے۔ دو بڑے بڑے گانوں ہیں۔ مالگزاری بھلی چنگی ہے، اور لطف یہ کہ بندوبست کی جمع بھی کچھ سنگین نہیں ہے۔ مہاجن نے ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال کر کہا بھائی جان جو کہو دے نکلیں۔ مگر ہم تم مل جائیں تو پو بارہ ہیں۔ ان کو مل کے اُلّو بناؤ۔ کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے نزدیک گانوں کتنے کے ہیں۔

مہاجن : ہیں کوئی چھ ہزار کے۔ بس اور کیا ہوں گے۔

دوست : پھر وہی بے ایمانی کی بات۔ آٹھ ہزار سے کم پر اگر خرید و تو ہم ٹانگ کی راہ سے نکل جاتے ہیں۔ کیا دل لگی بازی ہے۔ حرام کا مال نہیں ہے، اور نہ مُردے کا مال ہے۔ جو واجبی بات ہو وہ کہو۔ آٹھ ہزار سے کم کے نہیں ہیں۔

مہاجن : اچھا پھر کتنے پر فیصلہ کرتے ہو۔ جو کہو۔ کچھ پڑھے لکھے بھی ہو۔ فخر کے ساتھ ایک شعر معاً زبان پر لائے۔ سبحان اللہ۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

راوی : اے صلِّ علیٰ۔ آپ تو اپنے وقت کے فیضی نکلے کہ قصیدہ سُنا اور حفظ۔ ایک لفظ کی بھول چوک بھی نہ ہونے پائی۔ کتنا ٹھیک اور صحیح شعر پڑھ دیا کہ سبحان اللہ، ذرا فرق نہیں۔ بلکہ اگر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیخ جی سے کوئی غلطی بھی بمقتضائے انسانیت سرزد ہوئی ہوگی تو آپ نے رفع کر دی ہوگی۔

دوست: ان سے تو تین ہزار کہو، اور کہہ کر اُٹھ کھڑے ہو۔

مہاجن: اچھا۔ مگر ہم جانتے ہیں، پہلے تین ہزار نہ کہو۔ پہلے دو ہزار سے چلو۔ آئندہ جو رائے ہو۔ اچھا چل کے بیٹھو تو سمجھا جائے گا۔

چہ نام کہ مولای نام توام

درم ناخریدہ غلام توام

راوی: اے سبحان اللہ۔ خیر موزوں شعر کو کس درجہ موزوں کر دیا۔ دوست اور مہاجن کرسیوں پر بیٹھے۔ مہاجن نے کہا پھر فرمائیے دو۔ ٹھاکر صاحب مسکرا کر بولے۔ حضرت (فرمائیے دواں سے کہیے) دوست نے کہا لالہ بالمکند۔ تم بھی کچھ کہو، اور وہ کون سا بڑا لمبا چوڑا معاملہ ہے۔ ایک ادنا سی رقم ہے۔ مہاجن نے سوچ کر کہا۔ ہم تو اِتنے کے گاہک ہیں۔ (اُنگلی کے اشارے سے بتا کر)۔

دوست: ایں! دو ہزار؟ معقول، سبحان اللہ۔

مہاجن: اچھا پھر آپ ہی کچھ کہیے۔ مولی گاجر تھوڑا ہی ہے۔

دوست: اجی دو ہزار کیسے تم ساڑھے تین ہزار کہہ کر تو دیکھ لو۔

راوی: واہ اُستاد۔ کیوں نہ ہو۔ مانتا ہوں۔ واللہ۔

مہاجن: اچھا پھر اب ہم جاتے ہیں۔ آپ ہم سے ملیے گا۔

ٹھاکر: کیوں کیوں خفا کیوں ہو چلے۔ بیٹھیے بیٹھیے!

دوست: (ہنس کر) ذرا چھری کے تلے دَم تو لو۔ آخر دو ہزار کیا سمجھ کر کہیے آپ نے کچھ حساب بھی ہے یا بے حساب ہے۔

مہاجن: کچھ آپ بھی کہیے گا۔ آپ کو جو کہنا ہو، وہ آپ فرما دیں چلیے چھٹی ہوئی۔

دوست: ٹھاکر صاحب فرمائیے کچھ آپ بھی فرمائیے۔ بسم اللہ۔

ٹھاکر: بھئی عجب بے تکے آدمی ہو۔ واللہ بے تکے۔

دوست: (گالوں پر تھپڑ لگا کر) قصور ہوا۔ سُنیے لالہ صاحب ساڑھے تین ہزار دینے ہوں تو سو دفعہ غرض ہو تو بسم اللہ ورنہ اللہ خیر صلاح۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: واہ رے اُستاد۔ کیا بے غرضی ہے اور ٹھاکر صاحب کے کتنے سچے دوست نکلے۔ واہ واواہ۔

مہاجن نے کہا ہم غور کرلیں تو جواب دیں۔ ٹھاکر صاحب کی طرف مخاطب ہوکر ہاتھ جوڑ کے عرض کیا۔ حضور بُرا نہ مانیے گا۔ ایک عرض ہے۔ جان بخشی ہو تو کہوں ؟ حضور میری تھوڑی سی اوقات ہے۔ ان کو میں اس میں کچھ نہ دوں گا۔ حضور یہ بھی اپنے ہی ذمّے لیں۔ دوست نے بگڑ کر کہا، کچھ سڑی ہوئے ہو۔ ارے میاں ہم سے اور ٹھاکر صاحب سے برسوں کا یارانہ ہے۔ باپ دادا کے وقت سے مراسم ہیں، پشتہا پشت سے بھائیوں کے مثل رہے ہیں۔ ان کا مال ہمارا مال ہے۔ ہمارا مال ان کا مال ہے۔ یہ کہتے کیا ہو۔ مجھے بھی کوئی دلّال مقرّر کیا ہے۔ معقول مہاجن نے کہا۔ صاحب سُنیئے! یاراں چوری نہ پیراں دغا بازی۔ چہرہ شاہی سکّے گن کے تین ہزار دیں گے۔ دودھ دھوئے منظور ہو لیجیے۔ ورنہ آپ کا مال ہے۔ دوست نے چہرہ بنایا۔ کہا۔ اچھا۔ آج شام کو فیصلہ ہو جائے گا۔ مہاجن رخصت ہوئے۔

ٹھاکر: تین ہزار دیتا ہے۔ جیسی رائے ہو۔ ارزان بکے جاتے ہیں۔ ہمارا خسارہ ہے اس میں آئندہ۔ ع

صلاحِ ما ہمہ آنست کان صلاحِ شُماست

دوست: اجی تین ہزار لیں۔ اور پانچ سو اور لیں۔

راوی: اللہ اللہ۔ اس قدر فائدے کے ساتھ گانوں بکیں گے، تین ہزار یہ لیں اور پانچ سو اور لیں، اور یار لوگ اپنے ہاتھ الگ گرمائیں۔ اور ٹھاکر صاحب کو بے وقوف الگ بنائیں۔ ایسے دوست بڑے خوش قسمتوں کو ملتے ہیں۔

شام کو دوست مہاجن کے مکان پر گئے کہا۔ سُنو بھائی جان ساڑھے تین ہزار پر توڑ ہوتا ہے۔ ساڑھے چار ہزار کا اس میں فائدہ ہے۔ پانچ سو چھوڑ دو تو بھی چار ہزار نلوہ بچتے ہیں۔ آدھے ہمارے آدھے تمہارے مہاجن مُسکرایا۔ آدھے اور تیہے تو ہم جانتے نہیں۔ اگر ساڑھے تین ہزار پر گانوں مل جائیں تو ڈیڑھ ہزار آپ کی نذر ہیں۔ دوست نے کہا ضمانت پوچھا کس کی ضمانت دلوائیں۔ کہا لالہ ہر چرن لال، حامی بھرلیں تو ہماری تشکین ہو جائے۔ لالہ ہر چرن لال کے پاس گئے۔ اُنھوں نے کہا جس دن لکھا پڑھی ہوگئی اُسی دن ڈیڑھ ہزار ہماری کوٹھی سے لے جانا دوست راضی ہوگئے۔ دوسرے دن ساڑھے تین ہزار پر فرسٹ کلاس جنٹلمین نے کوڑے کیے۔ تیسرے دن ایک ڈگا گھوڑا دو سو دس کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک زمیندار سے خریدا۔ نیلام میں بریلی کارٹ لیا۔ ایک بنگلہ سات سو کو مول لیا۔ سمجھے کہ اب ہم فرسٹ کلاس جنٹلمین بن گئے۔

شادی خواجہ شمیرنگ مبارک ہوئے
زوجۂ مشکی و پالنگ مبارک ہوئے

مسخروں کے پشت و پناہ گوکھوں کے قبلہ گاہ خواجہ بدیع الزمان صاحب کا نام نامی زبانِ قلم پر آیا، اور قلم کی باچھیں کھل گئیں۔ عرصے سے حضرت کا ذکر خیر نہیں ہوا۔ خطوں پر خط ٹوٹ پڑے کہ واسطے خدا کے خوجی صاحب کا حال تو بتائیے۔ جس رنگین طبع دوست سے ملاقات ہوئی، علیک سلیک کے پہلے یہی کہا کہ اجی حضرت خوجی کا حشر کیا ہوا۔ اب تو آنکھیں ان کے نام کو افسانے میں ڈھونڈتی ہیں ہم بھی سوچے کہ خیالِ خاطرِ احباب بذلہ سنج ضرور چاہیے۔ بقول میر انیسؔ

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں میں

اب سُنیے! کہ ادھر تو میدانِ کارزار میں میاں آزاد کے لب زخم چٹخارے بھر رہے تھے۔ اُدھر خواجہ بدیع الزمان شادی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اب ناظرین دنگ ہوں گے، کہ خاکی شادی کا خاکہ تو اُڑا چکے۔ اب یہ شادی کیسی۔ خواجہ صاحب رسیا اور رنگیلے تو تھے ہی۔ خوبرو اور نوخیز عورت پر نظر پڑی۔ ریشہ خطمی ہو گئے۔ مارے وحشت کے ہانپتے ہانپتے دم پھول گیا۔ مس روز کے ساتھ شادی کا شوق چرّایا، تو یارانِ سرپل نے کھوپڑی پلپلی کر دی۔ سرا میں ایک معشوقِ پری زاد سرو قدر شکِ شمشاد پر دل آیا، تو اس نے گود میں اُٹھا کر شہر بھر ہنڈایا۔ اب ایک اور پری پیکر رشکِ قمر پر حضرت بدیع الزمان ریجھے۔ مس میڈا اور ہرمزجی بھائی اور کل احباب خوش مذاق سے اکڑ کر کہا آج خواجہ صاحب پر ایک اور پری مرنے لگی۔ صورت دیکھتے ہی محبت کا دم بھرنے لگی۔ اُنھوں نے کہا سلامتی سے آپ خوشرو جوان ہی ایسے ہیں۔ کیوں نہ ہو خواجہ صاحب تمام قسطنطینہ میں آپ کی خوبصورتی کی دھوم ہے۔ جو دیکھتا ہے عشعش کر جاتا ہے۔ ایک رئیس زادی نے کل میرے نام خط بھیجا کہ آپ کی کوٹھی میں وہ گراں ڈیل آدمی کون ٹکے ہیں۔ بھئی تم ذرا سمجھ بوجھ کر بازار میں نکلا کرو۔ خواجہ صاحب اور بھی ریشہ خطمی ہو گئے۔ اکڑ کر کہا اب ہم کو خدا نظر بد سے بچائے۔ جدھر نکل جاتے ہیں، لوگ خواہ مخواہ گھورتے ہیں۔ حُسن بھی کیا شے ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا کی امانت ہے۔ ہرمزجی بھائی سے پوچھا۔ کیوں صاحب! وہ رئیس زادی جو ہم پر جان دیتی ہیں اُن کا مکان کہاں ہے۔ دور تو نہیں ہے۔

ہرمزجی : اب کہوں۔ مگر شادی مرگ نہ ہو جائے۔ پہلے اُنھوں نے خط بھیجا اور کہا کہ خدارا ہمیں اُس جوان قوس ابرد کے نام سے اطلاع دو، اور کوئی تدبیر ایسی کرو کہ ہم اُن سے باتیں کر سکیں۔ پھر خود دوڑی آئیں۔ کہا وہ کڑیل جوان کہاں ہے۔ دل و جان سے عاشق ہوں۔ پری ہے پری۔

ع۔ بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

خوجی : پھر آپ کو کیا۔ اللہ رے حسد کچھ ٹھکانا ہے۔ سنیئے! مشفق خدا اپنے سب بندوں پر یکساں مہربان ہے۔ کسی کو دولت دی۔ کسی کو صاحبِ اولاد کیا۔ کسی کو علم کی دولت بخشی۔ کسی کو زورِ عطا کیا۔ ہم کو دولتِ حُسن عطا کی۔ اللہ میاں کی دین ہے۔ اس میں کسی کے باپ کا اجارہ نہیں۔ مگر ہم غریبوں کو اس قدر حُسن دیا تو کیا۔ یہ حُسن شہزادیوں بادشاہ زادیوں کے قابل تھا نہ کہ مردوں کے لائق۔

ہرمزجی : خواجہ صاحب جو کہیں آپ عورت ہوتے تو معاذ اللہ ستم ہی ڈھاتے۔ ہزاروں خون ہو جاتے۔ تلواریں چلتیں۔ خون کی ندیاں بہتیں، اور ہمیں تو یقین واثق ہے کہ دو ایک دنوں میں آپ کے سبب سے جنگ چھڑ جاتی۔ لاکھوں کی جان پر بن آتی۔ خوب ہوا کہ آپ عورت نہیں ہیں۔

خوجی : اب اس دکھڑے سے کیا مطلب ہمیں اُس پری کا صنم خانہ بتاؤ۔

ہرمزجی : ہم آپ کی گفتگو نہیں سمجھے۔ ذرا سمجھ کر کہیے۔ صاف صاف۔

خوجی : اُس خانساماں کو بلوائیے تو سمجھایا جائے۔ یہ ذرا نازک معاملہ ہے۔ ایسا نہ ہو ہم کچھ کہیں آپ کچھ سمجھیں یوں میزان نہ پٹے گی۔

اے عشق قطع کردہ رہِ سلسبیل را
از ما سلام شوق رسان جبرئیل را

راوی : اوہو ہو۔ بعد مدت ایک برجستہ اور فی البدیہہ شعر سبحان گیہاں خواجہ بدیع الزمان صاحب کی زبانِ مبارک سے سننے میں آیا۔ گفتگو سے کس قدر چسپاں ہے کہ گویا شاعر نے اُسی موقع کے لیے یہ شعر موزوں کیا تھا۔

ہرمزجی : اور جو ہم یہیں بلوا دیں تو کیسی ہو۔ مشکور ہو یا نہیں۔؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی : کیا خوب نیکی اور پوچھ پوچھ۔ خاصے رہے۔ پھر بلوا دیجیے :

ہم نشیں جب مرے ایّام بھلے آئیں گے
بن بُلاتے وہ مرے گھر میں چلے آئیں گے

،، ،، بی اور مس میڈا نے باہم مشورہ کیا کہ دل لگی دیکھنے کے لیے کسی عورت کو بُلوانا چاہیے۔ ہر مزجی نے خواجہ صاحب سے کہا حضرت آپ ذرا سج وھج بنا کے بیٹھیے، تو ہم اُس پری پیکر کو بلوائیں۔ دیکھتے ہی جان قربان نہ کرو تو سہی۔

خواجہ : ہاں! تو کیا ہم سے بھی زیادہ حسین ہے۔ اللہ اللہ!

ہرمزجی : کچھ آپ سے گھٹ کے بھی نہیں ہے۔ حور کا بچّہ ہے۔

خواجہ : اور ہم بھی تو حور کے بچے ہیں۔ ہیں یا نہیں۔

خواجہ بدیع الزمان نے ہرمزجی سے کئی سوال کیے۔

سوال : پہلے تو ہمیں یہ بتائیے کہ سن وسال کیا ہے۔ ٹھیک ٹھیک کہنا۔

ہرمزجی : سن وسال! ابھی سن کیا ہے۔ یہی کوئی پچاس برس کا۔

خوجی : اے ہے بس۔! ابھی اُٹھتی جوانی ہے۔ پچاس برس کی چھوکری ہے ابھی نام خدا اُٹھتی جوانی ہے۔

خدا ترا بُتِ ناداں دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

کیوں صاحب عمر تو معلوم ہوئی۔ اب یہ فرمائیے کہ قطع شریف کیا ہے۔

ہرمزجی : ہر عضو بدن سانچے کا ڈھلا ہوا۔ ہر رگ و پے میں آبنوس کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور چہرے پر وہ رنگ و روغن ہے کہ جلتے جلتے توے پر نیل پڑے تو بھی اس قدر نہ چمکے۔

خوجی : اُہو ہو۔ یہ چمک دمک۔ اچھا نزاکت کا کیا عالم ہے۔

ہرمزجی : بس یہ نہ پوچھیے نزاکت کا یہ عالم ہے کہ ویلر گھوڑے پر اگر سوار ہو تو اُس کی کمر لچک جائے، بہتر جگہ سے بل کھائے۔

خوجی : اہاہا۔ بس ایسی ہی جورو ہم چاہتے ہیں اور کیا :

کمر تک جو زلفِ چلیپا گئی
میاں وہ کمر لاکھ بل کھا گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ویلر گھوڑے تک کی کمر لچک جائے یہ نزاکت کا عالم ہے! نازنینی کا خاتمہ ہے۔ حسین تو ہم بھی ہیں مگر اس درجہ نازک بدن نہیں۔ خدا نے چاہا تو اٹھوارے ہی میں شادی ہو جائے۔ ہم بھی خوبصورت۔ وہ بھی خوبصورت، پھر شادی میں طرفین سے عذر کس کو ہو سکتا ہے۔ جس دن دم توڑوں گا۔ اپنے نازک بدن نازنین نازک کمر معشوق کی طرف مخاطب ہو کر یہ شعر ضرور پڑھوں گا:

ڈال دے سایہ اپنے آنچل کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

ملتبیڈا: اگر ہماری دعوت نہ کی تو ہم شادی نہ ہونے دیں گے۔

خوجی : اے ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ کلمہ لفظی زبان سے نہ نکالو۔ (نہ) تو منحوس لفظ ہے۔ یہ کہو کہ خدا کرے ہنسی خوشی بیاہ ہو جائے۔

ہرمزجی: ناک کی تعریف کروں تو لوٹ پوٹ ہو جاؤ۔

خوجی : اجی ناک گئی ایسی تیسی میں۔ کُل سراپائی تعریف کرو۔

ہرمزجی: اچھا یوں سہی۔ کان لمبے لمبے۔ ہندوستان کے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور بلند اقبالی کی یہ کیفیت کہ اونچا سُنتی ہے۔ قوّت سامعہ سے بے بہرہ ہے۔ اور آنکھ تو ایسی دیکھی ہی نہیں۔ ایک ایک ماشے کی آنکھ۔ ذرا ذرا سی۔ جس وقت ہنستی ہے آنکھیں بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ ہی نہیں ہے۔ یہ کمالِ حُسن ہے کہ آنکھ موجود ہو اور پھر بالکل مفقود اور جو ذرا غصّہ آیا تو گاؤ دیدہ۔ پلکیں ندارد۔ آنکھوں کا جوبن اس سے اور دوبالا ہو گیا۔ اور بھووں کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف بالکل صفا چٹ۔ یہ بہت مشکل ہے۔ اور دوسری طرف دو چار بال۔ آنکھ چھوٹی بھویں ندارد۔ پلک کا پتہ ہی نہیں۔ گال پھولے پھولے۔ جیسے نان پاؤ، یا خمیری روٹی یا ہوائی تکیہ اور رخساروں پر اس قدر دہنیت ہے کہ بیان سے باہر۔ جسم از سر تا پا جیسے تمباکو کا پنڈا۔ یا آبنوس کا کُندا۔ کالے کالے مُنہ سفید سفید دانت بعینہٖ جیسے تمباکو کے پنڈے ٹیاں کوڑیاں جمی ہوں۔ پاؤں ذرا ذرا سے۔ کوئی آدھ آدھ گز کے بعتان چینی ایسے چھوٹے چھوٹے، اور ننھے مُنّے پاؤں دیکھ لیں تو شرما جائیں۔ بازار میں اگر جوتا پہننے جائے تو اپنے پانوں کا جوتا نہ پاتے۔ آدھ آدھ گز کے۔ ذرا ذرا سے کس کے پانوں ہوں گے۔ قد سرو سے بھی زیادہ لمبا:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب اُس کو سرو باندھے ہیں تو اس کو تاڑ باندھ
بوسے کی گر ہوس ہو تو گرد اس کے پاڑ باندھ

اگر بوسہ لینے کو جی چاہے تو درخت پر چڑھ جائے، یا اونٹ پر سوار ہو کر بوسہ لے۔ کوئی ڈھائی انچ کے قریب قدِ زیبا ہوگا۔

راوی: یہاں پر چکمہ کھا گئے۔ یہ ہجو ملیح ڈھائی انچ کا قد، اللہ اللہ، سرو اور تاڑ دونوں کی اصل و حقیقت نہیں۔

خوجی: مزاج کی تعریف تو کیجیے۔ مزاج کیسا ہے۔ رطوبت تو نہیں ہے۔

ہرمز جی: میں ادھوری بات نہیں کرتا۔ پہلے سراپا کی صفت سن لیجیے۔ ٹانگیں ایسی سڈول کہ واہ جی واہ۔ ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ کوئی دو فٹ بڑی، چلنے کے وقت اُٹو کرتی چلتی ہے۔

خواجہ صاحب اُس دل ربا طنّاز کے حُسن و جمال کی تعریف سُن کر عاشق زار ہو گئے۔ ہزار جاں سے نثار ہو گئے:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ہرمز جی بھائی نے کہا۔ ساری خدائی میں جو عورت آپ نے دیکھی ہوگی دونوں پانوں زمین میں برابر پڑتے ہوں گے۔ مگر اُس کی چال مستانہ کی شان ہی اور ہے۔ ایک پانوں اُونچا ایک نیچا ہوتا ہے، ایسی چال کسی معشوق کی کاہے کو ہوگی، اور سب حُسن ایک طرف، خرام ناز ایک طرف۔ کبک اور تدرو کا نام ہی مشہور ہو گیا۔ یہ اونچا نیچا پانوں طیور کا کیوں کر پڑ سکتا ہے۔ اور جب اُونچا نیچا پانوں پڑتا ہے تو وہ تن جاتی ہے۔ ہائے ستم، ہائے ستم۔ چال کیا اظہارِ رمز نشیب و فراز عالم ہے۔

خوجی: ہونہہ۔ اس حسد سے ذرا سمجھے۔ کہنے لگے ہائے ستم وائے ستم۔ وہ پانوں چاہے جیسا پڑے۔ آپ کو کیا۔ وہ ہماری ہم اُس کے آپ ہوتے کون ہیں۔ آپ سے واسطہ ہی کیا ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد از بن من دیگرم تو دیگری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہرمزجی نے اقرار کیا کہ دو گھنٹے میں ہم اس رشکِ قمر کو بلوائیں گے۔ خوجی بازار کی طرف سدھارے کہ دو گھنٹے اِدھر اُدھر دل بہلائیں۔ بازار میں چلے تو خوب تنتے، اکڑتے، بررتے ہوئے۔

خوجی دل میں خوش کہ دور و یہ عورتوں اور رہروؤں کی ہم پر نظر پڑتی ہو گی۔ چلتے چلتے ایک کوٹھی میں داخل ہوئے۔ وہاں دو فرانسیسی لیڈیاں کچھ اسباب خرید رہی تھیں۔ حضرت بھی قریب جاکر ڈٹ کے کھڑے ہوئے۔

ایک لیڈی: (فرانسیسی زبان میں) تم یہاں کیوں کھڑے ہو گئے۔

سوداگر: (ترکی زبان میں) یہاں پر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اِدھر اُدھر اسباب دیکھیے۔ تمام کوٹھی بھری ہوئی ہے۔ سمجھے کہ نہیں سمجھے۔

خوجی: کچھ کچھ سمجھے کچھ کچھ نہیں سمجھے۔ اچھی طرح بیان کرو۔

سوداگر: یہ کیا وجہ ہے کہ جہاں معزّز لیڈیاں کھڑی ہیں۔ وہاں آپ آن کر کھڑے ہو گئے۔ نہ کوئی شے خریدتے ہو، نہ اسباب دیکھتے ہو۔ اُنھیں کا مُنہ تاک رہے ہو۔ اب ہٹتے ہو یا کچھ اور فکر کروں۔

خوجی: ابے ہم ان کا مُنہ تاکتے ہیں، یا وہ ہمارا مُنہ تاکتی ہیں۔ بیوقوف پاگل آدمی۔ ہمارا ساکڑیل جوان کوئی دکھا تو دے۔ دو گھنٹے میں ہرمزجی کی کوٹھی پر آ، تو ایسی پری دکھادوں کہ آنکھیں کھل جائیں۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کہے گی کہ ہمارے ساتھ شادی کرلو۔ ہم کہیں گے کہ (ہرگز نہیں) وہ محبت کرے گی۔ ہم معشوق بن جائیں گے۔ وہ جھڑکیاں سہے گی اور کہے گی میں عاشق زار ہوں۔ ولدادۂ نرگس بیمار ہوں۔ ہم کہیں گے۔ نہیں نہیں وہ گلے میں ہاتھ ڈالے گی ہم کہیں گے الگ الگ نہیں نہیں۔ تب وہ یہ شعر پڑھیں گی۔

گالی سہی، ادا سہی، چین بر جبیں سہی
یہ سب سہی پر ایک ادا کی نہیں نہیں سہی

سوداگر سمجھا کہ پاگل ہے۔ آدمیوں سے کہا اس کو یہاں سے ٹہلاؤ۔ اس پر اُن دونوں لیڈیوں میں سے ایک بتِ عربدہ جو نہایت شوخی کے ساتھ مُسکرائی۔ تو خوجی سمجھے ہماری ادا اُس کو دل و جان سے بھائی۔ اور بھی اکڑ گئے۔ اکڑے ہی تھے کہ پیچھے سے ایک آدمی نے مشکیں کس لیں دوسرے نے گردنا بتایا خوب پٹے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی: اوگیدی او بہروپیے! اچھا بچہ بچا بنا کے چھوڑوں تو سہی۔ اگر جواں مرد ہے تو آ جا سامنے۔ بھرکے پہلوان کو تو ہم نے پٹخنی بتائی تو کیا ہے۔

سوداگر: اس کو باہر لے جاؤ۔ یہاں کوئی شیشہ نہ توڑ ڈالے۔

خوجی: قسم ہے اپنے مرید کی، اگر اس وقت قرولی ہوتی تو ابھی بھونکتا کہ تکے تکے اڑا دیتا۔ سر یہ گرتا دھڑ وہ گرتا۔ ایک فیر میں کام تمام کر دیتا۔ کمیدانیاں کی ہیں۔ بھاڑ نہیں جھونکا کیے ہیں۔ ع

سہ پشت سے ہی پیشۂ آبا سپہ گری

اس پر اس لیڈی نے قہقہہ لگایا۔ زبان تو اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئی۔ مگر ان کے قد و قامت خط و خال اور چال ڈھال اور اندازِ بیاں پر بڑی ہنسی آئی۔ دوسری لیڈی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دیوانہ اس وقت کیا اچھل کود رہا ہے۔ خوجی نے اس لیڈی کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔ چہ خوش چرا نباشد۔ ع

رخ میری طرف نظر کہیں اور

ہے کون سی یہ وضع بھلا سوچیے تو آپ
باتیں اِدھر کو کیجیے اُدھر آنکھ ماریے

آدمیوں نے دھکے دے کر ان کو باہر نکالا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر انھوں نے غل مچایا۔ بھلا بے گیدی بھلا۔ سمجھا جائے گا۔ یہ فرانس کی لیڈیاں جو ہم ایسے کڑیل جوان کو دیکھ کر مسکرائیں تو حسد کی آگ بھڑکنے لگی:

توانم آنکہ نیازارم اندرونِ کسی
حسود راچہ کنم کوز خود برنج دراست
بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجی ست
کہ از مشقتِ او جز بمرگ نتوان زیست

کوئی دو گھنٹے کے بعد خواجہ صاحب مٹر گشت کر کے ہرمزجی کی کوٹھی پر شاداں و فرحاں پہنچے۔ دیکھا ہرمزجی باغ میں ٹہل رہے ہیں۔ قریب جا کر کہا اہاہا ہرمزجی! آج دو کو اور گھائل کیا۔ فرانس کی دو پریاں ایک کوٹھی میں اٹھلا رہی تھیں۔ خواجہ بدیعی بھی دن سے داخل ہوئے۔ تو ڈورے ڈالنے لگیں استاد خدا نظر بد سے بچائے جو دیکھتا ہے ریجھ جاتا ہے۔ حُسن اس کو کہتے ہیں۔ یہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن خدا داد ہے۔

اتنے میں ایک گاڑی آئی۔ ہرمزجی نے کہا لو وہ آگئیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج آپ نے سنگار نہیں کیا۔ اب نکھر کے آؤ خوجی تن کر کُرسی پر بیٹھے اور بآوازِ بلند اس مصرع کو ترجمانِ دل کیا۔ گو میاں مٹھو بنے، مگر شاعری میں تعلّی بھی جائز ہے۔ حالانکہ یہ تعلّی نہ تھی۔ ع

بآب ورنگ و خال وخط چہ حاجت روی زیبارا

گاڑی سے ایک بھدّی دیونی د بنگی بوڑھی عورت اُتری۔ ٹھلی تو ایک پانو عرشِ برین پر۔ دوسرا تحت الثریٰ میں۔ خوجی نے جو اس دیونی کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ ہرمزجی نے کرسی پر بٹھایا۔ ملیڈا نے خوجی سے کہا۔ لیجیے اب باتیں کیجیے۔ خوجی کچھ یوں ہی سا مطلب سمجھے۔

خوجی: ہرمزجی بھائی۔ انھوں نے یہی کہا نہ کہ ان کو غور سے دیکھو۔ ان سے کہہ دیجیے کہ دیکھے پاپوش۔ ہم معشوق ہیں کچھ عاشق تھوڑا ہی ہیں۔ یہ باتیں کریں ہم۔ ن۔ خ۔ معاملے کی بات ہے کہ نہیں۔

ملیڈا: بھلا تم حسین ہو یا یہ حسین ہیں۔ سچ سچ کہنا ہاں۔

خوجی: اس میں کہنا سننا کیا ہے۔ حسین ہم اور یہ دونوں ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہ عورت ہے۔ پریزاد۔ ہم مرد وتے ہیں۔ دیوزاد ٹرخ ٹرخ نور دونوں کے رُخِ زیبا سے برس رہا ہے۔ وہ آفتاب ہم مہتاب لیکن نزاکت ستم ہے۔ ہم اس قدر نازک بدن نہیں ہیں۔

ہرمزجی: ہاتھ تو ملاؤ۔ آخر باتیں کروگے، یا نہ کروگے۔ ہاں ہاں باتیں شروع ہوں۔

خوجی نے کہا، ہمیں کیا غرض ہے۔ جسے غرض ہو ہاتھ ملائے۔ وہ عورت سکھائی پڑھائی تو تھی ہی۔ اشارہ پاتے ہی خوجی کی ناک اس زور سے پکڑی کہ ان کا دم نکلنے لگا۔ جب دس بارہ سیکنڈ کے بعد ناک چھوڑی تو خوجی دس قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ناک سُرخ بیر بہوٹی بنی ہوئی۔ ملیڈا اور ہرمزجی مُنہ پھیر کر ہنسنے لگے۔ وہ عورت بھی کسی قدر مُسکرائی۔

خوجی: (بگڑ کر) واہ اچھا غمزہ ہے۔ ناک ہی پکڑ کے مل ڈالی۔

ہرمزجی: ایں! چپ! ایسا نہ کہنا۔ ثابت قدم رہو۔ تمہاری طاقت آزمائی ہے۔ ڈٹے بیٹھے رہو ورنہ معاملہ بیچ جائے گا۔ یہی موقع ہے۔

خوجی: واہ۔ طاقت کی ایک ہی کہی۔ خدا کرے مصر والا پہلوان آجائے تو پھر ان کو ہماری طاقت کا حال معلوم ہو۔ ہرمزجی صاحب ایسا پہلوان تھا کہ بس میں کیا کہوں۔ یہ چیچے (ہاتھ سے دکھا کر)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ کلمہ ٹھلا۔

اتنے میں وہ دیونی اُٹھی، اور خوجی کے دونوں کان پکڑ کر، اس زور سے ہلایا کہ آنتیں تک ہل گئیں۔ دو تین بار اس زور سے جھٹکے دیے کہ خوجی کے پُنھتر بگڑ گئے۔ خواجہ بدیع الزمان کی جان پر بن گئی۔ مگر ہرمزجی نے تو پٹی پڑھادی تھی کہ طاقت آزمائی ہے۔ "قہرِ درویش بر جانِ درویش" چُپکے ہو رہے۔ لیکن نیم جان ہانپنے لگے۔ ناک میں دم!

ہرمزجی: اب شادی کی کوئی تاریخ مقرّر کیجیے۔ کل پرسوں نرسوں۔

خوجی: پرسوں۔ مگر یہ تو نازک ایسی ہے کہ ہمیں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ انتہا سے زیادہ نازک بدن ہے۔ ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں گوشت ندارد۔

یہ گفتگو ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُس عورت نے خوجی کو اُٹھا لیا، اور ایک روش میں ٹیک کر ٹانگ رکھ دی، تو خوجی کا دم نکلنے لگا۔ بس نزاکت کا خاتمہ ہے۔ اللہ رے نازکی۔

خوشی اور رنج

ادھر ترکانِ تہمتن، لشکر شکن، اور اُدھر روس کے جوانانِ جنگجو میدانِ نبرد میں بادل سرد واہ پُر درد پڑے آنکھیں مانگتے تھے۔ دونوں فوجیں ضربتِ شمشیرِ آبدار سے سخت مجروح ہوتی تھیں۔ شام سے آدھی رات تک اس درجہ طاقت اور ہوش و حواس نہ تھے کہ ہل سکیں۔ کوئی بیہوش پڑا تھا۔ کوئی سسک رہا تھا۔ کوئی مُرغ بسمل کی طرح تڑپتا تھا۔ مارے زخموں کے بدن رنگین اور دشتِ ستم لالہ زار تھا۔ ہر فردِ بشر اجل سے دوچار تھا۔ جب عُروسِ شب کی زلف تا بکمر پہنچی تو:

مہِ روشن از تیرہ شب تافتہ
چو آئینۂ روشنی یافتہ
دو لشکر بہ یکجا گروہ آمدند
شدند از خصومت ستوہ آمدند
بہ آرامگہ آمدند از نبرد
زتن زخم شُستند واز روے گرد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زخمیوں نے العطش العطش کی آواز بلند کی۔ جن لوگوں نے کم زخم کھائے تھے وہ مشکیزوں اور ابریقوں میں پانی لائے۔ ڈاکٹروں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی فکر کی۔ اس درجہ ہڑبونگ تھا کہ روسی اور رومی میں ذرا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ روسیوں نے رومیوں کو پانی پلایا۔ ترکوں کے مشکیزے آب سرد سے بھرے ہوئے روسی زخمیوں کے حصّے میں آئے۔ ترکی جرّاحوں نے مجروحینِ روس کا علاج کیا۔ روسی ڈاکٹروں نے ترکوں کا ہاتھ بٹایا۔ دو تین گھنٹے کے بعد روسی اپنے مورچے پر گئے۔ رومی اپنے مورچے پر۔ زخمی ڈولیوں میں لد کے آئے۔

آزاد پاشا زخموں کے سبب سے سخت مصیبت میں تھے۔ آٹھ روز تک ان کی حالت ردی رہی۔ یہاں تک کہ ایک دن ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ اس حالتِ نومیدی میں آزاد نے حسن آرا کے نام ایک نامۂ منظوم لکھا جس کے حرف حرف سے حسرت اور مایوسی ٹپکتی ہے۔ لفافہ بند کیا اور بصد خشوع و خضوع ایک افسر سے کہا کہ مہربانی کرکے یہ خط اسی وقت روانہ کر دیجیے۔ مگر خدا مسبّبِ الاسباب ہے۔ پندرہ دن کے عرصے میں آزاد پاشا کے زخم بھر گئے۔ بیسویں روز پھر مورچے پر گئے۔ آزاد پاشا کی بسالت کا روز ایک نیا ثبوت ملتا تھا۔ جس روز ان کے زخموں میں جرّاح کامل فن نے ٹانکے لگائے، کسی کو امید نہ تھی کہ آزاد اس سختی کو برداشت کر سکیں گے۔ مگر واہ رے آزاد! اُف تک نہ کی۔ جرّاح کا ہاتھ کانپنے لگا، تو آزاد پاشا نے مسکرا کر کہا، ایں! عمر بھر یہ پیشہ کرتے رہے اور زخموں کو دیکھ کر ڈرتے ہو۔ یہ تو تمنّائے جواں مردی ہے۔ ہمیں دیکھیے کس جواں مردی کے ساتھ لڑے اور زخم کھائے۔ تم سے ٹانکے نہیں لگائے جاتے، جس وقت یہ کلمہ آزاد شیر دل کی زبان سے نکلا حاضرین نے نعرہ توصیف بلند کیا اور سپہ سالارِ عساکر سلطانی نے پیٹھ ٹھوک کر کہا شاباش۔ ع

آفرین باد بر بن ہمّتِ مردانۂ تو

ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سپہ سالار نے حضور وزیرِ جنگ کو بھی اس اشجع افسر کی جرات سے اطلاع بخشی اور وزیرِ جنگ نے بہ طیّب خاطر پروانۂ خوشنودی عطا فرمایا جو آزاد پاشا کی تعریف و توصیف سے مملو تھا۔

اب سنیے! کہ ایک روز روس کے یلان آزمودہ کار اور ترکی کی فوج جرّار صف باندھ کر مقابل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں کھڑی ہوتی۔ رومی جانب میمنہ روسی جانب میسرہ دونوں لشکروں کے جوانانِ کشور آشوب تلے ہوتے کہ شمشیر ہمدردی کے جوہر دکھائیں۔ اُدھر روس کی فوج سے:

دُہل کوب شد بر دُہل خشمناک
برآورد فریاد از آب و خاک

روسی نوجوانانِ لشکر شکن، فوجی باجا سُنتے ہی مست ہو گئے۔ ادھر فوج روم سے بھی صدائے زنگ آنے لگی:

زغرّیدن کوسس خالی دماغ
ہمی لرزہ اُفتاد در کوہ و راغ

وائیں دائیں کی آواز سے کوہ وہاموں میں زلزلہ پڑ گیا۔ دو دِا تواپ اژدر وہاں سے کائنات الجو میں ابر سیہ چھا گیا۔ توپوں پر بتی پڑتی تھی۔ فوج جان پر کھیل کر لڑتی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں گل رُخانِ گل بدن کفن پوش ہوئے۔ بے شمار مردانِ کاری صنم اجل سے ہم آغوش ہوئے۔ ہزوراکی صدائے مست سے آواز نکلتی تھی کہ ہاں غازیانِ سکندر شان بڑھے ہوتے۔ ہاں شیرانِ نیستانِ وغا قدم جمع رہیں۔ رکابِ ظفر انتساب سے حمیت گرم ہم عنانی ہے۔ فوجِ ظفر موج نمک پروردۂ حضرتِ سلطانی ہے۔ سروں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ دھوئیں سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا تھا۔ گولوں سے دم بھر مُہلت نہیں ملتی تھی۔ وہ گولا آیا۔ وہ راکب گرا اور پشتِ مرکب خالی نظر آنے لگی۔ دوسرا گولا آیا۔ پھٹا تو بیس ٹکڑے۔ ایک ایک ٹکڑے نے دس دس کے ٹکڑے کیے اس وقت صدہا خوشرو اور خوشخو جوانوں کی جان گئی۔ ایک نوخیز جونیر افسر ایک معزز ترکی تاجر کا لڑکا تھا۔ والدین سے لڑ بھڑ کر شریک نبرد ہوا تھا۔ تاجر بوڑھا آدمی پیر فرتوت ایک ہی لڑکا حُسن میں بے نظیر فصیح و خوش تقریر، ہمیں عنفوان شباب چندے آفتاب چندے مہتاب، شادی کو دو ہی مہینے ہوتے تھے کہ عروس اجل سے ہمکنار ہوا۔ دو میدانوں میں پالا جیت چُکا تھا، مگر جنگ دو سردار اب کی ایسا پھنسا کہ ایک گولے نے کام ہی تمام کر دیا۔ پُشتِ توسن سے گرا تو اللہ اکبر اللہ اکبر کے سوا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلا۔ اُس بے کلی و بے کسی کی حالت میں آزاد کے قریب ایک سوار کا سمند ہوغا پسند تھا۔ یہ بیچارہ اندھی اور لنجی بیوی کو ایک خادمہ کے سپرد کر کے صرف ترکی کے نام پر جان دینے کے لیے میدان میں آیا تھا۔ آفسرین صد آفریں گولے کا ایک ٹکڑا لگا تو دھم سے گرا۔ قضا نے مہیب شکل دکھائی تو سوار اجل رسیدہ کو اپنی لنجی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اندھی بیوی یاد آئی۔ سوچا کہ اب وہ بیچاری مصیبت کی ماری کیا کرے گی۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مرے گی۔ اس قابل بھی نہیں کہ بھیک مانگ کھائے۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مرغِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ایک گولہ انداز پیرانہ سالی کے عالم میں سرکاری نوکری قبول کر کے اس غرضِ خاص سے آیا تھا کہ روس کی فوج میں تاک تاک کر گولے اُتارے۔ چن چن کے افسروں کو مارے۔ ساری خدائی میں اس پیر مرد کا بجز ایک پانزدہ سالہ عورت زہرہ جبین کے اور کوئی عزیز کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ جس وقت پیر مرد نے عزمِ جنگ کے لیے کمرِ ہمت چُست باندھی لڑکی نے دامن پکڑ لیا اور کہا کہ ہم نہ جانے دیں گے۔ اُس وقت کی گفتگو سُننے کے قابل تھی۔

پیر مرد نے کہا بیٹا میں پُرانا اور آزمودہ کار گولہ انداز ہوں۔ گو اب میں نے نوکری چھوڑ دی، مگر حمیت کی رگ جوش زن ہے۔ کہ ایسے وقت میں حضرتِ سلطان کے لشکر میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔ مرنا برحق ہے۔ جو لوگ اپنے ملک کے لیے عمدہ کاموں میں جان دیتے ہیں، جو فرمانروائے وقت کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح حقِ نمک ادا کرتے ہیں۔ مرتے دم تک یہی حوصلہ ہوتا ہے۔ کہ اگر دس منٹ اور زندہ رہتے تو اور لڑتے۔ ایسا خوش نصیب ہو توے کہ اس طرح پر جان دے۔

لڑکی بولی، ابا جان! یہ سب سچ مگر میرا بھی کچھ خیال ہے۔ صاف صاف کہتی ہوں کہ ایک تو نوجوانی کے دن ہیں، دوسرے اتنے بڑے گھر میں اکیلی کیونکر رہوں گی۔ رات تو موت کا سامنا ہو گا۔ دن کو گھر پھاڑ پھاڑ کھائے گا۔ دم بھر چین نہ آئے گا۔ ابا اس خیال سے درگزرو۔ مجھے کس کے سپرد کیے جاتے ہو۔ اس اتنے بڑے شہر میں تمہارے سوا اور میرا کون ہے۔ جب تم بھی چلے گئے تو میں کس کی ہو کے رہوں گی۔ پھر جنگ میں زندگی کا اور بھی کم اعتبار ہے۔ میرے ابا کمر کھول ڈالو۔ واسطے خدا کے لیے کمر کھول ڈالو کہاں جاتے ہو نہیں نہیں۔ میں ہرگز ہرگز نہ جانے دوں گی۔ آخر پھر میرا کون ہے۔

پیر مرد کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ قریب تھا کہ کمر کھول ڈالے۔ مگر حمیت مانع ہوئی۔ کہا بیٹی تجھے ہم نے خدا کے سپرد کیا۔ وہی تیرا محافظ اور دستگیر رہے گا۔ مگر عصمت کا خیال رکھنا۔ کسی کے کہنے سننے میں نہ آنا۔

اس فقرہ پر وہ عفیفہ پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ کہا ابا جان میں زیادہ اصرار نہیں کر سکتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم اپنے ملک کی طرف غازی جاتے ہو۔ اور مقتضائے حمیت بھی یہی ہے۔ مگر ہائے ابّا جان اتنا تو سوچو کہ میں کیا کروں گی اس اتنے بڑے غدّار شہر میں ایک متنفس کو بھی نہیں جانتی ہوں۔ کبھی برقع اوڑھ کر دہلیز کے باہر قدم نہیں رکھا۔ مہینوں تمہارے سوا، اور کسی سے بات چیت کرنے تک ــــ کا اتفاق نہیں ہوا، اور تم جانتے ہو، تو مجھے کسی کے توسپرد کر جاؤ۔ ورنہ میں کڑھ کڑھ کے مر جاؤں گی۔

پیرمرد نے ٹھان لی تھی کہ چاہے جو کچھ ہو۔ جنگ پر جانے سے باز نہ آؤں گا۔ کہا بیٹی اب تمہارا خدا حافظ ہے۔ ہم اپنے ساتھ عاقبت کی منزل میں بس یہی ایک توشہ لیے جاتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں جان بکف شریک ہوتے ہیں۔ آسمان کی طرف ہاتھ کر کے بصد گریہ وزاری کہا بارخدایا! اس لڑکی کو شرِّ آفات سے بچانا۔ (لو بیٹا اب ہم رخصت ہوتے ہیں) یہ کہہ کر پیرمرد نے باہر قدم رکھا وہ مصیبت زدہ ستم رسیدہ ابّا ابّا کہتی ہوئی جھپٹی کہ کمر پکڑلے، اور جانے نہ دے مگر پیرمرد نے باہر سے دروازہ بند کرلیا اور دم کے دم میں غائب ہوگیا۔ اپنے بوڑھے باپ کو غائب اور مکان کو اکیلا اور محلّے کو سُونا پاکر وہ بیچاری ناکردہ کار عفیفہ سخت گھبرائی۔ تمام عالم اس کی نظروں میں تیرہ و تار تھا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے سر پیٹا، کبھی کوٹھے پر گئی کبھی نیچے آئی۔

خیر یہ داستانِ غم تو ایک طرف رہی۔ اب سُنیئے گو بوڑھا گولہ انداز اپنے فن میں یکتا اور عدیم التسہیم تھا، نہایت دانائی اور بخردی کے ساتھ گولے اُتار رہا تھا۔ دفعتہً پیک اجل لبّیک کہتا ہوا اسر پر آن کھڑا ہوا۔ ایک روسی گولہ انداز نے ایسا تیر بہدف نشانہ لگایا کہ پیرمرد کا دھڑ اُڑ کر پچاس قدم پر گرا اور ٹانگیں کٹ کر توپ کے پاس گریں۔ افسوس پیرمرد کے مرنے کا غم نہیں۔ مگر حسرت یہ ہے کہ اس بیچاری پری پیکر پر کیا گذری ہوگی۔ پیرمرد نے تو وہ کارِ نمایاں کیا جو یادگار رہے گا مگر اُس بیچاری کی خدا جانے کیا نوبت ہوئی ہوگی۔

ایک نشیبن اور روئیں فن جوان اپنے بوڑھے باپ سے جُدا ہو کر شریک نبرد ہوا تھا۔ بوڑھے نے لاکھ سمجھایا۔ نشیب و فراز دکھایا کہ بیٹا اس عالم پیری میں مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ مگر اس جوان نے ایک نہ سنی۔ کہا ابّا اب تو ہم کو جانے دو۔ زندگی ہے تو پھر ملیں گے ورنہ رخصت! بوڑھے نے اپنے لڑکے کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ ایک دم بھر کی جدائی بھی ازبس شاق گذرتی تھی۔ مگر اس جوان نے اخباروں میں روس کی یورش کا حال جو پڑھا تو آگ ہوگیا۔ قسم کھائی کہ جاؤں گا اور اس جرأت سے لڑوں گا کہ زندہ واپس نہ آؤں گا۔ عین اس وقت معرکہ دار و گیر گرم تھا۔ اس کے فرس تند خو پر گولا پڑا گھوڑا گرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور ساتھ ہی یہ بھی گرے۔ گرتے ہی دو گھوڑوں کی ٹاپیں ایسی پڑی کہ بھیجا نکل پڑا۔ ہائے افسوس۔ وائے افسوس۔

روسیوں کی طرف بھی صدہا آدمیوں کا سر خاک و خون میں غلطان۔ پچاسوں لڑکے یتیم ہو گئے سیکڑوں پری تمثال عورتوں کو سوہاگ کے عوض سوگ نصیب ہوا۔ والدین کی زندگی تلخ ہو گئی۔ ہزار ہا آدمیوں کی تمناؤں کا خون ہوا۔ آخر کار ترکوں نے بسر کردگی سپہ سالار جنگ آزما روس کی فوج کو دو جانب سے گھیر لیا۔ تیسری سمت ایک دریائے قہار موجزن تھا۔ چوتھی طرف ایک لق و دق جنگل۔ جب دو طرف سے باڑھ پڑنے لگی۔ تو روسی فوج کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک یلان نامور نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ ترکی فوج یورش کرتی آتی ہے۔ اور روسی سپاہ مجبور ہو کر پیچھے ہٹتی جاتی ہے تو مقابلہ کو خلاف مصلحت سمجھ کر یہ صلاح قرار پائی کہ جنگل کے رخ بھاگیں۔ چند سواروں کو ترکان خونخوار کے مقابلے کے لیے چھوڑ کر فوج روسیہ نے جنگل کی راہ لیں۔ اب سنیے کہ ترکوں نے جنگل میں دو پلٹنیں پہلے ہی سے بھیج دی تھیں۔ تھوڑی دور تک فوج روس گئی تھی کہ ترکوں نے جو کمیں گاہ اور جھاڑیوں کی آڑ میں چھپے تھے باڑھ ماری۔ روسی گھبرا اٹھے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب سوچے کہ غنیم اچھی چال چلا۔ نہایت سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ پلٹے تو یہاں ان کے معدودے چند سواروں کا قلع و قمع ہو گیا تھا۔ اور فوج ترکی ان کے تعاقب کے لیے جنگل کی طرف جاتی تھی۔ ادھر وہ دونوں پلٹنیں بھی کمیں گاہ سے سیل عظیم کی طرح امنڈ پڑیں روسیوں کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے بتیس دانتوں میں زبان کوچہ ہائے گریز بند ہو گئے۔ ترکوں نے بھون ڈالا۔ آخر کار روس کی فوج نے پناہ مانگی اور قریب ڈھائی سو سواروں اور پیادوں کے گرفتار ہو گئے۔ جن میں بائیس افسر تھے۔

اس جنگ عظیم میں بھی آزاد پاشا نے بڑے بڑے کارنمایاں کیے۔ جنگل میں بھی انھیں کی تجویز کے مطابق دو پلٹنیں بھیجی گئی تھی گئی افسروں کی رائے اس کے خلاف تھی مگر آزاد نے دلائل قاطع و براہین ساطع سے ان سب کو معقول کر دیا۔ جس وقت روسی چند سواروں کو مقابلہ فوج ترک کے لیے چھوڑ کر جنگل کی سمت گئے تھے۔ آزاد ہی کی صلاح سے تین سو سوار جانب دریائے زخار بھیجے گئے تھے تاکہ اگر جنگل کے شمال کی طرف فوج غنیم بھاگے تو یہ تین سو سوار اس کا مقابلہ کریں اور تین طرف سے غنیم کو گھیر لیں۔ روسیوں نے جب دیکھا کہ دو طرف ترکوں کی فوج محاصرہ کیے ہوتے ہے اور جنگل بھی خالی نہیں ہے تو شمالی سمت سے حسب پیشین گوئی آزاد پاشا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھاگنا چاہا۔ وہاں سوارانِ ترک کے پرے دیکھ کر رہے سہے حواس اور بھی غائب ہوگئے۔ الغرض اس جنگ میں خاص آزاد پاشا کی صلاح اور دور اندیشی سے ترکوں نے غنیم کو شکست فاش دی سپہ سالار نے وزیرِ جنگ کو فوراً اس فتح کی خبر دی اور لکھا کہ اِس محاصرہ و مجادلہ میں آزاد پاشا کی دور اندیشی سے ہم کو بڑا فائدہ پہنچا۔ جب جنگ سے نجات ملی اور ترکوں نے کمر کھولی تو نقارۂ فتح وفیروزی بلند ہوا۔

علم برکش اے آفتابِ بلند
خرامان شو اے ابرِ مشکین پرند
بنال اے دل رعدِ چون کوسِ شاہ
بخند اے لبِ برق چون صبح گاہ

تین دن تک اس لشکر نصرت اثر نے دم لیا۔ غنیم نے ایسی شکست پاکر پھر مقابلہ نہ کیا۔ چوتھے روز آزاد پاشا کے نام حضور وزیرِ جنگ کا ایک پروانۂ خوشنودی پہنچا۔ جس کی رو سے وہ ڈسٹیسیر کیولری افسر مقرر ہوئے۔ شام کو آزاد پاشا کے نام ایک خط آیا جس پر ہندوستان کی مہریں تھیں۔ دیکھا تو حُسن آرا کے دستخط نہ پائے۔ متحیر ہوئے کہ یا الٰہی کس کا خط ہے۔ کھولا تو ذیل کی عبارت نظر سے گذری۔

نامہ بنام نامی حضرت آزاد پاشا

کیوں میاں کچھ بسنت کی بھی خبر ہے ٹرکی میں بیٹھے بھاڑ جھونکا کرو خبردار اب اس طرف آنے کا رُخ نہ کرنا۔ مگر واللہ کتنے سیدھے سادے مسلمان ہو تین پانچ تو آتی ہی نہیں۔ ایک چھوکری نے انگلیوں پر نچایا۔ ایسا بنایا ایسا بنایا کہ عمر بھر نہ بھولو گے۔ ہات تیرے کی۔ ایسے مرزے میں آئے کہ ٹرکی چڑھ دوڑے۔ بھلا سلف سے آج تک کسی دوشیزہ عفیفہ نے بھی یہ اقرار کیا تھا کہ میاں فلاح شخص تم مورچے پر جاؤ تو ہم نکاح پڑھوائیں بھائی جان! تم نے گہرا چکما کھایا کہ اب کسی کو مُنہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔ اگر غیرت دار ہو تو چلّو بھر پانی میں ڈوب مرو جا کے، اے لاحول میاں یہاں ایک نیا گل کھلا۔ لکھوں تو ابھی تڑپنے لگو۔ ایک روز تیرہ رواج صباحت بدرمنیر سپہر وجاہت، حُسن آرا بیگم کو شوق چرّایا کہ بستی کے باہر سوار ہو کر گاڑی پر ہوا کھائیں۔ مغلانی اور مہری ساتھ ہوئیں۔ سپہر آرا بیگم اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور جہاں آرا بیگم اور دو ایک اور ہمجولیاں سوار ہوئیں۔ بستی کے باہر پہنچیں۔ تو ایک مقام پر نیا گل کھلا۔ دو سفید پوش بھی سڑک پر چلے جاتے تھے۔ اور بگھیاں آہستہ آہستہ جاتی تھیں۔ تو اُن دونوں رہرووں میں باتیں ہونے لگیں۔

بیمار: حضرت کوئی شعر حسبِ حال کہیے، مگر حسرت یار ضرور ہو۔

فگار: حسبِ حال بھی ہو اور حسرت یار بھی ہو۔ بسم اللہ سُنیے۔

رات دن اُٹھتے چلے جاتے ہیں احباب وعزیز
اے فلک روز کہاں تک کوئی ماتم میں رہے

بیمار: آپ بھی واللہ نرے بے تکے ہی رہے یہ حسبِ حال شعر پڑھا؟

فگار: جی ہاں۔ حسبِ حال! آپ کو دُنیا و مافیہا کی خبر ہی نہیں۔ آزاد سا جوان جہاں سے اُٹھ گیا۔ ٹرکی میں ایک گولا عین آزاد کے سر پر پھٹا۔ بس اُسی دم جان سن سے نکل گئی۔ عجب خوشرو جوان تھا یہ دیکھیے آزاد کی تصویر ہے توسن تیز گام یہ گرا ہے اور آزاد یہ مرے پڑے ہیں۔ اور گولا یہ پھٹا ہے۔ ہائے کس بیکسی میں اس خوبرو جوان نے جان دی اتنا سننا تھا کہ حسن آرا گاڑی سے کود پڑی۔ تصویر دیکھی تو غش آگیا۔ دو تین مہینے تک سوگ نشین رہی اس کے بعد ایک بگڑے دل نے ٹانچا پہلے ڈورے ڈالے۔ پھر پیغام بھیجا، چلیے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا۔ شہر میں خبر گرم ہے کہ۔ ع

پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

اب آپ پہاڑوں سے سر ٹکرائیے اور دشت و ہامون میں بستر جمائیے۔ ہندوستان میں آنے کا نام نہ لینا۔ میاں اگر عشق صادق ہوتا تو حسن آرا کو ہرگز یقین نہ آتا مگر عشق خام تھا۔ پھسل گئی۔

میں نے آج ایک اخبار میں تمہاری تعریف پڑھی تو خوب رویا۔ ہائے افسوس! آزاد تو جنگلوں اور بیابانوں اور میدانوں میں سر ٹکراتے پھریں اور اوپر والے مزے میں رہیں۔ اب حُسن آرا کے عشق و نکاح سے ہاتھ دھو۔ وہاں ہی کوئی فکرِ معقول کر لو۔ حُسن آرا اب ایک جوان طنّاز کے بس میں ہیں۔

بیماری فراق میں مرتا ہی خوب ہے
کیوں رنج انتظارِ مسیحا اُٹھائیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد کے خرمنِ دل پر عین فرط طرب میں بجلی گری۔ خط پڑھتے ہی دھم سے زمین پر گر پڑے تو بیہوش۔!

رخشت سمندایں چہ بلا شوخ نگاریست
کز گرد رہِ اوست برخِ مہر غباریست
صیاد من آہونگہی شیر شکاریست
دل بستہ فتراکِ سرِ زلف سواریست

ع

از چنگِ خرد رفتہ عنانم چہ تواں کرد

ترکی فوج دریا موج ایک لق و دق دشتِ بلاخیز میں خیمہ زن تھی۔ آزاد پاشا کی روح اصغار خبر وحشت اثر نکاح حسن آرا سے صید محن تھی۔ کہ دفعتاً طلایہ جو گرداگرد لشکر تھا اس کے ایک سوار نے فوج میں آکر کہا معاً بگل دو۔ سوار اور پیادے جو ڈیوٹی پر تھے چونک کر بولے! خیر باشد کیا غنیم سر پر آن پہنچا۔ گل کی آواز سے کُل لشکری سوار و پیادے اور افسر اور گولہ انداز جاگ اُٹھے۔ خیر باشد، خیر باشد، کی آواز ہر طرف سے بلند ہوئی۔ کوئی ع

حضر من اللہ و فتح قریب کہہ کر اُٹھا

کسی نے کہا الا اللہ ہر فرد بشر خونخوار تھا۔ جسے دیکھو بر سر پیکار تھا۔ سوار اینڈتے ہوئے چلے۔ پیادے اکڑتے ہوئے بڑھے۔ ایک بولا مار لیا ہے۔ دوسرے نے کہا بھگا دیا ہے، مگر ابھی تک کسی کو معلوم نہیں کہ اس ہڑبونگ کا سبب خاص کیا ہے۔ افسروں نے فوراً کمیٹی کی طلایہ کے جوان نے کہا۔ حضور ایک مستجبر نے آن کر اطلاع دی کہ روس کی فوج آنروے دریا پرے جمائے کھڑی ہے، انجینیران دانش آگاہ پُل بنواتے ہیں، اور سوار تابڑ توڑ بڑھتے ہی چلے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک انوکھی بات بھی بیان کرتا ہے۔ اُسی کی زبان سے سُنیئے۔ افسر اعلیٰ نے مخبر کو اپنے سامنے بلایا۔ مخبر آگے بڑھا۔ آداب بجا لایا۔ کُل حاضرین ہمہ تن گوش تھے کہ دیکھیں کیا انوکھا حال زبان پر لاتا ہے۔ کون نرالی بات بتاتا ہے۔ اُس نے یوں بیان کیا۔ حضور! میں ایک درویش بنیوا گوشہ نشین خمول کی صورت بنائے ایک مقام پر بیٹھا ہوا یادِ معبود حقیقی کر رہا تھا۔ مگر اِدھر اُدھر کے آنے جانے والوں سے ٹوہ لیتا جاتا تھا۔ کہ روس کی فوج کہاں ہے۔ ترکی کدھر ہیں۔ کس کے پاس زیادہ جماعت ہے۔ کون گولی بارود سے لیس ہے۔ ایک شخص نے ایسی انوکھی خبر سنائی کہ مجبور ہو کے مجھے بچشم خود دیکھنے جانا پڑا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیکھا تو اُس کے بیان کو بلا کم و کاست راست راست پایا۔ فوراً وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ ع

پتا ہوا اور پتے پہ آیا

راہ میں ایک مقام پر ٹوکا گیا۔ میں نے کہا بابا درویشوں کو کیوں چھیڑتے ہو۔ ہم تُرک نہ روسی۔ ہمارا شعار و دنار کچھ اور ہی ہے۔ یہ کہا تو اُن شقی القلب حضرات سے چھٹکارا ملا۔ افسروں نے کہا خدا کے لیے بات کو طُول نہ دو۔ جلد مختصر طور پر کہو۔ ایک پیادہ بولا یہاں پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا بس اب 'اَلانتظارُ اَشَدّ مِنَ الموت' کا نقشہ ہے۔ تو مخبر نے یوں بیان کیا۔ حضور ایک گلگون ختلی خرام وزریں لگام پر ایک لیڈی نا ظورۂ نازک اندام و گل فام کامل فن شہواروں کی طرح ران ٹپری جمائے کمر سے شمشیر جہاں سوز لٹکائے رُخِ انور کو برقع شبرنگ سے چھپائے باگ اُٹھائے عجب شوخی اور بانکپن کے ساتھ میدان نبرد میں شریک ہونے کے لیے آتی ہے۔ اس شیریں دہن اور سیمین بدن کی سہلیاں سُبک گام گھوڑوں پر سوار ہمراہ رکاب ظفر انتساب ہیں۔ سب کم سن نوخیز اور فنون مزاج کی تیز چُست و طرّار عالی مزاج پختہ کار۔ وہ رشک پری مہر سپہر دلبری ان سب میں کالبدر فی النجوم ہے۔ ابھی نام خدا سترہ ہی اٹھارہ برس کا سن۔ ع

جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نامِ خدا ابھی سے یہ طفلی میں حُسن ہے
آتا ہے اس کو دیکھ کے پیر و جوان کو غش

حضور جیسے ہی وہ صورتِ زیبا نظر آئی۔ میں نے اُسی طرف ٹکٹکی لگائی۔ پشت توسن سے اُتر کر اٹھلانے لگی، زلف چلیپا کے بوجھ سے کمر لاکھوں بل کھانے لگی۔ چال وہ مستانہ کہ چکور کے ہوش اُڑائے۔ آنکھیں وہ رسیلی کہ نرگسِ شہلا آنکھ لڑائے۔ از سرتا پا عالمِ نور رشکِ زلیخا غیرت حور۔ لیلیٰ وش نازک آغوش۔ پٹی اور گات صفا کوش۔ ستم کی شوخی بلاکی اچپلاہٹ۔ پوشاک میں عطرِ فردوس کی لپٹ اردگرد زیبا اندام سہلیاں اور ان کے اردگرد صدہا پری رو نوجوان:

ہجوم کردہ برو آشنا و بیگانہ
چو میزبان تونگر بروزِ مہمانی

اُس طوطی نو بہارِ رعنائی نے اپنی ستم گار و عیّار سہلیوں سے کہا کہ ان میں ہر ایک عندلیب گلزار دل آرائی تھی زمزمہ سنج ہو کر مسکرا کر باتیں کیں۔ ہائے حضور بس کچھ نہ پوچھے۔ بے خود ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوش جاتے رہے :

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

میں نے تمام عمر میں کبھی ایسی بانکی عورت، پری رُو، عنبر مُو، کاہے کو دیکھی تھی۔ وہ شعر بے اختیار ترجمانِ دل بن کر زبان سے نکل ہی گئے :

اقبال ہر کہ گشت محکوم توئی
عالم زکسے کہ ہست منظور توئی
فتح و ظفر و دولت و جاہ و اقبال
اینہا ہمہ خادم اند و مخدوم توئی

بیچ میں وہ سیم اندام، ادھر اُدھر دو اور خاتونیں زیبا خرام کسی کو ہنستے ہنستے چٹکی لی، کسی کے گالوں پر ہاتھ پھیرا، ہم جولیاں چہل کرتی جاتی تھیں۔ سہیلیاں ادب کے ساتھ مُسکراتی تھیں، اور میرے خرمنِ صبر پر بجلیاں گراتی تھیں۔

چو خون بہا طلبند از تو کشتگان در حشر
تبسمے کن و بگذر ہمیں ادا کافی ست

اُس بلّورین ذقن نازک بدن نے بصد شانِ دلربائی ایک گلِ خود رَو توڑا۔ نیام سے سیفِ خون آشام لی۔ پھول کو اُچھالا اور تلوار سے اس صفائی کے ساتھ کاٹا کہ ایک پتی کا صرف نصف وزن اُڑا دیا۔ پھر اُچھالا دوسرا ورق اُڑایا، اسی طرح اُس پھول کے کئی ورق اڑا کر سرسوںؑ کے دانے منگوائے۔ ایک ایک دانے کے تین تین چار چار ٹکڑے کیے۔ پھر ایک نیمچۂ اژدہا ہیئت سے دو لفٹنٹوں کی آنکھ میں سرمہ لگایا۔ اس کے بعد ایک تیغ برق دم دستِ چپ میں لے کر ایک کرنل کے ناخن کاٹے۔ اس خوبصورتی سے ناخن لیے کہ فسانۂ عجائب کے درمیان حیراتی بھی دیکھتے تو دنگ ہو جاتے۔ ایک زہرہ جبیں نازآفریں سہیلی کے سر پر ایک میوہ رکھا اور تلوار سے دو ٹکڑے کیے تو ایک اِدھر ایک اُدھر۔ تماشائی تہِ دل سے تعریف کرتے تھے۔ اس زنِ شیر افگن لشکر شکن کی شمشیر زنی کا دم بھرتے تھے۔ دوسری دفعہ شوخ و شنگ، گل رنگ سہیلی کی کفِ دست پر ناقوس رکھا اور ایک ضربتِ شمشیرِ ضیغم صولت میں برابر برابر کے چھ ٹکڑے کر دیے۔ اس کمال کے صدقے! اِس صفائی کے قربان۔ سمندِ سربلند کی کاٹھی پر ایک میوۂ تر رکھا اور پینترا بدل کر تلوار کا ایسا تلا ہوا ہاتھ دیا کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ ٹکڑے زمین آئے نہ تھے کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُن دو ٹکڑوں کے پھر دو دو ٹکڑے کیے اور معاً بائیں ہاتھ سے بیر کے برابر ایک میوے کو اُچھال کر دو سیکنڈ میں اٹھارہ ٹکڑے کر ڈالے۔ حاضرین نے پھر طنطنۂ سبحان اللہ بلند کیا۔ یہ تماشا دکھا کر رہوار طاؤس نگار کی پشت پر ایک ٹانگ سے کھڑی ہوئی اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ اُچکی اور پھر پشتِ توسن پر ایک نیزۂ جانستان دستِ نازک میں لیا، اور اشہبِ طاؤس گردن کو کاوا دینا شروع کیا۔ کاوا دیتے دیتے ایک میخ کو جو دس ہاتھ زمین میں گڑی ہوئی تھی اس طرح نیزے سے اُکھاڑا کہ اچھل کر میخ پچاس قدم پر گری۔ تماشائیوں نے اس قدر تالیاں بجائیں کہ تمام میدان گونج گیا۔ اور چرخِ ہفتم تک آواز پہنچی۔ میں ٹکٹکی لگائے دیکھتا جاتا تھا۔ دل ہی دل میں کہتا جاتا تھا کہ یا الٰہی یہ عورت ہے، یا کوئی فرشتہ انسان کے بھیس میں آسمان سے اُتر آیا ہے یا خدایہ فرنگن ہے۔ یا کسی ساحر نے زورِ سحر دکھایا ہے۔ نزاکت کا یہ عالم کہ کمر بہتر جگہ سے بل کھاتی ہے، اور پھرتی و چستی کی یہ کیفیت کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ فرس برق جولان پر یوں ران ٹپری جمانا، اور اس صفائی کے ساتھ ایک پاؤ پشتِ توسن پر رکھ کر سرپٹ دوڑانا اسی کا کام ہے۔ اس سے زیادہ کمالِ شہسواری خدا کا نام ہے۔ میں نے ایک سوار خونخوار سے پوچھا کیوں بابا یہ لڑکی یہاں کیا کرنے آئی۔ اس نے کہا یہ ایک رئیس زادی ہیں۔ قسم کھائی ہے کہ تمام عمر کنوار پنے ہی میں صرف کرے گی۔ ان کے پدر بزرگوار ایک نامی گرامی جنرل تھے اُنھوں نے اپنی پیاری بیٹی کو فنِ شہسواری و سپہ گری سکھایا تھا۔ روس کی کُل لیڈیوں میں بس یہی ایک تو اس فشن کی خاتون ہیں۔ یہاں آئی ہیں کہ ترکوں سے مقابلہ کریں۔ انھوں نے سُنا ہی ہے آزاد نامی کوئی پاشا فوج روم کے بڑے نام برآوردہ سپہ سالار ہیں۔ کم سن اور آزمودہ کار ہیں۔ بیڑا اُٹھا کر آئی ہیں کہ آزاد کا سر لے کر حضور زار کے قدموں پر رکھ دیں گی۔ دیکھیے کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ مخبر نے یہ گفتگو ختم کی تو آزاد نے اس کو از سر تا پا دیکھا۔ کہا تم خواب دیکھتے تھے یا واقعی امر ہے۔ عورت اور رئیس زادی کو میدانِ جنگ اور گولہ و تفنگ سے کیا سروکار۔ میرا نام اُن کو کیوں کر معلوم ہوا۔؟

آزاد پاشا نے سوال کیے اور حُسنِ گلوسوز کی اس درجہ توصیف سُن کر نادیدہ عاشقِ زار ہو گئے اللہ اللہ زنِ جادو جمال و حور تمثال، اور میدانِ نبرد میں آمادۂ جنگ و جدال! دل میں خیالِ وصالِ جان جان آنکھیں فرطِ طرب سے اشک چکان اور لب پر یہ اشعار دل کے ترجمان:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیغِ مژہ بے نیام داری
آیا سرِ قتلِ عام داری
دارند سرِ تو صد ہزاران
اے گل تو سرِ کدام داری

اتنے میں فوج طلایہ کا ایک سوار رہوار باد رفتار کو شبک، پویہ کرتا ہوا، لشکر میں آیا۔ معاً افسرِ اعلا کو روس کے جنرل کا خط دکھایا۔ خط پڑھنے کے لیے سپہ سالار نے دو واقفکار آدمی بلائے اور خط کا مطلب سُننے لگے۔

جنرل داؤد پاشا مس کلیرسا Miss Clarisa

جوکرنل شریف Colonal Shenrife

آنجہانی کی صاحبزادی ہیں آپ کے آزاد پاشا سے آہنی کثرت کرنا چاہتی ہیں۔ اگر آزاد پاشا کو اپنی سپہ گری پر زعم ہے، تو انکار نہ کریں گے۔ ورنہ ہم سمجھیں گے کہ بھگوہیں۔ مس کلیرسا تلوار اور خنجر اور نیچے سے لڑنا چاہتی ہیں۔ جس طرح اگلے وقتوں میں سکندر کے عہد میں تنہا تنہا جنگ ہوتی تھیں۔ اسی طرح یہ جنگ بھی ہوگی۔

آزاد پاشا کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ افسر مُسکرانے لگے، برابر والے دل لگی میں اُڑانے لگے۔ سواروں نے یہ خط سنا تو ہنس پڑے۔ پیادوں نے کئی بار خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ آزاد پاشا سوچے کہ اگر قبول کیے لیتا ہوں تو نتیجہ کیا۔ جیتا تو فخر کا مقام نہیں۔ لوگ کہیں گے کہ لڑنا بھڑنا عورتوں کا کام نہیں۔ اگر اتفاق وقت سے چوٹ کھائی تو جگ ہنسائی ہوگی۔ اور حُسن آرا سُن لیں گی تو کٹ جانے کا مقام ہوگا۔ مس میڈا طعنے دیں گی۔ اللہ رکھی آڑے ہاتھوں لے گی کہ واہ۔ ایں کس برتے پر تتا پانی۔ ایک چھوکری سے چرکا کھا گئے۔ بڑے تلوریے بنے تھے۔ بڑی شیخی کی لیتے تھے۔ اب ساری ڈینگ خاک میں مل گئی۔ اگر انکار کرتے ہیں تو بھی تالیاں بجیں گی کہ پندرہ سولہ برس کی ایک نازک بدن کے مقابلے سے بھاگے تلوار کی آنچ نہ سہہ سکے۔ بڑے سپاہی بنے تھے۔ اب جس افسر سے مشورہ لیتے ہیں وہ ہنستا ہے۔ بھئی یہ نئی بات ہے۔

آزاد: یارو واسطے خدا کے صلاح معقول دو۔ دل لگی ہو چکی۔

ادہم پاشا: ایں! ابھی سے بغلیں جھلکنے لگے۔ بس! آپ کو صلاح کون دے۔ ایک دوشیزۂ ماہرو آپ کی سپہ گری آزمانا چاہتی ہے۔ اگر آپ کو اپنی شمشیر اور خنجر اور فن سپہ گری پر دعویٰ ہے تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قبول کر لیجیے۔ ورنہ چھکے چھوٹ رہے ہیے۔ لیکن اچھے کو چُن کے پسند کیا۔ یہاں سب میں خوشرو آزاد پاشا ہی ہیں۔ جاؤ چین ہی چین لکھتا ہے، مگر ساتھ لاؤ تو جانیں۔

آزاد: اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی، مگر (موچھوں پر تاؤ دے کر) خدا نے چاہا تو ایک چوٹ نہ کھاؤں، اور نلوہ کورا، آؤں۔ عورت لاکھ جری ہو، پھر عورت ہے۔ سپہ گری کا جامہ خدا نے ذکور کے لیے قطع کیا ہے۔ نازک بدن خاتونیں تلوار کا مقابلہ کیا جانیں۔

نور پاشا: یہاں موچھوں پر تاؤ دیجیے مگر وہاں قلعی کھُل جاوے گی۔ حضرت!

ادہم پاشا: جس وقت وہ عنبر مو شگفتہ رو مسلّح ہو کر سامنے آئے گی، ہوش خیر باد کہہ جائیں گے۔ غش پر غش آئیں گے۔ ایسی جمیل و شکیل اور کم سن عروس سے آہنی کثرت کیا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ انسان بوڑھا ہو تو رفیق القلبی عورت سے لڑنے کی مانع ہو، اور اگر جوان ہو تو زن نو عمر، نازنیں پر اور بھی ہاتھ نہ اُٹھے، اگر مقابل ہو جاؤ گے تو بہت پچھتاؤ گے۔ مُنہ کی کھاؤ گے۔ ذلیل ہو کر آؤ گے۔ ایک ایک غلط انداز سے ہوش، حواس اُڑا دے گی۔

آزاد: یہاں اس کی کچھ پروا نہیں۔ ذلیل کوئی اور ہی لوگ ہوتے ہوں گے۔ یہاں ہر دم یہی شعر ورد زبان رہتا ہے۔

آن نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من

آن منم کاندر میان خاک و خون بینی سرے

مگر اُس زہرہ تمثال مشتری خصال کے نور عالم افروز اور حسن فردوس سوز، اس کی رعنائی و برنائی، اس کی دل آرائی اور شیریں ادائی۔ اُس کے خم ابرو، اور زلف عنبر بو اُس کے چلبلے پن اور ستم کے جوبن اس کی اٹھتی جوانی اور رنگین بیانی کی اس قدر تعریف سُنی ہے کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ ہائے ستم وائے ستم۔

ربود از من قرار و صبر و طاقت چشم جادوئی

چہ شیراں را بدام خویشتن آورد آہوئی

راوی: معقول۔ ابھی صورت دیکھی ہی نہیں، اور چشم جادو نے قرار (ایک) صبر (دو) طاقت (تین) اتنے خون کیے۔ یا الٰہی! اور جب آنکھیں دو چار ہوں گی تو خدا جانے کیا حشر بپا ہو جائے گا۔ آزاد واقعی اس درجہ عشق کے ہاتھ بک گئے۔ کہ از خود رفتہ ہو گئے۔ صورت سے دیوانہ پن برسنے لگا۔ حسن بھی کیا بلائے بے درماں ہے۔ حسین آدمی کا دیکھنا اور اُس کے جمال باکمال کا مشاہدہ کرنا درکنار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صرف تذکرۂ خیر حسن لے، تو دل ہاتھ سے جاتا رہے۔ آزاد نے باآواز بلند یہ شعر پڑھا۔

ہر لحظہ رود بر من بیداد زوستِ تو
پیش کہ برم فریاد فریاد زوستِ تو

فوراً کنار نہر جاکر منہ دھویا اُس کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے سر پر تڑیڑے دیے۔ دو آدمی پنکھا جھلنے لگے۔ مگر آزاد نے دوسرا شعر پڑھا۔

چوں مرغ قفس ہر دم صیّاد زدستِ تو
می نالم دمی گویم فریاد زدستِ تو

سوچے کہ حسن آرا بیگم اور مس میڈا ان دونوں ماہرویان نو خاستہ پری پیکران آراستہ سے نکاح کا اقرار ہو چکا ہے اب یہاں تکڈم کی ٹھہرتی ہے۔ مگر جوانی اور حسن کا حال ایسا سنا تھا کہ بے اختیار شوق چرایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ شعر زبان پر لائے۔

جان و دلِ من رفتہ برباد زدستِ تو
اے شوخ ستم پیشہ فریاد زدستِ تو

کشتۂ خنجر رعنائی، سوختۂ داغ جدائی اُستاد واقف ادب آموزِ فرہاد آزاد فرخ نہاد، نے صاف صاف کہہ دیا کہ یارو اُس رعنا شمائل شیریں خصائل پر ہمارا دل آیا ہے۔ بے دیکھے ہی تیر عشق کلیجے پر کھایا ہے۔ ہم جائیں گے اور سرخرو آئیں گے جواب لکھ بھیجا گیا کہ آزاد پاشا کو بدل و جان منظور ہے۔ کوئی ٹوکے تو اِنکار جنگ سے طبیعت نفور ہے۔ ہر چند مرد اور عورت کا مقابلہ کیا۔ مگر خیر وہ اِس خوبصورتی سے فنون سپہ گری کی قابلیت کا اظہار کریں گے کہ روسی تک آزاد پاشا کی لیاقت کا دم بھریں گے۔ کوئی تاریخ اور وقت مقرر کیجیے۔

یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک شخص نے آن کر کہا۔ آزاد پاشا کوئی جاسوس یا روسیوں کا گوئندہ آیا ہے۔ تمہارا نام لے کر اُس نے چاہا کہ قلعے کے اندر گھس آئے، مگر ہم نے اجازت نہ دی۔ اگر حکم ہو تو بلا لاؤں۔ معاً ایک پرے والا آیا۔ کہا حضور ایک آدمی ہاری مانتا ہے نہ جیتی۔ قلعہ معلے آکے پھاٹک میں بلا ہی پڑتا تھا۔ آخر کار حب سنگین سے روکا تب الگ ہٹا اور اب کھڑا گالیاں دے رہا ہے۔ آزاد نے کہا بھئی میرے جان پہچان تو سب ہندوستان میں ہیں یہاں اس وقت کون آگیا۔ ہم جانتے ہیں کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ احتیاط لازم ہے۔ آنے نہ دینا:

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہرے والے نے کہا کوئی بڑے تیکھے آدمی ہیں۔ مجھ سے لڑ پڑے تھے۔ اور اب تک کھڑے لڑ رہے ہیں۔ آزاد نے کہا ہم نہ جائیں گے۔ نکال دو ادہم پاشا نے افسرِ اعلا سے کہا کہ مس کلیر سا اور آزاد کی جنگ کا جھگڑا تو فیصل ہوا کرے گا۔ غنیم کی فوج جو سر پر آن پہنچی اس کی بھی کچھ فکر ہے۔ فوراً مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ جس میں آزاد پاشا نے یہ رائے دی۔ ہمارے نزدیک کم سے کم دو سو سوار ایک یا دو توپیں لے کر نہایت خفیہ طور پر غنیم کے مقابل میں پرے جما کر کمین گاہ میں رہیں۔ اور انجینیروں کو موقع نہ دیں کہ وہ پُل بنا کر اس روے دریا اتر آئیں۔ اگر پُل بنا لیا، تو ستم ڈھائیں گے۔ دریائے ڈینوب کی طرح اس دریا کے پار بھی اتر آئیں گے۔

کہنے کو تو کہہ گئے۔ مگر سوچے کہ اگر سواران ٹرکی نے گولی چلائی، اور گولی غنیم کی فوج میں گئی، اور مبادا کوئی اُس نوعروس سرمایہ ناز کے جسم نازک پر لگی تو ہماری زندگی ہی تلخ ہو جائے گی۔ مگر یاد آیا کہ ٹرکی کی خدمت حُسن و عشق کے جھگڑے پر مقدم ہے۔ افسرِ اعلا کے حُکم سے آزاد پاشا اور دو اور پاشا اور چند افسر، دو سو سوار، لے کر جنگل کی راہ سے لبِ جُو جا کر ٹھہرے۔ دیکھا کہ غنیم تیاریاں کر رہا ہے۔ اور انجینیرانِ کامل فن درختوں کے ٹہنے کٹوا کٹوا کر پُل تیار کرتے ہیں۔ دریا کا پاٹ کم تھا۔ اُنھوں نے ایک دفعہ باڑھ جو ماری تو کچھ آدمی دریا ہی میں لقمۂ نہنگِ اجل ہوئے۔ کچھ لبِ دریا ٹھنڈے ہو گئے۔ کچھ سوتے کے سوتے ہی رہے۔ کچھ زخمی ہوئے اور کچھ مارے صدمے کے دہل گئے۔ جب تک روسی تیار ہوں اِدھر سے اُنھوں نے ایک باڑھ اور چلائی تو روسیوں کو بھاگتے راہ نہ ملی۔ اور تُرک پالا جیت گئے۔ آزاد پاشا کی اس جنگ میں اور بھی نیک نامی ہوئی۔

نہ ہوئی قرولی

اُخاہ! حضور ہیں۔ آئیے آئیے۔ وہ تو باتیں ہی نہیں چھُپی رہتی ہیں۔ مزاج شریف۔ جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب! کئی دن کے بعد آج حضور جلوہ گر ہوئے۔ کہاں تھے کہاں؟ آنکھیں حضور کو ڈھونڈھتی تھیں بارے خیر آئے تو۔

اب سُنیئے کہ میاں آزاد اُس روسی لیڈی کے خیال میں ایسے محو ہوئے کہ سوار کی ایک نہ سُنی۔ پہرے والے نے کہا کہ صاحب ایک شخص آپ کا نام لے کر اندر آنا چاہتے تھے۔ میں نے نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آنے دیا۔ آپ ذرا چل کر کے دیکھ لیجیے۔ مگر آزاد نے ایک نہ سُنی۔ لیٹے ہوئے، نیچے سُروں میں یہ غزل گا رہے تھے۔ اور ٹہلتے جاتے تھے:

جب آئے وہ حشر بپا کر چلے — کہ خوابیدہ فتنے جگا کر چلے
ہزاروں گریباں ہوئے چاک چاک — وہ اس طرح دامن اُٹھا کر چلے
شگفتہ ہوئے ان کے آنے سے گل — چمن میں وہ کارِ صبا کر چلے
دوا دردِ دل کی کہاں چند روز — تماشائے دار الشفا کر چلے

مری قبر پر وہ جو آئے کبھی
کدورت سے ٹھوکر لگا کر چلے

دفعتہً کان میں آواز آئی۔ اوگیدی! نہ ہوئی قرولی کہ سُنتے ہی آزاد چونک پڑے اور جس طرف سے آواز آئی تھی ــ اسی طرف لپکے۔ دیکھا تو خواجہ بدیع الزماں علیہ الرحمۃ والغفران خواجہ صاحب جھپٹ کر چمٹ گئے اور کوشش کی آزاد کو گود میں اُٹھا لیں۔ جب نہ اُٹھ سکے تو کہا۔ جانے بھی دیں۔ شاید تمہیں چوٹ آجائے۔

آزاد : اُف بعد مدّت ملاقات ہوئی۔ کوئی تازہ خبر کہیے۔

خوجی : اجی کمر تو کھولنے دو۔ افیم گھولوں۔ چُسکی لگاؤں تو ہوش آئے۔ اس وقت تھکا ماندہ، مرا پٹا آرہا ہوں۔ سانس تک نہیں سماتی ہے۔

آزاد : مس میڈا کا حال تو کہو خوش و خرّم ہیں؟

خوجی : کمیت خوشخرام پر سوار سرِ شام لبِ جو ہوا کھانے جاتی ہیں۔ ہرمز جی بھائی کی کوٹھی میں بہت ہی کم آتی ہیں۔ ہر روز اخبار پڑھتی ہیں۔ جہاں تمہارا نام پڑھا۔ بس رونے لگیں۔ ایک دن تمہارے مجروح ہونے کی خبر سُنی تھی، تو پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ کفِ افسوس ملنے لگیں۔

آزاد : ارے! یہ اُنگلی میں کیا ہوا ہے جی۔ جل گئی تھی کیا۔

خوجی : (سر پیٹ کر) یہ حُسن و جمال گلے کا ہار ہوا۔ افسوس!

آزاد : ایں! یہ ماجرا کیا ہے۔ ایک کان کون کتر لے گیا۔

خوجی : نہ اس قدر حسین ہم ہوتے، نہ پریاں جان دیتیں نہ یہ نوبت آتی۔ مگر خدا نے ایک ایک رگ دِل میں حُسن کوٹ کوٹ کر بھر دیا:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کاسہ گر بعد فنا بھی میکشی کا شوق ہے
خاک سے میری کوئی ساغر بنایا چاہیے

آزاد : سبحان اللہ۔ بس اب دبستگی ہوگی۔ موقع پر برجستہ شعر پڑھنے کا یہاں کس کو شعور تھا۔ اب خوب دل لگیاں رہیں گی۔

خوجی : اجی دل لگی تو ہماری صورت دیکھے دوڑی آتی ہے۔

برمسند خسروی بماناد
منصورؔ ، مظفرؔ ، محمدؐ

آزاد : ناک بھی کچھ چپٹی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ماجرا کیا ہے۔؟

خوجی : حسن حسن حسن۔ ہائے حسن بلائے جان ہو گیا۔

آزاد : حسن وسن نہیں۔ آپ کہیں سے پٹ کے آئے ہیں۔ کمزور مار کھانے کی نشانی۔ کسی سے لڑائی ہوئی ہوگی تو اس نے ٹھونک دیا ہوگا۔ بس اور کیا۔ یہی بات ہوئی ہے اور کچھ نہیں ہوا۔

خوجی : اجی یہ ایک پری نے پھولوں کی چھڑیوں سے سزا دی تھی :

جانش غریقِ رحمتِ حق کرو تاکند
تاریخ ایں معاملہ رحمٰن لایموت

آزاد : اے ہے۔ کیا انتقال کر گئیں ؟ افسوس ہے واللہ۔ صد افسوس۔

خوجی : نہیں، نہیں، ہائیں واہ، یہ شعر جو پڑھا اس سے مطلب یہ کہ وہ پری غریق بحرِ حسنِ ذاتی تھی۔ غریق کا لفظ ہے۔

آزاد : کوئی خط وط بھی لاتے ہو۔ یا یوں ہی آئے ہو ہاتھ جھلاتے۔

خوجی : دو خط ہیں ایک مس میڈا کا۔ دوسرا ہرمزجی بھائی نے دیا ہے۔

آزاد اور خوجی قلعے کے اندر نہر کے کنارے فرش پر بیٹھے۔ اب جو آتا ہے، خوجی کو دیکھ کر قہقہہ لگاتا ہے۔ کوئی مسکراتا ہے۔ کوئی منہ آتا ہے۔ وہ تو قطع شریف ہی ایسی ہے کہ جو دیکھے اس کو بے اختیار ہنسی آئے۔

خوجی : کیا بھیڑ لگائی ہے۔ چلو اپنا کام کرو۔ کچھ تماشا ہے یہاں۔

آزاد : تم کو کسی سے کیا واسطہ کھڑے رہنے دو۔ یوں ہی کھڑے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی: اجی نہیں آپ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ نظر لگا دیں گے۔ اب تک تو نظر گذر سے خدا نے بچایا ہے۔ اب اس سن میں کہیں چپیٹ کھائیں اور مفت میں اُلّو بنیں، تو غضب ہی ہو جائے۔ ستم بپا ہو۔

آزاد: آپ کے ڈنڈ بل دیکھ کر عشعش کر رہے ہیں۔ اور کیا۔

خوجی: اجی وہ ایک حسن ہی کیا کم ہے۔ قسم ہے آزاد کے سر مبارک کی واللہ کس مردک کو اب تک معلوم بھی ہوا ہو کہ ہم اس درجہ جمیل ہیں۔ اور ہمیں اس کا کچھ غرور بھی نہیں۔ ع

مطلق نہیں غرور جمال و کمال پر

آزاد: جی ہاں۔ باکمال لوگ حلیم ہی ہوا کرتے ہیں۔

خوجی: باکمال اور بے نظیر۔ سنیئے بھائی صاحب دنیا میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر شاعرِ غریں اور بے نظیر ہے۔

راوی: اے سبحان اللہ (غرّا کے عوض غریں) کی اچھی کہی۔ یہ لفظ آج ہی سنا۔ ہاں حضور! ایک سے ایک بڑا ہے۔ پھر؟ مطلب؟

خوجی: ستار باز بین کار سنار تیلی حضور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ مگر جواب سب کا ہے۔ لاجواب کوئی نہیں ہے۔ ایسا کوئی نہیں جو نظیر نہ رکھتا ہو۔ اگر کوئی ہے تو خواجہ بدیع:

بدیعا توئی بے نظیرِ جہاں
بدیعا توئی رشکِ شاہنشہاں

کیوں! نہ کہو گے، کیا برجستہ شعر موزوں کیا۔ ع

جوابے ندارد کمند ہوا

آزاد: تو یہ سب آپ کے حسن و جمال کے سبب سے ٹھٹ لگائے کھڑے ہیں۔

خوجی: دریں چہ شک۔ پوچھ لو۔ ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

آزاد: اب آپ افیم گھولیے۔ ساتھ ہے یا نہیں۔ ہو گی کیوں نہیں۔

خوجی: نہیں بھئی۔ ہم تو تمہارے بھروسے پر آئے ہیں۔ کہیں قتل نہ کر ڈالنا۔ لے بس اب منگواؤ۔ منگواؤ، ذرا عمدہ ہو۔ ہاں! یہ نہیں کہ واہیات اٹھا لاؤ۔ کمسریٹ کے ساتھ تو ہوتی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہی ہوگی۔

آزاد : اب آپ مارے پڑے۔ اب تھوڑی دیر میں آنکھیں مانگنے لگیے گا۔ اچھی دل لگی ہے۔ عجب بے نکے ہو۔ واللہ! افیم اور تمہارے ساتھ نہ ہو۔ اے لاحول۔ اب مرد۔ یہاں افیم کہاں۔ اور کمسریٹ ہیں ماشا اللہ۔

خوجی : ہائے بے موت مرے۔ واللہ بے موت مرے۔ کسی سے مانگ لو۔

آزاد : یہاں افیم کا کسی کو شوق ہی نہیں ہے۔ افیم کیسی ؟

خوجی : اتنے شریف زادے۔ اور افیمی ایک نہیں۔ واہ! خوب بات ہے۔

آزاد : جی سب بدقسمت، بدنصیب ہیں۔ خوش قسمت تو ایک آپ ہیں۔ بس باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ مگر آج ذرا دل لگی ہوگی۔ جب افیم نہ ملے گی۔ اور تم تلملاؤ گے۔ تڑپو گے۔ بلبلاؤ گے۔

خوجی : پنھتر بگڑ گئے (جمائی لے کر) لو ابھی سے جمائیاں آنے لگیں۔ آج بے موت مرے۔ یار، عزیز کچھ تو فکر کرو۔ یہ کس وقت کا بدلا لیتے ہو۔

آزاد : اب یہاں یہ حماقت کی باتیں نہ کرو۔ ورنہ کل شکری بنائیں گے۔ اور سائیس تک تم چٹکیوں پر اُڑائیں گے۔ افیم یہاں نہ ملے گی۔ آپ اپنی فکر کیجیے۔ ہاں خوب یاد آیا۔ قرولیاں جتنی چاہو تو نذر ہیں۔

خوجی : (افیم کی ڈبیا دکھا کر) یہ بھری ہے افیم۔ کیا اُلّو سمجھے تھے ہونہہ! آنے کے قبل ہی نے ہرمزجی سے کہا کہ حضور افیم منگوا دیں، ورنہ ہمارا فشار بگڑ جائے گا۔ یار۔ وہاں ایسی ایسی پریاں ہم پر عاشق ہوئیں کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ بقول شاعر۔

میں ایسی صاحب عصمت پری پیکر کا عاشق ہوں
نمازیں پڑھتی ہیں حوریں ہمیشہ جس کے دامن پر

لیجیے! ہرمزجی بھائی کا خط تو ملاحظہ فرمائیے۔ میڈ اتے نادری حکم دیا ہے۔ پہلے ہرمزجی کا خط دینا۔ پھر ہمارا۔ پڑھو۔ بغور۔ پڑھو۔

آزاد نے خط کھولا اور پڑھا تو یہ مطلب تھا۔

مائی ڈیر مسٹر آزاد۔ ذرا خوجی سے خیر و عافیت تو دریافت فرمائیے۔ بس کچھ نہ پوچھیے، کہ ان پر کیسی گذری۔ اتنا پٹے، اتنا پٹے، کہ الٰہی توبہ! دو دانت ٹوٹ گئے۔ کان کٹ گیا، اور گھونسے اور مکّے کھائے۔ اُٹھتے جوتی، بیٹھتے لات مگر بے حیا کی بلا دور۔ شرم چہ کتی ست کہ پیش مردان آید۔ پہلے ان سے اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدر پوچھیے کہ لالہ رُخ کون ہے۔

آزاد : ارے میاں خواجہ صاحب! یہ لالہ رُخ کون نیک بخت ہیں۔؟

خوجی : اُفوہ۔ ہم پر چکما چل گیا۔ واہ رے ہرمزجی۔ واللہ اگر نمک نہ کھایا ہوتا تو جا کے قرولی بھونک دیتا۔ لاحول ولا قوۃ۔

آزاد : نہیں تمہیں واللہ بتاؤ نو۔ بتاؤ ہمارے سر کی قسم! یہ لالہ رُخ کون ہیں۔ شاید عاشق ہو گئیں آپ پر۔ بھئی ان ہاتھ پاؤں پر خدا جانے کیسا جادو ہے۔ کمال ہے کہ دور سے دیکھا اور عاشق ہو گئیں۔

خوجی : اچھا ہرمزجی! اچھا۔ بھلا۔ فہمیدہ خواہد شد۔ خیر، خیر۔

سودا کریں گے دل کا کسی دلربا کے ہاتھ
اس باوفا کو بیچیں گے اک بے وفا کے ہاتھ

ہائے لالہ رُخ والے لالہ رُخ! جان جاتی ہے، اگر موت بھی نہیں آئی۔ غضب ہے ستم ہے۔ ع
لالہ رُخا، سمن برا آفتِ جان کیستی؟

جگہ ہے اس میں دل کی جانِ من اور دل کو حسرت ہے
نکالو میرے پہلو سے سنان آہستہ آہستہ

آزاد : بنے ہوئے ہو۔ کچھ حال تو بتاؤ جی۔ حسین ہے۔؟

خوجی : (جھلا کر) جی نہیں حسین نہیں ہے۔ کالی کلوٹی ہے۔ بوا زعفراں کی بھی چچی ہے۔ آپ بھی واللہ نرے چونچ ہی رہے۔ بھلا بدقطع بدصورت عورت کو جرأت کیوں کر ہوتی کہ ہمارے ساتھ بات کرتی۔ سوا حسین کے کوئی نظر اُٹھا سکتی ہے۔ ع
کند ہم جنس باہم جنس پرواز

غالبؔ ان سیمیں تنوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

یاد رکھو حسین پر جب نظر پڑے گی، حسین ہی کی پڑے گی۔ دوسرے کی مجال نہیں۔

آزاد : اچھا اب لالہ رُخ کا حال تو بتاؤ۔ مگر پوست کندہ ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی : اجی کام کرو۔ اس وقت دل قابو میں نہیں ہے۔

ہے عشق خط بھی الفتِ زلفِ دوتا کے ساتھ
کیوں کر بچے گی جان بلا ہے بلا کے ساتھ

آزاد : ایں! عشق خط! اے سبحان اللہ! تو کیا لالہ رُخ کسی امرد کا نام ہے۔ یہ عشقِ خط کیا معنی یا کوئی ریشائیل عورت ہے۔ زن بروتی۔

خوجی : حضرت۔ ہائے ہائے وہ نور ہے کہ واہ جی واہ۔ اور نزاکت کا حال بس کچھ نہ پوچھیئے۔ کمر آپ کی جانگ سے کچھ پتلی ہی ہوگی۔

راوی : اللہ اللہ! یہ نازک کمری ہے! (جانگ سے کچھ پتلی ہی ہوگی) اجی نہیں غضب کرتے ہو۔ ایسا کہیں ہو سکتا ہے۔ میں نہ مانوں گا۔

خوجی : مگر ہاتھوں میں چُل بھی۔ ہم اس کو عیب سمجھتے تھے، لیکن ممئیڈا نے کہا کہ عین شوخی ہے۔ گھنٹے بھر میں پانچ سات بار ضرور چپتیاتی تھی۔ کھوپڑی پلپلی کر دی۔ پس ہم کو اسی بات سے نفرت تھی۔ ورنہ نک سک سے درست۔ سبزہ رنگ۔ اور چہرہ چمکتا ہوا جیسے آبنوس۔

راوی : آبنوس کا کندہ تھا یا عورت تھی۔ لاحول ولاقوۃ۔

خوجی : ایک دن دل لگی، دل لگی میں اُٹھ کے اک پچاس جوتے لگا دیے۔ تڑ تڑ، تڑ تڑ، ہائیں، ہائیں، یہ کیا حماقت۔ ہمیں یہ دل لگی گوارا نہیں ہے، مگر وہ سُنتی کس کی ہے۔ اُف اب فرمائیے۔ جس پر پچاس جوتے پڑیں۔ اُس کی کیا گت ہوگی۔ ایک روز ہنسی ہنسی میں کان کاٹ لیا۔ لُطف یہ کہ چھیل چھبیلی تو بنی آئی۔ ایک روز دکان پر کھڑا ہوا، سودا خرید رہا تھا۔ پیچھے سے آن کر دس جوتے لگا دیے۔ انتہائی شوخ ایک مرتبہ ایک حوض میں ہم کو ڈھکیل دیا۔ ناک زخمی ہوئی۔ ہاتھ زخمی ہوئے گھٹنے چھل گئے۔ مگر مٹے مگر لاکھوں میں لاجواب، ہزاروں میں انتخاب بلکہ یکتائے روزگار۔

طرز نگہ نے چھین لیے قدسیوں کے دل
آنکھیں جو اُن کی اُٹھ گئیں دستِ دُعا کے ساتھ

آزاد : تو یہ کہیے۔ ہنسی ہنسی میں خوب جوتیاں کھائیں حضور نے۔

خوجی : پھر یہ تو ہوتا ہی ہے۔ سلف سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ سنا نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عاشقاں گشتہ گانِ معشوق اند
بر نیاید ز کشتگان آواز

ایک دفعہ میں سو رہا تھا۔ آنے کے ساتھ ہی اس زور سے قمچی لگائی، کہ میں تڑپ کر اُٹھا۔ بس آگ ہوگئی کہ ہم پیٹیں اور تم رونے لگو۔ جاؤ بس اب ہم نہ بولیں گے۔ روٹھ گئی۔ لاکھ منایا بات تک نہ کی۔ آخر کار یہ صلاح ٹھہری کہ عین سرِ بازار دس آدمی چپتیں لگائیں، اور ہم اُف نہ کریں، مگر ہائے وہ ادا نہ بھولے گی۔

خوش کرتی ہے دل دخترِ رز آ کے ہمیشہ
رہتی ہے دُلہن پاس یہ دولہا کے ہمیشہ
لب نے جو جلایا تو تری آنکھ نے مارا
قاتل بھی رہا ساتھ مسیحا کے ہمیشہ
پردہ نہ اُٹھایا کبھی چہرہ نہ دکھایا
مشتاق رہے ہم رُخِ زیبا کے ہمیشہ
جوانانِ چمن اپنا نہ سمجھے آج تک مجھ کو
رہا باغِ جہاں میں مثلِ سبزہ سب سے بیگانہ

راوی: خوب بہت ہی خوب۔ اوّل تو حسبِ حال دوسرے ردیف اور بحر اور قافیہ سب ایک ذرا فرق نہیں۔

آزاد: کسی روز دل لگی، دل لگی، میں زہر نہ کھلا دے۔

خوجی: (بگڑ کر) کھلا دے! کیوں صاحب کھلا دیں نہیں کہتے۔ کھلا دے۔ کوئی کنڈے والی مقرر کی ہے؟ وہ بھی رئیس زادی ہے۔ آپ کی مس میڈا پر گر پڑے تو کچل جائیں۔ جی ہاں۔ ایسی ویسی نہیں ہے۔

آزاد: کیوں صاحب ہمارے سامنے اور آپ میڈا کی ہجو کریں۔ آپ کی لالہ رُخ، اس قدر نازک بدن ہیں اور میڈا ایسی بھدّی ہیں۔

خوجی: (مسکرا کر) اچھا پھر دیکھ ہی لو گے۔ گھبراہٹ کاہے کی ہے۔

راوی: اچھا بتایا۔ خوجی بن گئے۔ ایسی نزاکت پر خدا کی مار۔

آزاد: ہے ڈھنگی ہے۔ یا مری ہوئی۔ دُبلی پتلی۔ جیسے چونا کھائی کبوتری۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی: آپ کو گُدّا دینے کو مستعد ہو جائیے۔ جی، جس روز ہمارا کان کٹا ہم نے برجستہ یہ شعر پڑھ دیا تھا۔ سُنیے اور تعریف کیجیے:

شکرِ خدا کہ خنجرِ قاتل سے سر کٹا
بارِ گراں سے آج سبکدوش ہو گئے

راوی: وہ سبکدوش تو آپ سب کچھ ہو گئے مگر یار لوگ پھپتیاں کہیں گے کہ بوچا آیا۔ نکٹا آیا۔ کنکٹا آیا۔ خدا ہی خیر کرے۔ غضب ہی ہو گیا۔

خوجی: افیم کی چُسکی لگا کر، لالۂ رُخ، لالۂ رُخ ہائے لالۂ رُخ ۔

روئے تو گل و لب تو قند است
گلقند علاجِ دردمند است

ہرمزجی کا خط پڑھا تو خوجی کے کلام کی تصدیق ہوئی۔ اُنھوں نے بھی یہی باتیں لکھی تھیں خواجہ بدیع الزماں صاحب نے افیم سے فراغت کر کے کہا، لے اب آپ اپنا حال کہہ چکیے۔ ہماری داستان سُن چکے۔ اب اپنی بیتی کہو، ہاں بسم اللہ۔

آزاد: ایک برق وش ہم سے تلوار لڑنا چاہتی ہے۔ کیا رائے ہے؟

خوجی: کیا! پی ہم نے اور چڑھی آپ کو۔

آزاد: واللہ قسم کھا کر کہتا ہوں۔ پیغام بھیجا ہے کہ کسی روز آزاد پاشا سے اور ہم سے یکّہ و تنہا تلوار چلے۔

خوجی: بھئی قرولی کوئی لڑے تو ہم بھی مستعد ہیں۔ مگر تم نے دریافت تو کیا ہوتا، کہ سن کیا ہے۔ شکل کیسی ہے۔ کوئی ایسی ویسی ہے یا کوئی رئیس زادی ہے۔ یہ سب باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔

آزاد: سب دریافت کر چکے ہیں جی۔ سولہ سترہ برس کا سن ہے۔ اور اس قدر خوبصورت ہے کہ روس میں ثانی نہیں رکھتی:

نگاریں دختری بُرداز سرم ہوش
چہ دختر باقیامت دوش بردوش

خوجی: ایسا نہ ہو کہیں ریجھ جاؤ تو پھر حسن آرا اور میڈا سب کو بھول بھال کے یہیں کے ہو رہو۔ ہاں، ذرا اس کا خیال رہے۔ شاید چکما ہی چکما نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ امر و ہو۔ صرف چکما دینے کے لیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ جعل کیا ہو۔ تم ابھی بچے ہو ابھی ہم سے دو چار برس چھوٹے ہی ہو گے۔

راوی : جی بلکہ دو چار مہینے حضور ہی چھوٹے ہوں گے۔

آزاد : ہاں بات تو تم نے بھی عقل کی کہی۔ کیوں نہ ہو۔

راوی : ہیں بیوقوف تو کیا ہوا۔ مگر اس وقت ٹھکانے کی بات کہی۔

آزاد : ہم ایک مرتبہ ایک جزیرے میں قید کیے گئے تھے، مگر وہاں سے ہم بھاگ نکلے۔ کہیں اُس کا بدلا تو نہ لیں گے۔

خوجی : وہی وہی۔ بس وہی۔ قسم خدا کی وہی بات ہے:

سخندان پرورده پیر کهن
بیندیشه انگه بگوید سخن

بے غور و تعمق کے کوئی بات کہیں گے نہ کریں گے۔ سمجھے صاحب ہاں! بس۔

آزاد : کہیں تو آپ بچے بن جاتے ہیں۔ آزاد پاشا کو اپنا ہم سن بناتے ہیں اور کہیں پیر فرتوت، اور جہاں دیدہ ہونے کا دم بھرتے ہیں۔

اتنے میں آزاد کو یاد آیا کہ مس میڈا کا خط تو پڑھا ہی نہیں فوراً خط مانگا، اور پڑھا۔ بہت ہی خوش ہوئے۔

پیارے آزاد۔ آج کل اخبارات میری روح کی غذا ہیں۔ میری آنکھیں تمہارے نام کو فوراً تلاش کر لیتی ہیں۔ او ظالم ستم گر خط تو بھیجا کر۔ یہاں جان پر بن آئی ہے، اور تم نے وہ سکوت اختیار کیا ہے کہ الامان۔ بھلا حضور ہی انصاف کریں کہ جب معشوق میدان جنگ میں ہو اور خیر و عافیت کی خبر نہ ملے تو عاشق کی زندگی تلخ ہو یا نہ ہو۔ تم اور یہ بیوفائی! افسوس!:

یوں تو مُنہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

تمہاری تیغ کا مُنہ چڑھ کے لے لیا بوسہ
کبھی نہ آپ سے ہم دبکے بانکپن میں رہے

الٰہی خیر کیجیو۔ آج میدانِ کارزار میں پریوں کا بے طور جھرمٹ ہے۔ جور شکِ گل، یوسف جمال رنگین ادا پری تمثال، آتشیں رو۔ آئینہ زانو، مگر انبا سب، حورانِ بہشتی میں ایک فتنۂ دوران آفت۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جانِ ناتواں پروہ عالم ہے کہ مجنوں اور وامق لیلی اور عذرا کی طرف رُخ نہ کرتے۔ ارنی گوے اوج طور تک اُسی بہشتی رُو کا دم بھرتے۔

لبِ اُوچہ لب شور بازار ہا
درو قند و شکر بخروار ہا

سمن را تماشا در آغوش او
تماشا گہہ گُل بناگوش او

بہر ناوکِ غمزہ کاندا ختی
شکارے زرد جانیاں ساختی

اب سُنیے اِکہ دریا کے قریب روسیوں کو شکست دے کر آزاد پاشا قلعۂ معلیٰ میں آئے لشکریوں نے فرطِ طرب سے نعرے بلند کیے۔ ٹوپیاں اُچھالیں۔ لیکن دوسرے روز ادھر۔

سپیدہ چو سر بر زداز باختر
سپاہی بخاور فرو بردہ سر

اُدھر رزمگاہ میں کوسِ جنگ زبانِ حال سے کہنے لگا کہ ہاں شیرانِ بیشۂ وغا بھپر پڑو۔ آمنے سامنے دونوں فوجیں پرے جمائے ہوئے آراستہ ہوگئیں۔ رُوس کے انجینروں نے راتوں رات پُل بنا لیا اور سحرِ کاذب کے وقت کُل فوج عبور کر آئی۔ طلایہ کے سواروں نے قلعے میں خبر پہنچائی، تو ترکانِ صف شکن رُوس تن چٹکیوں میں لیس ہوکر، قلعے سے میدان میں آئے۔ ادھر ترکوں کے کاسہ سُم گھوڑے عربی نژاد۔ اُدھر روسیوں کے افراسِ لیلیٰ جمال پریزاد۔ یہ بوے گل کی طرح اُڑ کے منزلوں کی خبر لائیں۔ وہ خیال کے مانند دم کے دم میں راہِ دور دراز طے کر جائیں۔ یہ چابک خرام وہ سُبک گام۔ اِدھر ان کی سُبک عنانی اُدھر اُن کی برق جولانی میدان میں عجب ہیبت ناک تماشا دکھاتی تھی۔ عبرت کے ساتھ صَولت توام نظر آتی تھی۔ حُسنِ اتفاق سے ایک مرتبہ فوجِ روس میں کسی شیر شکار جوانِ گلعذار نے توسن صبا رفتار کو میدانِ کارزار میں اس خوبی کے ساتھ چمکایا کہ سمندِ سر بلند برچھوں اُچھلنے لگا۔ مرکب لاغرمیاں، راکبِ آفتِ دوران، گھوڑا مشکی از سرتاپا سیاہ۔ سوار سُرخ و سفید، غیرتِ مہر و ماہ، وہ ظلمات یہ آبِ حیات، یہی معلوم ہوتا تھا کہ کمیت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابرِ پیکر طرارے بھر کے نورِ فلک کو ٹاپیں مارے گا۔ ہنگام وغا پیل اژدہا دم پر جھپٹے تو وہ بھی چنگھاڑ کے بھاگے :

اُتری تھی اک پری فرس تند خو نہ تھا
سُرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

ایک رُوسی نے عُروس زاہد فریب آتش زن کالائے شکیب کو مخاطب کر کے کہا۔ آج آزاد پاشا سے کرنامِ برآوردہ ترکی افسر، جرار صف شکن آزمودہ کار، فنونِ سپہ گری کا مسلم الثبوت اُستاد، جواں مرد بریزاد ہے۔ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ شیر کو ٹوکنا آسان نہیں ہے۔ ع

جب ٹوکتے ہیں آتا ہے تب غیظ شیر کو

اُس بانکی دوشیزہ نے تن کر کہا: اُوہ! کیا پرواہ ہے۔ کیا غم ہے۔ دیکھا جائے گا :

گر اقبالِ من کار سازی کند
سرش بر سرِ نیزہ بازی کند

وہ ترکی ہے تو ہم ترکی فگن ہیں۔ وہ پولاد پوش ہے تو ہم روئیں تن ہیں۔ اگر اس شمشیرِ الماس رنگ سے آزاد پاشا کا سر نہ اُڑایا تو کچھ کام نہ کیا۔

اللہ اللہ کیا شان کبریائی ہے۔ یہ نادان زنِ نوجوان نازک ــــ کمر پری پیکر، اور دعویٰ تو دیکھیے کہ آزاد سے شیر دل، شیر مرد، کے نیچا دکھانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ شمشیرِ الماس رنگ ــــ سے تو آزاد چرکا کھا چکے۔ ہاں تیغِ ابرو کام تمام کر دے تو عجب نہیں خنجر فولاد کی کیا ضرورت ہے۔ ع

ابرو کے اشارے سے کرو چور

صبح کا سماں طیور تسبیح خواں عنادل مست و تر زبان، گل شگفتہ رو اور خندان غنچے چٹک رہے تھے۔ خود رو پھول مہک رہے تھے۔ آزاد جدھر نگاہ دوڑاتے تھے، نئے نئے قسم کے اشجار نظر آتے تھے۔ دفعتہً فوج رُوس سے دُھننا کی آواز مہیب آئی، اور ادھر ترکوں نے بندوق چھتیائی۔ توپوں پر بتی پڑی۔ گولہ اندازوں نے صفائی دکھائی۔ ہر خبر پر آزاد پاشا جناب باری سے بصد عجز و الحاح دعا مانگتے تھے کہ خداوند اور سب روسیوں پر ہماری فوج آفت ڈھائے، مگر اُس دلبر دلربا عروسِ شیریں ادا پر آنچ نہ آنے پائے۔

اتنے میں ایک گولا آزاد کے سرنگ نقرہ خنگ کی تھوتھنی کے قریب پھٹا۔ گھوڑا بے قرار ہو کر ہٹا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا گولا آیا۔ آزاد نے خوب ران پٹری جمائی اور پھرتی کے ساتھ گولی پر گولی چلائی۔ معرکۂ رستخیز خوب گرم تھا۔ اس اثنا میں روسیوں نے ایک حصّہ فوج کو سامنے کی ڈھالو پہاڑی پر بھیج دیا۔ ہلکی ہلکی توپیں بھی ان کے ساتھ بھیجیں۔ ترکوں کو اس کی ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔ خواجہ بدیع الزماں صاحب دور سے ایک اونچے درخت کی شاخ پر بیٹھے جنگ کا رنگ دیکھ رہے تھے۔ روس کے سواروں کو جو اُس پہاڑی پر جاتے دیکھا تو اُنھوں نے کفن پھاڑ کر غل مچایا۔ ہوشیار، ہوشیار۔ پالا رُوس کے ہاتھ رہے گا۔ پہاڑ پر فوج چڑھ گئی۔ ارے یارو کچھ خبر بھی ہے۔ ہائے اس وقت اگر توڑے دار بندوق ہوتی پرے کے پرے صاف کر دیتا۔

بجا ہے۔ توڑے دار بندوق تو اس جنگ میں بڑے کام آتے۔ فوجِ غنیم معاً شکست پاتے۔ ایسی دوزخ شرار بندوقیں کسی نے یورپ میں کاہے کو دیکھی تھیں۔ جب خوجی نے دیکھا کہ تُرک بالکل غافل ہیں تو درخت سے جھٹ پٹ اُترے۔ اور دوڑ کر ترکوں کو خبر دی۔ پہلے کسی کو اُس مسخرے بونے کی بات کا یقین نہ آیا، مگر بہ نظر احتیاط دوربین سے دیکھا تو دس پانچ ٹوپیاں نظر آئیں۔ ارے! غضب ہو گیا۔ جس وقت اتنے اُونچے ٹیلے سے باڑھ ماریں گے۔ خدا جانے کیا غضب بپا ہو گیا۔ آناً فاناً میں کسی کا پتا نہ لگے گا۔ مشورہ ہو نا ہی تھا کہ پہاڑی سے توپ کا گولا اُتارا گیا۔ ترکوں نے دیکھا کہ اب کوچۂ گریز بالکل مسدود ہیں۔ مگر کمال جواں مردی بے قدم جمائے، اور گولے پر گولے چلنے لگے۔ اتنے میں روس کے دو سوار بطور قاصد آئے۔ آن کر منجانب سپہ سالار بیان کیا کہ ہماری فوج کا ایک حصّہ قلعہ کوہ پر داخل ہو گیا۔ وہاں سے اُس نے گولے برسانے شروع کیے ہیں۔ اگر جان عزیز رکھتے ہو تو عقل سے کام لو۔ ہتھیار رکھ دو، ورنہ ہم بات کرتے کل فوج کو ستیاناس کر دیں گے۔ ترکوں نے کہا۔ لڑیں گے، اور جان دیں گے، مگر ہتھیار ہرگز نہ رکھیں گے۔ ؏

یا قسمت یا نصیب یا بخت

جاں نثاروں اور جاں بازوں کو جان سے کیا سروکار ہے۔ جان دینا افتخار ہے۔

افسرِ اعلا نے فوج کو مخاطب کر کے کہا: اب ہم سب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں۔ سچے اور پکّے ترکی اس وقت غنیم کو پشت نہ دکھائیں گے۔ جان نثار کر دیں گے۔ مر جائیں گے۔ ترکوں کے دل شیر ہو گئے۔ جس طرح شیر غزیں چوٹ کھا کر بھر پڑتا ہے۔ اسی طرح ترکی لشکر کے جرّار آدمی جان پر کھیل کر لڑنے لگے۔ آدھ گھنٹے کے عرصے میں ترکوں نے شمشیرِ بُرّان میاں سے نکال کر دھاوا کر دیا۔ رُوسی اس زعم میں تھے کہ اب ہم نے پالا جیت لیا۔ مگر ترکوں کا شمشیر برہنہ لے کر اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جرأت کے ساتھ آگے بڑھتا تھا کہ روسی کانپ اُٹھے۔ اچھے اچھے موّرخوں، اور بڑے بڑے جنرلوں کا قول فیصل ہے کہ بحرِ میدانِ نبرد کی طغیانی اور توپ و تفنگ کی ایسی آتش فشانی کے وقت دست بدست مقابلے پر جانا ترکوں ہی کا کام تھا۔ روسیوں نے غنیم کی یورش دیکھ کر بڑی مستعدی اور سرگرمی سے گولیاں چلائیں گئے۔ تو دوسرے پرے نے حملہ کیا۔ تیسری صف دھاوا کر کے دراتی ہوئی گئی۔ اب سنیئے کہ جو لوگ پہاڑی پر چڑھ گئے تھے، اُنھوں نے یہ حال دیکھ کر اوپر سے گولیاں ماریں مگر گولی بارود کا چٹکیوں میں خاتمہ ہو گیا۔ روسیوں نے بھی تلوار لی اور طرفین سے شپا شپ چلنے لگی۔ اِس عرصے میں آزاد پاشا نے دیکھا کہ ایک فرسِ شب رنگ پر ایک عروسِ نوخیز رشکِ گلچہرگانِ فرنگ، بصد شان برنائی سوار ہے۔ کمر سے تلوار لٹکتی ہے۔ ہاتھ میں خنجرِ آبدار ہے۔ نوجوانانِ روم نے اُس پری کو دیکھ کر کہا:

پھر آج سامنا ہے کسی ماہِ عید کا
تارا چمک گیا مرے بختِ سعید کا

گھوڑے کا اِدھر اُدھر چھٹنا اور اُس زرّین کمر کا نازک ادائی سے ڈپٹنا ان کو ایسا بھایا کہ جنگ میں شریک ہونا بالائے طاق۔ اُس گلِ نودمیدۂ چمنِ خوبی میوۂ نورسیدۂ باغِ محبوبی آب و رنگ گلشنِ رعنائی، تدرو اوجِ زیبائی پر دل آیا۔ قیامت آئی۔ حسن صبیح نے ستم ڈھایا۔ وہ چشم جادو کہ سحرِ بابل سامنے گرد ہو جائے جمال مبین کے مقابل میں یوسفِ مصری کی گرم بازاری سرد ہو جائے۔

جوانی میکشی گیری بداد ضا عی بدا طواری
شریری بدزبانی کافری مکّار و طراری
بلائے جسم و جان و دل جفاجوی ستمگاری
حریف پختہ کاری رند عالم سوز عیّاری
بوقت جنگ دانائی بوقت صلح نادانی

آزاد پاشا نے از سرتا پا نظر ڈالی، تو دل میں سوچے کہ ابھی نامِ خدا سترھواں اٹھارھواں سال ہے۔ کانِ حُسن و جمال ہے۔ ابھی اس قابل ہے کہ دستِ سیمیں اور عذارِ رنگین کے بوسے لے۔ حُورانِ بہشتی کو دور ہی سے سلام کر کے اس کافر بدکیش کی پرستش کرے۔ یہ اور میدانِ جنگ؟ بارِ خدایا! اس مردمِ آزاد، ستمگار کو گزند سے بچا۔ ہائے ہائے! ایسا نہ ہو کسی شقی کا ہاتھ اس عربدہ جو سراپا جادو پر پڑے۔ ایک افسر نے ان کی کیفیت دیکھ کر کہا: آزاد ذرا سمند عشق کی باگ روکے ہوئے پھسل نہ جانا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عاشقی معشوقی کا وقت نہیں ہے۔ ترکوں کی عزّت پر بن آئی ہے۔ یہی وقت جانبازی و نبرد آزمائی ہے۔ مرد ہو یا عورت جوان ہو یا پیر فوج غنیم میں جو ہے ہمارے خون کا پیاسا ہے:

زادۂ ظالم ستم گری شود
تیغ چوں شکست خنجری شود

آزاد نے کہا لاکھ سنبھلتا ہوں، مگر دل ہاتھ سے جاتا ہے۔ اللہ رے حُسن:

غضب کی چیز ہے حُسن انسان لاکھ بچتا ہے
مگر دل کھنچ ہی جاتا ہے طبیعت آ ہی جاتی ہے

اُس نگارِ تند خو ناوک نگاہ ترش رو نے آزاد کو دیکھ کر کہا:

سنبھل کے رکھیو قدم راہ عشق میں مجنوں
کہ اِس دیار میں سودا برہنہ پائی ہے

یہ کہہ کر سیف اصفہانی برق دم چمکائی، اور توسن زبان کو میدانِ بیاں میں سُبک پو یہ کہا:

چو تندی کنم تندری گو ہرم چو آیم برزم اژدہا پیکرم

پلنگان ورم بر سرِ کوہسار نہنگان خورم بر لبِ جوئبار

در شتم بچنگال و سختم بزور بحملہ درم پہلو نرّہ گور

یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور ایک ترکی سوار پر ایسا تلا ہوا ہاتھ لگایا کہ دستِ چپ تڑ سے اُڑ گیا۔ خون کے شرّاٹے بہنے لگے۔ پھر گھوڑا بڑھا کر آزاد کے گھوڑے کی طرف جھکی تھی کہ آزاد نے تلوار کو چوم لیا۔

ترکوں نے نعرہ مارا اور آزاد نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

طفلی و ناکردہ کار در صفِ مردان مزن
پردہ نشینی ہنوز معرکہ تازی مکن

ترکوں نے اس زور سے نعرہ مارا، کہ آواز باز گشت سے کوسوں تک میدان جنگ گونجنے لگا۔ مگر روسیوں کا رنگ فق ہو گیا۔ مس کلیرسا نے جھلا کر گھوڑے کو پھیرا اور پھیر کر چاہا کہ آزاد کو ضرب شمشیر سے دو نیم کرے مگر جیسے ہی ہاتھ اُٹھایا آزاد پاشا نے فرس صرصر تگ کو آگے بڑھایا اور تلوار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو اپنی شمشیر سے روک کر بائیں ہاتھ سے اس پری چہرہ کے گال پر ہاتھ پھیرا تو ترکوں نے بڑے زور سے نعرہ مارا اور روسی جھینپ گئے۔ مس کلیر سا بھی کسی قدر لجائیں کہ ہزاروں آدمی کی جماعت میں اُس ترک زریں کمر نے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔ چہرہ مارے غصّہ کے تمتمانے لگا۔ طرفین کے آدمی دارو گیر سے تھک کر ہانپ رہے تھے۔ آزاد اور مس کلیر سا کے داؤں پیچ دیکھ کر لڑنا بھڑنا چھوڑا شمشیر زنی اور گولہ اندازی سے مُنہ موڑا کبھی آزاد جھپٹ کر جاتے تھے اور تلوار دکھا کر گھوڑے کو دو قدم واپس لاتے تھے۔ کبھی وہ تند خو جھلّا جھلّا کر توسن برق دم کو ایڑ لگاتی تھی۔ چوٹ پر چوٹ آتی تھی۔ مگر آزاد کی یہ کیفیت کہ کچھ چوٹیں تلوار پر روکیں۔ کچھ خالی دیں۔ ہوا تک نہ چھو سکی اُس پر کالۂ آتش نے دو ترکی سواروں کو مجروح اور ایک کو قتل کیا۔ آزاد محو صورت مجنون وار اور اُس لیلیٰ وش کے عاشق زار تھے۔ گو بر سرِ پیکار تھے مگر اُس قوس ابرو پر ہاتھ نہیں اُٹھتا تھا ایک مرتبہ غپّا دیکر اُس زن شیر افگن نے معاً ایسا ہاتھ جمایا کہ اگر کوئی ناواقف ہوتا تو گردن تن سے معاً جدا ہو جاتی لاش زمین پر پھڑکتی نظر آتی مگر آزاد نے اِس طرح بچایا کہ ہاتھ بالکل خالی گیا لیکن ہنوز اچھی طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اُس عاشق کش کی شمشیر دو پیکر نے کمیت خوشخرام کا آدھا کان اُڑا دیا۔ اس پر روسیوں نے تالیاں بجائیں ور اظہارِ خوشی کیا گھوڑے کا کان اُڑانا تھا کہ بل کرنے لگی اُس وقت کمر کا لچکنا اور بھی ستم ڈھاتا تھا آزاد کا دل ہاتھ سے جاتا تھا۔ مس کلیر سا اور آزاد کی چار آنکھیں ہوئیں تو تیر نگاہ ان کے کلیجے سے پار ہو گیا۔ ایک ایک رونگٹا عاشق نرگس بیمار ہو گیا۔ اشارہ کر کے کہا آگے آؤ بڑے مرد ہو تو قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ اس اشارے نے ان کو اور بھی مار ڈالا۔

یاد کرتا ہے اشارے سینکڑوں ہوتے ہیں قتل
چلتی ہے تلوار گویا جنبش ابرو نہیں

یہ باتیں اور اشارے ہو ہی رہے تھے کہ یکایک اس کافر مردم نے بھنڈارے کا ہاتھ لگانا چاہا قریب ہی تھا کہ بھنڈار کُھل جائے۔ مگر آزاد بنوٹ کے اُستاد آہنی کثرت کی مشق چڑھی ہوئی۔ فوراً تلوار پر تلوار روکی اور اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تڑ سے اُس گلعذار کے گورے گورے پیارے پیارے گال چوم لیے اور گھوڑا ہٹایا تو دس قدم کے فاصلے پر تھے۔ اس چھینا جھپٹی میں اُس کجکلاہ غیرت ماہ کی بانکی ٹوپی سر سے گر پڑی اور چوٹی جو گندھی تھی دھینگا مشتی میں کھل کر ادھر اُدھر مار خونخوار کی طرح لہرانے لگی۔ گورے گورے اور پیارے پیارے مُکھڑے اور لب لعل کے جوبن کو اُس طرۂ شبرنگ، وعنبر افشاں نے اور بھی دو بالا کر دیا۔ زلف سیاہ اور رُخ انور لیلۃ القدر اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آفتاب محشر۔ ع
قدرت کی ہے بہار اِدھر شب اُدھر سحر
اس بوسہ بازی اور خوش اندازی پر روسیوں تک نے قہقہہ لگایا میدان جنگ کو کشت زعفران بنایا۔ آزاد نے مُسکرا کر کہا۔

آئے ہیں وہ کھینچ کر تلوار بہرِ امتحاں
جوہر اپنے تو بھی دکھلا ہمّت مردانہ آج

خوجی: جوہر تو دکھا چکے۔ گرما گرمی سے بوسے لے چکے مگر اب خبردار رہیے گا۔ مزاج معشوق برہم ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو ہمّت مردانہ رکھی رہے۔ اور بُت کافر کام تمام کر دے۔ اب پلٹ آؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

آزاد: چپ گیدی! تو افیم گھولتا جائے۔ ان باتوں سے تجھ کو کیا سروکار ہے، بیکار ٹائیں ٹائیں لگائی ہے۔ خبردار جو بولا۔

خوجی: قضا دامن گیر ہے۔ آج بچ کر آؤ تو ناک ناک بدتا ہوں۔

جب اُس خاتونِ شیریں حرکات نے دیکھا کہ آزاد پاشا نے ایک چوٹ بھی نہیں کھائی، بلکہ ایک بار تلوار کا بوسہ مُنہ چڑھ کے لیا۔ دوسری مرتبہ گالوں پر ہاتھ پھیرا۔ تیسری دفعہ رخسارِ رعنا چوم لیے۔ تو کمال خفیف ہوئی اور اس خفت نے رگِ حمیّت کو ایسا جوش زن کیا، کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ گھوڑے کو آزاد کے گھوڑے سے بھڑا کر تلوار چمکا چمکا کر سر اور چاکی اور پالٹ اور جنیو اور کڑک اور باہرہ اور طمانچہ اور رائی ایک چوٹ نچھوڑی۔ ہاتھ گھمایا اور جمایا۔ دم لینا دشوار کر دیا۔ مگر واہ رے آزاد اس استقلال کے ساتھ ہنس ہنس کر چوٹیں بچائیں کہ ناظرین دنگ ہو گئے۔ آخر کار ان کے فرس باد رفتار کی گردن پر ایسا تلا ہوا ہاتھ لگا کہ گردن کٹ کر وہ گری۔ آزاد فوراً کودے۔ کودتے ہی ایک سوار نے اپنا گھوڑا خالی کر دیا۔ چشم زدن میں یہ گھوڑے کی پیٹھ پر آ کر اُس دلبر نازنین کے مقابلے کو بڑھے۔ اِس عرصے میں اُس خونخوار نے دو ترکوں کو مجروح کر دیا۔ آزاد پر تلوار لگانے ہی کو تھی کہ انھوں نے پھر تلوار پر تلوار روکی اور بنوٹ کے پیچ سے ہاتھ اور بازو کو اس طرح باندھا کہ تلوار اُس بُتِ پندار کے دست نازک سے چھوٹ پڑی۔ تلوار کے چھوٹتے ہی آزاد نے گلو بے رنگین میں ہاتھ ڈال کر پیشانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نورانی کا بوسہ لیا۔ تو گھوڑا ران سے نکل گیا۔

اب سُنیے! کہ وہ سرمایۂ نازنینی اپنے مشکی گھوڑے پر ران پٹری جمائے بیٹھی ہے آزاد اُس کے گلے میں ہاتھ ڈالے نصف لٹکتے ہیں نصف جسم گھوڑے کے پٹھے پر ہے، اور اس کا گھوڑا بیس قدم پر کھڑا ہنہنا رہا ہے۔ اسی کیفیت سے اُس یکّہ بازِ میدانِ خوبروئی نے گھوڑے کو پھیر کر ایڑ لگائی، اور مہمیز کا اشارہ بتایا تو گھوڑا فوج قلب روس کی طرف بگٹٹ بھاگا۔ آزاد کچھ لٹکتے کچھ سنبھلتے ساتھ ساتھ چلے جاتے ہیں۔ روسیوں نے ٹوپیاں اُٹھا اُٹھا کر تین بار نعرہ مارا۔ ترکی ونگ کہ یہ کیا غضب ہو گیا۔ خوجی نے درخت کی شاخ سے پھر غل مچایا۔ ارے یارو کیا دیکھ رہے ہو۔ غضب ہو گیا۔ حُسن آرا کا پیارا مَنیڈا کی پتلیوں کا تار گرفتار ہوا جاتا ہے۔

ترکوں کی طرف سے ایک سوار بھی بیچ بچاؤ کرتا نظر نہیں آتا ہے۔ چھ ترکی بدضات بڑھے کہ آزاد کو واپس لائیں۔ کمندِ شبیر بند زُلف کے دام سے بچائیں۔ مگر روسیوں نے اُن سب کو وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ آزاد کے واپس آنے کی امید منقطع ہو گئی۔ گولہ چلنے لگا۔ خوجی درخت سے پکارتے جاتے تھے کہ ہاں میرے شیر ایک اور۔ ایک خواجہ بدیع کی طرف سے اب کی ابروئے مشکبو کا اب کی بناگوش صفاگوش کا۔ اب کی چشمِ شہلا کا۔ اب کی رُخسارِ زیبا کا۔ حضرات نازنین ان کی ہانک کو سمجھے ہوں گے۔ سُنیے! آزاد نے جب اپنے کو گرفتار بلا پایا تو سنبھل کر گھوڑے کے پٹھوں پر بیٹھے۔ اور چمن چمن کے چشمِ بیمار اور لبِ لعل شکر بار اور عذار گُلنار کے بوسے لینے شروع کیے۔

خوجی اِس کیفیت کو بلندی سے دیکھتے جاتے تھے۔ ادھر آزاد نے آنکھ کا بوسہ لیا۔ اُدھر خوجی نے کہا شاباش ایک بار اور آزاد نے بناگوش کو چوما۔ اُنھوں نے ہانگ لگائی۔ ایک خواجہ بدیع کی طرف سے بھی۔ جی بجا ہے۔ مُنہ دھو رکھیے۔ خواجہ بدیع کا مُنہ بوا زعفران کے قابل ہے یا مِس کلیر سا کے قابل۔ اے توبہ۔ ایاز قدرِ خود بشناس۔ مگر واہ رے آزاد۔ واللہ بڑے خوش نصیب نکلے۔ قید بھی ہوتے تو کس آن کے ساتھ۔ زندان کی طرف بھی سدھارے تو کس شان کے ساتھ بیش بہا گھوڑے پر سوار بغل میں نگار، رشکِ فرخار، اور لطفِ بوس و کنار۔ گھوڑا جو سرپٹ جاتا تھا تو چوٹی کے بال کبھی بکھر کر رُخِ انور پر لہراتے تھے۔ چہرۂ نورانی کے اِدھر اُدھر پریشان ہو جاتے تھے۔ یہ شعر بالکل حسبِ حال تھا:

ہوئی شام بکھرے جو چوٹی کے بال
ہٹی زلف رُخ سے سحر ہو گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب مس کلیرسا کا شبدیز سبک خیز اس حالت میں روس کی اُس فوج میں داخل ہوا! جو آدھ میل کے فاصلے پر کھڑی تھی، تو روسیوں نے تین بار نعرۂ خوشی بلند کیا۔ کوئی چالیس، پچاس آدمیوں نے آزاد کو گھیر لیا۔ دس ایک ہاتھ پکڑے ہیں۔ پانچ دوسرا ہاتھ پکڑے ہیں، دو چار نے ایک ٹانگ لی۔ دو چار نے دوسری ٹانگ اس طرح پر چرغٹو کیا، کہ آزاد کو بے اختیار ہنسی آئی۔ کہا بھئی آخر یہ ہاتھ اور پاؤں اور کمر پر کیوں قبضہ کیے رہتے ہو۔ اگر ایسا ہی خوف ہے، تو اسلحہ کھول لو۔ قید کر دو۔ دس بارہ آدمیوں کا پہرا رہے۔ ہم بھاگ کے جائیں گے کہاں۔ روسیوں نے کہا اب یہ بھرّے کسی اور کو دو۔ ایک مرتبہ تم ہمارے پنجے سے پھنس کر چھوٹ گئے ہو۔ اب خلیل خاں فاختہ اُڑا چکے۔ کل اسلحہ تم سے چھین لیے جائیں گے۔ ایک میدان میں تمہارے لیے مکان بنے گا۔ اُس کے چاروں طرف ہر وقت سو آدمیوں کا پہرہ رہے گا۔ دس آدمی شمشیر برہنہ لے کر تمہارے سر پر کھڑے رہیں گے۔ اب کی کامل نگرانی کی جائے گی۔

آزاد : ایک ذرا سے آدمی کے لیے یہ بندوبست! الامان! الامان!

ایک روسی : جی بجا ہے۔ آپ ذرا سے آدمی ہیں؟ چہ خوش۔ درست ہے۔

دوسرا : اجی آپ بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ ہیں آپ بڑے کلاں۔ بس۔

تیسرا : بھلا ہمیں بھی پہچانتے ہو۔ عمر بھر میں کبھی کہیں دیکھا تھا۔

آزاد : یاد نہیں آتا۔ اخاہ اُس جزیرے کے کرنل صاحب ہیں۔

آزاد پاشا نے جھک کر سلام کیا، اور کہا معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا۔ آپ کی پچھلی عنایتوں کا کمال مشکور ہوں۔ کہیے مزاج اقدس۔

کرنل : اُس مرتبہ تو اچھا چکما دے کے چل دیے تھے۔ کیوں صاحب۔

آزاد : اور کیا اب کی نہ چکما دے کے بھاگیں گے۔ دیکھ لیجیے گا:

کب سبکدوش رہے قیدی زندانِ وطن
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

ہم آزاد منش لوگ کہیں قید کی سختیاں سہہ سکتے ہیں۔ اے توبہ! ادھر میاں آزاد کرنل سے باتیں کرتے تھے، اُدھر مس کلیرسا جنگی وردی اُتارتی تھیں۔ مس کلیرسا دل میں کمال خفیف تھیں، کہ اس نامحرم نے ہزاروں آدمیوں کے سامنے عین میدان میں صدہا بوسے لیے، اور چومتے چومتے ناک میں دم کر دیا۔ جی چاہتا تھا کہ آزاد کے سامنے جائیں، مگر شرم معلوم ہوتی تھی۔ شرم سے دل ہی دل میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کٹتی تھیں۔

کرنل: مس کلیرسا آپ کا نام سن کر مقابلے پر گئی تھیں۔ اور سرخرو آئیں۔

آزاد: (مسکرا کر) اگر یہی ہتھکنڈے ہیں تو دس پانچ دن میں جوانانِ ترک بندھے چلے آئیں گے اچھی کٹی دکھائی۔ ایک ہم پر کیا فرض ہے ہزاروں عاشق تن نوجوانوں کی جان پر بن آئے گی مس کلیرسا کی سی پندرہ بیس خوبرو کمسن خاتونیں اگر مورچے پر جائیں، تو شاید ترکوں کی طرف سے گولہ اندازی ہی موقوف ہو جاتے۔ جنگ کا ڈر باہی پھونک دیں۔ اچھی حکمت عملی سوچی خوب۔

کرنل: شرم نہیں آتی۔ شانزدہ سالہ لیڈی سے تلوار لڑنے آئے تھے۔

آزاد: شانزدہ سالہ لیڈی! اہو نہہ، اگر دعویٰ ہے تو کوئی دس آدمی تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں۔ بسم اللہ آئیے اور کیفیت دیکھیے۔

کرنل: مس کلیرسا سے تو جیت نہ پاتے، مردوں سے کیا لڑو گے بھلا۔

روسی: ٹنگے ہوئے چلے آتے۔ جیسے شکار کو ٹانگ کے لے آتے ہیں۔

دوسرا: واہ ری کلیرسا۔ بایاں قدم لے۔ ساری شیخی خاک میں ملادی۔ واہ ری کلیرسا۔ کیا پھرتی ہے کتنی جیوٹ ہے۔

آزاد: حضرت اس میں تو شک نہیں کہ ہم اس وقت شکار ہو گئے۔ مگر کس کے صید ہوئے۔ مس کلیرسا کی ادا نے مار ڈالا۔ اور تیغ نگہہ نے زخمی کیا:

ف

من ازاٰں حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخارا

خدا مس کلیرسا کو صد و سی سال کی عمر دے۔ آمین آمین۔

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

کرنل: آج ہم جشن کریں گے کہ آزاد پاشا گرفتار ہو گئے۔

آزاد: ہم بھی شریک ہوں گے بھلا کلیرسا بھی ناچیں گی؟

کرنل: اجی وہ آپ کو انگلیوں پر نچائیں گی۔ آپ ہیں کس بھروسے۔

آزاد: خدا ہی ہے جو اب ہم بچ سکیں۔ بُرے پھنسے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تری گلی میں ہم اس طرح سے ہیں آئے ہوئے
شکار ہو کوئی جس طرح چوٹ کھائے ہوئے

ہائے ستم، وائے ستم، بڑے بُرے پھنسے، مگر خیر، جو مرضی۔

خدا ترا یتِ نادان دراز سِن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

کرنل: آج بادۂ احمر سے سرخوش و تر دماغ ہوں گے کہ آزاد پاشا سے نامی گرامی جنرل کو گرفتار کر لائے۔ ہات ترے کی۔ بڑے مڈھ کو پھانسا۔

آزاد: خیر، مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ ہم پھر بھاگ جائیں گے۔ نہایت زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔ حضرت جوانی کا عالم ہے مس کلیرسا کو دیکھا۔ طبیعت خوش ہوئی۔ اشارے سے اُنھوں نے کہا۔ ہائے ساتھ چلو۔ ہم چلے آئے۔ دل قابو میں نہ رہا۔ کسی نے خوب کہا ہے:

رشتہ درگردنم افگند دوست
می برو ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کرنل نے کہا۔ واہ اچھے جواں مرد ہو۔ آئے میدانِ جنگ میں اور عورت کو دیکھ کر پھسل گئے۔ ایک نہیں ہزار خوبرو ہمارے سامنے آئے مجال کیا کہ دل ہاتھ سے جائے۔ جنگی جوانوں کو کہیں عورتیں پُھسلا سکتی ہیں۔

آزاد: بوڑھے ہو گئے نہ۔ ایسا تو کہا ہی چاہو۔ ع

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

بڑھاپا بھی کیا بُری چیز ہے۔ کوئی ہم جوانوں کے دل سے پوچھے کہ خوبرو عورت کو میدانِ جنگ میں دیکھ کر کیسی گذری۔ مس کلیرسا:

انچہ کردی تو میں، ہیچ بہ انسان نکند
مرگ با جاں نکند کفر بہ ایمان نکند

کرنل: اخاہ ریجھے ہوئے ہیں۔ اب قید خانے میں بیٹھ کر دند ناؤ۔ فے غمِ دُزدنے۔ غم کالا۔ چلین ہی چلین لکھتا ہے۔ ہم اپنے افسر کو لکھیں گے کہ ان کو سینٹ پٹرز برگ یا ماسکو یا سیبیریا بھیج دیجیے۔ یہ خطرناک آدمی ہیں۔ ان کی حفاظت اچھی طرح کرنا چاہیے۔

آزاد: اللہ اللہ! آپ ایسے مہربان ہو کر ہم سے اس قدر خلاف ہو جائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنل : تمہارے بھاگ جانے سے ہم پر گورنمنٹ روس کا سخت عتاب ہوا۔ تنخواہ کم کردی گئی، اور وزیر جنگ نے بلوبک میں ہمارا نام لکھ دیا۔

آزاد : بجا ہم کو بھی کوئی لونڈا سمجھے ہیں آپ۔ بلوبک۔!

کرنل : خیر۔ اب بچا ہی بنا کے چھوڑوں گا۔ کیا نکل بھاگے تھے۔ ایک روسی نے آزاد سے کہا کہ اپنے بھاگنے کا حال مفصل بتایئے۔

اخباروں میں مختلف طور پر یہ روایت درج ہوئی ہے۔

آزاد : واہ۔ کبھی حشر تک تو بتاؤں نہیں۔ اگر پھر کبھی ویسا ہی اتفاق ہو تو دھر ہی لیا جاؤں۔ ایک قدم بھاگنے نہ پاؤں۔

روسی : ہاں۔ اور ابھی آپ کو یقین ہے کہ بھاگ بھی جایئے گا۔

آزاد : آج کے پانچویں دن ہم یہاں نہ ہوں گے، جو ہمیں یہاں پایئے تو جو کہیے وہ ہاریں چاہے کچھ کچھ بد لیجیے۔ آیئے ہاتھ لایئے۔

روسی : ایں! اس یقین کے صدقے۔ گویا اپنے نزدیک یاروں میں بیٹھے ہیں۔ چہل ہو رہی ہے۔ شرطیں بدی جاتی ہیں۔ واللہ بڑے مستقل مزاج آدمی ہو، مگر تمہاری جوانی پر افسوس آتا ہے۔ دس پانچ دن میں سیبیریا کے جنگلوں میں ہوا کھاتے ہو گے۔ برفستان میں ٹھٹھرو گے۔ جم کے کھنگر ہو جاؤ تو سہی۔

آزاد : واہ۔ ٹھٹھرنے کی ایک ہی کہی۔ ہم بھی تو سرد ملک کے رہنے والے ہیں۔ سیبیریا جائیں تو گویا اپنے گھر پہنچ گئے۔ خدا ہم چنیں کند۔

کرنل : تو پھر سیبیریا کے برفستان میں بھیج دوں؟ ہے اجازت؟

آزاد : چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ خانۂ احسان آباد۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ اس قید سے تو وہیں اچھے رہیں گے۔ بھلا وہاں شادی کرنے پائیں گے؟ اگر کلیرسا کی سی کوئی دُلہن مل جائے تو ہم سیبیریا کے باپ میں جا کے رہیں۔

شبِ وصل ہو چاندنی کا سماں ہو
بغل میں صنم ہو خدا مہرباں ہو

کرنل : ہم تو آپ کی شہسواری اور سپہ گری کی بڑی دھوم سُنتے تھے مگر آواز ڈھول ہی تھی۔ ع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے طبل بلند بانگ — نہ باطن ، ہیچ

مردانِ میدان اور سپہ سالارانِ ظفر توامان کو معرکہ دار و گیر میں زنانِ حسین اور رولیاں مہ جبیں کا خیال کجا۔ لیکن آپ جب سے آئے ہیں۔ حسینوں اور نازنینوں کے ذکر کے سوا، اور کوئی بات ہی آپ کی زبان سے نہیں سُنی۔ جب سُنیئے۔ عورت، عورت، عورت، اگر آپ ہمارے مہمان نہ ہوتے تو ہم آپ کے مُنہ پر کہہ دیتے کہ آپ بڑے بدمعاش ہیں۔ تم اپنے ملک کی طرف سے لڑنے آئے ہو یا گھورا گھاری کرنے آئے ہو۔ مردِ خدا کچھ تو غیرت چاہیے، واہ ری جوانمردی۔

آزاد : ہم تو رنگین طبع آدمی ہیں۔ جہاں رنگین آدمی دیکھا وہیں بیٹھ گئے۔ تم لوگوں سے یارانہ ہو جائے تو تمہارے ہی طرف سے لڑنے لگیں۔ آزاد تو ہیں ہی۔

آزادہ رُو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کُل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

اتنے میں ایک روسی سوار بھی خراماں خراماں آیا۔ آزاد نے دیکھا تو پہچانا، مگر عمداً بات چیت نہیں کی۔ جب قریب آیا تو اُس نے کہا اخاہ بعد مدّت ملے حضور کہاں تھے؟ پہچانا یا نہیں پہچانا۔

آزاد : ہاں۔ کہیں دیکھا تو ہے مگر اس وقت خیال نہیں ہے۔

روسی : ایک دن میں نے بھی پہرا دیا تھا۔ مگر حضور تو ایسا بھاگے کہ پیچھے پھر کے دیکھنا قسم تھا۔ شاید کوئی بات — ناگوار طبع ہوئی۔ (مسکرا کر) میزبانی ہم لوگ اچھی طرح نہ ادا کر سکے۔ خیر اب سہی :

باز آمدم کہ سجدہ ایں خاک پا کنم
گر طاعتی قضا شدہ باشد ادا کنم

اس شعر اور اس فقرے سے آزاد پاشا کے دل میں بڑی ڈھارس ہوئی۔ حضرات ناظرین۔ یہ روسی سوار وہی شخص تھا جس کی مدد سے آزاد اس جزیرے سے بھاگ آئے تھے۔ پہلے آزاد نے چاہا کہ صاحب سلامت بھی نہ کریں۔ شاید کسی پر کُھل جائے تو وہ بے چارہ نیکی کا ثمرہ بدی پاتے، مگر جب وہ خود مخاطب ہوا تو ان کو بھی بولنا پڑا۔ اس کو یہ فقرہ کہا (حق میزبانی ہم لوگ اچھی طرح نہ ادا کر سکے۔ خیر، اب سہی) ان کو از بس پسند آیا۔ خصوصاً اس (خیر اب سہی) نے اور بھی تشفی دی۔ پانچویں روز وزیرِ جنگ نے کرنل فوج کے نام آزاد کی نسبت یہ حکم دیا آزاد نامی ایک پاشائے ترکی نے انتہا سے زیادہ بے ادبی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گستاخی کی کہ روس کی ایک دوشیزہ رئیس زادی مس کلیرسا کو عین میدانِ جنگ میں بدتمیزی سے چوم لیا۔ ع

کھال اس کی جو کھینچیے روا ہے

تعجب اور شرم کی بات ہے کہ ہزار ہا روسی سوار اور پیادگان بے شمار اور افسرانِ جرار کھڑے منہ تاکتے رہے۔ اور اس ترکی نے لب اور آنکھ اور رخسار کے سینکڑوں بوسے لیے۔ اس بدتمیز گستاخ کے لیے بڑی سخت سزا صیغہ جنگی نے تجویز کی ہے۔ سیبیریا کے ان میدانوں میں یہ شخص بھیجا جائے جو سب سے زیادہ سرد ہیں۔ وہاں ایک ایسے مقام پر بود و باش اختیار کرے، جہاں جان جانے کا کھٹکا نہ ہو مگر اس کے مزاج کو آب و ہوا راس نہ آئے اس کے علاوہ ان امور کا بھی برتاؤ رہے گا۔

1۔ جب تک زندہ رہے کسی شخص سے بولنے نہ پائے۔ اگر کسی سے بات کرے تو دونوں پر سوسو بید پڑیں۔ اگر خود بخود بات کرے تو دو سو بید پڑیں۔

2۔ کھانا صرف ایک وقت دیا جائے۔ آدھ سیر۔ ایک دن ساگ اُبالا ہوا، دوسرے دن کوگوڑا اور روٹی۔ پانی کے تین آبخورے رکھ دیے جائیں۔ چاہے ایک ہی مرتبہ پی جائے، چاہے دس بار پیے۔

3۔ دس سیر آٹا روز پیسے، اور دو گھنٹے روز دلیل بولی جائے۔ چکی کا پاٹ سر پر رکھ کر چکر لگائے۔ ذرا نہ بیٹھنے پائے۔ دم نہ لینے پائے۔

4۔ ہفتے میں ایک بار عین سردی کے وقت برف میں کھڑا ہو۔

5۔ کپڑا باریک ملے، مگر کمبل ضرور ہو۔ ٹوپی نہ دی جائے۔ برہنہ سر رہے۔

6۔ ہفتے میں ایک دن اُٹھنے نہ پائے۔ صبح سے سات بجے تک دو بار اُٹھنے پائے، مگر پھر دوسری صبح تک اُٹھنے یا کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

آزاد: اور دلیل کیوں کر لی جائے گی پھر جس وقت یہ حکم جاری کیا معلوم ہوتا ہے مخمور تھے۔ واللہ! اچھی منہ کی کھائی۔ غصے میں تھے۔

کرنل: بڑے مستقل مزاج اور بے پروا آدمی ہو۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

7۔ آزاد کے سر پر ایک بال بھی نظر نہ آئے، اور آدھی رات کے وقت پانی کا تڑیڑا روز دیا جائے۔ جس میں چھٹی کا دودھ یاد آئے۔

آزاد: چہ خوش۔ ازیں چہ بہتر۔ گرمی نکلتی جائے گی۔ اچھا ہے۔

آزاد پاشا دل میں کمال خائف تھے کہ خدا ہی خیر کرے۔ اب کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ وزیر جنگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے حکم بھیج دیا تو اب فریاد کس سے کریں، اور فریاد کریں بھی تو شنوائی کون کرے گا۔ کرنل نے دو چار حکم اور پڑھے۔ ایک یہ کہ آزاد کا بایاں ہاتھ مہینے میں ایک بار داغا جائے، اور کوئی ایسی دوا دی جائے جس سے یہ بالکل بہرے ہو جائیں بمطلق نہ سُنیں۔ آزاد نے کہا۔ چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد۔ خانۂ احسان آباد۔ زبان یوں بے کار ہوئی کہ بولنے نہ پائیں گے۔ کان یوں بے کار ہوئے کہ سُننے نہ پائے۔ مگر جہاں بہرے والے چوکے اور ہم نے لہرانا شروع کیا۔" جب سے گیو موری سدھ ہی نہ لینی"، کیسے کٹھن کٹھور، اور کبھی کبھی غزلیں گائیں گے۔ مگر اُسی وقت کے حسبِ حال جب مس کلیرسا کے گھوڑے پر سوار تھے، اور وہ حور بغل میں بیٹھی تھی۔ گل سے رخسار پر زلفِ عنبر بار کا مار کی طرح لہرانا یاد آئے گا۔ تو یہ شعر پڑھوں گا۔

کھول دی ہے زلف کس نے پھول سے رخسار پر
چھا گئی کالی گھٹا ہے آن کر گلزار پر

گرمی رخسارِ یار کو یاد کر کے برجستہ یہ شعر موزوں پڑھوں گا۔

نقشِ پا سے پنجشاخہ قبر پر روشن کرو
مر گیا ہوں میں تمہاری گرمی بازار پر

ابرو پر ہزار جان سے عاشق ہوں۔ ادھر ابرو یاد آئے، اُدھر یہ شعر پڑھ دیا۔

زابر دانِ تو بے اختیاری ترسم
بمرتضی کہ ازیں ذوالفقاری ترسم

ہے ترے رُخ سے آفتابِ خجل — کفِ پا سے ہے ماہتاب خجل
جام پر ہنس رہا ہے ساغرِ لب — چشم می گوں سے ہے شراب خجل
دیکھتے ہی عرق عرق ہو جائے — آگے اُس گل کے ہو گلاب خجل
کیوں نہ انگاروں پر سدا لوٹے — دلِ سوزاں سے ہے کباب خجل

کرنل: اب تمہارے دیوانہ پن میں ہمیں کوئی شک نہیں رہا۔

آزاد: ع

دل لگی کرتی ہیں حوریں ترے دیوانے سے

دیوانہ کہو، چاہو جو بناؤ، ہم تو اب کفن پوش ہو گئے۔ یہ سختی ہم سے نہ اُٹھائی جائے گی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سختیاں ایسی اُٹھائیں ان بتوں کے ہجر میں
رنج سہتے سہتے پتھّر کا کلیجا ہو گیا

کرنل: پھر اب ہم کیا کریں۔ وزیرِ جنگ کا حکم ہے۔ افسوس!

آزاد: اے لاحول۔ ہم کیا کہتے ہیں، اور آپ کیا کہتے ہیں۔ من چرمی سرائم و طنبورۂ من چرمی سرا پد، کہیں کھیت کی سُنیں کھلیان کی۔ وزیرِ جنگ کے حکم سے کسے خوف ہے۔ اے لاحول۔ افسوس یہ ہے کہ فراق یار کی سختی نہ جھیلی جائے گی۔ اُف آخر میں کرنل صاحب نے یہ فقرے بڑھ کر آزاد پاشا کو سنائے "لیکن اگر مِس کلیرسا رحم کریں تو ان کو اختیار ہے۔ کہا اُس نابکار آزاد کو کوئی خفیف سزا دیں" مگر آزاد کا چھوڑ دینا کسی حالت میں روا نہیں ہے۔ اگر مِس کلیرسا کوئی خفیف سزا تجویز یں تو ہم کو (یعنی وزیرِ جنگ کو) اُس سے اطلاع ہونی چاہیے۔

کرنل: خیر، شاید مِس کلیرسا معاف کر دیں۔ عجب نہیں ہے۔

ایک روسی: نہیں حضور، ممکن کیا کہ معاف کر دیں۔ بڑی تیکھی ہیں۔

دوسرا: اور خداوند یہ راستے میں چومتے بھی تو آئے۔ ہونٹھوں اور پیشانی کے خوب بوسے لیے۔ بڑے رنگین اور بے تکے آدمی ہیں۔

کرنل: چوم لیا، یہ کہاں، چوم کہاں سکے۔ میدان میں یا یہاں اگر یہ تو فرمایئے۔ دس برس کی تو ایک اس ایک جُرم کی سزا ہے۔ پڑے جہنم میں اب۔

جنٹلمین

آزاد پاشا بیچارے تو حُسن اور عشق کے جھگڑے میں پڑے ہیں۔ مِس کلیرسا نے جادو کر دیا۔ ان کا حال تو دو چار روز کے بعد لکھا جائے گا۔ بالفعل ٹھاکر صاحب کی کیفیت سُنیے! کون ٹھاکر صاحب؟ فرسٹ کلاس جنٹلمین۔ گاؤں کے کوڑے کر کے، بنگلہ اور بگھی اور گھوڑا خرید۔ شہر کے بے فکروں کو خبر ہوئی کہ ایک نئے بگڑے ہیں چل کے بناؤ۔ صبح شام بے فکروں کا جماؤ ہونے لگا۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین نے جنٹلمینیت کا کل سامان لیس کر لیا۔ اتفاق سے آٹھ دس دن میں اُن کی نانی بھی مر گئیں۔ ایک دن دربارِ عام میں رئیس ممدوح بیٹھے تھے کہ گاؤں سے خط آیا۔ پڑھا۔ مصاحبوں سے کہا۔ نانی جان کے مرنے کی خبر آئی ہے۔ دل میں کمال خوش کہ بڑھیا ڈھلکی تو ڈھلکی۔ بالفعل جائداد تو ملی۔ اس خوش نصیب پیر زن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے پاس پندرہ بیس ہزار روپیہ نقد تھا۔ سو روپیہ ماہواری اس کے گاؤں سے آتا تھا۔ مصاحب بھی دل میں خوش ہوئے مگر ظاہرداری کے لیے یوں کہنا شروع کیا۔

دیبی دین: بیچاری مر ہی گئیں۔ عمر تو پوری کر چکی تھیں، مگر اور دو چار برس جیتیں رام سنگھ (ٹھاکر صاحب کے بیٹے کا نام ہے) کا بیاہ دیکھ لیتیں۔

سراج الدین: (منہ بنا کر) خداوند نعمت موت برحق ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ اور جس کسی کا کوئی عزیز اس جہانِ فانی سے اٹھ جاتا ہے، اس کو رنج ہوتا ہے۔ مگر خداوند جہاں تک ممکن ہو رنج کو پاس نہ آنے دے۔

راوی: رنج! معقول! یہ کہو کہ آج ٹھاکر صاحب گھی کے چراغ جلائیں گے۔ خوشی منائیں گے۔

خلیل: حضور بڑا افسوس ہوا۔ اللہ جانتا ہے غضب ہی ہو گیا۔ ہائے!

ہزاری: غضب سا غضب ہوا، گھر ہی بیٹھ گیا۔ سارا عیش خاک میں مل گیا۔ بڑی نیک بخت تھیں۔ بیچاری اور مزاج میں خیر۔ یہ تو گولا آیا اس وقت خدا صبر جمیل کرامت کرے۔

مسخرہ: گولا ان کے محفل میں پھٹا۔ سب سے بڑا ٹکڑا تمہارے اوپر پڑا اور ابھی ان بیچاری کا سن ہی کیا تھا۔ بہت ہوں، بہت ہوں، دس اوپر سو۔ پھر یہ بھی کوئی عمر ہے۔ عین جوانی میں اٹھ گئیں۔ حضور اس محلے میں ان کا ہم سن کوئی نہ تھا۔ اور خیر تو اتنی بڑی تھیں کہ اگر کوئی مانگتے مانگتے مر جاتا تو ٹکا نہ پاتا۔ حضور کے تو حواس اس وقت ٹھکانے نہ ہوں گے۔ یکایک ایسی خبر وحشت اثر سامع کوب ہوئی۔

جنٹلمین: (ٹھاکر صاحب) کیا واہیات (مسکرا کر) بڑے مسخرے ہو۔ ٹھاکر صاحب نے بارہ چودہ ہزار روپیہ نقد پایا تو زمین پر قدم نہ رکھا۔ دس پانچ دن کے بعد ٹھاکر صاحب کے دربار میں رفقا اور مصاحبین صحبت گرما رہے تھے اور بلبلِ ہزار داستان کی طرح چہک رہے تھے۔

ایک بولا: خداوند دو چار بیبانی کرسیاں بھی خرید لیں۔ دوسرے نے کہا اب کی پکالن صاحب کے ہاں نیلام ہو تو نازک نازک پلنگڑیاں ضرور لیجیے۔ تیسرے نے صلاح دی کہ خداوند جنٹلمین بستی میں نہیں رہا کرتے۔ کہیں باہر چل کے رہیے۔ چوتھے نے کہا۔ اجی ہم بتا دیں۔ دریا پار ایک کوٹھی خالی ہے۔ کوٹھی کیا پری ہے۔ پرستان ہے۔ بہشت بریں ہے۔ ٹھیک دو پہر کے وقت لوں کے تھپیڑے اس زور سے چلتے تھے کہ الامان!

رفقا: ایں! اوچھا۔ بھئی واللہ کیا خوب کوٹھی ہے (لوں کے تھپیڑے) چلتے ہیں اور حضور یہ اندھیر دیکھیے کہ دو پہر کو لوں چلتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خلیل : اجی اب بنانے کی بات تو اور ہے پوری داستان سُنی ہی نہیں، اور ٹٹوے پر چڑھ بیٹھے۔ مطلب تو سُن لو خداوند! اس قدر زور سے ہوا چلتی تھی اور اس قدر دھوپ تیز تھی کہ الحذرالحذر اُس کوٹھی کے ایک کمرے میں جو سویا تو قسم خدا کی بہشت لطف پایا۔ تڑکا ہو گیا۔

ٹھاکر : بھئی ضرور خریدیں گے۔ بھلا کہاں تک مل جائے گی؟

خلیل : حضور یہی کوئی دس بارہ ہزار تک کی ہوگی۔ بس اور کہا۔

راوی : کُل پونجی گھمانے کی فکر ہے۔ اچھا منصوبہ کیا۔ بھئی واہ۔

خلیل : دس بارہ ہزار گراں ہے۔ تو خداوند غلام برسوں کا نمک پروردہ ہے۔ کیا اتنی بات بھی نہ ہو سکے گی کہ پھسلا پھسلو کے مالک مکان کو راہ پر لائے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ مگر حضور ایک دفعہ چل کے کوٹھی دیکھ لیں۔ پھر گفتگو کی جائے۔ فوراً معاملہ طے ہو جائے گا۔

ٹھاکر : اچھا (اپنے دل میں) لب دریا کوٹھی مل جائے تو بڑی دل لگی ہو، پھر پورے جنٹلمین بن جائیں۔ خدا کرے دو ڈھائی ہزار کو ملے اور کوئی پانچ سو میں کرسی میز وغیرہ خرید لیں۔ بس پھر صاحب لوگوں سے ہاتھ ملائیں۔

ہزاری : حضور ایک ڈکڑی ضرور چاہیے بے ڈکڑی کے لطف نہیں۔

ٹھاکر : پہلے کوٹھی خرید لیں۔ مُقدّم کوٹھی ہے۔ کوٹھی کے بعد پھر اور سب انتظام تو چٹکیوں میں ہو جائے گا۔ آج شام کو جاکے دیکھیں گے۔

اتنے میں ایک درباری نے کہا باہر آپ کے کوئی دوست کھڑے ہیں۔ فرمایا کہہ دو۔ ٹھاکر صاحب اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔

مسخرہ : ہمارے حضور میں ایک بڑا وصف ہے کہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

رفقا : (مسکرا کر) بڑے بدتمیز ہو، میاں۔ حضور سے بھی دل لگی کرتے ہو۔

ٹھاکر : یہ مسخرہ کیا جانے جی۔ جنٹلمین کا قاعدہ ہے کہ اگر ملاقات نہ منظور ہوئی تو کہہ دیا کہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس کو جھوٹ بولنا نہیں کہتے۔

مسخرہ : اے سُبحان اللہ۔ اچھے جنٹلمین بنے۔ بنے ہوئے ہیں۔

ٹھاکر : تم یہ باتیں کیا جانو۔ اس وقت ہم یوں بیٹھے ہیں نہ اگر کوئی ملاقات کو آئے جھپ سے انگرکھا پہن لیں۔

مسخرہ : ایں! یہ کیا اس کے کیا معنی۔ کوئی بدن نہ دیکھ لے۔ ہم تو کبھی انگرکھا نہ پہنیں۔ کچھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جورو تھوڑا ہی ہیں۔

ٹھاکر: کسی نے جماہی لی اور ہم نے منہ میں خاک جھونک دی۔

مسخرہ: حضور خدا ہی خیر کرے۔ کل محمد و جرّاح کو ساتھ لانا پڑا۔ واللہ آج تو نئی بات معلوم ہوئی۔ حواس منقدم ہیں۔

ٹھاکر صاحب کے ایک دوست نے جو اُن کی تخریب کے درپے تھے ایک روز ان سے کہا کہ یار تم جنٹلمین تو بنے ہو، مگر جنٹلمینوں کی باتیں نہیں سیکھتے خالی خولی نام کے جنٹلمین بن بیٹھے۔ لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہو گئے۔

ٹھاکر: اچھا پھر تمہیں بتاؤ۔ بتاتے دتاتے خاک بھی نہیں۔ اعتراض کرنے کو موجود جنٹلمین کی کون سی بات ہم میں نہیں ہے فرمائیے!

دوست: جنٹلمین کو کبھی یوں ہوا کھاتے نہیں دیکھا۔ جس طرح تم ہوا کھاتے ہو۔ جنٹلمین بنتے ہو تو ٹھکرائن صاحبہ کو بغل میں بٹھا کے ہوا کھانے نکلا کرو، کہ پوری جنٹلمینیت پائی جائے۔

ٹھاکر: اے ہے۔ آپ نے کچھ سُنا بھی۔ میاں ہم سب پاپڑ بیل چکے ہیں۔ کئی بار کہا کہ شب کو ہمارے ساتھ ہوا کھانے چلو۔ وہ مانتی ہی نہیں۔

راوی: اس جنون کے قربان۔ پاگل پن اسی کو کہتے ہیں۔

دوست: واہ اچھی بیوی ہیں۔ آپ زن مرید ہی رہے بس۔

ٹھاکر: بھائی وہ گنوارن ہیں گاؤں میں رہیں۔ گاؤں میں بڑھیں۔ گاؤں میں تربیت پائی۔ شہر کی باتیں کیا جانیں۔

راوی: بجا۔ شہر کی ہوتیں تو شاید ہوا کھایا کرتیں۔ کیوں نہیں۔

دوست: ایک کام کرو۔ ایک روز کسی بہانے سے لے چلو۔ جب سڑکوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کھائیں گی تو خود ہی جی پھر پھرائے گا۔

ٹھاکر: اچھا دیکھو ایک دن کہیں گے مگر یار ہم تو چاہتے ہیں کہ کھلی ہوئی گاڑی میں یا فٹن پر سوار ہو کر نکلیں۔ یہ وہ حشر تک نہ مانیں گی۔

دوست: بھلا کچھ ناچنا بھی جانتی ہیں۔ یا بالکل نہیں۔

ٹھاکر: کیا؟ چُپ رہو۔ سور۔ ناچتی آپ کے ہاں ہوں گی۔ کیا خوب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوست : بھائی جان بُرا ماننے کی کیا بات ہے جنٹلمین بنتے ہو نہ ۔

ٹھاکر : کیا خوب ناچنے کی ایک ہی کہی بمعقول!

مسخرہ : کہتے ہیں حضور سے کہ جنٹلمین نہ بنیے مگر حضور مانتے ہی نہیں۔ جنٹلمین بننے میں بڑی جوکھم ہے۔

فرسٹ کلاس جنٹلمین ناچنے کے لفظ پر بہت بگڑے ان کے دوست جوان کو انگلیوں پر نچا رہے تھے، چپ چاپ بیٹھے۔ گویا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ اتنے میں رفقا نے اِدھر اُدھر کا ذکر چھیڑا۔

ایک : حضور آج دو صاحب لوگ اُدھر جاتے تھے۔ پوچھا اوّل کس کا بنگلہ ہے۔ میں نے حضور کا نام لیا۔ کہا ایک تختے پر نام لکھا رہے۔

ٹھاکر : ہم سمجھ گئے جنٹلمینوں کا قاعدہ ہے۔ ضرور چاہیے۔ بات ٹالنے کے لیے ان کے دوست نے ایک افیمی مصاحب کو چھیڑنا شروع کیا۔ کیوں بھئی میاں خلیل آپ کے پدرِ بزرگوار کہاں نوکر تھے۔

خلیل : (پینک سے چونک کر) میاں کس نے ہمارا نام لیا تھا؟

دبیجی : اجی نہیں، تم سوتے رہو۔ تم سے کسی کو کیا واسطہ۔

دوست : میاں خلیل اللہ ہوت (کان کے پاس جاکر) میاں خلیل اللہ!

خلیل : (چونک کر) یاران، ذرا سونے دو۔ ہائے کس مزے کی پینک ہے۔

راوی : کیا خوب۔ پینک کے مزے بھی حضور اُڑاتے جاتے ہیں۔

دوست : کیوں بھئی! افیم کتنے سیر ہے۔ سُنا پانچ روپیہ ہو گئی۔

خلیل : (آنکھیں کھول کر) واللہ (ہنس کر) نہیں ہنستے ہو۔ آپ دل لگی باز آدمی ہیں۔ سچ بتاؤ تمہیں واللہ۔ خدا ہم چنیں کند۔

دوست : اچھا پہلے یہ بتاؤ تمہارے باپ شاہی میں کہاں نوکر تھے۔؟

خلیل : ہمارے باپ کا نام جمیل الدّین۔ ان کے ہونہار لڑکے ہم خلیل الدّین۔

دوست : اور دادا کا نام؟ مسخر الدّین کیا کہی ہے۔ سچ کہنا۔؟

مسخرہ : شکیل الدّین۔ شکیل الدّین کے جمیل الدّین۔ جمیل الدّین کے خلیل الدّین۔ انھوں نے افیموں کا شغل کیا۔ اگر خدا کی شان سے لڑکا ہوا تو اس کو علیل الدّین کہا کریں گے۔ ماشا اللہ سے مقفّیٰ نام ہیں۔

دوست : باپ کا نام جمیل الدّین۔ دادا کا نام شکیل الدّین اور پر دادا کا کیا نام تھا یار جے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سچ سچ بتانا۔؟

مسخرہ : ذلیل الدّین اور مورث اعلا قلیل الدّین۔

خلیل الدّین نے کہا بھئی یاران۔ چھیڑو نہ۔ واللہ وہ نشے گٹھے ہیں کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ ٹھاکر صاحب نے قلم دوات کاغذ، منگواکر کُل نام قلمبند کر لیے۔ خلیل الدّین ولد جمیل الدّین ولد شکیل الدّین ولد ذلیل الدّین ولد قلیل الدّین اور اِن سب کا نتیجہ عَلیل الدّین۔

مسخرہ : حضور ایک باقی رہ گئے۔ ذلیل الدّین جمتی جوان۔

دوست : ارے میاں خلیل الدّین ہوت۔ کیا آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ ہو جی۔ بھئی تمہیں واللہ سچ بتانا کوئی رشتہ دار کوئی عزیز اس شہر میں ہے یا آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا، تن تنہا ہو۔

خلیل : ہاں چچا ہی ہمارے ہیں۔ میاں جلیل الدّین صاحب جلیل۔

مسخرہ : اوچھا۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔ جلیل بھی ہیں۔

خلیل : (مُسکراکر) شانِ کبریائی۔ کل کے لونڈے اور ہمیں بنائیں۔

مسخرہ : آپ کے دادا جان میاں ذلیل الدّین بھی بات کرنا جانتے تھے۔؟

خلیل : کون! ذلیل؟ ذلیل کون تھے۔ یہ کیا کہا۔؟

مسخرہ : جی کون تھے۔ دادا جان آپ کے اور کون تھے۔

خلیل : (مُسکراکر) مسخرے ہو۔ نرے۔

مسخرہ : اجی ان کو ایسا نہ کہو۔ بزرگ تھے۔ تمہارے بھئی کتنے بے ادب ہو۔

زنانِ باردار اے مردِ ہشیار
اگر وقتِ ولادت مار زایند
ازان بہتر بہ نزدیکِ خردمند
کہ فرزندانِ ناہموار زایند

تم ایسے بدمعاش نہ پیدا ہوتے تو وہ کاہے کو صلواتیں سُنتے۔

خلیل : حضور دیکھیے بے ناحق کو دق کرتے ہیں۔ نہیں مانتے۔

مسخرہ : بے ناحق بھی کتنا خالص جملہ ہے، مگر ہم اس لیاقت سے نامحروم رہیں گے۔ شب لیلۃ القدر کی رات کو آپ تمام شب بیدار رہتے ہیں گے یا سو رہتے ہیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھاکر: (مسکرا کر) واللہ بڑے گرما گرم ہوں گے۔
رفقا: پکّے مسخرے ہیں گے۔ گلِ گلرٹی کے پھول کی طرح، ایسے آدمی بھی عنقا ہوتے ہیں گے۔ سچ ہے گا یا جھوٹ ہے گا۔
ٹھاکر: سب سچ ہے گا۔ (ہنس کر) جھوٹ ذرا بھی نہیں ہے گا۔
خلیل: حضور ان بدمعاشوں کو بکنے دیں۔ یہ ایسی ہی بے تکی اُڑایا کرتے ہیں۔ میں عمداً ان کے مُنہ نہیں لگتا۔ خود پرہیز کرتا ہوں۔
دبی دین: حضور ان سے پوچھیے۔ وہ منہارن کہاں ہے۔ کیا نام ہے، جی کس کا بھلا ہی سا نام ہے۔ دیکھیے۔ ارے توبہ! بھولے جاتا ہوں۔
سراج الدّین: ہم بتائیں۔ مُنّی، وہی نہ جو نمکین سی ہے۔
دبی دین: ہاں ہاں مُنّی مُنّی اس کی دوکان پر روز پہنچتے ہیں۔
ٹھاکر: کیوں میاں۔ یہ کہیے۔ چھپے رستم نکلے۔ میاں خلیل۔
خلیل: حضور یہ سراج الدّین تو دل لگی باز آدمی ہیں۔
دوست: فرسٹ کلاس جنٹلمین بنے ہیں۔ ہونہہ ارے میاں! فرسٹ کلاس جنٹلمین کے ہاں بیکار بک بک نہیں ہوتی۔ جنٹلمین تنہا رہتا ہے۔ چپ چاپ یہ نہیں کہ مسخرے جمع ہیں جی مُنّی منہار کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اور زمانہ بھر کا مسخرہ پن ہو رہا ہے۔
ٹھاکر: اچھا ایک دن کُل باتیں بیان کیجیے۔ جب بحث طے ہو جائے تو اُس کے مطابق عملدرآ شروع ہو۔ بس چھٹی ہوئی۔
دوست: ہاں یہ ایک بات کہی۔ عقلمندی کی ہے۔ بس۔
دوسرے روز ٹھاکر صاحب اور اُن کے دوست میں باہم مشورہ ہوا۔
دوست: نیکوئی اختیار کیجیے۔
ٹھاکر: اجی صاف صاف مطلب کہو نکوئی کے کیا معنی۔؟
دوست: نیکوئی کے یہ معنی کہ ہم ہوں، اور آپ ہوں اور ایک فٹن ہو، اور دو گھوڑے۔ کوئی سات سو کی جوڑی اور گھوڑا ران سواری کے لیے مگر بگھی میں بھی جاتا ہو حکم دے دیجیے کہ جو کوئی آئے فوراً اطلاع دے۔
الغرض اُنھوں نے خوب پٹی پڑھائی۔ دوسرے دن جو جاتا ہے ملاقات ہی نہیں کرتے، ایک رفیق آیا۔ دربان نے روکا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رفیق: ایں! گھاس کھا گیا ہے۔ روز کے آنے والے ہم کو ٹوکتا ہے۔
دربان: بیدھا تو نہیں آیا ہے۔ کسی کو جانے کا حکم نہیں۔
خدمت گار: کیا غل مچاتے ہو۔ بغیر اطلاع کے کوئی نہ جانے پائے گا۔
رفیق: کیا۔ اطلاع۔ لو صاحب لوگوں کی کوٹھی ہو گئی۔
خدمت گار: نام بتاؤ۔؟
رفیق: دیبی پرشاد۔ بھئی یہ اچھی دل لگی ہے۔

خدمت گار نے بنگلے میں جا کر کہا حضور۔ دیبی پرشاد آئے ہیں۔ کہا پوچھو کیا کام ہے۔ خدمت گار نے باہر آن کر دریافت کیا۔ دیبی پرشاد نے کہا کہہ دو سلام کو آئے ہیں۔ خدمت گار پھر اندر گیا۔ کہا حضور سلام کو آئے ہیں۔ ختم ہوا کہ کہہ دو فرصت نہیں ہے۔ اور وقت آئیں۔

خدمت گار: کہا ہے فرصت نہیں۔
دیبی پرشاد: ایں! یہ کیا ماجرا ہے۔ بھئی فرصت نہیں ہے۔

اتنے میں سراج الدین آئے۔ جیسے ہی چاہا کہ بنگلے کے اندر قدم رکھیں۔ دربان نے روکا۔

دربان: کہاں کہاں۔ کہاں چلے؟ حکم نہیں ہے۔
سراج الدین: ٹھہر۔ (اندر قدم رکھا)۔
دربان: کہاں۔ کہاں۔ ادھر آئیے۔ کہتے ہیں، نہیں مانتے۔
سراج الدین: کچھ سڑی تو نہیں ہوا ہے بے ٹکلچے۔

ٹھاکر صاحب نے جو سراج الدین کی صورت دیکھی تو غل مچا کر کہا۔ چلا جاؤ۔ برابر سامنے سے دور ہو، تم بغیر اطلاع کے کیوں آیا۔ ان کے دوست نے بھی غل مچایا۔ وِل دربان تم برطرف ابھی برطرف۔

دربان: خداوند ان سے لاکھ کہا، انھوں نے نہیں مانا۔
دوست: (خفا ہو کر) گردن میں کیوں نہ ہاتھ دیا۔
دربان: (سراج الدین سے) چلو صاحب اب تو چلو۔
سراج الدین: خداوند۔ غلام سلام کو حاضر ہے۔
ٹھاکر: نکالو۔ ہم غلام ڈلام ایک نہیں جانتا۔
سراج الدین: خداوند! غلام کا قصور۔؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوست : کوئی ہے۔ ابھی ابھی نکال دو۔

خلیل الدّین ولد جمیل الدّین ولد شکیل الدّین ولد ذلیل الدّین بھی دروازے سے یہ ڈانٹ ڈپٹ سُن رہے تھے۔ اتنے میں کُل رفقا جمع ہو گئے۔

ایک : آج جنٹلمین گھاس کھا گیا ہے۔

دوسرا : کیا گھر سے لڑ کے آیا ہے۔ ارے یار، یہ تو اس وقت بعینہ ویسے ہی رئیس بنے ہیں۔ جیسے کے بھانڈ نقل کرتے ہیں۔

تیسرا : ہاں۔ سب کو برطرف کر کے آئے ہیں۔

چوتھا : ارے میاں نبی بخش یہ آج ماجرا کیا ہے۔؟

پانچواں : اس مردود نے کچھ پٹی پڑھا دی۔ بڑا دوست بنا ہے۔

چھٹا : اپنا نام تو بتاؤ۔ واللہ اس نام پر پانچ جوتے گن کے لگائے۔

دیبی پرشاد : ان کا نام ہے جاگیشر۔ ایک ہی مردود ہے۔ واللہ!

خلیل : ارے میاں سراج الدّین کو ایسا ڈپٹا کہ توبہ ہی بھلی۔

سراج الدّین : واللہ جی چاہتا تھا کہ مع کُرسی کے اُٹھا کر دے ماروں۔

خلیل : خدا اس گُمراہ کرنے والے کو غارت کرے، اچھی ایٹر لگائی۔

دربان : یہاں پر غُل نہ مچاؤ۔

خلیل : اِس مروک کو تو دیکھیے۔ کیا اکڑے کھڑے ہیں۔

اتنے میں بنگلے سے ایک گھنٹی کی آواز آئی۔ بیرا دوڑ کر اندر گیا۔ باہر آن کر کہا۔ صاحب چائے مانگتے ہیں۔

خلیل : کیا صاحب لوگ آئے ہیں۔ ارے میاں صاحب لوگ آئے ہیں۔

دربان : غُل نہ مچاؤ صاحب۔ کہنا نہیں مانتے۔

پھر گھنٹی بجی۔ بیرا نے آن کر کہا تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو صاحب دیکھ لیں گے تو ڈگ لگائیں گے۔

رفیق : کیوں شامتیں آئی ہیں بے ٹکڑگدے۔

خلیل : پٹ کے آئیں گے۔ ایک آدھ گھونسا کھائیں گے۔ تب سیدھے ہوں گے۔

دیبی پرشاد : جاؤں۔ دوں ایک گدّا۔

رفیق : ارے میاں کیوں وحشی کو دق کرتے ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں دوست نے آکر کہا، تم لوگ ابھی نکل جائیے۔ بھاگے فوراً بھاگے، خبردار جو یہاں کبھی آیا۔

بیا ساقی کہ خلوت خانۂ ما
منور گشت از جانانۂ ما

شام کے وقت ہلکی پھلکی، اور صاف ستھری، چھولداری میں خاتون یوسف لقا رنگین ادا مس کلیرسا بناؤ چناؤ کرکے، ایک نازک آرام کرسی پر متمکن تھیں۔ چاندنی نکھری ہوئی، برگ و بار دودھ کے دھوئے ہوئے۔ بادِ صبا آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ خود رو پھولوں کی بھینی بھینی مہک سے دماغ معطّر ہوا جاتا تھا۔ طرفِ چمن غالیہ بار، ہر سمت خوش بہار، لیمپ روشن تھا۔ اور مس کلیرسا اخبار پڑھ رہی تھیں۔

اِدھر بہار عاشقی کے رنگ و بو، دلدادۂ اصنامِ عنبر مُو، آزاد فرخ نہاد بادلِ ناشاد قیدِ فرنگ میں اپنی پیاری حسن آرا کو یاد کرکر کے سر دھنتے تھے۔ دفعتہً ایک آدمی نے آن کر کہا چلیے آپ کی طلبی ہے۔ مس کلیرسا بلاتی ہیں۔ آزاد نے پوچھا کیوں کہا وزیر جنگ کا حکم ہے کہ اگر مس کلیرسا ان کا قصور معاف کردیں تو خیر، ورنہ فوراً سیبیریا کے برفستان میں بھیجے جائیں۔ آزاد نے کہا یہ تو ہم کب کے سُن چکے ہیں۔ اچھا چلو۔ دس کاسک شمشیر برہنہ لیے ہوئے اُن کے ساتھ چلے۔ آزاد چھولداری کے قریب پہنچے تو کشتی جمعیت دو آبہ امید و بیم میں پائی۔ سوچتے تھے کہ اُس بت بے پیر کے لب لعل شکر خا، کا بوسہ اب خون رُلائے گا۔ حُسن آرا کی پیاری پیاری صورت آنکھوں تلے پھر گئی۔ کبھی وینشیا اور میڈا یاد آئیں۔ کبھی زینت النسا اختر النسا۔ چھولداری کا پردہ اُٹھا۔ آزاد اندر گئے۔ ادب کے ساتھ زمین دوز ہو کر سات بار سلام کیا دست بستہ کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ وہ مہ جبین، گلنار چہرہ، رشکِ مہر سولہ سنگار کرکے، آرام کرسی پر بڑی شان اور آن بان کے ساتھ بیٹھی، اخبار پڑھ رہی ہے۔ ارد گرد کئی پری جمال عورتیں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ ایک شوخ و شنگ کم سن معشوق نے آزاد کی طرف دیکھ کر سلام کیا اور مُسکرائی۔ دوسری مہ وش نے اشارے سے مزاج پُرسی کی۔ تیسری نے مس کلیرسا سے کہا، حضور وہ بے ادب گستاخ حاضر ہے۔ مگر اُس کافر بدکیش نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ گفتگو کرنا کیا معنی۔ حسین عموماً مغرور ہوتے ہیں۔ سچ ہے:

غرورِ حُسن اجازت مگر نداد اے گل
کہ پرسشی بکنی عندلیب شیدا را

تھوڑی دیر کے بعد مس کلیرسا کرسی سے اٹھیں، جوش شباب سے اکڑتی تھیں۔ جوانی پھٹی پڑتی تھی۔ کبھی پتلی کمر ہزار جگہ سے لچکتی تھی۔ کبھی زبانِ حال سے اَنا البرق کہتی ہوئی چمکتی تھی۔ پیشانی سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نورِ عالم افروز میاں۔ ہر ادائے جان ستاں اِدھر وہ پری پیکر مہ پارہ اُدھر آزاد محوِ نظارہ۔ ایک ہی نظر نے ان کو گھائل کر دیا۔

از تحسین نگہت مست و خرابم کردی
کمرے بسخ نہ کردم کہ کبابم کردی

ٹکٹکی لگائے آزاد چپ چاپ کھڑے تھے۔ اتنے میں مس کلیرسا نے تیکھی چتون کر کے کہا آپ آئے کہیے اب کی بناگوش کا بوسہ لیجیے گا۔ یا پیشانی اور دوش کا۔ لبِ لعل کا بوسہ لیجیے۔ آئیے آئیے۔ آزاد تو مبتلائے بلا تھے۔ اس بیڈھب سوال کا جواب نہ دے سکے۔

مس کلیرسا: اے ہے کتنے غریب ہیں بیچارے، کچھ جانتے ہی نہیں۔

آزاد: درویشِ بے نوا ہوں۔ مجھے لڑنے بھڑنے سے کیا واسطہ۔ اس وقت حضور کے پنجے میں ہوں۔ بے بس ہوں۔ بے کس۔ قتل کیجیے۔ چاہے سولی دیجیے۔

مس کلیرسا: قتل اور سولی، بجا ہے۔ کیا سستے چھوٹنا چاہتے ہیں۔

آزاد: الٰہی خیر۔ کیا قتل سے بھی بڑھ کر کوئی سزا ہے؟ خدا ہی خیر کرے!

مس کلیرسا: ظالم۔ ہزاروں آدمیوں میں مجھے ذلیل کیا۔ بوسے پر بوسہ لیا۔ مگر جاتے کہاں ہو۔ ایک ایک بوسے کا عوض لوں تو سہی۔ اس پر ایک برق دم خادمہ بولی۔ حضور ان کی سزا یہ ہے کہ جس جس مقام کو انھوں نے چوما ہے۔ وہاں وہاں ان کے داغ دیا جائے۔ اگر حضور کی چشمِ میگوں کا بوسہ لیا۔ تو ان کی آنکھ جلتے جلتے لوہے سے داغی جائے۔ بناگوش صفا کوش کو چوما تو ان کے کان پر انگارا رکھا جائے۔ اس طرح پر جان لی جائے کہ بلک بلک جائیں۔ قتل کیا تو کیا۔ تلوار سے مارا تو دم کے دم میں پھڑک کر رہ گئے۔ پوری سزا نہ ملی۔ اُف غضب خدا کا دورویہ فوجیں پرے جمائے کھڑی ہیں اور یہ بدتمیز خدا اسے غارت کرے بے دھڑک بوسہ بازی کر رہا ہے۔ ع

کھال اس کی جو کھینچیے سزا ہے

دوسری چمک کر بولی۔ بیوی یہ مُوا ہماری طرف بھی جھکا تھا۔ وہ تو میں نے گھوڑے کی باگ اُٹھائی اور چالیس قدم پر جا کے دم لیا۔ ورنہ میرے گال بھی اس بدبخت نے ــــ اب کیا کہوں حضور! کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ تیسری شوخ بدزبان نے کہا اس کی صورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس نے اس قابل کام کیا ہے کہ سنگسار کیا جائے۔ چورنگ کرنے کے لائق ہے۔ مس کلیرسا نے بکمال غیظ و غضب کہا آنکھیں نیچی کر۔ نہیں ابھی تلووں کے تلے مل کے دھر دوں گی۔ کیا مزے سے دیکھتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے. ٹکٹکی بندھ گئی ۔

مس کلیرسا: اس وقت بھی پاجی پن سے باز نہیں آتا کنکھیوں سے جوبن لوٹ رہا ہے۔ سب کے پہلے اس کی آنکھیں نکالی جائیں ٹھہر تو جاؤ ۔

آزاد: (آنکھیں نیچی کرکے) سب کچھ ہو سکے گا مگر یہ نہ ہو سکے گا ۔

مس کلیرسا: اخاہ، ابھی ریاست کی بو نہیں گئی۔ یہاں آزاد پاشا نہیں ہو، یہاں قیدی ہو. قضا دامنگیر ہے. شامتیں آئی ہیں ۔

آزاد: اگر اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں۔ تھکا بہت ہوں ۔

مس کلیرسا: کیا! بیٹھ جاؤں۔ شانِ خدا ہمارے سامنے، اور تم بیٹھنے پاؤ۔ یہ شخص کسی قدر پاگل بھی ہے (عورتوں کی طرف مخاطب ہوکر) سنا کیا فرمائش ہوتی ہے. حضور کے دشمنوں کی طبیعت کسی قدر ناساز ہے۔ تھکے بہت ہیں حضور۔ اب ذرا آرام چاہتے ہیں۔ اس ڈھٹائی کو تو دیکھو۔ اپنے حساب مصاحبت گرمانے کو تشریف لاتے ہیں، اس سوال پر ان مہ جبینوں نے ان کو بنانا شروع کیا۔ ایک نے مسکرا کر کہا حضور کی اجازت ہو تو پاؤں دبا دوں۔ دوسری بولی سر میں درد ہو تو گلاب کا عطر مل دوں۔ جس میں فوراً تسکین ہو جائے۔ تیسری نے کہا حضور دو گھنٹے تک اٹھیں بیٹھیں، تو تھکاوٹ مٹ جائے۔ چوتھی نے کہا اس وقت یہاں سردی بہت ہے۔ حکم ہو تو آگ روشن کردی جائے جس میں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ آزاد خاموش رہے:

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

کلیرسا: سنیے بندہ پرور، وزیرِ جنگ نے تمہاری نسبت حکم دیا ہے کہ سیبیریا کے برفستان میں قید کیے جاؤ۔ جہاں مارے ٹھٹھرن کے روح تک اینٹھ جاتی ہے سردی کی شدت سے جان پر بن آتی ہے۔ اس برفستان میں تم کو بڑی بڑی سختیاں سہنا پڑیں گی ۔ اور سب سے کڑا حکم یہ ہے کہ جب تک زندہ رہو گے، لب کھولنے اور بات کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، مگر تمہاری سزا۔ اُف! رہ رہ کے مجھے یہی خیال آتا ہے کہ اتنے آدمیوں میں میری سی بانکی ترچھی عورت کو کوئی اس طرح بیدھڑک چوم لے۔ واہ کیا اندھیر ہے۔ مگر خیر جو ہوا وہ ہوا، افسوس یہ ہے کہ اب اخباروں میں یہ حال چھپے گا۔ ہم تمام عالم میں مطعون ہوں گے۔ خیر تم نے جو کیا اس کا خمیازہ اٹھاؤ۔ برفستان جاؤ۔ بس اب رخصت۔ اتنا کہنا تھا کہ دس کا بس چھولداری میں آئے۔ کہا بس اب آخری حکم ہو گیا۔ چلیے امیاں آزاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا رنگ فق ہوگیا۔ کہا یارو۔ تم بھی سپاہی ہو ہم بھی سپاہی ہیں۔ سپہ گری تمہارا ہمارا دونوں کا پیشہ ہے۔ ذرا دو دو باتیں تو کر لینے دو۔ کاسکوں نے کہا آزاد پاشا تمہاری سپہ گری میں شک نہیں۔ تم بیشک بڑے جیالے سپاہی ہو۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ ایک بار تم ہم سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر بھاگ گئے تھے۔ کئی افسروں پر جرمانہ ہوا۔ کئی افسر موقوف ہو گئے پہرے والے اور سپاہیوں کو سخت سزائیں ملیں اب تمہارے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔ اگر مس کلیرسا تم کو بلائیں تو ہم مانع نہ ہوں گے۔ مگر ان کے حکم کے خلاف ہم نہیں کر سکتے۔ آزاد بدرجہ مجبوری باہر آئے اور کاسکوں کے ساتھ کرنل کے روبرو حاضر ہوئے۔

کرنل : کیا فیصلہ ہوا۔ فتح یا شکست۔ رہائی یا قید تنہائی۔؟

آزاد : بوسہ بازی کے جرم میں برفستان نصیب ہوا۔ خیر افسوس!

کرنل : ہم مجبور ہیں۔ کجا جنگ کجا بوسہ۔ واہ ری عقل!

آزاد : اُف۔ ہائے ہائے۔ حسن آرا! حسن آرا! ہائے حسن آرا!۔

کرنل : آزاد۔ تمہاری باتوں سے اس وقت ہمارا دل بھر آیا۔

آزاد : نوازش، عنایت۔ ع

برسرِ فرزندِ آدم ہرچہ آید بگذرد

ع

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

ہائے حسن آرا!

ایک کاسک : مس کلیرسا نے اس وقت بڑی بے رحمی کی۔ افسوس!

دوسرا : ہم سمجھے تھے ان کی سپہ گری کی قدر کریں گی۔ مگر افسوس!

تیسرا : سخت خفیف ہیں کہ ہزار ہا آدمیوں میں ذلیل ہوتیں۔

آزاد : سیکڑوں ارمانوں کا خون ہوا۔ زنداں کو چلے۔

کرنل : اب ان کو ہمارے سامنے سے لے جاؤ۔ ورنہ دل پارہ پارہ ہو جائے گا۔ سخت رنج ہے۔ ایسا خوش رو جوان ایسا بانکا سپاہی اور یہ حالت۔

آزاد : پھر کچھ تو مدد کیجیے۔ کوشش شرط ہے حضور!

آزاد پاشا نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر مس کلیرسا نے شنوائی نہ کی۔ کرنل نے حکم دیا کہ برسوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سو سواران جرّار آزاد کو لے کر سرحد پر پہنچائیں۔ آزاد کے ہوش اُڑ گئے۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ اب عمر بھر کے لیے گئے گذرے۔ زندگانی ہی تلخ ہو گئی۔ اب حسن آرا کا جمال یا کمال سپہر آرا کا حسنِ صبیح مس میڈا کی رنگین ادائی و نیشیا کی رعنائی زینت النسا اور اختر النسا کا عشق صادق یاد آیا۔ بہت تڑپے۔ ہائے اب وہ پیاری پیاری صورتیں کہاں دیکھنے میں آئیں گی۔

شاد باش ایدل کہ فردا در بازارِ جزا
مژدۂ قتل ست گرچہ وعدۂ دیدار نیست

آزاد: کیوں یارو۔ اب مفر کی کوئی بھی صورت ہے یا نہیں۔

کاسک: بس ایک صورت ہے کہ جو سوار تمہارے ساتھ جائیں وہ رحم کر کے تم کو چھوڑ دیں۔ بس دوسری صورت نہیں ہے۔

آزاد: وہ بھلا کیوں چھوڑنے لگے۔ کوئی صورت مفر کی نہیں۔ عالم لوذعی فاضل یلمعی فراز روشنگر حضرت مولوی فضلِ رب عرشی کے اشعار درنثار پڑھنے لگے:

یاد ایامی کہ سودائے تو در سر داشتم | بند بر پا نالہ بر لب، شور محشر داشتم
آبشم ذوقِ دروں و آتش شوقم بپرس | رفت آں روز یکہ من ظرفِ سمندر داشتم
از کہ گویم قیل و قال عربدہ سازانِ دہر | منکہ خود زین بیش شورے در تہِ سر داشتم
دامنِ بختِ من آشوب ہوسناکی برفت | گرچہ دل زین خاکدان چون آسمان بر داشتم
داستانم سر نیامد مہر سر زد از افق | گردش اختر نگر تا من چہ در سر داشتم

گرندیمش عرشی دیوانہ گرد دباک نیست
من ہم ار جوی جنون سیلاب رہبر داشتم

ایک کاسک نے پوچھا یہ کون زبان ہے۔ آزاد نے جواب دیا اور کہا۔

گردوں دودئ زآہِ آتش بارم
دوزخ شررے زنالہائے زارم
ہلسوں نقشے زدستۂ فرسودۂ من
گلشن شہرے زطبع آتش کارم

دو چار آدمیوں نے بس کلیر سا سے آزاد کی سفارش کی مگر جس وقت اس شعلہ رو کو آزاد کی بوسہ بازی یاد آتی تھی آگ ہو جاتی تھی۔ جو لوگ سفارش کرنے جاتے تھے، اُن سے کہتی تھی کہ خبردار آزاد کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نام میرے سامنے زبان پر نہ لانا۔ کرنل کو لکھا کہ خدا کے لیے اُس نابکار کو جلد روانہ برفستان کرو، ورنہ نہیں معلوم کیا کا کیا ہو جائے گا۔

کرنل : (آزاد سے) رونا آتا ہے مگر مجبوری ہے۔ یہ خط پڑھ لو۔

آزاد : مجھے اس وقت نہ چھیڑو۔ میں خدا جانے کس سوچ میں بیٹھا ہوں۔

کرنل : افسوس مگر ہم بے قصور ہیں۔ ہمارا ذرا قصور نہیں۔

آزاد : سمجھے کیا تھے ہوا کیا۔ ہائے حُسن آرا پیاری حُسن آرا!

عجب دردیست جانم را اگر گویم زبان سوزد
اگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

اتنے میں جنونِ نے ان کی عجب حالت بنائی اِدھر گریباں اُدھر دامن کی شامت آئی۔ پھوٹ پھوٹ کے روئے۔ کاسک اور کرنل اور افسر اور حوالی موالی سب کفِ افسوس ملتے تھے۔ دفعتہً آزاد کے کان میں آواز آئی۔ پیارے آزاد اب ہم کس کے ہو کے رہیں۔ ایں! یہ کون بولا۔ دیکھا تو ہوا میں حُسن آرا بیگم کھڑی ہیں۔ ارے دونوں ہاتھ کھول کر دوڑے کہ ہم آغوش ہوں اور چلا کر کہا:

وہ نور ہے روئے مہ جبین کا کہ ہو خجل چاند چودھویں کا
جو حلقہ ہے زلفِ عنبریں کا وہ ایک نامہ ہے مشکِ چیں کا
دو چشم فتاں ہے غیرتِ گل وہ زلفِ پیچاں ہے رشکِ سنبل
عذار میں ہے شباہتِ گل بدن میں عالم ہے یاسمیں کا

حُسن آرا خوب وقت پر آئیں۔ ہائے صرف بوسہ لیا تھا اس پر اب ہمیشہ کے لیے جلاوطن ہوتا ہوں۔ صرف ایک یا دو بوسوں کے جرم میں۔

کنارِ دریا پہنچ کے پانی پیا نہیں ایک بوند اس پر
چڑھی ہے موجوں کی ہم نے تیری حبابِ آنکھیں بدل رہے ہیں

اتنے میں دو چار کاسکوں نے کہا۔ آزاد پاشا خیر ہے آزاد نے کہا، حُسن آرا جواب تو دو۔ ہائے فرطِ غم سے زبان ہی بند ہوگی۔

ہم بوسہ مانگتے ہیں وہ کچھ بولتے نہیں
محروم ہے سوال ہمارا جواب سے

اُوپر جو نظر ڈالتے ہیں تو حُسن آرا کی تصویر نظر سے غائب ہوگئی۔ ایں! یہ سرد مہری! یہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے پروائی :

دیدار مے نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ماتیز می کنی

دفعتہً اُن کے کان میں آواز آئی۔ آزاد تمہاری پیاری میڈا کھڑی رو رہی ہے۔ چلتے چلاتے ذرا اک نظر دیکھ تو لو۔ ایں! میڈا! میڈا یہاں کہاں۔ کُجا میدانِ جنگ کجا یہ دلبرِ شوخ و شنگ۔

راوی : اب ہوش آیا۔ خیر جنون نے بیڈھب زور کہا۔

بازیٔ عشق جز اندوہ وغم و رنج نہیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں
دل سے آتی ہے محبت کے جوئے میں یہ صدا
جان پر کھیلنے والوں کو شش و پنج نہیں

کاسک : آزاد پاشا تمہاری حالت پر افسوس آتا ہے۔ جی چاہتا ہے پھوٹ پھوٹ کر روؤں، کیسا خوش رو جوان، کیسا بانکا سپاہی ہے۔ کیسا جری، کیسا جیالا، کیسے جیوٹ، مگر کیسی بلائے ناگہانی میں مبتلا ہوا۔ حسرت! حسرت! حسرت!

آزاد : خود کردہ را چہ علاج، از ماست کہ بر ماست۔ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑا مارا۔ اب تو کوئی صورتِ مفر نہیں باقی ہے۔

کاسک : (اشکبار ہوکر) اگر ہم ساتھ چلتے تو فوراً رہا کر دیں گے۔

الغرض تیسرے روز آزاد پاشا سیبیریا کے برفستان، جانے کے لیے تیار ہوئے۔ سو کاسک پرے جمائے ہوئے مستعد تھے۔ سب مسلح۔ آزاد گھوڑے پر سوار ہوئے جس وقت چلنے لگے، ہزار ہا آدمی ٹھٹ کے ٹھٹ لگائے ساتھ تھے۔ ہر قدم پر زن و مرد کے رونے کی آواز آتی تھی۔ ہائے ہائے اس بیچارے ترکی پر کیسی آفت آئی۔ کجا روم، کجا سیبیریا۔

راوی : اور یہ معلوم ہی نہیں کہ ہندوستان کے باشندے ہیں۔ ایک عورت نے کہا۔ ارے اتنے نوجوان اس کے لیے روتے ہیں۔ ایک سے بھی اس کی رہائی کی کوشش نہیں ہوسکتی۔ یہ عورت پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اور آزاد کی حالتِ زار دیکھ کر اس قدر بے قرار ہوئی کہ دھڑ سے زمین پر گر پڑی۔ اور زن و مرد بھی باہم آزاد کی رہائی کی نسبت مشورہ کرنے لگے۔

ایک : اس بیچارے کی جان کا خدا حافظ ہے۔ بے قصور جان جاتی ہے۔ زلفِ چلیپا نے ناگن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی طرح ڈسا۔ اب کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

دوسرا: ایک تدبیر ہے۔ سب کے سب مل کر چلیں، اور دُہائی دیں۔ شاید دل پسیجے۔ اتنے آدمی چل کر کہیں تو ضرور مطلب نکلے۔

کرنل: ہم اس وقت منجانب سرکار کارروائی کرتے ہیں ہم سے تو کچھ مشورہ لو نہیں۔ تم لوگوں کو جو مناسب معلوم ہو۔ وہ کرو۔

کوئی ڈھائی ہزار آدمی متفق الرّائے ہو کر مس کلیرسا کی چھولداری میں گئے جس میں ایک سو ستّر گاؤں کی عورتیں تھیں۔ بوڑھی عورتیں آزاد کی نوجوانی پر ترس کھاتی تھیں۔ نوخیز عورتیں آزاد سے کڑیل جوان کو دیکھ کر مری جاتی تھیں۔ بوڑھے دست بدعا تھے کہ آزاد پر آنچ نہ آئے۔ خدا اس بیچارے بے بس کو اس آفت سے بچائے۔

اتنے میں مس کلیرسا نے کرنل کو بُلا کر کہا کہ آپ اتنے بڑے عہدے دار اور اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر آزاد کو ہم نے اس وقت نہ چھوڑا تو بلوہ مچ جائے گا۔ ان سب کو یہاں سے ہٹا دو، اور کہو کہ دو چار منتخب آدمیوں کو ہمارے پاس بھیجیں۔ کرنل کے حُکم سے کاسکوں نے سب کو چھولداری سے پچاس قدم اُدھر ہٹا دیا اور کہا چار آدمی منتخب ہو کر آئیں۔ جو کچھ کہنا ہو عرض کریں۔ دو بوڑھی ایک ادھیڑ اور ایک نوجوان عورت جو آزاد پر دل و جان سے عاشقِ زار تھی۔ یہ چاروں آگے بڑھیں، اور یوں کہنے لگیں۔

عورت: (قدموں پر گر کر) احسان کرو۔ ہائے چھوڑ دو۔

مرد: (قدموں پر ٹوپی رکھ کر) اب بیچارے کی خطا معاف کیجیے۔

دوسرا: قصور تو سرزد ہوا مگر اب مستحق معافی ہے۔ آئندہ اختیار بدستِ مختار اس کی جوانی پر رحم آتا ہے۔ ذرا رحم کیجیے:

نظرِ رحم کبھی تو کیجیے
کوئی دم رحم بھی فرماتے ہیں

کلیرسا: آزاد کا چھوڑنا میرے امکان سے خارج ہے۔ اگر میں نے معاف بھی کیا تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ قید سے رہائی محال ہے۔

عورت: سیبیریا تو نہ بھیجے جائیں گے۔ وہی مصیبت سے بچے سہی۔

کلیرسا: وزیرِ جنگ کا منشا یہی ہے کہ آزاد سزا سخت پائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورت : ہائے کیسی ظالم ہو کیسی بے رحم ہو۔ ذرا آزاد کی صورت تو چل کے دیکھ لو۔ کیا پری پیکر گلنار چہرہ جوان ہے۔

مس کلیرسا نے جھلا کر کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ سب کو ہمارے خیمے کے اردگرد سے ہٹادو۔ کرنل نے کاسکوں کو حکم دیا۔ فوراً بھیڑ چھنٹ گئی۔ آزاد کو کاسکوں نے ساتھ لیا اور کہا بس اب چلیے۔

اتنا سننا تھا کہ ہزاروں آدمیوں نے ہائے کی آواز بلند کی۔ کئی آدمیوں نے ٹھان لی کہ اگر آزاد نے رہائی نہ پائی تو خیمے کو فوراً پھونک دیں گے مگر کرنل نے انتظام معقول کر لیا۔ جس وقت آزاد اس مقام سے سیبیریا کے لیے روانہ ہوئے۔ بہ آواز بلند علیٰ حالتِ حسرت و ناامیدی اور جنون کے زور میں کہا، پیاری حُسن آرا۔ الوداع تمہارے لیے یہ سختیاں سہیں۔ یہ مصیبتیں جھیلیں مگر خدا کو ایسا ہی منظور تھا کہ وِصال کے عوض قید نصیب ہو۔

پیاری میڈا آزاد اب شمالی روس میں قیدی ہیں۔ آزادی سے اب ہاتھ دھویا۔ خوجی بھائی اگر ہندوستان جانا ہو، تو بمبئی والی بیگم کو ہماری حالتِ زار سے مطلع کرنا۔ حُسن آرا کو ڈھارس دینا۔ کہنا بس اب ہمارا تمہارا نکاح اُسی روز ہوگا جس روز وامق اور عذرا، شیریں اور فرہاد۔ لیلیٰ اور مجنوں کا بیاہ ہوگا۔

اُف۔ دل بھر آیا۔ ہائے کیا روزِ بد دیکھا۔

آزاد خوب روتے اور اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مس کلیرسا کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حُسن آرا کی صورت مجسّم نظر آنے لگی :

قانع بہ تجلّی نہ شود شائق دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتوان کرد

آزاد تھوڑی دور جا کر گھوڑی سے گر پڑے۔ ارے!

دس کاسک دھم دھم کرتے ہوئے اُترے۔ ان کو اٹھایا تو بے ہوش۔ آزاد کوئی ایک میل گئے تھے کہ غشی ان پر طاری ہوئی۔ کاسک باہم یوں باتیں کرنے لگے۔

ایک : ارے یارو! یہ مر جائے گا۔ اب زندگی محال ہے۔

دوسرا : مرے یا جیے۔ سیبیریا تک پہنچانا ضروری امر ہے۔

تیسرا : بھئی چھوڑ دو۔ کہہ دینا راستے میں مر گیا۔ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ اس پر اتنا احسان کرو۔ ہم تو مستعد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوتھا: ہماری کُل فوج میں ایسا خوبرو، اور کرارا، ایک جوان بھی نہیں ہے۔ ہماری گورنمنٹ روس کو پکے سپاہی اور آزمودہ کار جنرل کی قدر کرنی چاہیے تھی۔ نہ کہ قدر کے عوض سیبیریا کے برفستان بھیج دیا۔

پانچواں: اگر سب جوان متفق الرّائے ہو جائیں، تو یہ چھٹکارا پائے۔ اور ہم تو اس کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالیں گے مگر تم لوگ ساتھ نہ دو گے۔ بس یہی تو خرابی ہے۔

چھٹا: اچھا ایک فہرست بناؤ۔ اُس پر سب کے دستخط ہوں۔ ایک سوار نے کہا پہلے یہ تو فکر کرو کہ ہوش میں آئے۔ فوراً پانی کے چھینٹے دیے گئے۔ وہاں گلاب اور کیوڑہ اور لخلخہ کہاں سے آتا۔ آزاد نے کروٹ لی تو سواروں کی جان میں جان آئی کہا اب چھیڑو نہیں۔ ذرا ان کو سونے دو۔ آزاد سوئے تو تھوڑی دیر میں بڑّانے لگے۔

حُسن آرا: حُسن آرا بیگم کا سکوں نے کہا بڑّاتا ہے۔ ایک بولا جگا دو۔ دوسرے نے کہا سونے دو سونے دو۔

خوجی بھی دھر لیے گئے

آزاد پاشا تو ناطورۂ ماہِ سیما مِس کلیرسا کے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر چاہِ زنخدان اور لبِ لعل شکرخا اور بنا گوش کو چومتے ہوئے فوجِ روس کی طرف جاتے تھے، اِدھر خواجہ بدیع الزّماں درخت ہی سے غل مچاتے تھے کہ ایک اور۔ ایک ہماری طرف سے۔ ایک گردن کا بوسہ ہاں ایک اور۔ اے شاباش ہے۔ واہ اُستاد۔ واہ میاں آزاد۔ ادھر اُس خاتون مہ لقا کا فرس تند خو جو نظر سے اوجھل ہوا۔ اُدھر ترکوں اور روسیوں میں گولا چلنے لگا۔ خوجی نے افیم ڈبیا سے نکالی۔ وہاں پانی کہاں۔ ایک آدمی سے جو درخت کے نیچے بیٹھا کچھ کھا رہا تھا، آپ نے کہا بھائی جان ذری سا پانی تو پلا دو۔ اس نے اُوپر دیکھا تو ایک بونا۔ عجیب الخلقت آدمی کہا تم کون ہو جی۔ خوجی نے کہا یار ذرا افیم گھولیں گے اب دل لگی دیکھیے۔ کہ وہ فرانسیسی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ اُردو میں جواب دیتے ہیں۔ ع

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

خوجی: افیم گھولیں گے میاں۔ ذرا سا پانی دے ڈالو بھائی۔

فرانسیسی: واہ۔ کیا قطع شریف ہے۔ پہاڑ پر نہ جا کے بیٹھو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی : بھئی واہ رے ہندوستان۔ واللہ اس فصل میں جا بجا سبیلوں پر پانی ملتا ہے۔ کیوڑہ کا بسا ہوا۔ ہندو نپوسا لے بٹھاتے ہیں۔ مسلمان کہتے ہیں۔ ع

پانی پیو سبیل یہ نذرِ حسین ہے

فرانسیسی : اب کہیں اوپر سے گر نہ پڑنا۔ درخت پر چڑھے ہیں۔ بے وقوف۔

خوجی : (اشارے سے) ارے میاں پانی پانی۔ آب آب بیا۔

فرانسیسی : ہم تمہاری گفتگو نہیں سمجھتے تم چپ رہو۔ بکو نہ بہت۔

خوجی : اب اُترنا پڑا ہمیں۔ ابے گیدی ذرا سا پانی کیوں نہیں دے جاتا۔ کیا پاؤں کی مہندی گھس جائے گی۔ چلو لاؤ۔

اصل بد از خطا خطا نکند

گرچہ باشد نبیرۂ شداد

فرانسیسی نے ان کی بات کا جواب نہ دیا۔ اور بدستور روٹی کھانے لگا تو خوجی نے اوپر سے پتے پھینکے۔ اس پر فرانسیسی جھلاّ کر بولا۔ بچہ کیوں شامتیں آئی ہیں۔ درخت پر چڑھ کر اتنے گھونسے لگاؤں گا کہ شرارت سب نکل جائے گی۔ خوجی نے اوپر سے ایک شاخ توڑ کر پھینکی۔ فرانسیسی جھلاّیا اور کمر باندھ کر اتنے ڈھیلے مارے کہ خواجہ بدیع الزّمان کی کھوپڑی ہی جانتی ہوگی۔

خوجی : ابے او گیدی۔ ہائے نہ ہوئی قرولی۔ افسوس!

فرانسیسی : اب آج بے قتل کیے ہوئے نہ رہوں گا۔ اُترا اور میں نے قتل کر ڈالا۔

خوجی : لانا قرولی۔ لاؤ قرولی۔ ارے کوئی ہے۔ لاؤ قرولی۔

راوی : جی ان گیڈر بھبکیوں میں وہ آچکا۔ قرولی حضور میاں ہی میں رکھیں۔ اب کھوپڑی کو چھلنی ہونے دیں۔

خوجی : ارے میاں کوئی ہے۔ لانا قرولا۔ کوئی ہے۔

راوی : حاضر حضور۔ اب تک تو قرولی کی یاد تھی مگر اب قرولا یاد آیا۔ قرولا کل مول منگوا دیجیے مگر اس وقت کھوپڑی بچائیے۔

اتنے میں ایک ترکی نے خوجی کو دیکھ کر فرانسیسی کو سمجھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خواجہ صاحب درخت سے اُترے پانی پیا۔ افیم گھولی چسکی لگائی اور پھر درخت پر جا بیٹھے تو ایک موٹے ٹہنے پر لیٹے۔ لیٹے تو پینک آئی۔ اب سُنیے کہ ترکوں اور روسیوں میں اس وقت نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو رہا تھا۔ طبلِ جنگ اس زور سے بج رہا تھا کہ کان پڑی آواز کا سننا محال تھا۔ ترکوں نے ڈاڑھیاں منہ میں دبا دبا کر عام دھاوا کر دیا۔ روسی کچھ یوں ہی سے پیچھے ہٹتے تھے کہ ترکوں نے اسی پنی توپوں سے ان کے چھکے چھڑا دیے۔ مگر گولا اور بارود کے آنے میں تاخیر ہوئی تو سوار اور پیادے اپنے افسروں کی طرف نظرِ حسرت سے دیکھنے لگے۔ اگر افسران بار برداری پورا پورا انتظام کرتے تو ترکوں کو کسی چیز کی قلت نہ ہوتی۔ اس باٹری کے دو حصّے کر کے دو طرف سے گولہ اندازی شروع کر دی۔ گو ترکوں نے دادِ شجاعت دی اور حقِ بسالت ادا کیا۔ مگر غنیم کے اس تازہ دم توپ خانہ کی آتش افشانی سے سخت عاجز آ گئے۔ آصف پاشا جن کی سرکردگی میں یہ فوج لڑتی تھی سخت مجروح ہوئے۔ گھوڑے سے گرنے ہی کو تھے کہ دو آدمیوں نے ان کو سنبھالا۔ مگر ان میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ گھوڑے پر جمے رہتے۔

آصف: جلد اُتار دو۔ میں اب گرا اور اب گرا۔

سوار: اُتار لو۔ اُتار لو۔ گولی پڑ گئی ہے۔ جلد اُتارو۔

دو چار آدمیوں نے مل کر ان کو گھوڑے سے اُتارا تو انھوں نے فوراً ترکی چرٹ مانگا۔ اور سبزۂ نو دمیدہ پر لیٹ کر چرٹ پینے لگے۔ جوانوں نے مرہم پٹی کی فکر کی۔ دو ٹانکے دیے گئے۔ مگر آصف پاشا ہنستے ہی رہے ان کے اسسٹنٹ نے بھی اس وقت گولی کھائی۔ تو گھوڑا کڑکڑا کر فوجِ غنیم میں گھس گئے۔ چھ روسیوں کو قتل کیا۔

آخر کار ایک گولی لگی اور ان کا سر بھٹے کی طرح اڑ گیا ادھر آصف پاشا سسکنے لگے۔ جنگ کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر افسرانِ ترکی باہم مشورہ کرنے لگے۔

ایک: اب اس وقت بھاگ نکلنا ہی قرینِ عقل و مصلحت ہے۔

دوسرا: ہے تو ایسا ہی۔ اگر مقابلہ کیا تو دو حالتوں سے خالی نہیں یا قتل کیے جائیں گے یا قید ہو جائیں گے۔ بس اور کچھ نہیں ہوتا۔

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر بایدا انداختن

تیسرا: مرنا برحق ہے۔ مگر غنیم کو پشت نہ دکھائیں گے۔ کیا مجال۔

چوتھا: یہ تو عین دلیلِ جہل ہے۔ جان دینے سے کیا فائدہ۔

اس جری پاشا نے کہا ہم تو جان دیں گے، اور پیٹھ نہ دکھائیں گے۔ یہ کہہ ہی چکے تھے کہ سن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے ایک گولی لگی اور جگر کو چاٹتی ہوئی اُس پار نکل گئی تو دھم سے گرے، اور دم کے دم میں تڑپ کر سرد ہو گئے۔

اب صلاح ہوئی کہ بھاگیں مگر تدبیر کے ساتھ سوچے کہ رات ہو گئی۔ بھاگیں تو کدھر جائیں۔ مشورہ ہونے لگا۔

آصف پاشا کے عوض جس افسر کو لشکر کا چارج تھا۔ اُس نے پکار کر کہہ دیا کہ بس اب اپنی اپنی راہ لو۔ مقابلہ بے کار ہے۔

اتنا کہنا تھا کہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ دس ادھر دوڑ کر بھاگے، بیس کسی طرف گئے۔ روسیوں نے تعاقب کیا۔ کچھ آدمی گرفتار ہوئے کچھ بھاگ نکلے۔

اب سنیئے کہ روسیوں کی ایک پلٹن نے اُس میدان میں پڑاؤ ڈالا جس کے سامنے پہلے ترکوں کا مورچہ تھا۔ خواجہ بدیع الزّمان صاحب پلنگ سے چونک کر روسیوں کی یورش اور فوج کے پرے درخت کی شاخ سے دیکھ رہے تھے۔ ایک روسی کی جوان پر نظر پڑی تو سخت متحیّر ہوا۔ اور یوں خطاب کیا۔

روسی: کون۔ تم کون ہو؟ ایں! بولتا ہی نہیں۔ ارے میاں کون ہو؟

خوجی: ہش۔ اِدھر نہ دیکھنا۔ خبردار، ہوشیار، نظر نیچی رکھ۔

سرو گلشن میں اکڑتا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

راوی: سبحان اللہ۔ اِس موزونیٔ طبع کے صدقے۔ سرو کے لیے دیوانہ پن کس قدر موزوں ہے۔ واہ خواجہ صاحب کیا پھبتی کہی ہے۔ سرو بھی جھیپ گیا ہوگا۔ ہات تیرے کی۔ بہت اکڑ رہا تھا اور اکڑو بچہ! خواجہ صاحب نے اچھی پھبتی کہی۔ ع

سرو گلشن میں اکڑتا ہے مجھے جانے دو

جائیے، آپ کو روکتا کون مردود ہے۔

روسیوں نے جوان کو دیکھا تو آوازے کسنے لگے۔ ایک نے کہا یہ کسی نئے کھیت کا ٹٹو ہے۔ دوسرا بولا خر خراسانی ہے۔ تیسرے نے کہا یہ کوئی بھوت ہے یا غول بیابانی ہے۔

روسی: ابھی اُتراؤ۔ تم کس ملک کے باشندے ہو۔ بونا آدمی۔

خوجی: نہ ہماری تم سُنو نہ تمہاری ہم سُنیں۔ اچھی دل لگی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسی : یہ کس زبان کی بول چال ہے۔ ہم جانتے ہیں چینی ہے۔

خوجی : اللہ اللہ۔ کجا ہندوستان۔ کجا یہ مقام، کجا افیم۔

دوسرا روسی : چینی نہیں ہے چینی ہوتا تو ناک چپٹی ہوتی۔ یہ جاپانی ہے۔

تیسرا : ہم بتائیں نہ چینی ہے نہ جاپانی ہے۔ یہ حبشی ہے۔

خوجی : سنو بھئی۔ یہ پرانی زبان میں گالی دینا اچھا نہیں۔

روسی : اب درخت پر کب تک ٹنگے رہوگے۔ نیچے آؤ۔

خوجی نیچے اترے زمین پر پاؤں رکھتے ہی جھک جھک کر سلام کرنا شروع کیا۔ ایک کاسک نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور اٹھا کر پھینکا تو دھم سے زمین پر گرے۔ ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔

خوجی : او گیدی! خدا تم سے اور تمہارے باپ سے سمجھے۔ اچھا بچہ جی۔ دیکھو جوانی کے عالم میں میں بھی گدے دوں گا۔ لڑکا سمجھ کر جو چاہو سمجھو۔ جوانی میں ہمارے خسپچے بھی دیکھنے کے قابل ہوں گے۔

راوی : خیر سے ابھی آپ بچے ہی ہیں۔ اب جوانی قبر میں عود کرے گی۔

خوجی : (ایک روسی سے) میاں اب تک کب کی شادی ہو گئی ہوتی۔ مگر آپ جانتے ہیں باکمال کا دشمن باکمال ہوتا ہے۔ ہمیں شاعری میں کمال حاصل ہے۔ ایک باکمال شاعر نے شادی کے دو روز قبل ایک تاریخ تصنیف کی۔ بس ہتے پر ٹوک دیا۔ ایسی منحوس تاریخ کہی کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ کوئی پوچھے مرد خدا، تجھ کو اس تاریخ لکھنے سے کیا فائدہ ہوا۔ ایسی نازک نازک آنکھیں اور ذرا ذرا سے بال لمبی لمبی ناک اور کترے ہوئے کان دیکھے نہ سنے۔ آنکھیں چشم بددور نازک بدن (واہ) موتی چور، لب شیریں جیسے لڈوے بور۔ (اس ترکیب کے صدقے) دست سیمیں جیسے جلتا بلتا چونا رخ آبنوسی پر تیل کا گلگونہ (اللہ اللہ ٹرخ ٹرخ نور برستا تھا) مگر واللہ اس شاعر نے ایسا تاک کر گدا دیا کہ پھر ہم ابھرنے ہی نہ پائے۔

تاریخ سنیے۔ ایک خط بھی ساتھ تھا۔

اجی خوجی صاحب۔ افیم کی ڈبیا عرض ہے۔ پینک پینک، اظہار ملاقات کے بعد عرض یہ ہے۔ ہم نے ایک معتبر اور معمر آدمی کی زبانی سنا کہ حضرت خواجہ بدیع الزمان صاحب کو ازدواج ثانی کا شوق چرّایا ہے۔ ماشا اللہ۔ اس بڑھ ٹھیس کے صدقے۔

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست
از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت ست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواجہ بدیع الزّمان اور ازدواجِ ثانی، اسّی برس کی عمر اور جوشِ جوانی :

شادی از پیرانِ خم گردیدہ قامت بدنماست
جو ہر شمشیر کم گردد چو خندان میشود

اس پُرانے سر پر نئی پگڑی کیا زیب دے گی۔ میاں اس خیالِ خام سے درگذر رو، ورنہ محلّے والے اُلّو بنائیں گے۔ ایک پاؤں تو قبر میں لٹکا چکے ہو اور شوق یہ کہ دو ہنگی دیوئی سے نکاح ہو۔ یارو! جس وقت برات سج سجا کر نوشہ کی سواری نکلے ہماری طرف سے قطعہ تاریخ پیش کش کر دینا۔ اور موقع ہو تو پڑھ کر سنا دینا۔

چلے تو ہو دُلہن کے گھر کو لیکن
اُٹھاؤ گے بچا ابھی بڑی زک
سُنو اب مصرع تاریخ ہم سے
ہو خواجہ کو یہ شادی نامبارک
۱۲۹۶ء

بس ہیں آگ ہو گیا۔ شاعر کو سیکڑوں ہی بے نقط سنائیں۔ ع

ہو خواجہ کو یہ شادی نامبارک

ارے ارے ا یہاں اس درجہ خبط ہے کہ ذرا کسی نے چھینکا اور ہم قرولی لے کر ناک کاٹنے پہنچے۔ نامبارک کا لفظ سُن کر ہوش اُڑ گئے۔ اس کے بعد ایک اور مادۂ تاریخ نظر سے گذرا۔ اس میں بھی شرارت کی ہے۔

راوی : اس میں کیا شرارت ہے۔ ناشاد دولہا تو آپ کی سُسرال سے آپ کو خطاب ملا تھا اس میں کسی کا کیا اِجارہ ہے۔ باقی رہا مادۂ تاریخ۔ ع

دو بارہ خرّمی بادلبر آمد
۱۹۳۶ اسمت

یہ بہت اچھا مادۂ تاریخی ہے۔

خوجی : اب سُنیئے کہ کوئی ایسا ویسا شاعر ہوتا تو خیر۔ سُن لیتا، اور خاموش رہتا۔ مگر خواجہ بدیع تو شاعر غرّا ہیں۔ فرمائیے۔ ہم معاً سمجھ گئے کہ شاعر نے اس میں بھی کارستانی کی ہے۔ ع

دو بارہ خرّمی بادلبر آمد

بادی النظر میں تو اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بھی حضرت نے ایک منحوس بات کہی۔ بادلبر آمد۔ یعنی (دل برآمد) دل نکل گیا۔ واللہ بس ہم نے سر پیٹ لیا، مُنہ پیٹ لیا۔ مگر چپ۔ شاعر کی صورت سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آشنا نہیں۔ میں نے ہجو کی۔

کہا جب شعر میں نے ہجو کے بیچ
تو شاعر رہ گیا سُن کر کے ہک بک
لکھی تاریخ خواجہ نے یدیہہ
بگفتا ہاتفے غر حس مع جھک

روسی : بھئی یہ پاگل ہے کوئی۔ بک رہا ہے واہی تباہی آپ ہی آپ۔

دوسرا : اب یہ پاگل پن کی تو حرکت ہی تھی کہ درخت پر ٹنگے ہوتے ہیں مگر ہاتھ پاؤں ماشا اللہ کیا بڑے بڑے ہیں۔

تیسرا : اس کو فوج کے ساتھ ساتھ رکھو۔ خوب دل لگی ہوگی۔

چوتھا : مگر اس کی گفتگو تو سمجھ میں آتی ہی نہیں۔ اس کا کیا علاج ہے۔

راوی : خوجی بہت بُرے پھنسے۔ خدا ہی خیر کرے۔ بیچارے اچھے آدمی تھے۔ مگر اب کا سک ہیں اور خوجی مسخرے ہو کے جیسے تو کیا۔

خوجی : سب گدھے ہیں۔ ایک نے تاریخ کی داد نہ دی۔

راوی : جی اس میں کیا شک ہے۔ مگر وہ لوگ شعر و سخن کیا جانیں۔ سات ترکی جو قید ہو کر اس فوج روس کے سپرد ہوئے تھے۔ انھیں میں خواجہ صاحب بھی شریک ہوئے ہم جنسوں کو دیکھ کر ذرا تشفّی ہوئی۔

خوجی : ان وحشیوں میں ترکوں کی صورت سے تسلّی ہوئی۔ شکر ہے۔

ترک : واہ۔ کیا شکر کا مقام ہے ہم تو قید ہیں آپ شکر کرتے ہیں۔

خوجی : صاف صاف بولو۔ ہم ٹھیٹ ترکی نہیں سمجھتے صاحب۔

ترک : شکر کا کیا مقام ہے۔ ہم اسیر ہوئے، اور آپ کہتے ہیں شکر ہے۔

خوجی : اب بھی تم نہیں سمجھے۔ تمہیں روسیوں نے گمراہ کر دیا۔

ترک : تم آزاد کے پاس آئے تھے نہ۔ بُرا پھنسا بیچارہ۔

خوجی : ہائے ہائے آزاد تیری جوانی پر افسوس آتا ہے۔

ترک : تم اُن کے نوکر ہو۔ یا دوستی ہے ؟ نوکر ہوگے۔

خوجی : میرا لڑکا ہے جی۔ تم نوکر بنائے دیتے ہو خیر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ترک: ایں الڑکا. تو آپ آزاد پاشا کے پدر بزرگوار ہیں۔

خوجی: ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند

میں نے بھی رسالداریاں، کمیدانیاں کیں، مگر آزاد نے مجھ سے بڑھ بڑھ کر کام کیے۔

ترکی اس فقرے کو اچھی طرح نہیں سمجھے مگر آزاد پاشا کا باپ سمجھ کر ساتوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹوپی اتاری اور جھک جھک کر سلام کیا۔ خوجی بھی رونے لگے کہا۔ ارے یارو۔ کہیں سے تو ہمیں صاحبزادے کی صورت دکھا دو۔ صاحبزادے! صاحبزادے! ہائے ہائے بولتا ہی نہیں۔

آنانکہ بصد زبان سخن می گفتند
آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

گویا زبان ہی نہیں۔ آزاد کو اسی دن کے لیے اتنا بڑا کیا تھا۔ اب تمہاری ماں کو کیا صورت دکھاؤں گا۔ ہائے ہائے۔

ترکوں کو شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ خوجی آزاد کے باپ ہیں۔

ترک: اب زیادہ بیچین نہ ہوں۔ آزاد ضرور چھوٹ آئیں گے وہ ٹلنے والے آدمی نہیں ہیں۔ بیچ کھیت آئیں گے۔

خوجی: بھائی۔ مجھے تو بوڑھوتی وقت قتل کر گئے۔ آزاد پاشا ہائے۔ برادر من از چہ گویم کہ ایں سانحۂ ناگفتنی، و نابرداشت کردنی چہ شود۔ مگر قادر ذوالجلال مارا و سانحۂ مارا و پسر دلبندم را از ضرر نگہدارد بگو آمین۔ بگو آمین۔ بگو آمین! ثم آمین! خاصے۔

ترک: حضور اب ذرا دل کو ڈھارس دیں، جنگ دو سر دارو۔

خوجی: میرے ساتھ زیادہ تعظیم سے نہ پیش آؤ، ورنہ جو روسیوں کو معلوم ہو جائے گا کہ آزاد پاشا کے باپ ہیں تو بہت دق کریں گے کہہ دینا کہ ایک ہندوستانی آدمی سیر و سیاحت کے لیے آیا ہے بس۔

ترک: ہم آپ کو اُن لوگوں کے ہاتھ سے نجات دلوا دیں گے۔

خوجی: ارے بھئی میں تو درخت پر سے کُل حالات دیکھ رہا تھا۔

ترک: ہم ساتوں آدمی علیل تھے۔ اس سبب سے پکڑے گئے۔

خوجی: دیکھا تھا کہ ہمارے لڑکے نے کس جواں مردی سے بوسہ بازی کی اور کیسی چھپتی عورت سے لڑا۔ شیروں کے شیر ہی ہوتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ترک: چھتی تو نہ تھی۔ ایک نازک بدن عورت تھی۔
الغرض اُدھر آزاد اِدھر خوجی اسیر ہو گئے۔

بیا ساقی بیا اے ناز پر درد
کہ یارم وعدۂ زود آمدن کرد

چھیڑ چھاڑ

اللہ اللہ آج تو لب جو بہار ایک ایوانِ سراپا نگار حسن کا شانہ پر بخانہ بنا ہوا ہے۔ اور کیوں نہ ہو نو عمر، نوخیز، سمن سیما، سیم تن، یوسف جمال، شیریں دہن، پریاں، خانہ باغ کی صاف و شفاف روشوں میں اٹکھیلیاں کرتی ہیں۔ کچھ نازو ادا سے تول تول کر قدم دھرتی ہیں۔ کچھ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتی ہیں۔ ان کی نستعلیق چال ملائک نظر فریب ہے ان کی چھلبل اور گرمی گرفتار آتش زن کا لائے شکیب ہے۔ ایک ساغر کشِ بزمِ خوبی، دوسری گلِ سرسبدِ محبوبی۔ کسی کا قد دلجو غیرت سروِ چمن ہے۔ کسی کا رُخِ نیکو گلِ خنداں پر طعنہ زن ہے۔ حُسن آرا بیگم پیازی رنگ کا ڈوپٹا سنبھالتی ہوئی روش میں مصروف خرام ناز ہیں۔ اِدھر جہاں آرا اور سپہر آرا میدانِ دلربائی میں یکہ تاز ہیں۔ گیتی آرا گلہائے چمن کی نزاکت پر عشعش کرتی ہیں۔ بی عبّاسی پھول توڑ توڑ کر جھولیاں بھرتی ہیں۔ اتنے میں سپہر آرا نے شوخی کے ساتھ گلاب کا پھول دور سے گیتی آرا کی طرف پھینکا۔ گیتی آرا نے اُچھالا تو سپہر آرا کی زلف چلیپا کو چھوتا ہوا، ایک روش میں گرا۔ حُسن آرا نے بھی پھول توڑے تو عبّاسی نے کہا۔ اے حضور لونڈی تو حاضر ہے۔ حُکم کی دیر ہے۔ جھوؤں پھول توڑ دوں۔ حضور نہ توڑیں۔ کلام اللہ کی قسم حضور خدا ناکردہ جو کہیں ذری کانٹا چُبھا تو نصیبِ اعدا بیچیں ہو جائے گا۔ حُسن آرا بیگم نے کئی پھول توڑے اور جہاں آرا بیگم سے گیند کھیلنے لگیں۔ انھوں نے ایک پھول پھینکا، انھوں نے روکا اُنھوں نے جواب دیا انھوں نے روکا۔ ان کے دستِ حنائی ان کی نازک کلائی، ان کی چوڑیاں سیاہ خوشرنگ ان کی طلائی۔ جس وقت گیند پھینکنے کے لیے ہاتھ اُٹھاتی تھیں ستم ڈھاتی تھیں۔ وہ کمر کا لچکنا اور گیسوئے عنبر بار کا بکھرنا اور پیارے پیارے ہاتھوں کی لوچ اور مُسکرا مُسکرا کر نشانہ بازی کرنا عجب لطف دکھاتا تھا۔ غنچۂ دل نسیم طرب کے اہتزاز سے کھلا جاتا تھا۔ عالم جوانیہاست۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی: ماشا اللہ سے حضور کس صفائی اور قرینے کے ساتھ پھینکتی ہیں۔
سپہر آرا: بس عباسی اب بہت خوشامد کی نہ لو۔ کیا جہاں آرا بہن صفائی سے نہیں پھینکتیں۔ باجی ذری چھپٹتی زیادہ ہیں۔ مگر ہم سے نہ جیت پائیں گی دیکھ لینا۔
عباسی: اچھا تو حضور پھر گنتی جائیں۔ ایک۔ وہ دیکھیے پھول نہ رُک سکا۔ ایک دو۔ بندگی۔ لونڈی نے تو عرض ہی کیا کہ حسن آرا بیگم جس صفائی سے گیند کھیلتی ہیں، اُس صفائی سے جہاں آرا بیگم کا ہاتھ نہیں جاتا۔ ایلو تین (ہنس کر) واہ۔
گیتی آرا: اچھا سپہر آرا تم بھی جاؤ۔ بہت بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہو۔
سپہر آرا: میری بھلی چلائی۔ بھلا پھول گرے تو کیا مجال۔
گیتی آرا: بس فراٹے ہی فراٹے ہیں۔ آؤ لے ذری اُٹھو تو بہن۔
حسن آرا: واہ اُٹھیں۔ آئیں۔ باتیں ہی باتیں سُن لو لمبی چوڑی۔
اتنے میں جہاں آرا بیگم نے پھول کو نوچ ڈالا۔ اور اُف کہہ کر بولیں۔ اللہ جانتا ہے ہم تو تھک گئے۔ اللہ ری نزاکت حضور ہانپنے لگیں۔ اب ذرا دم لے لیجیے۔ اللہ ری نازکی۔ اُف ری شوخی۔
سپہر آرا: اے ہے۔ واہ ہے۔ بس اتنے ہی سے میں تھک کے بیٹھ گئیں ہم سے کہیے تو شام تک گیند کھیلا کریں۔ اور اگر دعویٰ ہو تو بسم اللہ۔
راوی: حضور کی شوخی اور گرمی رفتار کا کیا کہنا۔ بقول خالص۔

جلوۂ ہرنا کسے را با خرام خود مسنج
کبک رفتارے دگر وار د تو رفتارے دگر

جہاں آرا انگور کی ٹٹی میں خراماں خراماں جاتی تھیں اور ایک ایک قدم پر خرام حیرت افزا سے کبک و تدرو کو شرماتی تھیں:

جامۂ فاختۂ کبک بدوش اندازد
گر بہ بیند روش سرو خرامانِ مرا

اتنے میں سپہر آرا نے ایک پھول مارا جو جہاں آرا بیگم کے جوڑے پر پڑا۔ پیچھے پھر کے کہا۔ ایں! پھولوں کی چھڑی لگ گئی۔ گلوئے مصفّا سے سیاہ ریشمی رومال کھولا اور چوٹی کے پھول توڑ توڑ بھرنے لگیں رومال کا کھلنا تھا کہ سُرخی پان گلوئے صفا پرور سے صاف نمایاں ہوئی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نمایاں از گلویش سُرخیٔ پان
چو مے اندر گلوے شیشہ تابان

سپہر آرا: باجی جان! دیکھیے جہاں آرا بہن نے جو گلوری کھائی تو اُس کا رنگ وہ صاف نظر آتا ہے۔ حُسن اس کو کہتے ہیں۔ ماشا اللہ!

روان اندر گلویش از صفا آب
چو تارِ پرنیان از گوہر ناب

اب سُنیے کہ ایک رفیق نے شہزادۂ روشن گہر سپہر سروری کے فرخندہ اختر مرزا ہمایوں فر بہادر کو جاکر اطلاع دی کہ جہاں پناہ اس وقت باغ میں گلبدنوں کا غنچہ کھلا ہے۔ تاکند: چھیڑوں کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑ رہی ہیں، جو معشوق ہے طوطیِ نوبہارِ رعنائی و خود نمائی ہے۔ ہائے اس وقت کی کیفیت قابلِ دید ہے۔ شہزادے نے جو یہ خبر سُنی تو جامے میں پھولے نہ سمائے۔ چہرۂ مثلِ گل خنداں مگر دل مثلِ عندلیب نالاں۔ بھئی خوشخبری تو سُنائی، مگر کوئی تدبیر تو بتاؤ ذرا آنکھیں ہی سیک لیں۔ رفیق نے کہا حضور عالم میں تو سہ منزلے سے دیکھ رہا تھا مگر بصد ادب۔ غلام کی کیا مجال کہ جس زہرہ تمثال پر آقائے نامدار نظر ڈالیں، اُس کو غلام نظرِ بد سے گھورے مگر۔ ع

خدا کی خدائی تماشا ہمارا

حضور وہاں منڈیر تو ہے نہیں اور مقام بلند اِس قدر کہ عقل کے ہوش اُڑتے ہیں۔

شہزادہ: ہیرا مالی کو بلواؤ۔ حکم دو کہ اسی دم حاضر ہو۔

رفیق: بہت خوب پیر و مرشد۔ کوئی ہے؟ محمود۔ محمود۔

محمود خدمت گار سلیقہ شعار حاضر ہوا۔ آداب بجالایا۔ آقا کا حکم سُنا۔ سات بار سلام کر کے ہیرا کے پاس آیا۔ ہیرا۔ ہیرا۔ ہیرا نے جواب دیا۔ باہر گیا تو دیکھا شہزادے کا آدمی ہے۔ کہو کیا خبر لائے ہو۔ بھئی۔

محمود: حضور نے یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے ساتھ ہی لاؤ جا کے۔

ہیرا: اِک ذرا دم بھر ٹھہرو۔ میں ابھی چلتا ہوں۔

محمود: اجی حکم ہے کہ گھسیٹ لاؤ۔ ابھی ابھی چلو۔ میں ایک —— نہ مانوں گا مگر ہمارا بھی حصّہ ہے ہمیں نہ بھولنا۔

ہیرا: (ہنس کر) جو حکم ہو ہم تو تابع دار آدمی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیرا محمود کے ساتھ گیا۔ جھک کر سلام کیا۔ اور دست بستہ کھڑا ہوا۔ کہا خداوند غلام حاضر ہے۔ جو حکم ہو۔ بجالائے۔

سپہر آرا : حکم یہی ہے کہ اس وقت اپنے باغ کی سیر کراؤ۔ بس۔

ہیرا : خداوند۔ اس وقت تو معاف کریں۔ سب وہیں ہیں۔

رفیق : اُلّو ہی رہے۔ ارے میاں وہاں سناّٹا ہوتا تو جا کے کیا کرتے۔ گل بدنوں کا غنچہ دیکھنے جاتے ہیں، یا سُنسان مقام دیکھتے۔

شہزادہ : سُنا ہے کہ چاروں پریاں اس وقت باغ میں ہیں، ہائے پرستان ہوگا۔ اندر کا اکھاڑا گرد ہو گیا ہوگا۔ ہیرا ا چل تجھے اپنے نارائن کی قسم۔ خدا گواہ ہے ایک اشارے میں امیر کر دوں۔ جو مانگ فوراً دے دوں۔

ہیرا : خداوند حضور ہی کا تو نمک کھاتا ہوں، یا کسی اور کا۔ جو حکم دیجیے۔ دل و جان سے بجالاؤں مگر اس وقت تو موقع ہی نہیں۔

رفیق : حضور کوئی شعر لکھ بھیجیں۔ بس یہی چھیڑ کافی ہے۔

شہزادہ : اچھا بھئی لاؤ قلم دوات کاغذ شعر ہی سہی۔

بگو اے عاشقِ صادق چرا گلدستہ آوردی
دلِ بلبل شکستی غنچہ راسر بستہ آوردی

رفیق : قربان جاؤں! حضور جان بخشی ہو تو عرض کروں مگر۔

شہزادہ : کہو کہو۔ یہ جان بخشی کا کون موقع ہے۔ ہاں کیا کہتے ہو۔

رفیق : حضور غلام کو یہ شعر پسند نہیں۔ یہ لکھیے تو کیسا۔

زیور ہیں نہ دستار کے نے زیب ہیں سر کے
مثلِ گل بازی نہ ادھر کے نہ اُدھر کے

شہزادہ : اچھا ایک شعر ہم لکھتے ہیں لو پڑھ لو کیوں۔

رفیق : دیکھوں حضور (بہ آواز بلند پڑھ کر)۔

گل پھینکے ہے غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

رفیق نے اس کاغذ کو چوم لیا اور کہا سبحان اللہ، سبحان اللہ، خداوند بس طبیعت کا حاضر ہونا،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کے معنی ہیں کیا برجستہ شعر لکھا ہے۔ قلم توڑ دیے۔ شہزادے نے ایک شعر اور لکھا۔

چھکایا تو نے اک عالم کو ساقی جام گل گوں سے
ہمیں بھی کوئی شاغر ہم بھی ہیں امیدواروں میں

رفیق : (بہت غل مچاکر) واہ وا واہ۔ سُبحان اللہ۔ اے سبحان اللہ، آواز اس قدر بلند ہوئی کہ نیچے سے خدمتگار مصاحب چوبدار رفقا نوکر چاکر دوڑ پڑے۔ کیوں کیوں خیر یت ہے خیریت ہے۔ کیا معاملہ ہے۔ ارے میاں محمود کیا ہوا۔ کوٹھے پر آتے ہیں تو ٹائیں ٹائیں فش رفیق سخت ذلیل ہوا۔ ہمایوں فر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ محمود اور ہیرا مُسکرانے لگا۔ خدمت گار وغیرہ سب دنگ۔ ہیرا دونوں کاغذ لے کر چلا۔ شہزادہ بلند ارادہ نے سمجھا دیا کہ سپہر آرا کو چپکے سے دے دینا۔ ہیرا گیا تو دیکھا کہ عبّاسی اور اُسی بوڑھی کھپٹ مغلانی میں گلمنپ ہو رہی ہے۔ اِس تکرار کا سبب سُنیے! صبح کے وقت عبّاسی حسن آرا بیگم کے لیے کسگرنی کے ہاں سے دو نازک نازک جھجریاں لائی۔ پوچھا کتنے کی ہیں۔ کہا حضور ایک آنے کی دو لائی ہوں۔ ایسی جھجریاں شہر بھر میں نہ ملیں گی۔ بڑی بیگم نے جو چھوٹی چھوٹی اور نازک نازک جھجریاں دیکھیں، تو ایک اور مہری کو جو عبّاسی سے سن میں زیادہ تھی، حکم دیا کہ ہمارے واسطے بھی خرید لاؤ۔ وہ جا کے ویسی ہی جھجریاں دو آنے کو لائی۔ عبّاسی نے شام کے وقت باغ میں فخریہ بیان کیا کہ میں جتنی سستی چیز لاتی ہوں، کوئی مہری خدمت گار، چوبدار، دربان رُونا بھلا لاتو دے۔ اِس پر کھوسٹ مغلانی نے جس سے عبّاسی سے چشمک تھی، دبے دانتوں کہا ہاں تم آنے کی دو لائیں، اور وہ مہری دو آنے کی دو لائی۔ کیوں نہ سستی چیز لاؤ۔ وہ ادھیڑ ہے اور تم ابھی کم سن جوان ہو۔ اتنا سُننا تھا کہ عبّاسی پلپلا پڑی۔

عبّاسی : تم بھی تو کسی زمانے میں جوان تھیں۔ بازار بھر کو لوٹ لاتی ہوگی۔ میرے مُنہ نہ لگنا کبھی۔ نہیں جہاں کی ہو وہیں پہنچا دوں گی۔

مغلانی : (ہاتھ پھیلا کر) ہوش کی دوا کر چھوکری۔ بہت بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنا موئی شفتل زمانے بھر کی آوارہ۔ اور سنو۔

عبّاسی : دیکھیے حضور یہ لام کاف زبان سے نکالتی ہیں اور میں حضور کا لحاظ کرتی ہوں جب دیکھو طعنے کے سوا بات نہیں کرتی۔

جہاں آرا : چلو اب قصّہ مختصر کرو۔ بس چپ رہو۔

مغلانی : مُنہ پکڑ کے جُھلس دیتی مردار آوارہ کا۔ اور سنو۔

عبّاسی : (چمک کر) مُنہ جُھلس اپنے ہوتوں سوتوں کا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی : ہم اب نوکری چھوڑ دیں گے۔ ہم سے یہ باتیں نہ سُنی جائیں گی۔ آئے دن ایک جھگڑا نکالتی ہے۔ نت نئی لڑائی۔

عبّاسی : (ناک پر اُنگلی رکھ کر) اوئی۔ تم تو بچاری ننھی ہو۔ ہمیں گردن مارنے کے قابل ہیں۔ سچ ہے اور کیا۔

سپہر آرا : اب جھونٹم جھانٹا کی نوبت آنے والی ہے اور سارا قصور مغلانی کا ہے۔ یہی روز لڑا کرتی ہے عبّاسی سے۔

مغلانی : اے حضور پیچ پی ہزار نعمت پائی۔ جو میں ہی جھگڑالو ہوں تو بسم اللہ۔ حضور لونڈی کو آزاد کریں۔ اب سے آئے گھر سے آئے کوئی بات نہ چیت آپ ہی گالی گفتے پر آمادہ ہوگئی۔

عبّاسی : کیا جانے کن شہدیوں ہٹر دنگیوں میں رہی ہے۔

جہاں آرا : لڑیں گے جوگی جوگی اور جائے گی کھپڑوں کے ماتھے۔ امّی جان سُن لیں گی تو ہم سب کو ڈانٹیں گی توبہ توبہ۔

عبّاسی : حضور ہی انصاف سے کہیں پہل کس کی طرف سے ہوئی۔

جہاں آرا : بی مغلانی نے پہل کی۔ اِس کے کیا معنی کہ تم جوان ہو سستی چیز مل جاتی ہے۔ جس کو گالی دوگی وہ بُرا مانے ہی گا۔

حُسن آرا : انھیں اِس وقت یہ سوجھی کیا۔ جوانی کا کیا ذکر تھا بھلا۔

عبّاسی : حضور میرا قصور ہو تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔

مغلانی : اُف میرے اللہ۔ توبہ توبہ عورت کیا بس کی گانٹھ ہے۔

عبّاسی : جو چاہو سو کہہ لو۔ میں ایک بات کا بھی جواب نہ دوں گی۔

راوی : تم ایسی ہی نیک بخت ہو۔ مغلانی نے اتنی باتیں سُنائیں مگر تم نے جواب تک نہ دیا اس نیک بختی کا کیا کہنا۔

مغلانی : اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لگایا کرتی ہے۔ میں تو اُس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ مجھ سے کہاں تک اُڑے گی۔

عبّاسی : میں اِس کی قبر تک سے واقف ہوں۔ کیا ننھی بنی جاتی ہیں۔

مغلانی : ایک کو چھوڑا دوسرے کے گھر بیٹھی اُس کو کھایا۔ اب کسی اور کو چٹ کرے گی اور باتیں کرتی ہے ستر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ستر کے بعد کچھ کہنے ہی کو تھی کہ عبّاسی نے سیکڑوں بے نقطہ سنائیں۔ جامے سے ایسی باہر ہوئی، کہ دوپٹا ایک روش میں، خود دوسری روش میں۔ ہیرا مالی نے بڑھ کر دوپٹا دیا تو کہا چل تو ہٹ۔ اور سنو اس موئے بوڑھے کی باتیں۔ اس پر قہقہہ پڑا۔ قہقہہ پڑا ہی تھا کہ بڑی بیگم صاحب جریب ٹیکتی ہوئی تشریف لائیں۔ مگر اس وقت یہ سب جہل کر رہی تھیں، کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اتنے میں عبّاسی نے کہا بڑی حضور محل سے برامد ہوئیں۔ حسن آرا نے دیکھا تو گردن نیچی کرلی۔ سپہر آرا اور جہاں آرا منہ پھیر کر مسکرانے لگیں۔ گیتی آرا چپ۔ ارے! کیا بے وقت آئیں۔ غضب ہی ہوگیا۔

بڑی بیگم: یہ کیا شہدپن مچا تھا۔ (دانتوں کے تلے انگلی دباکر) ہا۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اونہہ! اونہہ!۔

راوی: جواب ندارد۔ صدائے برنخاست۔ سب خاموش سناٹا۔

بڑی بیگم: آخر کچھ کہو تو یہ کیا دھما چوکڑی مچی تھی۔ شفتل اور شہ کارہ اور خام پارہ، اور اللہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں۔ واہ واواہ۔ شریف زادیوں کے ہاں ان باتوں کا کیا ذکر۔

راوی: جہاں آرا اور سپہر آرا کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔ حسن آرا نے گردن جو نیچی کی تو اُٹھانے کی قسم کھالی۔ گیتی آرا نے سوں کھینچی۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ سب نے چپ پیر کا روزہ رکھ لیا۔

بڑی بیگم: مغلانی یہ کیا شور مچا تھا۔ اِدھر آؤ۔ جلد بتاؤ؟

مغلانی: اے حضور بات منہ سے نکلی اور عبّاسی نے ٹیٹوا لیا۔ کیا بتاؤں بس بات کی اور اُس نے صلواتیں سنانا شروع کیں۔

بڑی بیگم: کیوں عبّاسی۔ یہ کیا کہتی ہیں۔ سچ سچ بتاؤ۔ خبردار۔

عبّاسی: (روکر) حضور (سسکی بھر کر) حضور!

بڑی بیگم: اب ٹسوے پیچھے بہانا۔ پہلے ہماری بات کا جواب دو۔

عبّاسی: حضور جہاں آرا بیگم سے پوچھ لیں۔ ہمیں آوارہ کہا بلیسوا کہا۔ کوسا، گالیاں دیں۔ جو زبان پر آیا کہہ ڈالا۔ حضور آنکھوں ہی کی قسم کھاتی ہوں، آنکھوں سے پیارا اور کچھ نہیں ہے جو میں نے ایک بات کا بھی جواب دیا ہو۔ چپ سنا کی۔

راوی: اس کی تو ہم بھی گواہی دیتے ہیں۔ زبان تک نہیں ہلائی۔

بڑی بیگم: جہاں آرا۔ کیا بات ہوئی تھی۔ ہاں بتاؤ صاف صاف۔

جہاں آرا: امّی جان۔ عبّاسی نے کہا کہ ہم دو جھجریاں ایک آنے کی لائے۔ دوسری مہری نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو آنے لیے اس پر مغلانی بولیں کہ ہاں ابھی جوان ہوا اسی سے ہر شے ارزان خریدتی ہو۔ بس یہی ابتدا ہوئی۔

بڑی بیگم: ہونہہ۔ کیوں مغلانی۔ اس کے کیا معنی؟ جوان ہے۔ اس سے جو سودا لاتی ہے۔ بازار والے مُفت اُٹھا دیتے ہیں۔ بال سفید ہو گئے مگر ابھی تک آوارہ پنے کی بو مزاج سے نہیں گئی۔

حسن آرا: ان دونوں میں چشمک ہے۔ جب تک یہ دونوں رہیں گی آئے دن دال جوتی میں بٹے گی۔ دونوں بدمزاج ہیں۔

بڑی بیگم: مغلانی۔ تم کو ہم نے موقوف کیا۔ آج ہی نکل جاؤ۔

مغلانی نے سلام کیا بہت خوب۔ بڑی بیگم صاحب محل میں تشریف لے گئیں۔ عبّاسی جہاں آرا کے قدموں پر گر پڑی۔

اتنے میں موقع پاکر ہیرا نے دونوں رقعے سپہر آرا کو دیے۔ پڑھ کر یوں جواب لکھا۔

اے ہے تم تو کچھ ایسے جلد باز آدمی معلوم ہوتے ہو کہ توبہ ہی بھلی۔ شادی بیاہ بھی نگوڑا مُنہ کا نوالا ہے۔ سب معاملہ چوکس ہے تمہاری طرف سے پیغام تو آتا ہی نہیں۔

ہیرا نے شہزادے کو خط دیا۔

راوی: اچھا پیغام ہے۔ اس انوکھی فرمائش کے صدقے۔

رندان کو چلے مچل مچل کر

ہائے ہائے یہ کون بیچارہ مصیبت کا مارا قیدی ہے جس کی حالت پر خلقِ خدا زار زار روتی ہے۔ یہ آزاد پاشا ہیں۔ کون آزاد، حسن آرا کے پیارے منیڈا کی پتلیوں کے تارے وہ آزاد جن کے نام پر ثریا بیگم جوگن ہو گئیں تھیں۔ وہ آزاد جن کی یاد میں اختر النسا، اور زینت النسا سر دُھنتی تھیں۔ حسن آرا بیچاری اس آرزو میں تھیں کہ آزاد تمغے لٹکا کر آئیں گے دھوم دھام سے بیاہ ہو گا۔ مگر آثار اچھے نہیں نظر آتے۔ کہیں یہ شعر حسبِ حال نہ ہو۔

بدان طمع کہ بہ مستی ببوسم آن لب لعل
چہ خون کہ در دلم افتاد ہمچو جام و نشد

اب سُنیے کہ جب آزاد کو ذرا ذرا ہوش آیا تو کاسکوں نے زمین سے اٹھایا۔ چشمے کے ٹھنڈے ٹھنڈے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانی سے مُنہ دُھلایا۔ آزاد نے آنکھیں کھولیں تو ہر سمت کاسک ہی کاسک نظر آئے۔ مگر کچھ غشی اور کچھ تکان اور کچھ فرطِ رنج وقلق سے حواس باختہ اور از خود رفتہ تھے۔ سوچنے لگے۔ بارِ خدایا یہاں میں کیوں آیا کب آیا۔ اور کیا کرنے آیا میں تو ترکوں کی طرف سے جنگ میں شریک تھا۔ یہ روس کی شرکت کیسی۔ ہائے بدحواسی وائے بدحواسی۔

آزاد: کیوں حضرت یہ طلسمات کا سماں ہے۔ الٰہی اخیر کیجیو۔

راوی: خیر کجا آپ طلسمات کے قائل کب سے نہ ہوتے۔ ہائے بدحواسی۔

آزاد: میاں کچھ سر سے کھیلو مُنہ سے بولو اچھی چُپ سادھی

راوی: ہائے بدحواسی کاسک برابر گفتگو کرتے ہیں۔ مگر یہ وہی مُرغ کی ایک ہی ٹانگ کیے جاتے ہیں۔ سُنتے ہی نہیں کسی کی۔

کاسک: آزاد پاشا اب ذرا طبیعت ہلکی ہوئی یا نہیں۔

آزاد: کیا تم لوگ باشی بزوق ہو۔ اخاہ میں اب سمجھا۔

کاسک: ہم کاسک ہیں روس کی فوج کے سردار۔ اب سمجھے؟

آزاد: اُف اُف۔ ہائے اب سمجھا۔ میں تو قید ہوں۔

گداخت دل کہ شود کار جان تمام ونشد
بسوختیم دریں آرزوے خام ونشد

ہائے۔ ع
آرزوں کا ہوا خون پڑا ارن کیسا

افسوس!

کاسک: آزاد تمہاری حالتِ زار پر ہم تک روتے ہیں مگر۔ ع
دُکھ بوجہ نہیں کہ بانٹ لیجے

خدا تمہیں آزادی دے۔

آزاد: بھائی آزاد کے معنی بھی تم لوگ نہیں جانتے۔ اب آزاد کجا۔ اب تو اسیر ہیں۔ آزادی منزلوں دور ہے۔ اب ہم ہیں اور سیبیریا کا برفستان اور قیدِ تنہائی۔ اُف ستم ستم۔

آزاد پاشا کے قلب کا عجب حال تھا۔ برگ وبار سے یاس ونومیدی جلوہ دکھاتی تھی۔ گو آنکھوں سے اشک نہیں جاری تھے مگر دل روتا تھا۔ سوچتے تھے کہ یا الٰہی! اب حُسن آرا کو کیوں کر دیکھوں گا۔ کجا سیبیریا کا برفستان کجا ہندوستان اپنی مصیبت کا ان کو اس قدر رنج نہ تھا جس قدر حُسن آرا کی مایوسی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا قلق تھا۔

کاسکوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر چلے، قدم قدم پر آہ و فغان دس قدم گئے۔ اور غل مچایا ناکامی، ناکامی، نامرادی، نامرادی۔ ہائے تمنائے دلی نہ نکلی۔ دل کی دل ہی میں رہی۔

لگائے ٹھٹ کھڑی ہے نامرادی
تمنائے دلی نکلے کدھر سے

کاسک ان کی حالت دیکھ کر دستِ تاسف ملتے تھے۔ مگر مجبور۔

آزاد: کلیجہ پھٹ گیا۔ (غل مچا کر) ہائے کلیجہ پھٹ گیا۔ ارے غضب۔

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں، خواہد شد آشکارا

کاسک: دیکھو آزاد پاشا ایسا نہ کرو کہ ہلکان ہو جاؤ۔ سیبیریا تک پہنچنے بھی نہ پاؤ اور جان جاتی رہے شاید وزیر جنگ کا دل پسیجے اور قید سے چھٹکارا پاؤ۔ سائیں کے سو کھیل۔

آزاد: (آہ سرد بھر کر) بس اب دل پسیج چکا۔ تمہارے وزیر جنگ سے خدا سمجھے۔ صرف بوسہ بازی کے جرم پر ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ افسوس۔

کاسک: ہمارا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تم کو چھوڑ دیں۔ مگر نمک حرامی وضع کے خلاف ہے۔ آزاد پاشا ذرا دل کو ڈھارس دو۔

آزاد: ہاں شاید خدا کو اس میں بہتری ہی منظور ہو۔ ع

شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال و عنقا گردد

کیوں بھائی سیبیریا میں ہمیں بات کرنے کی ممانعت ہے۔ ہم تو کڑھ کڑھ کے مر جائیں گے۔ دردِ دل کسی سے کہنا بالائے طاق زبان ہلانے میں زبان کاٹی جائے گی۔

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

بعینہ اسی شعر کے حسبِ حال ہوں۔ خیر اب تو پھنس ہی گئے۔ ہائے اس وقت حسن آرا کی میٹھی میٹھی باتیں یاد آتی ہیں۔ سمجھے تھے کہ وہ وقت بڑا سعید تھا جب اُس بت عربدہ جو سے آنکھ لڑی تھی۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ ایک دن اِس دل ملنے کی ایسی سزا پائیں گے کہ خون ہی روئیں گے۔ ہائے حسن آرا وائے حسن آرا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی تکلیف تیرے ہجر میں اوبے وفا پائی
خدا شاہد ہے ہم نے دل ملانے کی سزا پائی

کاسک: اس وقت آپ کے قلب کی کیفیت سے ہم خوب واقف ہیں۔ صلاح اور مشورہ اور وعظ سب بے کار ہے۔

آزاد: صلاح و پند اور وعظ و مشورہ، اے لاحول توبہ توبہ!

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

صلاح اُس کو دو جو کسی تدبیر میں ہو۔ مشورہ ہم کو کوئی کیا دے گا۔ پند اور وعظ کا یہ کون موقع ہے۔ ایک قیدی اپنے دوستوں عزیزوں کو یاد کر کر کے روتا ہے۔ اُس کو کوئی سمجھائے گا کیا۔ زبردستی ہے یارو۔ کوئی پاگل نہیں دیوانہ نہیں کہ زنجیر کی ضرورت ہو میرا معشوق مجھ سے اس وقت تمام عمر کے لیے چھوٹتا ہے۔ ہائے ستم وائے ستم! اور تو اور مجھے رونے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ ذبح کرو اور کہو تڑپا تو تو جانے گا۔ واہ کیا انصاف ہے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

غنچہ دہن معشوق کی جدائی خار خار ہو یا نہ ہو یارو کچھ انصاف بھی ہے۔ ہمیں پند و وعظ یعنی۔ افسوس ہزار افسوس!

منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو
ناصحا آگ لگے اس ترے سمجھانے کو

تین میل تک آزاد اسی حالتِ بے قراری میں گئے جنون کا جوش ہر قدم پر ترقی کرتا جاتا تھا۔ کلیجہ مُنہ کو آتا تھا۔

آبادِ زمن خانۂ زنجیرِ جنون ست
بے منِ دِگراں سلسلہ بر پا شدنی نیست

تین میل تک سفر کر کے کاسکوں نے گھوڑوں کی باگیں روک لیں۔ سر سبز مرغزار میں اشجار پُر بہار کے سایہ میں دم لیا۔ اس مقام پر آزاد کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہوگئیں۔ تو انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم آئے عین گرمی میں نکل کر دل سے اے اشکو
کوئی دم نخلِ مژگان کے ذرا سایہ میں دم لے لو

دو کاسکوں نے ہری ہری دوب پر درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں لوٹنا شروع کیا۔ دس بارہ اور سواروں نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔ آزاد بھی گھوڑے سے اُترے اور ایک کنوئیں کی جگت پر سو رہے۔ تھوڑی دیر بعد آزاد کی آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ ایک درخت باردار کے قریب ہجوم عام ہے۔ کاسک اور اس مقام کے باشندے، مرد اور عورت بوڑھے، اور جوان ٹھٹ کے ٹھٹ لگائے کھڑے ہیں۔ ایں یہ کیا ماجرا ہے۔ بھئی ذرا چل کے دیکھیں تو۔ اُٹھے قریب گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت ایک جوانِ رُعنا کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کھڑی ہوئی ہے۔ دونوں زار زار روتے ہیں۔

آزاد: (کاسک سے) یہ عورت کون ہے اور اس قدر زار زار رونے کا کیا سبب ہے؟ کیوں صاحب ایں! بولتے ہی نہیں۔ اجی حضرت!

کاسک: ہم ٹوٹی پھوٹی بولی نہیں سمجھتے آدھی فرانسیسی آدھی تُرکی آدھی کچھ، آدھی کچھ صاف صاف کہیے تو جواب عرض کروں۔

دوسرا: پوچھتے ہیں یہ بھیڑ کیوں ہے؟ اتنے آدمی یہاں جمع ہیں۔

آزاد نے ایک اور آدمی سے پوچھا۔ اُس نے کہا آپ ہندی ہیں۔

آزاد نے کہا جی ہاں۔ ہندی ہوں۔ فوراً آزاد سے بغل گیر ہوا، اور یوں گفتگو کرنے لگا۔ حضرت میرا نام محمد اطہر ہے۔ بیس برس کے سن میں وطن سے ایک سوداگر کے ساتھ ٹرکی آیا۔ یہاں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ پھر واپس جانے کی نوبت نہ آئی۔ آپ کے لب و لہجہ سے پہچان گیا کہ ہم وطن ہیں۔

آزاد: خدا گواہ ہے اس وقت اس درجہ خوشی حاصل ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ اس جنگل بیابان میں ہم وطن کی صورت نظر آئی۔ شکر خدا۔ ہزار شکر خدا۔ روح اس وقت وجد کر رہی ہے۔

اطہر: یہاں کس ضرورت سے آنے کا اتفاق ہوا۔ اب آپ جاتے کدھر ہے۔ کچھ دال میں کالا کالا ہے۔

آزاد: (آبدیدہ ہو کر) روسیوں نے مجھے قید کر لیا۔ اب سیبیریا کے برفستان کو بھیجے جاتے ہیں۔ جرم یہ کہ میں ترکوں کی فوج کا ایک افسر ہوں۔ مجھے اتفاق سے گرفتار کر لائے۔ اب اس قدر دشمن ہو گئے کہ اس بلاخیز مقام میں بھیجتے ہیں جہاں خدا دشمن کو بھی نہ لے جائے۔ خیر خدا مالک ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اطہر : (خوش ہوکر) الحمد للہ خدا ہر مردِ میدان کو یہ دن دکھائے۔ آمین! میری ایسی قسمت کہاں جو آپ کی طرح یہ محکم میری نسبت صادر ہوتا۔ یہ خوش نصیبوں کا حصّہ ہے۔

آزاد : (متحیر ہوکر) جی۔ بجا۔ کیا ارشاد ہوا؟ خوش نصیبوں کا حصّہ ہے۔ چہ خوش۔ ایسی قسمت پر تین حرف۔

اطہر : بڑے خوش نصیبوں کا حصّہ ہے دل لگی نہیں ہے۔ جی حضرت۔

آزاد : بجا ارشاد ہوا۔ وطن مالوف چھوٹے یار دوست چھوٹے۔ معشوقوں سے اَبدی جدائی ہوئی۔ آپ کے نزدیک یہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ اِس خوش نصیبی کے صدقے! واہ حضرت۔

اطہر : اِسلام کے نام پر جان کھونا، اور آرام کے عوض رنج سہنا، کسی ناکس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے مردِ میدان چاہیے۔ بڑی مشکل ہے۔ بڑے خوش نصیبوں کو یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ تم نے بڑا کارنمایاں کیا۔ خدا اجر دے!

حماکُ* اللہ عن شرِّ النوائب
جزاک اللہ فی الدارینِ خیراً

(پیٹھ ٹھونک کر) شاباش آزاد شاباش، مرحبا مرحبا۔ ع
آفرین باد برین ہمتِ مردانۂ تو

کیا کہنا ہے کیوں نہ ہو۔

آزاد : خیر۔ ع

یا قسمت، یا نصیب، یا نجت

مگر اس قدر تسلّی دیجیے رفتہ رفتہ رنج کم ہوتا جائے گا نہ۔ یا ایسا ہی رنج رہے گا۔ ارے غضب اب تو یہ دُعا دیجیے کہ سیبیریا تک پہنچنے نہ پاؤں اور مرجاؤں۔ جان جاتی رہے تو جی اُٹھوں۔

اِلٰہی ایک ہم ایسے کہ تنگ آئے ہیں جینے سے
اور اک خضر و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

اطہر : موت کا طالب ہونا جواں مردی کے خلاف ہے۔ ہاں سمجھے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

---

* ترجمہ: اللہ تعالیٰ مصیبتوں سے تم کو محفوظ رکھے۔ اور تم کو دونوں جہاں میں اچھا بدلہ دے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : سبحان اللہ سبحان۔ (آبدیدہ ہوکر) اِس وقت سخت افسوس یہ ہے کہ یہ آخری مرتبہ اُردو بولنے کا ہے۔ بس اب گفتگو کس سے کروں گا۔ بولنے کی قطعی ممانعت ہے۔ اُف! حیف صد حیف!

اطہر : نہایت مسرّت کا مقام ہے۔ کمال خوشی کی بات ہے۔ ع

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

خوب یاد رکھو۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ اُس عورت نے بہ آواز بلند نعرہ مارا۔ اور تڑ سے زمین پر گر پڑی۔ آزاد نے محمد اطہر سے پھر وجہ پوچھی۔

اطہر : حضرت یہ عورت اِس مرد پر عاشق ہے۔ یہ دونوں سامنے کے موضع میں رہتے ہیں۔ پردیسی ہیں لڑکپن میں ساتھ کھیلتے تھے۔ عورت بارہ برس کے سن میں عاشق ہوگئی۔ پندرھویں سال نکاح ہوا۔ اب مرد کا بائیسواں سال ہے۔ عورت کا اُنیسواں۔ مرد کہتا ہے کہ میں ترکی فوج میں شریک ہوں گا عورت جانے نہیں دیتی۔

آزاد : ہائے ہائے پھر زخم کہن ہرا ہوا۔ پھر زخم پر نمک چھڑکا۔

جنونی کو کہ از قیدِ خرد بیرون کشم پارا
کنم زنجیر پائے خویشتن دامانِ صحرا را

جنون نے کہیں کا نہ رکھا۔ یہ جنون ہی کی حرکت تھی کہ اپنا بیڑا چھوڑ کر غنیم کے لشکر میں آگئے۔ یا کچھ اور

عشق روزے کہ بدل خلعت سودا بخشید
جامہ داری بمن از دامنِ صحرا بخشید

اب تو مجنوں کے جانشین ہم ہیں، قیس کے بعد ہم نے جنون کو عزّت بخشی دشتِ جنون کو ہم سے فخر ہے۔ ہمارے بعد سنّاٹا ہی ہوگا۔

چو مجنوں رفت بر من شد مسلّم ملکِ رسوائی
بر اورنگِ جنون یارب کہ بنشیند چو من رفتم

اطہر : اللہ اکبر اللہ اکبر۔ کیا عشقِ صادق ہے۔ گرے تو بے ہوش۔

غمزہ اش بر سینہ ناوک می زند خندہ اش بر گوشہ خشک می زند
عشق دار د با جنون ربطِ دگر از خرد باشد جنون گستاخ تر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر چہ خواہی بے تعب آید ازو   کارہای بوالعجب آید ازو
گر برآتش بگذرد آبِ جنون   از شرارش بروں دریائے خون

اے خدا خواہم دلِ دیوانۂ
ہائے و ہوئی گریۂ مستانۂ

آزاد: (اُس مرد سے) کیوں میاں تم اِس بے چاری کا کہنا کیوں نہیں مانتے۔ آخر اس کا کیا قصور ہے۔ جو اِس قدر بے مروتی کرتے ہو۔

مرد: دل سے لگی ہے کہ روسیوں سے لڑوں۔ قسمت، قسمت، قسمت۔

ہائے اِس بیچاری کے دل پر خدا جانے کیا گذرتی ہوگی واللہ کتنی نازک بدن اور خوبرو ہے۔ مگر کشتۂ خنجرِ عشق۔

جنون کو تا ز نشارِ خود کنم آشفتہ رائی را
زِ عُریانی لباسِ تازہ بخشم خود نمائی را

کاسکوں کو جو معلوم ہوا کہ یہ شخص ہمارے خون کا پیاسا ہے تو آگ ہو گئے۔ ایک نے کہا کہ میاں کیوں جان کے دشمن ہوتے ہو، اتنی سی جان گز بھر کی زبان۔ دوسرا بولا شامتیں آئی ہیں قضا دامن گیر ہے۔ تیسرے نے کہا پھر دیکھتے کیا ہو جب تک یہ مورچے پر پہنچیں ان کو عدم پہنچا دو۔ یہیں سے یہیں۔

آزاد: ایک ہاتھ کافی ہے مگر اکیلے آدمی کو قتل کرنا کون جواں مردی ہے۔ ایک کی دوا دو۔ بس کافی ہے۔

کاسک: ایک کی دوا دو ہو، چاہے ایک کی دوا سو ہو۔ ہم اس کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ اللہ اللہ روسیوں سے مقابلہ کرنے چلے شانِ کبریائی جوان نکالو تلوار، ہاں اڑا دو سر۔   اڑا

آزاد: ارے یارو بے بس کا مارنا تو شجاعت کی بات نہیں ہے۔

کاسک: آپ اس بارہ میں دخل نہ دیں ہم ضرور قتل کریں گے۔ اس کے بعد ایک کاسک نے تلوار نکالی اور اس بے بس بیچارہ کا سر اڑا دیا۔ ہائے افسوس اب سُنیے کہ اس کا سر عین اس کی چاہتی بیوی کے سر پر گرا تو وہ چونک اُٹھی دیکھا تو اُس کے پیارے شوہر کا سر خاک و خون میں لوٹ رہا ہے۔ اور دھڑ اور طرف ہے، ہائے ستم وائے ستم ہائے اگر اُس کی بیوی اِس قدر اصرار نہ کرتی تو یہ نوبت کیوں آتی اور یہ روزِ بد دیکھنا کیوں نصیب ہوتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

من نگویم کہ یار کشت مرا
دل بے اختیار کشت مرا

عورت کی حالت زار ناگفتہ بہ سر اور گردن خون میں آغشتہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتی تھی۔ درد دل کا چارہ محال تھا۔ کئی بار پتھر پر سر دے پٹکا۔ مگر زندگی تھی بچ گئی، زبان حال سے یہی کہتی تھی۔

دوستان تنگ آمدم احسان بریں جنوں کنید
سینہ را از تیغ بشگافید و سر بیروں کنید

آزاد پاشا کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مگر اس وقت کیا کر سکتے تھے۔ محمد اطہر نے عربی زبان میں کہا افسوس صد افسوس۔ اگر بس چلتا تو ان سب کو کتے کی موت قتل کرتا۔ یہ نابکار بالکل وحوش بدتراز بہائم ہیں۔

آزاد: اس کا کچھ تذکرہ ہی نہ کیجیے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔

اطہر: اس بیچارے بے گناہ نے زبان تک نہیں ہلائی۔ صرف ایک بات کہی تھی۔ نہتے آدمی کا قتل کرنا بھلا کون جواں مردی ہے۔ افسوس!

آزاد: اگر حکم ہو تو سمجھ لوں ابھی لوئے سپہ گری باقی ہے۔

آن زمن باشم کہ روز جنگ بینی پشت سن
آن منم کاندر میان خاک و خون بینی سری

یہ شعر ان کی زبان میں سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے ہر دم زبان زد رہتا ہے اب حکم دیجیے کہ چڑھ دوڑوں۔

اطہر: نہیں خلاف عقل و مصلحت ہے۔ وہ سو ہم دو۔

نہ ہر جائی مرکب توان تاختن
کہ جا ہا سپر باید انداختن

اتنے میں کاسکوں نے کہا اب کوچ کیجیے۔ آزاد کا رنگ فق ہو گیا پیچھے پھر کر دیکھا اور کہا ہائے اب ہندوستان میں جانے کا نہ اتفاق ہو گا۔ اُف اب حسن آرا بیگم کی نورانی صورت نظر نہ آئے گی۔ اب مس میڈا کو کہاں سے دیکھیں گے۔ ع

آرزوئیں ہوئیں سب خون پڑا رن کیسا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثریّا بیگم کا مکان

کوٹھے پر چوکا بچھا ہے اُس پر فرش مکلّف۔ اُس کے قریب ایک نازک پلنگڑی پر ثریّا بیگم سادی اور ہلکی پوشاک پہنے بہ آرام تمام لیٹی ہیں۔ ابھی حمام سے آئی ہیں۔ لباس عطر میں بسا ہوا، اِدھر اُدھر پھولوں کے ہار اور گجرے رکھے ہیں۔ باغ سے حنا کی خوشبو آتی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی ہے مگر امارت کے چونچلے۔ مہری پنکھا لیے جھل رہی ہے۔ آبدار خانے والی گڑگڑی لائی، تو عبّاسی مہری نے چمک کر کہا۔ اُوئی۔ اتی بوڑھی ہوئیں مگر سلیقہ نہ آیا۔ اے پیچوان لاؤ بوا۔ جس میں آنچ دور رہے۔ تھوڑی دیر میں پیچوان آیا ــــ گنگا جمنی حقّہ، بیش بہا پیچوان، مخملی دستگی، مخملی زیر انداز، دوسیر اتمباکو مشکبو بہ پیچوان عرق بہار اور انواع واقسام کی خوشبو کی چیزوں سے بسا ہوا تھا بسنگ یشب کی مُہنال تھوڑی ہی دیر میں تمام محل مہک اُٹھا۔ ثریّا بیگم نے آہستہ آہستہ پینا شروع کیا۔ کہا پیچوان مردوں کے لیے موزوں ہے۔ ہمیں تو گڑگڑی ہی پسند ہے۔ خبردار آج سے پیچوان نہ لانا۔ آبدار خانے والی نے کہا۔ حضور یہ عبّاسی کل کی چھوکری مجھ کو ڈپٹنے لگی۔ واہ گڑگڑی نہیں۔ پیچوان لاؤ۔ ہم نے کہا اچھا حضور لونڈی تو جانتی تھی کہ حضور ایک کش بھی نہ لیں گی۔ وہی ہوا۔ اب حضور ٹھہریں میں اور بھرے لاتی ہوں۔ اک چار منٹ کے عرصے میں آبدار خانے والی ایک ذراسی گڑگڑی لائی۔ ذرا سا نیچہ، ذراسی چلم لا کر کہا۔ حضور اس کو پئیں۔

عبّاسی: کیا ننھی منّی گڑگڑی ہے۔ مگر اس میں تمباکو بھی کوڑی برابر ہوگا۔

ثریّا بیگم: کھلونا ہے۔ بیگموں کے چونچلے ہیں۔ ہمیں یہ باتیں نہیں آتیں۔

عبّاسی: حضور لیٹی رہیں۔ میں گڑگڑی لیے رہوں گی۔ پیتی جائیے۔ بسم اللہ۔

مغلانی: عبّاسی کی بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے۔ کسی پہلو چین نہیں کیوں؟

عبّاسی: (مسکرا کر) ہماری تو بوٹی ووٹی کچھ بھی نہیں پھڑکتی وڑکتی۔

اتنے میں ایک مہری نے دست بستہ عرض کیا۔ بیگم صاحب داروغہ جی آئے ہیں۔ کہتے ہیں کچھ عرض کرنا ہے۔ بیگم صاحب نے کہا اونہہ۔ اب اِس وقت کون اُٹھے۔ کہو صبح کو آؤ۔ مہری بولی حضور کہتے ہیں بڑا ضروری کام ہے۔ حکم ہوا کہ دو عورتیں چادر تانے رہیں، اور داروغہ صاحب چادر کے اُس طرف بیٹھیں۔

داروغہ صاحب نے آن کر کہا۔ آداب بجالاتا ہوں حضور اللہ نے بڑی خیر کی۔ خدا کو کچھ اچھا ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنا منظور تھا۔ حضور ایسے بُرے پھنسے تھے کہ الٰہی توبہ! بیگم صاحب نے کہا۔ اے تو کچھ کہو بھی یا۔ الٰہی توبہ الٰہی توبہ ہی کہتے جاؤ گے۔ اور داروغہ صاحب نے پھر وہی کہنا شروع کیا۔ اُف حضور۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر عبّاسی نے کہا داروغہ صاحب گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔ دوسری مہری بولی۔ سٹھیا گئے ہیں۔ مغلانی نے کہا بوکھلائے ہوئے آئے ہیں۔ داروغہ صاحب بہت جھلّائے۔ کہا کیا قدر ہوتی ہے۔ واہ ہماری سرکار تو کچھ بولتی ہی نہیں۔ وہ لاابالی مزاج پایا ہے کہ مہری اور مغلانی اور محلدار بلکہ ایک بھنگن تک بناتی ہے۔ حضور کبھی اتنا بھی نہیں کہتیں کہ ہمارے داروغہ سے نہ بولو۔ بوڑھا آدمی ہے عزّت دار ہے۔ کس مصیبت میں جان ہے۔ الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ!

بیگم: تم تو سچ مچ دیوانے ہو گئے ہو۔ جو کہنا ہے وہ کہتے کیوں نہیں۔

داروغہ: حضور دیوانہ سمجھیں یا گدھا بنائیں۔ غلام آج کانپ رہا ہے۔

بیگم: یا میرے اللہ۔ سبزی پی ہے کیا بھنگیائی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ واہ!

داروغہ: ہونہہ۔ حضور بڑی قدر دان ہیں (باتیں کرتا ہے) ہائے افسوس۔ گویا نفرے ہیں (باتیں کرتا ہے)! واہ ری قدر دانی عالم بالا۔ افسوس۔ واللہ حضور غلام بھی رئیس زادہ ہے۔

عبّاسی: اے توبہ داروغہ صاحب کچھ کہیے گا بھی۔ مطلب تو فرمائیے۔ حضور داروغہ نے کہا وہ جو آزاد ہیں۔ کئی بار آئے بھی تھے وہ بڑے مزور اور مکّار (شاہین چور) نامی ڈکیٹ پرلے سرے کے بگڑے باز، کال جواری وھادت شرابی، زمانے بھر کے بدمعاش، چھٹے ہوئے گرگے، ایک ہی شریر اور بدوضع آدمی ہیں۔ طوطی کا پنجڑہ لے کر وہی عورت کے بھیس میں آیا تھا۔ وہ جو ہندو فقیر بن کر آئے تھے۔ وہ بھی خود بدولت ہی تھے۔ جب ہی تو جھپ سے حقّہ بھی پی لیا، اور گلوری بھی کلّے میں دبائی۔ آج سُنا کہ کسی نواب کے ہاں بھی گئے تھے۔ وہاں مسلمان فقیر بنے۔ شاہ جی سے خدا نے بچایا۔ اور حضور وہ آزاد جن کے دھوکے میں آپ ہیں۔ وہ تو روم گئے ہیں۔ اُن کی تعریفیں تو اخباروں میں چھپتی ہیں۔ تمام دُنیا میں اُن کا نام ہے — اور یہ آزاد مرزا ہیں۔ وہ میاں آزاد ہیں۔ اِن کا اُن کا مقابلہ کیا۔ وہ عالم اجل فاضل اکمل۔ یہ بے ایمان بدمعاش لچّے آدمی مگر حضور نے ان کو بُلایا۔ پاس بٹھایا۔ اختلاط کی باتیں کیں۔

ایسا غپّا دیا کہ توبہ ہی بھلی۔ یہ بھی اس نے غلط بیان کیا تھا کہ حسن آرا بیگم کا بر... " ے توبہ! اُنھیں کے کہنے سے تو وہ گئے ہیں۔ بیگم صاحب نے کہا داروغہ بات تو تم پتے کی کہتے، " وہ سب باتیں تم کو بتائیں کس نے تم آزاد کا نام کہاں سے جان گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ: حضور وہ چانڈو باز جو آزاد مرزا کے ساتھ آیا تھا اُس نے مجھ سے بیان کیا۔ وہ آزاد کو خوب جانتا ہے۔ سرا میں ایک بڑی حسین بھٹیاری رہتی تھی۔ اللہ رکھی۔ وہ میاں آزاد پر جان دیتی تھی۔ اُنھوں نے اُس سے شادی کا اقرار کر لیا مگر سوچے کہ بھٹیاری کے ساتھ شادی کی تو کیا۔ وہ آزاد اور یہ آزاد اور یہ چوروں کے قبلہ گاہ، بدمعاشوں کے پشت پناہ، ایک ہی حرامزادے آدمی ہیں۔ اُن کا مقابلہ یعنے چہ

بیگم: اللہ نے بچایا۔ ہے ہے جو کہیں نکاح ہو جائے تو ستم ہی ڈھائے۔

مغلانی: جنازہ نکلے موئے کا۔ کیا پھسلا لیا تھا۔ اُف ری

مہری: اور باتیں کیسی چکنی چپڑی کرتا تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ اُفوہ!

عباسی: اے حضور نگوڑا مجھ پر کتراتا تھا۔ کئی باری اشارے کیے۔ گلوری لی۔ تو چٹکی لے لی۔ قریب سے نکلی تو ٹہوکا دیا۔ چھٹا ہوا شہدا ہے۔ طوطی کا پنجرہ لے کر کس ٹھاٹھ سے آیا تھا کہ اُف — ایسا بھیس بدلا کر واہ۔

محلدار: اے ہے۔ یہ وہی تھا۔ اچھا بھیس بدلا۔ ایں گل دیگر شگفت (ہنس کر) نام کیا بتاتا تھا۔ معشوقہ خانم۔

بیگم: (مُسکرا کر) معشوقہ خانم۔ بڑی ہنسی آتی ہے توبہ توبہ!

داروغہ صاحب آزاد مرزا کا دُکھڑا رو کر چلے گئے تو بیگم صاحب نے حُکم دیا کہ داروغہ سے کہو اُس چانڈو باز کو یہاں بھیج دیں۔ مہری چانڈو باز کو اپنے ساتھ اوپر لائی۔ مغلانیوں نے پردہ کرنا چاہا تو بیگم صاحب نے کہا۔ جانے بھی دو۔ بوڑھے کھوسٹ سے پردہ کیا۔

چانڈو باز: حضور کچھ اوپر سو برس کا سن ہے۔ غلام تو اب مثل خواجہ سرا کے ہے۔ پردہ جوانوں سے ہوتا ہے نہ کہ پیروں سے اور پھر خانہ زاد سے۔

بیگم: ہم نے تو خود ہی کہا۔ ورنہ زنانی ڈیوڑھی پر تم آنے بھی پاتے۔ قبر میں پاؤں لٹکا چکے ہو۔ ہاں آزاد مرزا کا حال تو کہو۔ یہ کون شخص ہے۔ داروغہ تو کہتے ہیں چور ہے بدمعاش ہے۔

چانڈو باز: حضور اِس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ ایک ہی شریر ہے مردود۔

بیگم: تم سے کہاں سے ملاقات ہوئی۔ تمہارا مکان کہاں ہے۔

راوی: کیا نھی بنی جاتی ہیں۔ یہ وہی ہیں جو سرا میں خدمت کیا کرتے تھے۔

چانڈو باز: حضور اب۔ ع

کیا پیچھے چھوڑے گاؤں کا نام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب تو خانہ بدوش، بے نوا درویش حزین، وخستہ جان ہوں مگر شکر ہے۔

بیگم: یہ آزاد مرزا قید میں تھے۔ وہاں سے بھاگے کیوں کر۔

چانڈو باز: بڑا طول طویل قصہ ہے۔ بس یہ نہ پوچھیے۔ حضور صاحب کا حکم تھا کہ تین تین پہرے رہیں، اور وہ صاحب سے کہتا تھا کہ میں چھہتّر ہزار پہرے ہوں تو نکل جاؤں۔ نہ نکل جاؤں تو آزاد مرزا نام بدل دوں۔ بس ایک پہرے والا پہرا بدلنے گیا۔ تو آزاد غائب۔ پہرے کا کانسٹبل ندارد۔ دوسرے پہرے پر آئے۔ وہاں بھی سنّاٹا۔ ایں! ماتھا ٹھنکا کہ کچھ دال میں کالا ہے پکارا۔ ارے بھئی جوان کیا سوتے ہو۔ وہاں کوئی ہو تو جواب دے۔ تیسرے پہرے پر گئے وہاں بھی کوئی نہیں۔ اب ان کو خوف معلوم ہوا۔ غل مچایا۔ کوئی ہے؟ تھانے کے دو چار جوان دوڑ پڑے۔ لینا۔ لینا۔ جانے نہ پائے۔ خبردار سنبھلے ہوئے۔ کون تھا کون کدھر گیا۔ اُس نے کہا یہاں پہرا بدلانے آئے تو تینوں پہرے خالی۔ آدمی نہ آدم زاد۔ رات بہت اندھیری تھی چراغ جلا۔ تو خوب غل مچا۔ دیکھا کہ ایک پہرے والے آنند سنگھ کانسٹبل کی لاش پڑی ہے۔ آگے بڑھے تو دوسرے جوان کا سر الگ اور دھڑ الگ نظر آیا۔ ارے تڑ کا ہو گیا۔ آزاد مرزا پہرے والوں کو قتل کر کے چل دیے۔ اتنے میں محلّے سے صدہا آدمی دوڑ پڑے، دونوں کانسٹبلوں کی لاشیں پڑی دیکھیں۔ مگر تیسرے پہرے والے کا پتا نہ ملا۔ فوراً بگل بجا۔ انسپکٹر اور صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور کئی اور صاحب لوگ اور تحصیلدار صاحب بھی فوراً آئے۔ تھانہ دار بیچارہ خفیف اور نادم ہوا۔ اب تحقیقات شروع ہوئی۔ پہلے اُس جوان سے پوچھا جو پہرا بدلنے کے لیے آیا تھا۔

کانسٹبل: حضور۔ ایک بجے پہرا بدلانے ہم آئے تو پہلے پہرے پر کوئی نہ بولا۔ ہم سمجھے سپاہی غافل سو رہا ہے۔ تو بس میں دوسرے پہرے پر گیا۔ وہاں کسو نے کھنکارا نہ جواب دیا۔ تب بس میرا ماتھا ٹھنکا تو حضور بس میں پھوکارا (پکارا) کوئی بولا نہیں۔ جب تیسرے پہرے پر گیا تو وہاں بھی کوئی نہ ملا۔ تب میں نے شور اور غل مچایا کہ دوڑو جوانو یہاں کچھ گل کھلا ہے۔ سب سپاہی دوڑ آئے۔ بس یہاں لاشیں دیکھیں۔

کپتان صاحب: وَل۔ پہلے پہرے پر کون سپاہی تھا۔ اُس کا کیا نام ہے؟

جمعدار: خداوند۔ ظالم سنگھ بیسواڑے کا رہنے والا اُس پہرے پر تھا۔

کپتان: اُو۔ ظالم سنگھ ظلم کر گیا۔ اُس کی ضرور سازش ہے۔

جمعدار: خداوند۔ تھا تو نہیں ایسا مگر شاید اُس کی سازش ہو۔

کپتان: تلاش کرو۔ دیکھو ظالم سنگھ ظلم کرنے والا کدھر ملتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کئی کانسٹبل ظالم سنگھ کی تلاش میں گئے۔ اتنے میں ایک شیخ جی نے جو تھانے کے سامنے رہتے تھے یوں اظہار دیے۔

خداوند میں تین دن سے علیل ہوں۔ درد سرا، درد کمر، درد جگر، اور کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شب کو نیند نہیں آتی۔ مکان کی چھت پر چھپر کھٹ بچھائے پڑا ہوا تھا۔ مگر اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں، جب غُل ہوا تو میری آنکھ کھُل گئی۔ آنکھ کھلی تو ستم ہوگیا۔ ہائے ہائے!

کپتان صاحب: وَل آپ کو نیند جو نہیں آتا تھا تو آنکھ کیوں کر بند تھا۔

شیخ صاحب: حضور اب یہ تھوڑا ہی مطلب تھا کہ نیند بالکل آتی ہی نہ تھی۔ جب غُل ہوا تو میں جاگ اُٹھا۔ دو آدمیوں کو بھاگتے دیکھا مگر ایسے شلنگے بھرتے جاتے تھے کہ توبہ ہی بھلی۔ میرے آدمی نے مجھ سے کہا کہ یہاں خوب شپاشپ تلوار چلی، اور کئی آدمی قتل ہوئے۔ وہ ساری کیفیت دیکھ رہا تھا۔ اُسی نے مجھ سے بھی بیان کیا تھا۔

کپتان: آؤ۔ وَل اُس کا گواہی سُننے کا کہاں ہے۔

شیخ: ارے میاں ذرا مکان سے واجد کو تو بُلا لاؤ۔ فوراً بلاؤ۔

واجد آیا۔ آداب بجا لایا۔ کپتان صاحب نے کہا جو کچھ دیکھا ہے، بیان کرو۔

واجد: ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی نے تھانے کی چھت کاٹی۔ بار بار وہ ہماری طرف دیکھتا تھا۔ میاں تو بے غافل سو رہے تھے اور میں بست مار کے پڑا تھا۔ جب چھت کاٹ چکے تو وہ کسی تدبیر سے نیچے پہنچے۔ اتنا میں نے دیکھا کہ ایک اور آدمی بھی تھا وہ رسّی پکڑے تھا۔ تھوڑی دیر میں تین آدمی پچھواڑے پھاندے۔ پہرے والے نے پکارا کون۔ کہا تمہارا باپ۔ بس یہ کہہ کر ایک آدمی نے جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اُچھل کر تلوار ماری اور ایک ہی ہاتھ میں کام تمام کیا۔ دوسرے پہرے والا بھی مارا گیا۔

کپتان صاحب نے پوچھا۔ دوسرے کانسٹبل سے کیوں کر لڑائی ہوئی کہا آزاد مرزا تلوار لے کر جھپٹے تو اُس نے بھی کسی چیز سے مقالبہ (مقابلہ) کیا۔ اب کیا جانے وہ تلوار تھی، یا رول تھا یا کیا تھا۔ مگر مرزا کا ہاتھ ایسا پڑا کہ لاش زمین کے اوپر آگئی گر پڑنے تو یہ بھاگے۔ راہ میں ان کو ایک رہرو نے روکا تھا۔ اُس کو بھی اُنھوں نے قتل کرکے چھوڑا ایک پہرے کا سپاہی پہلے ہی بھاگ نکلا تھا۔ وہ جس نے چھت کاٹی تھی اُس سے اور پہرے والے سے سانٹھ گانٹھ تھی۔

کپتان: وَل تم نے سب بات دیکھا پھر آواز کیوں نہ دیا۔

واجد: حضور مجھے کیا غرض تھی۔ کسی کے پھٹے میں مَیں کیوں پاؤں ڈالتا۔ اس فقرے پر عباسی نے کہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(مرموئے کوئی خبطی ہوگا) بیگم صاحب بولیں۔ بات نہ کاٹو۔ ہاں پھر کیا ہوا۔ چانڈو باز نے پھر روایت بیان کی۔ بس حضور واجد اور کپتان صاحب میں باتیں ہونے لگی۔ سوال و جواب ــــ سُننے کے قابل ہیں ہنسی ضبط کیجیے۔

کپتان: تم نے کُل بات قتل اور تلوار کا دیکھا اور بالکل بولا نہیں۔

واجد: خداوند! ایں خان میں نہ خان کے اونٹوں میں۔ مجھے کیا پڑی تھی، اور جو آزاد مرزا اندھیرے اُجالے مجھی کو مار ڈالتے تو میں کیا کر لیتا۔ وہ مانتے کس کی ہیں۔ حضور اُن سے سب ڈرتے ہیں۔

کپتان: اس کو حوالات میں رکھو۔ یا جیل خانے جائے گا یا پاگل خانے۔

واجد: ایں! (کانسٹبل سے) الگ ہٹو جی ہمیں بھی کوئی وہ سمجھے ہو۔

کانسٹبل: چپ رہ۔ بڑی ہیکڑی کی لیتا ہے۔ چل اُدھر ہٹ۔

واجد: میاں۔ ہم تو اپنے چپ بیٹھے دیکھا کیے یہ ہمیں کو چور بناتے ہیں۔ عجب اندھیر ہے۔ صاحب ہم بولے تک نہیں اللہ جانتا ہے جو مُنکا تک ہوں۔ میں نے کہا کیا۔

اِس پر بیگم صاحب کِھل کِھلا کر ہنس پڑیں (آدمی کا ہے کو جنگلی ہوش تھا)۔

عبّاسی اور مغلانیاں بھی ہنسیں۔ چانڈو باز نے باقیماندہ روایت بھی افیم کی پینک ــــ میں بیان کی۔

بس حضور واجد حوالات بھیجے گئے ایک اور آدمی کے اظہار لیے گئے۔

بابو مادھو چند گنگولی۔ انھوں نے کپتان صاحب سے کہا۔ ہم ایک بجے کے دس بارہ منٹ پہلے اِدھر سے آتے تھے، تو ہم نے آزاد مرزا کو دیکھا۔ ہم نے سُنا تھا کہ وہ قید ہو گیا ہے۔ ہم بہت ڈرے چُپکے سے چلے آئے کہ ایسا نہ ہو مار ڈالے۔

انسپکٹر: بابو صاحب، غُل تو مچایا ہوتا کیا غضب کر دیا۔

بابو: باپ رے باپ۔ نا بھائی ہمارا جان مار لیتا وہ نا بھائی۔

انسپکٹر: ہاتھ پاؤں تو موٹے موٹے ہیں۔ مگر پورے ہو استاد کیوں؟

بابو: ہام (ہم) اپنے کا جان نہیں مارنے کا۔ چور شالا سے لڑنا سے ہام (ہم) کیا پاوئے گا۔ ہام تو آنکھ نیچا کیا اور لمبا لمبا ڈاک (ڈگ) گھسیٹ کے بھاگ اُٹھا۔ ہمارے سے بولتا تو ہام کیا کروں گا۔ وہ چور ہم بھلے مانس۔

کپتان: خیر۔ یہ معاف کرنے کے قابل ہے۔ تم وہی بابو ہو جو کابل سے بھاگ آیا تھا۔ گنگولی بابو تم کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لوگ بولتا ہے یا نہیں ؟

بابو: ارے تو بھاگ نہیں آئے گا تو کرے گا تو کیا بابا. روج روج (روز) اکبار کا کوش ہام سے تو جایا نہیں جائے گا توپ شالا جب مُنہ کھولتا تھا جہندم (جہنم) کا ساتو ہمارا دم نکلتا تھا. ہام تو شوچ میں تھا کہ جو توپ شالا اُلٹا چلا تو ہام پھر بنگالہ کہاں سے جائے گا. ہم کو اپنا گھر یاد آتا تھا. ہام تو وہاں شے بھاگ آیا. نا بابا ہم توپ کا شامنا جاکے اپنے کو جان نہ دوں گا۔

اس پر خوب قہقہہ پڑا. بابو صاحب گھر گئے۔ اتنے میں ایک آدمی نے آن کر کہا. انسپکٹر صاحب. ایک آدمی اس باغ میں بھی مرا پڑا ہے. انسپکٹر اور کپتان صاحب نے جاکر دیکھا تو واجد کے کلام کو صحیح پایا واجد نے پہلے ہی کہا تھا کہ ایک رہرو کو بھی آزاد مرزا صاحب نے مار ڈالا ہے۔

کپتان: بڑا شرم کا بات. اُف بڑا شرم کا بات. ڈوب مرو گے۔

تھانہ دار: یہ گنگو کے پہرے میں تھا. ابھی ابھی حاضر کر و مر گیا تھا بدبخت.

کانسٹبل: حضور احمد خاں سپاہی کا پہرا تھا. سیٹی دوں. ابھی آجائے گا

کانسٹبل نے سیٹی بجائی. احمد خاں ایک عورت کے مکان میں پڑے خراٹے لیتے تھے. سیٹی کون سُنے. کپتان صاحب بہت جھلائے۔

الغرض آدھ گھنٹے کے بعد احمد خاں آئے تو دیکھا بڑا جماؤ ہے. ارے! خدا خیر کرے. قریب پہنچے تو لاش دیکھی۔

کپتان: تم نمک حرام قلی سن اُف اِے بچ کہاں سو رہا تھا بولو ؟

احمد: حضور چمار ٹولے میں کچھ غُل ہوا تھا. وہیں تھا خداوند۔

کپتان: وَل چمار ٹولے میں گیا. اور سُنار ٹولے کو چھوڑ دیا اور اب اتنی دیر کے بعد آیا تم آنکھ ملتا. یہ کیا ہے۔

احمد خاں: (لاش کو دیکھ کر) ارے! حضور لاش ہے. کوئی اس کو قتل کر گیا ہے. حضور غلام۔

کپتان: چُپ. سَن اف اِے بچ. یو اسکونڈرل. کام چور نمک حرام لوگ آزاد مرزا کا کہیں پتا نہ ملا۔

بیگم: اللہ بچائے ایسے موئے موذی سے. وہ تو نکاح پر راضی ہو گیا تھا۔

چانڈو باز: حضور مجھے وہ سبز باغ دکھایا کہ الٰہی تیری پناہ! ایک ہی چھٹا ہے۔

عباسی: مجھ سے الگ سانٹھ گانٹھ کری اور حضور کو الگ سبز باغ دکھایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی: حضور اللہ جانتا ہے میں اس کی آنکھ سے تاڑ گئی تھی کہ بڑا نٹ کھٹ ہے۔ افوہ۔ طوطی کا پنجرہ لے کر کس ٹھاٹھ سے آئے۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ چست گھٹنا ڈٹا ہوا اور کیسی کھڑی بولی بولے۔ تو مردوا تو تھا ہی، وہ تو عورت ہو نہ جب۔

چانڈو باز: ہاں حضور یہ تو کہنا بھول ہی گیا تھا۔ رات کو جب چھوٹا تو تھانہ دار کے مکان پر گیا۔ وہ بیچارہ سو رہا تھا۔ دو دن کی رخصت لی تھی۔ اُس کے مکان پر جا کر اُس کو زخمی کیا۔ وہ غُل مچانے لگا تو دیوار پھاند کے بھاگنے ہی کو تھا مگر غُل کی آواز سُن کر ایک ایسا تلا ہوا ہاتھ جمایا کہ تھانہ دار دھم سے زمین پر گر پڑا۔

حضور محلّے بھر میں جاگ ہو گئی اور کوئی سو آدمی ٹھٹ لگا کے کھڑے ہو گئے۔ مگر یہ جو اوپر سے کودے تو تین بار وت وت کہہ کر دَقن بھرتا ہوا یہ جا وہ جا۔ ایک بھی نہ پکڑ سکا۔

بیگم: اوئی۔ سو آدمیوں میں سے نکل بھاگا۔ اوئی اللہ کچھ ٹھکانا ہے۔

چانڈو باز رخصت ہو کر گئے تو عبّاسی نے کہا حضور ہمیں آج ڈر معلوم ہوتا ہے ایسا نہ ہو کہیں ہمارے ہاں بھی خدا نخواستہ چوری کرے۔

مکّے گئے مدینے گئے کربلا گئے
جیسے گئے تھے ویسے ہی چل بھر کے آ گئے

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے ثریّا بیگم کی آنکھ جھپک گئی۔ مہربان مغلانیاں اپنی اپنی جگہ پر سوئیں۔ مگر عبّاسی کی نیند اُچٹ گئی تھی۔ آزاد کی کارستانی اور لاشوں کے ذکرِ خوف انگیز سے بی عبّاسی میں اس قدر جرأت باقی نہیں رہی کہ اُٹھ کے پانی تو پئیں۔ کروٹ تک مارے خوف کے نہیں لی جاتی تھی۔ بید مجنوں کی طرح لرزی جاتی تھی۔ پیاس کی شدّت سے تالو میں کانٹے پڑے تھے مگر مسٹ مارے دبکی وبکائی پڑی رہی۔ ہوا کے جھوکوں سے ایک کاغذ اڑ کر اس کی چار پائی کے قریب کھڑکھڑاتا ہوا آیا تو دم فنا ہو گیا۔ کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ برق انداز سے آواز دی جاگتے رہو سونے والو، اور یہ کانپ اٹھیں اللہ رے ترے الڑھ پن۔ کھٹ ہوا اور جان نکلی۔ ڈر تھا کہ کوئی چمٹ نہ جائے۔ لاشیں آنکھوں تلے پھرتی تھیں۔ اتنے میں گربہ مسکین نے میاؤں کیا تو ایک مغلانی نے کہنا شروع کیا۔ نکٹی ہینگ ہینگ چھری چھری۔

عبّاسی کے جی میں جی آیا۔ دبے دانتوں کہا۔ ارے بُوا ذری سا پانی پلاؤ تو بڑا احسان ہو۔ مغلانی بولی۔ لو اور سُنو۔ نئی جوانی میں یہ حال ہے کہ مجھ بوڑھی عورت سے پانی مانگتی ہیں۔ سرھانے پر تو رکھا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھلیا سے اُنڈیل کے پی نہیں لیتی۔ اِن باتوں سے دوسری مغلانی کی آنکھ بھی کھل گئی۔ کہا ایک روپیہ دو عبّاسی تو ہم اُٹھ کے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلادیں۔ کلیجہ تک تر ہو جاتے۔ عبّاسی نے دیکھا کہ اب تو گھر میں جاگ ہوگئی۔ اب کیا تھا شیر ہوگئیں۔ تنک کر کہا۔ اوئی ڈمڑی کی بُلبُل ٹکا ہُسکائی۔ ہم اپنے آپ پی لیں گے۔ یہ کہہ کر کسی قدر ڈرتی ہوئی اُٹھی۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ٹھلیا سے گلاس میں پانی اُنڈیلا پیا تو ذرا تسکین ہوئی۔ ایک گلاس اور پیا۔ جب خوب تن کے پانی پی چکی تو کہا بُوا ہم تمہارے پلنگ پر اُن کے سو رہیں۔ مغلانی نے کہا۔ واہ سردی کے دنوں میں تو ہم کو پاس سوئے نیند آتی نہیں۔ اس گرمی میں تو کوئی ہزار روپیہ بھی دے تو کسی کے پاس نہ سوئیں۔ عبّاسی بولی۔ اِس چارپائی میں تو کھٹملوں نے ایسا دق کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ پاؤ بھر سے زیادہ ہی زیادہ اِس ہفتے میں خون پی لیا ہوگا۔ گھوڑے کی طرح موٹے دوڑ رہے ہیں۔ بعضی گندی عورتوں کا قاعدہ ہے کہ کھٹمل کو دیکھا اور مَل ڈالا۔ ہمیں تو نفرت ہوتی ہے۔ مغلانیاں سو رہیں۔ مگر عبّاسی کو نیند نہ آئی۔ اتنے میں بارہ کا گجر ٹھنا ٹھن بجا تو عبّاسی نے اپنے دل میں کہا۔ ارے! ابھی بارہ ہی بجے۔ ہم سمجھے تھے سویرا ہوگیا۔ اُف آج تو رات کاٹے نہیں کٹتی۔ اُف کتنی بے چینی ہے۔ ایک بجے کے وقت بھاگ کی دُھن میں کوئی شخص اپنی چھت سے یوں لہرانے لگا (سپہیا جاگت رہیو۔ اس نگری کے دس دروا جے نکس گیا کوئی اور سپہیا جاگت رہیو) اس معرفت کی چیز کو بی عبّاسی خاک نہ سمجھیں۔ مگر آواز پیاری معلوم ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ذرا آنکھ لگی تو ایک ٹھنا کے کی آواز آئی۔ عبّاسی جاگ اُٹھی تو آدمی کی چاپ معلوم ہوئی۔ اے ہے بس غضب ہوگیا۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

دبکی جاتی تھی۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ کامل بیس منٹ تک سانس لینا بھی محال تھا۔ بارے بخیر گذشت۔ پھر نہ ٹھنا کا ہوا نہ چاپ معلوم ہوئی اتنے میں بیگم صاحب انگڑائی لیتی ہوئی اُٹھیں۔ کوئی ہے۔ عبّاسی تڑسے بولی حاضر ہوئی۔ بیگم صاحب حکم؟ حکم نہیں پانی لاؤ۔ عبّاسی ایک چاندی کے کٹورے میں برفاف لے کر حاضر ہوئی۔ بیگم صاحب نے پانی پیا۔ عبّاسی نے گلوریاں پیش کیں اور کہا حضور اللہ کا واسطہ۔ اب کبھی لاشوں واشوں کا ذکر نہ کیجیے گا۔ ہے ہے میرا تو عجب حال تھا۔ حضور رات بھر نیند نہیں آئی۔ تمام شب آنکھوں میں کٹی کھٹ ہوا اور میری جان نکل گئی۔ کوئی بولا اور میں کانپنے لگی۔

بیگم: ایسا بھی ڈر کس کام کا۔ دن کو شیر رات کو بھیڑ۔

عبّاسی: حضور ایسا اور کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ہے ہے اب تک بوٹی بوٹی لرز رہی ہے۔ لاشیں تمام شب آنکھوں تلے پھرا کیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم: اے واہ ہے۔ ہوش کی دوا کرو عبّاسی۔ چہ خوش!

عبّاسی: حضور ایک دفعہ مارے پیاس کے اس قدر بیچین ہوئی، کہ کیا عرض کروں۔ اُٹھوں تو یہ خوف کہ کوئی بھوت پریت کہیں کھا نہ جائے۔ اور تشنگی سے گلا سوکھا جاتا ہے۔ بمثال کانٹا۔ مغلانی نے کچھ کہا، بس میں نے اُن سے پانی مانگا۔ وہ بھلا کب پلانے والی تھیں۔ جب دوسری مغلانی بھی بولیں تب تو میں اُٹھی اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا۔ ذرا ڈھارس ہوئی اُف اُف۔ توبہ! توبہ!

یہ گفتگو ہوئی ہی تھی کہ ایک مغلانی اُٹھی۔ کہا کیوں حضور آج خلاف معمول اِس وقت اُٹھ بیٹھنا کیا وجہ۔ بیگم صاحب نے کہا آج بی ہمسائی کے ہاں سے جو کھانا آیا تھا اس میں مرچیں اتنی جھونک دی تھیں توبہ، بڑی گرمی کی۔ دو دفعہ پانی پی چکی۔ مگر تسکین نہیں ہوتی۔ مغلانی بولی جی ہاں۔ حضور دُلہن جان بڑی مرچین کھاتی ہیں۔ حضور نے مروت مروت میں کھالیں۔ عادت تو کچھ ایسی تھی نہیں، اُس کا خمیازہ نکلا۔ عبّاسی نے کہا وہ تو کوٹھے سے غُل مچاتی تھیں کہ بی ہمسائی ذری تلی ارویاں چکھنا۔ سالن نئی ترکیب سے پکا ہے۔ ضرور کھانا۔ مُغلئی پراٹھوں کے بھُربھُرے پن کو تو دیکھو اُن کو زعم ہے کہ اُن کا باورچی خوب کھانا پکاتا ہے۔ اور حضور بی ہمسائی کی خاطر کرتی ہیں تو اُنھوں نے محبّت ہی کی راہ سے کہا تھا۔ بیگم صاحب نے کہا بس اب سو رہو۔ عبّاسی پنکھیا جھلنے لگی۔ بیگم صاحب سونے ہی کو تھیں کہ ایک شخص نے پھر گانا شروع کیا۔ بہاگڑے کی دُھن میں۔

بیگم: آدمی لے دار ہے۔ گلا کتنا نورانی ہے۔ اہو ہو! اچھی آواز ہے۔

عبّاسی: حضور پہلے بھی گا رہا تھا۔ کوئی سڑی سا ہے موا۔

مغلانی: اے یہ وہ وکیل ہیں۔ مرزا نادر بیگ یا شاید۔

بیگم: ہاں ہاں، معلوم ہے تم تو ایک باری کہہ بھی تو چکی ہو۔

بیگم صاحب سو گئیں۔ اِن کو خواب ناز میں دیکھ کر عبّاسی اپنی چارپائی پر گئی۔ رات کی جگی تو تھی ہی آنکھ لگ گئی۔ مغلانی بھی خرّاٹے لینے لگی خر خر۔ اب سنیئے کہ سویرے مُنہ اندھیرے محلدار اُٹھی تو دیکھا کہ بڑے کمرے کا قفل ٹوٹا پڑا ہے۔ دو صندوق ٹوٹے پھوٹے ایک طرف رکھے ہوتے ہیں۔ اور اسباب سب تتر بتر۔ غل مچا کر کہا ارے لٹ گئی۔ ہائے لوگوں لٹ گئے۔ مغلانیاں چونک پڑیں۔ مہریاں گھبرا کر اُٹھیں۔ ڈیوڑھی پر کہرام مچ گیا جو بداروں نے پوچھا خیر تو ہے کچھ کہیے تو روتے بولے پردہ کرائیے۔ پردہ کرائیے۔ داروغہ صاحب جریب لے کر دوڑ پڑے۔ ارے یہ کیا غضب ہو گیا۔ الٰہی خیر کیجیو ایک ایک زینے پر سگِ پاسوختہ کی طرح گھبرا کر بدحواسی کے ساتھ قدم رکھتے ہیں۔ بیگم صاحب اُٹھیں تو ہاتھ مل کر کہا۔ ہے ہے سنّاٹا ہو گیا۔ ہے ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بوڑھے میاں کی کمائی آج لٹ گئی۔ ہائے ہائے دکھن کی کمائی کاندھوے نالے میں گنوائی۔ بی ہمسائی غل مچاتی ہوئی کوٹھے پر آئیں۔ اے ہے یہ چیخم چیخ کیسی ہے بہن۔ کیا ہوا کیا خیریت ہے۔ تو ہے۔ اللہ کرے خیر ہو!۔

بیگم : دلہن جان — بہن تو مرمٹی۔ ہائے کہیں کی بھی نہ رہی۔

ہمسائی : اے عباسی کیا چوری ہوئی۔ کچھ کہو تو سہی۔ اللہ ہر آفت سے بچائے۔ رات کو کوئی دو بجے کے وقت تو باتیں ہوتی تھیں۔ ہائے ہائے، بڑے افسوس کا مقام ہے۔ یہ چوری کس وقت ہوئی۔

بیگم : دلہن جان۔ ہائے مَقسُوم! مَقسُوم!۔

ہمسائی : دیکھو تو اچھی طرح کیا کیا لے گیا۔ کیا کیا چھوڑ گیا دیکھو تو۔

بیگم : بہن ہوش کس کے ٹھکانے ہیں۔ ہائے سب ہی لے گیا موا۔

عباسی : ہائے مجھ جنم جلی کو پہلے ہی کھٹکا ہوا تھا۔ کان کھڑے کیے۔ مگر بھر نہ چاپ ہی معلوم ہوئی۔ نہ ٹھنناکے کی آواز ہوئی۔ اے ہے!

مغلانی : کیا کھٹکا ہوا تھا! پھر ہم کو کیوں نہ جگایا۔ واہ وا۔

داروغہ : خداوند۔ یہ کسی شمر[1] کا کام ہے۔ پاؤں تو کھا ہی جاؤں۔

مغلانی : علم بردار[2] کا عَلم ٹوٹے۔ اس کے گھر میں میّت پڑے موئے کے۔

مہری : جس ہاتھ سے صندوق توڑے وہ کٹ کر گر پڑیں۔ اللہ کرے جن پاؤں سے آیا۔ اُن میں کیڑے بلبلائیں۔ مرے موا بلک بلک کر۔

عباسی : اللہ کرے اٹھوارے ہی میں کھٹیا پچھاتی نکلے کُتّے کی موت مرے۔

محلدار : دیکھنا کیسا از غیبی طمانچہ کھائے گا۔ اللہ اُسے کلپائے۔

مغلانی : مگر عبّاسی تم بھی ایک ہی کل جبّی ہو۔ وہی ہوا۔

بیگم : کل ہی رات کو تو گفتگو ہوئی تھی۔ آج سویرے لٹ گئی۔

عبّاسی : حضور لونڈی اگر خطا وار ہے تو قابل دار سر حاضر ہے۔

ثریّا بیگم صاحب نے جاکر کل اسباب کا جائزہ لیا۔ تو نصف سے زیادہ غائب پایا۔ ارے وہ

---

[1] شمر۔ حضرت امام حسین کے قاتل کا نام تھا۔

[2] علم بردار سے مراد حضرت عباس بن علی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صندوق ثابت غائب ہے۔ ارے ایہ اُس پٹارے میں سے کمخواب کے تھان سب اُڑا دیے۔ ہائے ہائے وہ زیور کا ڈبّا ثابت اُڑا دیا۔ لوگوں میں کہیں کی نہیں رہی۔ ثریّا بیگم سر پیٹنے لگیں۔ اب جو زبان کھلی تو اگلے پچھلے سب کو رو ڈالا۔ ہائے میرے ابّا دوڑو تمہاری لاڈلی پیاری لڑکی آج لٹ گئی۔ ہائے میری امّاں جان ثریّا بیگم اب غریبنی فقیرنی ہو گئی۔ ہائے میرے بوڑھے میاں، تمہاری جوان رانڈ بیوی کے پاس اب ایک جھنجھی بھی نہیں رہی۔ (ہچکی بھر کر) ہو۔ آزاد ہو۔ ہائے آزاد! ہو۔ اُف ارے لوگوں میں، ہئیں تو۔ ہو کہیں کی نہ رہی۔ فقیر بھی ہوئی۔ جوگن بھی ہوئی۔ مگر بن پڑے کی فقیری بھی اچھی۔ ہائے مرمٹنے پر بھی ظالم نے مار ڈالا۔

دُلہن جان: بہن۔ ذرا دل کو ڈھارس دو۔ رونے سے اور ہلکان ہو گی۔

بیگم: دُلہن جان۔ اب تو سینا ہی پلٹ گئی بہن۔ ہائے!

دُلہن جان: ارے کوئی ہاتھ پکڑ لو۔ سر پھوڑے ڈالتی ہیں۔ پکڑ لو ہاتھ۔ بہن بہن! واسطے خدا کے سُنو تو۔ دیکھو سب مال ملا جاتا ہے۔ ابھی ابھی گھبراؤ نہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ آپے میں رہو اللہ مالک ہے۔

بیگم: سمجھی تھی کہ سوکھے دھانوں پانی پڑا۔ مگر جاؤ پوت دکھن۔

اس کے بعد کچھ کہنے کو تھیں کہ ایک مہری نے غل مچا کر کہا حضور لیجیے، یہ جوڑی کڑے کی پڑی ہے۔ عبّاسی نے طرّارہ بھرا۔ جوڑی لی، اور کہا، حضور بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی۔ یہی غنیمت ہے۔ جو ملے وہی سہی۔

دُلہن جان: کیوں بہن۔ ہم کیا کہتے تھے۔ ذری ڈھارس دو دل کو۔

بیگم: بہن کیا کہتی ہو۔ کہیں اِس جوڑی سے آنسو پُچھیں گے!

دُلہن جان: اے تھانے پر تو آدمی بھیجو۔ تھانہ دار کو بلوا لو جلدی سے۔

ثریّا بیگم تو تھانہ دار سے ڈری ہوئی تھیں۔ نام سُنتے ہی کانپ اُٹھیں۔ کہا بہن مال چاہے باقی ماندہ بھی جاتا رہے۔ مگر تھانے والوں کو ہم اپنی دہلیز ہرگز نہ نانگھنے دیں گے۔ یہ موئے بڑے نٹ کھٹ ہوتے ہیں۔

دلہن جان نے کہا نہیں بی ہمسائی۔ سب تھوڑا ہی بد ہوتے ہیں۔ نیک اندر بد و بد اندر نیک۔ ضرور اطلاع دو۔ داروغہ جی نے کہا پولیس کے لوگ آتے ہی ہوں گے۔ اخاہ۔ اس کمرے میں تو آؤ۔ یہ تو چھت کاٹی ہے اور باہر سے قفل توڑے ہیں۔ اللہ اللہ بڑے سامان سے آیا تھا عظیم اللہ خانی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مدریے حقّے بھی ہیں۔ شراب کی بوتل بھی ہے۔ کہیے بڑے اطمینان سے آتے تھے۔ کیوں نہیں۔

عبّاسی: اللہ کرے آج کے ساتویں دن بجلی گرے اس پر۔ آمین!

اتنے میں چار کانسٹبل کالی کالی وردی پہنے لال لال پگڑی باندھے رپ رپ کرتے آئے۔ کب واردات ہوئی۔ کتے بجے تھے۔ چھ دفعہ تو ہم پکار گئے۔ بھیتر باہر سے برابر آواز آئی۔ یہ چوری کب ہوئی۔ داروغہ صاحب نے کہا ہم کو اس ٹھائیں ٹھائیں سے کچھ واسطہ نہیں ہے جی۔ آئے وہاں سے حکمرانی کرنے ٹکے کا آدمی اور ہم سے زبان ملاتا ہے۔ کانسٹبل ناگ ہو گئے۔ کہا ہم ٹکے کے آدمی ہیں۔ اچھا سمجھا جائے گا۔ جب داروغہ نے کہا ساٹھ ہزار کی چوری ہوئی تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔ اب چکرائے۔ اللہ اللہ ساٹھ ہزار کی چوری رنگ فق ہو گیا۔ آپس میں یوں باتیں کرنے لگے۔

ایک: ساٹھ ہجار (ہزار) ارے باٹ پڑی رے۔ پچاس اور دوئی ساٹھ؟

دوسرا: پچاس اور دوئی ساٹھ نہیں۔ پچاس اور دس ساٹھ۔

تیسرا: بھئی اگر ساٹھ ہزار کی چوری سچ مچ ہوئی تو بڑی بدنامی ہوگی۔

چوتھا: اجی خدا خدا کرو۔ ساٹھ ہزار کیا نرے جواہرات ہی جواہرات تھے۔ ایسے کہاں کے سیٹھ ہیں۔ آئے وہاں سے ساٹھ ہزار۔

داروغہ: سمجھا جائے گا تم ہی سب کی سازش ہے۔ دیکھو تو سہی۔

کانسٹبل: (مسکرا کر) داروغہ ترکیب تو اچھی کی۔ شاباش!

دوسرا: بیگم صاحب کے ہاں چوری ہوئی تو بلا سے۔ تمہاری تو ہنڈیا چڑھ گئی۔ کچھ ہمارا بھی حصہ ہے۔ ہم بھی چوکی پہرا دیتے ہیں حضور کے ہاں۔

داروغہ: ان کو دل لگی بازی سوجھی ہے، اور یہاں جان پر بنی ہے۔

اتنے میں تھانہ دار صاحب آئے گھوڑے سے اُترے۔ داروغہ صاحب نے سلام کیا۔ جواب دیا پوچھا کل شب کو چوری ہوئی؟ داروغہ نے کہا جی نہیں پرسوں دن کو شب کو نہیں تو کیا ساٹھ ساٹھ ہزار کی چوریاں دن کو ہوا کرتی ہیں بھلا، خیال تو فرمائیے۔

تھانہ دار: کیا! کتنے کی چوری۔ اب رنگ لائی گلہری۔ ساٹھ ہزار۔

داروغہ: ہاں ہاں بلکہ اور باسٹھ ہزار۔ ایک ایک زربفت کا تھان بارہ بارہ پندرہ پندرہ سو کا جی حضور۔ دل لگی نہیں ہے۔

تھانہ دار: اچھا یہ ساٹھ ہزار کے کیا معنی، ساٹھ لاکھ کی ہو تو ہم سے کیا واسطہ۔ کیوں غفلت کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیوں نہ جاگتے رہے۔ کیوں سو گئے۔ ہم نہیں جانتے۔ تم جانو تمہارا کام جانے ہم سے کیا واسطہ۔

داروغہ : صحیح ہے۔ کیوں سو گئے۔ پولیس والوں سے کیوں کچھ امید رکھی۔

اتنے میں تھانہ دار نے کہا ہم موقع واردات پر چلیں گے، پردہ کرایا گیا تھانہ دار صاحب تشریف لے گئے۔

تھانہ دار : اخاہ اتنا بڑا مکان ہے۔ تو کیوں نہ چوری ہو۔

داروغہ : کیا! مکان اتنا بڑا دیکھا اور آدمی اتنے نہیں دیکھتے۔

تھانہ دار : شب کو یہاں کون کون سویا تھا ان کا نام لکھوا دو۔

داروغہ : عبّاسی سب کے نام لکھوا دو۔ لکھ لیجیے حضرت۔ بسم اللہ۔

عبّاسی مہری چمکتی ہوئی آئی تو تھانہ دار صاحب دیکھتے ہی عاشق ہو گئے۔ دل میں سوچے کہ کسی طرح اس کو نکال لے چلوں تو سبحان اللہ چہرے مہرے سے درست ہے۔ خاصی گوری چٹی۔ اور ابھی پندرہ سولہ ہی برس کا سن ہے۔

اتنی ہی دیر میں عبّاسی نے وہ شوخی دکھائی کہ ہاتھ سے تھانہ دار کا دل جاتا رہا۔ کئی بار دوپٹے کو سنبھالا۔ کئی بار گردن کی جنبش سے دوپٹہ سر سے کھسک گیا۔ اور مانگ نظر آئی۔

تھانہ دار : بی مہری صاحب۔ حضور کا اسم مبارک۔ بیٹھ جائیے۔ بیٹھ جایئے۔ تشریف رکھیے تو کچھ پوچھوں۔ عرض کروں۔

عبّاسی : حضور کو جو کچھ پوچھنا ہو، وہ پوچھیں۔ میں کھڑی ہوں یہیں۔

تھانہ دار : (آنکھ کا اشارہ کر کے) بیٹھو تمہیں کلام اللہ کی قسم! آؤ۔

داروغہ : چہ خوش۔ یہ کہیے۔ خیر۔ ہوش کی دوا کیجیے۔ تھانہ دار صاحب۔

تھانہ دار : چپ رہو جی تم۔ بس۔ خبردار۔ الگ ہٹ کے بیٹھو۔ بولو۔ عبّاسی مہری۔ تم کیا جانتی ہو۔ رات کو کس وقت سوئی تھیں تم۔

عبّاسی : حضور کوئی ایک بجے آنکھ لگی۔ سوئی تو پھر ایک بار آنکھ کھلی۔ پانی پیا۔ بیگم صاحب کو گلوری کھلائی اور سو رہی، پھر سویرے جاگی۔

تھانہ دار : ایک ایک بوٹی پھڑکتی ہے۔ صاحب کے سامنے نہ اس قدر چمکنا۔

عبّاسی : (گردن نیوہڑا کر) یہ باتیں میں نہیں سمجھتی۔ چمکنا مٹکنا موئی بازاری عورتیں جانیں۔ ہم ہمیشہ بیگموں اور شہزادیوں میں نوکری کیا کیے ہیں۔ (تیکھی چتون کر کے) یہ اشارہ بازی کسی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے کیجیے۔ بہت تھانہ داری کے بل پر نہ رہے گا۔ دیکھا کہ عورتیں ہی عورتیں گھر میں ہیں تو پیٹ سے پاؤں نکالے۔

تھانہ دار نے کہا۔ ہائیں ہائیں۔ عبّاسی! اتنا کوئی جامے کے باہر ہو جاتا ہے۔ اپنے آپے ہی میں نہیں رہتیں۔ عبّاسی کسی قدر خاموش ہوئیں۔ بیگم صاحب کمرے میں کھڑی کانپ رہی تھیں۔ ارے یہ تو وہی مُوا تھانہ دار ہے جو اُستانی جی کے ہاں آیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہیں مجھے دیکھ لے۔ عبّاسی کو چھوڑ کر ادھر ہی جُھک پڑے۔ بیگم صاحب کو یاد آیا کہ برق انداز راستے میں مارا گیا۔ اور یہ چوروں کے ساتھ تھیں سلار بخش ان سے کچا چٹھا کہہ گیا تھا۔ اور بھی کانپنے لگیں۔ اتنے میں تھانہ دار نے کہا علاحدہ علاحدہ سب کے اظہار لیے جائیں گے۔ سب کے پہلے داروغہ صاحب کے اظہار لیے۔ اُس کے بعد ایک مغلانی کا بیان قلمبند کیا پھر عبّاسی مہری کی باری آئی۔

عبّاسی : ہم چارپائی پر سو رہے تھے۔ ایک بار آنکھ کھلی ہم نے صراحی سے پانی انڈیلا اور ایک گلاس پانی پیا۔ اور پھر بیگم۔

تھانہ دار : جو چاہو لکھوا دو۔ تم پر جرم دروغ حلفی کا نہیں قائم ہو سکتا ہے۔ تمہاری جوانی اور حُسن اور شوخی کٹاؤ کر رہی ہے۔ جو چاہو سو لکھوا دو۔

عبّاسی : کیوں۔ کیوں؟ وجہ کیا؟ ایمان چھوڑنا ہے۔ جو ٹھیک ہے وہ کیوں چھپائیں۔ کیا بڑے وہ بن کے آئے ہیں، کہیں کے۔

تھانہ دار : ہائے جوانی بھی کیسی مست کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ اور۔ ع

نازبران کن کہ خریدار تست

ہم ناز اُٹھانے والوں سے ناز نہ کرو گی تو پھر کس سے کرو گی۔ اچھا کہیے کہیے۔ عبّاسی خدا کے لیے رحم کرو۔

عبّاسی : بس اب میں جاؤں، یہ واہی تباہی باتیں رہنے دو صاحب۔

تھانہ دار : (آہستہ سے) سُنو جانِ جاں! ہماری جان جاتی ہے۔ یہ کیا ستم ہو گیا۔ عبّاسی نے اُنگلیاں مٹکا مٹکا کر ہزاروں بے نقط سُنائیں۔ اللہ اللہ جانِ جاں! جانِ جاں! سات پیڑھیوں کو پن کے رکھ دوں گی۔ بہت حکومت کے بھروسے پر نہ بھولنا۔ کیا کوئی اور مقرر کیا ہے۔

تھانہ دار کے ہوش اڑ گئے۔ پناہ مانگی اور داروغہ صاحب سے کہا۔ داروغہ صاحب آپ کو یا حضور بیگم صاحب کو کسی پر شک ہو تو بیان کیجیے۔ ہم جانتے ہیں آدمیوں کی سازش ہے بے بھیدی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوری محال ہے۔ دیکھو اُستانی جی کے ہاں چوری ہوئی حسینی خانم کی سازش تھی۔ لالہ گبرے داس کے ہاں سیند لگی۔ چوکیدار کی سازش تھی۔ نواب مرتضیٰ بیگ کے ہاں سے راتوں رات بیس ہزار کا مال اُٹھ گیا۔ اُن کی انا کی سازش تھی۔ بے سازش تو چوری ہو ہی نہیں سکتی۔ داروغہ صاحب نے کہا حضرت ہم کو تو کسی پر شک نہیں ہے۔ تھانہ دار رخصت ہوئے۔

آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیع الزمان آن پہنچے

آئیے آئیے! آئیے جناب خواجہ بدیع الزمان علیہ الرحمتہ والغفران۔ خواجہ صاحب کا آنا بھی کیا ایسا ویسا ہے پہلے ہی سے دھوم مچ گئی کہ آئے آئے آئے۔ خواجہ بدیع الزمان آئے خواجہ صاحب کیا آئے گویا ہولی کی فصل آئی۔ سب گُن پورے۔ انھیں کون کہے لنڈورے۔ خیر سے کسی بات میں بند نہیں ہیں۔ اب سُنیے کہ خواجہ بدیع الزمان روسی فوج میں قید ہوئے اور آزاد کے مصنوعی باپ بنے تو ان کی توقیر و تعظیم ہونے لگی۔ ان کے ہمدرد ترکی قیدی ہر دم خدمت گذاری کے لیے مستعد رہتے تھے۔ ایک روز روس کے ایک میجر نے ان کی انوکھی قطع اور نرالی وضع اور ماشے ماشے بھر کے ہاتھ پاؤں جو دیکھے تو جی چاہا کہ ان سے باتیں کریں۔ ایک ترکی کو جو فارسی داں تھا مترجم مقرر کر کے خواجہ بدیع الزمان صاحب سے باتیں ہونے لگیں۔

خوجی: حضور کی کمال مہربانی ہے کہ آزاد پاشا کے پدر بزرگوار سے ملے۔

میجر: اُو۔ آپ آزاد پاشا کا بوڑھا باپ ہے۔ یہ کہیے۔

خوجی: باپ تو کیا ہوں مگر خیر۔ ع

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

مصیبت کا مارا خواجہ بدیعا بیچارہ۔ شش و پنج سے دو بدو ہے۔ پنجے میں پڑے تو چھکے چھوٹے۔

راوی: خواجہ ؟ کون۔ خواجہ بدیعا ؟ یہ انوکھا نام سُننے میں آج تک نہیں آیا۔ خواجہ صاحب نے جو یہ مصرع پڑھ دیا۔ ع

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

تو تن گئے۔ غرور کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سوچے کہ یہ روسی افسر بھی ہماری قابلیت کا قائل ہو گیا ہو گا۔ واہ رے گو نگے۔ اور تو اور یہ خواجہ بدیعا کی ایک ہی ہوئی۔ خواجہ بدیع نہیں۔ خواجہ بدیعا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اثنائے گفتگو میں روسی افسر نے پوچھا آپ بھی کسی لڑائی میں کبھی شریک ہوئے تھے۔ خوجی آگ ہو گئے جھلا کر جواب دیا۔ واہ۔ فوج کے افسر اور ایسے کوڑھ مغز آج ہی دیکھنے میں آئے۔ ہمارا کینڈا ہی گواہی دیتا ہے ہی کہ ہم فوج کے جوان ہیں۔ کینڈے نہیں پہچانتے۔ اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلوانوں کے پیر یکی استاد نامور۔

بارہا من گفتہ ام اے سروران
پہلوانم، پہلوانم پہلوان

اس کا ترجمہ کیا گیا تو روسی میجر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو خلل دماغ ضرور ہے۔ واہی تباہی بک رہا ہے۔

خوجی: بھوگلے والی پلٹن کے رسالدار تھے۔ آخری پلٹن کے کمیدان ہم سے پوچھتے ہیں کوئی لڑائی دیکھی ہے۔ یہ ادیکھی ہے؟ شریک ہونے کا ذکر ہی نہیں۔ جی حضرت یہاں وہ وہ لڑائیاں دیکھی ہیں کہ انسان کی بھوک پیاس بند ہو جائے۔

جہاندیدۂ ہند خواجہ بدیع
کہ عقلش چو بحر عرب شد وسیع

خواجہ بدیع سے اور حضور پوچھیں کہ کیوں بھئی کبھی جنگ بھی دیکھی ہے۔ ہزار لاکھ کروڑ پدم سنگھ سمجھے۔ جنگ!

علم ہر کش اے آفتاب بلند　　خرامان شوائے ابر مشکین پرند
بنال اے دل رعد چون کوس شاہ　　بخند اے دل برق چون صبح جگاہ

میجر: آپ گولی چلا سکتے ہیں؟ نشانہ کبھی لگایا ہے۔

خوجی: اجی حضرت! آپ فصد کھلوائیے۔ گولی چلائی یا نہیں چلائی مگر سامنے ہو جائے تو توبہ ہی بھلی۔ ہم وہ گل چلے ہیں۔ مشفق!

بوتل کی کاک زور میں توبہ کو لے اڑی
ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رُکی نہیں

ایک مرتبہ ایک کتے سے اور ہم سے لاگ ڈانٹ ہو گئی۔ خدا کی قسم، ہم سے گیارہ بارہ قدم کے فاصلے پر کتا کھڑا تھا۔ دھر کے داغتا ہوں تو پوں پوں کرتا ہوا کہاں بھاگ کھڑا ہوا۔

راوی: ایں! واہ بھئی گل چلے کیوں نہ ہو۔ گیارہ قدم پر کتا ہو اور گولی خالی جائے۔ اے لاحول۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بس بس کمیدانی دیکھ لی. کس غرور کے ساتھ آپ فرماتے ہیں کہ گیارہ قدم پر کتا تھا، اور گولی جو چلائی تو پوں پوں کرتا بھاگا، ماشا اللہ کیا قادر اندازی ہے۔

میجر: اُو. آپ بڑا گل چلا ہے. خوب گولی لگائی کہ کتا پوں پوں کرتا بھاگا۔

خوجی: (مونچھوں پر تاؤ دے کر) اب کیا ہے. عینِ شباب کے عالم میں ہم کو دیکھنا واہ رے ہم. جب جوانی ہوگی حضور. جی۔

راوی: ایں! اے سُبحان اللہ ابھی شباب کے عالم میں حضور پر پرزے نکالیں گے. یا الٰہی. تو ابھی کوئی تیرھواں چودھوں سال ہوگا. اِس خبط پر خدا کی مار. بھویں تک سفید ہو چلی ہیں. آپ کو یہ اُمید ہے کہ جوانی از سرِ نو عود کر آئے گی. واللہ اس فقرے نے پھڑکا دیا. ماشا اللہ ابھی نامِ خدا اس قدر کم سن ہیں کہ عنفوان شباب بھی نہیں ہے. میجر نے اِن کی گپ اور بے تکی باتیں سُن کر حکم دیا کہ ایک دو نالی بندوق لاؤ. تب تو خواجہ صاحب چکرائے. سوچا کہ سات پیڑھیوں تک کسی نے بندوق چلائی نہ تھی ہم کو تو یاد ہی نہیں آتا کہ بندوق کبھی عمر بھر چھوئی بھی ہو. اتنا تو جانتے ہیں کہ بندوق میں گز ہوتا ہے اور قرابین میں گز نہیں ہوتا ہے اور تپنچہ بندوق سے بڑا ہوتا ہے۔

راوی: ع

پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی، تم سمجھے تو کیا سمجھے

واہ میاں کمیدان۔

میجر: اُڑتی چڑیا پر نشانہ لگا سکتے ہو خطا تو نہ کرے گا نشانہ؟

خوجی: (اپنے دل میں) اجی یہاں بیٹھی چڑیا پر تو نشانہ پڑ ہی نہیں سکتا اُڑتی چڑیا کیسی (کڑک کر) اجی آسمان تک کے جانوروں کو بھون ڈالوں۔

میجر: اچھا بندوق آتی ہے. دیکھیں آپ کی لیاقت قادر اندازی۔

خوجی: تاک کر نشانہ لگاؤں تو درخت کی پتیاں گرادوں فوراً۔

میجر: اِس تقریر سے سمجھ گیا کہ گاؤدی اور ناواقف آدمی ہے. مگر گپ اُڑانے کا بادشاہ ہے بندوق سامنے رکھ دی اور کہا لیجیے بندوق حاضر ہے۔

خوجی: آسمان کی طرف نظر کر کے کمال دلجمعی کے ساتھ ٹہلنے لگے اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

نہ ایک دن ربط جسم و جان ہے نہ پاس یہ دولت و حشم ہے

فنا فنا ہے، فنا فنا ہے، عدم عدم ہے، عدم عدم ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میجر: ایں! بوکھلا گیا۔ اجی حضرت بندوق حاضر ہے۔ نشانہ لگائیے۔

خوجی: زمین کو خوب زور سے ٹھوکر دیکر بہ آواز بلند۔

نہ بھولوں گا شبِ وصلت میں بوسہ مانگنا اپنا
لجا کر مسکرا کر منہ چھپانا ان کا آنچل سے

راوی: ہو دھن کے پکے آنچل کی فکر جانے دیجیے۔ بندوق موجود ہے اُٹھائیے۔

میجر: اجی حضرت ہم آپ سے کہتے ہیں۔ او گانے والے۔ ایں۔ واہ ہے۔

میجر کے بیان کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ فارسی میں خوجی سنتے جاتے تھے۔ مگر بندوق کے خوف کے سبب سے دیوانے بن گئے۔ واہ رے اُستاد۔

میجر نے بہ آواز بلند کہا۔ اب بندوق لیتے ہو یا اسی بندوق سے تم کو نشانہ بناؤں (مسکرا کر) بولو جھٹ پٹ۔

خوجی: دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر آہستہ آہستہ۔

تاب نظارہ کجا اِس دلِ ناشاد کو ہے
عشق اک کافرِ بدکیش پری زاد کو ہے

راوی: سبحان اللہ۔ کس درجہ مضمون خیز شعر ہے۔ ناشاد کو ہے۔ پری زاد کو ہے۔۔۔

خوجی: (مترجم سے) بابائے ما شنو۔ من مثلِ زنبیل عمرو عیار ہستم کہ ہمہ دانی اور گولی داغیدن اُستاد۔ جنگ کروں بے بدل آزاد من دانم کہ گولی را چلادم۔ یعنی بچلادم۔ وبس۔

بڑی دیر تک دل لگی رہی۔ میجر خواجہ صاحب کے تمسخر سے اس قدر خوش ہوا کہ پہرے والوں کو حکم دے دیا کہ ان پر بہت سختی نہ کرنا۔ شب کو خواجہ بدیع سوچے کہ اب بھاگنے کی تدبیر ضرور سوچنی چاہیے۔ ورنہ جنگ ختم ہو جائے گی اور ہم اِدھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے۔ آزاد کے قید ہو جانے سے اُن کو سخت رنج تھا۔ مگر قہرِ درویش بجان درویش، اِدھر اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ آدھی رات کے وقت اُٹھے اور دعا مانگنے لگے۔ یا خدا یا معبود۔ یا قہار، یا جبار۔ آج رات کو خواجہ بدیع اس قید فرنگ سے نجات پائے۔ ترکوں کا لشکر نظر آئے۔ خواجہ بدیع غل مچائے کہ (آن پہنچے آن پہنچے، خواجہ بدیع الزمان آن پہنچے) اور خدا یا آزاد سے بھی ملاقات ہو۔ یہ دعا مانگ کر بہت روئے اور کہا۔

تو گفتی ہر آنکس کہ در رنج و تاب
دعائے کند من کنم مستجاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی بے اختیار روئے۔ ہائے اب وہ دن کہاں نصیب ہوں گے کہ نوابوں کے دربار میں گپ اُڑا رہے ہوں۔ رُفقا اور مصاحبیں ہم پر اور ہم اُن پر مُنہ آرہے ہوں۔ وہ دل لگی وہ چُہل، وہ فقرہ بازی اب نصیب ہو چکی۔ ہائے افسوس۔ کس مزے سے کٹتی جاتی تھی، اور کس لطف سے گنڈیریاں چوس چوس کر کھاتے تھے۔

کوئی کھٹیاں خرید تا ہے۔ کوئی کتارے چُکاتا ہے۔ کوئی پونڈے والے سے گلنپ کرتا ہے۔ شور اور غل کی یہ کیفیت ہے کی کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ مکھیوں کی بھن بھن ایک طرف چھلکوں کا انبار دوسری طرف۔ کوئی عورت چانڈو خانے میں آئی تو اور بھی چُہل کی گرم بازاری ہوئی۔ مگر خدا چاہتا ہے تو ہم بھی ایک دن غل مچاتے ہوں گے کہ (آن پہنچے آن پہنچے۔ خواجہ بدیع الزمان صاحب آن پہنچے)۔ ع

بیدل نیم ہنوز ہبیلم چہ میشود

اللہ بس باقی ہوس۔ یا خدا ترکوں کا لشکر سامنے ہو، اور ہم دور سے آن پہنچے کی صدا بلند کریں، اور رنگ رلیاں منائیں۔

راوی: آن پہنچے آن پہنچے، یہ صدا خواجہ بدیع صاحب کو ذلیل کرے گی لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ دو بجے کے وقت خوجی نے افیم گھولی اور چُسکی لگائی۔ تر پر تر جمائی۔ اِتفاق سے اِن کی نظر ایک چھوٹے سے ٹٹّو پر پڑی، سوچے کہ گھوڑے پر ہم سے سوار نہ ہوا جائے گا۔ یہ ٹٹّو ہمارے لیے موزوں ہے۔ چپکے سے اُٹھے اور بغور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ قدم بڑھانے ہی کو تھے کہ کان میں آواز آئی (آچھیں) ارے! ہت تیرے چھینکنے والے کی ناک کاٹوں کمبخت۔

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُٹھے۔ اُٹھے ہی تھے کہ پھر چھینک پڑی۔

خوجی: (اپنے دل میں) خدا سمجھے۔ اس مردو سے خدا سمجھے ایسا بدمعاش آدمی تو ہم نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔ نابکار، نالائق اب جانے والے اور اُٹھنے والے دونوں کی ایسی تیسی۔ اس مردک کی ناک کاٹے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا

توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے
حسود را چہ کنم کوز خود برنج درست
بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست
کہ از مشقت او جز بمرگ نتوان رست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر اُٹھے۔ ایک قدم بڑھایا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر دوسرا قدم بڑھایا اور بغلیں جھانکنے لگے۔ تیسرا قدم بڑھا اور تھر تھر کانپنے لگے یا خدا مدد دے! یا خدا بچائیو۔ مناجات وردِ زبان۔

خدایا جہاں بادشاہی تراست ‌ ‌ زما خدمت آید خدائی تراست
پناہِ بلندی و پستی توئی ‌ ‌ ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی
توئی کافریدی زیک قطرہ آب ‌ ‌ گہر ہائے روشن تراز آفتاب

اتنے میں پھر چھینک پڑی، اور خوجی جھلّا کر کوسنے لگے۔ یا خدا اس بدنصیب کا ابھی ابھی دم نکل جائے۔ ہائے اس وقت قرولی ہوتی تو بڑا کام دیتی۔ فوراً جا کے ناک پر رکھ دیتا اور صاف نلوہ اُڑا دیتا۔ بس ایسے شریر کی یہی سزا ہے کہ ناک کاٹ ڈالے۔ یہ سوچ کر کہ پیٹھ پیچھے کی چھینک کا خیال نہ کرنا چاہیے۔ حضرت خواجہ بدیع صاحب آگے بڑھے۔ خدا خدا کر کے یابو کے قریب گئے۔ گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ غازی مرد۔ کہیں دغا نہ دینا۔ مانا کہ تم چھوٹے موٹے ٹٹو ہو اور خواجہ بدیع کا بوجھ تم سے نہ اُٹھ سکے گا مگر کچھ پروا نہیں ہمّتِ مرداں مددِ خدا۔ یابو کو کھولا، اور ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے۔ پھر اُترے رسّی پڑی تھی اُس کی لگام بنائی۔ سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ پو قدمے جانے لگے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ جب کوئی سو قدم کے فاصلے پر نکل گئے۔ تو جان میں جان آئی۔

کھِل کھِلا کر ہنسے اور یہ اشعار پڑھے:

چو در لشکرِ دشمن آری رحیل ‌ ‌ بمرغان کشی فیل و اصحابِ فیل
زبان آوران را بتو باز نیست ‌ ‌ کہ با مشغلہ گنج را کار نیست
پدید آور جملہ عالم توئی ‌ ‌ تو میرانی و زندہ کن ہم توئی
تو نیکی کند من کہ بد کردہ بودم
کہ بد را حوالت بخود کردہ بودم

راوی: ہم بھی دنگ تھے کہ اتنے شعر خواجہ صاحب نے فرمائے مگر نظامی گنجوی کے کلام پر اصلاح نہ ہوئی۔ اس کا کیا سبب ہے۔

آخر کار خواجہ صاحب سے نہ رہا گیا۔ دے ہی دی اصلاح شاباش۔

تو نیکی کند من کہ بد کردہ بودم
کہ بد را حوالت بخود کردہ بودم

بجا ارشاد ہوا۔ ممکن کیا کہ کوئی مصرع غیر موزوں ہو۔ اے لاحول عروض کے تو بادشاہ ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواجہ صاحب اور شاعری تو گھر کی لونڈی کا نام ہے۔

اب سُنیئے کہ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت خواجہ بدیع الزّمان للکارے گئے۔ ایک سوار ملا۔ یابو دیکھ کر پکارا کون ہے، کون جاتا ہے؟

خوجی: ہم ہیں گراس کٹ۔ سرکاری گھوڑوں کی گاس چھیلتے ہیں۔

سوار: کون ہے۔ یہ کون یابو پر جاتا ہے۔ ہم نہیں سمجھے کچھ۔ ہُش۔

خوجی: ابے جا بیدھا تو نہیں ہے ہم سرکاری گراس کٹ ہیں ہونھ۔

سوار: ہمارا چابک اُٹھا دے وہ گر پڑا ہے۔ اُتر پڑا بھی۔

سوار سرکاری آدمی نہ تھا۔ صرف مسافرانہ طور پر جاتا تھا۔ خوجی اِدھر گئے وہ اُدھر آیا۔ خواجہ بدیع الزّمان اکڑ گئے کہ اس وقت پالا ہمارے ہاتھ رہا۔ اونٹ کے برابر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے خواجہ بدیعا کو للکارنے۔ خوجی نے یابو کو خبر کیا۔ تو آدھ کوس کے فاصلے پر یابو سے اُترے اور میدان میں چادر بچھا کر سو رہے۔ جنگل میں دو چار بار خوب غُل مچایا۔ فتح فتح فتح۔ دو کروڑ روسیوں میں سے خواجہ بدیعا نلوہ نکل آیا۔ واہ رے بدیع۔ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ لو بھئی ترکو خواجہ بدیعا آن پہنچے آن پہنچے، خواجہ بدیعا۔ آن پہنچے غُل مچا کر سو رہے۔ تو ایسی میٹھی نیند آئی کہ عمر بھر کبھی نہیں آئی تھی۔ دو گھنٹے کے بعد اُٹھے۔ فوراً یابو بدلدئے اور چلے۔ تھوڑی ہی سی رات باقی رہی تھی کہ اُنھوں نے پہاڑ کے قریب دو فوجیں آراستہ دیکھیں۔ یا الٰہی ترکی اُن میں کون ہیں، اور روسی کون ہیں۔ بہت غور کر کے دیکھا تو جانب شرق گئے۔ وہاں دیکھتے کیا ہیں کہ اس فوج سے وہ لشکر بعد پر ہے۔ فوراً یابو کو ایڑ لگائی اور ٹخ ٹخ کرتے ہوئے فوج کی طرف چلے۔ قریب جا کر غل مچایا (آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیعا آن پہنچے)۔

راوی: ہوش کی دوا کرو میاں عقل کے ناخن لو۔ آئے وہاں سے۔

خوجی: آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیعا آن پہنچے۔ واللہ دو کروڑ روسیوں سے بچ کے آگئے۔ دو کروڑ روسیوں سے واہ۔ خواجہ بدیعا شاباش ارے تیرے باپ کو شاباش!۔

راوی: ایں! آپ کے مزاج میں تو انکسار اس قدر ہے کہ الامان! دو کروڑ روسی تھے بالو نے کروڑ نوے روڑ روسیوں میں سے نلوہ بچ آنا حضور ہی کا کام تھا۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

خوجی: ارے یارو دوڑ دوڑ کے خواجہ بدیع کے قدم لو۔ دھو دھو کے پیو۔ خواجہ بدیعا نے آج وہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کام کیا کہ رستم کے جد سے نہ ہو سکتا۔ دو کروڑ روسی سنگین اور توڑے دار بندوقیں لیے پہرہ دے رہے تھے اور من بدیع پینترے بدلتے ہوئے دن سے غائب لکڑی ٹیکی اور آزاد۔ دو کروڑ روسی دوڑے مگر من بدیع کو پکڑ پانا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ اے لاحول۔ کہہ دیا کہ لو اب ہم لمبے ہوتے ہیں۔ ہاں چوری سے نہیں بھاگے۔ ڈنکے کی چوٹ کہہ کر چلے۔ کہہ دیا کہ اب تو توپ کا گولا چھوٹتا ہے۔ ٹیکی لکڑی اور یہ اُڑا پھر ٹیکی لکڑی اور وہ پہنچا۔ جی! دل لگی نہیں ہے۔ آن پہنچے آن پہنچے۔ خواجہ بدیعا آن پہنچے۔ واہ رے میں یہ ہانگ لگا ہی رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اور دوسرے آدمی نے ابو سے اُتار لیا۔

خوجی: ایں! کون ہے بھئی۔ نہ میاں، دل لگی بازی کا وقت نہیں۔ آزاد ہیں۔ میں سمجھ گیا بھئی یہ کھلی بازی رہنے دو سُن تو لو۔ اے ہے نہیں جانتے میاں۔ لَاحَول وَلَاقوۃ۔

راوی: ذرا آنکھیں تو کھولیے۔ اب نشہ ہرن ہوا چاہتا ہے۔

خوجی: ارے میاں نہیں مانتے۔ آخر ش کہاں چلتے ہو۔

راوی: گھبرائیے نہیں۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہوا جاتا ہے۔ ساری مشیخت رکھی رہے گی۔ دو کروڑ روسیوں میں سے نکل تو آئے ہیں اب آپ مگر خیر ناچار۔ پا بدست دگرے دست بدست دگرے۔ لشکر میں آئے تو دیکھا کہ روسی ہی روسی نظر آتے ہیں۔ لگے سر پیٹنے۔ ارے! ہائے غضب!

راوی: بڑا گہرا چکما ہوا حضرت۔ اب پھر غُل مچاؤ گے کہ آن پہنچے آن پہنچے۔ خواجہ بدیعا آن پہنچے۔

ہات تیرے کی۔ پھر غل مچائے گا۔ آن پہنچے آن پہنچے۔

روسیوں نے ان کی قطع مبارک دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ خوجی اس وقت رسالداری اور کمیدانی بھول گئے۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو ضرور کہتے کہ (آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیعا آن پہنچے) ہات تیرے کی۔

یامبو۔ یامبو۔ یامبو

یامبو یامبو۔ خامے رہے حد۔ جالندیزی لغت ہے؟ ماشا اللہ یہ وزن ہی نرالا ہے۔ کہنے لگے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یا مبوالمعقول! حضرت اس کا مطلب یوں نہ سمجھ میں آئے گا۔ اب سُنیئے کہ خاتونِ عصمت مآب عفت قباب ثُریا بیگم نعل در آتش تھیں کہ کس طرح چوری کا پتا ملے۔ مگر عادی چوروں کا پتا ملنا کیا دل لگی ہے۔ وہ چور کیا جو دھر لیا جائے۔ تھانہ دار نے بہت کچھ فکر کی کانسٹبلوں نے سر پٹکا مگر سُراغ نہ ملا نہ ملا۔ کپتان صاحب کا نادری حکم تھا کہ ایک ہفتے میں چوری برآمد ہو۔ تھانہ دار کے ہوش و حواس غائب، کہ یا الٰہی چور کو کہاں سے لاؤں۔ چھ روز تک اُنھوں نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ساتویں روز دو چوروں کو پھانسا جو اس چوری میں شریک نہ تھے۔ واہ اُستاد کیوں نہ ہو ایک گھنسام، دوسرا قادر۔ گھنسام اور قادر حصّے بخرے میں ضرور شریک ہوں گے۔ یہ دھاک تھی۔ قاعدہ تھا کہ جب کبھی سیندھ دی تھی۔ مصر لوگ جا کر غور سے دیکھتے تھے کہ گھنسام کے گھرانے کے چور کی بٹوتی ہے یا قادر کے شاگردوں کی کارستانی ہے۔ اس چوری کو اِن دونوں گھرانوں سے تعلّق نہ تھا۔ مگر تھانہ دار صاحب نے دونوں کو پھانسا تھانہ دار اور جمعدار کی گفتگو جو ان دونوں کی گرفتاری کے قبل ہوئی سُننے کے قابل ہے۔

تھانہ دار: ارے میاں آج چھٹا روز ہے۔ پھر کسی کو پھانسو جھٹ پٹ سمجھے؟

جمعدار: جی ہاں سمجھا تو بخوبی مگر بے وجہ کسی کو پھانس لاؤں۔ فرمایئے۔

تھانہ دار: اے ہے۔ عمر بھر پولیس میں نوکری کی تمیز نہ آئی۔ ارے بھئی جو کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا ملے پکڑ لاؤ۔ ہم تو اُس کو چور بنا دیں گے۔ کون بڑی بات ہے۔ بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ پھنسا بھر چاہیے۔

جمعدار: ہم سے اِس بوڑھوتی وقت میں یہ نہ ہو سکے گا۔ مفت کیوں گنہگار ہوں۔

تھانہ دار: اب بہشت ہی میں تو جاؤ گے۔ اور نہیں۔ سوائے وہی واہیات بات کے۔

اتنے میں کنور سنگھ کانسٹبل نے بڑھ کر کہا۔ گھنسام اور کادر (قادر) دو ہی ہیں۔ جس کو حکم دیجیے ابھی باندھ کے لاؤں۔ تھانہ دار صاحب خوش ہو گئے۔ کہا شاباش۔ تم صوبے دار میجر ہو جاؤ گے۔ ایسے ہی تو پولیس والے بڑے بڑے عہدے پاتے ہیں۔ نہ لے بس اب جاؤ اور لاؤ۔ کنور سنگھ دو تین اور کانسٹبلوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ تین گھنٹے کے بعد گھنسام اور قادر دونوں کو لے کر آئے اور تھانہ دار صاحب کو یہ کہانی سُنائی۔ ہاجور (حضور) چوری کا پتا چل گیا۔ یہ دونوں حاجر (حاضر) ہیں۔

تھانہ دار صاحب نے مُسکرا کر کہا۔ کہو بھئی قادر مزاج اچھے۔ قادر بولا ہاں صاحب آپ کی بدولت چین کرتے ہیں۔ گوشت روٹی چکھتے ہیں۔ اور ڈنڈ پیلتے ہیں۔ مزے سے دندناتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھانہ دار نے کہا۔ بڑے گھر میں جاکر وندنانا۔ وہاں ڈنڈ پیلنے کا خوب موقع ملے گا۔ اخاہ گھنسام بھی ہیں، کہو لالہ گھنسام۔ گھنسام نے کہا۔ لالہ کہیں اور رہتے ہوں گے۔ ہم ٹھاکر ہیں۔ تھانہ دار مسکرائے ہاں بھئی ہاں۔ لالہ گھنسام نہیں۔ کنور گھنسام سنگھ بہادر۔ اب خوش ہوئے۔ ہونہہ۔

کانسٹبل : ہجور یہ پتا ملا ہے کہ جس رات کو چوری ہوئی کادر (قادر) گھر پہ نہ تھے۔ چوکی کے جوان نے کئی ہانکیں دیں مل یہ نہ بولے۔ گھر سے ان کی کبیلا نے جواب دیا۔

قادر : ایں! واہ گنوار ہے کون؟ خالہ جان کو قبیلہ بنائے دیتا ہے۔

تھانہ دار : (ہنس کر) اچھی ہوئی۔ واللہ مگر اس کا ثبوت مل گیا کہ تم گھر پر نہ تھے۔ تمہاری خالہ تھا محرر کو بلاؤ کہو قلمبند کرے۔ دیکھو تو سہی بہت اُڑان گھائیاں بتایا کرتے تھے۔

کانسٹبل : اور جس مکان میں چوری ہوئی۔ اس کے پاس ان کو کئی آدمیوں نے دیکھا ایک تو وہ ہیں تارکش حسینی۔ دوسرا کسان ہے۔ گبرے یا موہن یا کیا معلوم کیا نام ہے۔ ایسا ہی کچھ نام ہے۔

تھانہ دار : ہاں! تو یہ کہیے۔ کامل ثبوت ہے۔ اور گھنسام کا حال بتاؤ۔ کانسٹبل نے جھوٹ کے چھپر اُڑائے۔ کہا گھنسام نے ایک ہندو مہری کو انام (انعام) دینا کہا تھا۔ مل اُس نے کہا ہم چور نہ چور کے ساتھی۔ وہ مہری لالہ گجراج بخش کے یہاں (ہاں) نوکر ہے۔ ایک دن بیگم صاحب کے دربان کو گانٹھنا چاہا تھا۔ دربان نے ہم سے صاف صاف بیان کر دیا اور ہجور اس رات کو تین بجے کے وقت یہ گھر پر آئے کانسٹبل نے دیکھا اور لکڑ ہارے نے، دونوں کی گواہی ہے ہجور لکڑ ہارا کہتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ پولیس کے آدمی کو دیکھتے ہی وہ سرا کی طرف کترا گیا۔ میں اس کو پہچان نہیں سکتا مگر تھا ضرور۔

گھنسام : آجاد مرجا (آزاد مرزا) نے تو کلندر شاہ (قلندر شاہ) کے گلے پر چھری پھیری، اور ہم ان کے گلے پر چھری پھیریں گے۔ دیکھ لینا۔ صبح شام ہی۔

تھانہ دار : اِن گیدڑ بھپکیوں میں ہم نہ آنے کے، چور کے پاؤں کتنے ہونہہ!

قادر : اجی تم تسمہ تک نہ باقی رکھو۔ جب چوری کی ڈاکے مارے، تب تو تمہارے کیے کچھ ہو نہ سکا۔ اب بھلا کیا کر سکتے ہو۔

الغرض ساتویں دن تھانہ دار صاحب نے مقدمہ قائم کرکے ان دونوں کا چالان کر دیا مگر خوف یہ تھا کہ مبادا جمعدار فرنٹ ہو جائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ قصہ تو یہاں چھوڑا۔ اب ثریّا بیگم کا حال سُنیئے۔ جس دن سے ان کے ہاں چوری ہوئی، وہ شوخی اور اچپلاہٹ ففرو ہوگئی۔ وہ سرخی زردی سے مبدّل ہوئی۔ وہ گدرایا ہوا بدن سوکھ کے دو ہی دن میں کانٹا ہوگیا۔ لباس کی فکر نہ تراش خراش کی فکر عبّاسی سے دردِ دل کا حال کہتی تھیں۔ عبّاسی ہم کیا کریں۔ قلب اُلٹا جاتا ہے۔ دل کو کسی طرح تسکین نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ ایک وہ ہم تھے کہ اندر سے باہر تک پچاس آدمی روٹی کھاتے تھے۔ بیسنکڑوں کا خرچ تھا۔ اور اک اب وہی ہم ہیں کہ دوالا نکل گیا ہے، ہائے میں کیا کروں۔

عباسی: (روکر) حضور کیا عرض کروں۔ ہائے یہ کیا ہوا۔ اب میں کیا کہوں بیوی کس لطف سے رہتے سہتے تھے کہ واہ۔ ہے ہے!

بیگم: بن بن گھومی، دنیا ترک کر دی۔ سب سے الگ تھلگ بستر جمایا۔ جوگن ہوئی۔ دنیا سے بھاگی مگر مامتا نے پھر آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ کچھ نہ سوجھا۔ بس اب پھر جوگن ہم ہو جائیں گے۔

عباسی: حضور کے لیے کھانے اور کھلانے بھر کو تو اللہ کا دیا اب بھی سب کچھ ہے۔ ہاں وہ بات اب کہاں۔ خدا کرے اُس موے پر پہاڑ پھٹ پڑے۔ کس مزے سے ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُف! حضور کی بدولت سینکڑوں آدمی روٹی پاتے تھے۔

بیگم: اب پہلے تو ہم اس مکان کو بدلیں گے۔ کاٹے کھاتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کاٹے کھاتا ہے۔ پھر مغلانیوں کو محلداروں کو چوبداروں اور روٹنوں کو جواب دیں گے۔ بس ایک تم تو جان کے ساتھ ہو عبّاسی۔

ایک تم اور ایک ماما اور ایک اور کوئی عورت اور دو سپاہی۔ بس خلیل خاں فاختہ اُڑا گئے۔

عبّاسی زار زار رونے لگی، مغلانیاں آئیں۔ محلدار چپ چاپ کھڑی تھی اور سب کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔

اتنے میں پڑوس سے دولہن جان نے آواز دی۔ اے بی ہمسائی ذرا اُوپر آؤ۔ مغلانی نے قریب جاکر آہستہ سے کہا، اس وقت بہت اُداس بیٹھی ہیں۔ زار قطار رو رہی ہیں۔ ذری آپ آجائیں۔ دلہن جان نے فوراً ڈولی منگوائی۔ آئیں اور بیگم صاحب کو سمجھانے لگیں۔ بہن اب اس رونے دھونے سے کیا ہوگا۔ گُل کے مِثل کانٹا ہوگئی ہو، بن ناحق کے واسطے ہلکان ہوتی ہو۔ جو مال جانا تھا وہ تو گیا۔ اب جو کچھ باقی رہا ہے اُسی پر قناعت کرو۔ اگر اللہ کو منظور ہوگا تو جس طرح مال گیا۔ اُسی طرح بجنسہ مل جائے گا۔ بہن گیا تو ہے ہی۔ تم چاہے مانو چاہے نہ مانو ہم تو مانتے نہیں۔ ایک بھدری ہے ہندو۔ وہ جو بتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیتا ہے. مجال کیا ہے کہ ذری چاول کے برابر توفرق ہو. کہو تو بلواؤں۔

عبّاسی: بلوائیے بلوا ہی دیجیے. حضور اس میں ہرج تو کچھ ہے نہیں۔

بیگم: کیا بتلائیں گے گیا. چور کا پتا لگا دیں گے. اے توبہ! یہ سب باتیں ہیں۔

دُلہن: لے موت تک کا حال تو ہاتھ دیکھ کر بتا دیتے ہیں جی۔

بیگم: اے خدا خدا کرو بہن. موت کا حال کیا کچھ گنوار مقرّر کیا ہے۔

عباسی: اچھا ذری آنے تو دیجیے. آپ بلوالیں دیکھیں کیا کہتا ہے۔

دلہن جان نے اپنے مکان سے ماما کو بُلایا. کہا آدمی سے کہو اُس بھدری کو جا کے بُلا لائے. اپنے ساتھ ہی لائے. کہے بڑا کام ہے. بُلایا ہے. ایک دن کا ذکر سُنو کہ میرے میکے میں ایک بچّے کے کان کی بالی کھو گئی. میں نے بھدری کو بُلوایا کچھ سوچ کر کہا بڑے بادی چور کا کام ہے. لمبا قد ہے. اور چھیرا آدمی ہے ماتھے پر ایک تل ہے. وہی بات نکلی. وہی صورت بعینہ وہی صورت اب بتاؤ عباسی بولی اچھا حضور آنے دیجیے. اگر کمال کچھ بھی ہے تو دو ایک باتیں میں پوچھوں گی. بھلا بتا تو دیں. جو بتا دیں تو ہم ان کا بایاں قدم لیں. ہم پہلے تو یہ پوچھیں گے کہ جس دن چوری ہوئی رات کو ہمارا کیا حال تھا. ہمارے دل میں کس قسم کا خیال تھا. ہم کس وقت سوئے اور چوری ہونے کا حال پہلے کس کو معلوم ہوا. دلہن جان نے کہا تو اب اِس سے کیا واسطہ. ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اُنے دو جو پوچھو بتا دیں. سو برس کی بات ہو، چاہے دو سو برس کی. مغلانی نے کہا ہم تو ان باتوں کے قائل نہیں ہیں. ہماری بیگم صاحب اللہ ان کو سلامت رکھے، ان باتوں کو چٹکیوں میں اُڑا دیتی تھیں۔

بھدری آیا. بیگم صاحب نے پوچھا بوڑھا آدمی ہے یا جوان کہا بوڑھا کھوسٹ کوئی اسّی ۸۰ برس کا سن ہے. حکم دیا کہ بلا لو. بوڑھا بھدری آیا. سر پر بنکھیا بغل میں پوتھی. آئیے!

عباسی: بوڑھے میاں سلام. آؤ آؤ. اُوئی جھجکتے کیا ہو آؤ نہ۔

بھدری: جہاں حکم ہو وہاں بیٹھوں. یہاں بیٹھ جاؤں کچھ ہرج تو نہیں ہے؟

عبّاسی: اے ادھر فرش پر بیٹھو. اُوئی یہ تو جانگلو سا ہے کوئی۔

عبّاسی نے بوڑھے بھدری کو چٹکیوں پر اُڑایا. دلہن جان نے کہا اچھے رہے بڑے میاں آرام سے بیٹھو. اچھی طرح سے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھدری: ہاں حکم پایا تو حکم پاتے ہی میں نے کہا بھئی اب چلو۔

دُلہن جان: ہم لوگوں میں ساعت بچارنے والوں کو کوئی فائدہ تھوڑا ہی ہے مگر آج امتحان ہے۔ دیکھیں کیا بتاتے ہو۔

بھدری: جو کرپا ہو اُس کی اور تو میں جانتا وانتا نہیں ہوں۔

عبّاسی: بھلا بتاؤ تو ہمارا نکاح کب تک ہوگا۔ سوچ کے بتاؤ؟

بیگم: (ہنس کر) اے ہے جو نکاح کا ایسا ہی شوق ہے تو صبح شام کہیں کسی کے گھر بیٹھ جاؤ۔ اونہہ! اونہہ۔

راوی: اب تو بیگم صاحب بُلبُلِ ہزار داستان کی طرح چہکنے لگیں شکر ہے۔ بھدری سے بیگم صاحب نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ کہا رام دت۔ پوچھا عمر کیا ہوگی؟ کہا بیاسی برس کی۔ پوچھا مکان؟ کہا جالیس۔

بیگم: ہمارے ہاں چوری ہو گئی (مسکرا کر) اب تو ہمیں تو پوچھنا ہی نہیں آتا۔

عبّاسی: حضور دُلہن جان سے کہیں۔ یہ اپنے خوب پوچھ (دُلہن جان سے) آپ پوچھیے۔

دُلہن جان: ان کے ہاں چوری ہو گئی ہے تو اب یہ بتاؤ کہ مال جس قدر گیا ہے۔ اس قدر ملے گا یا نہیں۔ کچھ آدھا تہا ملے گا یا کیا ہوگا؟

بھدری: اچھا کوئی پھول اپنے دل میں لو۔ نام نہ بتا دینا کہیں ہاں۔

عبّاسی: حضور چنبیلی کا پھول لیں۔ یا حنا کا پھول ہاں حنا ہی لیجیے۔

بھدری: لیا۔ جب لے چکو تو ہم سے کہہ دو کہ ہم نے اپنے دل میں لے لیا۔

عبّاسی: ہاں پہلے نام نہ بتائیں گے۔ اب تم پوچھ لو تو بھلا۔

— بھدری نے۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کنیا۔ تُلا۔ برچھک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ میں کہہ کر کہا۔ آپ کا چندرما کھشٹ ہے۔ حد بھر نرمل، مگر ایک مہینے کے بعد سُکھ پراپت ہوں گے۔

عبّاسی: بس بس۔ اپنا کنھا اب رہنے دو، اوری بھدری کو ہم نہیں مانتے۔

بھدری: تیرا چندرما بلی ہے۔ تو راج کرے گی۔ مگر ہم کو نہ بھول جانا۔

عبّاسی: ہاں، کیا کوئی راجہ بابو ریجھ جائیں گے تو پھر ابھی نکاح نہ کروں۔ بولو؟ ایسا نہ ہو میں اس فکر میں رہوں کہ کوئی راجہ بابو ریجھیں اور ٹائیں ٹائیں فش ہو۔ بولو تو تمہارا ذمّہ۔ مگر کوئی تمہارے سے بوڑھے رہیں۔ بوڑھے سے تو بات کرنا بھی گناہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس فقرے پر ثریا بیگم کا دل بھر آیا۔ بوڑھے کھوسٹ شوہر کو یاد کر کے دل میں کٹ گئیں۔ عباسی اس بھدری سے چہل کرتی ہی تھی کہ داروغہ صاحب آئے۔ کہا حضور ایک بہت باکمال اور رسیدہ آدمی آیا ہے۔ رند ہے۔ جھروکے سے حضور دیکھیں۔ بیگم صاحب اور عباسی نے جھانکا۔ وہ جوان پری پیکر اچھی طرح نظر نہ آیا۔ مگر صرف اس قدر معلوم ہوا کہ وہ (یا مبو۔ یا مبو۔ یا مبو) کہہ رہا ہے۔

بیگم : اوئی۔ یہ بکتا کیا ہے۔ شیطان نے انگلی دکھائی ہے بوئے کو۔

عباسی : بمبو۔ بمبو۔ واہ رے تیری بمبو۔ سڑی ہو گیا ہے نگوڑا کیا۔؟

بیگم : کیا کہتا کیا ہے یہ۔ ذری داروغہ بلاؤ۔ یا مبو۔ یا مبو۔ اے واہ اچھی یا مبو ہے۔ یہ کوئی سڑی ہے۔ داروغہ الّو تو ہے ہی۔ کہہ دیا رسیدہ آدمی ہے واہ اچھے رسیدہ ہیں۔ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

بمبو۔ بمبو۔ اچھی درویشی ہے۔

عباسی : اے داروغہ صاحب یہ ہے کون۔ یا مبو۔ یا مبو۔ یا مبو۔

داروغہ : چپ چاپ۔ بڑے پہنچے بزرگ ہیں۔ زیارت کے قابل ہیں۔

داروغہ صاحب اس شخص کے معتقد تھے۔ بیگم صاحب سے کہا۔ حضور اگر حکم دیں تو میں بلا لاؤں۔ بیگم صاحب تو جوگن اور شبّو جان رہ چکی تھیں۔ کہا۔ اونہہ۔ بلا ہی لو۔ وہ حضرت صحن میں تشریف لائے۔ کوٹھے پر سے بیگم صاحب اور عباسی اور مغلانیاں سب کی سب دیکھنے لگیں۔

عباسی : کتنا قبول صورت جوان ہے۔ اور ابھی مسین ہی بھیگتی ہیں حضور۔

بیگم : ہاں کیا صورت پائی ہے۔ اہو ہو ہو سیم بدن ہے۔ چہرے سے جلال برستا ہے۔ ہو گا برس بیس بائیس ایک کا عضو عضو سانچے کا ڈھلا ہے۔

داروغہ : شاہ جی صاحب ذرا اسلامی تو ہو۔ بیگم صاحب ملاحظہ فرماتی ہیں۔

عباسی : ایں اسلامی کیسی؟ کیا توپخانہ ساتھ لے کر آئے ہیں کچھ۔

داروغہ : ہاں حضور شاہ جی صاحب۔ بمبو فرمائیے۔ حضور بھی متمنی ہیں۔

شاہ جی : ذرا سا پانی پلاؤ مگر ایسا ٹھنڈا کہ جی خوش ہو جائے۔

عباسی نے برف کا پانی پلایا اور کہا حضور اب سلامی کی فرمائش ہے۔ شاہ جی صاحب نے عباسی کی طرف دیکھا تو مسکرائے اور یوں کہنے لگے۔

یا مبو۔ یا مبو۔ یا مبو۔ یا مبو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُررر۔ اُررر۔ یابمبو۔
انجنی مال کھجانی ۔ اُررر۔ بھائی اُررر۔
ابر گھٹا برسا۔ ابر گھٹا برسا اُررر۔

بیگم: (کھل کھلا کر) ایں۔ اُررر، اے واہ ری تیری اُررر۔
عباسی: (زور سے ہنس کر) اللہ جانتا ہے بیگم صاحب یہ کوئی پیدائشی دوانہ ہے۔
بیگم: اُررر۔ اُررر (پلنگ پر گر کر) اُف مارے ہنسی کے رہا نہیں جاتا۔ یابمبو۔ یابمبو۔ یابمبو۔ اُررر۔
دُلہن جان: آنکھیں کہے دیتی ہیں کہ رسیا جوان ہے۔ جب نظر پڑتی ہے، عباسی ہی پر پڑتی ہے۔ مغلانیوں، مہریوں پر نہیں پڑتی۔
عباسی: (جھیپ کر) حضور پردے سے نہ دیکھتی ہوتیں تو حضور پر بھی نظر پڑتی۔
دُلہن جان: اے ہم اب کس میں ہیں۔ دیکھو دیکھو کیسا کنکھیوں سے گھور رہا ہے۔
عباسی: اے شاہ جی صاحب (کمر لچکا کر) اے یابمبو کس جنور کا نام ہے؟
شاہ جی: (مسکرا کر) یابمبو۔ یابمبو۔ یابمبو۔ اُررر۔ بھائی اُررر۔

بیگم صاحب خوب ہنسیں، اور پلنگڑی پر گر گر پڑیں۔ دلہن جان کھل کھلا کر چمٹ جاتی تھیں اور مغلانیاں ہنس ہنس کر کہتی جاتی تھیں یابمبو۔ یابمبو۔ یابمبو۔ شاہ جی کے ہاتھ میں لٹو۔ اس پر کپڑا لپٹا ہوا، اور لٹو میں چوراسی گھونگھرو بندھے ہوئے۔ پینترا بدل بدل کر اُررر یا اُررر کہتے جاتے تھے۔ ایک قدم بڑھایا اور یابمبو کی صدا بلند کی پھر پینترا بدلا، اور جلدی جلدی کہا۔ انجنی مال کھجانی۔ انجنی مال کھجانی۔ گردن جھکا کر پاؤں کبھی بڑھا کر یابمبو۔ یابمبو کہتے جاتے تھے۔

عباسی: داروغہ جی۔ ایں ایسے محو ہو گئے۔ اے داروغہ صاحب کیا سور ہے ہو؟
عباسی: داروغہ صاحب۔ سرکار پکار رہی ہیں۔ اور آپ جواب ہی نہیں دیتے۔
داروغہ: ارشاد! حضور غلام نے نہیں سُنا تھا۔ کیا حاضر ہوں۔ آؤں؟
بیگم: نہیں نہیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاہ جی سے پوچھو تو کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ یابمبو۔ یابمبو۔ اور اُررر۔ اُررر۔ (ہنس کر) اُف!
شاہ جی: یہ حبش کے ملک کی سلامی ہے۔ جس وقت گولہ چلتا ہے، پہلے یہی کہتے ہیں۔ یابمبو۔ یابمبو۔ یابمبو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ: حضور ہمارے ہاں چوری ہوگئی ہے۔ کوئی تدبیر ایسی کیجیے کہ چور کا پتا چلے۔
شاہ جی: اچھا وہ عورت اِدھر آئے۔ وہ جو سامنے کھڑی ہے جوان۔
بی عباسی جھینپی اور لجائی ہوئی نیچے آئیں۔ گردن جھکا کر کہا۔ ارشاد؟ مجھے کیوں یاد کیا شاہ جی صاحب۔ شاہ صاحب نے کہا ہم سے نکاح کروگی (اُنگلی پکڑ کر) ہم سے شادی کروگی۔ عباسی نے گردن اور بھی جھکائی اور کہا شاہ صاحب میں لونڈی ہوں۔ بھلا کجا حضور درویش کجا میں۔ شاہ صاحب مُسکرائے۔ کہا عبّاسی تو شہزادی ہونے والی ہے۔ تیری صورت پر ایک شہزادہ عاشق ہونے والا ہے۔ اِس کا حال پھر بتاؤں گا۔ پہلے ایک کام کرو۔
اپنی بیگم صاحب سے کہو کہ یہ رقعہ لیں، اور اس رقعے کو دو گھنٹے کے بعد داروغہ صاحب سے پڑھوالیں جو اس میں لکھا ہو، اِس کے حساب سے تین دن تک غربا کو کھانا کھلوائیں۔ مگر چاول زرد ہوں، ہلدی چاول میں ضرور پڑی ہو۔ اور گوشت کا نام زبان پر نہ لائیں۔ مگر گوشت کھانے کی ممانعت نہیں ہے۔ عبّاسی نے بیگم صاحب کو وہ رقعہ دیا تو دُلہن جان بولیں۔ کیوں عباسی شاہ صاحب سے نکاح پر نہیں راضی ہوئیں۔ خوبصورت ہیں۔ جوان جہاں ہیں۔ سُرخ و سفید چہرے سے شرافت برستی ہے۔ عبّاسی بولی۔ ہمیں چھیڑیے نہیں۔ شاہ جی تو ٹھٹھول آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ہنسی کرتے تھے۔ بھلا مجھ سے اور وہ شادی کریں۔ کوئی بات بھی ہے۔ شاہ صاحب رخصت ہوئے۔ دو گھنٹے کے بعد رقعہ پڑھا گیا۔ مضمون سُننے کے قابل ہے۔
ثریّا بیگم: تم پر جان جاتی ہے۔ تمہارے گھر میں چوری ہمیں نے کی تھی۔ اگر راضی ہو تو ہمارے پاس چلی آؤ۔ شہزادی بنا کر رکھوں۔

آزاد مرزا۔

خوجی کی مُصیبت

خواجہ صاحب نے جو اپنے کو نخچیر تیر مصیبت پایا تو زار زار رونے لگے۔ واہ میرے الٹی کے سُننے والے! مارا گاتھا نیچے۔ دیا اوپر۔ لینے کے دینے پڑے۔ سمجھے تھے کہ ترکوں کا لشکر ہے۔ چل کے مزے سے دندنائیں گے لطف اُٹھائیں گے مگر یہاں آئے تو۔ ع

کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسی نظر آنے لگے۔ واہ رے نصیب، واہ ری قسمت۔ شعر:

موت مانگوں تو رہے آرزو خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

روسیوں نے خوب قہقہے لگائے۔ خوجی دل ہی دل میں کٹے جاتے تھے۔ مگر قہر درویش برجانِ درویش۔ روسیوں نے خوجی سے گفتگو شروع کی۔

ایک روسی: تم کس ملک کے آدمی ہو۔ حبش یا ہند یا چین یا برما کے۔؟

دوسرا: (چپت جماکر) خوب جمی۔ چٹاخ سے پڑی۔ ایک اور دوں گا۔

تیسرا: اب کی ہم (چٹاخ) اُہو ہو خوب آواز آئی۔ زناٹے سے پڑی بھی تو۔

چوتھا: اللہ اللہ۔ اس چتون کو دیکھیے گا۔ کیسے تیکھے ہوتے ہیں، یا خدا!

خوجی کی چاند پر بے بھاؤ کی پڑنے لگیں۔ اِدھر دیکھا اُدھر پڑی۔ اُدھر نظر کی اِدھر پڑی چٹاخ۔ بوکھلا گئے۔ کہا اچھا گیدی اس وقت تو بے بس ہوں۔ اب کی پھنسوں تو خواجہ بدیع الزماں نہیں۔ قسم ہے اپنے قدموں کی کہ آج تک مردم آزاری کبھی نہیں کی اور سب کچھ کیا۔ پتنگ لڑائے بٹیر لڑائے۔ مُرغ لڑائے۔ چانڈو پیا۔ افیم کھائی۔ چرس کے دم لگائے۔ مدک کے چھینٹے اُڑائے مگر مردِم آزاری کس مردود نے کی ہو۔ روسی ان کی گفتگو کیا سمجھتے وہ اپنی کہتے تھے۔ اپنے ڈھائی چاول الگ گلاتے ہے۔ ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم

خوجی: کیوں بابا زبانِ ملک فارسی می شنیندہ توانی کرد۔ من بدیع کہ ایرانی الاصل ہستم جانتا یہ ہوں کہ در کسی محکمہ ہر آنچہ خواہد و پسندیدۂ خواہم بدہم کہ حسبِ حصول مدعا کنم فدوی خواجہ بدیعا۔

راوی: خیر۔ اُردو ہی بولیے۔ فارسی کی ٹانگ کیوں توڑی۔

خوجی: ان پھوٹی ہوئی آنکھوں سے خدا سمجھے کیسے اس طرف آنا ہی کیا فرض تھا۔ مگر قسمت تقدیر۔ مصیبت نے گھیرا۔ افسوس!

وحشت فزا ہوا ہے کچھ ایسی بہار کی — پھولا جو پھول اُس نے قبا تار تار کی
نرگس کی آنکھ کیوں نہ چمن میں کھلی رہے — تصویر بن گئی ہے ترے انتظار کی
بارش یہ آنسوؤں کی ہے یا بارشِ سحاب — بجلی ہے یا تڑپ ہے دلِ بے قرار کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ روس کی فوج کے چند رقیق القلب آدمیوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو رحم کھا کر کہا، بس اب اس کو دق نہ کرو پہلے دریافت تو ہوئے کہ یہ ہے کون شخص ایک بولا یہ ترکی ہے۔ وضع کسی قدر بدل ڈالی ہے۔ دوسرے نے کہا یہ حبش کا مسلمان ہے۔ تیسرے نے رائے دی کہ یہ گوئندہ ہے۔ اس آخری رائے سے عموماً سب نے اتفاق کر لیا۔ کئی آدمیوں نے خوجی کی تلاشی لی اب خوجی اور تو سب اسباب دکھاتے ہیں اگر افیم کی ڈبیا نہیں کھولنے دیتے۔ وہ اصرار کرتے یہ انکار کرتے۔

روسی: اس میں کون چیز ہے جو تم اس کو کھولنے نہیں دیتے۔ ہم ضرور بالضرور دیکھیں گے۔ اسی میں کچھ ضرور ہے۔ فوراً دکھا دو۔

خوجی: (جھلا کر) او گیدی ماروں گا بندوق دھواں اُس پار ہو جائے گا۔

وہ بیکس ہیں ہمیں دُنیا نے چھوڑا ہم نے دُنیا کو
نہ عالم ہم سے واقف ہے نہ ہم واقف ہیں عالم سے

راوی: اگر وہاں ہوتے تو خوجی کو دور سے ضرور چھیڑتے کہ آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیع آن پہنچے۔ کیا مزے سے پہنچے تھے۔ ایسے چوندھیائے کہ ترکی اور روسی میں فرق نہ کر سکے۔ بہت خوشی میں آئے تھے خوجی نے بڑی کوشش کی کہ اظہار مافی الضمیر کریں۔ مگر ان کی زبان کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر کار ماوراء النہر کا ایک باشندہ بلوایا گیا۔ اُس نے خوجی کی باتوں کا ترجمہ کیا۔ اور روسیوں کو سمجھایا۔ خوجی نے کہا پوچھو ہم کو کس علّت میں گرفتار کر لائے ہیں۔ ہم سے کون قصور سرزد ہوا؟ روسیوں نے جواب دیا کہ تم ترکی ہو، اور ترکی فوج کا سا لباس پہنے ہو، اور ہم کو شک کی جگہ یقین ہے کہ تم گوئندے ضرور ہو۔ لہٰذا لازم آیا کہ تم کو قید کر لیں۔ خوجی نے کہا یہ خیال خام ہے۔ اوّل تو میں ترکی نہیں ہندی ہوں۔ دوسرے پست قد اس قدر کہ فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ مسافر پردیسی ہوں۔ اگر گوئندہ ہوتا تو اس وقت یہاں کیا کرنے آتا۔ فوج آمنے سامنے ہے۔ آپ کا حال ترک اور ترکوں کا حال آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ پھر گوئندے اور مخبر کی کیا حاجت تھی۔ یوں تو آپ کو اختیار ہے قید کیجیے چاہے رہائی دیجیے۔ اب تو آپ کے پھندے تمہارے پھندے میں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ماوراء النہر کا باشندہ بڑی دقت سے خوجی کا مطلب سمجھا۔ خواجہ صاحب تو خاص ایران کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھٹھ گفتگو کرتے تھے نہ۔ پھر بھلا اہلِ عجم کے سوا اور کون سمجھتا۔ اُن کی فارسی پر اس کو بڑی ہنسی آئی۔ خصوصاً اس فقرے پر (مرا قید کردوں و برمن لکد کوب نمودن و باز بربن موز خندیدن و فہمیدن کہ کارہائے بزرگ لکد کوب، دزد و کوب است کہ سر ما مغز ماواند وہ است طریقہ خوب نیست۔ بلکن یہاں تک کہ زشت و پوچ طریق است۔ بینوا و تو جردار بیان کردتم پس اجر پاؤ تم) روسیوں نے ان کو ایک پنجرے میں بند کر دیا اور ارد گرد چار آدمی تعینات ہوئے کہ کھولنے نہ پائیں۔ خواجہ بدیع بیچارے بیکسی کی حالت میں سخت متوحش تھے۔ ایک بار نعرہ بلند کیا۔ ہائے افسوس! دوسری بار کہا۔ آزاد پاشا! خواجہ بدیعانے حقِ نمک ادا کر دیا۔ اب خواجہ صاحب بھی قید بھگت رہے ہیں۔ مگر صرف تمہارے لیے۔

دریا و دشت و گلشن و تبخانہ وحرم

کس جا کہاں کہاں نہ پھرے یار کے لیے

روسیوں نے کہا بھئی اچھے پاگل سے ساتھ پڑا ہے۔ خدا ہی خیر کرے یہ تو رات بھر غل مچا مچا کے سونے نہ دے گا۔ اتنے میں خوجی نے پھر ہانک لگائی۔ ارے یارو۔ کچھ ہماری بھی خبر ہے۔ خواجہ بدیع الزمان کمیدان پلٹن موسوم بہ دگلے والی پلٹن کا رسالدار تھا۔ (راوی۔ اے سبحان اللہ کمیدان پلٹن کا رسالدار تھا) اس ترکیب کے صدقے! پھر ہانک لگائی دو کروڑ روسیوں میں سے جو خواجہ صاحب بزورِ فن سپہ گری مار کوٹ کر دن سے نکل آئے۔ وہ اب ایک پنجرے میں بند ہیں۔ مگر جان نہ جاتے گی۔ آزاد سے ضرور ملاقات ہوگی۔ خدا اس کو خوش رکھے ہم اُس کو دیکھیں گے ضرور ایک نظر۔

شاید وہ آئیں میرے جنازے پہ دوستو

آنکھیں کھلی رہیں مری دیدار کے لیے

ایک روسی : اب کی اگر غل مچایا تو پنجرا ہی پھونک دوں گا بولو تو بھلا۔

خوجی : یہ خدا جانے کیا اپنے ڈھائی چانول گلاتا ہے۔ اچھا بچہ جی۔

دوسرا روسی : اب تمہاری قضا دامنگیر ہے۔ کیوں۔ پھر اُٹھوں میں۔

خوجی : قضائے مبرم۔ قضائے مبرم۔ ایسا سپاہی قید ہو جائے۔ شانِ خدا مگر مجبوری۔ ورنہ ہماری تلوار کی دھوم تھی اور قرولی تو ایسی دیکھی ہی نہیں۔ ہفت اقلیم میں ڈھاک تھی واللہ ڈھاک۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی کا دلچسپ خواب

خواجہ بدیع الزماں صاحب اسی فکر میں غلطاں پیچاں تھے کہ نیند آئی اُنھوں نے کسی قدر آرام پایا۔ ادھر روسی بھی سوئے۔ پہرے والے اِن کو مردہ پا کر خرّاٹے لینے لگے۔ خواجہ صاحب نے خواب دیکھا کہ ایک مقام پر بڑی بھیڑ ہے۔ ہزار ہا آدمی مل کر ایک پہاڑ کی طرف جاتے ہیں۔ حیرت ہوئی کہ یہ کیسا اسرار ہے۔ پہلے سمجھے کہ کہیں کا میلا ہے۔ مگر جب ذرا قریب پہنچے اور دیکھا کہ سب کے سب خاموش ہیں۔ میلے کی سی کوئی بات بھی نہیں تو ماتھا ٹھنکا کہ کہیں غمی ہوگئی ہے۔ آگے بڑھے دیکھا لوگ جھپٹے جاتے ہیں خود بدولت بھی جھپٹے ہوئے چلے، مگر خیر سے پاؤں تو ناخن کے برابر تھے۔ دوڑیں چاہے لپکیں اُن لوگوں تک پہنچتے پہنچتے ایسے ہانپے کہ ایک قدم بھی اُٹھانا محال تھا۔ تھوڑی دیر سکوت اختیار کیا۔ پھر چلے تو دیکھا کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہزار ہا آدمی جوق جوق جمع ہیں۔ اور چوطرفہ سے چلے آتے ہیں۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا کیوں بھائی جان! اس قدر بھیڑ یہاں کیوں ہے۔ اس نے کہا۔ دی ٹی بٹ ہوا بر کمی۔ ایس المعقول۔ اچھی دلندیزی بات کہی۔ تال کی نہ سم کی نہ سر کی۔ فارسی نہ عربی نہ ترکی۔ یہ تاریخ کہی ہے کسی لڑکی۔ حویلی ہے علی نقی خاں بہادر کی دوسرے آدمی سے دریافت کیا اُس نے خوجی کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور اُنھوں نے غل مچانا شروع کیا کہ افیم کی ڈبیا لاؤ۔ اتنے میں اِنھوں نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین اور نوجوان عورت سر پیٹتی روتی چلّاتی پہاڑ کی ایک کھوہ سے نکلی۔ پچاس ساٹھ آدمیوں نے اُس کے قدم لیے۔ عورت کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اشک گلگوں چشمِ بیمار سے نکل کر رخسارِ تاباں پر لڑھکتے ہوئے۔ ٹپ ٹپ گرتے تھے۔ خوجی نے چاہا کہ بھیڑ کاٹ کر دراتے ہوئے گھس پیٹھ کے اُس زنِ خوبرو کے پاس جائیں۔ مگر ذرا سے آدمی۔ ایک ایک ماشے کے ہاتھ پاؤں۔ دو چار بار بڑے دل آدمیوں نے ذرا اشارہ کر دیا تو لڑھکنی کھاتے ہوئے دس قدم پر ہو رہے۔ گرتے ہی اُٹھے اور آنکھیں نیلی پیلی کر کے کہا۔ بھلا گیدی بھلا۔ بس یہی تو ہم میں عیب ہے کہ اپنے زعم میں آپ گر پڑتے ہیں۔ مگر اب کی ریلے میں پہنچتا ہوں۔ اتفاق سے اس مرتبہ خواجہ صاحب کامیاب ہوئے۔ تو بہ آواز بلند فرمایا کہ ایک ڈھیکلی کھال دوسری ڈھیکلی کھائی۔ تیسری ڈھیکلی میں دن سے موجود اتنے میں اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بگھی سامنے سے آئی۔ اور اُس میں سے ایک صندوق نکالا گیا۔ اس وقت کُل حاضرینِ جلسہ زار زار رونے لگے اور ایک سمت کو چلے۔ خوجی بھی اُسی طرف جھکے۔ دیکھا کہ ایک مزار کے پتھر پر یہ حروف کندہ ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرقدِ منوّر حضرت قدر، قدرت بہار، ریاض جرأت آزاد پاشا طاب ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ (تربتش عنبریں باد)۔

ایں! ہائے ستم۔ خوجی کے دل پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ دھم سے زمین پر گر پڑے۔ اور بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے لخلخہ سونگھایا۔ جب ہوش آیا تو خوجی نے کئی بار اس مزار پر سر دے مارا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ہائے ہائے! مرقد آزاد پاشا ہائے ستم! وائے ستم! پیارے آزاد یہ کیا کیا۔ ارے یار خواجہ بدیع کو اکیلا چھوڑ کر چلے۔ بھائی آزاد! ارے غضب ہائے بولتے ہی نہیں۔ اُف بڑی میٹھی نیند آئی ہے۔ ع

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

اتنے میں قبر سے ایک آواز آئی جس سے کل حاضرین دنگ ہو گئے وہو ہذا۔

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

خوجی نے کہا ہائے (سر پٹک کر) حسن آرا سے کیا کہوں۔ کچھ تو کہہ دو بھائی۔ اس کے جواب میں قبر سے یہ آواز آئی۔

ہاتھ سے کچھ نہ ترے اے مہ کنعاں ہوگا
ہاں جو ہوگا تو مری موت کا ساماں ہوگا

اتنے میں وہ مہوش پری پیکر زار زار روتی ہوئی اُٹھی کہ تربت کے قریب جائے مگر پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ دو قدم جا کے پھر بیٹھ گئی۔

نازنے دی نہ رخصت آگے کی
دو قدم جب رہا مزار اپنا

خوجی نے بعد حسرت کہا۔ بھائی آخر بتاؤ تو یہ کس سفاک نے تمہیں مارا ہائے! وہ کون ایسا شقی القلب ہے جس کا تم پر ہاتھ اُٹھا۔ جواب یہ ملا۔

چشمِ بیمار نے ہمیں مارا مردم آزار نے ہمیں مارا
ناز و غمزے نے چشم و ابرو نے انھیں دوچار نے ہمیں مارا
دعوئ خوں بہا کریں کس سے چشم میخوار نے ہمیں مارا
مر گئے بس اسی تمنّا میں نہ کبھی یار نے ہمیں مارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ ادھر قبر میں جو لاشہ رکھا گیا تو فوراً ابر سیاہ چھایا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اور ہر سمت سے عطرِ گل کی مہک آنے لگی۔ اُس دن جادو نگاہ نے تربتِ عاشق کے قریب جاکر آنکھوں کو ہاتھوں سے چھپاکر اِس قدر گریہ وزاری کی کہ پتھر تک کا کلیجہ پسیج جاتا دو چار عورتوں نے سمجھایا کہ بہن اس وقت ذرا ضبطِ گریہ کرو۔ مردے کی روح پر اس سے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ تربت سے یہ صدا بلند ہوئی۔

منور ہوگئی میری لحد کس مہ کے پرتو سے
چڑھائی چادرِ مہتاب کس نے میرے مدفن پر

اتنے میں بارش ہوئی۔ ایسی جھڑی لگی کہ دم کے دم میں جل تھل بھر گئے، اور تھوڑی دیر میں موتی برسنے لگے۔ خوجی نے کہا آزاد درویش کامل تھے۔ واللہ تم درویش کامل تھے۔ درویش کامل ولی اللہ۔ معرفت آگاہ تربت پر دُرافشانی ہو رہی ہے۔ سبحان ملأاعلیٰ مرواریدکی چادر چڑھانے آئے ہیں۔ فرشتے موتیوں کی لڑیاں چڑھاتے ہیں۔ عیسائی اور مسلمان اور ہندو ٹوٹے پڑتے ہیں۔ سچ ہے کیا خوب کہا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

چنان یاسک وبد عرفی بسر کن کز پسِ مُردن
مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اس پری تمثال نے تربت کے کئی بار بوسے لیے اور سات بار اردگرد گھومی۔ ایک بار نعرہ بلند کیا۔ ہائے موت وائے موت ہائے ستم وائے ستم۔ دوسری مرتبہ رو کر آہستہ آہستہ کہا۔

اگر دانستم از روزازل داغ جدائی را
نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

خوجی نے غور کرکے دیکھا تو مس میڈا۔ ارے مس میڈا ہائے آزاد گئے گذرے۔ ہائے آزاد چل سے۔ افسوس صد افسوس۔

اتنے میں قبر سے ایک ہاتھ نکلا اور لوگ اس قدر گھبرائے کہ آدھی بھیڑ چھٹ گئی۔ خوجی کھڑے دیکھا کیے۔ مس میڈا نے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ تو زمین شق ہوگئی، اور ایک کھٹولا زمین سے نمودار ہوا۔ یہ کھٹولا کوئی دو گز بلند ہوا تھا کہ ایک نوجوان عورت دھم سے کود پڑی۔ اور تربت عنبریں کی طرف بقصد حسرت دنومیدی دیکھنے لگی۔

خوجی: ارے اونیشیا! یا الٰہی یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ شانِ کبریائی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورت : آزاد! آزاد! این، یہ کیا کندہ ہے۔ پڑھوں تو مرقدِ منورہ الخ۔ ارے! اُف۔ ہائے غضب۔ افسوس صد افسوس۔

خوجی : اے بتِ شیریں شمائل تو کیستی و با آزادت چہ کار است بگو و بیان کن۔ اے طوطیٔ نوبہارِ حسن بمسرت گردم بیا جاناں۔

عورت زمین پر بیٹھ کر بصد حسرت و یاس یہ اشعار پڑھنے لگی۔

کیستم دل شکستہ غم زدہ   خستہ مردہ ستم زدہ
نا اُمّیدی جگر گداختہ   از غمِ ہجر زہرہ باختہ
خس طوفانی محیط بلا   و مبرم گرد کاروانِ فنا
از شرارِ نفس بہ تاب و تپش   در بیابانِ یاس تشنہ لبے

خوجی : یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ ارے! یہ تو اختر النسا بیگم ہیں۔ توبہ، توبہ، ستم، ستم۔ قیامت، قیامت۔ اے وائے افسوس!

عورت : (آہ سرد بھر کر) ہائے ہائے جس کی صورت دیکھنے کو ترستے تھے، اب اس کی تربت دیکھی۔ ارے لوگوں یہ کیا حشر بپا ہوا، قیامت آگئی۔

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی
شبِ ہجراں کے عوض موت ہی آئی ہوتی

خوجی نے دیکھا کہ پھر پہاڑ شق ہوا اور ایک اور عورت اُس میں سے برآمد ہوئی جس نے تربت کے اِرد گرد گھوم کر کہا:

اُٹھیں تربت سے خنداں روزِ حشر
کفن کو دے دوپٹہ زعفرانی

یہ کہہ کر اپنا زعفرانی دوپٹہ تربت پر چڑھا دیا اور پیچھے پھر کر دیکھا، تو خوجی نے کہا۔ ایں! یہ کون ہے ان کی صورتِ زیبا ہم نے آج ہی دیکھی۔

اتنے میں آزاد کا سر قبر سے نمودار ہوا۔ اور پھر دم کے دم میں غائب۔ خوجی بہ آواز بلند چلا اُٹھے۔ دوڑنا، دوڑنا، دوڑنا۔ یا الٰہی دوڑنا دوڑنا کہتے کہتے خوجی کی آنکھ کھل گئی تو دو منٹ تک دوڑنا دوڑنا کہتے رہے۔ روسیوں کی آنکھ کھل گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

ایک : اس کمبخت نے تو ناک میں دم کر دیا۔ اس کو موت بھی نہیں آتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا: ارے یارو اس کے حلق میں بانس کر دو بڑا شریر بد بخت آدمی ہے۔

تیسرا: تو پھر بولا، اس مردود کو آج نیند نہ آئے گی۔ اب کی بولے تو اُٹھ کے حلال ہی کر ڈالوں۔ ایک ہی بد آدمی ہے۔ شریر۔

ایک سپاہی نے اُٹھ کر پنجرے میں ہاتھ ڈالا اور خوجی کی کھوپڑی پر چپت جمائی۔ تڑ پھر بولے گا۔ چٹاخ۔ پھر بولے گا تڑ، پھر بولے گا۔ کیوں اور دوں ایک خوجی نے غل مچانا شروع کیا۔ او گیدی او گیدی۔ خبردار بس ہوشیار رہنا۔ کہہ دیا ہوشیار رہنا۔

پنجرہ نہیں ہے کچھار ہے یہ — خواجہ نہیں ہے مار ہے یہ
اُفعی ہے بلا ہے زہر واللہ — ناگن ہے ستم ہے قہر واللہ
بپھرے تو نہنگ ڈر کے مر جائیں — بگڑے تو غنیم او کھیاں کھائیں
ہے نام خدا حسین و خوش رو — نیکو رُخ اور قد دلجو
شیروں میں شیر مرد ہے تو — اے خواجہ بدیع فرد ہے تو

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اس موزونی طبع کے صدقے! آفریں صد آفریں۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے۔ خواجہ صاحب افعی ہیں۔ اور مار ہیں اور حسین ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ قد دلجو کی اپنے اوپر اچھی پھبتی کہی۔ آپ ماشا اللہ ایسے ہی ہیں، اور رُخ نیکو کی تو بس کچھ نہ پوچھیے۔ ٹرخ ٹرخ نور برستا ہے۔

خواجہ بدیع کے اظہار

صبح کے وقت خواجہ صاحب کے اظہار لیے گئے۔

خواجہ بدیع الزمان کے اظہار لیے گئے تو انھوں نے یوں فرمایا۔ اگر اختصار مدِ نظر ہے تو من بدیع میرا نام ہے۔ (راوی۔ ایں! چوکے اُستاد۔ من بدیع یا من بدیعا خیر آگے فرمائیے) اور اگر میری رائے پسند ہے تو سنیے خاکسار زمان علیہ الرحمتہ و الغفران خواجہ خواجگان بدیع الزمان نیت احقر العباد ساری خدائی کا خانہ زاد میاں کیقباد سن شریف تا چہل و شش یوں مظہر ہے کہ بیچ اِس زمانہ فیض کاشانہ کے کہ شاید کامرانی لباس عریانی سے متجلّی اور صنم شادمانی حلیہ برمانی سے متجلی ہے۔ من بدیع واسطے تفریح طبع نازک آکے اس ملک میں وارد ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

این سبزہ واین چشمہ واین لالہ واین گل
آن شرح ندارد کہ بگفتار در آید

سردی اس ملک کی جانِ مستان ہے۔ اور مستان روکش سرمائے کشمیر ستان ۔

از بسکہ کند جذب رطوبت خطرش نیست
گر کاسۂ چینی زہوا بر حجر آید

اما بعد برمی گوید امید وار مغفرت ایزد منان غریب بینوا خواجہ بدیع الزمان سلمالرحمٰن کہ ایام دیرینہ سے اس ہیچمدان کا شعار فن سپہ گری جرار تھا۔ باپ گراس کٹ تھا۔ دادا چڑی مار تھا۔ بدیعا فخرِ خاندان پیدا ہوا۔ عالیشان اور والا دودمان پیدا ہوا۔ جب زمانہ بر سر کار ہوا تو دگلے والی پلٹن کا سالدار ہوا اس پر ایک شاعر نے جل بھن کر ہجو کی اور میں نے ہاتھوں ہاتھ دادِ سخن دی ہر چند کہ اس کا قول جانکاہ ہے الا بندہ بھی شاعر ذوجاہ ہے۔ رباعی سُنیئے۔

پدرش ہمہ عمر کاشتکاری می کرد
جدش زتنورِ نان برآری می کرد
عموش دو دو بکار ند کوریان
اے مرغکہ کے رسالداری می کرد

من بدیع نے سر پیٹ لیا۔ اتنے ہی کمیدانی کے عہدہ پر ممتاز ہو گیا گھوڑا داغی ہوا۔ اتفاق سے ایک چکلہ دار باغی ہوا۔ حکم ہوا کہ خواجہ بدیع الزمان کمیدان بہادر مورچے پر جائیں۔ غنیم کے چھکے چھڑائیں۔ فوراً یابو کے سر پر سوار ہوا اور روانہ میدانِ کار زار ہوا۔ میرے گھوڑے کی کچھ نہ پوچھو۔ یہ گیا وہ گیا۔ یہ پہنچا وہ پہنچا۔ اور تعریف کیا کروں صرف اِس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول شاعر۔

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

بس جیسے میرے ہاتھ پاؤں فرمائشی ہیں ویسے ہی اس کے بھی تھے خاص عرب کا گھوڑا اور میں ولایتی۔ ولایتی دو ہو گئی۔ پھر کیا تھا۔ اُدھر ہم اِدھر میرا اسپ ادہم۔ واہ واہ سبحان اللہ۔

دو دل یک شود بشکند کوہ را۔
پراگندگی آرد انبوہ را۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں اور میرا اسپ لاغر میاں دو قالب و یک جان. الغرض فوج جرّار و لشکر بیشمار لے کر من بدیع روانہ شد. ایں روئے دریائے گنگ لشکرِ غنیم اور آں روئے دریا فوج من بدیع ظلہ العالی (راوی) سبحان اللہ. جو لوگ عربی داں نہیں ہیں وہ مدظلہ العالی کہا کرتے ہیں. مگر آپ ایسے لائق فائق بزرگوار ور کو اڑا کر صرف ظلہ العالی بولتے ہیں. آں روئے دریا فوج من بدیع ظلہ العالے عقب عقب گدھوں پر تواپ عقب عقب کتنا عمدہ محاورہ ہے. یعنی پیچھے پیچھے. اور آپ نے رسالداری اور کمیدانی بھی بڑے ٹھسے سے کی تھی کہ توپیں گدھوں پر لدی تھیں. واللہ کیا انوکھا توپخانہ تھا. پھر گدھوں کے ساتھ اور کیا ہوگا توپوں میں ٹکے سیر والے آلو کے برابر گولے بھرے تھے اور ٹھساٹھس اور کھچا کھچ (راوی توپ کیا جہنم کا دروازہ تھا) کہ ٹکے سیر والے آلو کے برابر گولے بھرے تھے اتنے بڑے بڑے گولے (معاذ اللہ، معاذ اللہ) بس شب کے بعد رات کو گلولہ اندازی ہونے لگی راوی کیا ہونے لگی. گلولہ اندازی یہ کون لغت ہے جناب؟ اخاہ گولہ سے مراد ہے. ع

گلولہ دگر آمد بہ بار گاہ رسید

ادھر توپوں پر غنیم کی طرف سے بتی پڑی اُدھر من بدیع نے کوچ کا حکم دیا. کوچ کوچ کوچ روسیوں نے جو سُنا تو چکرائے کہ یہ کوچ کی صدا کیسی ہے. سمجھا یا کہ حضور کوچ کیجیے گا تو شکست ہو جائے گی. من بدیع بہ پاسخش داد کہ اے سردارانِ سرور وحکامانِ بر ترچہ میگوئی غنیم کہ از خود کم مادہ دار دستیزہ کردن کارِ خردمندان نیست کہ گفتہ اندر

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن

کہ جاہا سپر باید انداختن

غنیم نے گولے برسائے اور من بدیع نے یابو کی باگ اُٹھائی اور میدان کی ہوا کھائی. فوج بھی ساتھ ساتھ. نشان سب کے پہلے. اور اِدھر اُدھر خواجہ بدیع فرخ نہاد یہ بھاگے وہ بھاگے.

خواجہ صاحب یعنی من بدیع بگٹٹ بھاگے. بھاگتوں کے آگے اور مارتوں کے پیچھے.

راوی: سبحان اللہ. آپ اس قدر انکسار کیوں کرتے ہیں. مگر ہم تو اس صفائی کے قائل ہیں کہ کس لطف کے ساتھ راست براست بلا کم و کاست بیان کر دیا سچ ہے.

راستی موجب رضائے خداست

کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

روسیوں کو ان فقروں پر اس قدر ہنسی آئی کہ بڑی دیر تک اکثر آدمی پیٹ پکڑ پکڑ کے لوٹا کیے.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کسی کی سمجھ میں ایک فقرہ بھی نہیں آیا۔ حیرت تھی کہ یہ بک کیا رہا ہے۔ زبان کھولی تو بند ہی نہیں ہوتی۔ خوجی نے جوان لوگوں کو قہقہہ کرتے دیکھا تو بہت بگڑے اور یہ شعر گردن ہلاتے ہوئے بہ آواز بلند پڑھا۔

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو
از شمایک تن نشد اسرار جو

ایک روسی افسر نے پوچھا کیا پاگل خانے سے رسیاں توڑا کر آئے ہو۔ مترجم نے مطلب سمجھایا تو آپ نے یوں جواب دیا۔ یا بابا ہے ما اگر حال من زار پرسی چہ پرسی نیک بخواں کہ مسرت گردم من دیوانہ بستم۔ نادان نیستم۔ مردے ہستم دانا۔ انچہ من گفتم چرا نہ فہمیدی نہ فہمیدی باز قصور ما چہ۔ وباز مرامی گوئی کہ پاگل است و دیوانہ است نا بابا۔ ما نہ گویم۔

روسی افسر: اچھا تم کو ہم رہا کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے سوالوں کے جواب دو۔ ورنہ ہم رہا نہ کریں گے۔

1۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم ترکی گو ہندے نہیں ہو۔ کامل ثبوت دینا چاہیے۔؟

2۔ ہندوستان کے باشندے ہو تو یہاں کیا کرنے آئے یہاں کام کیا تھا۔؟

3۔ اس وقت تم کہاں سے آتے تھے، جب تم گرفتار ہوتے اور یابو کس کا ہے جس پر تم اس وقت سوار تھے فوراً بتاؤ۔؟

4۔ ترکوں اور روسیوں میں کس کی فتح چاہتے ہو اور کس کی شکست۔؟

خوجی نے فوراً جواب دیے اور بلا غور و فکر یوں کہا۔

1۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر ہم گو یندے ہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہم گو یندے ہیں۔ بس یہی ثبوت ہے کہ ہم گو یندے نہیں ہیں۔

2۔ ہندوستان کے باشندے کیا ترکی میں نہیں آتے۔ واہ، واہ ہونہہ۔

3۔ اس وقت ہم وہاں سے آئے تھے جہاں کا پتا ہی نہیں شاید لامکان ہو۔

4۔ ترکوں اور روسیوں میں صلح ہو جائے تو ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ روسی جیتیں واہ تو بہ ہی بھلی اور ترکی فتحیاب ہوں تو صلّ و جل بس یہی ہمارا جواب باصواب ہے۔ اور خیر صلاح۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسرِ روس نے اس کا ترجمہ سُنا تو بہت ہی خوش ہوا۔ کئی منٹ تک ہنستے رہے بمعقول سوال دیگر جواب دیگر سوال از آسمان جواب از ریسماں۔ من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ سراید۔

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
گاڈ میڈ دی سن دہ بیمس سو برائیٹ

خوجی سے پوچھا گیا کہ اگر قید سے نجات پائیں تو کدھر جائیں۔ کہا سیدھا قسطنطنیہ کی راہ لوں۔ ور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر بخط راست ہندوستان پہنچوں۔

حُبّ الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بملک مصر شاہی می کرد
می گفت گدا بودن کنعان خوشتر

دریافت کیا گیا کہ ترکوں سے اس لشکر کی حس و حرکت اور توپوں اور آدمیوں کی کثرت کا حال بیان کرو گے، یا نہیں؟ کہا اور جو پوچھو بتا دوں یہ نہ بتایا جائے گا۔

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار

یہ ہم نہ بتائیں گے۔ چاہے مار ڈالو چاہے زندہ دفن کردو، چاہے گولیوں سے بدن کو چھلنی کردو۔ ایں جانب یعنی من بدیع صاف صاف کہہ دیں گے کہ فوج روس کا سامان بدرجہا بہتر ہے۔ جو شے ہے اُجلی اور چمکتی ہوئی۔ کوئی نسبت ہی نہیں۔

گفتۂ اشرف کجا و شعرِ فردوسی کہ نیست
باکمر بند مرصع قدر شال طوس را

کوئی نسبت ہی نہیں۔ کہا نہ۔ اس پر روسی بہت خوش ہوئے۔ ایک کاسک نے اپنی زبان میں شاباش کہہ کر ان کی پیٹھ ٹھوکی تو خوجی بولے۔ اُف خدا تیرے ان لوہے کے ہاتھوں سے سمجھے۔ واللہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے پشتِ نازک پر فولاد کا پہیا رکھ دیا۔ واہ۔ دیو ہے دیو۔ آدمی کاہے کو ہے۔ لے اب رہائی ہوگی یا اب بھی نہ ہوگی۔؟

روسی افسروں نے باہم مشورہ کیا کہ اس پاگل ایلچی کا قید کرنا مقتضائے بسالت نہیں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مردی نہ بود فتادہ را پائے زدن
گر دست فتادہ بگیری مردی

دو شریر آدمیوں نے صلاح دی کہ خوجی کا رہا کرنا خلاف عقل ہے۔ افعی راکشتن و بچہ اس را نگاہ داشتن کار خردمنداں نیست۔ اگر خوجی سمجھتے تو ان دونوں گیدیوں کو لے ہی ڈالتے مگر شکر ہے کہ اس زبان سے واقف نہ تھے۔ آخر کار نوبت بہ آنجا رسید کہ خواجہ صاحب ایک اونٹ پر سوار کیے گئے۔ ائے ہے۔ اونٹ کا بلبلانا تھا کہ خواجہ بدیعا کا جسم لرزنے لگا۔ بہت کچھ غل مچایا کہ میں نہ سوار ہوں گا۔ میں عادی نہیں ہوں۔ اس پہاڑ پر مجھ سے ہرگز نہ چڑھا جائے گا۔ ارے یارو ننھے ننھے ہاتھ پاؤں ہیں۔ کیوں مارے ڈالتے ہو۔ مگر کسی نے شنوائی نہ کی اونٹ پر سوار کر کے اِدھر اُدھر پھرایا۔ خوجی کے ہاتھ میں نکیل اور آنکھیں بند۔ بارے بہزار خرابی اس کوہِ رفیع سے اُتارے گئے۔ خوجی نے اُتر کر کہا۔ بارے بخیر گذشت۔ ع

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

رِسیدہ بود۔ الاگذشت بالخیر۔

عجب دماغ میں بوتھی عجب مزاج کا رنگ
وہ دن بہار کے تھے عالم شباب نہ تھا

اخاہ۔ بعد مدت خوجی نے برجستہ شعر پڑھ دیا۔ شاباش آفریں صد آفریں۔ خواجہ صاحب کو روسیوں نے رہا کر دیا تو حضرت اڑے کہ ہم کو یابو ملے۔ بڑی دیر کے بعد یابو ان کے حوالے کیا گیا۔

فسانہ لیلیٰ و مجنوں کا رہ گیا باقی
وہ دشت بخد وہ ناقہ وہ ساربان نہ رہا

یہ شعر پڑھتے ہوئے یابو پر سوار ہوئے۔ چلے ایک روسی نے عمداً اور قصداً صرف دل لگی دیکھنے کے لیے ایک ترکیب کر دی تھی۔ جس سے خواجہ بدیعا رکاب پر پاؤں رکھتے ہی زمین پر آرہے۔ ارارا دھوں۔ خوجی گرے تو ریشہ خطمی ہو گئے۔ کہا بھئی یہ دل لگی من بدیع کو کمال پسند آئی اب کی ہم اپنے ہاتھ سے کاٹھی کسیں گے۔ کاٹھی کس کر سوار ہوئے۔ ٹوپی اُتار کے سلام کیا۔ تو ایک روسی نے پیچھے سے دھول جمائی۔ خوجی بہت جھلائے۔ یابو کو خیز کیا۔ چلتے چلتے، چلتے چلتے، جب روسیوں کے لشکر سے دور نکل گئے۔ تو غل مچا کر کہا۔ آن پہنچے، آن پہنچے، خواجہ بدیعا آن پہنچے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو کروڑ روسیوں سے نکل کر آن پہنچے۔

رُستمِ سیستان ہے خواجہ بدیع
خوبرو نوجوان ہے خواجہ بدیع

آن پہنچے، آن پہنچے۔ راوی۔ اس ہانک نے ایک مرتبہ تو دھڑ وادیا تھا اب کی دیکھیے کیسی گذرتی ہے، چلتے چلتے۔ ایک مقام پر خواجہ بدیع صاحب نے دیکھا کہ کئی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ فوراً یابو کی باگ روک لی۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ مگر سوچے کہ اب اس میدان میں وہ بات کہاں حاصل جو نوابی درباروں میں حاصل تھی اب۔

یا ہمیں مرد مان بباید ساخت
چہ توان کرد مردمان ایں اند

فوراً یابو سے اُترے۔ ایک تلوار نظر آئی۔ میاں سے نکالی اور ہاتھ میں جی کڑا کر کے ایک لاش پر شپ سے لگائی۔ دھڑ میں چھچھلتی ہوئی لگی تو کفن پھاڑ کے چلا اُٹھے۔ وہ مارا۔ ہاتِ تیرے گیدی کی۔ وہ مارا۔ واہ رے خواجہ بدیع۔ چرا نباشد۔

اور اک تیر تناک کر مارا
رحم آیا جو اُن کو بسمل پر

پھر دوسری لاش پر ہاتھ لگایا اور کہا بہادر ایسے ہوتے ہیں۔ دیکھا زخمی کر چھوڑا نہ۔ یہ خواجہ بدیعا کے ہاتھ کی پھرتی ہے۔

پھنس کے دل مت دہل سمجھ لیں گے
زُلف کرتی ہے بل سمجھ لیں گے

ہاں۔ انشاء اللہ ایک اور ہاتھ لاش پر جمایا۔ ارے کیا کہنا ہے۔

ہم سپاہی ہیں او کمان ابرو
تیغ پکڑے اجل سمجھ لیں گے

واہ بھئی خواجہ بدیعا واہ۔ آج البتہ کارنمایاں کیا۔ سپہ گری کے فنون خوب خوب ظاہر کیے۔ کئی لاشیں کاٹ کے پھینک دیں۔ ع

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو

خوجی نے کل لاشوں پر ہاتھ صاف کیا۔ ایک کو نہ چھوڑا۔ کسی کا سر کاٹا، کسی کے دھڑ کے دو ٹکڑے کیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کسی کے کان کاٹے۔ کسی کی ناک اُڑا دی۔ کسی کا ہاتھ کاٹ کے پھینک دیا۔ باغ باغ تھے کہ آج ہم سے وہ کارِ نمایاں سرزد ہوا جو تمام عمر کسی سے سرزد ہی نہیں ہوا تھا۔ غل مچا کے کہا۔

کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا
وہ کام ہوا ہم سے جو رستم سے نہ ہوگا

بے شک بے شک، بے شبہ، لاریب بلاشک۔ آپ ایسے ہی ہیں۔ آپ کا کیا کہنا۔ ایسا ہی کار نمایاں آج آپ سے سرزد ہوا۔ آفریں صد آفریں کل لاشوں کو کاٹ کاٹ کر حضرت خواجہ بدیع صاحب علیہ الرحمتہ والغفران یابو پر سوار ہوئے اور چلے۔ دل میں سوچتے جاتے تھے کہ اگر اس وقت مس روز دیکھتیں تو فوراً شادی پر راضی ہو جاتیں۔ مگر قسمت پھوٹ گئی کہ اس میدان میں کوئی فرد بشر بھی نہیں۔ ورنہ اتنے جرار اور آزمودہ کار جوانوں کو قتل کیا تھا۔ اخباروں میں نہ شہرت ہو جاتی لیکن۔ ع

یا قسمت یا نصیب یا بخت

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
مختار ہے جس طرح بنائے

ہائے افسوس۔ مس روز۔ ڈیر مس روز اس وقت خدا کے لیے اپنے بدیع کی جرأت خداداد، پر داد دو۔ کیوں کیا کار نمایاں کیا ہے۔ کارے کردہ است بابا۔ کارے کردہ است۔ کار نمایاں کردہ ام خواجہ بدیع کارِ نیک و بزرگ می توان کرد۔ مگر افسوس کہ:

مہتاب سپہر حسن مس روز

نے ہماری جوانمردی اپنی آنکھوں نہ دیکھی۔ لیکن آزاد ایک ہی کائیاں ہے ضرور دیکھ رہا ہوگا (راوی) اس میں کیا شک ہے ضرور بالضرور۔

آخر کار خواجہ بدیع الزمان صاحب بادل شاد ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں کچھ مویشی چر رہے تھے۔ ایک آدمی سے پوچھا۔ اسم مبارک ایں موضع چیست۔ وہ اِن کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر پوچھا کہ در صورت من بدیع چہ می بینی۔ مانا کہ ہم خوبصورت مردے ہستم اما بامنت چہ داری و چرانہ گفتی کہ اسم شریف۔ بن ویار ناہنجار چیست۔ وہ سمجھا کوئی دیوانہ ہے مسکرا کر کہا تم کون ہو؟ اور کہاں سے آتے ہو۔ خوجی نے کہا تمہاری بولی نہیں سمجھتے۔ الغرض نہ یہ ان کی سمجھے نہ وہ اُن کی سمجھے۔ خوجی مسکرائے فرمایا۔ وہ میری سنتا نہیں بجا ہے۔ میں اُس کی سنتا نہیں مزا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں خوجی نے دیکھا کہ سامنے ایک سپاہی اِن کی طرف اشارہ کر کے پکارتا ہے غور کر کے دیکھا تو تُرکی۔ جان میں جان آئی۔ فوراً یابو کو خیز کیا۔ اور غُل مچا کر کہا۔ آن پہنچے آن پہنچے خواجہ بدیعا آن پہنچے۔ ترکی سپاہی نے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔ خواجہ صاحب بہت ہنسے۔ کیوں اُستاد سچ کہنا۔ کیسے آن پہنچے۔ پوچھا فوج کہاں ہے۔ کہا یہاں سے آدھ میل پر۔ خواجہ صاحب نے یہاں سے آن پہنچے آن پہنچے کا غُل مچانا شروع کیا۔ آئے آئے خواجہ بدیعا آئے۔ یا الہٰی خواجہ بدیعا کیا آئے، گویا زلزلہ آیا۔ بلا نازل ہوئی یا کسی کے سر پر لونا چماری کھیلنے لگی۔ آتے صاحب آئے آئے آئے کی ایک ہی کہی۔ الغرض بہزار خرابی خوجی فوج میں پہنچے، پھر غُل مچا کر کہا۔ آن پہنچے شیرانِ شیر۔ غازی کئی سپاہیوں اور سواروں سے ہاتھ ملایا۔ اور بڑی خوشی سے پوچھا کہ آزاد کا حال بھی کچھ سُنا۔ ایک افسر نے رو کر کہا۔ بھائی خبر آئی ہے کہ آزاد مار ڈالے گئے۔ یہ سُنتے ہی بہ آواز بلند ہائے کہ خواجہ بدیع زمین پر گر پڑے۔ خدا ہی خیر کرے۔ کیا بُری بات سُننے میں آئی۔ اُف! غضب ہی ہوگیا۔ آزاد پاشا بیچارے مار ڈالے گئے۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے۔ یا الہٰی یہ خبر غلط ہو۔ مگر افسوس ہے کہ ایسی خبر غلط کم نکلتی ہے۔ افوّہ! مس میڈا کا کیا حال ہوگا۔ حسن آرا بیچاری دردِ دل کس سے کہے گی ہائے ستم وائے ستم۔ ع

دردیست اجل کہ نیست درمان اورا

بیلا اور چنبیلی کی کہانی مغلانی کی زبانی

عروس مہ لقا حسن آرا بیگم اور اُن کی گلبدن اور غنچہ دہن بہنیں گیند کھیل کے باغ کے چبوترے پر بیٹھیں۔ جہاں آرا اور گیتی آرا گیند کھیلتے کھیلتے کسی قدر تھک گئی تھیں۔ حسن آرا اور سپہر آرا کے ابھی تک وہی خم دم تھے۔ ایک بوڑھی مغلانی نے کہا۔ حضور گیند تو جیسا کہ نور جہاں بیگم کے وقت میں کھیلا گیا، ویسا کسی شہزادی کے وقت میں نہیں کھیلا گیا۔ حضور نور جہاں بیگم ایک صوبہ دار کی بیوی تھیں۔ مگر اس قدر قبول صورت اور ہنسمکھ کہ جہانگیر بادشاہ دیکھتے ہی ریجھ گئے۔ بس ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ نور جہاں اپنی ماں کے ساتھ محل میں گئی۔ جہانگیر اُس زمانے میں ولی عہد تھے۔ مرزا ولی عہد بہادر کی اُس پر آنکھ پڑی۔ گو تیرھواں چودھواں سال نور جہاں کا تھا۔ اُٹھتی جوانی، شباب کا عالم۔ جہانگیر نے اشارہ بازی شروع کی تو نور جہاں نے گردن نیچی کر لی۔ کسی قدر شرمائیں اور گردن نیوڑھا کر لجانے لگیں۔ نور جہاں کی ماں نے دیکھ لیا۔ اپنی بیٹی سے بہت خوش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئیں کہ بادشاہ زادہ تک سے التفات نہ کیا۔ اسی وقت سب کے سامنے بیٹی کی پیٹھ ٹھوکی اور کہا مہرالنسا شاباش۔ حسن آرا نے بات کاٹی اور پوچھا مہرالنسا کون تھی۔ مغلانی نے کہا نور جہاں تو بادشاہ نے نام رکھا تھا پہلے تو مہرالنسا خانم نام تھا۔ بادشاہ نے نور محل نام رکھا۔ اس کے بعد نور جہاں بیگم حضور خاص ایران کی رہنے والی تھیں۔ جب ہم کربلائے معلّیٰ کی زیارت کو گئے تھے تو وہاں یہ سب ذکر سُنا تھا۔ (راوی۔ دریں چہ شک) حضور قندھار میں یہ لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر ماں باپ ایسے مفلس ہو گئے تھے کہ ٹکا پاس نہ تھا۔ لاچاری کے درجے کو کیا کرتے۔ اپنی پیاری بیٹی کو وہیں چھوڑ دیا۔ خدا کی شان۔ ایک سوداگر نے اس کو اُٹھا لیا۔ اور اُس کی ماں سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اس کو گود بٹھا لیں۔ ایلو، اُنھوں نے مُنہ مانگی مراد پائی۔ سوداگر بچّے نے اسی لڑکی کی ماں کو انّا مقرّر کر دیا۔ ماں کی ماں اور کھلائی کی کھلائی۔ اب حضور جو اگر اس وقت کسی سے کہتے کہ یہ لڑکی شہنشاہ بادشاہ کے محل میں ہوگی۔ اس کے نام کی فریادی دہائی دیں گے تو کہتا کہ اس کو خللِ دماغ ہے کہ نہیں۔ مگر حضور ایسا کچھ ہوا کہ وہی چھوکری اللہ کی عنایت سے نور جہاں بیگم ہوئی تو حضور ایک دن بُلبُل کو پھولوں کی شاخوں پر بیٹھا دیکھ کر نور جہاں نے بادشاہ سے کہا۔ دیکھو یہ بُلبُل کس کس طرح شیدا ہو رہی ہے۔ عشق اس کو کہتے ہیں۔ بس نور جہاں نے اُٹھ کر ایک شاخ کو جُھکایا تو دو پھول ٹوٹ کے گر پڑے۔ ایک پھول نور جہاں نے لیا۔ دوسرا بادشاہ کو دیا۔ دونوں گیند کھیلنے لگے۔ بس پھر جو شوق بڑھا تو اس قدر کی کثرت بہم پہنچائی کہ جمنا کے اُس پار بادشاہ اس پار بیگم یہ گیند اُچھالتے تھے۔ وہ روکتی تھیں۔ وہ اُچھالتی تھیں، یہ روکتے تھے۔ یہ ٹھُمری جب ہی سے مشہور ہے۔ کھیلت گیند گر د جمنا بیچ۔ اری کیا جمنا سوں پار گیو۔ حضور اس وقت اپنی جوانی یاد آگئی۔ دونوں کوٹھے پر جا کر کس کس طرح سے تانیں لگاتی تھیں۔ سُوتوں کو جگاتی تھیں۔ اب گالوں پر جُھرّیاں پڑ گئیں۔ نہ کھانے کا مزہ۔ نہ گانے کا مزہ۔ لڑکپن کھیل کر کھویا۔ جوانی نیند بھر سویا۔ بوڑھاپا دیکھ کر رویا۔ نبی جی آسرا تیرا۔ ہاں تو حضور ایک دن چاندنی رات میں چکوے اور چکوی کی طرح، دونوں عاشق اور معشوق بادشاہ اور بیگم گیند کھیل رہے تھے، ایک مصوّر نے تصویر اُتاری تو حضور بس تصویر گھورنے کے قابل ہے گیند روکنے کے وقت جو جھجک ہوتی ہے، وہ اس طرح پر ظاہر کی ہے کہ بس میں کیا عرض کروں، مرد کی جھجک کو اور طرح پر ظاہر کیا ہے۔ اور بیگم صاحب کی جھجک کو اور طرز پر سو برس کے ایک مرزا مرزا کرکے ہیں۔ بمصوّر، سات پیڑھیوں سے اُن کے ہاں تصویر بنتی آتی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں صبح شام اُس تصویر کو دیکھ لیا کرتا ہوں۔ بس یہ بات نہیں حاصل ہوئی۔

مغلانی نے اس خوبصورتی سے یہ روایت بیان کی کہ سپہر آرا بیگم کے دل میں ایک نئے قسم کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خیال پیدا ہوا۔ سوچنے لگیں کہ اگر اس قدر کی عنایت سے ہمایوں فر بہادر کے ساتھ نکاح ہوا، تو ہم بھی اسی ندی پر گیند کھیلیں گے۔ ہمایوں فر اس طرف ہوں گے ہم اُس طرف وہ پھینکیں گے ہم گیند روکیں گے ہم پھینکیں گے وہ روکیں گے اور جو کوئی مصور دیکھ لے تو بڑی دل لگی ہو۔ سپہر آرا بیگم کے ان خیالات سے ان کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔

اتنے میں ہیرا مالی گلدستہ بنا کر لایا۔ حسن آرا کی خدمت میں پیش کیا۔ سپہر آرا نے جھڑک کر کہا، ہیرا تم بڑے بدتمیز ہو۔ اتنی بے ادبی نہ چاہیے۔ بھلا حسن آرا بڑی ہیں، یا جہاں آرا ہیرا نے ہاتھ جوڑ کر بصد ادب جواب دیا۔ حضور غلام نے تو بیچوں بیچ میں گلدستہ رکھا۔ حکم ہو تو دو چار دس بیس جتنے کہیے ابھی بنا لاؤں (امیر تھوڑا ہی ہوں) جہاں آرا مُسکرا کر بولی۔ ہیرا ویسا گلدستہ بناؤ جیسا ہمایوں باغبان نے پیش کیا تھا۔ اُس کے پھولوں کی بو باس ہی اور تھی۔ اس گلدستہ میں وہ بات کہاں۔ وہ رنگت نہ وہ خوشبو، کیا جانے کیا بات تھی۔ کیوں نہیں (سپہر آرا کی طرف مخاطب ہو کر) تمہیں بھی پسند تھا؟ سپہر آرا نے جھلا کر کہا ہاں تھا تو پسند۔ پھر جب دیکھو چھیڑتی ہیں۔ ہمایوں باغبان، ہمایوں باغبان۔ ہمایوں کا نام ورد زبان ہو گیا۔ جیسے بچے کو زبان آتی ہے، گیتی آرا نے بھی اپنی بہن کا ساتھ دیا۔ کہا سنو سپہر آرا بیگم یہاں سب سے زیادہ تم ہی ہمایوں باغبان کے نام پر چڑھتی ہو۔ ہے کہ نہیں اچھا پھر کوئی سبب ہے۔ وجہ کیا کہ اور کوئی نہیں چڑھتی۔ بڑی دیر تک دل لگی اور چہل رہی۔ سپہر آرا نے چپکے سے چٹکی لی۔ جہاں آرا جھجک کر بولیں۔ اوئی توبہ توبہ! میں ڈر گئی اس وقت میں سمجھی سوئی چبھ گئی، یا کسی موذی نے کاٹا۔ اس پر بڑی ہنسی ہوئی۔

حسن آرا نے کہا۔ واہ بس ذرا سی چٹکی لینے میں ڈر اٹھیں۔ کیسا کانپتی ہیں۔ توبہ!

سپہر آرا بولی اور ہم کو اُس دن ہنسی تھیں، کہ نکٹی سے ڈر گئیں۔ وہ تو بھلا خیر، شیر کی خالہ ہے، چٹکی کس کی خالہ ہے جس سے یہ ڈریں۔ کس زور سے اوئی کی۔

گیتی آرا بولیں ہاں باجی اس وقت تو تم نے اس زور سے اوئی کی کہ میں خود دنگ ہو گئی۔

جہاں آرا نے کہا ہم کوئی سپاہی تو ہیں نہیں۔ عورت ذات اچانک میں انھوں نے چٹکی لی۔ ہم کو کسی اور کا شک ہوا۔ اللہ جانتا ہے میں سمجھی کہ رسی ہے، اور اُس سے میری جان ہی نکلتی ہے۔

حسن آرا مُسکرا کر بنانے لگیں۔ اللہ نے بہت بچایا بہن (ہنس کر) اُف بہت بچیں۔ تینوں بہنوں نے ان کو چٹکیوں پر اُڑایا۔ جہاں آرا جھلا جھلا کر رہ جاتی تھیں۔

مغلانی نے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کر جوانی کو رونا شروع کیا، اور لفاظی پر آئیں تو شعر خوانی بھی کرنے لگیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرا ہم چنیں چہرہ گلفام بود

بلورنیم از خوبی اندام بود

حُسن آرا متحیّر ہوئیں۔ ایں! بی مغلانی تم بھی فارسی پڑھی ہو۔ یہ تو بوستان کا شعر ہے۔ مغلانی فخر کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، اور یوں زمزمہ سنج بیان ہوئی۔ ارے حضور کسی زمانے میں ہم بھی کچھ تھے اب کیا وہ دن گئے اب حلوے کھانے کے دن ہیں۔

اتنے میں سپہر آرا بیگم نے باسرار کہا۔ بی مغلانی کوئی کہانی کہو مغلانی نے پوچھا۔ کس کی کہانی کہوں۔ گُل باصنوبر چہ کرد۔ لیلیٰ مجنوں کی چڑیاں کی بندی چھڑا دو۔ بڑھئی اے بڑھئی تیرا کیا نام ہے۔ اِن کہانیوں میں کون پسند ہے۔ سپہر آرا نے مُنہ بنایا اب ہمیں کیا معلوم کہ کون کہانی کیسی ہے۔ پر بیتی نہ کہو اپنی بیتی کہو۔ اِس پر مغلائی مُسکرائیں اور سپہر آرا کے کان میں خدا جانے کیا کہا، کہ وہ جھیپ کر مغلانی کو صلواتیں سُنانے لگیں۔ سر ہلنے لگا مگر چُہل میں بند نہیں ہو۔ خبردار جو آج سے پھر کبھی ایسی بات کہی۔ مغلانی نے یہ کہانی شروع کی۔

ایک ملک کے بیچ میں دو عاشق معشوق تھے۔ بیلا اور چنبیلی۔ بیلا اِس قدر قبول صورت جوان گبھرو تھا کہ جو عورت دیکھتی تھی، اُس کی نگاہ کی گھائل ہو جاتی تھیں۔ چنبیلی کی سی پری کسی نے آنکھوں نہیں دیکھی تھی۔ ایک دن بیلا گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا کھانے نکلا تو جھروکے سے چنبیلی نے اُس کی صورت دیکھی۔ بس ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ دیکھتے ہی سر پر ایک گل عبّاسی کا پھول مارا۔ (راوی) گل عبّاس کے پھول پر حُسن آرا اور جہاں آرا کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ حُسن آرا نے کہا بی مغلانی گل عبّاس کا پھول کیسا ہوتا ہے۔ جہاں آرا ہنسنے لگیں۔ سپہر آرا نے طعنے دینے شروع کیے۔ ارے واہ بی مغلانی۔ بوڑھی ہو گئیں مگر عقل نہ آئی۔ گل عبّاس کا پھول! اور جو خالی گل عبّاس کہتیں تو کیا ہرج تھا۔ گیتی آرا نے مغلانی کی طرف داری کی۔ اچھا پھر گل عبّاس کا پھول کہا تو کیا ہرج ہوا۔ شب لیلۃ القدر کی رات تو نہیں کہی۔ اِس چُہل کے بعد مغلانی نے یوں کہنا شروع کیا۔ بیلا کے سر پر جو پھول پڑا تو اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مگر کوئی نظر نہ آیا۔ ایں یہ پھول کس نے پھینکا؟ یا الٰہی! یہ پھول کدھر سے آیا۔ اوپر نظر کی تو چنبیلی نے چق کے قریب آن کر کہا۔ آپ کون صاحب ہیں؟ گرہستوں کے مکانوں کے اِرد گرد چکّر لگانا اور گھورا گھاری کرنا چہ معنی دارد۔ بیلا نے جُھک کر سلام کیا، چار آنکھیں ہوئیں تو وہ اِن پر عاشق یہ اُن پر فریفتہ۔ دونوں شیدا ہو گئے۔ آنکھیں ہوئیں چار تو دل میں آیا پیار۔ چنبیلی نے فوراً ایک پیش خدمت کو بھیجا۔ کہ اِس جوان کا مکان اور نام پوچھو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن آرا نے بات کاٹی۔ بی مغلانی بیلا تو عورتوں کا سا نام ہے۔ مردوں کا نام بیلا کیسا۔ مغلانی نے تڑسے جواب دیا۔ اے بیوی یہ کون تعجب کی بات ہے۔ کرم بخش عورت کا نام نہیں سُنا حسینی مرد کا نام نہیں سُنا یہ کون بڑے تعجب کی بات ہے۔ پھر کہانی شروع کردی۔ بس حضور،

عاشق و معشوق کا پوچھا پتا
جبکہ پہنچے کوئے جاناں کے تلے

راوی: خوجی کے بھی کان کاٹے۔ اچھی بے تکی اُڑائی۔ واہ!

مغلانی نے کہا حضور اُس نے اپنا نام بیلا بتایا اور کہا ہمارا مکان ایک شہر میں ہے جس کو گلستان کہتے ہیں۔

گلستان بوستان دونوں ہیں بھائی
سکندر نامے نے گولی چلائی

اس شعر پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ اس کے بعد مغلانی نے سپہر آرا کے ہاتھ جوڑے اور قبل اس کے کہ ہاتھ جوڑنے کی وجہ بیان کرے کہانی کا بقیہ حصہ یوں بیان کیا۔ بس پھر تو اوپر ہی اوپر پیغام آنے لگے۔ بیلا نے چنبیلی کے پاس پیغام بھیجا، چنبیلی نے بیلا کے پاس۔ اب سپہر آرا بیگم شرماتی ہیں۔ ہم اور کچھ نہ کہیں گے بس۔ سپہر آرا جھلّائیں۔ ہاتھ پٹک کر کہا اللہ تم سے سمجھے۔ بڑی وہ ہو مغلانی۔ مغلانی بولی۔ ایک دن چنبیلی اپنی بہنوں کے ساتھ گیند کھیلتی تھی۔ چنبیلی اور کیتکی اور جوہی اور نرگس۔ حُسن آرا نے تالیاں بجا کر کہا ہم سمجھ گئے۔ چنبیلی سپہر آرا، کیتکی میں۔ جوہی جہاں آرا بہن۔ نرگس گیتی آرا بہن، اور بیلا۔؟

بیلا کون ہے مغلانی۔ اخاہ۔ بس اب سب کہانی معلوم ہوگئی۔ بیلا ہمایوں فر۔ سپہر آرا کسی قدر شرمائی۔ تنک کر بولی پھر چنبیلی تم بنو۔ وہ بیلا تم چنبیلی۔ حُسن آرا نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کی چنبیلی اس کو مبارک رہے۔ مغلانی بہت ہنسی اور پوپلے مُنہ سے بولی تو حضور چاروں بہنیں گیند کھیل رہی تھیں۔ چاروں کی چار، کم سن، برس چودہ چودہ پندرہ پندرہ سولہ سولہ برس کی۔ اور چاروں کی چاروں تیز اور ایک سے ایک حسین۔ چنبیلی کا دوپٹہ بلی لوٹن رنگ کا تھا۔ اس رنگ کے نام پر چاروں بہنوں کے کان کھڑے ہوئے۔ مغلانی سے پوچھا بلی لوٹن کون رنگ ہے۔ کہا حضور یہ رنگ اس زمانے میں ایجاد ہوا تھا۔ شربتی کے رنگ کے مثل ہوتا تھا۔ اور اس طرح کی خوشبو آتی تھی کہ آدمی مست ہو جاتا تھا اور جو بلی سونگھتی تو لوٹنے لگتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب سُنیے کہ سپہر آرا نے اپنے دوپٹے کو جب رنگوانے کے لیے بھیجا تھا تو حکم دیا تھا کہ اس میں خوشبو ضرور ہو۔

بڑی مغلانی نے جو دیکھا کہ اس کہانی کو سب نے پسند کیا تو کچا چٹھا بیان کیا۔ حضور بس رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ چنبیلی نے بیلا کو صاف صاف لکھ بھیجا کہ میاں کیا جھوٹی باتیں بناتے ہو۔ سب ڈھکو سلا ہی ڈھکو سلا ہے۔ پیغام تو تمہاری طرف سے آتا ہی نہیں۔ (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) اے ہے۔ میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ نئی بات سُننے میں آئی آج تک دُلہن نے کبھی کسی کو لکھا تھا۔ بھلا کہ تم پیغام بھیجو تو شادی ہو۔ مگر چنبیلی کا عشق اوروں کے عشق سے بڑھا ہوا تھا۔ وہ کہہ گذریں۔

سپہر آرا دنگ ہو گئیں یا الٰہی اس سے کس نے کہہ دیا۔ چپکے سے ہمایوں فر کے نام خط لکھا تھا۔ مغلانی سے کس نے کہہ دیا۔ حُسن آرا نے گردن نیچی کر لی۔ گیتی آرا ہنسنے لگیں۔ جہاں آرا بیگم نے سپہر آرا کی طرف دیکھا۔ کہا واہ بہن واہ۔ شاباش ہے۔ ایسی ہی چاہیے ابھی امّی جان سُن لیں تو توبہ ہی بھلی۔ خدا جانے کیا کا کیا کر ڈالیں۔ بس خیر اسی میں ہے کہ اُن تک خبر نہ پہنچنے پائے۔ بی مغلانی کہیں اُن کے سامنے نہ بک دینا۔ ایسا نہ کرنا کہ وہ بھی بگڑ کھڑی ہوں اور بد دماغ ہو جائیں۔

اب سُنیے کہ بڑی بیگم صاحب یک پوشیدہ مقام سے کل کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ بیلا اور چنبیلی کی کہانی سُن کر ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ سوچیں کہ اللہ اللہ یہ چھوکریاں ایسی چل نکلی ہیں کہ اب مردوں سے پیغام ہوتے ہیں کہ ہمارے نکاح کے لیے پیغام بھیجو۔ جی میں آیا کہ جا کر بخار نکالیں مگر سوچیں کہ بڑی لڑکی سے دو بدو گفتگو کرنا فضول ہے پھر سمجھا جائے گا۔

مغلانی کی چھوکری پیاری نے بڑی بیگم کو دیکھ لیا۔ چاہتی تھی کہ کسی طرح حُسن آرا اور جہاں آرا وغیرہ پر ظاہر کر دے۔ مگر موقع نہ تھا۔ ادھر یہ چاروں بہنیں کھل کھلاتی تھیں۔ اُدھر بڑی بیگم دانت پیس پیس کر رہ جاتی تھیں۔ مہری جوان کے ساتھ تھی کانپ رہی تھی کہ بوڑھی مغلانی ناحق صاف صاف کہہ رہی ہے۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ بڑی بیگم سنتی جاتی ہیں۔

اتنے میں عباسی مہری نے گانا شروع کیا۔ موری انکھیاں پھڑکن لاگیں رے نہیں آتے یار کدھر ڈھونڈھوں سیّاں، موری انکھیاں پھڑکن لاگو رے۔

مغلانی: یہ تو پرچ ہے نہ۔ موری انکھیاں پھڑکن لاگو رے۔

عباسی: ہاں پرچ۔ اصل پرچ۔ اچھا رات کی پوڑیا بتا سکتی ہو۔

مغلانی: اوئی۔ رات کی پوڑیا؟ ارے پوڑیا کیسی۔ ہم نہیں سمجھے کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی: اے پوڑیا نہیں کیا پنساری کی دکان ہے۔ رات کی پوڑیا۔
جہاں آرا: آؤ سپہر آرا سب مل کر مناجات پڑھیں۔ وہی کل والی پڑھو۔
گیتی آرا: آہستہ آہستہ گائیں گی اس میں اماں جان نہ سُن پائیں۔ چاروں بہنیں مل کر گانے لگیں۔

جواہر تو بخشی دلِ سنگ را | تو بر روے جوہر کشی رنگ را
نبار و ہوا تا نگوئی ببار | زمین نا رود تا نگوئی بیار
ز گرمی و سردی واز خشک و تر | سرشتی باندازہ در یک دگر
مہندس بسے جو ید از راز شان | نداند کہ چوں کردی آغازِ شان
کواکب تو بر بستی افلاک را | بھر دم تو آراستی خاک را
حصارِ فلک بر کشیدی بلند | در و کردی اندیشہ را پائے بند

بڑی بیگم صاحب سے نہ رہا گیا۔ کہا ذرا آواز سے گاؤ۔ محلّے والے دیوار کے اُدھر سے سُنیں تو کھڑے ہو کر کہیں کہ بیگمیں گا رہی ہیں۔ مگر عاشق کی آواز سب سے زیادہ پیاری ہے۔ اے ہے بس اس قدر سُننا تھا کہ سب کٹ گئیں۔ چپ خاموش زبان ہلانا کیسا۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

بڑی بیگم نے کہا۔ اب چپ کیوں ہو رہیں۔ گاؤ۔ پہلے جو چیز عبّاسی خانم نے شروع کی تھی۔ وہ خوب ہے۔ عبّاسی خانم کے لفظ پر چاروں بہنیں اور عبّاسی اور مغلانی چپکے چپکے ہنسنے لگیں۔ گیتی آرا کو اس قدر ہنسی آئی کہ زور سے ہنس پڑی۔ حُسن آرا نے چٹکی لی اور آہستہ سے کہا۔ چپ چپ ہے ہے۔ یہ کیا غضب کرتی ہو یہ آئیں کدھر سے اور کیا جانے کھڑی کیسے ہیں۔ بڑی بیگم نے کہا یہ ماجرا کیا ہے۔ ہمارے آتے ہی سناٹا ہو گیا۔

گو سپہر آرا بیگم بڑی بیگم صاحب کے مزاج میں اور سب لڑکیوں سے زیادہ دخیل تھیں۔ مگر اس وقت ایسی خفیف ہوئیں کہ پیشانی پر پسینے آ گئے۔ جہاں آرا نے دیکھا کہ بات بالکل بگڑی جاتی ہے۔ اب سکوت اچھا نہیں۔ حسن آرا کے کان میں کہا اب تو ہم جا کے امّی جان سے لڑتے ہیں۔ آخر ہم نے کیا کیا۔ بیلا چنبیلی کی کہانی کوئی گناہ نہیں۔ کہانی سننا کوئی عیب نہیں۔ ہنسنا کوئی عیب نہیں۔ مناجات پڑھی تو کیا گناہ کیا۔ دیکھو تو کیسا آڑے ہاتھوں لیتی ہوں کہ امّی جان بھی خاموش ہو رہیں۔ حسن آرا نے کہا نہیں اب چپکی رہو۔ اس وقت اپنا ہی قصور ہے۔ جہاں آرا نے ایک نہ مانی۔ اُٹھ کر کہا امّی جان کیا ہے کیا ہے کیا۔ فرمائیے! بیگم بولیں میں کیا کہوں گی۔ اب کون سُننے کی کیا بات رہی۔ اب تو چنبیلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیلا کے نام خط بھیجنے لگیں، پیغام آنے جانے لگے۔ واہ ری قسمت (آہ سرد بھر کر) خیر، اچھا جو چاہو سو کرو۔ پھیری منہ پر ہوئی تو کیا کرے گا کوئی۔ جہاں آرا نے کہا، امّی جان اس کی تو بات ہی اور ہے، مگر کوئی سبب تو بیان کیجیے۔ یہ گانا کیسا ہو رہا تھا۔ جہاں آرا تیکھی ہو کر بولی۔ ہاں اِمناجات میں بھی کوئی عیب ہے۔ خدا رسول کا نام بھی کوئی نہ لے۔ جہاں آرا نے لاکھ کہا مگر بڑی بیگم پر رازِ سر بستہ کھل گیا۔

اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

لیجیے جنٹلمین آن پہنچے۔ کون جنٹلمین! فرسٹ کلاس جنٹلمین وہی ٹھاکر صاحب۔ اخاّہ حضرت ہیں۔ آپ کے دوست نے جو پٹی پڑھائی تو عقل کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھ گئی کہ کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ کمرے میں تنہا بیٹھے حقّہ پی رہے تھے۔ حکم تھا کہ بنگلے کے اِردگرد پاؤ کوس تک انسان کا پتا نہ ہو، بوئے عمرانیات ہرگز نہ آنے پائے۔ الٰہی خیر۔ جنٹلمین کیا ہوّا ہیں۔ یہ کیفیت تھی کہ کسی سے بولنا نہ چالنا۔ بات نہ چیت۔ منہ پھلائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ خدا خیر کرے۔ آج حضور گھر سے لڑ کے آئے ہیں۔

اب سُنیے کہ رفقا پھر دوسرے دن آئے۔ دربانوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اس کمرے کے قریب گئے جہاں فرسٹ کلاس جنٹلمین متمکن تھے۔ شیشے سے جو اُن کو دیکھا کہ دھوتی باندھے ہوئے ٹھاکر صاحب ایک کرسی پر اکڑوں بیٹھے ہیں۔ اے صلّ وجل دعویٰ تو یہ کہ ہم جنٹلمین ہیں اور جنٹلمین بھی فرسٹ کلاس مگر دھوتی بدستور اور سلامتی سے ابھی تک کرسی پر بیٹھنا نہیں نہ آیا۔ کل رفقا ان حضرت کی قطع شریف دیکھ کر ہنس پڑے۔ پھبتیاں ہونے لگیں۔

ایک نے کہا اے مارو کسی طرح اس کے پٹے کترنے چاہیں۔ ورنہ دماغ کی گرمی زیادہ ہوتی جائے گی۔ چار ابرو کا صفایا کرا دو۔ دوسرا بولا۔ اس وقت تو کرسی پر اس ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے۔ جیسے بکرے پر اینٹھا سنگھ بیٹھے ہیں۔ تیسرے نے یہ فقرہ چست کیا کہ ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ، بستر جما کر بیچارہ اگلے پچھلوں کو رو رہا ہے۔ چوتھے نے کہا بھئی واللہ ہم تو لکھنؤ کے کمہاروں کے **قائل ہیں۔** مٹی کو سان سون کے انسان کی صورت کا پتلا بنا دیا۔ اور واللہ سچ مچ کا آدمی نظر آتا ہے **مگر استاد** کمہار پھر کمہار ہے۔ داڑھی سے حال کھل گیا۔ کہ مصنوعی آدمی ہے۔ پانچواں ہنس کر کہنے لگا۔ **ذرا سا تو** قد آپ کا اور ریشِ مبارک تا بہ ناف معلوم ہوتا ہے۔ چوزی نگل گیا۔ یہ پھبتیاں ہو ہی رہی **تھیں کہ**

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تین چار خدمت گار بھی اس ٹکڑی میں شریک ہوئے۔ آؤ بھئی اچھی سنگم ہے۔ کہو تمہاری رسائی ہے یا تم بھی نظری ہو۔ اُنھوں نے کہا حضور ہمارا تو اب وہاں گذر ہی نہیں۔ اب تو بیرا اور خانساماں نوکر ہوئے ہیں۔ ہم لوگ کل دن بھر بے آب و دانہ اُسی بنگلے کے اِرد گرد چکر لگایا کیے۔ کسی نے نہ پوچھا کہ کون ہو۔ شام کو جب ٹھاکر صاحب ہوا کھانے نکلے، تو ہم لوگ جھک کر آداب بجالائے۔ پوچھا تم کون لوگ ہے۔ ہم نے کہا حضور کے دعاگو ہیں۔ حضور کی جان و مال کو دعا دیتے ہیں۔ خدمت گار ہیں سرکار کے۔ فرمایا وِل ہم کچھ نہیں جانتا۔ تم لوگ سے ہمیں کوئی کام نہیں۔ ہم بیرا اور خانساماں اور کُک نوکر رکھے گا۔ ہم نے خداوند! کُک کو بھاڑ میں جھونکیے۔ آپ کا رسیّا کیا بُرا ہے۔ باپ، دادا، پردادا سب باہمنوں کے ہاتھ کا پکا کھایا کیے۔ حضور کُک کی تلاش میں ہیں، اور بیرا بھلا ہم سے بڑھ کر کیا کام کرے گا۔ وہ سُنتے کس کی ہیں۔ جب ہم لوگوں نے بہت عرض کی اور چلپوں مچائی تو کہا۔ کوئی ہے؟ ان کو نکال دو۔ ایک بیرا آیا۔ چلو چلو، ہم نے کہا کچھ بیدھا تو نہیں ہے۔ آیا وہاں سے چلو چلو۔ چلیں کہاں؟ کہاں چلیں کہاں۔ ٹھاکر صاحب نے کھڑاؤں زمین پر دے پٹخی۔ چلا جاؤ۔ ہم نے کہا اوچھا یہ وزن ہی نرالا ہے اور جنٹلمین ہونے پر مرتے ہیں، مگر کھڑاؤں پاؤں سے نہ چھوٹے۔ یہ نہ ہوا کہ بوٹ ہوتا وارنش دار۔ رفقا سے باتیں ہوتی ہی تھیں کہ ٹھاکر صاحب نے گھنٹی بجائی۔ اور ایک بیرا آیا۔ فرمایا چائے لاؤ۔ چائے آئی۔ جب چائے سے فراغت پائی تو قصّہ خواں اور داستان گو بھی رفقا اور خدمت گاروں کے شریک ہوئے اب سُنیے کہ اتفاق سے ایک دروازہ کسی قدر کھلا تھا۔ ایک رفیق نے چُپکے سے کھول کر گردن اندر ڈالی۔ ٹھاکر صاحب حقّہ پی رہے تھے۔ کہا آداب عرض ہے۔ خداوند!

ٹھاکر: وِل تم کس طرف سے آیا۔ کس کا حُکم سے تم آنے مانگتا ہے۔

رفیق: خداوند حُکم کس کا اور حُکم کیسا۔ حضور کے وابستگانِ دامنِ دولت سے ہیں۔ میں سعد اللہ ہوں خداوند! پہچانا حضور نے؟

ٹھاکر: وِل (پاؤں زور سے زمین پر جھٹک کر) ہم نہیں جانتا کچھ۔

رفیق: تو حضور غلام تو آپ کو جانتا ہے۔ حضور بھول جائیں چاہے۔

اتنے میں ایک بھانڈ آیا۔ رفقا اور خدّام وغیرہ کو دیکھ کر کہا، اجی ہم جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر بھانڈ بھی اُسی دروازے سے کمرے میں داخل ہوا۔ دیکھتے ہی ٹھاکر صاحب آگ ہو گئے۔ جیسے جلتے جلتے چونے پر پانی چھڑک دیا ہو۔ وِل تم کون ہے (میز پر زور سے ہاتھ مار کر) وِل تم لوگ کس ماپھک صاحب کو دِک کرتا ہے۔ بھانڈ نے توند پر ہاتھ رکھ کر کہا میرے گھوڑے کی کچھ نہ پوچھو (اچک کر) ہَیں، ہَیں، ہیں، ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دو باگے ہیں، دو باگے ہیں۔ اور بچھڑا نو ماں کے پیٹ ہی سے پُھد کتا نکلا تھا۔ ٹھاکر صاحب فرسٹ کلاس بھانڈ پر رول لے کر دوڑے۔ بھانڈ لوٹنے لگا۔ اور لوٹ لوٹ کر یوں کہنا شروع کیا۔ چھوٹی سی ڈھلکی چھوٹا سا بھانڈ۔ ٹوٹ گئی ڈھولکی لوٹ گیا بھانڈ۔ غل کی آواز سُن کر چپراسی اور بیرا دوڑ آئے اور فرسٹ کلاس جنٹلمین نے آسمان سر پر اُٹھایا۔ تم لوگ سب برطرف۔ بیرا بھی برطرف خانساماں بھی برطرف۔ چپراسی بھی برطرف۔ بھانڈ نے کہا۔ او ہو ہو، صدقے جاؤں۔ حضور غلام کی نسبت کیا حکم ہے۔ فرمایا تم بھی برطرف۔ رفقا ہوتے ہوتے داخل ہوتے اور حضور ہم لوگ؟ کہا تم بھی برطرف۔ ارے!! ارے توبہ! حضور اب کس کے ہو کے رہیں۔ کھانے کو کون دے گا۔ خداوند ہم لوگ خانہ زاد ہیں۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین نے ان سب کو نکلوا دیا اور آدمیوں پر تاکید کی کہ خبردار بغیر اطلاع کے ہمارے پاس کوئی نہ آنے پائے۔ شام کو ٹھاکر صاحب نے کئی حکم لکھے۔ صبح کو خدّام کو طلب کیا اور کہا ان حکموں کی کل سے پابندی کرنا۔ خبردار فرق نہ آنے پائے۔

1۔ ٹھاکر صاحب کوئی نہ کہے۔ فقط صاحب کہے۔ ورنہ دو گھنٹے کی تنخواہ جرمانہ۔

2۔ جب ہم کہیں کوئی ہے تو جواب دو، حاضر خداوند، حاضر خداوند۔

3۔ ہم ہندوستانی لوگ کے طور پر نہیں رہے گا۔ صاحب لوگ کے طور پر رہے گا۔

4۔ ہاتھ سے سلام نہ کرے گا۔ بڑے کو دیکھے گا تو ٹوپی اُتارے گا۔ اور چھوٹے کو دیکھے گا تو گردن ہلائے گا۔ برابر والے سے صاحب ہاتھ ملائے گا۔

5۔ تم نوکر لوگ جب سلام کرو تو گردن نیچی رکھو۔ اُوپر مت دیکھو۔

6۔ باورچی کو رسّیا نہ کہنا۔ کُک کہنا۔ ورنہ جرمانہ ہو گا۔

7۔ کہار کو کہار نہ کہو۔ بیرا کہو۔ اور گھسیارے کو گراس کٹ۔

8۔ گھر کا لوگ کو ٹھکرائن مت بولو۔ ہمارا نام پیچھے لو۔ پہلے مسٹر کہو۔

9۔ میم صاحب کی پیش خدمت کہاری بارن کو آیا بولو۔ سمجھا تم؟ نوکروں نے کہا ہاں ٹھاکر صاحب سمجھے۔ ارے بس ستم ہو گیا۔ ٹھاکر صاحب بہت ہی جھلائے۔ ٹھاکر صاحب ٹھاکر صاحب۔ کون ٹھاکر صاحب۔ تم لوگ پر جرمانہ۔ ایک حاضر جواب بیرا نے کہا خداوند اس حکم کی پابندی تو کل سے ہو گی آج تو ہم جو چاہیں سو کہیں۔ اس فقرے سے کسی قدر ٹھنڈے ہوئے۔

دو تین ہفتے میں فرسٹ کلاس جنٹلمین نے دھوتی پھینکی۔ پتلون ڈانٹا۔ کُرتا اور انگرکھا اُتارا۔ شرٹ اور دو لیٹ کوسی اور بوٹ پہنا۔ ترش تراشا کر پورے جنٹلمین بن گئے۔ ایک بازار میں گھوڑے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر سوار ہو کر نکلے تو کاٹھی سے دو انگل اُدنچے۔

جو کی تقلید خسرو کی نو کار کو ہکن بگڑا
چلا جب چال کو آ ہنس کی اس کا چلن بگڑا

اُنگلیاں اُٹھنے لگیں کہ وہ فرسٹ کلاس جنٹلمین جاتے ہیں۔ کوئی کہتا تھا نئے بگڑے ہیں۔ کوئی کہتا تھا ٹھان ہے ٹھان ہے۔ کسی نے کہا بیٹ کھا گیا ہے۔ کسی نے کہا۔ بس اب ایک آنچ کی کسر ہے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین ایک روز ڈوگڑی پر سوار ہو کر ایک سوداگر کی کوٹھی ہیں گئے۔ صاحب نے دگڑی اور شان اور ٹھاٹھ دیکھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔ ٹھاکر صاحب نے جاتے ہی پوچھا آپ کے ہاں پُرانی اسکاچ وہسکی ہے صاحب نے کہا۔ ہاں بہت پُرانی وہسکی۔ پوچھا قیمت کہا چودہ روپیہ بوتل فرمایا۔ اچھا ایک درجن ہمارے بنگلے پر بھیج دو صاحب نے فوراً حکم دیا۔ ادھر اُدھر اشیا کو دیکھ کر ایک آئینہ پسند کیا۔ پوچھا اس کی کیا قیمت ہے کہا سات سو۔ حکم ہوا کہ یہ بھی بھیجو ایک جوڑی لمپ کی پسند کی، تین سو روپیہ۔ شراب کے گودام میں جا کر ایک ہزار کی شراب خریدی۔ اب سُنیئے کہ جو درجن وہسکی کی چودہ روپیہ بوتل کے حساب سے ایک سو اڑسٹھ ہوئے اور یہی وہسکی چھیالیس روپیہ درجن ملتی تھی۔ سوداگر نے ان کو جانگلو سمجھ کر خوب اُلّو بنایا۔ دو سو بیس کا آئینہ سات سو کو دیا۔ لمپ کی جوڑی ایک سو روپیہ کی تھی۔ الغرض سوداگر نے خوب ٹھگا اور شراب میں تو اُس نے دونوں ہاتھ سے لوٹا۔ سوداگر نے کہا جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً لکھ بھیجیے ہم اُسی دم بھیجیں گے۔ سوداگر صاحب بہت خوش ہوئے۔

فرسٹ کلاس جنٹلمین رفتہ رفتہ ایسے بے باک ہوگئے کہ گاڑی میں بوتل رکھ کر سر بازار برانڈی اور وہسکی اڑانے لگے۔ جس طرف نکل جاتے تھے، لوگ اُنگلیاں اُٹھاتے تھے کہ نئے بگڑے ہوئے وہ تشریف لاتے ہیں۔ جنٹلمین نے پُرانی پوشاک کے عوض جو نیا لباس ڈانٹا تو اپنی برادری میں بدنام ہوگئے۔ لوگ حرف رکھنے لگے۔ ایک روز موٹے کپڑے پہنے ہوئے بازار میں جاتے تھے۔ ایک عزیز اپنے گھر لے گئے۔ وہاں عورتوں نے ان کی قطع مبارک دیکھ کر ہنسنا شروع کیا۔ دو سوتی کا پتلون۔ دری کا کوٹ۔ قالین کا شرٹ۔ ٹھاکر صاحب نے حقّہ پینا چھوڑا۔ چرٹ اور سگار اور پائپ پینے لگے۔ چار پانچ مہینے کے بعد یہ کیفیت ہوئی کہ ہندوستانیوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ ہندوستانیوں کی خبر ہوئی اور کہا کہ دو فرصت نہیں ہے۔ جو ایک دفعہ گیا وہ پھر دوسری بار نہیں گیا۔ انگریزوں سے ملاقات نہ ہوا چاہے ایک دن ایک میم صاحب نے نیلام میں ان سے کہا کہ آپ اس کمرے میں چرٹ نہ پئیں۔ اُنھوں نے اس کے جواب میں کہا۔ بہت اچھا صاحب اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھاکر صاحب مطلق نہ سمجھے کہ ان لوگوں نے قہقہہ کیوں لگایا۔

ٹھاکر: (ایک یوروپین سے) وِل ہم صاحب لوگ کے مثال ہیں۔ ہندوستانی نہیں۔

یوروپین: وِل آپ کس ملک کا ہے۔ انگلینڈ۔ اسکاٹلینڈ۔ آئرلینڈ۔ کس ملک کا۔

ٹھاکر: ہم ہیں تو ہندوستانی مگر مثل انگریزوں کے معاشرت کا طرز ہے۔

یوروپین: لیکن افسوس ہے کہ آپ ہیم کو صاحب اور صاحب کو ہیم کہتے ہیں۔

ٹھاکر صاحب سمجھے اور سخت خفیف ہوئے مگر جو کہا وہ کیا جو بات زبان سے نکلی وہ نکلی اب کیا ہوسکتا ہے۔ اس شرم کو مٹانے کے لیے ٹھاکر صاحب نے نیلام میں بولی شروع کر دی۔ کسی نے کہا ستّو آپ بولے سوا سو کا گھوڑا دو سو کا لیا۔ پچاس کی چیز کے ستّر بول دیے دو چار صاحبوں نے مل کر بنانا شروع کیا۔ ایک وَل آپ بہت کم بولی بولتا ہے۔ اس کم بولی میں یہ چیز چھوٹ جاتا ہے۔ اور اس کا کیا سبب ہے کہ لوگ کے نام چیز نہیں چھوٹتا۔ ٹھاکر صاحب نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ ہم کو سب لوگ امیر کبیر سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کوئی دس کہے گا پھر ہم پچاس بولیں گے کوئی سو کہے گا تو ہم دو سو کہہ دیں گے۔ کوئی ہم سے بڑھ کر جائے گا کہاں۔ جس کو آزمانا ہو آزما لے۔ آئیے اس گھوڑے پر کوئی ہزار بولے تو ہم دس ہزار بولیں۔ یہاں بھی فرسٹ کلاس جنٹلمین کو یار لوگوں نے خوب بنایا۔

کئی سو کا غچّا کھا کر گھر گئے مگر دل میں خوش کہ آج ہمارا نام ہو گیا۔ ہمارے مقابل کا کوئی نہیں نکلا۔ جس نے مقابلہ کیا اس کو نیچا دکھایا۔ ہم وہ ہیں۔ راہ میں ان کے دوست ان کو ملے۔ وہی جنھوں نے ان کو خراب کیا تھا۔ فوراً گاڑی روکی۔ دوست کو بٹھایا اور راہ میں فخریہ کہتے چلے کہ اب ہم ہندوستانیوں سے بالکل نفرت کرنے لگے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ صاحب لوگوں سے ملیں۔ اور مثل صاحب لوگوں کے ملیں۔ دوست نے ان کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا خبردار جو ہمارے سوا کسی اور سے صلاح لی۔ بس جو کچھ صلاح لو تو ہمیں سے لو۔ آپ صاحب لوگوں سے ملیے تو اس طرح پر کہ اُن کی دعوت کیجیے صاحب لوگوں کو اپنے ہاں بلوائیے۔ تپاک بڑھائیے۔ نیلام میں سب سے بڑھ کر بولی بولیے۔ ٹھاکر صاحب نے فخر کے ساتھ کہا۔ واہ وا آپ ہم کو کوئی ایسا ویسا سمجھتے ہیں۔ اجی حضرت یہاں نیلام میں سب سے بڑھ کر بولی بولے۔ بھلا کوئی کہہ تو دے کہ ہم سے بڑھ کر بولی بولا۔ ایک ٹمٹم گھوڑے کے لوگوں نے دو سو روپیہ آن کے نیلام ہونے لگا تو تین سو آخری بولی تھی۔ ہم نے بڑھ کر کہا ساڑھے تین سو۔ بس سب کے چھکے چھوٹ گئے۔

راوی: اے سبحان اللہ کیا دانائی کا فعل کیا آپ نے پھٹکارا ہمیں پھر وہی شعر یاد آتا ہے۔ اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نتیجہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کوہکن بگڑا
چلا جب چال کوا ہنس کی اُس کا چلن بگڑا

ہندوستانیوں سے ملنا چھوڑا۔ صاحبیت کی لینے لگے۔ انگریزی کپڑے پہننے میں کوئی قباحت نہیں۔ کوٹ پتلون اور شرٹ ہو۔ مگر یہ تو نہ ہو کہ ہندوستانیوں کو گالیاں دیجیے۔ بُرا بھلا کہیے۔

ٹھاکر: اب کوئی ترکیب ایسی بتائیے کہ ہمارا مُنہ گورا ہو جائے۔ یہ کلوٹا پن تو نہ رہے۔ جب تک مُنہ کالا ہے کوئی جنٹلمین نہ کہے گا۔

دوست: ہاں! تو یہ تو ادنا سی بات ہے جس دن کہیے۔ مگر یار ترکیب ہے۔ بغیر ترکیب کے گورا نہیں ہو سکتا۔

ٹھاکر: پھر تم کس دن کام آؤ گے۔ یارانہ کس دن کام آئے گا۔ ان کے دوست نے ان کی مٹی خراب کر دی۔ اُنھوں نے حماقت کی ایک بات کی تو دوست نے دو۔ الغرض ان کو پلٹا دیا۔

ایک روز دوست کی فرمائش سے فرسٹ کلاس جنٹلمین ایک نہایت معزز اور معظم حاکم کے ہاں گئے۔ دوست نے پٹی پڑھا دی تھی کہ جوتا نہ اُتارنا۔ ٹوپی اُتار کر سلام کرنا۔ ان حضرت نے دوست کی فرمائش کے بموجب جوتا پہن کر صاحب سے ملاقات کی۔ اور ٹوپی اُتار کر آگے بڑھے کہ صاحب سے ہاتھ ملائیں۔ صاحب کو کمال ناگوار گذرا مگر فرطِ خلق سے ہاتھ ملایا۔

جنٹلمین: حضور میں آج اوّل مرتبہ ملاقات کے لیے آیا ہوں۔

صاحب: آپ کا نام کیا ہے۔ ہاں کبھی پہلے ہم سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

جنٹلمین: آج ہم آپ کی دعوت کرنے آیا ہے۔ آپ قبول کریں گے؟

صاحب: ہم نہیں کہہ سکتے۔ آپ کس عہدے پر ہیں۔ پیشہ کیا ہے؟

جنٹلمین: پیشہ۔ ہم جنٹلمین ہیں۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین درجۂ اوّل کے۔

صاحب: وَل۔ آپ فرسٹ کلاس جنٹلمین۔ او۔ ہم آج سمجھا۔

جنٹلمین: خداوند ہم ضرور لے چلیں گے۔ حضور تشریف لے چلیں۔ دعوت قبول کیجیے۔

صاحب: وَل۔ ہم نہیں کہہ سکتا۔ آپ سے کبھی کا ملاقات نہیں۔ آپ کوئی ہے یا آپ کہیں نوکر ہے ریاست کہاں ہے۔

جنٹلمین: حضور میں آبائی اور پشتینی رئیس زادہ ہوں۔ ساٹھ روپیہ کا کلرک بھی تھا۔ اب نوکری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھوڑ دی۔ گھوڑے بھی میرے پاس ہیں اور نوکر چاکر بھی ہیں۔ بنگلہ بھی ہے۔ میں مسٹر کہلاتا ہوں۔ بس اب حضور کو چلنا چاہیے۔ میں اپنا جنٹلمین ہونا ثابت کر دوں گا۔

صاحب: آپ جنٹلمین، اور آپ کا باپ جنٹلمین۔ آپ کا دادا جنٹلمین۔ بس!

جنٹلمین: پھر جب آپ بھی جنٹلمین ہے تو ہمارے ہاں چلنے میں کیا عذر ہے۔

صاحب: وَل اب ہم آپ سے رخصت ہونا مانگتا ہے۔ اچھا سلام صاحب!

جنٹلمین: آپ کے مزاج میں خلق نہیں ہے۔ چرٹ تک کی آپ نے تواضع نہ کی۔

صاحب: آپ ہم کو جانتا ہے کہ ہم کون ہے، ہم کمشنر ہے اس قسمت کا۔

جنٹلمین: ہاں ہاں ہم خوب جانتا ہے۔ کمشنر صاحب بہادر۔

صاحب: وَل اب ہمارا ٹفن کا وقت ہے۔ سلام اب ہم نہیں مل سکتا۔ صاحب کمشنر نے کہا۔ وَل ہم کل شکار پر جانے والا ہے۔ فرسٹ کلاس جنٹلمین بہزار خرابی رخصت ہوئے تو صاحب مہتمم بندوبست کے پاس گئے۔ وہاں بھی جوتا پہنے دراتے ہوئے دھنس پڑے۔

صاحب: وَل۔ آپ کو اس چپڑاسی سے تم بولا تعلقدار ہے۔

جنٹلمین: حضور میں جنٹلمین ہوں اور حضور بھی جنٹلمین ہیں تو میں اب چاہتا ہوں کہ حضور میرے مکان پر آن کر کھانا کھائیں۔

صاحب: وَل وَل بس تم کیا بکتا ہے۔ جوتا اُتار کے آؤ۔ ہش۔

جنٹلمین: کیا! ہش! واہ ہم کوئی قلی نہیں ہے۔ ہم بھی ایک جنٹلمین ہے۔

صاحب: نہیں نہیں تم جوتا اُتار کے آئے۔ جب ہم سے بات کرنے مانگے۔

جنٹلمین: فرض کیجیے کہ آپ کہیں جائیے تو اُس کے ہاں آپ جوتا اُتارے گا۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔

صاحب: وَل صاحب ہم جو چاہے گا سو کرے گا ہمارے یہاں آئے تو جوتا اُتارے ہوئے۔

جنٹلمین: تو ہم جوتا نہیں اُتارے گا۔ ہم چلا جائے گا، مگر جوتا نہ اُتارے گا۔

صاحب: اچھا تو تم جائیے۔ ہم نہ ملے گا۔ ہمارا مکان ہم کو اختیار ہے۔

جنٹلمین: اچھا صاحب سلام۔ وَل ذرا ہم کو میچس (دیا سلائی کا بکس) دو۔

صاحب: (جھلا کر) وَل تم اب چلا جاؤ بس۔ کوئی ہے نکال دو اس کو۔

جنٹلمین سخت خفیف ہوئے۔ گئے تھے دعوت کرنے وہاں گردنا نا پایا گیا۔ مجبوراً گھر آئے۔ مگر ٹھان لی کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم پانیر میں اس کی ہجو لکھے گا کئی صاحبوں کے پاس فرسٹ کلاس جنٹلمین گئے، اور سب کو مدعو کیا۔ کسی نے دعوت قبول نہ کی۔ آخر کار ایک کلرک نیٹیو کرسچین اور ایک ایسٹ انڈین مسٹر گھوس عیسائی نے دعوت قبول کی۔ اس روز فرسٹ کلاس جنٹلمین کی تندرستی کا جام پیا گیا۔

فرسٹ کلاس جنٹلمین نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ دونوں جہاں کے کام سے گئے۔ ہندوستانی الگ نظرِ حقارت سے دیکھنے لگے کہ ہم سے ملنا جلنا چھوڑا اور یوروپین تو کبھی ان کو مُنہ ہی نہیں لگاتے۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا

پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اِدھر صبح کا سہانا سماں ہوا اور آفتابِ عالمتاب مشرق سے بصد جلال جلوہ کناں ہوا۔ اُدھر ایک نگارِ شوخ و شنگ، رشکِ پری رُخان فرنگ سیم تن، بلوّرین ذقن نے ادہم سرعت نژاد کو شان برنائی اور اندازِ کج ادائی سے لشکر روس کی طرف سبک پویہ کیا۔ ایک پری چہرہ کے جلو میں کئی نوخیز اور جادو نگاہ عورتیں گھوڑوں پر سوار جاتی تھیں۔ روس کے لشکر میں ان پری پیکروں کی آمد آمد کی دھوم تھی۔ شعلہ رویوں میں وہ آتش پارہ کالبدر فی النجوم تھی۔ رشکِ زلیخا روکش حور۔ سر سے پا تک عالمِ نور۔

بچشم مست دیدارش رگِ خواب

بیادِ شوخیِ او برق بیتاب

جس مقام دلچسپ پُر فضا پر یہ پریاں خیمہ زن ہوئیں، اس گلزار مینو آئین کو پرستان بنا دیا۔ اب سُنیئے کہ ان کے خیموں ہی کے قریب اغید رنگین اور مس کلیرسا کا خیمۂ زر نگار بھی نصب تھا وہ نازنین صبح کے وقت آنکھ ملتی ہوئی خیمے کے باہر آئی تو دیکھا کہ چاروں کونوں پر ایک ایک اسپکِ نور افشاں ہے اور بیچوں بیچ میں ایک خیمہ عظیم الشان ہے۔ حیرت ہوئی کہ یا الٰہی یہ کس کا سامان ہے۔ آدھی رات تک سنّاٹا تھا۔ چشم زدن میں خیامِ فلک احتشام نصب ہو گئے۔ چوبیں نگاریں طنابیں باز یب و زئیں پروے زمرّد گون۔ نقش و نگار بو قلموں۔ فوراً سہیلیوں کو حکم ہوا کہ یہ خیمے یہاں کب سے ہیں۔ ذری دریافت تو کرو۔ ایک خادمہ نے بصد ادب کہا کہ حضور کل شب کو کئی خوبصورت عورتیں یہاں آئی تھیں۔ پہلے تو مجھے شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ حضور کی ہمشیرہ جان تشریف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لائی ہیں۔ مگر قریب جاکر دیکھا تو سمجھی کہ پرستان کی پریاں اُتر آئی ہیں۔ دید ہیں نہ شنید ہیں۔ حضور ایسا جوبن آج تک نہیں دیکھا۔ دوسری بولی۔ قربان جاؤں۔ بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ پریوں کو پر کاٹ کر چھوڑ دیا ہے۔ تیسری بولی سُنتے ہیں کسی طرف کو جانے والی ہیں شاید تماشے والیاں ہیں۔ تماشا دکھاتی ہیں۔ مِس کلیرسا نے کہا اچھا مُنہ دھولیں تو بلوائیں۔ ایک خادمہ طشت لائی۔ دوسری پانی تیسری آنوڈی روز یعنی عطرِ گلاب کا ست۔ چاندی کے طشت میں پچاس شیشیاں اس رَاح رُوح کی لنڈھائی گئیں۔ پانی ڈالا۔ مِس کلیرسا نے اس آبِ زندگانی سے جس کی رائحۂ جان پرور سے مردہ جی اُٹھے۔ مُنہ دھویا۔ خیمے میں جاکر حمّام کیا۔ ریشمی نفیس پوشاک پہن کے بن ٹھن کے خیمے کے باہر سایہ میں ایک ـــــ آرام چوکی پر متمکن ہوئیں۔

درازِ زلف او عمرِ تسلسل
عیاں از پیچ و تابش برگ سنبل
حنائی پنجہ اش خورشید دلہا
ہلالِ ناخنش عید تماشا

حکم دیا کہ جاکے ٹوہ لو۔ کون ہیں۔ کہاں جاتی ہیں۔ کتنے آدمی ساتھ ہیں۔ کسی اور قِسم کی تو عورتیں نہیں ہیں۔ خادمہ حکم پاتے ہی روانہ ہوئی۔ مِس کلیرسا نے سمجھا دیا تھا کہ ہمارا کچھ ذکر نہ کرنا۔ فقط اُن سے دریافت کرنا کہ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کس طرف کا قصد ہے۔

خادمہ گئی تو وہاں کے سامان دیکھ کر دنگ ہوگئی۔ ہر خیمے میں گراں قالیں کا فرش ہے۔ حیرت تھی کہ یہ نگار خانہ ارژنگ ہے۔ یا تختہ تصویرِ فرنگ۔ ناز بالش بزم افروز، زر دوز، بڑے خیمے کے قریب سنگِ مرمر کا ایک حوض لطیف ہے۔ حوض کیا آئینہ زانو دلہن ہے۔ یا تسنیم و سلسبیل موجزن ہے۔ حوض ہے یا تفسیر سورہ کوثر۔ حوض ہے یا صوفی روشن دل فرخ گوہر۔ لہریں چین جبین۔ لعبتان چینی، حباب تختِ رواں۔ شاہنشہ ملک نازنین۔ مختلف رنگ کی مچھلیاں عجب لطف و لطافت سے جلوہ گر ہیں۔ یہ تڑپی وہ اُچھلی۔ وہ چمک دمک کہ نظر جھپک جائے۔ اُس خیمہ پُر بہار و جواہر نگار میں ایک سر برِ فلک نظیر پر ایک زیبا صورت بلقیس مرتبت پری بصد شان دلبری متمکن ہے۔ دیکھتے ہی دنگ ہوگئی۔ اللہ اللہ یہ نورِ عالم افروز یہ حسنِ صبیح و گلو سوز اِس عورت نے اُس ناظورۂ سراپا زیب ملائک نظر قریب کے رُخ انور پر ایک خادمہ کی اجازت سے چق کے باہر سے نظر ڈالی تھی۔ بے اختیار جی چاہا کہ اندر چلی جائے اور خوب بلائیں لے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بالا ہے ترا حُسن حسیناں چگل سے
سب بزم ہے مشتاق نکل پردۂ دل سے

فوراً مس کلیرسا سے جاکر بصد ادب کہا۔ حضور بس کچھ نہ پوچھیے۔ لونڈی نے کیا دیکھا۔ جو کچھ دیکھا اگر خواب نہیں ہے تو جادو ضرور ہے۔ جادو نہیں ہے تو شعبدہ ہے۔ ایسی عورت دیکھی کہ پری بھی اس کی بلائیں لے اور لونڈی ہو جائے۔

چشمِ بدور نہیں باغ سے کم باغ جمال
سرو قد زلف ہے سنبل گلِ خندن عارض

کلیرسا: ایں! کیا ہم سے بڑھ کر حسین ہے۔ واہ اللہ اللہ خیر صلّاح۔

خادمہ: حضور بھی قبول صورت اور ماہ طلعت ہیں۔ مگر اس پر عالم ہی اور ہے۔

کلیرسا: ہاں! بارہ اور بیس کا فرق ہے۔ کیا از سرتاپا بحرِ حسن ہی میں غرق ہے۔ آخر ہم سے کس بات میں اچھی ہے۔ کچھ سُنیں تو۔

خادمہ: بس حضور آپ دونوں آفتاب اور ماہتاب ہیں۔ کسی بات میں وہ بڑھ چڑھ کر کسی بات میں آپ اُس کا قد ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کی زُلف ویسی مشکبو نہیں ہے۔ ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

دیکھ ہی لیجیے گا۔ مگر عجب غرور بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

کلیرسا: تم نے کچھ دریافت بھی کیا کہ ہیں کون اور آئی کہاں سے ہیں؟

خادمہ: حُسن کا رُعب ایسا چھایا کہ سب سٹی پٹی بھول گئی۔

کلیرسا: اب پھر جاؤ۔ اور دریافت کرو۔ کون ہیں اور نام کیا ہے۔

خادمہ پھر گئی اس مرتبہ کلیرسا نے ایک سوار کو اس کے ساتھ بھیجا۔ مگر خیمے کے قریب جاکر جب سوار نے اُس دلبرِ سیم تن کو دیکھا تو اُس پر بھی اِس قدر رعب جما کہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس رشک پری کی ساتھیوں میں سے ایک آفتِ جاں نے سوار کو للکارا بس بس اب آگے قدم نہ بڑھانا۔ ترکوں اور روسیوں میں جنگ ہے۔ ترکی رومیوں سے سمجھیں، روسی ترکوں سے۔ ہم اِن دونوں ملکوں کی رعایا نہیں ہیں۔ ہم ایشیا کے باشندے ہیں۔ روسیوں سے کام نہ ترکوں سے واسطہ۔ سوار دبے پاؤں بھاگا اور مس کلیرسا سے آن کر کہا۔ حضور وہاں ہم لوگوں کا گذر نہیں۔ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ وہ ٹھاٹھ ہیں کہ میں کیا عرض کروں۔ بادشاہی سامان ہیں۔ ساتھ کی عورتیں اِس ٹھسے سے رہتی ہیں کہ رئیس زادیاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے ڈانٹ بتائی تو حضور میں رعب میں آگیا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ مجھ پر تو رعب چھا گیا حضور!

کلیرسا: کیا بہت حسین ہیں۔ بھلا ہم میں اور ان میں کس قدر فرق ہے۔

سوار: حضور میں نے تو ان کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ فقط خادمہ کو دیکھا۔

کلیرسا: اللہ اللہ لونڈیوں کے یہ خم ودم ہیں۔ اللہ رے تیرے عجیب۔

سوار: کیا عرض کروں۔ لاکھ لاکھ کا تو ایک ایک پردہ ہوگا۔

اب سنیئے کہ کلیرسا کی خادمہ نے مکرر جاکر پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے۔ آئی کہاں سے ہیں اور جاتی کہاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک رئیس زادی ہیں صرف سیر و سیاحت کے لیے آئی ہیں۔

اتنے میں وہ زن زہرہ جبیں باہر آئی اس عورت نے جھک کر سلام کیا۔ دیکھا تو سچ مچ کی پری ہے۔

بصورت تو بتے کمتر آفرید خدا
نزاکشیدہ ودست از قلم کشید خدا
چو کرد نقش تو بر صفحۂ وجود رقم
صد آفریں ز زبان قلم شنید خدا

چار نازک اندام اور گلفام عورتیں جلو میں تھیں، ایک کے ہاتھ میں حقّہ طلا کار، تمباکو مشکبو عنبر بار۔ خادمہ نے کبھی حقّہ نہیں دیکھا تھا۔ حقّہ اور نیچا اور چلم اور عرق گیر اور چنبیر دیکھ کر دنگ ہوگئی۔ اور جب اس شعلہ رو نے ایک کش پیا اور مشکبار دھواں نکلا تو اور بھی استعجاب ہوا۔ ایک عورت سے پوچھا یہ کون ہیں۔ انھیں کی تم سب جلودار ہو نہ۔ عورت نے کہا۔ ہاں ان کا نام لالہ رُخ ہے۔ ایشیا کی رہنے والی ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ان کے پاس ہے لاکھوں روپیہ ماہواری کا خرچ ہے۔ کسی شے کی کمی نہیں۔

خادمہ: آپ کے ساتھ سب عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ مرد ایک بھی نہیں۔

عورت: مرد کی ضرورت ہی کیا ہے، ہم سب مل کر کام بجاتے ہیں۔ اور حکم ہے کہ اٹھارہ برس سے زیادہ سن کی کوئی نہ ہو۔ جو ہم میں کوئی اٹھارہ سے تجاوز کر جائے تو پنشن پائے۔ کوئی پندرہ برس کی ہے۔ کوئی چودہ برس کی کوئی سولہ سترہ اور خود بدولت کا بھی کچھ ایسا ہی سن ہے۔

خادمہ: شادی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔ ابھی ناکتخدا ہوں گی۔

عورت: ہاں ہاں عہد کر لیا ہے کہ شادی نہ کریں گی۔ کئی شہزادے عاشق ہوئے مگر منظور نہ کیا۔ ورنہ کون بات تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خادمہ : مسکرواہ۔ اللہ نے بھی کیا کیا صورتیں بنائی ہیں۔ واہ واواہ۔

یہاں کا حال تو یہاں چھوڑا اب آزاد حسنہ جان کا حال سُنیئے! ایک روز آزاد پاشا ایک دریا کے کنارے پر پہنچے۔ اُنھوں نے دیکھا ایک دریائے ناپید اکنار موجزن ہے تو پوچھا۔ اِس دریا کا کیا نام ہے۔ سُبحان اللہ عجب پُر فضا اور دلکشا مقام ہے۔

تعالیٰ اللہ ازیں دریاچۂ نور
کہ موجش میزند گلبانگ منصور

ہری ہری دوب پر آزاد لیٹ گئے۔ اور بصد حسرت یہ اشعار دیوانہ وار زبان پر لائے۔

رکھ دیا سر کو تیغ قاتل پر — ہم گرے بھی تو جا کے منزل پر
آنکھ جب بسملوں میں اُونچی ہو — سر گرے کٹ کے پائے قاتل پر
ایک دم بھی تڑپ سے چین نہیں — دیکھ لو ہاتھ رکھ کے تم دل پر
کون دامانده ره گیا پیچھے — کچھ اُداسی ہے فوج منزل پر

دفعتًہ حُسن آرا یاد آئیں تو بول اُٹھے جنون کی دہائی ہے۔

عشق آیا قیامت آئی ہے
پارسائی پہ آفت آئی ہے

اُف دل کی دھڑکن نے ستم ڈھایا۔ گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا آنکھیں اشکبار ہوئیں اور آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔

حوصلے سے حوصلے تھے ولولے سے ولولے
آج وہ سب مٹ گئے گورِ غریباں دیکھ کر

کاسک لوگوں نے سمجھایا کہ بھائی اب عشق اور معشوقی کا خیال نہ کرو اب یہ سمجھو کہ تم وہ آزاد ہی نہیں ہو۔ کوئی دوسرے آزاد ہو۔ آزاد نے دل کو ڈھارس دی اور کہا اچھا اچھا بس اب اس وقت سے ہم نے اپنے دل پر پتھّر رکھ لیا۔

چاہیے معشوق کے ہمنام سے بھی عشق ہو
جاں شیریں کو نہ دے کہنا تھا یہ فرہاد سے
سر کو پھوڑا کوہکن کی عقل پر پتھّر پڑیں
کھود ڈالا خانۂ خسرو نہ کیوں بنیاد سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوں میں وہ بلبل کہ مثلِ طائرِ قبلہ نما
مُنہ قفس میں بھی نہ پھیرا خانۂ صیاد سے
زخم جو لگتا ہے بنتا ہے وہاں شکر وہ
بڑھتی ہے میری وفا ظالم تری بیداد سے

یہ کہہ کر آزاد پاشا کھِلکھِلا کر ہنسے اور ہنستے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

ہمہ موکشتہ ہوں تیغِ نرگسِ مخمور کا
ہر دہان زخم میں یاں خندۂ مستانہ ہے

کاسکوں نے آزاد کی حالتِ متغیّر کو دیکھا تو گھبرا کے اُن کے پاس آن کر کہا آزاد سنبھلو۔ دیکھو اب یہ وقتِ استقلال اور صبر کا ہے تم جامۂ خودی کو چاک کر رہے ہو۔ اگر اپنے آپے میں رہے تو شاید کسی تدبیر سے واپس آسکو ورنہ خدا ہی حافظ ہے۔ سیبیریا سے اکثر قیدی بھاگ گئے۔ لیکن تم دیوانہ پن کی باتیں کرتے ہو تم پر خدا رحم کرے۔ اب بھی سنبھلو۔

آزاد نے کہا۔ ہائے یارو اب کچھ نصیحت نہ کرو، ہائے ستم ہائے ستم۔

آزاد: (آہستہ سے) اس دریائے ناپیدا کنار کا نام کیا ہے۔ ٹھیک ٹھیک بتانا۔

کاسک: یہ بڑا مشہور دریا ہے۔ اور اس کا نام بھی سب جانتے ہیں۔ ڈینیوب۔

آزاد: (بصد حسرت) ارے! ڈینیوب! ہائے ہائے۔ دریا کیا بلائے جان ناتوان ہے۔

دریائے ڈینیوب کا نام سنتے ہی آزاد کے ہوش اُڑ گئے ارے غضب۔ اب تک تو کچھ کچھ اُمید بھی ہوتی تھی کہ کبھی نہ کبھی مل لیں گے اب اُمید بالکل منقطع ہوگئی اب تو دریائے حائل حایل ہے۔ اِدھر ہم اُدھر وہ بیچ میں دریا اب نہ جلوت میں ملیں گے نہ خلوت میں۔

خلوت میں نہیں ہے یار کیوں کر ملیے
جلوت میں تمہیں ہے عار کیوں کر ملیے
رونے نے تو کھو دیا خواب کا بھی آنا
دریا حایل ہے یار کیوں کر ملیے

یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ سوچتے کیا تھے اور ہوا کیا ہائے اب کیا کروں۔

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا
کہ جس کے عوض میں رُلایا مجھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

درون سینۂ من زخم بے نشان زدہ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

کجا روم بکہ گویم بگو چہ چارہ کنم
کہ تیرِ عشق مرا اندرون جان زدہ

اسی حالتِ یاس و نومیدی میں آزاد پاشا نے حسن آرا کے نام ایک خط لکھا۔ جس کے ایک ایک حرف سے وحشت و حسرت برستی ہے۔

آزاد پاشا کا خط وحشت نمط

کالے ڈسیں جو زلف تمہاری کبھی چھوئیں
لو اب تمہارے سر کی قسم کھائے جاتے ہیں

ہائے حسن آرا۔ یہ کوئی تم پر احسان نہیں ہے۔ تمہارے سر کی قسم کھاتے ہیں کہ آج سے تمہاری زلف چلیپا نہ چھوئیں گے۔ پھر کیا کچھ انسان ہے۔ چھوئیں تو کیوں کر تم کو کچھ خبر بھی ہے معلوم بھی ہے تمہارا آزاد کہاں ہے۔ اُف کچھ نہ پوچھو اس وقت دریائے ڈینیوب کے کنارے ہری ہری گھاس کو فرش بنا کر بصد حسرت یہ خط لکھ رہا ہے۔ سمجھے تھے کہ مس کلیرسا رحم فرمائیں گی آزاد کو اسیر نہ بنائیں گی۔ مگر یہ کیا معلوم تھا۔

اے کبک خوشخرام کہ خوش میروی نیاز
غرّہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد

پیاری حسن آرا۔ اب تمہارا آزاد تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتا ہے۔

راوی: جس وقت یہ فقرہ لکھا آزاد کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور ٹپ ٹپ کاغذ پر گرنے لگے ہائے کیا ستم کا سامنا ہے۔ اس کے بعد یوں لکھنا شروع کیا۔ الوداع۔ الوداع۔ اللہ اللہ کس شوق سے گئے تھے اور کیسی تلخ کامی نصیب ہوئی کہ کہیں کے بھی نہ رہے۔ حسن آرا جو کچھ میری مصیبت کا حال تم آگے چل کر پڑھو گی اس کے سننے کے لیے تم مستعد ہو رہو۔ مگر لکھا نہیں جاتا جی چاہتا ہے دنیا سے مخفی رکھوں اور اس دیوانہ پن کو دیکھو کہ خط لکھنے بیٹھا ہوں گویا یہ خط تمہارے پاس پہنچے ہی گا تو دریائے ڈینیوب کا کنارہ اور کجا تمہارا ایوان فلک توامان۔ اللہ اللہ کجا زمین کجا آسمان یا خدا مرغِ نامہ کو بھیج دے۔ کبوتر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ذریعے سے خط جائے۔ اُف!

بے جاتا ہے نامۂ بیکس
بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

پیاری حُسن آرا کو اب خط کتابت کا سلسلہ محدود ہو جائے گا۔ مگر دل میں جگہ رکھنا تم سے مجھ سے یہ اقرار تھا نہ کہ اگر روم سے نیک نام آؤں گا تو آپس میں شادی ہو۔ اب وہ معاہدہ فسخ ہو گیا۔ بس اب اور کیا لکھوں یہ لکھ کر آزاد اس قدر روئے اور آنکھیں اس قدر پُرنم ہوئیں کہ لکھنا محال ہو گیا۔ رومال سے آنسو پوچھے اور لکھنے ہی کو تھے کہ جوئے اشک کی روانی مانع ہوئی۔ پھر آنسو پوچھے اور لکھنا شروع کیا۔

تیز رکھنا سَرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

یہ شعر لکھ کر آزاد نے کاغذ رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اُف باخدا! لاکھ ضبط گریہ کیا مگر آنسو نہ تھمے۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
روتا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

حُسن آرا بیگم تم تو خیر اپنے گھر پر ہو۔ بہنوں میں بھائیوں میں ماں بہن وغیرہ کے پاس۔ اپنے خاص شہر میں۔ مگر ہماری حالت کو دیکھو۔ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا آیا۔ اور اس مرتبہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ اِدھر اُدھر کاسک کھڑے افسوس کرتے تھے۔ ہائے افسوس کیسا پڑھا لکھا تعلیم یافتہ خوبصورت جوانِ رعنا اور کس مصیبت میں گرفتار ہوا ہے۔ اس مقام پر پھر ان لوگوں نے باہم مشورہ کیا۔

ایک: ہم تو چاہتے ہیں کہ ہم سب مل کے ان کو چھوڑ دیں۔

دوسرا: ہم تیار ہیں گو تم لوگ نکل جاؤ گے۔ سب یک دل ہو جاؤ۔

تیسرا: اگر سب آدمی یک دل و یک زبان ہو کر کام کریں تو آزاد ضرور رہائی پائیں۔ ہم بھی شریک ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوتھا: اچھا پھر رہا کردو۔ جاؤ آزاد پاشا۔ چلو بس بھاگو۔

آزاد اس قدر محو تھے کہ انھوں نے ایک بات بھی نہ سُنی اور خط میں یہ حسرت بار اشعار لکھے جن کے ایک ایک حرف پر رونا آتا ہے۔

دامِ الفت میں کوئی دل نہ پھنسا میرے بعد
مختصر ہوگئی وہ زلفِ رسا میرے بعد
بُلبُلیں نوحہ کریں گی مری تربت پہ مُدام
برگِ گُل روز چڑھائیں گی صبا میرے بعد
بوئے کاکل کے عوض جان صبا کو بخشی
ڈھونڈھتی پھرتی ہے اب کس کو قضا میرے بعد
خلش اے خارِ جنون کوئی نہ باقی رکھنا
پھر نہ آئے گا کوئی آبلہ پا میرے بعد
کشتگانِ رہِ الفت کا تھا میں ماتم دار
بجھ گئی شمعِ مزارِ شُہدا میرے بعد

سُنو حسن آرا۔ اب صاف صاف کہنا پڑتا ہے۔ ایک خاتون خوش لقا میدانِ جنگ میں ہم سے مقابلہ کرنے آئیں۔ میں بھلا اُس پر تلوار کیا چلاتا۔ اُس کی چوٹیں بچائیں اور تلوار کا بوسہ لے لیا۔ پھر چوٹ بچائی اور رخسارِ تاباں پر ہاتھ پھیر دیا۔ پھر چوٹ بچائی اور بوسہ لیا۔ اُس پر اُس کا فر بدکیش نے جھلّا جھلّا کر چوٹیں لگائی۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے مجھے قید کر لیا۔ اور حکم ہوا کہ تمام عمر سیبیریا کے برفستان میں قید کردو۔ اور قید بلا میعاد۔ ع

چلو بس ہو چکا ملنا نہ ہم خالی نہ تم خالی

الوِداع الوِداع۔

حُسن آرا پیاری۔ سپہر آرا کو بہت سمجھانا۔ وہ بہت کُڑھیں گی۔ وہ وقت ہمیں یاد ہے جب سپہر آرا اصرار کرتی تھیں باجی جان اس نیک مردِ پریزاد جوان نے ہماری جان بچائی ہے۔ واسطے خدا کے یہ حکم نہ دو کہ جنگ میں شریک ہوں۔ ذری سی موئی گولی اچھے ہاتھی کو دم کے دم میں پانی کردے۔ اُس بیچاری کا اصرار اور ہمارا انکار مگر۔ ع

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس قدر لکھ چکے تھے کہ کاسکوں نے ان سے کہا آزاد پاشا رکہو اب کیا کہتے ہو۔ ہم تو مستعد ہیں مشورہ ہو چکا ہے کہ آپ کو آزاد کردیں، مگر کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ ہم لوگوں پر آنچ نہ آنے پائے۔ ہم نے ایک تدبیر سوچی ہے آزاد نے کہا ر

مرضِ عشق کا تھا اب دمِ تیغ علاج
ہم تلاشِ نفسِ عیسیٰ مریم میں رہے
داغ وہ داغ ہے جو سینۂ یعقوب میں ہو
اشک وہ اشک ہے جو دیدۂ آدم میں رہے

کاسک نے کہا ہم یہ زبان نہیں سمجھتے۔ ذرا آدمیت کی باتیں کیجیے۔ آپ ہی کے فائدے کے لیے کہتے ہیں، ورنہ ہمیں اس سے کیا سروکار۔ ع

دوا سے دردِ دل چمکا اُٹھایا داغ مرہم سے

کاسک نے آزاد سے کہا ہائے افسوس وائے افسوس۔!

آزاد نے پھر خط لکھنا شروع کیا۔ دُنیا و مافیہا سے اُن کو مطلب نہ تھا۔ حُسن آرا تمہارا رُخِ آتشیں یاد آتا ہے تو دل سے شعلے اُٹھتے ہیں۔ گل بدن کے عشق نے اچھا گل کھلایا۔ سیبیریا جانا خار ہے مگر بیکسی کی حالت میں کیا اختیار ہے۔ غمِ فراق کھایا۔ اگر اس وقت رہائی پاؤں تو برہنہ پا کانٹوں پر سے خوش خوش جاؤں۔ خار کو رگِ گل سمجھوں مگر افسوس کہ جدائی ہر سمت سے اپنی بھیانک صورت دکھاتی ہے اور کاٹے کھاتی ہے۔ گل نکیوں کے عوض پتھر نصیب ہوئے۔ یہی اوڑھنا ہے یہی بچھونا ہے۔ دل سرد ہے چہرہ زرد ہے۔

کہتا ہے مسیح جن کو جان بخش
اُن ہونٹوں نے آہ ہم کو مارا

حُسن آرا ہم اپنے دل میں خدا جانے کیا کیا سوچتے تھے مگر دل کی دل ہی میں رہی۔

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کٹتی
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

کشتۂ تیغ ستم اسیر بندالم خانماں خراب و خانہ برباد خاکسار میاں آزاد اب دریائے ڈینیوب عبور کرکے ایسے مقام جنون خیز میں جاتا ہے جہاں قضا نے اُس کی قبر پہلے ہی سے تیار کی ہے مگر ہائے یہ بھی تو اُمید نہیں کہ قبر بنے اِس دل سے خدا سمجھے جس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے دل پہلو میں بیٹھ کر آہ
تو نے واللہ ہم کو مارا

یہ لکھ کر آزاد نے خط رکھ دیا اور فرط جوش سے دامن اور گریبان کو چاک کیا۔

تار ثابت جیب و دامن میں نہیں
اے جنون تیری قسم کھاتے ہیں ہم

آزاد سے ایک کاسک نے کہا اگر بھاگنا ہے تو تھوڑی دیر میں بھاگ جانا یہ اُس وقت سُنتے کس کی تھے۔ کہا فراق یار نے مار ڈالا۔ ہائے کہیں کا نہ رکھا۔ دوسرے کاسک نے سمجھا کر کہا کہ تم گھبراؤ نہیں۔ جب سیبیریا پہنچ جاؤ گے تو ہم لوگ کسی نہ کسی تدبیر سے چھوڑا لائیں گے۔ آزاد نے ڈینیوب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ارے دریا اگر اجازت دے تو ڈوب مروں اس پر کاسکوں نے قہقہہ لگایا۔ آزاد چونک پڑے۔ اپنی حالت پر کاسکوں کو قہقہہ لگاتے دیکھا تو یہ شعر پڑھا۔

زردی رُخ نے بنایا اُس کو کشت زعفران
ہنس رہے ہیں دیکھ کر سب تیرے دیوانے کا رنگ

آزاد نے پھر خط لکھنا فروع کیا۔ کاسک چپ چاپ کھڑے رہے۔

حُسن آرا۔ اس وقت تمہاری پیاری پیاری صورت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دوشیزۂ جادو جمال کھڑی ہے تمہارے لال لال ہونٹ اور دست حنائی خون رُلاتے ہیں۔ گوری گوری گردن اور منت کے طوق یاد آتے ہیں۔ کبھی تصویر آنکھوں تلے پھرتی ہے۔ کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ کانوں کی بجلیاں ماہی بے آب کی طرح تڑپاتی ہیں۔"

یہ لکھتے لکھتے آزاد نے غُل مچا کر کہا۔ خبردار او مشاطہ عیار۔ خبردار اور سُنیے حسن آرا کے گیسوے عنبر بو کو اور تو چھیڑے۔ خبردار!

سمجھ کر چھیڑ او مشاطہ اُس کی زلفِ پر خم کو
نہ برہم کر خدا کے واسطے اسباب عالم کو

حسن آرا نازک مزاج ہیں آزاد نازک بدن جنون نے ہم کو لاغر کر دیا۔ اب یہ دماغ اور طاقت کجا کہ پھول کی چھڑیاں کھاؤں اور اُف تک زبان پر نہ لاؤں۔

جنون پڑیں تیری نازک مزاجی پر پتھر
لگائیں پھول جو لڑکے تو سنگسار ہوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

الٰہی مرے دل کی لگی بجھا دے۔ یا خدا اس زہرہ جبین کی شکل دور ہی سے دکھا دے۔ ہائے کاش حُسن آرا بیگم اپنے نازک نازک اور پیارے پیارے ہاتھوں سے مجھے قتل کرتیں تو میں سمجھتا کہ جی اُٹھا۔ مگر اس طرح بے موت مارا گیا کہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا رہا۔ مِس کلیرسا کے لب لعل شکر خا اور عارض انور و زیبا کے بوسوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ خوبصورت اور کم سن عورت پر ہاتھ نہ اُٹھا۔ چوٹیں بچا بچا کر بوسوں کے وار کیے مگر شومیٔ قسمت کے طفیل میں جوں دیکھا ایسا گھبرایا کہ سیدھا غنیم کی فوج میں چلا آیا اب آرزو ہے تو یہ ہے کہ مِس کلیرسا چاہے جو رنگ کریں چاہے قتل مگر اپنے ہاتھ سے۔

درد ہوتا میرے زخموں میں تو بیٹھا میٹھا
اُس شکر لب نے جو شمشیر لگائی ہوئی

خدا جانے ہمارا نام کس کمبخت نے بتا دیا اور مِس کلیرسا نے ہمارے قتل کا بیڑا کیوں اُٹھایا۔ میں اک مشت استخواں۔ میرے قتل سے کیا ملتا۔ یا خدا موت آئے۔ مرگ آئے۔ وفات آئے۔ قضا آئے (جوشِ جنون میں) یا خدا کچھ تو آئے۔ ہائے قضا بھی بھول گئی۔

یار اگر آتا نہیں تو ہی شبِ فرقت میں آ
اے اجل تو نے بھی کیا ہم کو بھلایا یاد سے

ایک کاسک نے کہا آزاد پاشا آپ کے نزدیک اب کیا وقت ہوگا۔ آزاد نے کہا وقت تو اب بہت بُرا آگیا۔ مگر ہمیں یہ کیا علم تھا۔

نہ تھے ہم پیش ازیں آگاہ حالِ عشق بازی سے
نہ تھا معلوم دل آتا ہے پہلے یا قضا پہلے

ہم سُنا کرتے تھے کہ فلاں پر فلاں کا دل آیا۔ اور ایک شاعر نے خوب کہا۔ ع

دل گیا ہاتھ سے لوگوں نے کہا دل آیا

مگر یہ کیا معلوم تھا کہ دل کا آنا جانا خیر صلاح خود بدولت برفستان میں قید ہوں گے اور حُسن آرا کی پیاری پیاری صورت دیکھنے کو تڑپ تڑپ جائیں گے۔ حُسن آرا۔ حُسن آرا۔

یہ آواز دریائے ڈینیوب کے کنارے پر جنگلوں اور میدانوں میں گونجی اور آواز بازگشت سے را۔ را۔ آواز دور تک جانے لگی حُسن آرا بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ اس کا آزاد دشت و ہاموں میں تیرِ غمِ ہجر بدی کا نشانہ ہو کر تلملا رہا ہے اور اس کا پیارا نام لے لے کر پکارتا ہے۔ ہائے افسوس آزاد کے ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑا اور خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ کاسکوں کا دل بھر آیا۔ کسی نے تشفی دی کسی نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سمجھایا۔ مگر نصیحت اور پند و وعظ کیسی۔ وہاں جان پر بنی تھی۔ عشق ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ تنور سینہ میں طوفان غم کا جوش تھا۔ رنج فراق میں تنکے چننے کی نوبت آئی۔ صبح مسرت پر شب الم کی تاریکی چھائی۔

گریاں شدو تلخ تلخ بگریست
بے گریۂ تلخ در جہان کیست

ایک کاسک سے آزاد نے کہا۔ بھائی جان حسن آرا منتظر ہوں گی کہ آزاد پاشا فتح و فیروزی حاصل کرکے آئیں تو ارمان نکلے جوانی کے دن لطف میں بسر ہوں۔ سپہر آرا ہر روز ڈاکخانے آدمی بھیجتی ہوں گی کہ شاید آزاد کا خط آیا ہو۔ مس میڈا اخباروں میں جنگ کے حالات پڑھ پڑھ کر دعا مانگتی ہوں گی کہ خدا کرے آزاد بادل شاد واپس آئیں اللہ رکھی ایک ایک سے پوچھتی ہوگی کہ آزاد کی بھی کچھ خبر ہے زینت النسا اور اختر النسا کا خدا جانے کیا حال ہوگا۔ بمبئی والی شوخ و شنگ بیگم حسن آرا کے خطوط سے خیر و عافیت دریافت کرکے دل کو تسکین دیتی ہوں گی مگر ہم پر جو گذرتی ہے اُس کی کسی کو خبر ہی نہیں ہائے وینشیا اب ابدی جدائی ہوئی کیسی پاک محبت تھی اور کس حسرت سے کہا تھا کہ میاں آزاد اب کبھی پھر بھی ملوگے اُس وقت تو ہم نے اقرار کیا کہ ضرور بالضرور۔ ایسی بات ہے بھلا۔ مگر اب کیونکر لکھیں کہ یہاں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ خیر یا خدا میری اتنی دعائیں قبول کر۔ یا خدا ضرور قبول کر۔

1۔ حسن آرا میری جدائی میں بھی ویسی ہی عفیفہ اور پاکدامن اور خوش و خرم رہیں جیسی اب تک تھیں۔ آمین آمین ثم آمین۔

2۔ مس میڈا کے دل نازک پر میری مفارقت سے ایسا صدمہ نہ پہنچے جس کو وہ نازک بدن برداشت نہ کرسکے۔ آمین آمین ثم آمین۔

3۔ اختر النسا اور زینت النسار کو میری مصیبت کے حالات سے اطلاع ہو۔

4۔ وینشیا کو خداوند کریم صبر جمیل عطا کرے۔ آمین آمین ثم آمین۔

اب حسن آرا باقی رہی۔ اُف بس دل بھر آیا۔ ہائے اُس عفت کوش کے لیے کیا مانگوں۔ یہ صدمہ حسن آرا سے ہرگز نہ برداشت کیا جائے گا ایسا جانکاہ صدمہ برداشت کرنا حسن آرا کا کام نہیں ہے۔ اُف صدمہ سا صدمہ ہے۔

ہم اقرار کرکے آئے کہ میدانِ جنگ میں جاتے ہیں اور انشا اللہ فائز بمرام اور نیک نام ہوکر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتے ہیں مگر۔ ع

خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

نتیجہ یہ نکلا کہ قید ہوئے۔ اسیر ہوئے، مبتلائے بلا ہوئے اور۔ ع

زندان کو چلے مچل مچل کر

گویا اپنے وطن سے اسی لیے آئے تھے کہ برفستان میں چل کر بستر جمائیں۔ مس کلیرسا کی سرد مہری نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔

دل کو مرے خاک میں ملایا
دلبر نے یہ خوب دلبری کی

اب تو زندگی سے بیزار ہو گیا۔ ایسے جینے پر پھٹکار مگر حسن آرا کے حق میں جناب باری سے اس قدر دعا مانگتے ہیں کہ

میں گو ناخوش ہوں اپنی زندگی سے
رہے خوش یا الٰہی وہ جہاں سے

آمین آمین ثم آمین۔ ع

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ہم تو اپنی زندگی کو رو بیٹھے۔ عیش سے ہاتھ دھو چکے دو گھڑی دن باقی رہے آزاد پاشا کو معلوم ہوا کہ وہ جہاز جس پر سوار ہو کر آن روئے ڈینیوب جائیں گے۔ تیار ہو گیا ہے۔ اس وقت کی بیتابی و بیقراری کا حال ناگفتہ بہ ہوش و حواس بلا اجازت رخصت ہو گئے۔ آنسوؤں کا تار بندھا تو کوئی شے نظر ہی نہیں آئی۔ کاسکوں کے رومال تر ہو گئے مگر جوئے اشک کی روانی نہ رکی نہ رکی۔ آزاد بالکل چپ چاپ کھڑے تھے۔ کوئی عضو بدن متحرک نہ تھا۔ ہاں آنسوؤں کی روانی سے چشم و مژگان سے البتہ ایک قسم کی حرکت ظاہر ہوتی تھی۔ جس وقت جہاز پر سوار ہوئے اس وقت دل قابو میں نہ رہا۔ کئی بار گرے اور کئی بار سنبھلے۔

حسن آرا کے لیے جو خط اس محنت اور مشقت سے لکھا تھا اور جو ان کے نزدیک آخری خط تھا وہ بھی بد حواسی میں ہاتھ سے گر گیا۔ ہوا نے یہ ستم ڈھایا کہ اس خط کو دریا میں ڈبو یا۔ آزاد ہاتھ ملکر رہ گئے ہوا اور پانی سے بھلا کیا بس چلتا۔ جہاز روانہ ہوا تو آزاد نے نعرہ مارا اور بصد حسرت و ناکامی یہ شعر پڑھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کشتی نشستگانیم اے باد شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم دیدار آشنا را

اِس حسرت اور بیقراری سے لسان الغیب حافظ شیراز کا کلام ادا کیا کہ کاسک اِس کا ترجمہ سُننے کے شائق ہوئے مگر آزاد کو چھیڑنا اور مصیبت کی حالت میں ایسی فرمائش کرنا خلاف عقل سمجھ کر خاموش ہو رہے آزاد نے جوش جنون میں خدا جانے کیا کیا کہا۔

حسن آرا۔ اب آزاد کا پتا نہ ملے گا۔ آزاد اب دوسری دُنیا میں رہیں اب خواب میں بھی اُس پیارے آزاد کی صورت نہ دیکھوگی۔ جس کو تم نے ٹرکی بھیجا تھا۔ ہائے وہ وقت یاد آتا ہے جب سپہر آرا نے کہا تھا کہ باجی آزاد کو وہاں نہ بھیجو۔ ہائے باجی تم کو یہ کیا ہو گیا۔ ہے ہے اِس بیچارے نے تو جان بچائی اور اُس کے جلد و بیں تم اس کی جان کی گاہک ہو گئیں۔ آزاد مجھے دفنا کے جانا۔ اللہ جانے کن کن جنگلوں میں بے آب و دانہ رہو گے کیسے کیسے پہاڑوں پر چڑھنا ہوگا۔ ایک ذری سی گولی ہاتھی کا کام تمام کر دیتی ہے انسان کی کون کہے۔ باجی دن رات بیٹھی کُڑھا کروگی ایک ایک دن ایک صدی ہو جائے گا لڑائی پر جانا کچھ ہنسی ٹھٹھا تھوڑا ہی ہے۔ اُف مجھے سپہر آرا کی گفتگو بخوبی یاد ہے۔ ایک لفظ غلط نہیں ہے۔ جب حُسن آرا نے کہا کہ بہن اب بہت نہ روؤ مُنہ دھو ڈالو۔ تو اُس نے جواب دیا۔ واہ آزاد سے ہاتھ دھو کر اب یہ طاقت بھی رہے گی کہ مُنہ دھوئیں۔ مگر حُسن آرا میں اور میرا خدا کہ میری مصیبت کا باعث کچھ اور ہے ہے۔ ازماست کہ برماست۔ تم بے قصور ہو۔ مگر افسوس ہے تو یہ کہ میری جدائی کا رنج تم سے برداشت نہ کیا جائے گا۔ اُف۔ اُف۔

اللہ رکھی بیچاری جب ہمارا حال نہ سُنے گی تو کُڑھ کُڑھ کر مرے گی کس محنت کے ساتھ مجھے ڈھونڈ نکالا۔ میں تو ٹرکی جانے کے قصد میں تھا۔ اور اس صنم عربدہ جو نے اپنا شہر چھوڑ کر مجھے ڈھونڈھا۔ ہائے خوب یاد ہے کہ میرے رُخساروں پر ہاتھ پھیر کر کہا تھا کہ ادھر نہ دیکھے تو ہمارا ہی لہو پیے۔ جناب باری کی قسم صرف تمہیں کو دیکھنے آئی ہوں کس حسرت سے کہا تھا کہ سُنو آزاد میں شریف زادی ہوں نادان اِس قدر جلد ہمیں بھول گیا۔ یاد ہے کہ ہمارے بوڑھے میاں نے تم سے خط لکھوایا اور تم ہمارے گھر کا پتا پوچھتے پوچھتے آئے تھے۔ ہم پر ریجھے ایک دن ہم فنس پر سوار ٹھسے سے جاتے تھے اور مہری فنس کا کونا دبائے ہوئے چلتی ہوئی چلی جاتی تھی تم کئی دن لٹو رہے اب ہم نے سُنا کہ حُسن آرا ہائے ایک بیگم کے ساتھ نکاح ہونے والا ہے اللہ یہاں تک کرے سُبھ گھڑی بیاہ ہو چشم ما روشن دل ماشاد اللہ رکھی مجھے سب باتیں یاد ہیں۔ اب میری خونابہ فشانی اور تمہاری حیرانی اور پریشانی تم کو اور مجھ کو دونوں کو کہیں کا نہ رکھے گی ارے کا سکو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیے جاتے ہو تم کہاں دل کو

ہے یہ قدرت سے آشنا میرا

زینت النسا تمہاری بھولی بھولی باتیں نہ بھولوں گا۔ یہ بھولوں گا وقت رخصت تمہارا فی امان اللہ کے عوض فی امان کہنا اور مارے رنج کے پورا فی امان اللہ زبان سے نہ نکلنا جب یاد آتا ہے خون روتا ہوں۔ اختر النسا نے ہنگام وداع آنسو پوچھ کر کہا تھا اب منزل کھوٹی ہوتی ہے بسم اللہ کیجیے خدا جانتا ہے ہائے رکاب پر پاؤں رکھنے کے وقت کیسا کہرام مچا تھا ٹسّ پڑ گئی تھی۔ یہ کیا معلوم تھا کہ الوداع دائمی ہے۔ اب یہ آخری ملاقات ہے۔

ہماری روانگی کے وقت بمبئی والی شوخ و شنگ بیگم صاحب نے کیسی مہنامتھ مچائی تھی۔ دس دس دفعہ منہ دھویا اور پھر روئیں امام ضامن کی اشرفی باندھی اور کہا امام ضامن کی دُھائی جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اُسی طرح منہ بھی دکھاؤ۔ کس لطف سے پیش آئی تھیں کہ میرا ہی دل جانتا ہے مگر اب تو وہ سب باتیں تقویم پارینہ ہیں۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اب وہ باتیں۔ ع

ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں

آزاد پاشا روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ غشی ایسی طاری ہوئی کہ حسن آرا اور میڈا سب کو بھول گئے کاسک سر بالیں کھڑے کفِ افسوس ملتے تھے مگر مجبوری کا عالم تھا۔ جب آزاد کو ہوش آیا پہلا لفظ جو اُن کی زبان سے نکلا یہ تھا (حسن آرا) دو منٹ کے بعد کہا گھبرانا نہیں میں بفضلہ اچھا ہوں۔ ذرا ذرا ضعف ہے وہ بھی رفع ہوا جاتا ہے۔ تم دل کو مضبوط رکھو ایک کاسک نے ان کو کسی قسم کا روسی عطر سونگھایا تو آزاد نے برجستہ یہ شعر سُنایا۔

کسی گل کے کوچے سے گذری ہے شاید

صبا آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

آنکھ کھولی تو حسن آرا نہ صبائے عنبر بار فقط جہاز اور دریائے ناپیدا کنار ایک کاسک سے کہا بھائی بھلا اب ہم کس توقع پر جیئیں سیبیریا کے قیدیوں میں بسر کی تو کیا۔ ایسی زندگی پر تین حرف۔

ہم سا ہوگا نہ کبھی بے سروسامان مجنوں

سر ہے عریاں تو گریبان ہے پارہ اپنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیوں حُسن آرا بیگم اللہ اللہ اب اس درجہ روٹھی ہو کہ بولتی بھی نہیں۔

راوی : کچھ خبر ہے آپ کو حُسن آرا بیگم یہاں کہاں۔ اس خبط کو دیکھیے گا افسوس کا مقام ہے۔ ہونہہ حُسن آرا کو ڈھونڈھتے ہیں۔

آزاد : اچھا ایک گلوری بنا دو۔ بس پھر ہم چلے جائیں گے واللہ۔

راوی : ہائے افسوس کیا سے کیا ہو گیا۔ ایسا پڑھا لکھا لائق فائق آدمی مگر اتفاق۔ کلیرسا نے خدا جانے کب کی عداوت نکالی۔ توبہ توبہ!

آزاد فرخ نہاد باول ناشاد ناکام و نامراد جہاز پر سوار ہو کر ڈینیوب عبور کرتے تھے تن بتقدیر۔ اُس دریائے بے پایاں میں ان کی کشتی جمعیت خاطر ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ جب اُس پار پہنچے تو ایک مرتبہ ٹرکی کی طرف رُخ کرکے کہا۔ بس اب البتّہ سمجھے کہ حُسن اور عشق کا جھگڑا آج ختم ہو گیا۔ اب نہ آزاد آزاد ہیں۔ نہ حُسن آرا پری زاد ہیں۔ اب آزاد اسیر اور درویش بے نوا ہیں۔ گھاس پر بیٹھ کر یہ اشعار زبان پر لائے۔

ساقیا جرعۂ بجامم کن ۔۔۔ گردش چرخ را بکامم کن
نوبت درد و غم بہ نامم زن ۔۔۔ کشور بے غمے بنامم کن

یہ اشعار پڑھ کر بہت روئے اور یہ شعر پڑھا۔

غرق خونست دل و دیدہ ام از دوری او
چند زینگو نہ زیم آہ بہ مہجوری او

کاسکوں نے لب ڈینیوب ایک باغ میں پڑاؤ ڈالا۔

چکنم باغ کہ بے تازہ گلت در نظرم
خس و خاشاک نماید سمن و سوری او

کاسکوں نے شب کو وہیں آرام کیا صبح کو اُٹھے۔ کوچ کی تیاریاں ہونے لگیں تو آزاد غائب۔ ایں! کیا خوب ایں گل دگر شگفت ہلڑ مچ گیا۔ گھوڑے کڑکڑاتے ہوئے اِدھر اُدھر دوڑے مگر آزاد کا پتا نہ پایا، نہ پایا۔

ایک : ارے یار بڑا دھوکا ہوا۔ بھاگ ہی نکلا آخر۔

دوسرا : اور ہم کہتے تھے کہ دیکھو غافل نہ رہنا۔

اب سُنیے کہ اِدھر تو یہ لوگ آزاد کی جستجو میں تھے اُدھر آزاد پاشا ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد کبھی اپنی نئی حالت پر روتے تھے اور کبھی اُن کو بے اختیار ہنسی آئی تھی۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

بڑی بیگم کا مکان

ایک روز حسن آرا بیگم نکھر کر ٹہل رہی تھیں کہ دفعۃً ایک کاغذ اِن کی نظر سے گذرا پڑھا تو یہ خط تھا۔

مانامہ بہ برگِ گُل نوشتیم
باشد کہ صبا بادرساند

جانِ آزاد۔ آہنگ گرم شوق نے خطاب والقاب سب بُھلا دیا طول مقام شوق وائر جار مبالغہ سے گذر کر نفس مطلب کہے دیتا ہوں کہ میرے آہنگ شوق کی آبرواب خدا کے ہاتھ ہے۔ میری شمشیر خارا شگاف اور تیغ خوش غلاف سے جو ہو سکے گا وہ میری بسالت اور شجاعت کے گواہ ہوں گے غنیم کا فتح کر لینا تو ہمّت مردانہ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں فتح الباب دل ذرا ٹیڑھی کھیر ہے جب میں نے تمہارے دل پر فتح پائی تو روسیہ کیا بیچارے ہیں تین چار دن میں بمبئی سے مثل نظر رواں ہوں گا اور میرا جہاز بہت جلد قسطنطنیہ کے قریب لنگر انداز ہو گا۔ شکست و فتح کا حال خدا جانے ہر وقت بحر اظہار بسالت ہر رگ وپے میں موجزن ہے جوش وخروش کی انتہا ہی نہیں مجھے خوب معلوم کہ تم راتوں کو مجھے یاد کر کے چونک چونک پڑتی ہو گی میری تصویر ہر دم تمہارے روبرو رہتی ہو گی لطف صحبت آنکھوں میں پھر جاتا ہو گا اور بعض اوقات تم دیوانوں کی طرح سر پٹکتی ہو گی مگر میرے استقلال کو دیکھو کہ محبوب مطلوب کے حُکم کی تعمیل کے لیے میں نے کیا کیا گوارا کیا۔ ایک اشارے کی دیر تھی کہ ٹرکی کا جانا فوراً منظور کر لیا۔ سربازوں اور سچّے عاشقوں کا یہی کام ہے ورنہ عشق خام ہے اور عاشق برائے نام پیاری سپہر آرا بھلا تم کو کیا سمجھاتی ہوں گی۔ وہ تم کو بات بات پر طعنے دیں گی کہ ایسا ہی عشق تھا تو شہر بدر کیوں کیا مگر تم مستقل رہو اور وضع اہلِ آبرو اسی کی مقتضی ہے کہ اُس کو تشفی دو۔ تم دونوں پیاری بہنوں کو میری وجہ سے بڑا صدمہ پہنچا اگر مجھ سے ملاقات نہ ہوئی تو تم کیوں مضطر و پریشاں ششدر و حیران ہوتیں لیکن اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ کچھ دن کلیجے پر پتھر رکھو۔ میں روم داخل ہوتے ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حط پر حط بھیجوں گا ہماری ایک صلاح مانو ان دنوں اودھ اخبار ضرور پڑھا کرو۔ اُس میں جنگ کا پورا پورا ذکر اشاعت پاتا ہے۔ راہ میں بخار نے ناک میں دم کر دیا تھا۔ اب خدا کے فضل سے صحیح و سالم ہوں۔ میاں خوجی راہ میں خوب خوب تماشے دکھاتے ہیں ایسا مسخرہ بھی کم دیکھا ہو گا خیر۔ یار زندہ و صحبت باقی جیتے ہیں تو پھر ملیں گے ورنہ جس دن لیلیٰ اور مجنوں۔ فرہاد اور شیریں کا نکاح ہو گا اُسی دن ہم تم بھی دُولہا دُلہن بنیں گے خدا حافظ۔ بمبئی سے اپنی روانگی کا تار بھیجوں گا۔

آزاد خستہ جان

اِس خط کے پڑھتے ہی حسن آرا بیگم کی آنکھوں سے جوئے اشک جاری ہوئی اور سپہر آرا سے یوں مکالمہ کرنے لگیں۔ "بہن اس وقت آزاد کا ایک خط یہاں پڑا پایا۔ اُف دل بھر آیا"۔ "باجی جان میں تو سمجھاتے تھک گئی تم ایک نہیں مانتیں"۔ "اے ہے تو میں کرتی کیا ہوں۔ اب روؤں بھی نہیں۔ ہائے ہائے"۔ "باجی ناحق کو ہلکان ہوتی ہو۔ آزاد اب صبح شام آیا ہی چاہتے ہیں"۔ "اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ خدا ایسا کرے ازیں چہ بہتر خدا ہیچنیں کند مگر سپہر آرا۔ لڑائی کچھ خالہ جی کا گھر نہیں ہے"۔

دعائیں مانگی ہیں مدتوں تک جھکا کے سر ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر
ہوا ہوں اب میں بتوں کا بندہ خدا خدا کر خدا خدا کر
دعا لبِ جام نے بھی مانگی سبو نے بھی ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر
ہماری محفل میں آیا ساقی خدا خدا کر خدا خدا کر

سپہر آرا بولی بھلا جب جانیں کہ دکھا دکھا کر کا شعر کہیے۔ حسن آرا نے یہ شعر تڑسے پڑھ دیا۔

کہاں وہ شکلیں کہاں وہ باتیں کہاں وہ جلسے کہاں وہ محفل
یہ سب کا سب خواب کا تھا سامان چھپا لیا بس دکھا دکھا کر

شعر پڑھ کر حسن آرا بہت روئیں اور بار بار یہ مصرعہ زبان پر لائیں۔ ع

یہ سب کا سب خواب کا تھا سامان چھپا لیا بس دکھا دکھا کر

اتنے میں ایک آدمی اس طرف سے گذرا جو یہ شعر گاتا جاتا تھا۔

کھول دی ہے زلف کس نے پھول سے رخسار پر
چھا گئی کالی گھٹا سی آن کر گلزار پر

حسن آرا کے بال بکھر کر رخساروں پر آئے تھے سپہر آرا نے شعر سُنا تو کہا باجی کچھ سُنتی ہو۔ اس وقت کسی نے دیکھ لیا ہو گا دزی بیٹھ جاؤ۔ یہاں سے شاید نظر پڑتی ہے۔ حسن آرا تنگ کر بولیں اے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جانے بھی دو موئے کو دیکھے گا تو کیا کرے گا۔

سپہر آرا نے کہا اچھا باجی آہستہ آہستہ کوئی غزل گاؤ۔ حسن آرا نے یہ غزل سنائی۔

اُس کو غفلت پیشہ کہہ آتے ہیں ہم — بھول جانا یاد دلواتے ہیں ہم
بن ترے جب باغ کو جاتے ہیں ہم — داغ تازہ دل پہ لے آتے ہیں ہم
دل ہے آئینہ وہ ہے پر تو فگن — یار کو آغوش میں پاتے ہیں ہم
بیقراری سے گرا دیتے ہیں برق — مینہ اگر رو رو کے برساتے ہیں ہم

یاد آتے ہیں لب شیریں ترے
زہر میٹھا ہجر میں کھاتے ہیں ہم

سپہر آرا: باجی اُف اب تو آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔

حسن آرا: ہم سونے کو دیں گے۔ بس چلو اُٹھ بیٹھو۔

حسن آرا نے آزاد کے کل خطوط احتیاط کے ساتھ رکھے تھے مگر یہ خط خدا جانے کس طرح کوڑے میں ملا۔ سپہر آرا سے حسن آرا نے اِس خط کا تذکرہ تو کیا تھا مگر سپہر آرا اچھی طرح مطلب نہ سمجھیں۔

حسن آرا: یہ خط تو پڑھو۔ بتاؤ کس کا خط ہے۔

سپہر آرا: دیکھوں۔ جان آزاد۔ کیا ابھی ابھی آیا۔ خیریت تو ہے؟

حسن آرا: یہ کیا جانے کب کا خط ہے مگر بہن یہ باہر کیوں کر پڑا رہا۔

سپہر آرا: (پڑھ کر) ارے یہ تو پرانا خط ہے باجی کوئی دو سو برس کا۔

حسن آرا: ہاں بلکہ اور دو ہزار برس کا۔ (خط کو چوم لیا)۔

سپہر آرا: باجی ان باتوں سے کیا ہوگا بیکار ہلکان ہوتی ہو۔

حسن آرا: (اشکبار ہو کر)۔

نہیں کچھ غم گلستاں سے جو فصل گل روانا ہے
وہ بلبل ہوں کہ گل کھا کے تازہ گل کھلانا ہے
کہو اُس برق وش سے آج لازم ساتھ جانا ہے
جنازے پر ہمارے ابر حمیت شامیانا ہے
مثالِ نقش پا لاکھوں پڑے رہتے ہیں سراس جا
مگر قاتل ترا گنج شہیداں آستانا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گریبان پھاڑ کر دستِ جنون ہوگی کبھی فرصت
ابھی تو دامن صحرا کے بھی پرزے اُڑانا ہے

سپہر آرا: غزل بھی نکالی تو ویسی ہی۔ کیا معلوم کیا ہوگیا ہے۔
حسن آرا: ہو کیا گیا۔ سودا کہہ دو۔ جنون سمجھ لو۔

جی نکل جائے گا تن سے تو کیا صیّاد اگر
طائر جان دیکھنا بے آشیان ہوجائے گا

سپہر آرا: یہ خط بھی آج ہی ملنا تھا۔
حسن آرا: پڑھتے ہی عنان صبر ہاتھ سے چھٹ گئی۔

سر کٹے پر کر نہ جور نگ اے مرے جلاد بس
تا کجا ظلم و ستم بس اے ستم ایجاد بس
اپنا جوشِ اشک دکھلاتا ہے طوفان ہر برس
خانۂ آباد ہو جاتا ہے ویران ہر برس

اتنے میں سپہر آرا تصویر آزاد لے آئیں۔
سپہر آرا: لو باجی۔ آزاد کو ہم نے بلوا دیا۔ نہ کہو گی۔
حسن آرا: (تصویر کا بوسہ لے کر)

یار کا نقشہ نہ ہرگز کھینچ سکا غش آگیا
دیکھی صنّاعی تمہاری مانی و بہزاد بس

ہے تو سچ مچ آزاد ہے۔
سپہر آرا نے بات ٹالنے کے لیے کہا آہا ہا خوب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ حسن آرا نے اس کے جواب میں یہ شعر کہا۔

اُس سرو قد کی دیکھی تھی رفتار باغ میں
آوارہ پھر رہی ہے نسیمِ سحر ہنوز

اور ایک شعر سنائیں گے۔

لڑکھڑاتی پھرتی ہے گلشن میں مستانہ نسیم
ساغرِ گل ساغرِ مے ہے چمن میخانہ ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : اے اب سو رہو۔ سوئیں نہ سونے دیں۔ واہ!

حُسن آرا : ہم کو تو نیند آتی نہیں۔ تم کو کیوں کر سونے دیں۔

ایسا کیا ضعیف غمِ انتظار نے
آنکھوں میں میری بار ہے خواب گران تلک

اتنے میں جہاں آرا اور گیتی آرا بھی آئیں۔ کہا کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ بہنوں بہنوں میں کیہ مسکوٹ ہوتی ہے۔

حُسن آرا : اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں بہن۔ نیند نہیں آتی۔

جہاں آرا : آج تو ہم کو بھی نیند نہیں آتی۔ خدا معلوم کیا سبب ہے۔

حُسن آرا : بہن تمہارے نیند نہ آنے کا سبب تو ہم کو معلوم ہے۔

گیتی آرا : کیا۔ کیا۔ اِن کے نیند نہ آنے کا سبب کیا ہے حُسن آرا۔

حُسن آرا : اِنھیں سے پوچھو۔ بتا دوں جہاں آرا بہن۔

جہاں آرا : شانِ خدا بے زبانوں کو بھی ہمارے لیے زبان آئی ہے۔ ہاں بتا دو۔

حُسن آرا : آج تو دولہا بھائی کی آمد آمد ہے۔ نہ نیند کیونکر آئے اس پر سب بہنوں نے قہقہہ لگایا۔ اور عباسی مہری بھی مُسکرائی گیتی آرا نے پوچھا کیا سچ مچ دولہا بھائی آنے والے۔ آبہن۔ حُسن آرا نے کہا اللہ جانتا ہے صبح شام داخل ہوا چاہتے ہیں۔ آج تیسرے پہر کو اماّ جان نے اُنھیں کا خط پڑھنے کے لیے تو بُلایا تھا۔

جہاں آرا : کیوں اتنا جھوٹ بولتی ہو حُسن آرا یہ بڑا عیب ہے۔

حُسن آرا : ایں! اے لو جھوٹ کی ایک ہی کہی۔ اچھا آؤ کچھ بدتی ہو۔

جہاں آرا : ہاں بدلتے ہیں دو دو روپیہ آؤ۔ ہاتھ پر ہاتھ مارو۔

حُسن آرا : ہم دو دو روپیہ نہیں بدتے۔ مٹھائی آئے تو داڑھ تک گرم نہ ہو۔ اتنے میں ہوتا ہی کیا ہے۔

جہاں آرا : اچھا دس دس سہی۔ آؤ بدلو۔

حُسن آرا : ہم ایک ایک اشرفی بدتے ہیں۔ آئیے بدلئے۔

جہاں آرا اور سپہر آرا شریک ہوگئیں اور اِدھر حُسن آرا اکیلی یہ تو خط پڑھ ہی چکی تھیں یہ اشرفی میں کسی کو شریک کیوں کرتیں گیتی آرا نے کہا بہن اللہ جانتا ہے تم دونوں کتنی سادی ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا : چلیے خیر آپ کی بلا سے ۔ ہم سادے ہی سہی ۔ بس !
گیتی آرا : سہی کیا معنی ۔ ہو ہی ۔ ایک ایک اشرفی بدلی ۔
سپہر آرا : اور نہیں کیا ۔ باجی جان جھیپ بھی جائیں گی ۔
جہاں آرا : جھیپ چکیں ۔ کیا کھیل ہے ۔
گیتی آرا : ہائے ہائے اب میں کس سے کہوں ۔ صریح وہ تو خط پڑھ کے آئی ہیں اور تم بے سمجھے بوجھے بدسے لیتی ہو ۔
حُسن آرا : اب بے ایمانی کی سند نہیں (بدے لیتی ہو) یا بد چکی ہیں ۔
جہاں آرا : چلو اب تو بد چکے سو بد چکے ۔ خط دکھاؤ ۔

حُسن آرا نے عبّاسی کو حُکم دیا وہ خط امّاجان سے مانگ لانا ۔ جب تک عبّاسی جائے اور لائے اُنھوں نے ہنس ہنس کر بنانا شروع کیا ۔ کیا کہیے ۔ ایک اشرفی جاتی رہی اس وقت چلو خیر ۔ دھوکا ہوا ۔ اب شرط کبھی نہ بدیں گے ۔

اتنے میں یہ آواز آئی ۔

مُنہ ڈھانپ کے میں جو رو رہا ہوں
اِک پردہ نشیں کا مبتلا ہوں

سپہر آرا : ارے یہ آواز کہاں سے آئی ۔ پردہ نشیں !
حُسن آرا : پردہ نشیں کے گاہک ہمایوں فر کے سوا اور کون ہیں وہی بس ۔
گیتی آرا : ہاں آواز بھی اُنھیں کی سی ہے اور شعر بھی حسب حال پڑھا ۔ پھر آواز آئی ۔

بلبل ہے چمن میں ایک ہمدرد
میں بھی کسی گل کا مبتلا ہوں

گیتی آرا : اچھا گل کھلا ہے ۔ بارے خیر ہمدرد تو کوئی پیدا ہوا ۔
حُسن آرا : اِن کی باتوں کا جواب نہ دیا کرو ۔ ؟ انیست جوابش کہ جوابش ندہی ۔
سپہر آرا : اے باجی تم تو اُڑتی چڑیاں پکڑتی ہو ۔ اور نہیں ؟
حُسن آرا : آؤ پھر کچھ کچھ شرط بد لو ۔ دو دو اشرفیاں ۔
سپہر آرا : واہ ۔ کیوں بدین سبب ؟ احمد نہیں محمود سہی ۔
حُسن آرا : پھر تعجب کیوں کرتی ہو ۔ بیچ کھیت ہمایوں فر ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی خط لے کر آئی۔ سپہر آرا نے پڑھا۔

کل بندہ روانہ ہوگا۔ اگر راہ میں ٹھہر گیا تو پرسوں پہنچوں گا ورنہ کل ہی داخل ہوں گا۔ صبح کے وقت فٹن ریل پر بھیج دیجیے گا یہاں سے چھٹے اسٹیشن پر میرے ایک دوست رہتے ہیں اگر وہ اسٹیشن پر ملے تو ضرور پکڑ لے جائیں گے۔ بہرکیف آپ فٹن روانہ کیجیے گا۔ حسن آرا بیگم سے کہیے گا کہ خط میں جو بھیجا تھا پایا یا اچھا خیر سمجھا جائے گا۔

جہاں آرا : ہمیں خط دو۔ دیکھیں انھیں کے ہاتھ کا ہے یا کسی اور کے ہاتھ کا۔

حسن آرا : ارے لو اب بھی یقین نہیں آتا۔ کتنی بدگمان ہو بہن کہ بس۔

سپہر آرا : خاص دولہا بھائی کے ہاتھ کا ہے اب کیا ہم اُن کا خط بھی نہیں پہچانتے ہیں تو لفافے ہی سے سمجھ گئی تھی کہ وہی ہیں۔

حسن آرا : اب ایک اشرفی بائیں ہاتھ سے رکھ دیجیے۔ بس لائیے۔ لائیے۔ ہاں۔

جہاں آرا : کہیں دی نہ ہو۔ اشرفی لینے چلی ہیں۔ کیا مفت کی اشرفیاں آئی ہیں۔

گیتی آرا : اے واہ ہے۔ یہ بے ایمانی نہیں اچھی جو بدا وہ دو۔

جہاں آرا : اچھا ہم سے سب کچھ بدا سہی۔ پھر بدنے سے کیا ہوتا ہے نیت دیکھی جاتی ہے فقط ہنسی ہنسی میں بدا تھا یا سچ مچ بدنے بیٹھے تھے۔

سپہر آرا : کیا اشرفی مانگتی ہیں۔ اے کیوں نہیں۔ ضرور۔ کیا مُفت کی ہے۔

جہاں آرا : تم تو بے ایمان نہ تھیں۔ سپہر آرا اِن کے ساتھ تم بھی بے ایمان ہوگئیں۔

گیتی آرا : دونوں بہنوں کی نیت ڈانواں ڈول ہوگئی ہے اب نہ دیں گی۔

حسن آرا : واہ نہ دینے کی ایک ہی کہی۔ نہ دینا کیا معنی۔ ہم تو ابھی لیں گے۔

سپہر آرا : اخاہ بیگم صاحب تو سپاہی بن گئیں۔ ہارا کون ہے جو لو گی۔

جہاں آرا : جو ہارا ہو اُس سے لو۔ ہم امی جان سے کہیں گے کہ فیصلہ کر دیجیے۔ تم کس کی سی کہو گی عباسی ہماری سی یا حسن آرا بیگم کی سی۔

عباسی : حضور میں تو ایمان کی سی کہوں گی۔ سپہر آرا بیگم اور آپ شرط ہاریں پھر اب وے کون سوائے آپ کے۔ بس ہم تو یہ جانتے ہیں اور کسی بات سے ہمیں واسطہ نہیں۔

جہاں آرا : اور تم کس کی سی کہو گی۔ گیتی آرا۔

گیتی آرا : ہم جو آدھا بانٹ ملے۔ بولو کون دیتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن آرا: ہم پوری اشرفی لیں گے اور نہ دیں گی تو ہم چوری کرکے لیں گے اللہ جانتا ہے۔ نہ دینا کیا معنی۔ پھر بدتی کیوں ہو یہ ہر سٹے یوں ہی بد بد کے مکر جایا کرتی ہو۔

جہاں آرا: تم تو رونے لگیں کیا مفت کی اشرفی ہے۔ کیوں، اور تم نے بداکس سے تھا بہن۔ یوں رونے سے کہو دو چار روپیہ دے دوں بولو اے ہاں (مسکرا کر) خیر دو چار شد شد۔

حُسن آرا: آپ کے چہرہ شاہی آپ کو مبارک ہوں ہم تو زردی لیں گے بدنے کے وقت کیا خوش تھیں۔ اب دینے کے وقت کیسی نکلی جاتی ہیں صبح کے وقت جہاں آرا بیگم کے شوہر تشریف لائے تو اُنھوں نے ایک عجیب وغریب روایت بیان کی جس سے حُسن آرا کو کمال رنج ہوا۔

لیجیے آج ایک نیا گل کھلا، آزاد بیچارے پھر قید ہو گئے

میاں آزاد فرخ نہاد ہندوستان جنت نشان ہیں کئی نوعروساں پری زاد پر ریجھے تھے۔ اللہ رکھی کے حُسن صفا پرور اور چمک دمک پر جان جاتی تھی زینت النساکی بھولی بھولی تقریر اور صورت زیبا دل وجان سے بھاتی تھی اختر النساکی رنگیں ادائی اور خود نمائی کُھب گئی تھی بمبئی کی چنچل پدمنی سے عشق صادق تھا۔ بس مئیڈا پر صد ہا نوجوان رئیس زادے فریفتہ تھے مگر اس برق وش کی نظر آزاد ہی پر پڑی۔ اور حُسن آرا بیگم کا عشق تو عذرا اور لیلیٰ کے عشق سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر تھا مگر آج تک کسی پری سے شادی نہیں ہوئی تھی۔ بس مئیڈا اور حُسن آرا سے زبانی وعدہ تھا۔ لیکن آنروے دریائے ڈینیوب ایک نیا گل کھلا۔

بیا ساقی بیا اے عین جادو ‌ ‌ ‌ ‌ بدستت ساغر مے چشم آہو

بیا ساقی بیا اے ابر احسان ‌ ‌ ‌ ‌ بساغر کن می از خون رقیبان

سرت گردم بجامے ساز شادم
کہ رنگین قصۂ آمد بیادم

اب سُنیے کہ سویرے مُنہ اندھیرے میاں آزاد کی آنکھ جو کھلی تو اپنے کو عجب حالت میں پایا۔ قلب پر انتہا کی گرمی۔ دل قابو میں نہیں تشنگی کی یہ شدت کہ ہر موے بدن العطش گویاں ہے۔ آنکھیں بھاری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طبیعت سست۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے زمین اور آسمان اور در و دیوار جس شے پر نظر ڈالتے ہیں، دھندلا دکھائی دیتا ہے اور کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔ مگر اِس قدر البتہ سمجھ میں آتا ہے کہ اپنا سر کسی کے زانو پر ہے۔ پیاس کی شدت سے تالو میں کانٹے پڑ گئے تھے لب بالکل خشک تھے گو آنکھ کھولتے تھے مگر گفتگو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ آخر کار بہزار خرابی لب ہلائے۔ مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا مانگتے ہیں۔ ایک پیر فرتوت تاڑ گیا۔ کہا حضور ان کو پانی پلائیں ورنہ تھوڑی ہی دیر میں اِن کا بُرا حال ہو جائے گا۔ ایک گلاس آب سرد پیا تو قلب کو تقویت حاصل ہوئی آنکھیں کھولیں تو عقدۂ سربستہ کُھل گیا۔ ایں! یا الٰہی یہ خواب ہے یا سچ مچ میرا سر کسی کے زانو پر ہے باآواز بلند کچھ واہی تباہی بکنے لگے۔

حُسن آرا: ہائے وہ تو زانو ہی سے پہچان گیا کہ پیاری حُسن آرا بیگم ہیں تم لاکھ مُنہ چھپاؤ بھلا کہیں ادائیں بھی چھپ سکی ہیں۔ شان کبریائی۔ صدقے تیری بندہ نوازی کے کجا روس کی عملداری اور کجا حُسن آرا۔ اس زانوے مصفّا پر آزاد کا سر ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

تعالیٰ اللہ چہ دولت دارم امشب
کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

اِس وقت اس قدر خوش ہوں کہ جامے میں پھولا نہیں سماتا۔ اللہ رے جذب دل و کشش محبّت۔

اے صبا جذب پہ جس دم دل ناشاد آیا
اپنی آغوش میں اُڑ کر وہ پریزاد آیا

جس گلبدن کے زانو پر آزاد کا سر تھا اُس کو معلوم ہی نہیں کہ یہ کیا بک رہے ہیں۔ ایں! کیا خوب۔ اب ہمارے ناظرین دنگ ہوں گے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ کجا آزاد اسیر خستہ جگر۔ کجا گلبدن کا زانو اور اُن کا سر۔ خیر۔

چو زانویش دہد خورشید را رو
نشیند حور پیشش او دو زانو

آزاد اُٹھ بیٹھے تو سخت متحیر کہ۔ ع

انچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بست سالہ زن جمیلہ سامنے متمکن ہے۔ سوچے کہ ایں! کیا اسی کے زانوے بلورین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر ہمارا سر نظار۔ عورت کیا قیامت سے دوش بردوش ہے۔ آنکھ ہے یا نرگس ظالم قدح نوش ہے قہر بھری نگاہ جادو نظر۔ سیم تن سمنبر۔ افشاں جبیں نازنینی۔ روکش لعبتان چینی۔ ذوفنوں عیار پر فن۔ بانکی ٹوپی تیکھی چتون۔

بسر نہادہ ہمہ نو کلاہ خوبی کج
اگر بچرخ رود داغ کجکلاہ من ست

نرگس مخمور صہبائے جمال مبین سے گلرنگ۔ غیرت حسیناں فرخار رشک بتان فرنگ۔

بہ نور خویش بتاں راچو آفرید خدا
ترا ازان ہمہ در حسن برگزید خدا

آزاد نے غور کرکے دیکھا تو وہ سیم بدن غنچہ دہن زیر لب مسکرانے لگی۔

علاج تلخ کلامی ہائے حسرت زود خواہد شد
شکر خندش ہر آبا میکند سیب زنخدان را

آزاد نے آہستہ سے کہا واسطے خدا کے بتاؤ کون ہو۔ ہمیں کیوں کر یہاں پھانس لائیں یا خدا میری تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کاسک کہاں ہیں۔ ڈینیوب کس قدر فاصلے پر ہے میں یہاں کیوں چھوڑ دیا گیا۔ کیا سیبیریا اسی مقام کا نام ہے اُس شوخ خوش لب نے آنکھ کے اشارے سے کہا صبر کرو چشم ست و مخمور نے ستم ڈھایا۔ مردم بیمار کا ناز اُٹھایا۔

باد و چشم تو دل اے شوخ ستمگر چہ کند
یک مسلمان چو درافتد بہ دو کافر چہ کند

گردش چشم ناتواں نے اِس خستہ جان کا کام ہی تمام کر دیا۔ یہ گردش چشم تھی یا گردش تقدیر گو حسن آرا اور مس میڈا حسن و جمال میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں مگر اس پری تمثال لیلیٰ جمال کی آنکھیں سحر تخمیر ہیں۔

در ساغر چشم تو ندانم چہ شرابست
بر ہر کہ نظر میفگنی مست و خرابست

آزاد نے اُس بت عربدہ جو کو مخاطب کرکے کہا۔ جان جان باعث آرام آزاد خستہ جان تیر نظر جگر دوز ہے۔ اور رخسار تاباں کا حسن گلو سوز ہے اب چھٹکارا معلوم۔ وہ جگر کو چھلنی کرے یہ خرمن۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عیش پر بجلی گرائے۔ بس اب یقین ہو گیا کہ ہماری موت ہمیں یہاں کشاں کشاں لائی ہے مگر شکر ہے کہ تمہارے سامنے جان دوں گا دم توڑوں گا مرتے دم حسرتِ دیدار تو نہ باقی رہے گی۔

صد شکل خوب چرخ کشید و خراب ساخت
تا صورت بسان تو اے آفتاب ساخت

اُس پری نے کسی بات کا جواب نہ دیا مگر آزاد کے رُخ انور سے نظر نہیں ہٹائی۔ ٹکٹکی لگائی تو گھنٹوں گھورا کی۔ تھوڑی دیر میں وہ ناظورۂ زاہد فریب طاؤس زیب، میاں آزاد کے لیے کمرا سجوانے گئی۔ دو عورتوں کو بُلا کر کہا جب تک میں کمرے کا سامان درست کروں تم اس جوانِ خوش رو سے شطرنج کھیلو۔ بساطی بچھی شطرنج ہونے لگی۔ وہ دونوں ایک طرف، آزاد ایک طرف۔ پہلی بازی میں قائم اُٹھی دوسری میں آزاد نے مات دی۔ مات دے کر آزاد اُٹھے کہ اس مقام کی سیر کریں۔ دیکھا تو عشعش کرنے لگے۔ اور بہت ہی تعریف کی۔

ایک کوہِ رفیع و فلک پیوند، رشکِ الوند، گران بہا پتھروں کی ایک کوٹھی بنی تھی۔ نرالی فشن اور نئی وضع کی۔ یا خدا یہ کس وضع کی کیا عمارت ہے۔ ہندوستانی نہ انگریزی نہ رومی، پہاڑ ڈھالو تھا، اور سبزہ اس لطافت سے لہک رہا تھا کہ آنکھ کو نور موفور حاصل ہوتا تھا اور بصارت خضارت سے سیراب ہوتی تھی۔ ایک میل کے فاصلے پر یونان کے گرجا کا مینارِ طلائی بہ خوشنمائی مائل تھا۔ گو کہرہ مدِ نظر کا کسی قدر حائل تھا مگر آفتاب کی اشعۂ زرنگار سے اس کا سنہرا کلس چمک رہا تھا۔ ایک سمت دامن کوہ میں اشجار پُر بہار اور انواع و اقسام کے گل بوٹے قدرتِ حق کا تماشا دکھاتے تھے۔ شمال کی سمت دریائے ڈینیوب عجب شان سے لہریں مارتا تھا۔ صبح کا سہانا سماں آفتاب نور افشاں۔ دریا موج زن۔ باغ پر ستم کا جوبن۔ سبزہ لہک رہا ہے۔ پھولوں کا تختہ مہک رہا ہے، کشتیاں دریا میں آتی ہیں۔ روس کی فوجیں تا بڑ توڑ عبور کرتی جاتی ہیں۔ مینڈھا ہوا سے اُچھل رہا ہے۔ دریائی جانور پانی میں اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔ ایک جانور کی صورت نظر آئی اور دم کے دم میں غائب دوسرے جانور نے ذرا جھلک دکھائی اور نظر سے اوجھل۔ کسی کی پیٹھ چمکی اور تڑسے تہ آب میں ہو رہا۔ کوئی پانی بیسے دس ہاتھ اُچھلا اور غوطہ لگایا۔ دسواں کش زور سے آیا اور زن سے نکل گیا۔ فن شناوری کے اُستاد مسلم الثبوت شمشیرِ لیاقت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ کبھی ملّاحی چیرتے ہیں۔ کبھی کھڑی لگاتے ہیں۔ شاگردوں کو جل بانک سکھاتے ہیں۔ گردن پر ہاتھ رکھا اور تھپکی دی۔ کاندھے پر اُنگلی رکھی اور غوطہ دیا۔ کسی نے غوطہ لگایا اور آدھ گھنٹے کی خبر لایا۔ کوئی تیر کی پیرائی پیرتا ہے۔ کوئی بہاؤ پر فرّاٹے سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جانا ہے۔

اتنے میں آزاد نے دیکھا کہ روسیوں کا توپخانہ آیا۔ گھڑگھڑاہٹ کی آواز بڑی دور سے آتی تھی۔ توپخانے والوں نے بڑی پھرتی اور چستی سے دریا عبور کرنے کا اہتمام کیا۔ چٹکیوں میں انتظام کیا۔ آزاد کے دل کی دھڑکن اس فوج کو دیکھ کر بڑھتی جاتی تھی۔ سوچتے تھے کہ یا خدا یہی فوج ہمارے مقابلے کے لیے روانہ ہوتی ہے۔ ہائے اگر ہم اسیر نہ ہو جاتے تو اس کو نیچا دکھاتے۔ مگر اب تو اسیرِ زندان بلا ہیں۔ اس نئی مصیبت میں مبتلا ہیں۔

مشرق کی طرف آزاد نے دیکھا کہ ایک پہاڑی پر نئے نئے قسم کے مکانات بنے ہیں۔ پہاڑی دامن سے چوٹی تک سبزہ نودمیدہ سے ڈھکی ہوئی ہے نیچے درخت پُر بہار اور چوطرفہ سبزہ زار:

در دامن ہر شگوفہ باغی
ہر برگِ گلی جو شب چراغی

آزاد: اُہو ہو۔ کیا سہانا سماں ہے، اور کیسا دلچسپ مقام ہے۔ کہ واہ جی واہ۔

عورت: (ترکی زبان میں) آپ ترکی ہیں یا فرانسیسی یا جرمنی؟

آزاد: میں ترکی نہ جرمنی نہ فرانسیسی ہندی ہوں اور تمہاری بیوی۔

عورت: پولینڈ کے قریب ایک ملک ہے۔ وہاں ان کا مکان ہے مگر شاعر ہیں اِن کو یہی کوہستان پسند ہے۔ عجب سہانا مقام ہے۔

آزاد: اِن کا نام کیا ہے۔ کوئی عیسائی ہوگا یا نہیں۔

عورت: جی ہاں اِن کا نام سولیا ہے۔ عاشق تن عورت ہیں۔ روس میں اِن کو سب جانتے ہیں۔ شادی نہ کریں گی۔

آزاد: حُسن و جمال میں بے نظیر ہے عورت کیا پرستان کی پری ہے خدا حُسن دو بالا کرے۔ آمین آمین ثم آمین ؎

حُسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

آمین آمین ثم آمین۔ ع
ایں دعا از من واز خلق خدا آمین باد

؎

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوبصورت یوں تو بہتیرے ہیں لیکن پارسا
نازنین نازک بدن نازک کمر کوئی نہیں

آزاد پاشا اُس کوٹھی کے اندر گئے تو اور بھی عش عش کرنے لگے دیکھا کہ پہاڑ کو کاٹ کر چاروں طرف کی دیواریں بنی ہیں اور نہایت عمدہ عمدہ سنگی تصویریں جا بجا رکھی ہیں معلوم ہوتا تھا کہ بولا ہی چاہتی ہیں زینے سے چھت پر گئے، تو خدا کی خدائی نظر آئی یہ کوٹھی پہاڑ کے ارفع مقام پر بنی تھی اور اس کی چھت اس قدر اونچی تھی کہ دو سو چونتیس سیڑھیوں کے بعد انسان کوٹھے پر پہنچتا تھا۔ چھت پر جا کر آزاد نے چاروں طرف نظر ڈالی تو پہاڑوں کی اُونچی اُونچی چوٹیاں اس لطف سے نظر آئیں کہ جی خوش ہوگیا۔ دفعتہً گھٹا چھائی۔ سیر کی کیفیت گھٹا نے اور بھی بڑھائی پہاڑوں کی ہری ہری دوب اور گل بوٹے آنکھوں کو عجب طراوت بخشتے تھے۔ بادلوں کا مستانہ وار جھومنا اور شاخہائے پُرمیوہ کا زمین کو چومنا برف باری اور قدرت کی گلکاری نے آزاد کو مست کر دیا اور فرطِ طرب سے انشا اللہ خاں کے یہ اشعار زبان پر لائے۔ سہ

ٹک ایک اے نسیم سنبھال لے کہ بہار مست شراب ہے
وہ جو حسن عالم نشہ ہے اُسے ابھی عین شباب ہے
یہ دور وزہ نشو و نما کو تو نہ سمجھ کہ نقش برآب ہے
یہ سُراب ہے یہ حباب ہے فقط ایک قصّہ و خواب ہے
یہ گھٹا ئیں چھائی ہیں کالیاں جو ہری بھری ہیں یہ ڈالیاں
اُبھر آئیں پھولوں کی لالیاں تو بجائے آب شہاب ہے
عرقِ بہار شراب ہے وہی آج چھڑکیں گے آپ پر
نہ تو بید مشک ہے اس گھڑی نہ تو کیوڑا ہے نہ گلاب ہے

آپ ہی آپ کہنے لگے کہ بھئی آزاد یہ پُرانے اشعار اور پُرانی بندش اور پرانے محاورات کی سند نہیں کوئی نئی غزل پڑھو۔ اس گھٹا میں کوئی آگ بھبو کا معشوق جھولا جھولے تو بڑا لطف ہو۔ سہ

لگی ہے منہہ کی جھڑی باغ میں چلو جھولیں
کہ جھولنے کا مزہ بھی اسی بہار میں ہے

یہ کہہ کر آزاد نے رونا شروع کیا اور رو رو کر گانے لگے۔ (بابل مورا رے نیہر چھوٹو جائے)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھیرویں کی دُھن میں اِس سے وہ رنگ جمایا کہ اُس صنم غنچہ دہن کو بھی گانا بھایا اور تمام کُہسار میں دھوم مچ گئی ؎

یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز
رچی ہوئی جو پہاڑوں کے آبشار میں ہے

مگر سامنے نہیں آئی۔ جھروکے سے آزاد کی وحشت اور گریۂ وزاری اور چال ڈھال دیکھی جاتی تھی۔

اتنے میں ایک حسین اور نوعمر عورت نے ایک جام بلوریں میں شراب انگوری دی اور کہا یہ نوشِ جان فرمائیے۔ آزاد مُسکرا کو بولے۔ ؎

بروائے وحشت از برائے خدا | توبہ ام شکن از برائے خدا
گرمجوشی و گرمی خواہم | بگذراز بخت پز برائے خدا
مژدہ اے صوفیان کہ من کردم | ترکِ دنیا وجز برائے خدا
می دہم از طفیل آل عباد | قاقم وشال وخز برائے خدا

ریشِ انشاؔ خضاب می خواہد
ہمّت اے رنگ رز برائے خدا

اُس عورت نے جو کمال چالاک اور دل رُبائی میں طاق پاک بیباک تھی جام کو مُنہ سے لگایا، اور دو گھونٹ پی کر اشارے سے بتایا کہ زہر نہیں ہے۔ پی جا۔

آزاد نے بات ٹالنے کے لیے پڑھنا شروع کیا:

گل بادِ بہاری نے سو ٹکڑے گلابی کی | اس پردے میں آ پھونکی رُوح ایک شرابی کی
جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اُڑانے پر | اے نکہت گل تو نے کیوں اتنی شتابی کی
انداز و ادا یکسو پر قتل ہی کرتی ہے | اک نیچہ کی دھج ہے تری دستار گلابی کی
تقصیر نہ اس دل کی نی جرم محبت کچھ | تیری ہی لگاوٹ نے سب خانہ خرابی کی

بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشاؔ کے
جامیؔ کی نظامیؔ کی سعدیؔ کی سحابیؔ کی

عورت نے آزاد کے ہاتھ میں جام مُروّق دے دیا اور اشارے سے کہا پی لو۔ آزاد نے اُس زن پریزاد کے دستِ سیمیں سے بدرجہ مجبوری وہ جام بادۂ گلفام لے لیا۔ چھت کی سیر کر کے نیچے اُترے تو ایک کمرے کو اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدر سرد پایا کہ ٹھٹھرنے لگے۔ ایں اللہ اللہ یہ سردی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُوپر سے چھن چھن کر برف گرتی ہے اور کمرا اسی قدر سرد ہو گیا ہے کہ گرم کپڑے پہنے بغیر انسان دم بھر وہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ اُس عورت نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر قہقہہ لگایا اور ایک سوزن کار دوشالہ کشمیری اُڑھا دیا۔ آزاد ایک پلنگ پر لیٹے تو آنکھیں جھکی جاتی ہیں۔ عورت ان کو اُس کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ دو گھنٹے کامل آزاد خوب سوئے۔ دو گھنٹے کے بعد اُٹھے ایک طرف سے ٹھنڈا ٹھنڈا پانی لیا مُنہ دھویا۔ اتنے میں ایک کشیدہ قیامت عورت آئی۔ بدن گدرایا ہوا۔ شانے بھرے ہوئے چہرہ صاف سفیدی تین حصے سرخی ایک حصہ۔ مکھڑا پیارا۔ خندہ پیشانی غور کر کے دیکھا تو عربوں کی سی پوشاک پہنے پایا۔ پہلے تو عربی میں باتیں کرتے ہوئے جھجکے۔ مگر اُس کو مخاطب پا کر یوں مکالمہ شروع کیا۔

آزاد: تم عرب کی رہنے والی ہو؟ یہاں اس کوردہ میں آنے کا کیوں کر اتفاق ہوا۔ وطن چھوڑنے کا کیا سبب اور یہاں کیا کرتی ہو۔

عربن: میں بچپنے سے یہیں ہوں۔ ایک مسلمان جو یہاں سے تین منزل کی راہ پر رہتا ہے مجھے عرب سے مول لے آیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

آزاد: ان کا نام کیا ہے۔ ان کے حالات تو بتاؤ۔ ہمیں کیونکر لے آئیں۔

عربن: (مسکرا کر) تمہارے لانے کا حال تو بتاؤں گی مگر اس کا نام سوچنا ہے۔ یہ مقام دلکش میں بادشاہزادیوں کی طرح سیر کرتی ہیں۔ خاندان شاہی کا ایک نوجوان ان کا کفیل ہے۔ اس کا ان پر دل آیا ہے مگر قبل اس کے کہ ان سے ملاقات ہو اُس کی شادی ہو چکی تھی اُس کو وضع کا خیال بہت ہے۔ بیوی ہو کر ان سے دل ملانا اب وہ پسند نہیں کرتا۔ مگر روپیہ اور جواہرات برابر بخشتا جاتا ہے۔ انہوں نے تم کو کاسکوں کے ساتھ دیکھا۔ ہزار جان سے عاشق ہو گئیں۔ اب مجال کیا جو تم یہاں سے کہیں جا سکو۔

آزاد: معقول اس میں کچھ زبردستی ہے۔ ہمارا جی نہیں چاہتا کہ یہ یہاں رہیں۔ پھر اس میں کوئی روکنے والا کون؟ یہ دل کا سودا ہے۔

عربن: آپ ہیں کس خیال میں۔ زبردستی شادی کریں گی پادری کو بلوایا ہے۔ اب آپ جاتے بھی ہیں یہاں سے اے توبہ۔

اس فقرے پر آزاد کو کچھ ہنسی آئی کچھ رونا آیا۔ سوچے کہ اب اور بھی بُرے پھنسے۔ آج تک اتنی پریاں عاشق ہوئیں۔ میڈا نے قید خانہ دکھایا مگر ایسی کوئی نہیں ملی کہ فوج سے چھین لائے۔ آزاد کو قید سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد کر کے پھر قید کرلے۔ اب یہاں سے چھٹکارا واقعی محال ہے۔ اگر کسی تدبیر سے بھاگ بھی نکلے تو جائیں گے کہاں۔ پھر دھر لیے جائیں گے۔

دو گھڑی دن رہے آزاد کے پاس عربن پھر آئی۔ کہا چلیے بیوی نے یاد کیا ہے۔ آزاد اس کے ساتھ گئے تو دیکھا اس کمرے کے باہر جانب مغرب سبزہ زار میں فرش مکلف بچھا ہے۔

مکالمۂ جاں پرور

ایک روز دو گھڑی دن رہے۔ بڑی بیگم صاحب کے پائیں باغ میں چاروں پریاں بناؤ چناؤ کر کے بوییوں ٹھولیوں چہل دل لگی سے دل بہلا رہی تھیں چاروں پر نور کا عالم تھا اور عبّاسی مہری کے حسنِ خداداد اور۔ اُٹھتی جوانی کی اُمنگ نے اس رباعی کو مخمّس کر دیا تھا۔ حُسن آرا کی وضع اس وقت بالکل سادی تھی۔ یہ سادگی بھی ہزار بناؤ سے گوئے سبقت لے گئی تھی۔ سچ ہے بقول شاعر:

جلوہ راز زیور نباید چوں بائیں می رود
عار دار داز حنا پائے کہ رنگیں می رود

سپہر آرا کا دوپٹا ہوا کے جھونکوں سے اُڑا جاتا تھا۔ تو لال لال موباف اور گوری گوری گردن صاف وشفّاف جوبن صاف نظر آتا تھا۔ جہاں آرا بیگم موتیے کے عطر میں بسی تھیں۔ تمام باغ مہک رہا تھا گیتی آرا کا سیاہ ریشمی دوپٹا گورے گورے مکھڑے کی آتشِ حُسن کو اور بھی مشتعل کرتا تھا۔ اور کالی کالی چوڑیوں نے ستم ڈھایا تھا۔ گویا شاعر نے یہ شعر انہیں کے حسبِ حال کہا تھا:

سیہ چوڑی بدستِ آں نگاری
بشاخ صندلی پیچیدہ ماری

بی عباسی سل کا دوپٹا اوڑھے تھیں۔ اور فارسیٔ اطلس کا لہنگا چوڑی چوڑی بڑاتے دار گوٹ کانوں میں بجلیاں اور انتیاں باغ کے چبوترے پر فرش بچھا تھا۔ اِدھر اُدھر روشوں میں کرسیاں پڑی تھیں۔ کیاریاں خوب سینچی گئی تھیں۔ اب چاروں پانچوں کا مکالمۂ جان پرور سنیے۔ ایک سے ایک طرار ایک سے ایک مزے دار۔

حُسن آرا: گیتی آرا بہن! یہ گرمی کے دن اور کالا ریشمی دوپٹا۔ تو۔

گیتی آرا: پھر ہلکا پھلکا ہے کہ نہیں۔ خاص انہیں دنوں کے لیے تو ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن آرا : اب کہنے سے تو بُرا مانیئے گا۔ جہاں آرا بہن نکھریں تو آج دولہا بھائی آنے والے ہیں۔ یہ آپ نے ریشمی دوپٹا کیا سمجھ کے پھڑکایا۔ ہمیں خفقان ہوتا ہے۔ سفید دوپٹا اوڑھ لیجیے ۔

گیتی آرا : یوں تو اُوڑھ بھی لیتی مگر اب نہ اُتاروں گی۔ جائیے آپ کی بلا سے۔

عبّاسی : آج چبوترے پر اچھی طرح چھڑکاؤ نہیں ہوا۔ یہ موا سقّا آدھی مشک لاتا ہے اور ہیرا بھی نہیں ٹوکتا۔ موا بوبک۔

ہیرا : اجی تربتر کر دیا ہے۔ کوئی دس مشکیں تو چبوترے ہی پر ڈالی ہوں گی۔ ذری بیٹھ کر دیکھیے، ہے نرمی چبوترے پر یا نہیں۔ دیکھو تو جاکے۔

حُسن آرا نے ایک پھول توڑا تو جہاں آرا بولیں بہن دونوں وقت ملتے پھول نہیں توڑتے۔ بڑوں نے کچھ تو سمجھ کے منع کر دیا ہے۔ حُسن آرا نے قہقہہ لگا کر کہا۔ بجا ہے۔ دونوں وقت ملتے کیا ہوتا ہے۔ سب وقت اللہ کے بناتے ہیں۔ (ایک پھول توڑ کر) تو آپ نہ توڑیں ہم تو پھول توڑیں گے۔ وہی باتیں کریں گی جو دو سو برس کی بوڑھی عورتیں کریں۔ اب شام ہوگئی۔ ہم ہار بنائیں گے۔ جہاں آرا نے کہا ہے تو وہ نگوڑا مالی پھر کاہے کو نوکر رکھا اُس کو برطرف کر دو۔ تم دونوں بہنیں باغبانی کیا کرو۔ چلو چھٹی ہوئی۔ عبّاسی بولی شام کیا آئی بلا آئی۔ موئی کالی کلموہی بلا۔ رات ہمیں پھاڑے کھاتی ہے۔ دو دن سے کیا جانے کیا کیفیت ہے کہ نیند ہی نہیں آتی ہے۔

سپہر آرا نے عبّاسی کے کان میں کہا۔ ہم سمجھ گئے کسی جوان پر عاشق ہوئی ہو۔ اب تم شادی کرلو۔ نہیں بہت پچھتاؤ گی۔

عبّاسی : حضور جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ آپ اپنے راجہ نل کا دھیان کریں۔ وہ جو کوٹھوں کوٹھوں پیغام بھیجتے ہیں۔ (مسکرا کر) بندگی۔

سپہر آرا : تمہاری شامتیں آئی ہیں۔ اب پٹو گی کسی روز۔ اے واہ!

عبّاسی : اے بیوی میں صدقے گئی۔ میں بھی بن بیاہی کنواری، آپ بھی بن بیاہی کنواری۔ شادی دونوں کی ہوگی۔ اور حضور کا ہمایوں فر کے ساتھ نکاح ضرور کرکے ہوگا۔ اس میں چڑھنے اور بُرا ماننے کی کون سی بات ہے بھلا۔ اے تو شرع میں شرم کیا ہے حضور! یہ تو بتلائیے۔

سپہر آرا : اے تو یہ تمہیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ خواہی نخواہی شادی ہووے ہی گی۔ اور جو نہ ہوئی۔ ہم نے نہ منظور نہ کیا تو پھر کیسی ہو۔

عبّاسی : ہمارا دل گواہی دیتا ہے، حضور کا اس پر دل آیا ہے۔ اور وہ حضور پر ایسے شیدا ہیں کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تڑپ رہے ہیں۔ میرا اللہ گواہ ہے۔

سپہر آرا: تم نے کوئی تجویز کیا۔ تم کیوں نہیں شادی کر لیتیں۔ بوبو عبّاسی؟

عبّاسی: (کچھ سوچ کر) اے حضور میری بھلی چلائی۔ کوئی پڑھا لکھا سفید پوش اور خبصورت (خوبصورت) جوان ہو تو نکاح پڑھوالوں۔ اور یوں تو بندی کو بن بیاہی رہنا ہی اچھا۔ بس بات ساری اِتّی (اتنی) ہے حضور۔

سپہر آرا: مرزا ہمایوں فر کے گھر نہ پڑ جاؤ۔ شہزادے ہیں خوبصورت ہیں۔

عبّاسی: (ہنس کر) واہ۔ اے وہ جی جم جئیں۔ اللہ کرے ہم آپ کا اُن کا جوڑا دیکھیں۔ چاند سورج کی جوڑی۔ آمین۔

اتنے میں سپہر آرا اور گیتی آرا گیند کھیلنے لگیں تو حُسن آرا نے کہا اچھا چسکا پڑا۔ اب روز گیند ہی کھیلا کرو گی۔ ایسا نہ ہو آج بھی قہقہے پڑتے ہوں۔ اور اماں جان آجائیں۔ قہقہہ بازی ہے تو بُری بات اور سب سے زیادہ قہقہوں کی عادت عبّاسی کو ہے۔ عبّاسی کسی قدر تنک کر بولی۔ بجا فرمایا، حضور نے۔ میں ہی عیب بھری ہوں۔ مگر اُس دن تو سب سے زیادہ ہنسی کی آواز آپ ہی کی طرف سے آتی تھی۔ چاہے حضور نہ مانیں اور گیند کھیلنے میں کون سا عیب ہے یہ بھی کوئی گناہ ہے۔ دو گھڑی دل ہی بہلتا ہے اور بڑی سرکار کی نہ کہیے۔ اب اللہ کے فضل سے بوڑھی ہوئی ہیں۔ وہ تو بد دماغ ہوا ہی چاہیں۔

سپہر آرا نے پانچ چھ پھولوں کا ایک گیند بنا کر پھینکا۔ گیتی آرا نے بائیں ہاتھ سے روکا اور تڑسے پھینک دی۔ دوڑنے میں سپہر آرا ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھر رہی تھیں یہ دوڑ گئیں۔ وہ جھپٹیں گیند اُس روش میں گرا۔ گرا ہی تھا کہ دن سے یہ بھی ساتھ ہی ساتھ روش میں پہنچیں۔ یہ پھُرتی! سبحان اللہ! ٹھنڈک کا وقت ہے نہ۔ کلیلیں کر رہی ہیں۔ اِتنے میں گیتی آرا کی طرف سے عبّاسی گیند اُٹھانے لگی۔ اب البتہ برابر کی جوڑ ہے۔ سپہر آرا اور عبّاسی دونوں چھپٹنے طرارہ بھرنے دوڑنے میں طاق تھیں۔ گیتی آرا بیگم تو تھوڑی ہی دیر میں ہانپنے لگیں، تھک کے چبوترے پر بیٹھ گئیں کہا اُف آج بہت تھکے۔ گیند کی طرح تو گیند کھیلتی نہیں ہیں۔ وہ تو اُچک پھاند کرتی ہیں۔ طرارے بھرتی ہیں۔ کلیلیں کرتی ہیں واہ یہ چھل بل۔!

اب عبّاسی اور سپہر آرا میں گیند ہونے لگا۔ ایک دفعہ عبّاسی گیند اُٹھانے لپکیں تو ایک منڈیر سے پاؤں لڑکھڑایا اور مُنہ کے بل کیاری میں گری۔

سپہر آرا: (تالیاں بجا کر) شیطان کا دھکّا۔ ایک دفعہ اور گری نہ مُنہ کے بھل چلی تھیں برابری کرنے اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب پھر آؤ۔

عبّاسی: (جلدی سے اُٹھ کر) اُف اللہ جانتا ہے ناک ٹوٹتے ٹوٹتے بچی۔

اتنے میں حسن آرا اور سپہر آرا اور جہاں آرا تینوں بہنیں رنگترے کے درخت کے پاس جاکر کھڑی ہوتیں۔ تینوں کے سر کھلے ہوئے دوپٹے کھسکے ہوئے تینوں بیحجاب تینوں براِفگندہ نقاب تینوں نشۂ بادۂ سر سے سرخوش وتر دماغ تینوں شاداں و فرحاں تینوں باغ باغ۔

مغلانی کی چھوکری پیاری بے تحاشا دوڑتی ہوئی آئی۔ حسن آرا نے کہا ایں! ایں! خیر باشد۔ پیاری نے ہانپ کر گھبرا کر کہا۔ حضور ہم نے آج یہ گلّی پالی ہے۔ حسن آرا نے پیاری کے ہاتھ سے گلہری لے لی۔ کہا تیری گلہری پیڑا کھاتی ہے یا برفی؟ پیاری بولی حضور ابھی ابھی تو لی ہے۔ بڑی سرکار نے خرید دی۔ اور دو آنے مہینہ اس کے لیے مقرّر کر دیا ہے۔ پیڑے کیا کروں گی (گلہری کو چوم کر) صبح کو ہم حلوا کھائیں گے۔ شام کو پیڑا۔ دوپہر کو نشاستے کا فالودہ۔ عبّاسی نے کہا واہ وا۔ کہیں نشاستے کا بھی فالودہ ہوتا ہے۔ اور فالودہ ضرور کھلانا۔ برف کا پانی پلانا۔ کہیں نکٹی کی نذر نہ کرنا۔ ہاں اتنا یاد رکھنا۔

جہاں آرا بیگم نیچے سُروں میں گانے لگیں۔ بی عبّاسی ان کی نازک آوازی اور گلے بازی کی تعریف میں پُل باندھتی جاتی تھیں واہ وا واہ۔ اُہو ہو۔ حضور کیا گلا پایا ہے۔ یوں تو گانا اور رونا ہر کسو (کسی) کو آتا ہے مگر اچھا گلا اور نازک آواز یہ اللہ کی دین ہے۔ حضور اس میں کسو (کسی) کا اجارہ نہیں۔ جس کو وہ دے سب کو کہیں دیتا ہے کبھی نہیں ایک تہوّر علی خاں گوییے ہیں۔ اے ہے۔ بیٹھکی پڑے ایسی آواز پر۔ بھیں بھیں، بھیں بھیں جیسے پھٹی ڈھولکی۔ اے ہاں اور بڑے نامی اُستاد مشہور ہیں۔ ہاں شیدی جواہر کی آواز بہت اچھی ہے۔ ہے تو موا آبنوس کا کُندا ہی مگر حضور ایسا اچھا گاتا ہے کہ سُننے سے تعلّق ہے میں کیا کہوں۔ اور دیکھنے میں مُوا بھُتنا خبیث کالا کلوٹا جیسے الٹا توا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عبّاسی نے کہا۔ اوئی یہ کون ہے۔ حسن آرا اور جہاں آرا نے دیکھا تو دھک سے رہ گئیں۔ تینوں بہنیں رنگترے کے درختوں سے ہوکر کروندے کے نیچے چھپ کر جا بیٹھیں۔ مگر گیتی آرا ابھی تک چبوترے پر لیٹی ہی ہیں اور لیٹی بھی تو بالکل خوش غلاف۔ دوپٹا الگ پڑا ہے۔ ایک پائنچا کسی قدر چڑھا ہے۔ دوسرا سمٹا سمٹایا ہے۔ ایک مہری پنکھیا جھل رہی ہے۔ عبّاسی نے آواز دی۔ اے گیتی آرا بیگم حضور ادھر چلی آیئے۔ ذری دیکھیے تو سہی، پہلے مہری کی نظر پڑی پھر گیتی آرا کی، بڑی پھرتی کے ساتھ اُٹھیں ارے تو بہ کس حالت میں دیکھ لیا۔ دوپٹا اُٹھایا اوڑھنا چاہا، مگر ہوا کے سبب سے دوپٹے کا کونا ایسا اُڑا جاتا تھا کہ تو بہ ہی بھلی۔ بدن کو چراتے جسم کو چھپائے ہوئے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھپریل کی اوٹ میں کھڑی ہوگئیں۔ عبّاسی نے دیوار کے پاس جاکر کہا۔ واہ وا، اچھی دل لگی نکالی ہے۔ کیا شہر شملہ ہے۔ اس کے معنی کیا، ہاتھ دیتے ہی پہنچا پکڑ لیا۔ گیتی آرا نے پکارا عبّاسی اے عبّاسی۔ مہری نے عبّاسی کو آواز دی۔ گیتی آرا نے پوچھا یہ ہیں کون۔ کوئی بڑے رئیس زادے معلوم ہوتے ہیں۔ ہے ہے دھک سے رہ گئی۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ شست لگائے بیٹھے ہیں توبہ توبہ یہ سب کہاں ہیں۔

اب سُنیئے کہ شہزادۂ مرزا ہمایوں فر بہادر ہمیشہ اسی ٹوہ میں رہتے تھے کہ سپہر آرا بیگم کیا کرتی ہیں۔ جب موقع ملا کسی نہ کسی طرح آنکھیں سینک لیں۔ کچھ دن سے ان پریوں کا جھرمٹ مہتابی پر نظر نہیں آیا۔ بام فلک احتشام کو سونا پایا، تو دل بیقرار ہوا۔ ہیرا سے کہہ دیا تھا کہ جس دن موقع ملے ہم کو ضرور اطلاع دینا چپکے سے کہہ جانا مگر اب کی ہمایوں حالی کا نام زبان پر نہ لانا۔ ع

ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسی

اب کی کسی اور بہانے سے جائیں گے اور نظارہ بازی کر کے چلے آئیں گے۔ ہیرا نے موقع غنیمت جان کر شہزادے کے ایک خادم خوش سلیقہ کو اطلاع دی۔ اُس نے اپنے آقا سے کہا۔ انھوں نے اپنے ہمدم وہم ساز مصاحب ہمرازکی صلاح سے حکم دیا کہ اک دنتا ہاتھی لاؤ۔ تھوڑی دیر میں چوبدار نے عرض کیا خداوند تیار ہے۔ خود بدولت سوار ہوئے چلے۔ حکم تھا کہ بجز فیلبان کے اور کوئی ساتھ نہ آئے۔ کوئی کانوں کان خبر نہ پائے۔ جو دیکھتا متحیر ہوتا کہ یہ رود نیل ہے یا فلک منظر ابر پیکر فیل ہے۔ عقل عاری ہے کہ یہ خرطوم ہے یا کوہ البرز سے دریائے اسود جاری ہے۔ فیلِ اژدہادم بلندی میں ذہن رسا اور فکر آسمان پیما سے بھی دو بالا تھا۔ ہاتھی شب دیجور، شہزادہ ماہ منوّر اور حوضۂ زرنگار ہالہ تھا۔ تاج مکلّل زیب سر، لباس سپہ گری زیب بر بصد طنطنۂ شہریاری، ودبدبۂ تاجداری بڑے ٹھسّے کے ساتھ چلے۔ جب قریب پہنچے تو فیلبان کو حکم دیا دیوار کے قریب لگا دے فیلبان پیل آسمان منظر کوہ کمر کو دیوار کے قریب لے گیا تو دیکھا کہ باغ پرستان کا نمونہ ہے۔ آہو چشم معشوق چوکڑیاں بھرتے ہیں۔ شہزادے کا نوکر تھا۔ سلیقہ شعار با ادب۔ فوراً ہاتھی کی مستک سے اُتر کر نیچے کھڑا ہوا۔ شہزادۂ بلند ارادہ نے ٹکٹکی لگائی۔ مُنہ مانگی مُراد پائی۔ اِن کی جان پر بنی تھی ادھر چہل پہل دل لگی تھی۔ حسن آرا اور اُن کی نوخیز بہنیں باغ میں دست بدست۔ اِدھر ہمایوں فر مشغول نظارہ بازی۔ ع

او بے خبر و نظارہ گرم است

اس وقت اُنھوں نے سپہر آرا بیگم کو گیند کھیلتے اور چھلبل کودتے دیکھا سن سے جان نکل گئی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیتی آرا پر نظر پڑی تو دل ہی دل میں ہنسنے لگے کہ کس بے تکلفی کے ساتھ دور ہی سے جوبن لوٹ رہے ہیں، اور اُن کو خبر ہی نہیں کہ کسی نامحرم کی بھی کہیں نظر پڑتی ہے، عباسی تو رازداں تھی۔ اس کو پہلے ہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادے آنے والے ہیں اس پر بھی مرزا صاحب بہادر کی نظر پڑتی تھی، مگر صرف اس شعر کے مصداق تھے۔ بس اور کچھ واسطہ نہیں :

بتوں کو جو دیکھا گنہ کیا ہمارا
خدا کی خدائی تماشا ہمارا

سپہر آرا نے چاہا کہ آنکھ بھر کر اس جوانِ رعنا پر نظر ڈالیں مگر حیا مانع ہوئی۔ شہزادے کو دعویٰ تھا کہ سپہر آرا ہزاروں اور لاکھوں میں ہم پر نظر ڈالے، عشق خام نہیں ہے کہ حیا اور شرم کا خیال دل میں آئے، یا کسی کے کہنے سننے سے چھپ جائے، مگر سپہر آرا ہمجولیوں کے طعنے سے خائف ہو کر دیکھ نہ سکیں شہزادے سمجھے کہ کسی نے ہماری طرف سے اُن کے کان بھر دیئے ہیں۔ ہائے افسوس! بڑا غضب کر دیا۔

من از حیا نتوانم کہ بر رخت نگرم
ترا خیال کہ مستغنی از جمالِ توام

سپہر آرا اور حسن آرا اور جہاں آرا، تو چھپ کر آڑ میں چلی گئی تھیں۔ مگر گیتی آرا اس قدر خفیف ہوئیں کہ تو بہ ہی بھلی۔ نوجوان اور خوبصورت کو اگر نوعمر اور حسین شریف زادہ اس طرح برافگندہ نقاب، اور پھر اس کیفیت سے دیکھ لے تو وہ کیوں کر نہ شرمائے۔ ان کو اپنے حسنِ گلوسوز کا غرور تھا۔ یہ تو سمجھیں کہ مرزا ہمایوں فر کے دل پر اس وقت ضرور سانپ لوٹتے ہوں گے۔ رخسار تاباں عرق آلود ہو گئے۔ یہ اوّل مرتبہ تھا کہ انھوں نے مرزا ہمایوں فر کو اس قدر قریب سے دیکھا ہو۔ اس وقت تاج کے دُرِ ثمین یا قوتِ آبدار اور گوہرِ شاہوار کی جھلک اور بھی لطف دکھاتی تھی۔ گیتی آرا نے خدا سے دعا مانگی کہ بارِ خدایا۔ سپہر آرا کا اس گل بدن جوان کے ساتھ ضرور نکاح ہو۔ اور نہیں تو کبھی کبھی نظارہ تو ہو گا۔ واہ رے حسن اور واہ ری جوانی۔ سپہر آرا نے صرف ایک جھلک دیکھ لی تھی، سابق سے کہیں زیادہ شوق وصالِ جاناں چرّایا اور یہ شعر زبان پر آیا :

کیا خدا داد حسن پایا ہے
آپ اللہ نے بنایا ہے

شہزادہ بہادر نے تو گھر کی راہ لی۔ ادھر حسن آرا بیگم نے حکم دیا کہ پیر مرد کو بلاؤ۔ پیر مرد حاضر ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہا کل اس دیوار پر دو ردّے اور چڑھا دو۔ کوئی ہاتھی پر ادھر سے نکل جائے تو بے پردگی ہوتی ہے۔ سو کام چھوڑ کے یہ کام کرو۔

پیر مرد : دیوار کے اُدھر ایک کھائی ہے۔ اس کے اس طرف جھاڑی ہاتھی یہاں بھلا کیوں کر آسکتا ہے۔ دیوار چڑھانے سے ہوا رُک جائے گی۔ اتنا سمجھ لیجیے۔

حُسن آرا : تمہیں کچھ بسنت کی خبر بھی ہے۔ ابھی ایک ہاتھی اس طرف آیا تھا۔ اس پر کوئی سوار بھی تھا، چلو خیر۔

پیر مرد : ہاں! تعجب کی بات ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کدھر سے آیا۔ میں جا کے دیکھتا ہوں۔ کیا مجال کسی کی۔

جب پیر مرد چلے گئے تو چاروں بہنیں اُسی چبوترے پر آئیں۔ حُسن آرا نے مخملی گُل تکیے پر سر رکھا۔ اور کہا، اُہو ہو کیسی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے کہ واہ جی واہ۔ سپہر آرا بولیں۔ باجی اچھی طرح لیٹو۔ جہاں آرا نے کہا خاتونِ جنّت کی قسم سپہر آرا نے ان کو اس قدر ڈھیٹ کر دیا۔ نہیں شہزادے ہوں، چاہے خود بادشاہ ہوں ایسی اندھیر نگری نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے یوں چلا آئے۔ مگر سپہر آرا کی شہپائی تو سیر ہو گئے۔ اب ہاتھی پر سوار ہو کر آنے لگے۔ مگر اس وقت میں بیڑا اُٹھاتی ہوں کہ آج کے دسویں دن سب باتیں طے ہو جائیں گی۔ گیتی آرا تو ہمایوں فر کے حُسنِ صبیح کا دم بھرتی ہی تھیں انھوں نے بھی اپنی بہن سے اتفاق کر لیا۔ ٹھان لی کہ چاہے جو ہو اتّی جان سے آج بڑی کڑی سفارش کروں گی۔

اب سُنیے کہ پیاری چھوکری نے جیسے ہی ہاتھی دیکھا دوڑی ہوئی محل سرا میں گئی۔ بڑی بیگم نے گلہری جو خرید دی تو اُس نے کچّا چٹھا ان کو سُنایا۔ حضور ایک گورے گورے رئیس ہاتھی پر سوار ہو کر باغ کی دیوار کے پاس آئے تھے۔ تو سب کی سب اِدھر اُدھر بھاگ گئیں۔ بڑی بیگم جریب ٹیکتی ہوئی باغ میں آئیں۔ عبّاسی دل ہی دل میں کوسنے لگی۔ یہ موئی بوڑھی مر کے بھی بھتنی ہوگی۔ ذرا سی بات ہوئی اور کھٹ سے موجود ہو گئیں۔

جہاں آرا نے سمجھا دیا کہ گودام کا ایک ہاتھی کسی قدر مست ہو کر اِدھر چلا آیا تھا۔ مگر پکڑ کے لے گئے۔ ہم نے فقط ہاتھی کی سونڈ دیکھی تھی۔ اُس پر کوئی سوار نہ تھا۔ بیگم صاحب اِدھر اُدھر ٹہل کر چلی گئیں۔ حُسن آرا بیگم نے پیاری کو بلایا اور بہت خفا ہوئیں۔ کہ ذری سی بات ہوئی اور تم نے پرچہ جا کے جڑ دیا۔ خبردار جو اب ایسا کیا ہو گا تو جائے گی۔ پیاری نے گردن جھکا کر کہا اب نہ کہوں گی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قصور معاف کیجیے۔ میں جلدی میں گھبرا گئی تھی :

قطرہ زنان می رسد ابرِ بہاری زراہ
وقتِ گل و لالہ خوش مُژدہ بخار و گیاہ
نامیہ خیاط وار ز اطلس گلگوں دگر
فرقِ گل و لالہ را دوختہ رنگین کلاہ
لشکرِ گرد و غبار چوں نہ گریزد کہ باز
بر سرِ ش ابرِ سیہ راندہ ز باران سیاہ

چاروں پریاں اس باغ فرح بخش و دلکشا میں دل کھول کے ہنس بول رہی تھیں۔ اس وقت سوائے ہمایوں فر کے اور کس کا تذکرہ ہوتا۔ لطف یہ کہ ان حوریاں ملک فریب کا زمزمہ جان نواہمایوں فر سنتے جاتے تھے۔ حسن آرا بیگم اور جہاں آرا بیگم مخملی گل تکیوں پر سر رکھے لیٹی تھیں گیتی آرا آرام کرسی پر ناز و ادا کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ سپہر آرا اور عباسی پچیسی کھیلنے میں مصروف تھیں ادھر اُدھر پکے روشن تھے۔ پانسے پڑ رہے تھے۔ ہمایوں فر بھی تاک لگائے بیٹھے دور ہی سے محو نظارہ ہو رہے تھے۔ چاروں پریوں کی ادائے روح افزا ان کے دل میں کھپ گئی۔

عباسی : حضور اب کی ہاتھ میں یہ گوٹ نہ پیٹوں تو عباسی نام نہ رکھوں۔

سپہر آرا : واہ، کہیں پیٹی نہ ہو۔ بڑی پیٹنے والی آئی ہیں۔ بھلا پیٹئے تو گوٹ۔

عباسی : (پانسے سنبھال کر) یا اللہ پچیس بڑیں۔ (پھینک کر) پچیس۔ ارے! وہ اللہ میاں دیے بھی تو تین کانے۔ بازی خاک میں مل گئی۔ ہائے! ہائے!

حسن آرا : لے کے ہر دادی نہ ہماری بازی۔ چلو بس اب دور ہو۔ عباسی واہ۔

عباسی : اے بیوی میں کیا کروں لے بھلا۔ پانسہ بدی پر ہے اس وقت۔

حسن آرا : سپہر آرا سے پچیسی کھیلنا کون مشکل بات ہے۔ چٹکیوں میں مات کر دوں۔ اچھا یہ بازی ہو لے تو پھر ہم آئیں۔ یوں ہی سہی۔

سپہر آرا : اب میں داؤں بولتی ہوں (گوٹ رکھ کر) داؤں۔

حسن آرا : ہم سے کیا مطلب (کروٹ بدل کر) جو کھیلتی ہیں وہ جانیں تم جانو ہم سے واسطہ (مسکرا کر) بولو عباسی۔

عباسی : حضور جب بازی ستیاناس ہو گئی تب تو ہم کو ملی اور اب حضور نکلی جاتی ہیں۔ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غریبنی کس کے گھر سے پانچ روپیہ لاؤں گی بھلا۔
حُسن آرا: ہم نہیں جانتے لے کے بازی خاک میں ملادی۔ اب تم جانو تمہارا کام جانے کیا وہ مقرّر کیا ہے۔ پھر کھیلنے کیوں بیٹھی تھیں۔
عبّاسی: اچھا منظور ہے۔ پھینکیے پانسہ ہم نے منظور کیا۔ اور نہیں۔
سپہر آرا: دو مہینے کی تنخواہ ہے۔ اتنا سوچ لو۔ ہاں پھر نہ کہنا۔
عبّاسی: اے حضور آپ کی جوتیوں کا صدقہ کون بڑی بات ہے۔
سپہر آرا: پھر ہم پھینکیں پانسہ؟ خوب سوچ سمجھ لو۔ اب بھی سویرا ہے۔ میں نے جتادیا۔ کہا منظور ہے داؤں؟ پھینکوں پانسہ؟
عبّاسی: بسم اللہ۔ بسم اللہ۔ پھینکیے۔ تین کانے، کانے۔

سپہر آرا نے جو پانسہ پھینکا تو پچّیس، دوسرا پچّیس، تیس، پھر پچّیس، پھر تیس، پھر پچّیس، اور چار ہاتھ۔ بولیں پویں گنو چار تو پچّیس ہیں اور تین تیس ہیں، چار اور تین سات پویں ہوئیں۔ یہ پانچ لو، اور یہ دو سات بندگی باجی جان۔ لے اب دس روپیہ بائیں ہاتھ سے ڈھیلے کیجیے، لائیے، اُٹھیے۔ بی مغلانی باجی کی صندوقچی تو لاؤ۔ کہیں سُنہری مخمل والی نہ لے آنا۔ ان کی صندوقچی الماری کے پاس اس وقت رکھی ہے۔ حُسن آرا نے مغلانی کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ نہ لانا۔ مغلانی نے کمرے سے واپس آن کر کہا۔ اے حضور کہاں ہے۔ وہاں تو نہیں ملتی۔
سپہر آرا: بس جاؤ بھی۔ ہاتھ جھلاتی آئیں، خالی خولی (چڑھا کر) کہاں ہے کہاں۔ چلو ہم بتادیں کہاں ہے آؤ۔
مغلانی: جو حضور بتادیں تو اور تو لونڈی کی حیثیت نہیں ہے۔ مگر ایک سیر بھر مٹھائی نذر کرتی ہوں۔ حضور سارے میں ڈھونڈھ مارا، کہیں پتا ہی نہیں ملتا۔ اب لے میں اس کو کیا کروں حضور بھی چل کے دیکھ لیں۔

سپہر آرا مغلانی کو ساتھ لے کر کمرے کی طرف چلیں۔ پائینچے اٹھائے ہوئے کمر بل کھاتی ہوئی جو چلیں تو ہمایوں فر نے اشارے سے سلام کیا۔ سپہر آرا کو یہ کیا خبر تھی کہ حضرت پھر داخل ہوگئے۔ جلدی میں جو اُدھر سے نکلیں تو ہمایوں فر پر نظر نہیں پڑی۔ ان میں اس قدر جرأت کہاں کہ آزادی کے ساتھ مخاطب کریں چپکے ہو رہے۔ سپہر آرا جو کمرے کے اندر داخل ہوتیں تو صندوقچی ندارد۔ مغلانی نے پہلے ہی ہٹادی تھی۔ متحیر ہوئیں۔ ایں یہ صندوقچی کون لے گیا۔ مغلانی نے لاکھ ہنسی ضبط کی مگر ضبط نہ ہوسکی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُسکرادی۔ تب تو سپہر آرا جھلائیں۔ اللہ یہ بات ہے۔ بس بھی کہوں صندوقچی کہاں غائب غلّہ ہوگئی۔ یہ تمہارے ہتھکنڈے ہیں۔ اللہ جانتا ہے وے دو۔ مغلانی پھر بھولے پن کے ساتھ خفا ہوتی ہوئی باہر آئیں۔ یہاں سب نے مل کر قہقہہ لگایا۔ ایک نے پوچھا سپہر آرا صندوقچی پائی۔ دوسری بولیں ہمارا حصّہ نہ بھول جانا۔ حُسن آرا نے کہا بہن دس ہی روپیہ نکالنا۔ عبّاسی قریب گئی۔ حضور دیکھیے ہمیں نے جتادیا۔ اب کچھ رشوت دیجیے۔

مغلانی: اور بیوی میں بھلا کاہے کو چھپادیتی۔ کچھ میری گرہ سے جاتا تھا۔

سپہر آرا: بس بس بیٹھو۔ چلیں وہاں سے بوڑھے چونڈے میں لال موباف لٹکائے۔

مغلانی: (مُسکرا کر) ہائے اس اپنی ہنسی کو کیا کروں۔ مجھی پر دھوکا ہوتا ہے۔

حُسن آرا: ہم سمجھ گئے دس کے عوض بیس نکال لیے ہیں۔ اب یہ ہم کو بناتی ہیں کہ نہ دیے روپے تو کیا ہوا۔ ہم خود نکال لائے۔

سپہر آرا: اچھا مغلانی آج تم سے سمجھوں گی۔ ٹھہر تو جاؤ۔ تم رہو تو سہی۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ عبّاسی نے کہا۔ حضور محلسرا میں چلیے وہ دیکھیے قبلے کی طرف سے جھومتی ہوئی گھٹا اٹھی ہے۔ سپہر آرا نے گردن پھیر کر دیکھا افوہ۔ اے باجی دیکھو تو کیسی کالی کالی گھٹا چھا گئی اور خوب تیز تیز ہوا چلنے لگی حسن آرا نے کہا جلدی سے فرش اٹھواؤ۔ چلو اب کمرے میں چلیں۔ یہاں تو ٹھٹھر جائیں گے۔ اُف اتنی ہی سی دیر میں ہاتھ پاؤں نم ہوگئے۔ سردی سی سردی ہے۔

سپہر آرا بولیں۔ آج بے لحاف اوڑھے نیند نہ آنے کی۔ اُف بڑی سردی ہے۔ اُف فوہ۔ حُسن آرا بولیں ہمارا باغ اس وقت کشمیر ہو رہا ہے۔ اور عبّاسی تو کانپنے ہی لگی۔ اے واہ ہے۔ چاروں بہنیں محلسرا میں آئیں۔ کمرے کے سب دروازے کھول دیے گئے۔ بیٹھیں ہی تھیں کہ ہمایوں فر کے مکان سے آواز آئی کسی نے لہرا لہرا کر گانا شروع کیا۔

اٹھی ہے جھوم کے کہسار سے گھٹا
رندوں میں دھوم ہے در میخانہ وا ہوئے

حُسن آرا نے کہا ہاہا گانا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے اس وقت جہاں آرا بہن۔ اس شعر کا جواب تو دیجیے۔ ماشا اللہ سے آپ کی آواز بھی نازک اور گلا نورانی ہے۔ جہاں آرا بولیں۔ بجا۔ اور کرنا کیا ہے۔ بس یہی کرنا ہے کہ جو کوئی گائے اس کا ہم جواب دیں جس میں اٹّی جان گھر سے نکال باہر کریں اور میاں سُنیں تو عمر بھر صورت نہ دیکھیں۔ اتنے میں پھر آواز آئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

جہاں آرا بیگم بھی گنگنانے لگیں۔ (ترا آباد میخانہ)

سپہر آرا: ہاں بہن۔ بہو کہو باجی۔ پورا مصرع گاؤ۔ ایک ٹکڑا لگا کے چپکی ہو رہیں۔ ع
بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ

جہاں آرا: ارے واہ۔ ہم کیا کچھ گویے ہیں۔ یا ڈومنی مقرر کیا ہے۔

حسن آرا: اس میں ڈومنی پنے کی کیا بات ہے بہن اللہ نے آواز ایسی دی ہے کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔ کیا کچھ عیب ہے کسی سے سیکھا نہیں۔ کیا ہمارا خدا ناکردہ کچھ پیشہ ہے۔

جہاں آرا: عباسی دیکھو اماں جان تو نہیں آتی ہیں۔ دیکھ لو۔

حسن آرا: اوئی اس ٹھنڈی ہوا میں وہ بیچاری بھلا باہر آسکتی ہیں۔

اس کے بعد جہاں آرا بیگم نے نیچے سُروں میں یوں گانا شروع کیا۔

بر رنگ گل جسے اب دیکھئے وہ خنداں ہے
بہار عیش ہے ہندوستان گلستاں ہے
بنایا ہند کو گلشن بہار نے ایسا
کہ شوق سیر میں سرو چمن خراماں ہے
بہار باغ میں کیا کیا کھلا رہی ہے گل
شگفتہ غنچہ منقار عندلیباں ہے
چمن میں کیجیے اشارہ جو سوئے نخلِ حنا
تو ساتھ اشارے کے انگلی برنگ مرجاں ہے

سپہر آرا نے کہا یہ خداداد بات ہے سیکھنے سے نہیں آتی بس اس وقت یہی جی چاہتا ہے کہ جہاں آرا بہن کو گلے سے لگا لیجیے یہاں بہن:

کہیں ہے آئینے سے صاف تر زمینِ چمن
کہ اس سے سبزۂ نارستہ تک نمایاں ہے

سپہر آرا نے ہاتھ جوڑ کر فرمائش کی۔ بہن کوئی فارسی غزل گاؤ۔ جہاں آرا ادھر اُدھر دیکھ کر بولیں۔ ہمیں خوف ہے، کہ مبادا امی جان آجائیں اور سُن لیں تو پھر گانا وانا رکھا رہے۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔ فارسی شعر سُننے کے قابل ہے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مپرس حالِ دل آں دم کہ در سخن آئی
کریم چون گہر افشاں شود گدا چہ کند

حُسن آرا کو یہ کلام ازبس پسند آیا۔ کہا بہن اِس کے اور شعر یاد ہوں تو سناؤ۔ مگر جہاں آرا کو ایک ہی شعر یاد تھا۔ پھر فارسی کا یہ شعر گایا۔

نہ جام از محتسب دیداِیں سخن نے توبہ از ساقی
شکستی سخت بے رحمانہ امشب عہد دیریں را

اتنے میں ننھی ننھی بوندیاں پڑنے لگیں۔ بہار کا جوش ہوا رندوں میں :

بسیار بادہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چنان نماند چنیں نیز غم نخواہد ماند

چاروں بہنیں باغ کی روشوں اور ہرے بھرے درختوں اور بار دار شاخوں کو دیکھنے لگیں۔ آہو ہو ہو! یہ کیا زبان ہیں، یا باغِ نعیم کے چمن۔ حُور و غلمان ہیں، یا نسرین و نسترن۔ سنبل سیہ مست، نرگس بادہ پرست :

کرم ابرِ بہاری سے ہے سیراب زمین
خاک اُڑ کر نہیں ہوتی ہے غبارِ دامن
آب شبنم سے کہاں کاسۂ گل ہیں لبریز
جلترنگ آج بجانے کو ہے معشوقِ چمن

ایسی کثرت سے جو ہو بارشِ باران بہار
زاہدِ خشک کا ممکن ہے نہو تر دامن

جہاں آرا کو بہار نے مست کر دیا۔ گیتی آرا کو عشرت پرست کر دیا۔ حُسن آرا کھلی جاتی تھیں۔ سپہر آرا جامے میں پھولے نہیں سماتی تھیں، عباسی تالیاں بجاتی تھی۔ چوطرفہ گانے کی آواز آئی تھی :

بہارست اے ساقیِ لالہ رنگ
بدہ از غوانی مرا بید رنگ

قدرت کی گل کاری اور مشاطۂ بادِ بہاری نکہت روح افزا اور رایحۂ دل آرا سے دل کی لی کھل گئی تھی۔ اس کافر بہار نے حُسن آرا کے سمندِ جنون پر تازیانے کا کام کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: اہاہا۔ کیا سردی ہے۔ اور ابھی چمکے گی۔ واہ کیا وقت ہے۔
حُسن آرا: ہاں (دل میں سوچی کہ اس وقت آزاد آجائیں تو بہار کا لُطف دونا ہو جائے):

سوختم از غصہ درین نوبہار
بادۂ من در خُم و من در خمار

خوب رِم جِھم مینہ برسنے لگا۔ بجلی نے کوندنا شروع کیا۔ اس وقت کی کیفیت حیطۂ تحریر سے خارج ہے
چشمہ سار پانی کی روانی برقِ چشمک زن کی بدولت نظر آتی تھی تو لُطف دوبالا ہو جاتا تھا۔ اپنے اپنے مذاق
کے موافق پانچوں نوجوانوں کے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے تھے۔
حُسن آرا: (دل میں) ہائے آزاد کو کیوں جانے دیا۔ کیسا تفرقہ پڑا کہ ہائے ہائے! کیا ستم ہے:

آہ کیا قہر کیا تفرقہ پردازوں نے
کر دیا جلسہ ہی برہم خلل اندازوں نے

راوی: وہ خلل انداز کون تھے۔ خود حضور۔ روم کیوں بھیجا۔
جہاں آرا: (دل میں) پرسوں نرسوں سے آمد آمد کی خبر گرم ہے مگر ٹائیں ٹائیں فش جھوٹے وعدوں
سے جی جلتا ہے۔ آنے تو دو ایسا سمجھوں گی کہ یاد ہی کریں گے۔
راوی: اے ہے یہ عتاب خدا ہی خیر کرے۔ ان کی وعدہ خلافی کے صدقے۔
گیتی آرا: یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ کالی کالی گھٹائیں اور ہم یہاں ہوں، وہ وہاں ہوں۔ اس
وقت خیر سے ہمارا حُسن بھی شوخیوں پر ہے:

ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے عالم ہے گلستاں پر
الٰہی وہ بھی آجائیں جنھیں ہم یاد کرتے ہیں

سپہر آرا: اس وقت کسی ترکیب سے ہمایوں فر کو دور سے دیکھ لوں تو سمجھوں کہ خدا داد نعمت پائی۔
اللہ جھوٹ نہ بُلائے تو تاک جھانک سے اس وقت بھی غافل نہ ہوں گے مگر کجا وہ کجا ہم:

فرق ست میاں آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

عبّاسی: حضور سچ سچ کہتی ہوں عمر بھر دل کبھی ایسا خوش نہیں ہوا تھا جیسا اس وقت
خوش ہے۔ اور حشر تلک یہ لُطف حاصل نہ ہونے کا۔ باغ کو دیکھیے دُلہن ہے آسمان پری ہے
پری۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حُسن آرا: بارانِ رحمت کی قطرہ افشانی ہے اور جوشِ جونی ہے۔

فروغِ برق ہیں در ابرِ سیر آب

بعینہٖ ہمچو عکسِ لالہ در آب

حُسن آرا نے کہا اس وقت کوئی ایسا شغل ہوتا جس سے دل خوب بہلتا۔ جس طرح آب و ہوا نے رنگ جمایا اُسی طرح کسی شغل سے دل بہلائیے۔ جہاں آرا بولی اب اِس وقت تو بس یہی لطف ہے کہ دروازے سب کھلے ہیں۔ منہ برس رہا ہے۔ بجلی چمکتی ہے۔ بادل گرجتا ہے۔ ہوا کے جھونکے سَن سَن چلتے ہیں، اور چاروں بہنیں ایک جگہ بیٹھی ہنستی بولتی ہیں۔ اِس سے بڑھ کر لطف اور کیا ہوگا۔

عبّاسی: (اُنگلی مٹکا کر) حضور کچھ اور سُنا؟ بی مغلانی ایک چھاتا لگا کے آتی ہیں کہ بڑی سرکار نے کہا ہے جا کے دیکھ آؤ یہ یہاں کیا کرتی ہیں۔ آپ آئی ہیں۔

حُسن آرا: اِس کے کیا معنی؟ کرتے کیا ہیں بیٹھے ہیں اور کیا کریں گے۔ اِس کے کیا معنی۔

جہاں آرا: کہنا ایک ایک کے دو کر رہے ہیں۔ (ہنس کر) اور نہیں۔

سپہر آرا: اے آپ سمجھیں نہیں باجی جان اُس روز جو بجلی گری تھی نہ اور اُسی وقت آپ کی طبیعت بھی نصیب اعدا زیادہ بے لطف ہوگئی تھی۔ وہی امّاں جان کو یاد آگیا ہوگا۔

حُسن آرا: اہاہا۔ سچ کہا۔ بی مغلانی کہہ دو ہم سب بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ کچھ اندیشے یا گھبرانے کا مقام نہیں ہے۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔

سپہر آرا: زمانہ بہت بُرا جاتا ہے۔ کہو اُن کے دیکھ جائیں امّاں جان۔

جہاں آرا: ہاں۔ توبہ کوئی ایسا کہتا ہے۔ (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) ہا۔ اور سنو۔ بڑی بوڑھیوں سے بھی چہل کرتی ہو۔

گیتی آرا: بس یہی تو ان میں سخت عیب ہے اور کسی کی مانتی تو ہیں ہی نہیں۔ چاہے ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے یہ نہ مانیں گی۔

پھر مغلانی آئی کہا۔ عبّاسی! اے عبّاسی چلو بڑی بیگم صاحب نے یاد کیا ہے۔ عباسی نے کہا۔ ہے ہے۔ اب میں کیا کروں۔ کسی نے کچھ چُغلی کھائی ہوگی۔ لے بیوی ہمیں بچا لینا۔ جہاں آرا بیگم کے قدموں پر سر رکھتی ہوں۔ جیسے اُس دن بچایا تھا۔ ویسے ہی اب بچا لیجیے گا۔ حُسن آرا نے تشفی دی۔ ایں، اے واہ پیشِ ازمرگ واویلا جاؤ تو دیکھو تو کیا کام ہے۔ کس لیے بُلایا ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی سے رُو دیں۔ عبّاسی نے دوپٹا سنبھالا اور کہا یا خدا اِس موسلا دھار مینہ میں کہاں سے کہاں جانا ہے اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو پھسلوں گی تو پوچھ لوں گی۔ وہاں سے آئی تو خوش خوش۔ نہ کچھ بات نہ وات اس منہہ پانی میں یوں ہی بن ناحق کو بُلایا۔ (دوپٹا پھینک کر) دوپٹا گیلا ہو گیا۔ فرمایا کہ جعفر مرزا کی بیوی کے لیے ایک انّا ڈھونڈھ لانا ہے۔ کہا کل ہی لیجیے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔

گیتی آرا: بچّوں کی پرورش بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہنسی کھیل نہیں ہے کچھ۔

عبّاسی: اے حضور ایک جنور تو بہ دِقّت (سے) پالا جاتا ہے۔ پیاری کی گلہری کیا کم کھڑاگ ہے۔ نہ کہ بچّوں کا پالنا۔ اُف۔

پیاری: ہماری گلّی کا نام نہ لیا کرو۔ بڑی وہ بن کے آئی ہیں۔

حسن آرا کی فرمائش سے مغلانی نے ایک کہانی چھیڑی۔

ایک ملک کے بیچ میں ایک سوداگر بچّہ رہتا تھا۔ فیروز بخت نام اس کا باپ کیقباد بڑا مالدار سوداگر تھا۔ اس کے باپ نے ایک دن اس سے کہا کہ بیٹا تم سوا کشتی کے اور کوئی فن نہیں سیکھتے ہو۔ مبرا خدا نخواستہ دِوالا نکل گیا تو کیا کرو گے۔ بیٹے نے کہا ابّا جان ہم شہروں شہروں لنگوٹا باندھ کر کشتی لڑا کریں گے۔

اس پر سب نے قہقہہ لگایا۔

حسن آرا: مَر مُوے۔

عبّاسی: اپنے نگیچ (نزدیک) بڑی لیاقت مندی کی بات کہی۔

اتنے میں کسی شخص نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا اور کہا کھول دے دروازہ۔ حسن آرا اور ان کی کل بہنیں اور بی مغلانی اور عبّاسی دھک سے رہ گئیں۔ ارے کیا ڈاکہ آیا۔ یہ روشنی کیسی ہے۔ عبّاسی نے کہا حضور یہ روشنی کیسی ہے۔ ہے ہے ڈاکے کے ساتھ روشنی ضرور ہوتی ہے۔ اُف! حسن آرا ہاتھ مل کر بولی۔ جہاں آرا بیگم اب کیا کریں۔ انھوں نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔ کیا بتاؤں ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ارے اب کیا ہو گا۔ سپہر آرا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ دعا مانگنے لگی کہ اللہ کرے اس وقت دولہا بھائی آ جائیں۔

نسرین بدن اور غنچہ دہن معشوق کی ملاقات

ایک دریائے ژرف و بیکران پُر آشوب و بے پایاں کے کنارے دو مہوشان زرین کمر پری پیکر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیز اور سُبک خیز گھوڑوں پر سوار شہسواروں کی طرح ران پٹری جمائے، سیر رُود بار گوہر خیز کر رہی ہیں۔ ہنوز بیضۂ مشرق سے بچۂ طاؤسِ علوی نہیں نکلا تھا کہ ایک دشتِ جگر تاب میں دونوں کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ ایک کوہ قاف کی پری دوسری روسی لیڈی میوۂ نورس نخلِ دلبری یہ سمن غبغب عنبریں مُو، وہ شکر لب یاسمن بو، یہ آتشیں رُو، نسرین بناگوش وہ لالہ رُخ ناز آفریں ستم کوش۔ اس کا حسن گلناری تحیر سوز ولاویز اُس کا حسن خدا آفریں بلا انگیز۔ اس کی نرگس نیمخواب خونخوار کرشمہ طراز اُس کی چشمِ فتان پُر خمار عشوہ ساز۔ یہ ترکِ مردم شکار غمزہ زن، وہ بیگنہ کُش خدنگ افگن۔ اِس کا رخسارۂ شبنم فریب شرم آلود۔ اُس کا گلپوش اُنش اندود، اس کا دستِ حنا بستہ پنجۂ مرجان۔ اُس کا بوسہ فریب گریبان و شمنِ گہر افشاں۔ اِس کی زلفِ شامِ غریباں یہ بہار عنبر افشاں غالیہ بار اُس کی جعد مشک ریز مارِ خونخوار کافر نہاد سیہ کار، اُس کے لبِ لعل بوسہ ریز، یاقوت فام، اس کے تشنہ پرورِ مے آشام کوہ قاف کی پری کے ہاتھ میں تیغ الماس گون عمر شکار۔ روسی لیڈی کے پاس شمشیر محرابی لنگر دار۔ بہ عالم سوز زبان دراز۔ وہ خوش الحان گلو نواز۔ اس کا کرنگ صر خام بر۔ اُس کا سُرنگ طوطی پر۔ یہ صبا نہاد، وہ عربی نژاد۔ دونوں کو حیرت تھی کہ بارِ خدایا یہ کون ہیں۔ کوہ قاف کی پری متحیر کر، ع

سبحان اللہ شان تیری اِس دشتِ جنوں زا میں

ایسی حورِ جنت دیکھنے میں آئی۔ وہ اس فکر میں کہ اللہ اللہ خدا نے ایسے بلا خیز جنگل میں اس طرح پیاری پیاری صورت دکھائی۔ پری نے عجب حسن سے روس کی خاتونِ نسرین خد کو از سرتا پا دیکھا اور اس صبح عارض نے اُس سمن خد پر غرور کے ساتھ نظر ڈالی۔ ادھر اُس نے گلگونِ چیدہ میاں کو چمکایا اُدھر اُنھوں نے کمیت دراز گیسو کو کڑکڑایا۔ اُدھر اُس بُتِ شعلہ رنگ نے شمشیرِ الماس بار تول کر دکھائی۔ ادھر اُس صنمِ زاہد فریب کی سیفِ سیماب ریز کمر سے ہاتھ میں آئی۔ روس کی لیڈی نے ایک نعرۂ گرُدوں نورد مارا کوہ قاف کی پری نے نالۂ زنجیر سوز بلند کیا۔ ان کا سمندِ دغا پسند ہنہنانے لگا۔ ان کا نقرہ خنگ کنوتی بدل کر لگام چبانے لگا۔

کوہ قاف کی پری کُشتۂ خدنگ جفا تھی۔ سوختۂ داغ وفا تھی۔ روس کی لیڈی کو دیکھا تو غم و غصہ نے اِن کے مزاج میں ایسا دخل پایا تھا جیسے بُو برگِ گل میں۔ یا سرور مُل میں۔ بیڑا اُٹھا کر آئی تھیں کہ یا تو آزاد پاشا کو صحیح وسلامت ساتھ لاؤں گی۔ موذیوں کے پنجے سے چھڑاؤں گی، یا کسی ایسے کو قتل کر کے آؤں گی جس نے اس کی کشتی جمعیتِ خاطر گرداب بلا میں ڈالی ہو۔ یا اس کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دائم الحبس ہونے کی سبیل نکالی ہو۔ خاتون روسی کو ڈھونڈھ نکالا تو وہ گلبدن پری جامے میں پھولے نہ سمائی باغ باغ ہوگئی۔ دلی آرزو برآئی۔ مگر اس خاتون ناز آفرین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ یہاں کیوں آئی ہے۔ ایسی کون سی ضرورت اشد اِس کو اِس سنسان بیابان میں کشاں کشاں لائی ہے۔ یہ کیا معلوم تھا کہ خون کی پیاسی اور جان کی دشمن ہے۔ عورت کاہے کو زنِ شیر افگن ہے۔

کوہ قاف کی پری سوچی کہ اگر ابھی سے للکارتی ہوں تو خوف ہے کہ بیاباں بھاگ جائے۔ اسپِ صرصر رنگ دوڑائے۔ پھر ہاتھ نہ آئے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ پہلے نرمی سے پیش آؤں۔ پھر آب خنجر پلاؤں۔ ع

گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

روسی خاتون ان ہتھکنڈوں سے واقف ہوتی تو یہ شعر ضرور زبان پر لاتی:

بہ تمکینی پئے قتلِ من آن مغرور می آید
کہ پنداری طبیبی بر سرِ رنجور می آید

پری نے چاہا کہ بڑھ کر ہاتھ ملائے۔ مسکرا مسکرا کر راہ پر لائے۔ مگر دلِ غم سرشتہ و حادثہ پرور، درد فرسودہ آشوب گستر نے اجازت نہ دی۔ آزاد فرخ نہاد کی صورت ہر برگ و بار سے جلوہ افگن تھی۔ اس زخم خوردہ کی روح تک نخچیرِ تیرِ محن تھی۔ گو ہمت نہیں ہاری تھی دل کو دلاسا دیتی جاتی تھی۔ ایک دفعہ دل ہی دل میں باتیں کرنے لگی کہ اب دیکھنا کیا ہے۔ آخر مدعا کیا ہے۔ ایسا موقع پھر تمام عمر ہاتھ نہ آئے گا۔ آزاد قید سے چھٹکارا نہ پائیے گا۔ مگر دل کی طرف مخاطب ہوکر:

بول کہ دلا شتاب کیا ہے
پھر سمجھیں کے اضطراب کیا ہے

سوچی کہ پہلے نرمی سے پیش آؤں۔ باتوں باتوں میں دردِ دل کہہ سناؤں۔ شاید پسیجے۔ شاید راہ راست پر آئے۔ عورت ہے۔ شاید ترس کھائے اور برسرِ رحم آئے:

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

اتنے میں پری نے دیکھا کہ آٹھ دس گھوڑے دوڑاتے ہوئے چند سوار سامنے سے ہٹ آرہے ہیں۔ یا الٰہی یہ سوار کیسے ہیں۔ کہیں میری ہی گرفتاری کے لیے تو نہیں آئے ہیں۔ جب گھوڑے قریب آئے تو دیکھا کہ سات بادِ رفتار اور آہو شکار گھوڑوں پر خوبصورت خوبصورت عورتیں سوار ہیں۔ سب بانکی ترچھی۔ ساتوں روس کی لیڈی کے قریب گئیں اور ادب کے ساتھ اُس مہ طلعت کے سمند برق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جولان سے تھوڑی دور کے فاصلے پر گھوڑوں کی باگیں روک لیں۔ قرینے سے کوہ قاف کی پری سمجھی کہ یہ کوئی شہزادی ہے۔ لیکن رنگ فق اور کلیجہ شق ہو گیا کہ مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ وہ آٹھ اور سب آٹھوں گانٹھ کمیت۔ میں تن تنہا۔ خویش نہ بیگانہ۔ عزیز نہ یگانہ۔ مہجور اور وطن دور۔ پردیس کا واسطہ، اگر اس وقت یہ چاہیں تو ستم ڈھائیں جان عذاب میں ہو جائے۔ ناک میں دم کر دیں۔

اتنے میں اُس صنم صنوبر خرام نے گھوڑے کی باگ اُٹھائی اور آہستہ آہستہ ایک سمت جانے لگی ساتوں عورتیں جلودار تھیں۔ کوہ قاف کی پری نے بھی اپنے اشہبِ تیز گام کو اُسی طرف سُبک عنان کیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ تھوڑی دور پر زمین کے ایک وسیع حصّے میں ہری ہری دوب جمی ہے۔ ارد گرد لوہے کی سلاخیں قدِ آدم اور لوہے کا دروازہ۔ دروازے کی راہ وہ سب اُس سبزہ زار میں گئیں۔

کوہ قاف کی پری بھی ایک جانب سے دیکھنے لگی۔ پشتِ توسنِ زرّین نعل سے وہ عروس جادو جمال اُتری اور ساتھ ہی ساتوں جلودار کچھ کہہ کر گھوڑے سے زمین پر آئیں۔ خاتون سیم بدن غنچہ دہن نے پہلے تین بار نالۂ سینہ شگاف بلند کیا۔ اس کے بعد چمان چمان و خرامان خرامان آگے بڑھیں۔ دلِ شوریدہ خاطر رسیدہ مجروح و وحشت رسیدہ پری نے جو یہ کیفیت دیکھی تو دنگ ہو گئی۔ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ اتنے میں وہ شکر لب شیریں حرکات ایک قبر کے قریب پہنچی جو اس سبزہ زار کے برابر واقع تھی۔ سیاہی مائل پتھر کی قبر۔ نصف قدِ آدم بلند اس پر نیلگون کپڑے کا شامیانہ۔ اِدھر اُدھر سرو کے اُونچے اُونچے درخت۔ جا بجا گلبن۔ جن سے ایسی بھینی بھینی خوشبو آتی تھی کہ روح تک مست ہوئی جاتی تھی۔ اس صبیح رخسار نسرین عذار نے تین بار قبر عنبر بار کے گرد طواف کیا۔ اور اس قدر گریہ وزاری کی کہ کوہ قاف کی پری کا بھی دل بھر آیا۔ آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ ازبس بے قرار ہوئیں۔ اِدھر اِن کے رُخ تابان پر اشکِ پریشان سفر۔ اُدھر اُن کے عارض درخشان پر سرشک مژگان پرور۔ وہ صحرا پسند سُبک گام۔ یہ دشت پیمابے آرام۔ کوہ قاف کی پری اُس خاتونِ خورشید جمال کے دل افسردہ کا حال سمجھ گئی۔ کیوں نہ سمجھتی اشک جگر خوار ترجمان دل زار تھے:

موج اشکم بی سخن اظہار مطلب میکند
جنبش ریک رواں بانگ درا باشد مرا

شبنم اشک نے گلِ عارض کو عرق آلود کر دیا۔ چشم خونبار نے دلہن کو یاقوت سے بھر دیا۔ سچ ہے بقول نعمت خان عالی:

از نسیم آہ ممنونم کہ در گلزار عشق
غنچہ ہای اشک گلگون مرا وامی کند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قبر کو کئی بار اس رشکِ گُل رخاں فرخار نے بوسے دیے۔ کچھ پھول اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے توڑے، اور قبر پر چڑھائے۔ ایک عورت نے جیب سے شیشی نکالی وہ بھی قبر پر لنڈھائی۔ بادِ صبا کے جھوکوں سے خوشبو جو آئی تو کوہ قاف کی پری کو معلوم ہوا کہ اگو ڈی روز ہے۔ کس محبت سے اس قبر پر عطر و پھول چڑھائے خدا جانے کس کی قبر مشکین اور تربت عنبرین ہے۔ واللہ اعلم کون بیکس اس میں محوِ خواب ناز ہے۔ کچھ ایسا سویا کہ جاگنے کی قسم کھائی۔ بعد مرگ دُنیا سے الگ تھلگ بستر جمایا۔ بحرِ حوادث دنیا سے کشتی کو کنارے پر لگایا۔ ہائے خدا جانے کیسا گل بدن یا سیمین ذقن جوانِ رعنا ہو گا۔ کیسا قیامت قامت بلند ہو گا۔ جب تو ایسی حُور طلعت کا اُس پر دل آیا۔ جب تو بعد مرگ جذب دل تربت پر کھینچ لایا۔ ہائے اس خستہ جگر خستہ جان کے دل پر اس وقت کیسی گذرتی ہوگی۔ نالہائے جگر شگاف سے دلِ حسرت منزل کی بیقراری پر ظاہر ہے۔

اتنے میں ایک خادم ہیرے کے پیالے اور سونے کی صراحی میں پانی لایا۔ اس نو عروسِ نازک کمر نے پہلے قبر پر کسی قدر چھڑ کا اس کے بعد مُنہ دھویا۔ پیش خدمتوں نے پانی کے ظرف میں گلاب کا عرق ملایا۔ مُنہ دُھلایا۔ کیوڑا پلایا۔ کچھ دیر تک اسی تربت پر اس غم زدہ ستم رسیدہ نے چادر بچھا کر آرام کیا۔ اس کے بعد شکرِ خواب سے بیدار ہو کر حکم دیا کہ گھوڑے کسو۔ معاً گل گوں خیز ران دم آیا۔ سوار ہوئیں۔ گھوڑا چمکایا۔ کوہ قاف کی پری بدستور کھڑی رہی۔ جب اس خاتونِ ماہ سیما کا سمند آسمان پیما نظر سے گذرا تو دونوں نے باہم مکالمہ کرنا چاہا مگر دونوں کو غرورِ حُسن و جمال، دونوں دولتِ حُسن سے مالا مالی دونوں مستغنی از صفات دونوں خوبصورتی میں برگزیدہ کائنات دونوں ستارہ جبین دونوں ناز آفرین، دونوں کی آنکھیں رندِ قدح نوش، دونوں گل بدن نسترن بناگوش، دونوں جوان و مست، دونوں کے گھوڑے خیزران دست، دونوں فن سپہ گری میں آزمودہ کار سلطشور، دونوں تند و پر شور، ایک کا چہرہ نسیم رعنائی۔ دوسری کا عارض انوار آفتاب مشرقستانِ برنائی، دونوں دلبری اور دلربائی ناز معشوقانہ اور کج ادائی میں طاق تھیں۔ دونوں ان اشعار کی مصداق تھیں:

ہر کجا شمعِ جمال تو برافروختہ اند
ماہ و خورشید و پروانۂ پردوختہ اند
ہر چند کلک مانی شد گلفشانِ تحریر
نشگفت چون تو گل در بوستانِ تحریر
تو باین جمال و خوبی برطور اگر خرامی
ارنی بگوید آن کس کہ بگفت لن ترانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوہ قاف کی پری کے طرۂ مشک آگیں کو بادِ عنبر بار برہم کرنے لگی :

مستانہ صبا دست دراں طرۂ مبیفداز
ہشدار کہ برہم نزنی سلسلۂ مشک

خاتون روس کا سمندِ ختلی خرام بلوں پر تھا۔ اب اُڑا اور اب اُڑا :

نسیم نافہ درکوی دُمِ اُو
ہوا گلدستۂ برقِ سُمِ اُو

کوہ قاف کی پری سکوت کا طلسم توڑنے ہی کو تھی کہ فرسِ عقاب طلعت بے قرار ہو کر پلٹا۔ اِدھر رُوسی زرّین کمر کا وہم آہو شکم بھڑکا۔ الغرض ان میں کسی قدر فاصلہ ہو گیا۔

جب گھوڑوں کی تیزی کم ہوئی تو دونوں میں مکالمہ شروع ہوا۔ فرانسیسی زبان میں گفتگو ہوتی تھی۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

لیڈی : تم اس دشتِ جنون بلا میں کسی غرض سے اور کیا کرنے آئی ہو ؟

پری : (آہِ سرد کھینچ کر) ایک مصیبت مجھے کشاں کشاں یہاں لائی ہے۔

لیڈی : ہائے ہائے ! میں تو سمجھی ہی تھی کہ کوئی مصیبت زدہ ہوگی مگر۔ ع

درماں ہے کہ دردِ لادوا ہے

ہمارے درد کا تو علاج ہی نہیں۔

پری : لادوا تو نہیں ہے، مگر تم چاہو تو ممکن ہے۔

لیڈی : (اشکبار ہو کر) اور میرے دردِ دل کی کیا دوا ہے۔ ہائے ہائے !

اِس قدر روئی اِس قدر روئی کہ آنسو تک خشک ہو گئے۔ اب اشک بھی نہیں آتے :

بعد ازیں درعوضِ اشک دل آید بیرون
آب چون کم شود از دِجلہ گل آید بیرون

اپنے محبوبِ مطلوب کو میں نے زمین تیرہ کے سپرد کر دیا ہے، اُف رے ستم :

جہاں جام و فلک ساقی اجل مے
خلائق بادہ نوشِ محفلِ مے
رہائی نیست عرفی ہیچ کس را
ازیں جام و ازیں ساقی ازیں مے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دنیا میں آ کے رنج و غم ہی نصیب ہوا تمام عمر روتے ہی بسر ہوئی:

ایں عمر کہ بیتاب بہ بینی آن را
نقشی است کہ بر آب بہ بینی آن را
دنیا خوابی و زندگانی دروی
خوابی ست کہ در خواب بہ بینی آن را

اِس وقت جس قبر کے گرد طواف کرتی تھی اور آہِ سرد با دلِ پُر درد بھرتی تھی۔ وہ اُس جوان گلفام لالہ لب پری چہرہ یاسمن غبغب کی تربتِ عنبر بار ہے۔ جس کی وفات سے میری زندگی تلخ اور دل فگار ہے۔ ہائے! اس وقت اُس کی پیاری صورت اور اس کا چاند سا مکھڑا میری نگاہ کے روبرو ہے۔ مگر میرے سوا کسی کو نظر نہیں آتا۔ اُہو ہو ہو۔ کیا صورت زیبا ہے۔ صدقے ہو جائیے:

گہہ بدل گہہ بدیدہ می آئی
چشم بدو درد رہہ جائی
نور چشم دو عالمی لیکن
ہیچ کس را نظر نمی آئی

یہ کہہ کر وہ خونیں جگر بہت روئی۔ پریشان خدمتوں نے آنکھوں سے آنسو پوچھے۔ سمجھانا شروع کیا کہ ہوئی جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب واسطے خدا کے اپنی آنکھوں کے ساتھ دشمنی نہ کرو۔ مگر پند و نصیحت آتشِ جنون پر روغن اور بادِ تند کا کام کرتی تھی۔ اِس جوانِ مُبرور کی تصویر ہر دم سامنے پھرتی تھی۔ آنکھوں میں نقشہ جما تھا۔

شکل اُس کی مصوّر نے کھینچی ورقِ دل پر
نقّاش اسے کہتے ہیں، تصویر اسے کہتے ہیں

کچھ عرصے کے بعد دل پر پتھر رکھ کر پوچھا۔ تم اپنا دردِ دل تو بتاؤ:

بنال بُلبُل اگر بامنت سرِ باری ست
کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زاری ست

ان دونوں مصرعوں کو کوہ قاف کی پری نے ترجمانِ دل بنایا۔ کہا جس مرض میں تم مبتلا ہو، قریب قریب اسی عارضے میں مَیں بھی گرفتار ہوں۔ اچھا ہوا کہ دو ہمدرد ملے۔ ع

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوہ قاف کی پری نے کمیتِ زبان کو میدانِ بیان میں یوں سُبک عنان کیا :

فرقت میں اک صنم کے یہ تفرقہ پڑا ہے
دل ہم کو ڈھونڈھتا ہے ہم دلکو ڈھونڈھتے ہیں

میرا جذبِ دل میرے جنون کی اُمنگ، میرا عشق صادق میری شوربختی اور میری تباہی نے مجھے یہ دشتِ وحشت دکھایا۔ طوفانِ اَلم مجھے کہاں سے کہاں بہالایا :

تھا چاک جیب صبح تو مشہور اے جنون
میں تیرہ بخت شام گریبان دریدہ ہوں

جس صورت پر دل دیا۔ جان دی۔ ایمان دیا وہ اب نظر نہیں آتی :

اُو آفتاب مُنہ اُفقِ بام سے دکھا
مانند صبح میں بھی گریبان دریدہ ہوں

جس خرام ناز نے مجھے پامال کیا۔ وہ اب کہیں دیکھنے ہی میں نہیں آتا۔ جس سہی قد سروِ صنوبر خرام پر شمشاد کی طرح جان دیتی تھی۔ اس کو کسی ظالم ستمگر باغبان نے باغ سے جدا کر دیا :

بزم میں پاتے نہیں ہم ساقیِ گلفام کو
جانتے ہیں ہم ہتیلی کا پھپولا جام کو

خدا جانے وہ غریب الوطن ناز و نعم پرور وہ کن جنگلوں کیسے کیسے خارستان اور کیسے کیسے کوہ وہاموں میں ٹھوکریں کھاتا ہوگا۔ اس پر کیا گذرتی ہوگی۔ ہائے اب تمہیں بتاؤ مجھے کس طرح صبر آئے۔

عروس روس نے اپنا حال پریشان یوں بیان کیا (ترجمہ)

ایک جوان سرو سیمیں پر مجھ بختوں جلی کی آنکھ پڑنے لگی۔ ہر روز میرے مکان کی طرف سے اونچی بنا ہوا فرس لاغر میاں پر سوار ہو کر گذرتا تھا۔ اور ایک نئی ہی وضع اور نئی ہی دھج اور نئی ہی پوشاک ہوتی تھی وہ حُسن جو ملائکہ نوری کو فریب دے۔ وہ جمال کہ انسان برسوں گھورا کرے :

جمالت را ہزاران صاحبِ تاج
بیک دیدن بجان ہستند محتاج

اِس شعر کا مصداق تھا۔ رفتہ رفتہ آمد و رفت شروع ہوئی۔ میرے اور اس کے دونوں کے والدین راضی ہوئے کہ ہمارا بیاہ ہو جائے مگر دوسرے ہی دن سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ عیش رنج سے مُبدّل ہوا حُکم آیا کہ فوج کے ساتھ میدان کارزار میں جاؤ۔ جان سُن سے نکل گئی۔ لاکھ لاکھ سمجھایا مگر اُس نے ایک نہ سُنی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہا بعد فتح شادی ہوگی۔ ابھی تو اپنے ملک کی طرف سے لڑنے جاتے ہیں۔ جس روز یہاں سے روانہ ہوا۔ میں نے خوب ماتم کیا۔ دو کوس تک گھوڑے پر ساتھ ساتھ گئی اور زار، زار رخصت ہوئی۔

ہر دم آہ و زاری۔ دن کو بیقراری رات کو اختر شماری کرتے گذرتا تھا۔ اخباروں میں جنگ کے حالات پڑھ پڑھ کر دل کو تسلی دیتی تھی۔ دفعتہً ایک اخبار میں پڑھا کہ ایک ترکی پاشا سے تلوار چلی۔ دونوں زخمی ہوئے۔ وہ تو بچ گیا۔ مگر یہ بیچارہ زخموں کے سبب سے مارا گیا۔ اس کا نام آزاد ہے۔ سُنا وہ بھی کسی عروس سے یہی شرط کر آیا تھا کہ بعد فتح شادی ہوگی۔ اتفاق سے میں نے اُس کو نیچا دکھایا۔

یہ سُن کر مس میڈا بیہوش ہوگئیں۔

خوجی ڈوب گئے

میاں خواجہ بدیع الزمان ترکوں کی فوج میں پہنچ کر ہنکارنے لگے۔ ہم نے یوں روسیوں سے مقابلہ کیا۔ یوں نیچا دکھایا یہ کیا وہ کیا۔ ترکوں نے بڑے شوق سے اِن کی روایت سُنی تو حضرت نے یوں بیان کیا۔

برضمیر منیر صاحبانِ ترک تخمیر واضح ولائح باد (فارسی کی ٹانگ توڑنے لگے) کہ بیچ ان ایام فرخندہ و خجستہ اختر جام کے کہ کامرانی کی شاہد امنگ جوانی اور شادمانی کی صنم ترنگ بادۂ ارغوانی میں مست ہے۔ گذر من بدیع خواجہ بدیعا کا بیچ ایک فوج روس کے ہوا:

گذر کردم بفوجِ روس بیہم
نمودم قلب فوجِ شان چو درہم

راوی: اِس طبیعت داری کے صدقے۔ کیا برجستہ شعر موزوں کیا ہے۔

ترک: اب شاعری کو رہنے دیجیے۔ حال کہیے۔ اِن اشعار کا ترجمہ کرنا آسان نہیں۔ ان جُہلا کو سمجھائے گا۔ صاف صاف کہیے۔

خوجی: وہاں دیکھا کہ مردمان بسیار و بسیار جوق جوق جمع انبوہ کثیر سب مست است پہلوان جری دلاور صف شکن برق فگن تین دن اور تین رات اوپر ایک شجر ارفع کے ٹہنیاں اُس کی زمین دوز تھیں۔ اور پھُنگیاں اُس کی حیرت سوز تھیں من خواجہ بدیع نے بسیرا لیا۔ دھوئے من خواجہ بدیع نہیں۔ من خواجہ بدیعا) خیر اتفاق وقت سے وہاں ایک روسی کا گذر ہوا۔ ہم سے اور اُس سے تکرار ہونے لگی۔ تب میں نے کہا کہ اگر دعویٰ ہو تو اُتر آؤں۔ لڑوں اور کچا کھا جاؤں۔ اتنے میں دیکھا کہ:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سایہ فگن خیمۂ از ہر کنار

برطرف دشت چو ابرِ بہار

سرورانِ روسی موجود ہیں۔ میں نے درختِ سبز بخت سے اُتر کر لنگوٹ کسا۔ خدا کا نام لے کر خم ٹھوک کے کشتی شروع کردی داؤں پیچ میں روسی بھی برق تھا۔

راوی: اور حضور تو داؤں پیچ میں برق ہیں ہی، درین چہ شک۔

خوجی: اور ہاتھ پاؤں ایسے کہ کیا کہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں سے بھی بڑے۔

راوی: ایں! اجی نہیں حضرت۔ ہم نہ مانیں گے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں سے بڑے بڑے ہاتھ پاؤں تو دیو کے بھی نہ ہوں گے حضور کے مزاج میں انکسار بہت ہے۔ اور یہی دلیل کمال ہے۔ بھلا آپ سے بڑے بڑے ہاتھ پاؤں کیا ہوں گے۔

خوجی نے کہا بس جُوں ہی اس نے چٹ پر ہاتھ ڈالا اور میں نے ہاتھ باندھ لیا۔ ہاتھ جو باندھا تو چکر گھنی کھا گیا۔ دھر کے زور کرتا ہوں تو ہاتھ کھٹ سے الگ۔

راوی: اے سبحان اللہ۔ ہاں! ہاتھ ہی توڑ ڈالیے گا۔ آپ کے مزاج میں غریب آزادی بہت ہے۔ کُجا وہ۔ بھلا کوئی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اے توبہ! کیا مجال۔ استغفر اللہ۔

خوجی: بس پھر دوسرا آیا۔ میں نے گردن پکڑی اور اَنٹی دی دھم سے گرا۔ تیسرا آیا۔ چپت جمائی اور پکڑ لایا۔ چوتھا آیا۔ لکان کی اور دھم سے گرا دیا۔ پانچواں آیا اور میں نے کچا چبا یا۔ ہات ترے گیدی کی۔ دے قرولی، دے قرولی۔ مار کے کچومر نکال دیا۔

راوی: پھر وہی غریب آزاری۔ پھر وہی مردم آزاری یہ واہیات بات ہے۔

خوجی: کئی سوار اور یلان نامدار، اور توپوں کے ساتھ گولہ انداز آئے۔ مگر میں نے سب کو پٹخنی بتائی۔ آخر کار کوئی ستر آدمی مل کرلے چلے۔

راوی: بس ستر ہی۔ اے لاحول۔ غلط۔ ستّر آدمیوں کو تو آپ پیس کے دھر دیتے۔ کم سے کم کوئی دو سو تو ضرور ہوں گے۔ ستّر سے بھلا کیا ہو سکتا۔ سو تک تو آپ چٹنی کر کے دھر دیں۔

خوجی: بس صاحب بِن خواجہ بدیعا کو مع قرولی کے قید کر دیا۔ لیکن عزّت کے ساتھ۔ آدمی اور نوکر اور چاکر اور اسباب اور کھانا اور دانا اور پانی اور سب کچھ وغیرہ وغیرہ موجود۔

راوی: اور گھاس؟ بگڑ نہ جائیے گا۔ دانے کے ساتھ گھاس ضرور ہے۔

خوجی: شاباشب تو بندۂ درگاہ وہیں رہے۔ سحرِ کاذب کے وقت قرولی لے کر غل مچایا کہ آ جاؤ جس کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقابلہ کرنا ہو۔ من بدیعا چلتے ہیں۔ بس پھر کوئی دو کروڑ روسی نکل پڑا۔ لینا۔ لینا۔ ارے میں نے کہا کس کا لینا اور کہاں کا لینا۔ آجا۔ آجا۔ مقابلے پر آگیدی قسم ہے مس روز کی جو چوں بھی کسی نے کی ہو۔ اے ہے سب ڈر گئے۔ دو کروڑ آدمی! کچھ ٹھکانا ہے۔ ایں! خیال تو کیجیے جی۔ کوئی دو ہزار جیالے روسی تو چھپٹے مگر من بدیع کی یہ کیفیت تھی کہ لکڑی ٹیکی اور آدھ میل پر ہو رہا۔

راوی: بس۔ آدھ ہی میل تو اس میں آپ ابھی کچے ہیں۔ مگر آپ انکسار کرتے ہیں۔ لکڑی ٹیک کر کم سے کم دو کوس کی تو آپ خبر لاتے ہوں گے۔ سچے مرتے جاتے ہیں جھوٹوں کو ذرا بخار تک نہیں آتا۔ کیا اندھیر ہے۔

خواجہ صاحب کو ترکوں نے مل کر اُلّو بنایا۔ صاف صاف بتاؤ۔ کہاں پھنسے تھے۔ کیوں کر بچ آئے۔ فوج روس کہاں ہے؟ اب اُنکا مقصد کیا ہے۔ کتنے آدمیوں کی جماعت ہے۔ آپ نے یہ جواب دیا۔

سوال: قید کس جگہ پر ہوئے تھے؟ بیان کرو اور اجر پاؤ۔؟

جواب: قید ایک مقام پر ہوئے تھے۔ روس نے کیا تھا۔

سوال: بچے کیوں کر۔ اُس کے اسباب بیان کرو۔؟

جواب: بزور قرولی شعلہ بار و بزورِ شمشیر جوہر دار بزور افیوں و نشۂ آن۔ بزور للکار کر ڈپٹنا ئے خواجۂ بدیع الزّمان۔

سوال: فوج روس کہاں ہے۔؟

جواب: فوج روس وہیں ہے، جہاں ہم چھوڑ کر آئے تھے۔

سوال: اب روسیوں کا قصد کیا ہے۔؟

جواب: قصد یہی ہے کہ جنگ کریں۔ لڑیں۔ کٹ مریں۔

سوال: کتنے آدمیوں کی جماعت ہے تخمینہ بتاؤ۔؟

جواب: کبوتر بازی سے ہمیشہ نفرت رہی۔ تڑسے گن لینا کہ کتنے آدمی ہیں۔ اِس مرض کا طوطا کبھی نہیں پالا۔ صرف دو کڑور آدمی اور جوان جوان آدمی خاصے ہٹے کٹے۔ ہم سے آن کر بھڑ پڑے تھے مگر ہم نے رہائی پائی۔ لکڑی ٹیکی اور راہ لی یہ آئے وہ آئے۔ دن تڑ رکھٹ۔

ترک سمجھ گئے کہ نرا جانگلو ہے۔ کہا تمہارا چھوٹنا اور قید ہونا جینا اور مرنا سب یکساں ہے۔ رہا ہونا چاہیے تھا آزاد کو۔ رہا ہوئے حضرت دو کرور روسی اور زورِ قرولی اور یہ اور وہ جو بکتا ہے خرافات ہی بکتا ہے۔ خواجہ صاحب نے پھر وہی پُرانی ہانک لگائی۔ مار لیا، مار لیا۔ آن پہنچے آن پہنچے ہم سے ایک روسی بڑے دعوے سے لڑنے آیا تھا اور آزاد کو ایک پری پکڑ لے گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نشستہ برامش بہر کشوری　　غریب استادی ور امشگری
نواسازِ خنیا گرانِ شنگرف　　بقانونِ نوازان برآور وہ حرف
بریشم نوازانِ سعدی سرود　　بگردون برآور مہوہ آواز رود
سرا بندہ گانِ رہ پہلوی　　ربس نغمہ دا مروہ نوارانوی

یہ کیفیت ہوئی کہ الامان! اور وہ حسن کہ حسن دان. جس طرح فردوسی نے شاہنامے میں محمود کی تعریف کی اسی طرح کوئی شاعر ہماری بھی تعریف کرے گا. وہ شاہنامہ ہے. یہ بدیع نامہ ہوگا۔

راوی: آپ تو بھول بھول جاتے ہیں. بدیع نامہ نہیں بدیعا نامہ:

چو فارغ شدہ خواجۂ[1] فیلقوس　　ز پیکارا عداو تاراجِ روس
سوِیمنہ رومی و بربری　　بدیعا[2] تکلّم زبان زر زری
بگرزِ گراں زعفران[3] راشکست　　بہ تیغ سُبک خونِ اور ابربخت[4]
سپاہ از دو سو ماندہ درداوری　　کہ خدا[5] کرامی کنند یا وری
غریوی زخواجہ بہ برخواست باز　　بگفتا کہ اے مردمانِ دراز[6]
زرہ پوشی از ساختہ قلب شاہ　　درآمد چو شیرے بہ نادردگاہ
چو دانست خواجہ بدیع الجمال[7]　　کہ ایں مرد آمد برایِ جدال
سنان برکشید و قرؤلی[8] گرفت　　بران تیرہ دل بار شد تیر کرد[9]
بوقتِ شب و روز آدینہ　　برخاست خواجہ بہ آئینہ[10]
بگفتا کہ من حمی روم ہوشیار　　بیا و بخور[11] تیغ محراب دار
بگفتا دیا بو بزیں در کشید　　دو لک[12] روسیاں در تنگ و پود دید

کرا بد مجالِ ستیزہ بمن
منم پہلوان[13] رستم پہل تن

۱. خواجۂ فیلقوس! کیا فیلقوس کی نسل سے ہیں حضرت. خیر یہ آج معلوم ہوا. مگر تاکا اچھے کو۔

۲. سبحان اللہ. واہ رے بدیعا۔

۳. یہ نواز عفران حبش سے مراد ہے. جس نے ان کو اپنے شوہر کے دھوکے میں خوب ٹھونکا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۴۔ واہ شکست اور ریخت۔ قافیہ کس قدر صحیح ہے۔ اور گران کے لیے سبک اس لطف کے صدقے۔

۵۔ نظامی گنجوی کو اصلاح بھی دیتے جاتے ہیں۔

۶۔ اس اختصار کے قربان۔

۷۔ کیا خوب اب بدیع الجمال ہو گئے۔

۸۔ آ گئی قروئی۔ بس اب کیا ہے۔ مار لیا ہے گیدی کو

۹۔ گرفت اور کرد کا قافیہ۔؟

۱۰۔ آئینہ یہاں برائے بیت ہے۔ ع ’چیل ہے درگوش کن گفتار من‘

۱۱۔ تلوار کے زخم کھاؤ۔

۱۲۔ حضور تو گھڑی گھڑی بھول جاتے ہیں۔ دو ایک یاد کرو۔

۱۳۔ دریں چہ شک آپ پہلوان اور آپ کا باپ پہلوان۔

ایک ترکی مسخرے نے خوجی مسخرے سے مکالمہ شروع کیا۔

مسخرہ: جب ہندوستان میں غدر ہوا تب آپ زندہ تھے۔؟

خوجی: زندہ تھے۔ زندہ نہیں تھے تو کیا مر گئے تھے۔

مسخرہ: ایک بات پوچھتے ہیں۔ بھائی خفا کیوں ہوتے ہو۔

خوجی: تم بات ہی ایسی کرتے ہو۔ زندہ تھے؟ زندہ نہ تھے تو کیا مر گئے تھے۔ یوں پوچھو کہ اس وقت تولد ہو چکے تھے یا نہیں۔

مسخرہ: اپنی جورو کی شادی کے وقت آپ کہاں تھے۔؟

خوجی: او گیدی۔ زبان سنبھال کر بولنا۔

مسخرہ: ارے بھائی۔ آخر تمہاری بیوی کی شادی ہوئی یا نہیں۔؟

خوجی: ایسا مسخرہ پن ہم کو پسند نہیں ہے۔ شریفوں میں بیوی کی شادی بھی ہوتی ہے کہیں۔

اس پر اکثر ترکوں نے قہقہہ لگایا۔ اور خوجی بن گئے۔ واہ حضرت واہ شادی نہیں ہوئی تو بیوی کیوں کر بن بیٹھیں۔ اب سمجھے خواجہ بدیعا خیر مسکرا کر کہا۔ ہاں تو یہ اور بات ہے اور وہ اور بات تھی۔

اتفاق سے خواجہ صاحب ایک روز تن تنہا ہوا کھانے نکلے۔ دن کو اونٹ نہیں نظر آتا تھا۔ رات کو کیا سوجھتا۔ راہ میں کسی کا گدھا ملا۔ آپ فوراً گدھے پر سوار ہوئے اور ٹخ ٹخ کرتے چلے۔ اپنے حساب دُور کا بے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گھوڑے پر سوار تھے۔ اب سُنیئے کہ تھوڑی دور جا کر ایک جوان نے ان کو روکا۔ اور للکارنے لگا۔

جوان: روک لے گدھا۔ گدھے روک لے۔

خوجی: (سمجھے خاک نہیں مگر بول اُٹھے) کیا ہم سے کچھ کہتے ہو۔؟

جوان: گدھے روک لے۔ ایں! روک لے گدھے۔

خوجی: (ٹخ ٹخ کرتے چلے جاتے تھے) کون پیچھے بولتا ہے۔؟

اتنے میں وہ جوان اِن کے قریب آگیا۔

جوان: (گدھا روک کر) یہ ہمارے کھیت میں گدھا کیوں لایا۔ اور سنو۔ اِدھر ترکوں کی فوج تنگ کرے اُدھر روس کی سپاہ۔ خیر فوج سے تو بس نہیں چلتا مگر اب کیا تم سے گئے گذرے ہیں۔

خوجی: ہائیں! اُو گیدی چھوڑ دے لگام۔

جوان: اُتر گدھے سے۔ اُترتا ہے یا میں دوں ایک۔

خوجی: تو نہیں چھوڑے گا یا میں قرولی نکالوں پھر۔

یہ اُن کی سُنتے تھے نہ وہ ان کی۔ اچھی دل لگی ہے۔

آخر کار اُس جوان نے ان کو گدھے سے اُتارا۔ انھوں نے غل مچایا کہ مار لینا چور ہے۔ من بدیع کو خواہ مخواہ پشتِ اسپ سے اُتارتا ہے۔

غُل کی آواز سُن کر دو چار آدمی آ گئے۔ اُنھیں ایک آدمی نے خوجی سے ترکی زبان میں گفتگو کی۔ کچھ ٹوٹی پھوٹی بول لیتے تھے۔ جب اس آدمی نے جو کسان تھا ان سے گفتگو کی تو یہ سخت جھلّائے۔

کسان: یہ گدھا جس پر آپ سوار ہیں کس کا ہے۔

خوجی: کیا بکتے ہو۔ گدھا گدھا کیسا۔ یابو کو گدھا بتاتے ہو۔

راوی: حضور خود ہی گدھے بن گئے۔

جوان نے اِن کا کان پکڑا۔ کسان نے گدھے کا۔ دونوں اس قطع سے چلے مگر اب خواجہ صاحب کی کمیدانی کام نہیں آئی۔ کان دبائے ہوئے چپ چاپ چلے جاتے ہیں تھوڑی دور جا کر خیال آیا۔ غُل مچایا کہ سُن او کسان! من خواجہ بدیع الزمان وہ شخص ہے جو دو سو روسیوں سے بچ کر بلوہ نکل آیا۔ اور کمیدان بھی تھا۔

کسان: کون تھا کمیدی؟ چلے چلو چپ چاپ۔

خوجی: نکالوں قرولی اور اُس پار کر دوں۔

جوان نے ایک دھکا دیا تو خواجہ صاحب نے پانچ لڑھکنیاں کھائیں، اُٹھتے ہی کوٹھے کر پھر گرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر سنبھلے تو اُس نے پھر ایک دھکا دیا۔ حضرت پھر مُنہ کے بھل گر پڑے۔ اُٹھے تو وہی خم و دم اِس جواں مردی کے صدقے۔ طبیعت وہی بلون پر۔ وہی زور، وہی شور لاناقرا بینچہ لانا قرولی۔ وہاں اِن کی سُنتا کون ہے۔ کانا ٹٹو، بدھو نفر، یہاں ٹٹو بھی نہیں گدھا اور نفر کے عوض خود ذاتِ شریف۔

خوجی : تم لوگوں کی قضا آئی ہے۔ اب میں دُھن کے رکھ دوں گا۔ اور اگر قرولی ملے تو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ چاہے آزمالو۔

کسان : پہلے تو ہم تمہاری خبر لے لیں۔ پھر سمجھا جائے گا۔

جوان : کمزور مار کھانے کی نشانی۔

خوجی : پھر آزمالو، قرولی منگوادو پھر تماشا دیکھو لوجی۔

حسنِ اتفاق سے ایک ترکی سوار کا اس طرف سے گذر ہوا۔ خواجہ بدیع صاحب نے جھلّا کر کہا۔ دُھائی سردار کی یہ تو ڈاکو مارے ڈالتے ہیں۔ سوار نے گھوڑا روکا تو خوجی نے پوچھا یہاں کہاں خوجی نے کہا حضور کچھ نہ پوچھیے۔ یہ لوگ روس دوست ہیں۔ ترکوں کی فوج کا آدمی سمجھ کر مجھے قتل کے واسطے پکڑے لیے جاتے ہیں۔ سوار نے ان دونوں سے کہا۔ ہمارے ساتھ چلو۔ تم سزا پاؤ گے پھر کیا تھا خواجہ صاحب شیر ہو گئے۔ ایک کے کان پکڑے اور کہا چل آگے۔ دوسرے پر چپت جمائی اور کہا چلو ساتھ ساتھ۔ دونوں کی جان عذاب میں کہ اچھے گھر بیحانہ دیا۔

خواجہ صاحب نے کسان کے چٹکی لی۔ وہ غُل مچانے لگا۔ تو آپ شعر خوانی میں مصروف ہوئے، اور جُھوم جُھوم کر پڑھنے لگے۔

سر گرم نگہ گرم ہنسی گرم ادا گرم
وہ نامِ خدا سر سے ہیں تا ناخن پا گرم

کسان خاموش ہو رہا تو اُس جوان کی گدّی پر ایک جڑی اور پھر یہ شعر پڑھا۔

کھپ گئی آنکھوں میں کیا جلوہ نمائی تیری
مجکو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری

راستے میں ان دونوں کی جان عذاب میں تھی۔ سوار کی شہ جو پائی تو خوجی نے ان بیچاروں کی بُری گت بنائی۔ جب فوج کے پڑاؤ پر داخل ہوئے تو خواجہ صاحب نے سفارش کی کہ دونوں چھوڑ دیے جائیں۔ اور اکڑ کر بولے کہ دیکھو سپاہی ہم ہیں کہ گو تم نے ہمیں۔ پریشان کیا مگر ہم نے اُس کا بدلہ نہ لیا۔ بلکہ تم کو چھوڑ دیا۔ تو وجہ کیا ہم تو کمیدانی کر چکے ہیں۔ رسالدار ہم رہے۔ کمیدان ہم رہے اور اب بھی خدا کے فضل سے دو کروڑ روسیوں کا مقابلہ کر کے آئے ہیں۔ جی ایسے ویسے نہیں ہیں۔ جس پر تلوار لگائی اُس کو قتل کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زگوپال آن ہیل جنگ آزمائی
درآمد سرِ ہیل ہپیکرِ زپائی

اب سنیئے! دوسرے روز صبح کے وقت چند ترکی سوار اور پیادے مل کر دریا نہانے چلے۔ پڑاؤ سے دریا سامنے نظر آتا تھا۔ شامتِ اعمال خواجہ بدیع صاحب بھی ان کے ساتھ گئے۔ دیکھا کہ دریائے قہار بڑی تیزی کے ساتھ موجزن ہے۔ روح فنا ہو گئی۔ کہا یارو کیوں جان کے دشمن ہوئے ہو۔ قسم کھاتا ہوں کہ دریا کی صورت دیکھتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ کہہ کر خواجہ صاحب بھاگنے کو تھے کہ ایک آدمی نے روک لیا۔ اور روو ترکون نے ان کے کپڑے اتارے۔ صرف لنگی ہی لنگی ان کے پاس رہ گئی۔ خوجی کی یہ کیفیت کہ روح لرزتی تھی۔ مگر زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب مُضطر بحال ہے تو عاجزی کرنے لگے۔

خوجی: بھائیو! میری جان کے کیوں دشمن ہوئے ہو۔ ارے یارو میں تمہارا دوست ہوں۔ دشمنی کیوں کرتے ہو۔ تمہارے سبب سے اس قدر زحمت اٹھائی۔ قید ہوا۔ مصیبت جھیلی اور اب تم لوگ دل لگی، دل لگی میں یہ فکر کرتے ہو کہ خواجہ بدیع ڈوب جائے۔

خواجہ صاحب بعجز و الحاح پیش آئے مگر ترکون نے ایک نہ مانی۔ عاجزی کرتے کرتے تھک گئے تو کوسنے لگے۔ خدا تم سے سمجھے۔ ہائے یہاں کوئی افسر بھی نہیں ہے۔ سب پیادے ہی پیادے ہیں۔ نہ ہوئی کمیدانی چنوا دیتا۔ نہ ہوئی قرولی نہیں اس وقت تبھیتی کے پیچ رواں کرتا۔ خدا کرے ان دونوں پر بجلی گرے کیا اب سب کپڑے اتار لئے۔ گویا ان کے باپ کا مال تھا۔ اچھا گیدی اگر جیتا بچا تو سمجھ لوں گا۔

راوی: خدا نہ کرے کہ حضور جیتے بچیں۔ ورنہ ان بے گناہوں کی جان نہ بچے گی۔ آپ کا مرنا ہی اچھا ہے۔ خوجی کو دل لگی بازوں نے اتنے غوطے دیئے کہ بے دم ہو گئے۔ آخر کار چھوڑ دیا تو ایک غوطہ کھا کر ڈوب گئے۔ ارے!۔

کلپٹو مینیا

شہزادۂ فریدون قدر پرنس ہمایوں فر بہادر کے دل سے لگی تھی کہ ناظورۂ طاؤس زیب شاہدِ عالم فریب عروس ماہ سیما سپہر آرا بیگم کو عقدِ نکاح میں لائیں۔ دل کھول کر لطف زندگی اٹھائیں۔ ایک روز گھڑی بھر دن رہے، شہزادۂ سکندر فر ضیغم طلعت سمندِ ختلی خرام پر سوار بصد شانِ شہریاری و تاجداری ہوا کھاتے جاتے تھے۔ دُور باش و ادب کی آواز بلند تھی۔ رُفقا بھی خوش خرام گھوڑوں پر سوار جلودار تھے۔ جس طرف سے گذرے رعایا دو رویہ ایستادہ ہو ہو کر آداب بجا لائی۔ شرفا نے سروقد تعظیم کی۔ امرائے ادب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ساتھ گردن جھکائی۔ حُسنِ اتفاق سے سپہر آرا کی اسی حالت میں ان پر نظر پڑی۔ یہ قیامت نگاہ اس غیرتِ ماہ کو جھروکے سے دیکھ کر بے قرار ہوگئے۔ ہمایوں فر عاشق تنٔ تو تھے ہی ان کے ایوان سپہر توار ان کے قریب اشہبِ تیز رو کو ذرا اور چمکا دیا۔ اتنے میں گیتی آرا کی نظر بھی اس شہزادۂ یوسف جمال پر پڑی تو چھوٹی بہن سے یوں ہم کلام ہوئی۔

گیتی آرا کچھ دیکھا وہ کون سامنے جاتے ہیں۔ سپہر آرا بہن کا کنوٗل کھل گیا۔

سپہر آرا نہ۔ باجی۔ بڑی ہو کے ہم سے ہنستی ہو اے واہ واہ بہن واہ

گیتی آرا کچھ مُحرّم کی پیدائش تو ہے نہیں ہماری۔ دو گھڑی ہنسنے بولنے میں کیا عیب ہے۔ ہنستے بولتے سب ہی ہیں۔ ایک ہم پر کیا موقوف ہے۔

سپہر آرا اچھا بھلا جب جانیں کہ یہاں سے پکارو۔ ہمایوں فر!

گیتی آرا اے چپ۔ ہائیں ہائیں۔ توبہ توبہ۔ اف رے تیرا جگر!

سپہر آرا تو کیا کوئی سنتا ہے۔ کجا یہ مُقام کجا وہ مقام اتنا فاصلہ ہے۔ بھلا یہاں کی آواز وہاں جا سکتی ہے۔ اے توبہ!

عبّاسی یہ تقریر سن رہی تھی۔ بولی! اے بیوی میں صدقے گئی، اتنا تو سوچیے کہ جاتے تو اس طرف ہیں مگر ٹکٹکی ادھر لگائے ہیں۔ لیکن دیکھیے ریاست، اور امارت، اور سلیقے، کے یہ معنی ہیں کہ مُصاحبوں کی نظر ادھر ہی ہے۔ مجال کیا کہ کوئی ادھر ذرا دیکھ تو لے۔ کچھ گنوار تھوڑا ہی ہیں۔ شہزادے ہیں۔ نہیں ایک موا وہ ہندو ہے ہمارے محلے میں رہتا ہے۔ اللہ جانتا ہے خدمت گار اور درباری ایسے منہ چڑھے ہیں کہ بس۔ یہ بدتمیز لوگ کیا جانیں۔

مرزا ہمایوں فر بہادر، کی سواری مثلِ بادِ بہاری نکل گئی۔ عبّاسی نے کہا، حضور دیکھیے گرمی یہ کچھ پڑتی ہے، اور کاشانی مخمل کے کپڑے پہنے ہیں۔ تو وجہ کیا عادت ہو گئی ہے۔ نہ ساری باتیں عادت پر ہیں۔ ہمیں کوئی دلائی اُڑھاوے، تو اللہ جانتا ہے پھنکنے لگیں۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ سپہر آرا آہ سرد بھرنے لگیں۔ عبّاسی نے اشارے سے گیتی آرا کو دکھایا اور کہا حضور اب یہ تو خدا نخواستہ قیامت کا سامنا ہے۔ آمنے سامنے مکان۔ صبح و شام ہوا کھانے کو نکلا ہی چاہیں۔ مہتابی کو ٹھے پر دو گھڑی دل بہلانے ضرور ہی آئیں گے اور آپ جب دیکھ لیں گی تو ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگیں گی۔ سپہر آرا بولیں، عبّاسی صاف صاف تو یہ ہے کہ میں تو لاکھ ضبط کروں مگر جب اندر والا تھامے سے تھمے۔ یہ تو مانتا ہی نہیں۔ جس وقت اس قیامت خرام کی پیاری صورت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نظر سے گزرتی ہے۔ کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ سچ کہنا عبّاسی شہر بھر میں ایسا خوبصورت کوئی جوان ہے۔ پھر بادشاہ کے لڑکے۔ وہ بھی ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، مگر خدا جانے ان کے گھر والے ان کو کیا صلاح دیتے ہیں۔ عبّاسی نے کہا اگر حضور ذری چھٹی دیں تو لونڈی ان سے ملے، اور جو کچھ کہنا ہے دل کھول کے کہے۔ ایک تو یہ کہوں گی کہ آپ ہمایوں مالی، اور فیلبان، اور چرکٹے بن کر نہ آیا کیجیے۔ ابھی بڑی حضور پر کھل جائے تو ہے ہے! بس غضب کا سامنا ہو۔ دوسری بات یہ کہوں گی کہ اب ڈھیل کا ہے کی۔ بس میری ہی رائے پر حضور چھوڑ دیں۔ میں اپنے سمجھ لوں گی۔ سپہر آرا نے پوچھا بھلا وہاں تک تمہاری رسائی کیوں کر ہو گی۔ زنانے میں تم ان سے بات نہ کر سکو گی۔ مردانے میں تمہارا گذر کہاں۔ پھر ملو گی کیوں کر۔ عبّاسی مسکرائی۔ اے حضور اجب بات ہے کہ حضور کے سامنے ان کے کوٹھے پر ان سے باتیں کر رہی ہوں، اور حضور مہتابی پر سے دیکھیں، کہ عبّاسی باتیں کرتی ہے مگر بات اتنی ہے کہ اگر جو کہیں حسن آرا بیگم، گیتی آرا بیگم، یا جہاں ارا بیگم، دیکھ لیں گی تو کیا جانے کیا بات کا بتنگڑ ہو۔ زمانہ بڑا نازک ہے۔ اپنی عزت کو ہر کوئی ڈرتا ہے۔ شاید نوعذ گر سمجھیں، تو ہم اس ڈیوڑھی پر آنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ بھی جوان۔ ماشاء اللہ سے اور ہم بھی جوان جہاں۔ شاید کوئی دیکھ لے کہ گھُل گھُل کے باتیں ہو رہی ہیں، تو عیب لگائے۔ سپہر آرا نے کہا کیا ہمایوں فر ایسے شہدے ہیں کہ مہریوں پر ریجھ جائیں گے۔

عبّاسی: ہیں صدقے حضور یہ حسن اور جوانی کسی کے ماں کی نہیں۔

سپہر آرا: واہ شہزادے ایسے نہیں ہوا کرتے۔ شہزادوں کا دل جب آئے گا شہزادی پر۔ تو مہری پر بادشاہزادے ریجھیں۔ واہ۔

عبّاسی: حضور یہ نہ کہیے۔ یہ سب حسن اور جوانی پر ہے۔ بس اور کچھ نہیں۔

سپہر آرا: اچھا تم آج ہی جاؤ مگر جو ہمارے سامنے ان سے باتیں نہ ہوئیں تو ہم گھر سے نکلوا دیں گے۔ اور ہاں یہ تم نے کیا کہا کہ گھُل گھُل کے باتیں ہوں گی۔ جو گھُل گھُل کے باتیں ہوں نہ تو ہم یہاں سے پتھر کھینچ ماریں۔ ہاں اتنا یاد رہے سمجھیں۔

عبّاسی: اے لو۔ دیکھا نہ۔ وہ تو میں سمجھی ہی تھی۔ بس بیوی ایسے پیغام سے در گزری۔ کیا ان کے گھر کے آدمی بیسوا سمجھیں۔ آپ کے ہاں کا کوئی دیکھ لے تو بڑی سرکار سے جڑ دے۔ اور آپ پتھر لیے کھڑی رہیں۔ پیچ پی ہزار نعمت پائی۔ اب ایسا پیغام لے کے جائیں گے تو خواہی نخواہی دو گھڑی ہنسی دل لگی ہو گی۔ کچھ مولوی صاحب کے پاس پھونک ڈلوانے تو جاتے نہیں ہیں۔

سپہر آرا: اچھا کچھ منہ سے تو کہو کہ وہاں جا کے کیا تقریر کرو گی کیا کہو گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی: چنزپ، چنزپ، بڑی سُرخ لنزانزی انزانزی ہزین گزی۔ (یعنی چُپ چُپ۔ بی مغلانی آئی ہیں گی۔

سپہر آرا: ہزین۔ گزے۔ برغد۔ گزی۔ کزبون۔ کزہ۔ ہزا۔ (یعنی ہیں کے بعد گزی کیوں کر آئی ہیں گی کیوں کہا۔ صرف آئی ہیں کیوں نہ کہا۔ معقول۔ زرگری بولنے لگیں۔

اس دن تو شام ہوگئی۔ دوسرے روز بی عبّاسی خوب بن ٹھن کے چلیں۔ عطر میں بسی ہوئی کُرتی آستینوں دار پھنسی ہوئی، جوبن پھٹا پڑتا تھا۔ حُسنِ صَبیح جمال شیریں سے ٹکر لڑتا تھا۔ راہ میں چلیں تو اٹھکھیل کی چال نے تماشائیوں کے دل پائمال کر دیئے:

رفتار یار میں ہیں یہ شیریں ادائیاں
خاک اس کے رہگزار کی شکر سے کم نہیں

بگڑے دل آوازے کستے تھے، ایک بولا خدا کرے پانوں پھسل جائے تو عبّاسی نے تنک کر کہا پانوں پھسلے تیرا۔ دیکھو مُوئے کی باتیں۔ یہ کلمۂ بد زبان سے نکالتا ہے۔ اور آگے بڑھیں، ایک شخص نے کوٹھے پر سے اپنی جریب پھینک کر کہا "ارے! بی مہری صاحب ذری جریب اٹھائیے۔ عبّاسی نے تیکھی چتون سے ان کو دیکھا اور جریب اٹھا کر دس قدم پر پھینک دی۔ یہ شوخی۔ ایک اور پاک بے باک شہدے نے کہا، بی مہری صاحب سلام۔ اخاہ، اب تو دماغ ہی نہیں ملتے سرکار کے۔ اس پر عبّاسی تنک کر بولی۔ کیا! اب تو دماغ ہی نہیں ملتے۔ اس کے کیا معنی۔ اب کیا اور تب کیا۔ اب کون ایسی ثروت مل گئی چھپر پھاڑ کے، جو دماغ نہیں ملتے، اور پہلے کب پھٹے حالوں دیکھا تھا۔ موا گنوار کا لٹھ۔ (منہ چڑھا کر) اب تو دماغ ہی نہیں ملتے۔ (انگلی مٹکا کر) اے ہے۔ ذری یہ کہنا۔ ادھر ادھر دکانداروں نے قہقہہ لگایا۔ عبّاسی چمکتی ہوئی آگے بڑھی۔ ایک خوبرو، گبھرو، سے آنکھیں چار ہوئیں اور یوں میٹھی میٹھی باتیں ہونے لگیں۔

گبھرو: بی عبّاسی سلام ہے۔ پہچانا اب کاہے کو پہچانو گی صاحب۔

عبّاسی: (مسکرا کر) ایرے غیرے پچکلیان بہت دیکھے ہیں۔ تم کون ہو؟

گبھرو: کون ہیں؟ عاشق ہیں۔ جان جاتی ہے۔ اور کون ہیں۔

عبّاسی: واہ جان جاتی ہے۔ کبھی جھوٹوں بات نہ پوچھی۔ ہونہہ۔

گبھرو: ایمان کی قسم ہم یہاں نہ تھے کلکتے گئے تھے نواب کے ساتھ۔

عبّاسی: اے ہے اب نواب صاحب کے یاں ہو۔ اور وہاں چھوڑ دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گبھرو: وہ ایک دفعہ گالی دے بیٹھے بس ہم نے ترک کر دی۔

عباسی: وہ تو تمہاری بڑی خاطر داری کرتے تھے۔ یہ ہوا کیا؟

گبھرو: امیر آدمی ہیں۔ ایک دفعہ کلمۂ واہیات نکالا۔ ہم چلے گئے۔ اب بتاؤ کب تک ترساؤ گی۔ اگر منظور کرتیں تو اب تک کب کی شادی ہو گئی ہوتی۔ مگر بڑی بے رحم ہو عباسی۔

عباسی: اے ہے۔ تم نے نہیں سنا۔ ہم نے قسم کھالی کہ اب جو نکاح پڑھوائیں گے تو کسی پڑھے لکھے کے ساتھ۔ دیکھ لینا۔

گبھرو: واہ پڑھا لکھا آدمی تمہارے ساتھ نکاح کر چکا۔ ہونہہ۔

عباسی: اے نکاح ہماری جوتیوں کے لئے ہے۔ ہماری جوانی، ہمارا سن و سال، ہمارا جوبن برقرار ہے تو ہزاروں سری ٹیک کریں گے۔ ہم کو اپنی جوانی، اپنے چہرے مُہرے کا غرور ہے۔ اس وقت چاہیں تو سو آدمی منظور کر لیں۔ کچھ تمہاری طرح تھوڑا ہی ہیں۔ وہ کون سا ایسا مردوا ہے جو ہمارے ساتھ نکاح پر راضی نہ ہو جائے۔

اس گبھرو نے کہا ہم تو شادی کرنے کو مجود (موجود) ہیں۔ مگر ہاں پڑھے لکھے نہیں، اور تم، اب دیکھیں گے ہم کہ مولوی ہی سے تو شادی کرو گی۔ اب اس وقت جاتی کہاں ہو۔ عباسی نے کہا ہمایوں فر بہادر کے ہاں۔ گبھرو بولا ارے اب اس وقت نہ جانا۔ وہاں بڑی بھیڑ ہے۔ صاحب لوگ جمع ہیں۔ بڑا معرکہ ہو گیا۔ اس وقت عباسی گھبرائی۔ کیوں کیوں خیر باشد کیا ہوا کیا۔ اللہ خیر کرے۔ اس وقت جیسے پانوں تلے سے مٹی نکل گئی۔ ہم تو وہیں جاتے تھے۔ گبھرو نے متحیر ہو کر کہا ہمایوں فر کا مکان ادھر کہاں۔ ان کے ہاں جانا ہے تو یوں جاؤ۔ وہ تو شہر کے باہر رہتے ہیں۔ عباسی بولی ادھر ہم اپنی منہ بولی بہن کے ہاں جاتے تھے۔ مگر اب ہمایوں فر کے مکان کی طرف ضرور کر کے جانا پڑا۔ اتی (اتنی) دور آن کے پھر الٹے پانوں جانا بھلا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کوئی نگیچ (نزدیک) کا راستہ ہو تو بتلا دو۔ گبھرو بولا ہے تو گلیوں گلیوں مگر ہم اب اس وقت کام کو جاتے ہیں۔ نہیں تو ساتھ لے چلتے۔ عباسی برا مان گئی۔ اچھا خیر۔ انہیں کرتو توں۔ بھلا جو اگر مہندی گھس جائے گی تو نہ چلو۔

الغرض عباسی الٹے پانوں پھری۔ گھر پر پہونچی تو دور سے دیکھا کہ مرزا ہمایوں فر کے دروازے پر کئی بگھیاں کھڑی ہیں، اور آدمی بھی ادھر ادھر بہت سے جمع ہیں۔ ماتھا ٹھنکا۔ دوڑتی ہوئی محل سرا میں گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محلدار : اے کچھ سنا عبّاسی شہزادے کے ہاں کا حال سنا کچھ؟

عبّاسی : یہ بھیڑ کیسی ہے۔ نصیب اعدا طبیعت تو کچھ علیل نہیں ہے؟

محلدار : اس سے بدتر ہے۔ بڑی بُری بات ہوگئی اے توبہ۔

عبّاسی : کیا؟ چوری تو نہیں ہوئی۔ آخر ش یہ ہوا کیا ہے۔ بتاؤ تو۔

محلدار : اللہ بری صحبت سے ہر بھلے مانس کو بچائے اور بری عادت سے بھی امیروں کو دور رکھے۔ یا اللہ ایسی کسی پر نہ گذرے۔

عبّاسی : یہ سب کہاں ہیں۔ بڑی بیگم صاحب کے پاس گئے ہیں کیا۔

محلدار : سب کوٹھے پر ہیں۔ چوری کا جرم ہے۔ کبھی آج تک یہ نہ سنا ہوگا۔ ہے ہے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

عبّاسی : چوری۔ چوری کس نے کی۔ شہزادے کے ہاں چوری ہوئی۔

محلدار : اِن کے ہاں چوری نہیں ہوئی، انہوں نے خود چوری کی۔

عبّاسی : (متحیر ہوکر) کس نے آ مرزا ہمایوں فر بہادر نے؟

محلدار نے کہا ابھی ابھی ایک روتا خبر لایا کہ شہزادے کے یہاں (وہاں) صاحب لوگ آئے ہیں۔ انھوں نے کسی سوداگر کے ہاں ایک آئینہ چرایا تھا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آئینہ کی چوری کیوں کر کی۔ ایک بھدی سی مثل مشہور ہے کہ داونٹ کی چوری نہوڑے نہوڑے) اس موے کی گردن تو نظر آئی دے دو کوس سے۔ بڑی سرکار نے سنا تو بڑا رنج کیا۔ ایک چوبدار کو بھیجا کہ جا کر خبر لائے، اُس نے آن کر کہا حضور خبر تو سچّی ہے۔ مگر آئینے کی چوری نہیں کی۔ ایک آرسی چرا لائے تھے۔ یہ سنتے ہی عبّاسی تڑ سے زینے پر ہو رہی، اور دن سے کوٹھے پر موجود۔ دیکھا سپہر آرا بیگم بدحواسی کے ساتھ ایک مسہری پر لیٹی ہوئی ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہیں۔ گریہ وزاری کر رہی ہیں۔ عبّاسی کو دیکھ کر اور بھی زار زار رونا شروع کیا۔ عبّاسی نے کہا۔ اُف نوہ۔ مجھے تو اس وقت بڑا تعجب ہوا۔ موئی آرسی کی اصل وحقیقت ہی کیا ہے بھلا۔ ان سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ اے توبہ۔ کیا مجال۔ یہ کسی دشمن نے خبر بد اڑا دی ہے۔ جنازہ نکلے اس مونڈی کاٹے کا، اور ایسی جگہ گردن ماری جائے جہاں پانی نہ ملے جس نے ہمارے شہزادے کو بن ناحق مطعون کیا۔ ایسی ایسی کروڑوں آرسیاں اُن پر سے بلکن (بلکہ) اُن کے غلاموں پر سے صدقے کیں۔

اتنے میں عبّاسی نے دیکھا۔ حسن آرا بیگم اُنگلی کے اشارے سے عبّاسی کو بُلاتی ہیں۔ سپہر آرا نے کہا ہمیں اِس وقت پیاس معلوم ہوئی ہے۔ برف ڈال کر خوب ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ موقع وقت غنیمت جان کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی نے تعمیل حکم کے لئے قدم بڑھایا۔ آڑ میں جا کر حسن آرا سے۔ حسن آرا نے کہا عبّاسی یہ کیا ستم ہو گیا۔ اہاہا! اے توبہ ہمایوں فر جن کے پاس لاکھوں روپیہ ہے، اور ایک آرسی چورا لائیں۔ ہے ہے۔ آگ لگ گئی زمانے کو۔ آسمان کیوں کر قائم ہے۔ عبّاسی نے کہا حضور چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہم نہ مانیں گے۔ آرسی تو اُن کے ہاں کے نوکروں کے نوکر اور اُن کے نوکر ہاتھ سے نہ چھوئیں، نہ کہ چوری! اے کیا مجال ہے بیوی، یہ کسی دشمن نے خبر اڑا دی ہے۔ موئی کانٹوں کو کچھ کرنا دھرنا تو ہے نہیں۔ بیٹھے بیٹھے ایک اُشکلا چھوڑ دیتے ہیں۔ جہاں آرا نے کہا اچھا جھوٹ ہے تو یہ اتنے صاحب لوگ کیوں آئے ہیں۔ رونا کیا خبر لایا۔ چوبدار کیا خبر لایا۔ ہم نے کوئی وتیفہ باقی تھوڑا ہی رکھا۔ اب کسی اور کو بھیج دو۔ گیتی آرا بولی ہمارے نزدیک بڑے میاں کو بھیجو۔ رئیسوں، امیروں کی صحبت میں رہتے ہیں۔ کچھ ایسے ویسے تھوڑا ہی ہیں۔ اس پر سب نے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ سپہر آرا اپنے کمرے میں گئیں۔ پیر مرد کو بلوایا۔ حکم دیا کہ جا کے مفصل حال دریافت کر لاؤ۔ پیر مرد نے اُن کر یوں بیان کیا۔ حضور جو کچھ سنا تھا وہ ٹھیک نکلا۔ سوداگر کی دکان پر جانا اور وہاں ایک بیش بہا انگوٹھی چورانا اور پکڑے جانا سب صحیح ہے۔

اس پر جہاں آرا نے کہا۔ کیا؟ انگوٹھی۔ پہلے سنا آئینہ۔ پھر سنا آرسی۔ اب تم خبر لائے ہو کہ انگوٹھی چورائی، مگر مول کے دام نہیں دیئے یا یہ کہ چوری ہی کی۔ پیر مرد بولا۔ چوری کی حضور! چوری کی، اور انگوٹھی بڑی قیمتی ہے۔ ہوا یہ کہ وہ فٹن پر سوار ہو کر سوداگر کے ہاں گئے۔ شہزادے بھی ساتھ تھے۔

سپہر آرا: کون شہزادہ ساتھ تھے اور گئے کون فٹن پر؟

پیر مرد: ہمایوں فر بہادر کے سالے، اور ہمایوں فر دونوں گئے۔

جہاں آرا: اہن! اور یہ چوری کس نے کی۔ کیا اول جلول بکتے ہو۔

پیر مرد: (جھلّا کر) میں تو اول جلول نہیں بکتا ہوں حضور نہ سمجھیں تو میں کیا کروں اس کو۔ صریح مشہور ہے۔ سارا شہر جانتا ہے کہ مرزا ہمایوں فر کے بہنوئی نے سوداگر کے ہاں سے ایک انگوٹھی چورائی۔

سپہر آرا: (ہنس کر) اف۔ شکر ہے۔ ہمایوں فر نے تو نہیں چورائی۔

پیر مرد: اے لاحول۔ دو کروڑ کی چیز ہو تو چھوئیں نہیں۔ بادشاہ کی اولاد ہیں کہ باتیں۔ ہاں تو فٹن پر دونوں سالے بہنوئی گئے، پہلے پیری اینڈ کمپنی کے ہاں اترے۔ اُن کے سالے نے اِدھر اُدھر کمروں کی سیر کی اور ہمایوں فر پاس کی ایک کوٹھی میں سودا خریدنے لگے۔ یہاں ان کے سالے نے سات سو کا اسباب خریدا اور ساتوں سو نقد دے دیئے، مگر دیکھتے دیکھتے ایک انگوٹھی پہن لی۔ سو روپیہ سوا سو روپیہ کی ہوگی۔

جہاں آرا: اے! بس پھر ہم کیا کہتے تھے۔ بڑی قیمتی ہے۔ واہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا: سو، سوا سو کی انگوٹھی! بھلا کوئی بات بھی ہے۔ سو روپیہ کی بھی کوئی حقیقت ہے۔ سب جھوٹی بات ہے۔

پیر مرد: اب جو سنا اور جو اصل بات ہے وہ کہتا ہوں۔ بس۔ آدمی نے دیکھ بھا چار پانچ روپیہ مہینے کی اوقات۔ اِن کی شان اور عظمت دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکا مگر چپکے سے جاکر صاحب سے کہہ دیا۔ صاحب آئے۔ آدمی سے کہا اگر تم جھوٹ بولے تو ہم جہنّم بھیج دے گا۔ اِن کے پاس آئن کمپو چھا۔ ہمارے جانے کے بعد جب ہم اُس کمرے میں بیٹھا جاکے تب آپ نے کوئی شئے خریدی۔ جو خریدی ہو ہم کو اطلاع ہونا چاہیئے۔ کہا ہم نے اور کچھ نہیں خریدا۔ صاحب نے پھر پوچھا۔ پھر انکار کیا۔ تیسرے مرتبہ پھر دریافت کیا۔ پھر انکار کیا۔ تب تو صاحب آگ ہوگئے۔ کہا یہ انگوٹھی کہاں خریدی تھی۔ اتنے میں مرزا ہمایوں فر آگئے۔ اَلغرض مرزا ہمایوں فر بہادر شیر ببر کی طرح آئے تو سوداگر خاموش رہا۔ مگر دوسرے دن اُس نے نالش کر دی۔ شہر بھر میں ہلڑ مچا کہ شہزادے پر سرقے کا جرم قائم ہوا۔ اب ہمایوں فر کے بہنوئی کا کوئی نام ہی نہیں لیتا تمام زمانے میں مشہور ہوگیا کہ ہمایوں فر نے چوری کی۔ جو سنتا تھا کانپ اُٹھتا تھا۔ ارے! ہائے افسوس یہ کیا غضب ہوا۔ نالش کے روز مجسٹریٹ کے ہاں طرفین پہونچے، مگر واہ رے ٹامس صاحب بیرسٹر، وہ تقریر کی کہ سب بند ہوگئے۔ کہا یہ چوری نہیں تھی۔ یہ ایک عارضہ ہے کلپٹو سینیا۔ یہ ایک قسم کا جنون ہے جس سے انسان کا چوری کرنے کی طرف جی للچاتا ہے اور وہ لاکھ امیر ہی کیوں نہ ہو چوری کر بیٹھتا ہے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ ایسا شہزادۂ بلند اختر اور میرزا ہمایوں فر بہادر کا بہنوئی اور سو روپیہ کی انگوٹھی چرائے۔ سات سو کا مال تو وہ اسی وقت خرید چکا تھا۔ الغرض وہ بیچارے رہا ہوگئے۔

مرزا ہمایوں فر کی بیماری

پرنس ہمایوں فر کے بہنوئی نے رہائی پائی تو تمام شہر نے جشن کیا، ہزارہا آدمی مبارک باد کے لئے دوڑے آئے۔ شہروں میں دور دور خبر مشہور ہوگئی تھی کہ شہزادہ بلند ارادۂ سکندر قدر پرنس ہمایوں فر نے ایک سوداگر کی دکان سے انگوٹھی چورائی، مگر لوگوں نے بہت جلد اس کی تردید کی اور تھوڑے ہی دنوں میں سب کو معلوم ہوگیا کہ شہزادے کے بہنوئی نے بے ہوشی کی حالت میں انگوٹھی پہن لی تھی۔ صاحب مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا۔

اب سنیے! کہ شہر میں جو لوگ پرنس ہمایوں فر کے خلاف تھے، انہوں نے سوئی کا بھالا اور تنکے کا جھنڈا بنایا۔ اور جو لوگ ہمایوں فر کا دم بھرتے تھے اُنھوں نے اس خبر کو بالکل بے اصل بنایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک دن دو آدمیوں میں گلخپ ہوگئی۔ ایک شیخ صاحب پرنس ہمایوں فر کے جنبہ دار، دوسرے مرزا جی، ان کے مخالف۔ دونوں میں تکرار ہوگئی۔

مرزا صاحب نے کہا اجی حضرت یہ کیا ملّڑ مچا ہے۔ سو روپیہ کی انگوٹھی پر نیت ڈانواں ڈول ہوگئی توبہ توبہ۔ اب فرمائیے کس کا اعتبار کریئے۔ بھلا سو روپیہ کی بھی کچھ اصل وحقیقت ہے۔

شیخ جی بگڑ کر بولے، کیسی انگوٹھی اور کس کی نیت ہوکر بے اعتبار بکتے کیا ہو۔ کیا گرمی چڑھ گئی یا شیطان نے دور سے انگلی دکھادی۔ اے پھٹکار۔ اتنی کیوں پی جاتے ہو۔

مرزا: سمجھتے تھوڑا ہی آپ۔ چار آنکھیں کرو۔ اے توبہ۔

شیخ صاحب: آخر آپ اپنا مطلب تو کہیں۔ کیا ماجرا کیا ہے حضرت!

مرزا: جی ایسے ننھے ہیں آپ۔ اس سوداگر کی دکان میں کیا ہوا تھا۔ بندگی۔ اس نیت کے صدقے۔ واللہ!

شیخ: آخاہ یہ مرزا ہمایوں فر بہادر کے بہنوئی کی نسبت آپ کہتے ہیں۔ صاحب مجسٹریٹ کے ہاں روبکاری ہوئی تھی، یا نہیں۔ پھر عارضہ ٹھہرا یا نہیں۔ پھر مرض کو کوئی کیا کرے، ورنہ ایک انگوٹھی کی ان کے نزدیک کیا معنی۔ اِن کے غلاموں کے نزدیک کوئی اصل وحقیقت نہیں ہے۔ اور جو کہے اُس مردود کی گردن ہم نا ہیں۔ سمجھے صاحب! پاجیوں نے وہ ملّڑ مچایا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ ہمارے منہ کوئی کہے تو کھود کے دفن کردیں جی۔ دل لگی نہیں ہے۔ قسم خدا کی دفن کر کے رکھ دوں کہ ابے تو بکتا کیا ہے۔ کلپٹومینیا کو کوئی کیا کرے۔ عارضے سے مجبوری ہے، اور ایسا معاملہ تو ولایت میں بھی ہو چکا تھا۔ ایک خاتون جو کسی بڑے رئیس اعظم کی بیوی تھیں، جواہرات کی کوٹھی میں گئیں۔ ہر مہینے میں ان کے پاس پانچ ہزار چھ ہزار کا بل آتا تھا۔ اس قدر جواہرات خریدتی تھیں، اور بڑی مشہور اور امیر تھیں۔ بس خدا تمھارا بھلا کرے ایک دن جو کوٹھی میں گئیں، تو دو ہزار کا اسباب خریدا۔ اِدھر اُدھر کوٹھی میں جواہرات دیکھے اور ایک انگوٹھی چپکے سے پہن لی۔ سوداگر نے جب انگوٹھی نہ پائی تو خدا تمھارا بھلا کرے۔ تلاش کی۔ نہ ملی۔ دو مہینے کے بعد لیڈی وہی انگوٹھی پہن کر اسی کوٹھی میں گئیں۔ سوداگر نے شناخت کی۔ پوچھا یہ انگوٹھی آپ نے کہاں خریدی تھی۔ لیڈی کو کچھ یاد نہ تھا۔ ان میں تکرار ہونے لگی۔ آخر کار نوبت باینجارسید کہ تھانم تھانہ ہوا۔ مگر ڈاکٹر نے کہا۔ چوری بالقصد نہ تھی۔ یہ ایک عارضہ ہے جس کو کلپٹومینیا کہتے ہیں۔

مرزا: واللہ اچھی ہے۔ اُس سوجھ بوجھ کے صدقے سُبحان اللہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیخ: کتاب میں لکھا دکھادیں۔ تب تو مانو گے۔ یا تب بھی نہیں

مرزا: اجی جاؤ ڈوب مرو۔ لائے وہاں سے کلپٹومینیا۔ کلپٹومینیا۔ کون عارضہ ہے۔ کلپوٹیا تو پتنگ ہوتا ہے، گول دو پنا ماہی جال، طوقیا للپنا۔ بھیڑیا۔ مانگدار۔ کہنے لگے کلپوٹیا عارضہ ہے۔ مانتا ہوں۔

اتنے میں ایک اور شخص نے بات کاٹ کر کہا۔ عجب آدمی ہو بھئی۔ تم کو اسبات کے ثبوت سے کیا ملے گا کہ اصل میں چوری ہی کی۔ یہ بڑے عیب کی بات ہے۔ کسی کے عیب کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے یا طَشتِ اَز بام کرنا چاہیئے بھر طرّہ یہ کہ چوری کی نہ ہو تو ہم خود سر جھکا کر خاموش ہو جائیں۔ عدالت تک نے تسلیم کیا کہ عارضہ ہے اور بینک ایک قسم کا جنون ہے، مگر یہ کٹے مرتے ہیں کہ عارضہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کوئی کہہ دے کہ چوری کی تب تو یہ حضرت خوش ہوں۔ اے لعنتِ خُدا۔

ایک اخبار کے اڈیٹر نے اڈیٹوریل کالم میں اس کو یوں بیان کیا۔

چوری کرنے کا پاگل پن

اَیُّہا النّاظِرین! ہمارے عنوان سے ہمارے ناظرین مطلب بالکل نہ سمجھے ہوں گے۔ کیوں کر سمجھیں۔ سب غَتْ رَبُود ہے حضرت چوری کرنے کا پاگل پن ایک قسم کا جنون ہے۔ جنون کی کئی قسمیں ہیں۔ قُطرُب۔ مالیخولیا۔ سودا وغیرہ وغیرہ مگر چوری کرنے کا جنون آج تک ناظرین نے نہ سنا ہوگا یا سو بیس دو ایک نے شاید سنا ہو۔ یہ وہ جنون ہے جو انسان کو چوری کرنے کی طرف مائل بلکہ مجبور کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک رئیس دو کروڑ کا آدمی ہو مگر بغیر چوری کرنے کے نہ رہ سکے۔ اس کا اَعْظَم جنون ہدایت کرتا ہے کہ چوری کرے۔ ممکن ہے کہ ایک ریاست کا والی ہو، اور چوری کرنے کا جنون اُس کو مجبور کرے کہ آدھی دمڑی کی چیز تک چرالے۔ اس چوری سے اُس کا یہ منشا نہیں ہوتا کہ کچھ حاصل کرے۔ جَلْبِ مَنْفِعَت مقصود اصلی نہیں ہے وہ تو ایک ساعت کا جنون ہوتا ہے جو اُس کو مجبور کرتا ہے کہ جو شئے اس کے سامنے آئے فوراً چرالے۔

سخت افسوس کا مقام ہے کہ بعض اوقات رئیس زادے اس عارضے کے سبب سے ہم چشموں میں سبک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ واقف کار آدمی خوب سمجھتے ہیں کہ وہ چور نہیں ہیں لیکن جنون سے مجبور رہیں۔ اس عارضے سے ان کا کچھ بس نہیں چلتا۔ اس عارضے کا نام کلپٹومینیا ہے۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ جس وقت چوری کرتے ہیں اُس وقت اُن کو ہوش نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ جب ہوش آتا ہے تو اپنی اس حرکت پر افسوس کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک وہ بے چارے بے قصور ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حال میں ایسا ہی ایک واقعہ گذرا۔ مگر وہ بڑے بڑے لائق ڈاکٹروں کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ عارضہ کلپٹومینیا تھا۔ لہذا جرم قرار نہیں پایا۔

اس مضمون سے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ ہمایوں فر کے بہنوئی کا قصور نہ تھا۔ کلپٹومینیا نے اس بیچارے کو مجبور کر دیا۔ عوام میں بھی اس کی شہرت ہو گئی۔

پرنس ہمایوں فر کو اس صدمے نے علیل کر دیا۔ ان کی ماں اور اعزہ و اقربا نے جوان کی علالت کی خبر سنی تو فوراً اسپیشل ٹرین کے ذریعے سے داخل ہو گئے۔ ہمایوں فر کو تپ کے عارضے میں علیل پایا۔ ماں بیٹوں میں باتیں ہونے لگیں

ہمایوں فر: تپ مفارقت نہیں کرتی۔ پہلے باری سے آتی تھی۔ اب ہر روز بخار رہتا ہے۔ اور ضعف اس قدر بڑھتا جاتا ہے کہ اَلاماں! اب بولتے ہوئے سانس رکتی ہے۔

بیگم: بیٹا تم کو یہ کس نے صلاح دی کہ ڈاکٹر کا علاج کرو۔ تپ کا علاج یہ لوگ کیا جانیں۔ یہ تو پھوڑے پھنسی کا علاج کچھ خوب جانتے ہیں۔

ہمایوں فر: ہم کو تو ڈاکٹروں ہی کا عقیدہ ہے اور انہیں کے علاج سے ہم کئی بار مرتے مرتے بچے۔ حکیم لوگ تو مریض کو بس مار ہی ڈالتے ہیں۔

بیگم: اور جب ڈاکٹر لوگ نہیں تھے، تب کون اچھا کرتا تھا۔ یہ تو ابھی چار دن سے آئے ہیں۔ یہ کیا جانیں کہ اس ملک کے آدمیوں کا کیسا مزاج ہے۔ طبیعت کا خاصہ تو حکیم ہی جانتے ہیں۔ چوبدار کو حکم دو کہ جا کے حکیم تصدق حسین صاحب کو بلا لائے۔ بوڑھے تجربہ کار آدمی ہیں۔

ایک گھنٹے میں حکیم صاحب تشریف لائے۔ پردہ کرایا گیا۔ شہ نشین میں پردہ ڈال کر بیگم صاحب اور عورتیں بیٹھیں۔ حکیم صاحب تشریف لائے۔ بڑے گراں ڈیل لحیم و شحیم آدمی از سر تا پا سفید، صاف شفاف کپڑے زیب تن۔ ڈھیلے پائینچوں کا پائجامہ باریک کرتا۔ آدھی کا انگرکھا۔ چوگوشیہ ٹوپی۔ چھپکے کا رومال عطر میں بسا ہوا سرخ عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں۔ کرسی پر متمکن ہوئے اور آہستہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر نبض دیکھی۔ فرمایا کہ حرِّ موسمی کا اشتعال باعثِ اضمحلال طبع ہوا مگر حضور کی دانشمندی سے ازبس بعید ہے کہ تپ کا عارضہ اور ڈاکٹر کا علاج۔ یہ علاج اور معینِ مرض ہوا۔ ایک کنین پر ان کے علاج کا دارو مدار ہے۔ جس طرح بعض پنساری ایک ہی بوتل سے شربت نیلوفر اور شربت بزوری بارد اور شربت انارین دیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہر قسم کی تپ میں کنین ٹھنکا دیتے ہیں۔ دوسرا ہاتھ لائیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: معقول ایک ہی ہاتھ کی نبض دیکھی، اور اس قدر لمبی چوڑی تقریر۔
ہمایوں فر: حکیم صاحب ضُعف بہت ہے۔ اور اِشتِہا بالکل مفقود۔
حکیم: عرض کردن بندہ نواز۔ سرد ادویہ کا تو ان کے ہاں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ سوائے گرم ادویہ کے اور شراب کے بغیر کوئی نسخہ نہ لکھیں گے۔ جان اور ایمان، دونوں معرض خطر ہیں۔

اتنے میں ایک مغلانی نے اندر سے کہا۔ حضور پانچ روز سے چھینک نہیں آئی۔

راوی: ایں! اتنے دن سے چھینک نہیں آئی۔ غضب ہی ہو گیا۔ کہیں کلپٹومسینیا کا بھائی چھینکومسینیا ایک نیا عارضہ پیدا ہو جائے۔

مغلانی کہہ ہی چکی تھی کہ محلدار بولی، کان کے پاس کھُجلی بہت آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شے سرسراتی ہے کیا جانے کیا سبب ہے۔ حکیم صاحب کے ہوش پران۔ مگر سب باتوں کی ایک نہ ایک وجہ بیان کرتے جاتے تھے۔ ممکن نہیں کہ چُپ رہیں یا چوک جائیں۔ توبہ۔ توبہ!

بیگم: بھلا جلّاب دیا جائے تو کیسا۔ کچھ فائدہ ہو یا نقصان کرے۔ خدا نخواستہ ڈاکٹر کی دواؤں نے اور بھی تپ کو بھڑکا دیا۔
حکیم: عرض کروں۔ ایک تو دوا گرم، دوسرے مزاج گرم، تیسرے عارضہ گرم۔ تین گرمیوں نے زور کیا۔ اَلاَمان! اَلاَمان!
راوی: ذرا سنبھلے ہوئے حکیم صاحب۔ گرمی کا یہاں کیا ذکر ہے۔
بیگم: اب آپ جلدی سے نسخہ لکھ دیجیے تو میں اسی وقت سے پلادوں۔ دو دن میں کیسا چہرہ نکل آیا۔ کہ بس۔

اس پر اور عورتوں نے حاشیہ چڑھایا۔

ایک: تو تہی کا سا مُنھ نکل آیا۔
دوسری: جیسے نصیب اَعدا کوئی مہینوں کا بیمار ہوتا ہے۔
تیسری: اور بات کرتے وقت کیسی تکلیف ہوتی ہے کہ کچھ نہ پوچھیے۔
چوتھی: اے تو حضور نے بھی تو ڈاکٹروں کا علاج کیا۔ موئی گرم گرم دواؤں نے تپ کو اور بھی تیز کر دیا۔
ہمایوں فر: (مسکرا کر) بجا۔ اس میں کیا شک ہے۔ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور کیوں حکیم صاحب اگر فصد لی جائے تو کیسا؟ ضرور فائدہ بخشے۔ بس ایک کام کیجیے فصد کا حکم دیجیے اور مُسہل دیجیے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور مونگ کی دال، اور چاول غذا بتائیے ہر صبح کو ایک قدح دوا پلائیے۔ مریض نہ مرتا ہو تو مر جائے بے ادبی معاف۔

حکیم: آپ صریح ڈاکٹر کے علاج کو دیکھتے جاتے ہیں۔ مگر ذرا خیال نہیں کرتے۔ اب میں کیا عرض کروں۔

ہمایوں فر: اور کیوں صاحب چھینک نہ آنا بھی کوئی عارضہ ہے۔ اور اگر کان کے پاس کھجلی آئے تو بھی ستم کا سامنا ہے۔ اب اگر ڈاکٹر ہوتا تو خاموش ہو رہتا۔ سمجھتا کہ عورتیں ناقصِ التحقل ہوتی ہیں مگر آپ نے ہر بات کا جواب دیا۔

حکیم صاحب نے بسم اللہ کہہ کر ہوالشّافی لکھا اور جس قدر کا غذ ملا تھا سب کو رنگ کے رکھ دیا۔ فرمایا یہ نسخہ صبح کے وقت نوشِ جان فرمایئے۔ اور یہ ضِماد تیار کرایئے۔ اور وہ لخلخہ ہے۔ غذا دال مونگ اور چپاتی۔ اگر کھٹائی کی رغبت ہو تو آلو کی چٹنی۔

بیگم کیوں حکیم صاحب، برف کا پانی دیا جائے۔ کچھ ہرج تو نہ کرے گا۔

حکیم دیا جائے۔ بلکہ اگر برف میں بوتلیں رکھ دی جائیں تو اس سے بھی اچھا۔ برف ڈال کر پینا کسی قدر مضر ہے۔ بہتر ہے کہ بوتلیں برف میں لگا دی جائیں۔

مغلانی: حضور اسی طرح پیتے ہیں، اور کیوڑا ہو یا نہ ہو۔

حکیم: دن میں دو ایک بار ہو تو مضائقہ نہیں۔ بھلا حضور کے پاس ڈاکٹر کے نسخے ہیں یا نہیں۔ اگر ہوں تو ذرا ادویہ تو بتایئے۔ حضور تو انگریزی خواں ہیں۔

ہمایوں فر: مُصطلحات کا سمجھنا مشکل ہے۔ یہ باتیں ہم کیا جانیں۔

حکیم حضور ان سے اس قدر تو دریافت کریں کہ یہ تپ کس قسم کی ہے۔ اور تپ کی کتنی قسمیں ہیں۔ اگر جواب دے سکیں تو طبابت کا پیشہ چھوڑ دوں۔ پھر کبھی نام نہ لوں۔

ہمایوں فر: بجا۔ وہ سب تو گھانس چھیلا کئے ہیں۔ شاید حکیم صاحب آپ لاکھ فرمائیں۔ ہم کو تو اُن کا عقیدہ ہے۔ ہم اُن کی ادویہ کو سریع التاثیر اور کثیر المنفعت سمجھتے ہیں۔

حکیم: بجا ارشاد ہوا۔ مگر جس قدر سریع التاثیر ہیں، اسی قدر برعکس بھی نتیجہ دیتی ہیں۔ اگر ہماری تشخیص نے خطا کی تو مریض کی جان کا خطر نہیں ہے، اور اگر وہ خاطی ہوئے تو معاذ اللہ بس توبہ ہی کا مقام ہے۔ یہ ڈاکٹری ہے کیا۔ یہ ایک شاخ ہے طب یونانی کی وہ بھی ناقص، اور اس کے نقص کی دلیل ساطع یہ ہے کہ اس ملک کی آب و ہوا اور مزاج سے وہ واقف نہیں۔ بس ان کا معالج ہونا ہرگز سود مند نہ ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر: بجا سود مند کیا معنی بالکل ضرر رساں ہوگا۔ (مسکرا کر) اس سے ہمیں بھی اتفاق ہے۔ بیشک۔

حکیم: اب حضور تو ان کا جامہ پہنے ہیں۔ حضور سے بحث کون کرے۔

(حکیم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ڈاکٹر صاحب آئے۔ مہری نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔)

مغلانی: کون ڈاکٹر۔ گورے ڈاکٹر کہ کالے۔

مہری: اے وہی بابو جی، بنگالی بابو۔ مجھے تو اُن کا نام نہیں یاد آتا۔

ہمایوں فر: بابو تریلوکی ناتھ بھٹا چارجی۔

مہری: بابو تریلوکی —— (مسکرا کر) اے ہوگا۔

بیگم: یہ اب اِن کی کیا ضرورت ہے۔ کہہ دو کہ اب حکیم کا علاج ہوتا ہے۔

ہمایوں فر: ہیں! کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ بالکل خلاف مُروّت ہوگا۔ آنے دیجیے۔ بیٹھنے میں کیا ہرج ہے۔ علاج چاہے جس کا ہو۔

(پردہ گرایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کھٹ پٹ کرتے آئے۔ پانوں میں مرے اینڈ کمپنی کے ہاں کا لکڑ توڑ بوٹ، پتلون ڈھیلا، ٹوپی کالی گول، بانات کا کوٹ، اِس کے نیچے رول ڈک کا شرٹ۔)

ہمایوں فر: گڈ مورننگ۔ آئیے! یوں کرسی پر تشریف رکھیے۔

ڈاکٹر: آج مجاج (مزاج) کیسا رہا حضور کا۔ تپ تو بہت نہیں تھا دن کو۔

ہمایوں فر: تھا تو، مگر خفیف۔ ہاں تشنگی زیادہ تھی۔ اس کا کیا جانئے کیا سبب ہے۔

ڈاکٹر: برف کا ٹکڑا منہ میں رکھنے سے تسکین ہوتا ہے۔

ہمایوں فر: جی ہاں بابو صاحب۔

ڈاکٹر: نبض حضور کا دیکھ سکیں۔ (نبض دیکھ کر) آج تو بخار کم ہے۔ دو چار دن میں آپ کا بیماری جاتا رہے گا۔

ہمایوں فر: ضُعف بہت ہے بابو صاحب۔

ڈاکٹر: دل۔ تو اتنے دن کا بکھار (بخار) بھی تو حضور کو ہے۔ ہم جانتا آج نو دن ہوا۔ ہم ایک دوا تاکت (طاقت) کا دے گا۔ کال (کل) سے آپ سرو (شروع) کر دے۔

مغلانی: حضور کئی دن سے چھینک نہیں آئی ہے۔ اس کا کیا سبب؟

ڈاکٹر: (مسکرا کر) اُو۔ اس سے کیا مطلب چھینک آئے یا نہ آئے۔ اس سے کون بڑا نکسان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(نقصان) ہے۔

محلدار: اور حضور کان کے قریب اس قدر کی کھجلی آتی ہے کہ اُفوّہ۔ کوئی شے لگانے کی بتلائیے۔

ڈاکٹر: اُو۔ کان کا کھجلی سے اور اس بکھار (بخار) سے کون بات ہے۔

محلدار: حضور فصد کھلوادیں؟

ڈاکٹر: (بگڑ کر) اُو۔ ایسا کچھ جرور (ضرور) نہیں، بیمار کو اور بیمار کرنا اچھا نہیں۔

محلدار: اور ضعف کا علاج تو کیجیے۔

ڈاکٹر: وَل تو اِس کا علاج فصد ہے! فصد تو اور بھی کم تاکت (طاقت) کر دے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک اور نسخہ لکھا۔ اور کہا دو دو گھنٹے کے بعد اِس کو ضرور پیا کیجیے۔

اِدھر ڈاکٹر صاحب رخصت ہوئے تو اُدھر قہقہہ پڑا، اور عورتیں چڑھانے لگیں۔ بخار کو کہتا ہے بکھار۔ اور ایسا کچھ جرور نہیں کم تاکت۔ بولنا تو آتا نہیں چلے ہیں علاج کرنے۔

ہمایوں فر نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ کیا عقل ہے۔ بھلا زبان اور بول چال کو علاج سے کیا واسطہ۔ تم لوگوں کا وہ غرہ ہے کہ جہاں ڈاکٹر نے کوئی خلاف محاورہ لفظ کہا اور عقیدہ جاتا رہا۔

مغلانی: حضور حکیم لاکھ گیا گذرا ہو، پھر حکیم ہے۔ ڈاکٹر کیا مقابلہ کرے گا۔

معشوقہ سمن سینہ پر میاں آزاد کترانے لگے

ہمارے جہانیان جہان گرد، شیر دل، شیر مرد، آزاد فرخ نہاد کے حسن شستہ و آتشین اور جمالِ کامل مبین نے ان کو اسیر زندانِ بلا کیا۔ پولینڈ کی معشوقہ سمن سینہ کو ان کی ایک ایک ادا دل و جان سے بھائی۔ فرطِ مستی اور رغایتِ حسن پرستی سے آزاد پاشا کو چھین لائی۔ اس کے حُسنِ روز افزوں کے بیساختہ پن، اور قیامت کے جوبن نے آزاد کے دل میں بھی عشق پیدا کر دیا۔ وہ پیارے پیارے دستِ حنائی، وہ بلوّرین کلائی، وہ نئی گڑھت کی چوڑیاں کچھ سیاہ کچھ طلائی، نرگس پر خمار صہبائے حُسن سے گل رنگ، مرکزِ دائرہ عیش وہاں تنگ نیم خند، چشمۂ نوش، قیامت سے دوش بر دوش، ابرو گیر سیہ تاب مژگان فتنہ بار گراں خواب رنخداں سیب سیمین، زلف کمند عنبرین عطر پاش، قمر پوش میگون شکن فروش۔

سروسا قد تو گل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد دریائے حیرت میں غرق تھے کہ باخدا یہ کیا ماجرا ہے۔ کجا روم، روس، کی جنگ، کجا یہ گل بدن عروسِ نو رنگ، کجا خیمہ و خرگاہ کجا یہ غیرت مہرو ماہ۔ کبھی سوچتے تھے کہ پابہ زنجیر تو ہیں نہیں چھٹکارا آسان ہے۔ کبھی دل کو ملامت کرتے تھے کہ نادان ہے۔ اس پری کا حسن بلائے درمان ہے۔ آفتِ جانِ ناتواں ہے۔ ایک ادائے رنگین کی قیمت دل ہے۔ سخت مشکل ہے۔

اب سنیے کہ دو تین روز تک وہ قیامت جلوہ آزاد کے ساتھ کسی قدر کج ادائی سے پیش آئی۔ صورت دکھائی اور نظر سے اوجھل ہوگئی۔ آزاد نے جب دیکھا کہ ایک نئے لباس اور نئے فیشن میں۔ عطر کی اس درجہ شائق کہ تمام کوٹھی ہر وقت معطر اور معنبر رہتی تھی اور عطر بھی وہ جو عطر جہاں گیری کو شرمائے۔ عود و لخلخہ اس کے مقابل میں گرد ہو جائے۔ اس بوئے خوش سے آزاد ہر وقت مست رہتے تھے۔ عربن ان کے پاس اکثر آتی جاتی تھی، اور زبانی پیغام لاتی تھی۔ ایک روز صبح کے سہانے سماں میں ناظورہ سمنِ اندام، بناؤ چناؤ کرکے چمن میں آئی۔ اشجار کو نہال کر دیا۔ اٹکھیلی کی چال سے کبک و تدرو کو پائمال کر دیا۔ آزادِ فرخ نہاد کی اُس گلِ خنداں کے روئے شبنم خیز، پر نظر پڑی تو ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ فن عاشقی میں اَدب آموز فرہاد و وامق ہو گئے۔ عشق نے دل غم سرشتہ میں جگہ پائی۔ گریبان کی شامت آئی۔

باز ورمغزم شرابی ریخت عشق	روغنم باشعلۂ آمیخت عشق
دلبری بُرد از دلم صبر و قرار	کرز خش بُرقع بود صبح بہار
تانیا گوشِ ابروش دنبالہ ناب	تیغ خونخوار از آتش گل دادہ آب
می شود در سینہ ہا طفلِ امید	از جنبش شیر مست صبح عید

وہ بتِ پُر غرور، چتونوں سے تاڑ گئی کہ میرے حُسن بے مثال نے اُس جوان جادو جہاں کے دلِ اُلفت خیز میں جگہ پائی۔ اب آرزوئے دل بر آئی، مگر غرور حُسن نے اجازت نہ دی کہ مخاطب ہوتی اور بھی چمک چمک کر شوخی کے ساتھ اُس باغِ دلکشا میں مصروف خرام ناز ہوئی:

بہر چمن قدِ موزونِ او خرام کند
زطوق فاختگان سرو چشم دام کند

کبھی اُس رنگین ادا نے ناز و ادا کے ساتھ کسی جوانِ پیش خدمت کے دوشِ مصفّا پر دستِ حنا بستہ رکھا۔ کبھی کسی کے چٹکی لی۔ کبھی طرارہ بھرا اور اُس روش میں ہو رہی۔ کبھی انّا اثبرق کہتی ہوئی اُس چمن میں آئی۔ خاتون پری چہرہ جوشِ جوانی سے طرارے بھرتی تھیں۔ پیش خدمتیں کلیلیں کرتی تھیں۔ سب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوشیزہ و نا کتخدا۔ مرد کی صورت سے نا آشنا۔ حاضر جواب، وزبان دراز، مگر عفت کوش و پاک باز۔ ایک شعلہ رنگ پیش خدمت عطر کا قرابہ لائی، اور کیاریوں کو عطر گران سے سینچنے لگی۔ دوسری ماہ پیکر نے ہری ہری دوب کو کیوڑے سے دھویا۔ کئی حسین و جبین عورتیں، مرغانِ خوش رنگ و خوش نوا کے پنجرے لائیں اور درختان سبز شاخ میں پنجرے لٹکا کر غلاف اٹھائیے، کچھ پنجروں میں پیارے پیارے خوبصورت خوبصورت، جانور از سر تا پا حُلّہ پوشانِ بہشت کی طرح سبز۔ کچھ پنجروں میں مُرغانِ سرخ رنگ سرخ بال، کسی میں سرمئی رنگ کے جانور، کسی میں مختلف الوان کے خوش آواز۔ ایک پیش خدمت نے سیٹی بجائی تو کل جانور چہکارنے لگے۔ ادھر دو چار پیش خدمتوں نے پیانو کی طرح کا ایک باجا بجانا شروع کیا۔ اس وقت کا سماں قابل دید تھا بلکہ دید تھا نہ شنید تھا۔ صبح کا سہانا سماں برگ و بار مسرت نشان، نسیم سحر عنبر فشاں۔ باد صبا کے جھونکوں سے ہری بھری شاخوں کا ہلنا، اور کلیوں کا بیساختہ کھلنا، پھولوں کی مست کرنے والی بو، مشک بیز مُرغانِ خوش آہنگ ترانہ ریز، باجے کی سُریلی آواز، حسینوں کے ناز و انداز۔ کیاری کیاری کیوڑے اور عطر کی سینچی ہوئی دوب دودھ کی دھوئی ہوئی۔ الٰہی یہ صبح ہے یا مطلع دیوانِ دلکشائی۔ یا سر لوح بیاض صفائی۔ صوفیانِ صافی دل کی طرح نورانی ہے۔ یا باطن معتکفان کعبۂ جلال یزدانی ہے:

روی بنمو د صبح سیم عذار
ساقی صبح روی بادہ بیار

ایسی صبح خنداں آزاد کو کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ٹکٹکی لگائے اُس صبح رخسار کو گھورتے تھے۔ ایسی بلّورین کلائی اور گوری گردن، اور پیارا مکھڑا اور مستانہ چال، اور خاتون پری جمال اُن کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ ع۔ بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزی دیگری:

خورشید طلعتان صدف چشم پُر گہُر
از چہرۂ ستارہ فشانی توی کند

آزاد جوشِ جنون میں اپنے دل سے باتیں کرنے لگے۔ مِس میڈا کے حسن تحیر سوز میں شک نہیں۔ مگر یہ اٹھتا جوبن کہاں۔ اس کا تو نام خدا ابھی چودھواں سال ہے۔ بمبئی کی بیگم شوخ و طناز ہیں۔ مگر یہ بانکپن کجا و نیشیا کی رنگین ادائی میں کلام نہیں، مگر یہ غبغب سیمین اور حُسنِ آتشین نہیں پایا۔ اللہ رکھی کی جوانی اور حُسنِ گلناری کا کیا کہنا۔ لیکن یہ نرگس نیلوفری یہ چشم جنون افزا نہیں پائی ہے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حذر کنید ز چشمے کہ آسمان گون ست
ہم چون سبزۂ شمشیر تشنۂ خون ست

اختر النسا اور زینت النسا، دونوں سروشمشاد اندام پریشان خرام، نازک بدن، اور گلفام ہیں۔ مگر ناز آفریں نہیں۔ یہ آن بان کہاں پایئے؛

شاہد آن نیست کہ موی ومیانی دارد
بندۂ طلعت آن باش کہ آنی دارد

آزاد نے اُس معشوقۂ شیریں شمائل کے حسن سے سب کے حسن کا مقابلہ کیا۔ مگر حُسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم کو چھوڑ دیا۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ حضرت کی نیت ڈانواں ڈول ہوئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے ابھی تک حُسن آرا کی ادا نہیں بھولی ہے۔

اب سُنیئے کہ ادھر تو نیچے سُردوں میں کچھ پیش خدمتیں، نازک آوازی سے گاتی تھیں۔ کچھ باجا بجاتی تھیں۔ ایک طرف خوش نوا جانوروں کی پیاری آواز، دوسری سمت طبلہ وساز۔ زلف معنبر مشکبار۔ نسیم سحر پیش رو قافلہ تاتار۔ گلوں پر جوبن غنچے سرگرم شگفتن تھے۔ اُدھر ایک نئی بات ظہور پذیر ہوئی۔ ایک پیش خدمت خوش مکلّف لائی۔ اس پر طلائی کرسی بچھائی۔ دو رشکِ قمر عورتیں گنگا جمنی طشتریوں میں دستنبو کی قسم سے کوئی شے لائیں۔ ایک دائیں کھڑی ہوئی دوسری بائیں۔ خاتونِ لعل لب نے کرسی کو رونق بخشی۔ پیش خدمتیں ادب کے ساتھ ادھر اُدھر کھڑی ہوتیں۔

اتنے میں ایک نہایت خوبرو اور خوش ابرو جوانِ رعنا بلند بالا آیا دو آدمی ننگی تلواریں لئے ساتھ تھے۔ ایک اِدھر دوسرا اُدھر۔ اس اسیر مرد کے ہاتھوں میں طلائی زنجیریں پڑی تھیں اور پانوں میں چاندی کی بیڑیاں۔ مگر لباس قیمتی، اور صاف۔ آزاد پاشا کے ہوش پر آن ہوگئے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ غور کرکے دیکھا تو ایسا خوبصورت جوان بھی انھوں نے عمر بھر نہیں دیکھا تھا۔ شیر کی سی کلائی اور پنجہ۔ آنکھیں خونخوار، مگر اشک ریز آلائش نصیب۔ اُن کے قریب سے گزرا تو آزاد پر کمال غم وغصہ سے نظر ڈالی۔ گو قد و قامت اور رعنائی و برنائی میں آزاد اُس سے کم نہ تھے مگر اُس نے اس درجہ خونخوار ہو کر اِن کو دیکھا کہ یہ دنگ ہوگئے۔ اسی دم اُس بت پندار نے اُس جوان دلاور کو تیکھی چتوں سے گھورا تو اس نے آنکھیں نیچی کرلیں۔ مگر چشم دجلہ ران نے اس قدر جوی اشک بہائی کہ ٹپ ٹپ کچھ دامن پر گرے کچھ زمین کی خبر لائے۔ اُس شوخ کے قریب جاکر جوانِ ضیغم طلعت نے نالۂ جگر افشاں بلند کیا۔ طوفانِ اشک اس درجہ اُمنڈ آیا کہ کوئی شے اس کو نظر نہیں آتی تھی۔ ایک عورت نے منہ دھولایا، مگر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آنسو جاری ہی رہے۔ پھر منہ دھولیا۔ اُس زنِ سنگ دل نے آنکھ سے اشارہ کیا تو جوان حزیں نے رخسارِ تاباں کا بوسۂ جان پرور لیا۔ اس کے جواب میں اُس پری زاد نے بھی اس شبیر مرد کی پیشانی نورانی چوم لی۔ اور دونوں آدمی جو شمشیر برہنہ لیے اُس کے ساتھ تھے، ادب کے ساتھ جوانِ رعنا کو لے گئے۔ آزاد متحیر و ششدر کہ بار خدایا یہ کون ہے۔ قیدی ہے تو بوسہ بازی کیسی۔ آزاد ہے تو زنجیر سے کیا واسطہ۔ دو آدمی شمشیر بکف کیوں ساتھ آئے۔ خدا جانے اس دیار کی یہ کیا رسم ہے۔ اگر مستی کے سبب سے بوسہ لیا تو قید سے رہائی دیتی۔ بغیر طلب کے دونوں نے بوسے لیے کچھ عجیب بات ہے۔ سمجھ میں نہیں آتی۔

بہ مستی بے طلب بوس از دہان یار می ریزد
ثمر چون پختہ گردد خود بخود از دار می ریزد

آزاد نے لاکھ عقل دوڑائی، مگر بات اصلا سمجھ میں نہ آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ادھر اُدھر سیر کر کے، آزاد اُس مشاہدِ دل فریب کی کرسی کے پاس جا کھڑے ہوئے، اور جھک کر آداب بجا لائے۔ جواب ندارد۔ پھر آداب عرض کیا۔ مگر پھر جواب ندارد۔ ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ جواب کیسا۔ عربن دور سے مسکرائی تھی۔ پیش خدمتیں اشارہ کرتی جاتی تھیں، کہ پھر جھک کر سلام کرو۔ زمین دوز ہو کر سلام کرنے کے عادی نہ تھے۔ ان کو جو اس قدر جھکتے دیکھا تو اُس کو ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔

اتنے میں وہ پری پیکر ناز معشوقانہ کے ساتھ اٹھی، اور اشارے سے کہا ہٹ جاؤ۔ آزاد ایک طرف ہٹ گئے، اور پیچھے پیچھے ادب کے ساتھ جانے لگے۔

خاتون نے پیش خدمت سے کہا۔ ان سے پوچھو باغبانی میں بھی کچھ دخل ہے کہ نہیں۔ آزاد اس کا جواب دینے ہی کو تھے کہ پیش خدمت نے روکا۔ کہا خبردار اس طرح جواب نہ دے بیٹھنا۔ پہلے ہم پوچھیں، پھر جواب دو۔ آزاد بہت اچھا کہہ کر خاموش ہو رہے۔ پیش خدمت سے خاتون زرّین کمر کہتی تھی اور اُس کا جواب آزاد دیتے تھے۔ (ترجمہ)

خاتون: دریافت کرو کہ باغبانی میں کچھ دخل ہے یا نہیں؟ سچ سچ بتائیں۔

آزاد: عرض کرو کہ جھوٹ بولنا ہم آزاد منش آدمیوں کی وضع کے خلاف ہے۔

خاتون: خدا جانے کس گانوں، کس جنگل کے ہشو ہیں۔ سوال دیگر جواب دیگر۔ من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید۔

آزاد: باغبانی مالی جانیں، ہم گولی اور بارود ہی کا کام کچھ خوب جانتے ہیں۔ توپ ہو، تفنگ ہو، میدانِ جنگ ہو، پھر کوئی ہمارے جوہر دیکھے۔ باغبانی اور قلبہ رانی سے ہمیں کیا سروکار۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاتون: تو یہ گولی اور بارود کا کام خوب جانتے ہیں کیا۔ بارود والے ہیں۔ باپ دادا گولے بنا بنا کے بیچتے تھے۔

آزاد: سو پشت سے سپہ گری پیشہ ہے۔ سپاہی مشرب سپاہی زادے ہیں۔

خاتون: ہاں! چین کی لڑائی آپ کے دادا جان ہی نے فتح کی ہوگی۔ نپولین کے خاندان سے تو نہیں ہو کہیں کون کون معرکہ سر کیا؟

آزاد۔ ع۔ کہ درین راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست۔ جو کچھ ہیں وہ ہیں۔ حضور اپنا مطلب فرمائیں خاص منشا کیا ہے؟

خاتون: باغبانی کرو تو کچھ مقرر کر دیں، اور نہیں تو خیر۔ اختیار ہے۔ سمجھ کے سوچ کے اس کا جواب دو۔

آزاد: (مسکرا کر) ہاں! تو حضور باغبانی غلام کے سپرد کرنے والی ہیں۔ زہے نصیب۔ ازیں چہ بہتر۔ مگر کھری مزدوری اور چوکھا کام۔ ہمارے وطن میں باغباں روز کے روز اجرت پاتے ہیں۔ حضور کے حکم کی تعمیل بسرو چشم منظور۔ جو حکم ہو ہم تو مطیع اور فرمان پذیر ہیں:

فرمانبری است رسم و آئینِ ما را

در باغچۂ ما گلِ نافرمان نیست

خاتون: بڑے لسان معلوم ہوتے ہو۔ اچھا کیا اُجرت لوگے روز کی۔

آزاد: ہم لوگ کسی کے سامنے آقا سے اُجرت نہیں ٹھہراتے۔ تخلیے میں عرض کرتے ہیں۔ اگر پیش خدمتوں کو ایک ساعت کے لئے اٹھا دیجیے تو عرض کروں ورنہ حضور کو اختیار ہے۔ مگر میں اپنی زبان سے سب کے روبرو نہ کہوں گا۔

خاتون: اللہ اللہ! تخلیہ ہو تب باغبان سے ہم اُجرت کا تصفیہ کریں۔

آزاد: ہم تو آزاد ہیں۔ ہمارا نام آزاد ہے۔ ہماری زبان میں آزاد اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کا پابند نہ ہو۔ ہم یہاں قیدی ہیں یا اب مروئے۔

خاتون: آزاد یا اسیر۔ اب تو ہمارے قیدی ہو آزاد؟۔

آزاد: بادشاہی ملے تو نہ قبول کریں۔ ع مرا گدائی تو بودن ز سلطنت بہتر۔ لے حضور اب اُجرت کا تصفیہ ہو جائے۔

خاتونِ سمن برنے پیش خدمتوں کو اشارہ کیا تو دم کے دم میں ایک متنفس کو بھی وہاں مخل نہ پایا۔ فقط آزاد اور وہ پری زاد۔ کہا اب تو تخلیہ ہو گیا اب اُجرت بتاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: اِدھر اُدھر ایک ایک بوسہ بناگوش وقتِ سحرا۔ اور گلِ عارض کے دو شکر آمیز بوسے وقتِ شام. بیا اجرت ہے بس۔

خاتون: ہوش کی دوا کرو۔ کیوں جان کے دشمن ہوئے ہو۔

آزاد: جان تو وہاں ہے۔ اگر تم چاہو تو جی اٹھوں۔ اب زندگی تمہارے ہاتھ ہے۔ جان سی پیاری چیز تمہارے بس ہیں ہے۔

خاتون: شان خدا۔ آپ اور ہمارے بناگوش صفا کوش اور عذار مشک سود آتش اندود کا بوسہ لیں۔

بُت کریں آرزو خدائی کی

شان ہے تیری کبریائی کی

آزاد: حضور کے بناگوشِ صفاکوش کے صدقے! اور عذار مشک سُوڈ کے قربان. مگر اپنی تو جان جاتی ہے۔ اس وقت بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اظہارِ مطلب کروں، مگر خوف ہے کہ مُبادا ناگوارِ مزاجِ نازک ہو۔ اپنی جان جانے کا غم نہیں، مگر مزاج مبارک برہم نہ ہونے پائے۔ ہم پر بھی لو یبان شوخ و سنگ جان دیتی ہیں۔ ہم بھی کڑیل جوان مَاہ پیکر ہیں۔

خاتون: (ہنس کر) اپنے منہ میاں مٹھو۔ آپ بھی اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں۔ اور کیوں نہیں۔ آپ ایسے ہی جوان ہیں۔

آزاد: حضور کا دل ہی جانتا ہوگا اور زبانی داخلے کی تو بات ہی اور ہے۔ اگر اجازت دیجیے تو دستِ سیمیں کو فرطِ ادبْ سے چوم لوں، اور جو خدمت ہو بجالاؤں۔ میں حکم کا بندہ ہوں۔ فرمانبردار۔

خاتون: اے کیوں نہیں، چہ خوش چرا نباشد۔ اچھا ادب ہے۔

آزاد: (آہ سرد کھینچ کر)

گر صورتے چنیں بہ قیامت در آورند

عاشق ہزار عذر بگوید گناہ را

خاتون: خیر اب آپ ہمارے چاہنے والے تو ہوئے۔ شکر ہے بعقول!۔

آزاد: حضور عاشق نہیں بندہ ہوں، اور بندہ بھی دِرَمْ ناخریدہ غلام:

نمی دانم کہ را دیدم کہ از خود می روم ہوشم

جنوں آہستہ می گوید مبارک باد در گوشم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاتون: اچھا باغ میں کام تو شروع کرو، پھر سمجھا جائے گا۔

آزاد: اگر ہرج نہ ہو تو کسی قدر تنخواہ پیشگی لطف فرمائیے جو جی چاہے۔

خاتون: جس قدر چاہو لے لو۔ نقد، جواہرات، اسباب سب موجود ہے۔

آزاد: واہ فقیروں کو زر و جواہرات سے کیا واسطہ۔ ہم تو بوسے کے طالب ہیں۔ بوسۂ بناگوش اور بوسۂ عذار۔

شیر انوارِ تجلّی چو می کردند صاف

دُرد آں مہتاب و صاف آں بناگوش تو شد

خاتون: پیشگی یہاں نہیں ملتی۔ اس مرض کا طوطا کوئی اور پالتے ہوں گے۔

آزاد: جی بجا ہے۔ وہ تو ہم سمجھے ہی تھے۔ پہلے ہی سے معلوم تھا:

ٹال جاتے ہیں جو بوسہ مانگو

بات مطلب کی چبا جاتے ہیں

خاتون: ایسے تو خوبصورت بھی نہیں ہو۔ ابھی جو جوان گُلِ عذار آیا تھا اُس کو دیکھا؟ کیسے خوبصورت ہاتھ پانوں ہیں۔

آزاد: شانِ خدا۔ خوبصورت۔ ہاں اچھا ہے، مگر حُسن خداداد اور بات ہے، اور محض خوبصورت ہونا اور بات۔

اتنے میں آزاد نے جوشِ مستی میں ہاتھ چوم لیا، تو خاتونِ محجوب نے پیش خدمتوں کو آواز دی۔ حکم پاتے ہی معاً حاضر ہوئیں۔ کہا اب دھوپ سارے میں پھیل گئی ہے۔ ہم اندر چل کر بیٹھیں گے۔ یہ کہہ کر بصد ناز کمر کو لاکھوں بل دیتی، چالِ کبک و تدرو دبتی کوٹھی کے ایک کمرے میں چلی گئی۔ آزاد پاشا تنکے چُننے لگے۔

بالکل مجنونانہ اور لب پر اشعار عاشقانہ:

چلے تو سیر کو ہیں آپ مسّی مَل کے گلشن میں

اشارے کیسے کیسے ہوں گے نافرمان و سوسن میں

(آہ سرد بھر کر) اب ہماری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ بس:

یہ سودائے شہادت ہے ہمارے سر کو اے قاتل

تری تلوار کا دم بھرتی ہے جو رگ ہے گردن میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا! جانِ من، تمھیں ہم نہیں بھولے ہیں۔ مگر اس حُورِ نزیب کی چشمِ فتّاں اور لبِ خنداں، اور دہانِ تنگ اور حسنِ شعلہ رنگ نے ہمارا دل چھین لیا۔

آزادِ فرخ نہاد کا نامۂ خرد بنیاد

گو اس عروس تجلّی نیامت کی ایک ایک ادا، آزاد کے دل میں کھب گئی تھی۔ مگر حسن آرا کی محبت ایک شمّہ بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ شب کو آزاد نے حسن آرا کے نام بکمال حسرت و ملال، ایک خط لکھنا شروع کیا۔ خط لکھنے ہی کو تھے کہ عروس ان کے کمرے میں چلی آئی۔ نور ا" خط کو چھپا لیا۔ عروس نے مسکرا کر کہا اس وحشت کے صدقے! بھلا میں اس زبان اور اس خط کو کیا جانوں جس میں تم نامہ لکھ رہے ہو۔ آزاد نے بے تکلف خط لکھنا شروع کیا۔

جانِ آزاد! باخدا یہ نامۂ سرشک آلود کسی طرح معشوقۂ تا قدم اندام و گلفام ماہ سیما پیاری حسن آرا کی نظر پاک بین سے گزرے۔ حسن آرا میرے دل کا عجب حال ہے۔ جیتا ہوں، مگر زندہ در گور۔ یا یوں کہو کہ مردہ بدستِ زندہ۔ یہاں بھی ایک بالا بلند گیسو کمند پری پیکر کا تمھارے عاشقِ زار، جگرِ افگار پر دل آیا ہے۔ قیامت بپا کی ہے۔ ستم ڈھایا ہے۔ غمزہ سحر آفریں نشتر زن اور عشوہ جادو فریب صید افگن سے خدا بچائے۔ میری داستان، حسرت نشان، سنو گی تو انتہا سے زیادہ قلق ہو گا۔ ع کاری کہ خدا کند فلک را چہ مجال۔

مست مئی خونِ دل و جامِ فلکم　　　سرگشتگیم نگرِ بکامِ فلکشم
درساختہ ام نجواجہ ناشی یا غیر　　　ناسازی از ہبین غلام فلکم

وہ عنبرین خال، زہرہ تمثال آزاد سے آزاد آدمی کو قید میں رکھتی ہے۔ مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس کی زلفِ عنبر آلود سے میں ہر دم مست رہتا ہوں۔ خدا جانے کیا سحر ہے، کیا جادو ہے:

شوق کبوتر است خمِ زلفِ آن نگار　　　من ہمچو باز در طلبش پر ہمی زنم
نے نے کہ ہمچو چنگل باز ست زلفِ او　　　من پر زبیم او چو کبوتر ہمی زنم

مگر میرے حق میں کالی ناگن کا کام کرتی ہے۔ جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ مجھے ہر دم تم ہی یاد آتی ہو۔ ہائے ہائے! دردِ دل کا حال یہاں کس سے کہوں۔ رزمگاہ یہاں سے منزلوں دور ہے۔ ایک کہسار میں قید ہوں۔ مقام تو پر فضا ہے مگر:

من کہ بر بوی تو در راہ صبا خاک شدم
چہ کشاید ز نسیم گل و بوی چمنم

جی چاہتا ہے کہ مفصّل حال لکھوں مگر وحشتِ دل اجازت نہیں دیتی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عجب دردیست جانم را اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

میں نے کئی معرکے سر کیے۔ کئی لڑائیوں میں نام نیک حاصل کیا۔ مشہور مشہور مبارزوں سے جنگ کی۔ خدا کے فضل سے سب کو نیچا دکھایا، مگر ایسی آفت میں مبتلا ہو گیا کہ اُس سے چھٹکارا محال ہے۔ صاف صاف یوں ہے کہ ایک پر کالۂ آتش، دوشیزہ روس مہ جبین عروس نے پیغام بھیجا کہ ہم سے مقابلہ کرو۔ سوچا کہ کنواری چھوکری سے مقابلہ یعنی چہ؟ مرد اور عورت کی جنگ کیسی، مگر اس بُت کافر نے ایک نہ مانی۔ آخر کار مجبور ہو کر میدانِ کارزار میں مقابلہ ہوا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تلوار پر تلوار اور ہاتھ پر ہاتھ لگانا شروع کیا۔ میں نے چوٹیں بچائیں۔ مگر حسین عورت پر ہاتھ نہ اٹھا۔ جب میں نے دیکھا وہ مانتی ہی نہیں، اور بیڑا اٹھا کر آئی ہے کہ آزاد کو قتل کروں گی تو چوٹیں بچا کر ایک بار تلوار کا مُنھ چڑھ کے بوسہ لے لیا۔ دوسری مرتبہ رخسارِ تاباں پر ہاتھ پھیرے۔ تیسری دفعہ خود اس سراپا زیب کے عارضِ بوسہ فریب کو چوما۔ خیر۔ کچھ ایسا ادریب پڑا کہ قید ہو گیا۔ اور بوسہ بازی کے جلدو میں کالا پانی نصیب ہوا۔ سو سوار میرے ساتھ ہوئے اور زندان کی طرف لے چلے۔ سو سواروں کو دیکھو اور میری بساط کو۔ ہائے غضب۔ حسن آرا۔ خدا گواہ ہے دل پر پتھر رکھ کر یہ خط لکھنے بیٹھا ہوں۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ قہر درویش بر جان درویش۔ جس کاغذ پر میں نے خط لکھا ہے یہ میری پریشانی کا گواہ ہے۔

قابلِ نامۂ محبوب کہاں یاں کاغذ
بے زری میں نہیں ممکن ہے زر افشاں کاغذ

میری زندگی اب تلخ ہو گئی۔ چھٹکارے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ میں تو خط بھیجتا ہوں مگر جواب کیوں کر آئے گا۔ بس یہی حسرت ہے۔ یہاں کا پتہ کیا لکھوں۔ معلوم ہی نہیں کہ کون مقام ہے۔ کہسار ہے اور رود بار ہے۔ دامنِ کوہ میں لالہ زار ہے۔ قُلّہ کوہ پر سبزہ زار ہے۔ بس یہی پتہ جانتا ہوں۔ تمھارا خط کیوں کر پاؤں گا:

اے دل اگر آئے قاصدِ یار — چوموں کفِ پائے قاصدِ یار
اُجرت میں مال تو ہے کیا مال — ہے جان فدائے قاصدِ یار
ہے بھیک اُنھی کی آج آمد — پہلے کہیں آئے قاصدِ یار
گو مردہ ہوں پر ہے قُم باذنی — واللہ صدائے قاصدِ یار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانوں کو ہے اشتیاق ہردم
آواز سنائے قاصدِ یار

واہ۔ سنا چکا۔ قاصدِ یار اور نامۂ مشک بار۔ اب حشر میں آئے گا۔ اب دشتِ جنون نرا اور کہسار روح فرسا ہے، اور آزاد ہیں۔

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغبان اپنا

گل تو اپنا ہے۔ مگر یہ ایسا گل کھلا کہ چمن ہی سے دور کر دیے گئے۔

ہائے صیادِ جفا پیشہ نے کیا گل کترے
دور لے جا کے چمن سے پرِ بلبل کترے

بلبل اپنا ہی مگر ہمدرد۔ باغبان بے رحم بیدرد ہے۔ اب ہمارے دن کیا جانے کیسے ہیں۔
یہاں ایک کہسار ہے۔ تختِ سلیمان سے رتبے میں بلند۔ اس کی چوٹی پر ایک نئے قسم کا قلعہ اور مکان ہے۔ مکان کیا پرستان ہے۔ بلندی اس درجہ کہ الاماں۔ یہاں کی ہری ہری دوب وہ لطف دکھاتی ہے کہ غنچۂ دل کھلا جاتا ہے۔ مگر ہمارے دل کی کلی بالکل مرجھائی ہوئی ہے۔

صد غنچہ بشگفت الّا دلِ من
اے وا دلِ من اے وا دلِ من

ایسی خنک ہوا اور اس قدر لطف سبزہ زار، خضارت بار، اگر وصالِ یار کے زمانے میں نصیب ہو تو سبحان اللہ۔ مگر:

بے گل عذار جا کے گلستاں میں کیا کیا
ہاں یہ کیا کہ داغِ کہن کو نیا کیا

یہ روسی خاتون دنیا سے نرالی وضع رکھتی ہے۔ ابرو کے خم چم نرالے، آنکھوں کی فسوں پردازی دنیا سے نرالی۔ لبوں کی جادو طرازی نرالی، اور گردن تو واقعی فوارۂ نو۔ دستہ بلّور ہے۔

نہ باید گرونش را داشتن دوست
کہ خون عالمی بر گردن اوست

ایک روز میں شکار کھیلتا ہوا کوئی دو میل کے فاصلے پر گیا تو دیکھا کہ کمر کوہ میں ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے۔ مگر وضع دنیا سے نرالی عورتیں گراں ڈیل مگر نازک کمر۔ مرد جاہل اور جادو گر۔ عورتیں حسین اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رنگین مزاج۔ مردوں کے چہرے زردی مائل سفید ہیں۔ مگر نک سُک سے درست۔ اُن کی بولی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک عورت نے بے جھجک مجھ سے ہاتھ ملایا۔ نہایت خوبصورت عورت ہے اور کمر ایسی پتلی ہے کہ میں کیا بیان کروں۔ مجھ سے کچھ کہا، مگر میں خاک نہ سمجھا۔ دو آدمی ننگی تلواریں لیے ہوئے میرے ساتھ تھے۔ اُن کی اجازت نہیں تھی کہ کسی شخص سے باتیں کرتے۔ میں نے اُس عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ پنجہ لڑانے پر آمادہ ہو گئی۔ اس کے بعد دو عورتیں اور آئیں۔ روس کی شراب لائیں۔ تینوں نے مل کر شراب پی۔ مجھ کو بھی دی۔ مگر میں نے نہیں لی۔ بڑی دھادث پینے والی ہیں۔ میں ان سے کئی باتیں دریافت کرنے کو تھا مگر وہ میری سمجھیں نہ میں اُن کی سمجھوں۔ یہاں ایک عجمی سے ملاقات ہوئی۔ یہ بڑے زبردست تاجر ہیں۔ پہاڑ کی کچھ چیزیں خریدنے آئے تھے۔ ایک شب کوئی گھنٹے ان کے ساتھ گفتگو رہی۔ عِندَ التذکرہ کہا کہ کشمیر میں ایک پہاڑ ہے۔ کوہِ ماران۔ سانپ وہاں کثرت سے ہیں۔ لہذا کوہِ ماران نام ہوا۔ جب ظفر خان نامی ایک ایرانی صوبہ دار کشمیر تھے تو مرزا صائب سیر کرتے ہوئے کوہِ ماران کے ایک مقام سے گزرے۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین ترک بچہ بدخشانی الاصل لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ بدیہہ کہا۔

کوہ ماران بکمر لعل بدخشاں دارد

اور شعرا نے دوسرا مصرعہ یوں موزوں کیا۔

این قدر رتبہ کجا تخت سلیمان دارد

یہ روایت اس سبب سے لکھی کہ کسی طرح دو گھڑی دل بہلاؤں۔ ہائے ستم، وائے ستم۔ میری جوانی میرے حق میں آفت ہو گئی۔ ع۔ اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔

اَلَا یَا اَیُّہَا السَّاقِی اَدِر کَاسًا وَنَاوِلہا
کہ عشق آسان نمود اوّل ولے اُفتاد مشکلہا

اس عشقِ ستم پیشہ و شورہ انگیز نے مجھے اِدھر کا رکھا نہ اُدھر کا رکھا۔

نیست آسان عشق با خوبان خوش رو باختن
تختۂ مشق عتاب، و نازمی باید شدن

اس عشق ہی نے دل افگار کو عزا خانہ کر دیا۔ اس سے خدا سمجھے، جس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ سیبیریا کے برفستان میں جانے اور قیدیوں کی طرح رہنے کا حکم ہوا تھا۔ مگر اثنائے راہ میں اس مردم شکار عشوہ آئین نے سواروں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر کسی کے ذریعے سے مجھے کوئی ایسی شے پلا دی کہ بیہوش ہو گیا۔ صبح کو جو آنکھ کھلی تو وہ سوار، نہ وہ قید فرنگ چوطرفہ کہسار اور حسن شعلہ رنگ۔ این اِیہ کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ماجرا ہے یا للعجب! یہ کیا ہوا العجبی ہے۔ اس پری کو دیکھا تو اور بھی دنگ ہو گیا۔ اس کے حسنِ صبیح میں اصلا شک نہیں۔

زبس داغ اند گلہائے چمن را آب و رنگ او
گلستاں لالہ زاری گشتہ از حسنِ فرنگ او

رات دن سوچتا ہوں اور اسی فکر میں ہر دم غلطاں پیچاں رہتا ہوں کہ:

یہ تفریق اور تفرقہ تا کجا
کہیں زند ہیں اور کہیں میکدا

دو آبۂ امید و بیم میں کشتی ہے بچتی نظر نہیں آتی۔ خدا مالک ہے۔

قیامت کی ہے ہر دم امید و یاس
پہونچ جائیں منزل پہ منزل شناس

اب آنسو بھی نہیں آتے، اور سچ یوں ہے کہ پرلے سرے کی مایوسی ہے۔ ہائے یہ وہ دلکشا اور پُر فضا مقام ہے کہ اگر ہم اور تم مل کے یہاں رہیں تو لطفِ زندگی حاصل ہو۔ سبزۂ نودمیدہ کی خضارت، ثمر تورس کی طراوت۔ جو چمن ہے رشکِ بہشت ہے۔ جو روش ہے عنبر سرشت ہے۔ پھول شکستہ جبیں۔ کلیاں نازک آئیں۔ نسیم سحر صبح خیز، نکہت گل مشک بیز، مرغانِ خوش نوا اور مد نظر کی خوبی کا حال کیا کہوں۔ انسان کا دل کیسے ہی گردِ انقباض میں ہو، یہاں کی ہوا کھائی اور غنچۂ دل بہ ہبوبِ نسیمِ مسرت سے کھل گیا۔ ہائے مگر تم ہی نہیں۔

خوشتر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست
ساقی بیا بگو سبب انتظار چیست

ہائے یہ تو دلچسپ مقام، اور محبوب مطلوب نہ ساقی لالہ فام ع۔ ناچا جنگل میں مور کس نے دیکھا۔ یہ گل زمین، اور طبیعت پریشان دلِ حزیں! وائے قسمت۔ ابہار وزیر بذ دیکھا۔

اشکِ مژگان تر کی پونجی ہے
یہ ثمر اس شجر کی پونجی ہے

آہ کو مت حقیر جان یہی | دردِ ماں اثر کی پونجی ہے
جو گھڑی یاد میں تری کٹ جائے | وہی آٹھوں پہر کی پونجی ہے

حسن آرا میں اس قدر لکھ چکا ہوں، اب زیادہ نہیں لکھا جاتا۔ دل بھر آیا۔ مگر خدا جانے کیا سبب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے کہ گو پیشتر کا سا رنج نہیں، مگر دل پر صدمہ کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ خیر جو منظورِ خدا ہو، ہم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہوں گے۔ جو چاہے ہو۔

پھر کچھ گئے ہوؤں کی مطلق خبر نہ پائی
کیا جانیے کدھر کو جاتا یہ قافلہ ہے

حسن آرا تمہارا نامۂ رنگین اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ اُسی کو دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ ہائے اوہ ابتدائی فقرہ اس وقت نقل کرتا ہوں۔ جس سے مجھے کمالِ تقویت ہوتی ہے۔ میرے پیارے آزاد! خاتونِ جنت کی قسم، تمہارا سا شیر دل، شیر مرد مروّت اور جرأت میں فرد، دیکھا نہ سنا، دیکھا ہو تو تم کو نہ دیکھوں۔ سُنا ہو تو پیاری سپہر آرا کی سنائی سنوں۔ تمہاری ایک ایک ادا میرے دل میں گھپ گئی ہے۔ وہ چھُپ چھُپ کے کنکھیوں سے نظر ڈالنا۔ وہ بگڑی ہوئی بات کو سلیقہ سے ٹالنا۔ وہ مردانہ نکھار، وہ جوانانہ سنگار، وہ رنگین ادائی، وہ خودنمائی، وہ طرزِ غزل خوانی، وہ شیریں بیانی، کیا بھول سکتی ہوں۔ واہ بھُول چکی۔

(ایک سطر آزاد سے پڑھی نہیں گئی۔!)

باتیں تو مجکو آتی نہیں ورنہ خط کو گلدستہ اور دستنبو بنا دیتی۔ اس وقت دل سے لگی ہے کہ تم میرے رُو برو، زانو بہ زانو، بیٹھے میری نازک کلائی اور میرے دستِ حنائی کو پاک محبت سے چوم رہے ہو۔ تم خوب جانتے ہو کہ گو میں شاہدِ عاشقی کی غازہ طراز ہوں، لیکن پاک نظر اور پاکباز ہوں، ہاں اس کی قسم نہیں کھائی کہ کسی پر دل نہیں! کسی کی پیاری بیوی بننے کے خیال نے نہیں گُدگُدایا۔ لیکن ہمارا معشوق کون ہے۔ یہ تم اپنے ہی دل میں سوچ لو۔ جب تک تمہارے گلِ رُخسار پر نظر نہیں پڑی۔ قسم لو جو کسی گُل کی بُلبُل ہوئی ہوں۔ جب تک تمہارا سرو قامت نہیں دیکھا تھا۔ خدا ہی سمجھے جو کسی شمشاد کی قمری ہوئی ہوں۔ تم سے دل ملا کر البتہ عشق کے صدمے سہے، ورنہ اس خط کو میں نے قید کی حالت میں کم سے کم سَو دفعہ پڑھا ہوگا۔ اور لطف یہ کہ جس قدر زیادہ پڑھتا ہوں اسی قدر زیادہ لطف آتا ہے۔ ایک فقرہ اور درج کروں گا۔ جب تک تمہارے ساتھ بحروں پر سیر کو نہ جاؤں، تب تک دل کو چین نہیں۔ طبیعت کو قرار نہیں۔ نظر میں کچھ اور ہی رنگ بھر رہے ہیں۔ تیرے صدقے آزاد پیارے آزاد۔ اتنا کہنا اور مان لو کہ خط کو نہ ترسائے۔ آنکھیں اشک بھر لاتی ہیں۔ مگر تمہاری پیاری سپہر آرا سمجھاتی ہیں کہ باجی تم اپنا راز آپ افشاں کرتی ہو تم جو دن رات ٹپ ٹپ آنسو بہاؤ گی تو لوگ کیا کہیں گے۔ ناحق بن ناحق کسی کے طعنے سُننا۔ آس پڑوس کی عورتوں کو اپنے سے بدظن کرنا۔ محلّے بھر میں ہنسوانا کون سی عقلمندی کی بات ہے۔ اب میں اُس کو سمجھاؤں کہ بہن عقل ٹھکانے کس کی ہے۔ عقل کو تو حُسن آرا رو چکی۔ عقل سے کب کی ہاتھ دھو چکی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گرچہ بدنامی ست نردِ عاقلان
مانمی خواہیم ننگ و نام را

وہ سادہ مزاج کیا جانے کہ عاشقوں کی طبیعت کہیں تسکین آشنا ہوا کرتی ہے۔ پختہ کار ہوتی تو سمجھتی کہ یہ خیال خام ہے۔ گو میں ابھی ناکردہ کار سہی، مگر وہ تو مجھ سے بھی بڑھ کر انیلی ہے۔ عشق کے صدموں کا حال کیا جانے۔ دل کو قرار تب ہو جب دلارام پاس ہو۔ بادۂ عشق کے سرور کا وہ جوش ہے کہ آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔ دردِ فراق سے جب بیہوش ہو جاتی ہوں تو آپ کی سپہر آرا کیوڑا چھڑکتی ہیں۔ گلاب لاتی ہیں۔ لخلخہ سونگھاتی ہیں۔ مگر جب تک اس کا دل کسی پر نہ آئے کسی خوشرو عنبریں مو، جوانِ پاکباز سے آنکھ نہ لڑے۔ کوئی البیلا خریف زادہ لظر نہ پڑے، تب تک میرے دردِ دل کو وہ کیا سمجھے۔ میں اس کو کیوں کر سمجھاؤں کہ پیاری بہن یہاں ہر دم غش ہی رہتا ہے۔ تم گلاب اور کیوڑہ اور لخلخہ کب تک لاؤ گی۔ مسکن قلب ادویہ کہاں تک پلاؤ گی۔ مسکنِ قلب تو شربتِ دیدار ہے۔ مزبلِ عشق عناب لب یارِ گل عذار ہے۔ میرا دامن کبھی اشکِ لالہ گون سے خالی پاؤ ہی گی نہیں۔ حیرت کا ہجوم تو دیکھ، دل اور جگر اور طبیعت اور مزاج سب میں حسرت بھری ہے۔ الٰہی حسرت سی حسرت ہے۔

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ
کچھ نہیں اور تو حسرت ہی سہی

مجھے حیرت ہے کہ ایسا غم آلود خط اس اطمینان کے ساتھ کیوں کر لکھ رہا ہوں۔ اس خط میں تم نے یہ بھی لکھا تھا۔

ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں — غضب کی بدلیاں کچھ چھا رہی ہیں
ابلتی ہے طبیعت سوئے ساغر — ہوس پھر ڈھونڈتی ہے بوئے ساغر
دہن ہے قطرۂ گلگون کا مشتاق — بس اب تاخیر اک دم کی بھی ہے شاق

مگر یاس کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ ناامیدی دور سے بھیانک صورت دکھاتی ہے۔ ہوا سے بوئے حسرت آتی ہے۔ مصیبت پریشانی دردِ حیرانی، غم و غصہ، رنج و حرمان، سب مہمانی کو آئے ہیں۔ دل دکھاتے ہیں مگر نہیں آتا تو تمھارا خط۔ اک نامۂ رنگین ان سب کو نچے دور کر دے۔ مگر جب خط آئے بھی۔ جب میرا دلی مقصد صورت دکھائے بھی۔ ایک تو خط نہیں آتا۔ دوسرے ہنسی نہیں آتی۔ ایک روز وہی دل سرد ہے۔ ہوش و حواس باختہ حضرت عشق کے ساختہ و پرداختہ جوبن، وہ چلبلا پن وہ شوخی، وہ اچھلاہٹ، وہ سجاوٹ، وہ بناوٹ۔ سب منزلوں دور ہیں۔ ہائے خدا بھی میری نہیں سنتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دن رات سر دھنتی رہتی ہوں. مگر دعا بے اثر ہو گئی. جس وقت طائرانِ خوش نوا سحر کو بہ ناز انداز اشجار سراپا بہار کی پُر میوہ شاخوں پر چہکتے ہیں. اس وقت ایک تیر سا کلیجے کے پار ہو جاتا ہے. دل بے اختیار بھر آتا ہے. جوششِ تلزم بے خودی میں کیا جانے کیا حال ہوتا ہے.

شادی کی چھیڑ چھاڑ

شہزادۂ بلند اختر مرزا ہمایوں فر بہادر کو حکیم صاحب کا علاج راس آیا. چوتھے روز غسلِ صحت ہوا. مگر طبیعت کسی قدر مُضمحل رہتی تھی. رُفقائے سلیقہ شعار ادھر اُدھر کی باتوں سے دل بہلاتے تھے. پہلے شعر و سخن کا چرچا ہوا. شہزادے نے ایک رفیق سے جو سُخن سنجؔ بیگانہ تھے کہا آپ کو زیب النسا کا کلام پسند ہے.

سخن سنج: حضور میں نے سنا بہت کم ہے مختلف اشعار سننے میں آئے ہیں.

سرمد: واہ زیب النسا بیگم کا دیوان پورا موجود ہے حضور والا.

سخن سنج: کون دیوان. دیوان مخفی کہتے ہو نہ، یہ غلط بات ہے.

سرمد: دیوان مخفی خاص زیب النسا مخفی کا ہے. مشہور بات ہے حضرت![1]

سخن سنج: میں جو عرض کرتا ہوں یہ غلط مشہور کیا ہے مخفیؔ ایران کے ایک شاعر تھے. زیب النسا کے کلام کی اور ہی شان ہے.

وائے بر شاعرانِ نادیدہ	غلطی را نجود پسندیدہ
سرور اقدرِ باری گویند	مسرو جو بیست ناتراشیدہ

ہمایوں فر: ناصر علی سے خوب چوٹ چلتی تھی. وہ کبھی نہیں دبا تھیں! شاہزادی تو کیا ہوا. وہ عجب آزاد مرد تھا بالکل آزاد.

سخن سنج: زیب النسا نے ایک مصرع کہا تھا ع - از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم. اس پر کئی شاعروں نے مصرعے لگائے. ناصر علی کو خبر ہوئی تو ایک مصرع انھوں نے بھی موزوں کیا خوب کہا. ع. شاید رسیدہ بر لبِ زیبُ النسا لبم.

ہمایوں فر: سبحان اللہ. واللہ کیا پھڑکتا ہوا مصرع ہے.

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم
شاید رسیدہ بر لبِ زیبُ النسا لبم

[1] دیوان مخفی جو شاہزادی زیب النسا کے نام منسوب کیا جاتا ہے وہ در اصل ایرانی شاعر مخفی رَشتی کا ہے.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہت شرمائی ہوں گی۔ اچھی چھیڑکی۔ واللہ خوب ہی سوجھی سُبحان اللہ۔

سخن سنج: حضور شرمائی تو کیا ہوں گی، یہ کہیے کہ کھل گئی ہوں گی مگر ظاہر ہیں تو خفا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا جواب دیا تھا۔

ناصر علی بنامِ علی بردہ پناہ

ورنہ بہ ذوالفقارِ علی سر بُریدنمت

اور ایک بار زیب النسا کے کسی شعر کا آخری حصہ تھا (لیکن حیا زنجیر پاست) تو ناصر علی نے اس کی تردید میں ایک شعر کہا۔

عشق ناخام است باشد بستۂ ناموس و ننگ

پختہ کارانِ جنون را کے حیا زنجیرِ پاست

اس کے جواب میں زیبُ النسا نے جھلّا کر کہا۔

پاکبازان محبت را حیا باشد حجاب

چوں تو مُرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پاست

ہمایوں فر: ہاہاہا، سُبحانَ اللہ سُبحانَ اللہ۔ ع۔ چون تو مرغ بے حیا را خوب کہا ہے!

مصاحب: اور حضور! وہ بھی تو انھیں کا مشہور ہے از مطبخ مادر طلب

ہمایوں فر: ہاں سنبوسہ بے سِن می خواہم۔ انہوں نے کہا از مطبخ مادر طلب۔

سخن سنج: حضور۔ مشہور ہے کہ مرزا صائب سیر و جلہ کر رہے تھے اور غنی کشمیری ان کی ملاقات کو گئے پوچھا کیست؟ اس نے کہا شاعرے از ہندوستان آمدہ است۔ مرزا صائب نے صرف امتحان کے طریق پر ایک مصرع موزوں کیا۔ ع۔ دجلہ را امسال رفتاری عجب مستانہ است۔ غنی کشمیری نے فوراً جواب دیا اور ایسا جواب دیا کہ سُبحانَ اللہ۔

دجلہ را امسال رفتاری عجب مستانہ است

پای در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

موج کو زنجیر قرار دیا اور پھینے کو کف اور مطلع ہے۔

ہمایوں فر: منشی ہزاری لال جوان جو کیننگ کالج میں تھے ان سے آپ سے ملاقات تھی یا نہیں؟ اچھا کلام تھا۔ ہمیں ان کا کلام پسند ہے۔ ان کے ہاں ایک دفعہ بڑے معرکے کا مشاعرہ ہوا۔ طرح، خیر کچھ بھی نہیں، اثر کچھ بھی نہیں۔ اس میں تشنہ شریک تھے۔ تشنہ دہلوی پر کیا۔ بڑے بڑے شعرا غرّا آئے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن وہ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی کے صاحبزادے جو حکیم تخلص کرتے ہیں. خوب ہی شعر کہا۔ حاصل زمین.

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہے
کہ اِدھر سب نظر آتا ہے اُدھر کچھ بھی نہیں

سخن سنج: حضور میں اس مشاعرے میں گیا تھا اس شعر سے بڑھ کر کسی کا شعر نہیں ہوا تھا۔ تشنہ کا کلام بھی اچھا تھا۔

ایک مصاحب نے کہا خداوند سیان بجر کا کلام بھی سننے کے قابل تھا۔

شمع مغرور نہ ہو اپنی خود آرائی پر
رات بھر کی یہ تجلی ہے سحر کچھ بھی نہیں

خداوند خاکسار نے اس میں کچھ فکر کی تھی مطلع ہے۔

سامنے عارضِ انور کے قمر کچھ بھی نہیں
آگے دانتوں کے ترے سلکِ گہر کچھ بھی نہیں

سخن سنج نے کہا' دوسرا مصرع بدل دو' دوسرے مصرعے میں مصرعۂ اولیٰ کا ثبوت ہو تو سبحان اللہ چمک اٹھے یوں کہو

سامنے عارض انور کے قمر کچھ بھی نہیں
سچ ہے آتش کے مقابل میں شرر کچھ بھی نہیں

ہمایوں فر نے اس شعر کو پسند کیا۔ ایک مسخرے مصاحب نے کہا حضور کانپور کے ایک مشاعرے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ منجملہ اور شاعروں کے ایک ہزل گو بھی وہاں تشریف رکھتے تھے. ان کا تخلص مرکب تھا۔ ببخ اور چوسے یعنی ببخ چو ع۔ سب سوکھی روٹیاں تھیں تو چپڑی گھسیڑیاں" اس پر بڑا فرمایشی قہقہہ پڑا۔ ایک مصاحب نے دو شعر پڑھے۔

آوا گلے لگے کہ بڑی آج گھات با   با بن سون ہے بلاس کا ڈولت نہ پات با
بھاؤ میاں نہ پانس آٹھو بھیان با   بھوا بڑا ہے کھیت مان کا کارسات با

بڑی دیر تک شعرائے ہزل گو کا کلام پڑھا گیا اور کل حاضرین جلسہ کو لطف حاصل ہوا۔ سخن سنج نے کہا کہ خداوند ایک مرتبہ نسیم لکھنوی ایک مشاعرے میں گئے لوگوں نے کہا' حضرت کچھ فرمائیے۔ نسیم کو اس مشاعرے کا حال پہلے سے معلوم تھا عذر کیا کہ میں اس طرح پر کچھ کہہ کر نہیں لایا ہوں. مجھے پیشتر سے اطلاع نہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھی ورنہ مصالح لے کر حاضر ہونا۔ میر مشاعرہ کا تخلص پروانہ تھا۔ انھوں کہا ہاں۔ بجا ارشاد ہوا۔ حضور کو پیشتر سے اطلاع نہ تھی نہ ہو گی مگر شہر بھر میں مصرع مشہور ہو گیا۔ خدا جانے حضور کو کیوں نہ اطلاع ہوئی اور زمین بھی مشکل ہے جانا نہ ہوا ہے، اور کاشانہ ہوا ہے، قافیہ تھا نسیم آگ ہو گیے فوراً مطلع پڑھا۔

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے

سر چڑھتا ہے، موت آئی ہے، دیوانہ ہوا ہے

ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ سب سناٹے میں ہو گئے اور میر مشاعرہ سخت خفیف ہوئے حضور بس شاعری کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت ہر دم حاضر رہے، ورنہ آورد میں خاک لطف نہیں۔ مُقدم آمد ہے۔ ہمایوں فر نے کہا اگر کسی کو عیشی کا کلام یاد ہو تو سنائے۔ سخن سنج نے عیشی کی کمال تعریف کی اور یہ اشعار پڑھے۔

پردۂ چشم ہے پھر غیرتِ دامانِ سحاب — آستین رشک سے ہے روکش جیب گرداب

شب کو ہم چشم ہے سیاروں سے چشم بے خواب — دن کو پہلو میں ہے دل فرط قلق سے بیتاب

باز از ہر سخنم بوی جنون می آید — باز آواز نفس غرق بخون می آید

ہمایوں فر: سبحان اللہ سُبحان اللہ کیا کلام ہے۔ میں تو عاشق ہوں اس کلام پر۔

پردۂ چشم ہے پھر غیرت دامان سحاب

آستین رشک سے ہے روکش جیب گرداب

سخن سنج: حضور اُنکا اسوقت پڑھیے، ایسا واسوخت اور کسی کا نہیں ہے۔

ہمایوں فر: ایک شعر پر ایک غزل کہیے۔

بندۂ عشق بتانم بے خود

بخدا کار ندارم بخدا

اس کے بعد تاریخ گوئی کا ذکر ہونے لگا۔

مصاحب: حضور تعمیہ اور تخرجہ دونوں عیب ہیں۔ مگر بعض بعض مورخوں نے اس طرح پر تخرجہ کیا ہے کہ حُسن ہو گیا مثلاً ایک حوض کی تاریخ ہے۔ ع۔ از حوض لطیف آب بردار تین عدد نکال لیجیے، پوری تاریخ موجود ہے۔ آب کے تین عدد ہوئے نہ اور حوض سے پانی لیا۔ خوب ہی سوجھی۔

سخن سنج: ایک شاعر ہم سے بیان کرتے تھے، تاریخ پورے مصرعہ میں ہونی چاہیئے۔ ایک عدد کم نہ ایک عدد زیادہ ہو۔ مثلاً ع۔ این گنبد جدید بنائے سعادت است۔ اور تعمیہ ایک تک جائز ہے بس اور بعض بعض شعرا جو نام کے شاعر ہیں ان کا قاعدہ ہے کہ تو نو اور آٹھ آٹھ کا تعمیہ کرتے ہیں از زد طرب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

از راہِ پاس از روئے حرص بے سبب لغو۔ بس سمجھ جائیے کہ مورخ نہیں ہے۔ منہ چڑھاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں شعر گفتن چہ ضرور۔ فرض ہی کیا ہے کہ خواہ مخواہ تاریخ کہیے کتاب کا تاریخی نام ہمیں پسند نہیں۔ کتاب کے دو نام رکھنا بھی اچھا نہیں۔ صبا نے اپنے دیوان کا تاریخی نام غنچۂ آرزو رکھا مگر فی صد دس شاید غنچۂ آرزو کہتے ہوں۔ دیوانِ صبا فی صد نوے کہتے ہیں۔ بعض آدمیوں کو تاریخ گوئی میں اس قدر ملکہ ہے کہ طومار کے طومار لکھ ڈالتے ہیں۔ اور ہر فقرے سے تاریخ نکلتی ہے، یہ بہت مشکل ہے۔

اتنے میں ایک خدمت گار نے ادب کے ساتھ شہزادے کے کان میں کچھ کہا، اور مرزا ہمایوں فر نے حکم دیا کہ تخلیہ ہو۔ مصاحبین اور رفیق دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ دروازے سب بند کر دیئے گئے۔ ایک عورت آئی اور شہزادے سے باتیں ہونے لگیں۔

شہزادہ: اب کب تک ترسایا کرو گی۔ آخر ترسانے کی کچھ انتہا بھی ہے۔ تم کس روز کام آؤ گی۔ کس مرض کی دوا ہو۔

عورت: (مسکرا کر) حضور تو غضب کرتے ہیں۔ اب فرمایئے ڈھیل کس کی ہے۔ حضور کسی مشاطہ کو کیوں نہیں بلاتے مشاطہ کو بلوا کر پیغام بھیجیے۔ وہاں سب معاملہ چوکس ہے۔ ڈھیل صرف حضور ہی کی ہے۔

شہزادہ: اچھا تو پھر تم ہی کوئی تجویز و ہم اماں جان سے بھی ذکر کریں گے پھر اب کیا کریں۔ اس میں کچھ بے حیائی نہیں ہے۔ شرع میں شرم کیا تم مشاطہ تجویز دو۔

عورت: حضور! مشاطہ تو پچاس آجائیں، مگر یہاں ایک بوڑھی عورت رہتی ہیں۔ ان کی آمد و رفت ہماری سرکار میں بہت ہے۔ اُن کو استانی جی کہتے ہیں۔ حضور شاید جانتے ہوں۔ جو وہ کہیں تو بڑا اثر ہو۔ بڑی بیگم صاحب اُن کا کہنا سننا بہت مانتی ہیں۔

ہمایوں فر: استانی جی کا نام تو سنا ہے۔ مگر ملاقات نہیں ہے۔ ان کے ہاں تو بڑے سخت قاعدے ہیں۔ دروازے پر دستک دے۔ ایک روپیہ کا میوہ لے جائے مگر ایک شخص نے ہم سے کہا تھا کہ وہ بڑی سُست اعتقاد ہیں۔

عورت: حضور اب ہم کو دیر ہوتی ہے۔ جاتے ہیں۔ نظیر بیگم اور جانی بیگم کو بلانے فنس اُن کے مکان پر پہونچ گئی۔ بلایا ہے۔ بہت دن سے آئیں نہیں۔

ہمایوں فر: اللہ۔ اللہ تو آج بڑی تیاریاں ہوں گی۔ یہ کہیے جب جانیں کہ کسی ترکیب سے ہم کو دکھا دو۔ اس دن تو تم نے ہم کو خوب ڈپٹ لیا۔ مگر اس بے تکلفی اور لطف سے چاروں بہنوں کو دیکھا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کچھ نہ پوچھو، اور وہ کون تھیں، وہ جو چبوترے پر آزادی کے ساتھ (مسکرا کر) لیٹی ہوئی تھیں۔ اُفوہ (پھر ہنس کر) کس گھبراہٹ سے بھاگی ہیں کہ واللہ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ اچھا اب تم جاؤ کل ہم مشاطہ کا خود ہی بندوبست کرلیں گے۔

دوسرے روز مرزا ہمایوں فر بہادر نے ایک مشاطہ بلوائی۔ نازک بدن، اور سیم تن عورت۔ آن کر جھک کے سلام کیا۔ ہمایوں فر نے کہا کچھ ہمارے بھی کام آوگی؟ مسکرا کر بولی: حضور ہمارے مالک ہیں۔ ہمایوں فر نے کہا تمھارے مالک تمھارے یہاں ہوں گے۔ اُس پر مشاطہ شرما کر ہنسنے لگی۔ ہمایوں فر نے رازِ دل بتایا۔ اس نے کہا خداوند محل سرا سے ہولوں وہاں تذکرہ کر لوں تو اُسی دم جاؤں۔ یہ کہہ کر ہمایوں فر کی والدہ شریفہ کے پاس گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے یہ ذکر چھیڑا۔ حضور کے پڑوس میں ایک لڑکی ہے۔ حضور بس دیکھنے سے تعلق ہے۔ چاند سی صورت پائی ہے۔ کیسی گوری چٹی کہ میں کیا عرض کروں۔ حسب و نسب تو حضور مجھ سے زیادہ جانتی ہوں گی۔ شہزادے کی ماں نے کہا ہم نے ایک بار اور بھی چاہا تھا کہ پیغام بھیجیں مگر کچھ سبب ایسے ہوئے کہ نہ بھیج سکے۔ تم جاؤ کہو سنو۔ مشاطہ فوراً اُٹھی۔ بڑی بیگم کے ہاں آئی۔ ڈیوڑھی پر عباسی نے مسکرا کر کہا ہم سمجھ گئے۔ کل ہم سے بات چیت ہو چکی ہے۔ مشاطہ اندر آئی۔ بڑی بیگم صاحب کی خدمت میں ادب کے ساتھ آداب بجالائی۔ عباسی دوڑی ہوئی کوٹھے پر گئی، اور ہنس کر کہا لیجیے حضور مشاطہ آئی ہے۔

اب سُنیے سپہر آرا بیگم کو محل دار نے اطلاع دی کہ شہزادے بہادر کے یہاں سے مشاطہ آئی ہے۔ یہ مژدہ سنتے ہی سپہر آرا بیگم چھپ کر اوپر گئیں۔ سپہر آرا بیگم کو معلوم نہ تھا کہ عباسی نے اوپر سب سے کہہ دیا ہے۔ جاتے ہی دوسرا دوپٹہ فوراً بدلا، اور عطر سے اُس کو ایسا بسایا کہ محل سرا تک مہک گئی۔ اُدھر سپہر آرا نے دوپٹہ بدلا، اُدھر گیتی آرا اور عباسی نے قہقہہ لگایا۔ سپہر آرا نے پوچھا کیوں خیر باشد یہ بے محل ہنسی کیسی؟

گیتی آرا: ارے بہن! یہ بے محل عطر ملنا کیسا اور دوپٹہ بدلنا کیسا۔؟

سپہر آرا بیگم: یوں ہی بدلا، کیوں کیا ہنسی کی کیا بات ہے بھلا۔

گیتی آرا: ہے تو پھر ہم نے بھی یوں ہی قہقہہ لگایا۔ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ مشاطہ آئی ہے، پیغام لائی۔ سنور کے نِتھر کے نکلو۔ اتنا کہا تھا کہ سپہر آرا سخت خفیف ہوئیں۔ گردن جھکا کر بولیں۔ اے واہ، ہم کو کیا معلوم کہ مشاطہ آئی یا کون موئی آئی ہے۔ اس وقت گرمی معلوم ہوئی تو دوپٹہ بدل ڈالا۔ ذرا ملگجا پن تھا، یہ بھی گناہ ہوا۔ خیر۔ حسن آرا نے کہا۔ بہن اب بہت اُڑو نہ ہم سے، یہ اس وقت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گھبرا کر آنا اور تڑے دوپٹہ پھینکنا کیا معنی، اُفوہ بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

عبّاسی: حضور مبارک ہو۔ مشّاطہ تو بڑی نکیلی آئی ہے۔

حُسن آرا: چشم بددور، کیوں نہیں، وہ خود بھی تو بانکے ترچھے ہیں۔

سپہر آرا کمرے میں جاکر مارے خفّت کے لیٹ رہیں۔

مشّاطہ: (بڑی بیگم سے) حضور ایک عرض ہے۔

بیگم: کہو، تم تو آج بہت دن کے بعد آئی ہو۔

مشّاطہ: ہاں حضور باہر چلی گئی تھی، ابھی کوئی دو دن ہوئے کہ شہر میں پہونچی۔ حضور آپ کے پڑوس میں جو شہزادہ ہمایوں فر ہیں۔ اُن کی والدہ نے مجھ کو بلوایا تھا۔ سپہر آرا بیگم کو ان کے ہاں کی عورتوں میں سے کسی نے کیا معلوم کہاں دیکھ لیا تھا۔ بیگم صاحب کی مرضی نہ تھی کہ بیگانی جگہ شادی ہو مگر (مسکراکر) شہزادے کہتے ہیں کہ ہم پڑھی لکھی کے سوا اور کسی سے شادی نہ کریں گے۔

بیگم: ہوں اچھا پھر۔

مشّاطہ: حضور۔

بیگم نے کہا ہاں ہاں میں سمجھی اچھا تم کل کسی وقت آجاؤ۔ مشّاطہ نے جھک کر آداب عرض کیا۔ عبّاسی کے ساتھ حسن آرا کے پاس آئی۔

مشّاطہ: حضور آداب عرض ہے۔

حُسن آرا: کہاں آئی تھیں۔ تم کو بہت دن بعد دیکھا۔

مشّاطہ: حضور نظیر بیگم کے ہاں آئی تھی۔ وہاں لونڈی کو آج بُلوایا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ چلوں سلام کر آؤں، اور مرزا ہمایوں فر کے ہاں سے بھی آدمی آیا تھا۔

عبّاسی: (مُسکراکر) اے یہ ہماری سرکار چھپ کہاں رہیں۔ اے حضور ذری ادھر تو تشریف لائیے۔ واہ!

جہاں آرا: چھپ کر اندر سو رہیں جاکر۔

عبّاسی: (کمرے میں جاکر) اے حضور ابھی جیسے سو ہی تو گئی ہیں۔ ذری دیکھیے تو کون آیا ہے۔

سپہر آرا: (انگڑائی لے کر) سونے دو جی

حُسن آرا: اے بہن اٹھو!

مشّاطہ: حضور آداب عرض کرتی ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا: کون ہے یہ کون بولا؟

عباسی: اے ہے۔ ایسی انجان بن گئیں۔ حضور چل کے دیکھ لیجیے۔

گیتی آرا: (کمرے میں آن کر) چلو چلو دکان میں) اب تو دوپٹہ بھی بدل چکی ہو۔

سپہر آرا: ہم کو یہ باتیں بھلی نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ یہ دل لگی بازی رہنے دو باجی۔

گیتی آرا: اب چلتی ہو یا ہیں اُٹھا لے جاؤں؟

سپہر آرا: باجی جان دیکھیے۔ خواہی نخواہی ہم کو چھیڑتی ہیں۔ ہمارے سر میں درد ہے۔

حُسن آرا: اچھا یہاں تک تو آؤ۔

سپہر آرا بڑے اصرار کے بعد تشریف لائیں۔ مشاطہ نے جھک کر سلام کیا تو سب نے مل کر قہقہہ لگایا۔ سپہر آرا بہت خفیف ہوئیں۔ کہا ہم کو نہ چھیڑیے، اب بہن ہم جا کے اماں جان سے کہہ دیں گے۔

سپہر آرا بیگم کمال محظوظ تھیں۔ کہ مرزا ہمایوں فر بہادر کے ہاں سے مشاطہ آئی۔ بات چیت پر باچھیں کھلی جاتی تھیں، کہ اب کیا پوچھنا ہے۔ دل کی تمنا بر آئی۔ مشاطہ نے شہزادے کی بڑی تعریف کی اور کہا حضور بنگالے کی طرف ایک نواب ہیں۔ صاحب تاج و تخت ان کے ہاں بھی پیغام تھا۔ میں نے جا کر کوشش کی۔ تو کاہے سے۔ اس سبب سے کہ حضور کا بھی عرصے تک نمک کھایا ہے۔ بی عباسی نے کہا ہاں ہاں اس میں کیا شک ہے۔ جس کا کھائیے اُس کا گائیے۔ بھلمنسی کے تو یہی معنی ہیں۔

مشاطہ رخصت ہو گئی۔

بڑی بیگم کا ایوان عشرت تواماں پریوں کی چہل اور شادی کی تیاریاں

بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گل گوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

بنام ایزد آج تو وہ فیض مشاطۂ بہار ہے کہ جوانانِ چمن پر سہم کا جوبن، بلا کا نکھار ہے۔ نگار خانۂ باغ ہے یا بہشت ہے۔ ہر روش مشکبو، عنبر سرشت ہے۔ سبزہ طوطی شکر شکن، نرگس شہلا غمزہ زن موجِ بہار شانہ کش زلف عنبر مویان۔ ماشطہ طرۂ خوبرویان۔ الٰہی یہ طلیعۂ صبح ہے یا طلوعِ گلِ مراد۔ یہ عروسانِ چمن ہیں یا معشوقانِ پریزاد۔ زبانِ بلبلِ رنگین گفتار صرف مبارک باد ہے۔ ہر گلبن پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عنادل کا ہجوم ہے۔ سرو پر قمریاں۔ نعرۂ حق سرہ کی دھوم ہے۔ ہبوب نسیم مسرت سے غنچے کھِل کھِلاتے ہیں۔ پتّے فرطِ طرب سے تالیاں بجاتے ہیں۔

بہار باغ میں کیا کیا کھلا رہی ہے گُل — شگفتہ غنچۂ منقارِ عندلیبان ہے۔
چمن میں کیجے اشارہ جو سوئے نخلِ چنار — تو ساتھ اشارے کے انگلی برنگِ مرجان ہے
چمن میں بات جو کیجے تو منہ سے پھول جھڑیں — اب ان دنوں میں یہ فیضِ بہار بُستان ہے
زمین پہ دانہ جو پھینکا تو گر کے نخل ہوا — نمو کی سعی سے صیاد سخت حیران ہے
نہالِ گلشنِ تصویر بھی ثمر لائیں — بہار کا چمن دہر میں یہ فرماں ہے
نسیم جانبِ گلشن چلی یہ کہتی ہوئی — اگر ہو آتشِ نمرود دم میں بستان ہے

صبح کو چاروں بلند بالا طاؤس کرشمہ رنگین ادا بہنیں خواب ناز سے بیدار ہوئیں۔ چاروں نے وضو کر کے نماز صبح ادا کی۔ سپہر آرا نظامی گنجوی کی مناجات پڑھنے لگیں۔ جہاں آرا اور حسن آرا بڑی بیگم کے پاس جا کر آداب بجا لائیں۔ گیتی آرا نے حکم دیا کہ کمرے آراستہ کیے جائیں۔ تھوڑی دیر میں چاروں بہنیں بناؤ چناؤ کر کے لیس ہو گئیں۔ حسن آرا مشکین مُو۔ سپہر آرا کمان ابرو۔ گیتی آرا سمن بُو جہاں آرا پری رو بیٹھی بُلبُل کی طرح چہک رہی تھی۔ مار گجے کی خوشبو سے تمام محل سرا مہک رہی تھی۔ چاروں سیم ساق آئینہ زانو سیر چمن کو خراماں خراماں چلیں۔ حسن آرا کی نستعلیق چال آہستہ آہستہ جاتی تھی۔ کمر لاکھوں بل کھاتی تھی۔ سپہر آرا تیزی کے ساتھ طرارہ بھر کے ایک روش میں جا کھڑی ہوئیں، جہاں آرا پائنچے اٹھائے ہوئے گیتی آرا سے باتیں کرتی ہوئی چھان چھان آئیں، بی عبّاسی بھی پیچھے پیچھے ساتھ تھیں۔ حسن آرا پھول توڑ توڑ کر عبّاسی کے دامن میں بھرتی تھیں۔ گیتی آرا بیگم گلاب کی روش میں راح روح پرور سونگھ کر مست تھیں۔ سپہر آرا انگور کی ٹٹی کے سائے میں ایک مونڈھے پر بیٹھی ہمایوں فر کی یاد سے دل خوش کر رہی تھیں۔ جہاں آرا بیگم کوئل کا منہ چڑھاتی تھیں اور کھِل کھِلا کر ہنستی جاتی تھیں۔ اس شوخی کے صدقے۔ عالم جوانی تھا

ع اٹھتا جوبن شباب کا آغاز۔ تھوڑی دیر کے بعد چاروں بلوّرین ذقن نسرین بدن ایک خوشنما اور دلربا خس پوش بنگلے میں بیٹھیں جس کے ارد گرد ہری ہری بیل اور زمردین پتے عجب جوبن دکھاتے تھے بنگلہ کیا بہت سبز ینہ تھا، یا سبزۂ گلگون، اور ان گل بدنوں کے سبب سے اور بھی سبز بخت ہو گیا۔ اتنے میں بڑی بیگم صاحب نے لوزیات اور فواکہ بھیجے چاروں گل عذاروں نے ناشتہ کیا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیا اور طوطی زبان کو یوں گویا کیا۔

سپہر آرا: اس وقت ہمارا جی آپ ہی آپ کچھ ایسا خوش ہو رہا ہے کہ کہہ نہیں سکتے۔ سچ کہتے ہیں باجی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل ہی جانتا ہے ہمارا۔

جہاں آرا: ہمیں وجہ معلوم ہے۔ اللہ جانتا ہے ہم اُس کا سبب سمجھ گئے۔

سپہر آرا: اللہ جانتا ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ کیا ہم سے زیادہ جانتا ہے واہ۔

حسن آرا: (جھڑک کر) امن! سپہر آرا خدا خدا کرو یہ کفر کا کلمہ ہے۔

راوی: مارے خوشی کے کفر اور دین دونوں کی نزاع سے وارستہ ہو گئیں۔ ع۔ از تنزاعِ کفر و دین وارستہ۔

زاہد و قدرتِ خدا دیکھو

بت کو بھی دعوی خدائی ہے

جہاں آرا: کلمہ کفر کبھی زبان سے نہ نکالے اللہ بڑا رازق ہے۔ صدقے تیری کریمی کے، بن مانگے چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے، اور بے رزق کسی کو نہیں رکھا۔ صبح سے شام تک کھانے بھر کو دیتا جائے گا۔

سپہر آرا: اور قحط کے دنوں میں جو ہزاروں لاکھوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مر گئے۔ وہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ اچھا اچھا ہپ ہپ، بُرا بُرا تھو تھو۔

حسن آرا: خدا کی خدائی میں دخل دینا بے وقوفی ہے وہ بڑا کارساز ہے۔ کارساز حقیقی اسی کا نام ہے۔

جہاں آرا: اک ادنیٰ سی بات یہ ہے کہ روز آفتاب مشرق سے نکلتا ہے، اور روز چاند شام سے آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ ہے کہ نہیں؟ اس گفتگو کے بعد چُہل ہونے لگی۔ عبّاسی نے کہا کسی کی برات آئی ہے۔ جہاں آرا بولیں آتی نہیں جاتی ہے۔ عبّاسی مسکرائی۔ اللہ کرے سُبھ گھڑی ہمارے دروازے پر بھی شہنائی بجے۔ انشاء اللہ صبح ہی شام بجا چاہتی ہے۔ سپہر آرا بیگم سے الگ انعام لوں گی بھر پور، ہاں ایک نہ مانوں گی۔ میں نے دل و جان سے محنت اور کوشش کی ہے۔ اور انعام کے یہی موقع ہیں۔

جہاں آرا: آدھا حصّہ تو مشّاطہ بٹالے گی تم کو آدھا انعام ملے گا بس۔

عبّاسی: مشّاطہ آدھا حصّہ لے تو چشم ما روشن دل ما شاد ہم راضی ہمارا خدا راضی۔ اور سپہر آرا بیگم سے ہم الگ ہی انعام لیں گے۔ کیوں حضور دیکھیے گا یا اُس وقت پھر نکل جائیے گا۔ اس کی سند نہیں ہے۔

سپہر آرا: عبّاسی تم کو تمھاری جوانی نے دیوانہ بنا دیا۔ نوج ایسی کوئی بے حیا ہو۔ چال ڈھال بات چیت سے بیسوا پن برستا ہے۔

عبّاسی: (ہنس کر) حضور چاہے گالیاں دیں، چاہے جھڑکیں، ہم تو انعام کے واسطے لڑیں گے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور بیچ کھیت ہمارا حق ہے۔ انہی دنوں میں تو ہماری چاندی ہوتی ہے۔ بھلا دیکھیں کیوں کر نہیں ملتا۔

سپہر آرا: سوت نہ کپاس کوری سے ٹھم لٹھا۔ کچھ بات نہ چیت مفت کی بک بک۔

عبّاسی: کون۔ واہ اللہ جانتا ہے آج شام تک رقعہ آیا داخل ہے۔

حُسن آرا: کئی دن سے شہزادہ کو کوٹھے پر نہیں دیکھا۔ سُنا نصیب اعدا کچھ علیل ہو گئے تھے۔ ذری خبر تو لاؤ عبّاسی اب کیسے ہیں۔

اتنے میں دربان نے آواز دی۔ مہری سواریاں آئی ہیں۔ مہری اندر سے دوڑ کر آئی، پردہ کراؤ، پردہ کراؤ۔ فنس سے بیگم صاحب جو نہایت طرار تھیں بولیں۔ نہیں نہیں پردہ کیسا۔ مہریوں سے کہو کہ فنس محل سرا میں داخل کریں۔ عجب بدتمیز عورت معلوم ہوتی ہے۔ مہری بولی حضور کا جیسا حکم ہو، مگر اکثر کر کے تو یہیں سواریاں اترتی ہیں۔ اچھا کہارو ابھی لے آؤ، سامنے دیوار کے آڑے ہے بڑی دور کے بعد صحن ہے۔ کہاروں نے قدم بڑھایا، مہری نے پردہ اٹھایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کہاروں نے فنس رکھی اس کے بعد دوسری فنس اسی طور پر آئی۔ بڑی بیگم صاحب نے محل دار سے دریافت کیا کون ہے۔ وہ دوڑی آئی۔

دونوں خواستہ اور آراستہ بیگمیں، ناز و انداز کے ساتھ فنسوں سے اُتریں۔ اترتے ہی ایک شوخ طرار نے کھِل کھلا کر اُوئی ڈیوڑھی کیا قبر سے بھی تنگ ہے، موئی فنس اڑاڑ کے آ سکی اور یہ سب تو وہیں فنس پٹکتے۔ وہ تو کہو میں نے للکارا کہ مہریوں کو بُلاؤ۔ کہو محل سرا میں داخل کریں۔ ابھی اندر قدم نہیں رکھنے، وہیں باتیں کر رہی ہیں۔ مہری سے کہا کہاروں کو فنس لے کر رخصت کر دو، ہم یہاں کی سواریوں پر آئیں گے اور چوبدار کو حکم دو کہ اُدھر ہی سے عطر لیتا جائے۔ موتیے اور بیلے کا ایک ایک کنٹر کافی ہے۔ بس ذری دریافت تو کرو گھر میں کوئی مرد تو اس وقت نہیں ہے۔

محل دار نے کہا حضور اگر کوئی ہوتا تو لونڈی عرض نہ کر دیتی۔ پردہ نہ ہو جاتا۔ بھلا کوئی بات بھی ہے، کیا گنوارن مقرر کیا ہے۔

دونوں پری رخسار گل عذار محل سرا میں آئیں، ایک مغلانی نے باغ میں جا کر عرض کیا، حضور کہیں سے سواریاں آئی ہیں۔ حسُن آرا بولیں نظیر بیگم اور جانی بیگم ہوں گی۔ عبّاسی جاؤ یہیں بلا لاؤ۔ عبّاسی فوراً جھپٹی۔ دیکھا شہ نشین میں نظیر بیگم اور جانی بیگم بڑی بیگم کے پاس بیٹھی ہیں۔ عبّاسی نے جھک کر سلام کیا۔ جانی بیگم نے کہا حسُن آرا کہاں ہیں۔ کہا حضور کو بلاتی ہیں۔ باغ میں ہیں کہا اے ہے۔ یہ دماغ اللہ اللہ۔ بلاتی ہیں! یہاں تک آئیں تو پاؤں کی مہندی گھس جاتی۔ ماشاء اللہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی نازک ہوگئی ہیں۔ ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں۔ آئیں تو اچھا ورنہ فنس منگوا دو۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ بڑی بیگم اس دختِ شوخ وشنگ کی تقریر سُن کر دنگ ہوگئیں۔ عبّاسی الٹے پانوں گئی۔ حُسن آرا سے کہا حضور ایسی چٹاخ پٹاخ اور زبان دراز تو میں نے آج تک کوئی عورت دیکھی ہی نہیں۔ بڑی خفا ہوئیں کہ حُسن آرا کیوں نہیں آتیں۔ آئیں تو خیر ورنہ ہم جاتے ہیں۔ حُسن آرا فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھا کر محل سرا میں آئیں۔ نظیر بیگم اور جانی بیگم دونوں ملیں۔ جانی بیگم منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔ نظیر بیگم سے مُسکرا کر باتیں ہونے لگیں۔

حُسن آرا : بہت دن بعد دیکھا، مزاج اچھا رہا بہن۔ دُبلی کیوں ہو اس قدر۔

نظیر بیگم : ماندی تھی۔ ابھی پرسوں تک پنڈا اپھیکا رہتا تھا۔ بارے خدا خدا کر کے اب کہیں نجات پائی۔ بڑی بیماری اٹھائی۔ چُرمُر ہوگئی۔

حُسن آرا : خاتونِ جنت کی قسم جو ہم نے سنا بھی ہو، ہمیں اطلاع نہیں ہوئی۔

نظیر بیگم : ہم یہاں تو تھے ہی نہیں، ابّا جان گانوں پر لے گئے تھے، پرسوں آئے۔

حُسن آرا : جانی بیگم ہم سے کچھ خفا سی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا خیر کرے۔

جانی بیگم : بس بس ذری میری زبان نہ کھلوانا۔ اور سُنیے اُلٹا چور کتوال (کوتوال) کو ڈانٹے۔ یہاں تک آتے مہندی گھس جاتی یا منہ برس رہا تھا۔

حُسن آرا : اچھا اب معاف کیجیے، غصّے کو تھوک دیجیے، چلو چلو اُٹھو۔

حُسن آرا بیگم۔ دونوں رشکِ قمر، حور پیکر، مہمانوں کو لے کر باغ میں گئیں۔ سپہر آرا اور جہاں آرا اور گیتی آرا سے دونوں ملیں۔ اس بنگلہ خس پوش میں بیٹھیں۔ جانی بیگم کی بوٹی بوٹی پھڑکتی تھی۔ شوخ وطرار نظیر بیگم بھولی اور ناکردہ کار۔ نامِ خدا چودھواں سال تھا۔

ہے لڑکپن کا ہر اک ناز وادا میں انداز
دلبری سے نہیں زنہار خبردار ہنوز

جانی بیگم نے عبّاسی پر نظر ڈالی اور خوب غور سے دیکھ کر کہا تمھاری مہری تو بڑی نکیلی ہے۔ اللہ اللہ کیا سج دھج ہے۔ مگر ایک ہی چھٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ عباسی نے شوخی کے ساتھ جھک کر سلام کیا، اور کیا حضور نے میری قدر دانی کی ہے۔ میں اسی قابل تھی۔

جانی بیگم حُسن آرا آؤ آنکھ مچولی دھپ کھیلیں، تم آنکھ بند کرو۔

حُسن آرا : اے واہ، تمھارے تو پیٹ میں لچھن بھرے ہیں۔ بہن اور سُنیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: کیا۔ آنکھ مونڈی دھپ کیا؟ کیا کوئی کھیل ہے۔

جانی بیگم: اے ہے (انگلی مٹکا کر) کیا ننھی بنی جاتی ہیں۔ اوہ اوہ۔

نظیر بیگم: بس ہم اِن کی انھیں باتوں سے گھبراتے ہیں اچھی باتیں نہ کریں گی۔

جانی بیگم: اچھی باتیں، اے وہ نگوڑی اچھی باتیں کون سی ہیں۔ کہو تو آج یہ حُسن آرا کیسی پولی حیران بنی ہیں۔ کیا اب نکھرنا چھوڑ دیا۔ کیوں؟

سپہر آرا: اے بہن! باجی جان کو بناؤ چناؤ کی حاجت ہی کیا رہی۔

حاجت بناؤ کی تجھے اے نازنین نہیں
زیور ہے سادگی تیرے رخسار کے لئے

جانی بیگم کو قرار کہاں کہ دم بھر کہیں ٹھہریں۔ کیا مجال اٹھیں۔ اور سپہر آرا کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر جھم جھم کرتی ہوئی چلیں۔ نازو انداز سے قدم پڑتا تھا، اور پازیب کی جھنکار سے شور محشر برپا تھا۔

از اثر جنبش خلخالِ اُو
نالہ کنان سایہ بدنبالِ اُو

ایک درخت کے سائے میں کُرسی پر بیٹھیں، پانوں سے بوٹ نکالا۔ تو حنائی پانوں دیکھ کر بولیں۔ بھلا جب جانیں سپہر آرا کہ ایسی ہی تمھارے پانوں میں مہندی رچے اور حُسن آرا اور جہاں آرا اور نظیر بیگم اور گیتی آرا بھی آئیں، سپہر آرا نے کہا اپنے پانوں کی مہندی عش عش کر رہی ہیں۔ حُسن آرا نے شعر پڑھا۔

برائے کُشتن من خواستی کہ برخیزی
حنا بپائی تو افتاد و عذرخواہی کرد

سپہر آرا نے کہا۔ کیا اچھا شعر پڑھا، باجی جان ایک شعر ہمیں بھی یاد ہے۔

تا بہ پا بست حنا آن بُتِ سیمیں اندام
عشق بے تابِ من آتش نہ پامی دارد

نظیر بیگم بولیں۔ دونوں شعر اچھے ہیں، مگر اس سے اچھے نہیں ہیں۔

حنائی پائی نورنگِ رخم ربود امروز
ز دست بُرد بہ ستم ہرانچہ بود امروز

جانی بیگم نے کہا اے ہٹو بھی۔ چلیں وہاں سے بڑھ بڑھ کے۔ شعر یہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آقا تقی کے باغ میں کوّا حلال ہے
دل چیل اور گھونس کا داں پائمال ہے

حُسن آرا نے گیتی آرا، اور گیتی آرا نے حُسن آرا پر نظر ڈالی۔ عبّاسی مسکرائی، جہاں آرا کو یہ لچر شعر پڑھنا بڑا بُرا معلوم ہوا۔

سپہر آرا نے کہا جانی بیگم بس تمھاری اِنھیں باتوں سے تو نفرت لگی ہے۔ یہ شعر لونڈے لاڑھیے پڑھا کرتے ہیں۔ گلی کوچوں کے کوّا حلال ہے۔ واہ وا، واہ تم کو سلیقہ نہ آئے گا۔ ع۔ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔

اتنا کہنا تھا کہ جانی بیگم کا چہرہ مارے غصّے کے لال ہو گیا۔ گو زود رنج تھیں مگر بات دل میں نہ تھی۔ سپہر آرا نے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا خفا ہو گئیں بس۔ جانی بیگم کا غصہ فَرو ہو گیا سپہر آرا کا گال ہنسی ہنسی میں کاٹ کھایا۔ اس پر جہاں آرا اور نظیر بیگم نے قہقہہ لگایا۔

حُسن آرا: بڑی بے باک اور شوخ ہیں۔ اُفوّہ۔ کسی میں بند ہی نہیں۔

عبّاسی: حضور وہ درخت فالسے کا ہے جو حضور نے مجھے دیا نہیں تھا۔ اس کے فالسے آج ہیرا مونڈی کاٹے نے توڑ کر بیچ لیے اور ہم نے جو کہا تو بیہودہ بکنے لگا۔

حُسن آرا: کیا سب فالسے بیچ ڈالے۔ درخت بھر کے بلاؤ تو۔

سپہر آرا: اور ہم سے قسم لو جو ابھی تک ایک فالسا بھی چھوا ہو۔

جانی بیگم: ہاں اور بی مہری بیوی سے کہنا پہلے باغ کے فالسے کھائیں۔ پیرنہ شہید نکٹوں کا چھایا، اچھی مہری ہے، اور اچھی بیوی ہیں۔ کیا جانے کیا جادو کر دیا۔

اتنے میں وہی مشاطہ آئی۔ دیکھا کہ غنچہ کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک جادو جمال، ایک سے ایک زہرہ تمثال، کوئی قاقم اندام، کوئی زیبا کلام۔ ایک سروِ صنوبر خرام، دوسری غنچہ دہن گلفام حُسن آرا کا لب لعل رنگ عقیق یمن، جہاں آرا کا کل مشکِ ختن، گیتی آرا کے دُرِ دندان غیرت دُرِ عدن۔ نظیر بیگم کے گورے گورے گال اور عنبرین خال، جانی بیگم کی مستانہ چال۔

محفل ہے حسینوں کی یا کوئی مرقّع ہے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئے

اب سپہر آرا کا حال سُنیے۔ مشروع کا پاجامہ، فوق البھڑک۔ اُس پر بنت اور گوکھرو کی چمک دمک، دوپٹا پیازی جامدانی کا، اور اس پر بیل بوٹے اور کام کامدانی کا سُرمئی گوٹ لیس لگی ہوئی گوری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گوری کلائی چوڑیاں سیاہ اور طلائی۔ حسن آرا نے یہ شعر پڑھا۔

آمد ہمارے گھر میں کسی مہ لقا کی ہے

یہ شان کردگار یہ قدرت خدا کی ہے

مشاطہ نے کہا حضور کچھ عرض کرنا ہے۔ حسن آرا علیحدہ جا کر سننے لگیں۔ ادھر جانی بیگم نے آہستہ سے کہا۔ اے یہ تو مشاطہ ہے۔ حسینی خانم مشک گنج میں مکان ہے۔ اخاہ یہ پیغام لے کر آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے سپہر آرا کی شادی کی بات چیت ہے۔

عباسی: حضور اللہ کرے سبھ گھڑی دروازے پر شہنائی بجے۔

نظیر بیگم: سپہر آرا بہن ہم سے بھی تو کچھ کہو، واہ یہ اوپر ہی اوپر (جہاں آرا سے) کہاں سے آیا ہے پیغام۔ کسی بیگانی جگہ سے۔

جہاں آرا: کیا معلوم۔ ہمیں تو ابھی مفصل حال معلوم ہی نہیں ہے۔ جانی بیگم نے شوخی کے ساتھ چٹکی لی اور کہا سپہر آرا جس دن سسرال جاؤ گی اُس دن وہاں جا کر تمہیں نہ دق کیا ہو، تو نام بدل ڈالوں، مگر میں تاڑ گئی کہ کہاں سے پیغام آیا ہے۔ کہو تو بتا دوں۔ سپہر آرا نے آہستہ سے کہا اچھا بھلا بتاؤ۔ جانی بیگم تیز طبیعت تھیں۔ کان میں آہستہ سے ہمایوں فر کا نام لیا۔ اس پر فوراً جھیپ گئی۔ مگر مسکرا کر صاف انکار کیا۔ نہیں نہیں کیوں گالیاں دیتی ہو۔

حسن آرا نے ٹھنڈا پانی پیا، اور مشاطہ کو رخصت کیا۔

جانی بیگم: کیا! ہمایوں فر کے ہاں سے یہ نہیں پیغام لائی ہے؟ کیوں صاحب۔ ذرا چار آنکھیں کر کے کہو۔ کیا کہتی ہو؟

سپہر آرا: پھر وہی گالیاں دیتی ہو بیکار۔ بیکار۔ کون ہمایوں فر؟

جانی بیگم: اے چل جھوٹی۔ ایسی ایسی چھوکریاں ناخونوں (ناخن) پر لکھی ہوئی ہیں۔ اچھا آؤ اشرفی اشرفی بدتے ہیں آؤ (حسینی خانم کو پکار کر) اے۔ بی سیدانی! ذری اِدھر آئیے گا۔ حسینی خانم نام ہے۔ نہ مشک گنج میں رہتی ہو۔! اور کہیں؟

مشاطہ: (ادب کے ساتھ سلام کر کے) ہاں حضور تو بھول بھول جاتی ہیں۔ میرا تو قدیم سے وہاں مکان ہے۔

جانی بیگم: تم پہلے کہاں نوکر تھیں؟ نواب صادق علی بیگ کے ہاں تھیں، یا نہیں؟ سچ کہنا تمہیں قسم ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مشاطہ: حضور وہ میری بہن ہیں۔ بہت دن سے نوکر ہیں وہ۔

جانی بیگم: اخاہ۔ اب میں نے پہچانا۔ تمھارے میاں نے (قفضا) کی ہے۔ تم اپنے دیور کے گھر پڑ گئی ہو۔ کیوں؟ برگد کا پیڑ تمھارے مکان میں ہے۔

مشاطہ (ہنس کر) حضور کو تو سارا حال معلوم ہے۔ بہت دن پیچھے دیکھا۔ میں کلکتہ چلی گئی تھی۔ اسی سبب سے حضور نے پہچانا نہیں۔

جانی بیگم نے کہا اب یہ بتاؤ کہ پیغام تو لائی ہو، مگر اس کا بھی ذمہ کرتی ہو کہ شہزادے کے پاس کوئی ہے تو نہیں۔ امیر رئیس آدمی ہیں۔ بادشاہ کی اولاد۔ اللہ کا دیا روپیہ' پیسا' جواں ہرات۔ (جواہرات) سب کچھ ہے۔ اور اس شہر کی ہوا آج کل خیر سے بگڑی ہوئی ہے۔

مشاطہ: مسکرا کر بولی۔ حضور اس کا حال اللہ جانے مگر ہمارے نگیج تو ایسی باتوں میں وہ ہیں نہیں۔ اور یوں جوانی کا عالم ہے۔ اللہ جانے۔

خیر۔ مشاطہ محل سرا میں بڑی بیگم کے پاس گئی۔ اِدھر جانی بیگم نے سپہر آرا کو چھیڑنا شروع کیا۔ سلام۔ کیوں۔ ع چتونوں سے تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے، کہتی تھی کہ ہم سمجھ گئے۔ مرزا ہمایوں فر کے ہاں سے پیغام لائی ہو گی وہی بات نکلی نہ آخر۔ اللہ جانتا ہے کیا خوبصورت شہزادہ ہے۔ نک سُک سے درست۔ خاصا گورا چٹا اور یہاں عزت و آبرو بھی بڑی ہے۔

اتنے میں حسن آرا آئیں۔ مسکرا کر کہا۔ لو۔ اب سب ٹھیک ہے۔ کسی بات کی کسر نہیں رہی۔ ہم تو آج ہی ڈومنیوں کو بلواتے ہیں۔ عباسی، عباسی، اے عباسی!

عباسی: (دوڑ کر) حاضر ہوئی۔ حکم۔ میں اُدھر باتیں کر رہی تھی۔

حسن آرا: بیا بانی کی ڈومنیوں کو بُلواؤ۔ رَوتنے کو حکم دو کہ دو گھڑی کے لئے آج شام کو آجائیں۔ ضرور ضرور، ابھی آدمی دوڑا دو۔

جہاں آرا: سپہر آرا' سپہر آرا (شانہ ہلا کر) سپہر آرا! اچھا دماغ ہی نہیں ملتے۔ اے واہ ہے۔ ابھی سے یہ حال ہے۔ سپہر آرا۔

سپہر آرا: (بھولے پن کے ساتھ جھڑک کر) نہ باجی۔ ہم خدا جانے کیا سوچتے تھے۔ تم کو یہی باتیں ہر وقت سوجھتی ہیں۔

اس فقرے پر فرمایشی قہقہہ پڑا۔ اللہ اللہ۔ ابھی سے سوچنے لگیں، اور لطف یہ کہ کیا جانے کیا سوچتے تھے۔ سوچ کاہے کا ہے۔ ہمایوں فر کو ایک چھوڑ سو باری دیکھ چکی ہو۔ سامنے مکان ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر سوچ کاہے کا ہے۔ ماشاء اللہ چہرے مُہرے سے درست ہیں۔ چندے آفتاب چندے مہتاب پھر سوچ کیسا۔ سپہر آرا اور اُن کی مہوش بہنیں سب خوش تھیں کہ اب نکاح ہوا چاہتا ہے۔

مشاطہ رخصت ہو کر مرزا ہمایوں فر کے پاس گئی۔ خدمت گار سے کہا حضور کو چپکے سے اطلاع دو کہ حسینی خانم حاضر ہے۔ مگر کسی کے سامنے نہ کہنا۔ کان میں کہہ دینا۔ خدمت گار نے دیکھا کہ شہزادے کے پاس کئی آدمی بیٹھے ہیں۔ حسینی خانم کا پیغام کان میں کہنا خلاف ادب سمجھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب بھیڑ بھیٹی تو خدمتگار نے آہستہ سے عرض کیا۔ پیر و مرشد حسینی خانم حاضر ہیں۔ ہمایوں فر سمجھ گئے۔ مگر وہاں دربار میں سب کے سامنے بلانا خلاف توقع سمجھے۔ جب تخلیہ ہوا تو حکم ہوا کہ حسینی خانم کو بلاؤ۔ لیکن کوئی اور نہ آنے پائے۔ حسینی خانم آئیں۔

حسینی خانم: (آداب عرض کر کے) لیجئے حضور فتح ہے۔ میرے نام فتح لکھی گئی۔ اس خوبصورتی سے لونڈی نے بندوبست کیا ہے کہ حضور کی قدر دانی چاہیئے۔

ہمایوں فر: حسینی خانم مالا مال کر دوں گا۔ اس قدر دوں گا کہ خوش ہو جاؤ گی۔ تمھاری خواہش سے زیادہ نہ دیا ہو تو شہزادہ نہیں۔

حسینی خانم: (پھر سلام کر کے) حضور کے نمک پرور وہ ہیں۔ نمک کھایا ہے حضور کا۔ ایسی بات ہے۔ جو حکم ہو بجا لائیں۔ چڑیا کا دودھ تک لاؤں۔

ہمایوں فر: بڑی بیگم سے کیا گفتگو رہی۔ ان کی کیا رائے ہے۔

حسینی خانم: اُن کی رائے بس یہی ہے کہ چٹ مری منگنی اور پٹ مرا بیاہ۔ جھٹ پٹ شادی ہو جائے۔ حضور اب یہ شادی کسی کے روکے رُک نہیں سکتی۔ ہوئی داخل سمجھیے۔

ہمایوں فر: تمھارے منہ میں گھی شکر۔ خدا ہچنیں کند ازیں چہ بہتر۔

حسینی خانم: حضور ہچنیں کند کیا معنی۔ ہچنیں تو ہو وے ہی گا۔ دیکھ لیجیے گا۔ سب طے ہو گیا ہے۔ اب کچھ انتظار باقی نہیں ہے۔

ہمایوں فر: ہاں خوب یاد آیا۔ کوئی انّا تو بتلا دو۔ ہماری بہن آئی ہیں۔ انھیں دو دن سے بخار آتا ہے۔ کوئی اچھی انّا ہو۔ دس بارہ روپے تک ماہواری دیں گے۔ مگر پورے دودھ کی ہو۔

حسینی خانم: حضور میرے پڑوس میں ایک انّا رہتی ہے۔ کوئی سترہ برس کا سن ہے۔ شریف بھی ہیں۔

ہمایوں فر: کیا خوب یہ سن بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ واہ واہ۔

حسینی خانم: حضور۔ ہمارے بادشاہ ہیں، جو چاہے سمجھیں۔ مگر ایک بات ہے کہ اُس کا لڑکا گزر گیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایسا دودھ اچھا ہوتا ہے۔ صاحب لوگ بلاتے ہیں۔ مگر جو بات حضور کے ہاں حاصل ہے، وہ وہاں کہاں۔ میں آج ہی لے آؤں گی۔

ہمایوں فر: لڑکا کتنا بڑا تھا۔ برس ڈیڑھ برس کا تو نہیں تھا؟

حسینی خانم: اے نہیں، برس ڈیڑھ برس؟ اے ہوگا کوئی بیس دن کا بس۔

ہمایوں فر: انّا بدقطع تو نہیں ہے۔ خصلت کی بھی اچھی ہو۔

حسینی خانم: دشرما کر بندگی۔ سن پر تو حضور ہنستے تھے اور اب قطع بدقطع پوچھتے ہیں۔ اچھا پھر دیکھ لیجے گا۔ یوں تو یوں ہی سہی۔ ع۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

ہمایوں فر: دس بارہ پندرہ جو مانگے گی دیں گے۔ اور کھانا جو ہم کھائیں وہی وہ کھائے۔ کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔ کل یا آج بلاؤ۔ دودھ حکیم صاحب کو بھی دکھلا لیا جائے گا۔

حسینی خانم: بہت خوب۔ اور حضور تکلیف کیا معنی۔ اور کھانا تو خواہی نخواہی اچھا ملے گا۔ وہ تو کچھ انّا کے لئے تھوڑا ہی ہے۔ وہ تو اپنے بچّے کے لئے ہے۔ اچھے سے اچھا دیتے ہیں۔ غریب غُربا۔ چاہے خود نہ اچھا کھانا کھائیں، مگر انّا کو ضرور کھلائیں گے۔ جیسا کھانا ہوگا ویسا دودھ ہوگا۔ یہ بنی بنائی بات ہے۔

ہمایوں فر: ہاں، وہ حال تو کہو حسن آرا بھی تھیں وہاں۔

حسینی خانم نے کہا حضور بس کچھ نہ پوچھیے۔ کیا عرض کروں، وہاں تو غنچہ کھلا تھا۔ سب کم سن۔ اٹھتا جوبن، اور طرار بہت سی ہیں۔ حضور۔ سپہر آرا بیگم کو سب کی سب مل کے چھیڑنے لگیں۔ وہ جھلا جھلا کے رہ جاتی تھیں۔ کبھی مسکراتی تھیں، کبھی کہتی تھیں باجی جان ہمیں یہ چھیڑ خانی گوارہ نہیں ہے۔ ہمیں چھیڑا نہ کیجیے۔ کبھی روانسا منہ بنا لیتی تھیں۔ کبھی اپنے آپ کو کوستی تھیں۔ اللہ کرے یہ ہو، اللہ کرے وہ ہو۔ مگر چہرے سے برستا تھا کہ کھلی جاتی تھیں۔ حضور یہ لگی بُری ہوتی ہے۔ جہاں کسو پر (کسی پر) دل آگیا پھر قابو میں رہنا محال ہے۔

دل جو آتا ہے تو قابو میں نہیں رہتا ہے
رنج اور درد و غم انسان پڑے سہتا ہے

ہمایوں فر نے مسکرا کر کہا۔ اخاہ، آپ کو شعر بھی یاد ہیں اور موزوں۔ اس پر حسینی خانم بولیں۔ حضور کی صحبت ہے ایسے ویسوں کی۔ سپہر آرا بیگم نے اپنا کل حال ہم سے بیان کر دیا۔ کہنے لگیں حسینی خانم! میں لاکھ ضبط کرتی ہوں، مگر اندر والا نہیں مانتا۔ اور لوگ ناحق میری دشمنی میں ہیں۔ اور یہ پیغام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور رُقعے بازی، رقعہ بازی، کا کھڑاگ اور بھی نہیں بھاتا۔
ہمایوں فر کسی ضرورت سے باہر گئے تو حسینی خانم نیچے کے سروں میں گانے لگیں۔

اُنھیں میں نے تو چھیڑا چھوا ہی نہیں مجھے
مجھے ان کے ہی بند قبا کی قسم، مجھے اپنے رسولِ خدا کی قسم
مجھے دامن پاک صبا کی قسم

سنبھل ایسے غرور میں ہے یہ خلل کہ گرے نہ اُلجھ کہیں مُنھ ہی کے بل
بس اب اس سے بھی آگے تو بڑھ کے نہ چل تجھے رفعتِ عرشِ علا کی قسم

ترے صدقے خدائی کے میرے خدا تبصدّق رتبہ اہلِ خدا
نہ کر اپنے خیال سے مجھکو جُدا، تجھے نیّت صدق و صفا کی قسم

تری لیتے بلائیں ہیں خوب ہی ہم نکر اتنا تو پیار کو ہم سے تو کم
تجھے خواجۂ ہر دو سرا کی قسم تجھے الفتِ آلِ عبا کی قسم

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں

مرزا ہمایوں فر نے حسینی خانم کی نازک آواز سن لی۔ چپ کھڑے سنتے رہے۔ حسینی خانم کے فرشتے خاں کو بھی نہیں معلوم کہ شہزادے کھڑے سُن رہے ہیں۔
جب حسینی خانم گا چکیں تو ہمایوں فر کمرے میں گئے۔ مشّاطہ کو انعام دیا۔ کہا اب تم محل سرا جاؤ۔ مشّاطہ رخصت ہوئی۔ مصاحب نے جُھک آداب عرض کیا، اور کہا خداوندِ نعمت دعائیہ اشعار تو ملاحظہ فرمائیں۔ حضور کے شعر ہیں۔ ہمایوں فر کو اس وقت اور ہی دُھن تھی۔ کاغذ ہاتھ سے لے لیا۔ دور پھینک دیا۔ مصاحب نے جب اصرار کیا تو پڑھنے اور داد دینے لگے۔ رفقاء ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اور مرزا ہمایوں فر تو تعریف کرتے جاتے تھے۔

جہاں مقدّر ہے علم و فضل کا پر خلق جاہل ہے
منوّر ہے یہ گھر سارا مگر اندھوں کی محفل ہے

دیارِ ہند میں کس درجہ فیضِ علم جاری ہے
یہی دریا ہے جس کا چار سو ناپید ساحل ہے

مگر اس ملک کے دولت وروں کا قول ہے گویا
کہ ہم کو کچھ نہیں پروا اگر فرزند جاہل ہے

غریبوں کے برابر بیٹھنا بدتر ہے مرنے سے
وہی کالج میں پڑھنے جائے گا جو گھر سے فاضل ہے

نہیں تمیز کچھ نیکی بدی میں اہلِ دنیا کو
سمجھ اب تک ہے اُلٹی انقلابِ دہر کامل ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا ہی ان کو سمجھائے تو شاید سمجھیں یہ نادان — فلاطون ان سے عاجز ہے ارسطو ان سے قائل ہے
ہزار افسوس ہندوستان کے طالع ایسے سوئے ہیں — کم ہے بیدار مغز اُس کا لقب جو مردِ غافل ہے
گروہ بدرَوِش کے حال میں ہو یہ رواں کیوں کر — برنگِ سروِ گلشن اپنا خامہ پائے در گِل ہے
ہوئی ناپید ہے اس مُلک سے چُستی و چالاکی — کہ یاں کا نوجوان بڈھوں سے بڑھ کر سست و کاہل ہے
عدو کو دوست اور احباب کو دشمن سمجھتے ہیں — جو ہے دل سے شفیق اِن کا وہ گویا اِن کا قاتل ہے
کرو تمیز یاروں جھوٹے سچے خیر خواہوں میں — اگر تم کو ذرا بھی امتیازِ حق و باطل ہے
فراہم کی ہوئی اسلاف کی دولت ہے جو باقی — نہیں بے سود کاموں میں اٹھانے کے وہ قابل ہے
کرو تم بس ضروری حاجتوں میں صرف اب اس کو — کہ مسدود اس زمانے میں ہر اک بابِ مداخل ہے
زمانہ راحت و آرام کا ہے چل بسا ہمدم — نہ تو یہ وقت سوئے گا اگر بیدار و عاقل ہے
غنیمت جان فرصت کو نہیں غفلت کا یہ موقع — فلک کی گردش اک جانب اجل اک سمت عاجل ہے
نہ رکھ اطفال کو محروم علم و فضل سے ہرگز — کہ بے توقیر دنیا میں ہمیشہ مردِ جاہل ہے
وہی ہم ہیں کہ جو اُستاد تھے سارے زمانے کے — وہی ہم ہیں کہ جن کے فضل کی ہر قوم قائل ہے
وہی ہم ہیں کہ جن کی دولت و عظمت کا دنیا میں — ہر اک ذی علم راوی ہے ہر اک تاریخ ناقل ہے
وہی ہم ہیں کہ جن کا نام تک اب نیم وحشی ہے — ہماری جہل و نادانی کی لکھی جاتی ناول ہے
سُرورِ مے کی جا فی الحال جوشِ فاقہ مستی ہے — بجائے جامِ جم اب ہاتھ میں کشکول سائل ہے
ذرا حرمت نہیں باقی ہوئی ساقی سے ناچاقی — جہاں ہے لطف و بشاشی وہاں نفرت بھی شامل ہے
مثل ہے سیکھتا ہے آدمی کچھ کھو کے دنیا میں — مگر تو کھو کے مُلک و مال بھی عشرت پہ مائل ہے
پڑھو اخبار و تاریخ اور قانون اندلوں یارو — کہ واقف کار ان باتوں سے جو ہے وہی کامل ہے
کرو للہ قومی اتفاق آپس میں ہمدردو — کہ اس میں کچھ نہیں نقصان سراپا نفع حاصل ہے
مناسب ہے کہ قومی انجمن میں آ و جاؤ تم — کہ جو منکر ہے ایسے جلسوں کا ناداں ہے کاہل ہے
خرابی دین و دنیا کی ہے اس کمبخت سُستی سے — یہاں محتاج ہے کاہل، وہاں دوزخ میں داخل ہے
یہاں تک پہنچی ہے نوبت کہ گھر بدتر ہے زندان سے — یہ تیری گوشہ گیری قید بے طوق و سلاسل ہے
کہاں تک مرثیہ ہندوستان کا اب لکھے شاعر — کہ قبضے میں طبیعت ہے نہ قابو میں ذرا دل ہے
رفاہِ عام یارب مہر خریج کامرانی ہو — جہاں افروز گو مدت سے مثلِ ماہِ کامل ہے
تمنا ہے حضور آ کر کہے ہر ایک ہم مشرب — کہ تیرا پند نامہ جا بجا اب نقلِ محفل ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا ہمایوں فر بہادر کو یہ اشعار بہت پسند آئے۔ کہا واقعی اب ہندوستان کا بعینہٖ یہی حال ہے غفلت کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی۔ علم و فضل کی زمین میں تخم ریزی نہیں ہوتی۔ بہارِ ترقی کو خزانِ تنزّل نے شکستِ فاش دی۔

اے اہل ہند اب تو اٹھو خوب سوچیے — پیدا کیا تھا تم نے جو وہ سب تو کھو چکے
اب کیا رہا ہے جس پہ تغافل یہاں تلک — دنیا میں نیم وحشی و جاہل تو ہو چکے

یہ رباعی اب ہمارے حسبِ حال ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے کہا، حضور کچھ عرض کرنا ہے۔ ذری سب صاحب دوسرے کمرے میں تشریف رکھیں تو عرض کر دوں۔ تخلیہ ہوا تو اس نے کان میں کہا (حضور عبّاسی مہری آئی ہے، حکم دیا حاضر کرو۔ مگر دوسرے زینے کی طرف سے لاؤ۔ عبّاسی مہری آئیں۔

ہمایوں فر نے دیکھا تو بنی ٹھنی۔ غضب کا جوبن، بلا کا نکھار۔

ہمایوں فر: آج تو ایسا بناؤ چناؤ کر کے آئی ہو کہ بس کچھ نہ پوچھو۔

عبّاسی: حضور۔ (مسکرا کر) حضور۔ لونڈی ہوں۔

ہمایوں فر: خدا گواہ ہے عبّاسی، تم سیکڑوں ہزاروں میں چھٹی ہوئی ہو۔

عبّاسی: واہ۔ بندگی۔ اچھی تعریف کی۔ چھٹی ہوئی کی ایک ہی کہی۔

ہمایوں فر: حسینی خانم تو آئی تھیں۔ کہو وہاں کا حال تو کچھ بیان کرو۔ کیا کیا تذکرہ رہتا ہے۔ کیا سامان ہو رہا ہے۔

عبّاسی نے کہا حضور وہاں تو آج ہی سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ حسن آرا بیگم نے بیابانی کی ڈومنیاں بلوائی تھیں۔ عبّاسی اور حیدری دونوں گلے باز ہیں۔ رات بھر دھما چوکڑی رہے گی۔ رت جگا ہوگا۔ سپہر آرا بیگم کو سب بہنیں چھیڑتی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہیں۔ پھر خوشی کی تو بات ہی ہے۔ آج بھی تو مشاطہ آئی تھی۔ مشک گنج والی۔ حسن آرا بیگم سے کچھ باتیں رساں رساں ہوتی تھیں۔ اور بڑی سرکار سے تو کوئی گھنٹے سوا گھنٹے تک سرگوشی ہوا کی۔ آج حضور بھی ناچ دیکھیں۔ یہاں خوب یاد آیا۔ مشاطہ سے کہتی تھیں کہ شہزادے کے پاس کوئی گھر تو نہیں بیٹھی ہے۔ انہوں نے کہا ابھی جیسی آئی کہ ویسی ابھی سے لیتی ہیں:

ہمایوں فر نے کہا ہم مشاطہ نے کیا کہا۔ اللہ سے کہو سارے شہر میں تحقیقات کریں۔ کوئی بھی بات چھوٹا ہو ہے۔ یہاں اس قسم کا حال چلن ہی نہیں اپنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبّاسی : دوپٹا سنبھال کر بولی۔ لے اب رخصت حضور! ہمایوں فر نے کہا نہیں، نہیں واہ۔ چلی کہاں، ٹھہرو صاحب۔ عبّاسی نے کہا حضور سبب یہ ہے کہ جوان میں بھی، اور آپ بھی۔ کوئی کسی کے دل میں تو بیٹھا ہی نہیں۔

اب سُنیئے کہ بڑی بیگم صاحب نے حسن آرا کو بلوا کر کہا۔ ہماری طرف سے بہار النسا اور روح افزا کو خط لکھو۔ حسن آرا قلم دوات کاغذ لے کر بیٹھیں، اور یوں لکھنا شروع کیا۔

باجی جان۔ بندگی عرض ہے۔ جیسے سپہر آرا کے نکاح کی باتیں شروع ہوگئیں۔ صبح شام پکّی پوڑھی ہو جائے گی۔ سامنے والے محل میں وہ جو شہزادے رہتے ہیں۔ ہمایوں فر۔ اُنھیں کے ہاں سے پیغام آیا ہے۔ امّاجان نے منظور کر لیا ہے۔ آج بھی مشاطہ آئی تھی۔ مبارک ہو۔ مرزا ہمایوں فر کو تم تو دیکھ چکی ہو۔ شہزادے ہیں۔ خوبصورت ہیں۔ پڑھے لکھے تربیت یافتہ، اس زمانے کے لڑکوں کی طرح آوارہ، یا اوباش نہیں ہیں۔ امّاجان کہتی ہیں کہ بہار النسا اور روح افزا دونوں کو بُلواؤ۔ سو بہن دیکھو اگر ہرج نہ ہو تو آجاؤ۔ دولھا بھائی کو یہ خط پڑھا دینا اور پڑھ کر روح افزا کے ہاں بھیج دینا۔

آج جانی بیگم اور نظیر بیگم دونوں آئی ہوئی ہیں۔ ہم نے ڈومنیاں بلوائی ہیں۔ آج رت جگا کریں گے۔ باجی جس طرح ممکن ہو آجاؤ۔ دولھا بھائی فوراً منظور کریں گے۔ وہ ہماری بات ٹالیں گے نہیں۔

جہاں آرا بہن، اور گیتی آرا بہن ابھی یہاں ہی ہیں۔ اور اب بھلا کہاں جا سکتی ہیں۔ سپہر آرا دل میں بہت خوش ہیں۔ اور ہوا ہی چاہیں۔ آج کل بڑی دل لگی رہتی ہے۔ ہم سب مل کر چھیڑتے ہیں، اور وہ چڑھتی ہیں۔ تم اپنی ساس سے تو پوچھو گی نہیں۔ یہ تو میں خوب جانتی ہوں مگر میاں کی مرضی ضرور چاہیئے۔ اور دولھا بھائی یہاں بھیجنے میں کبھی انکار نہ کریں گے۔ ہاں لو خوب یاد آئی۔ جس دن ہمایوں فر کے دشمنوں کے ہاں آگ لگی تھی، اور سپہر آرا مارے ڈر کے گر پڑی تھیں، اس دن دولھا بھائی بھی تو یہاں ہی تھے۔

راوی : مارے ڈر کے! ہونہہ۔

ہے ہے، وہ وقت مجھے یاد ہے۔ اُف اُف! اللہ نے بڑی خیر کی، ہاں خوب یاد آیا۔ نواب فقیر محمد خان کی محل دار زیارت کربلا کر آئی۔ آپ کے لئے کچھ سوغات لائی ہے کہیے پارسل کر کے بھیج دوں، کہیے رہنے دوں۔ آخر آیئے ہی گا لے لیجیے گا۔ اس قدر لکھا تھا کہ جانی بیگم نے مغلانی کو حسن آرا کے پاس بھیجا کہ اُٹھ آؤ، نہیں ہم جاتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی بیگم: بڑی کلّہ دراز چھوکری ہے۔ افوہ۔ اس کے میاں کی جان عذاب میں ہوگی۔ اُف! ہی لڑکی۔ شاباش!

حسن آرا: نظیر اس سے غریب ہے۔ اس کے کیا معنی بہت غریب مگر یہ تو زمین پر قدم ہی نہیں رکھتی۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

مغلانی: سپہر آرا بیگم خوب خوب ستاتی ہیں۔ اُن کو وہی ٹھیک کرتی ہیں اچھی طرح سے۔ خوب ہوتی رہتی ہے۔

بڑی بیگم: ہم تو ایسے کو اپنے پاس بھی نہ آنے دیں۔

حسن آرا: نہیں۔ امّا جان یہ نہ فرمائیے۔ بد نہیں ہے۔ بڑی عفّت دار نیک طینت عورت ہے۔ مگر ہاں زبان نہیں رُکتی۔ اور پارے کی طرح بے قرار رہتی ہے۔

خط لکھ کر حسن آرا نے مغلانی کو دیا اور کہا باہر بھجوا دو، اور کسی چوبدار کو دو۔ ابھی ابھی ریل کے اسٹیشن پہ جاکے ڈاک میں ڈال آئے۔

مغلانی نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ حسن آرا باغ میں گئیں تو دیکھا کہ جانی بیگم اور سپہر آرا میں خوب نوک جھوک ہو رہی ہے۔ جانی بیگم چھیڑتی جاتی ہیں، اور سپہر آرا ان کو بناتی ہیں۔

حسن آرا نے کہا، آپ ان دونوں کو جانے نہ دینا۔ جانی بیگم دونوں کو؟ نا نظیر بیگم کو چاہے نہ جانے دو۔ میں تو جاؤں اور بیچ کھیت جاؤں۔ مجھے میاں کا جتنا ڈر ہے اور کسی کا نہیں ہے۔ نظیر کے دیدے کا تو پانی مر گیا ہے۔ نظیر بیگم نے مسکرا کر کہا اس میں کیا شک؟ تم بچاری بڑی غریب ہو۔ میں تو بڑی شریر ہوں۔

الغرض بڑی دیر تک یہی نوک جھونک رہی۔ اس کے بعد سب مل کر کھانا کھانے کے لئے محل سرا میں آ بیٹھیں۔

لالہ خوشوقت رائے

کون؟ لالہ خوشوقت رائے؟ کیا خوب۔ اوّل تو خوشوقت رائے کیا معنی۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ رائے ہندی لفظ۔ جیسے جسونت رائے، خوشوقت رائے چہ معنی دارد۔ اور (لالہ) کس شجر کا نام ہے۔ لالہ یا لالۂ۔ نہیں صاحب۔ لالہ نہیں۔ لالۂ۔ لالۂ خوشوقت رائے۔ واہ لالہ خورسند رائے۔ اے سُبحان اللہ یک نشد دو شد۔ ہم تو ایک خوشوقت رائے ہی کے معنی نہیں سمجھے تھے۔ یہ خورسند رائے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرے پیدا ہوتے۔ یک نشد دو شد۔ اور خیر سے یہ بزرگوار بھی خالی خولی لالہ پر قانع نہیں۔ لالہ۔ واہ۔ خیر۔ بوڑھے کھوسٹ آدمی۔ کوئی پچاسی برس کا سن۔ ایک پانوں قبر میں لٹکائے ہوئے، پرانے فشن کے آدمی۔ وہی وضع وہی قطع، وہی خیالات، وہی روش، وہی طرز۔ اس زمانے میں اگر کسی کو پرانے فشن والوں کی وضع دیکھنی ہو تو ان بزرگوار کو دیکھ لے۔ ایسا نمونہ نہ ملے گا۔ پانوں میں گھیتلا ٹاٹ بافی جوتا۔ چار روپے کی اوگی۔ گلبدن کا ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ۔ جامہ وار کی چپکن۔ پردہ کھلا ہوا۔ کلابتوں کا دستہ لگا ہوا۔ آستین اور بغل کٹی ہوئی زربفت کی بیل۔ سر پر دستار۔ شالی رومال اوڑھے ہوئے۔ شوق چرایا کہ نوکری کریں، اور یہ معلوم ہی نہیں کہ چونسٹھ برس کے بعد تشریف لے جانے کا حکم سنایا جاتا ہے۔ پچپن ۵۵ شروع ہوا اور چل چلاؤ لگا۔ لوگ اپنی عمر چھپاتے ہیں۔ پچاس کے پینتالیس بتاتے ہیں۔ ستاون کا سن ہے اور اڑتالیس کی عمر لکھوائی۔ سفید بالوں پر سیاہی چڑھائی۔ لیکن حضور کی تو چشم بد دور وہ عمر ہے پانچ کیا ہیں بیس برس بھی گھٹا دیجیے تو خاک مطلب نہ نکلے۔ پچاسی سے پانچ گئے اسّی رہے۔ دس اور گھٹا دیجے تو ستر باقی رہے۔ دس اور گھٹا دیجیے تو ساٹھ رہے۔ اور لاکھ خضاب لگائیے وہ بالوں کی سفیدی کو کیا کیجیے گا۔ سوال تو یہ ہے۔

خضاب پردۂ پیری نمی شود صائب
بہ مکر و حیلہ خزاں را بہار نتوان کرد

لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے ایک پرانے دقیانوسی میانے پر سوار ہوئے۔ کہا صاحب کے بنگلے پر چلو۔ کہاروں نے کہا۔ کون صاحب کسی کا نام تو لیجیے۔ یہاں تو سیکڑوں ہزاروں صاحب لوگ اور سیکڑوں ہزاروں بنگلے ہیں۔ جھلّا کر فرمایا۔ زیادہ یاوہ گوئی کہ بہیو تو قلم تراش سے بینی بُرید کر لیہون۔ بک بک وضع اہل آبرو کے خلاف ہے۔ رسے رسے صاحب کے بنگلہ خس پوش پر چلو۔ کہاروں نے میانہ اٹھایا، اور چلے جدھر سینگ سمایا۔ چلتے چلتے جب شہر کے اُس حصّے میں پہنچے جہاں صاحب لوگ رہتے تھے، میانہ روک لیا اور پوچھا۔ ہجور اب کونے بنگلے پر لے چلی۔ کہا خس پوش۔ کہار جھلّائے۔ ایک بولا۔ لالہ آج دارو پیے ہیں۔ دوسرے نے کہا کھس پو، کھس پو بکت جات ہیں۔ یہ خس پوش کی خرابی ہے۔ تیسرے نے صلاح دی کہ جون بنگلہ پہلے ملے اُہمان لے چلو۔ کہاروں سے کوؤ نہ پوچھے۔ لالہ اپنے جوابدہی کر لیں گے۔ ایک کوٹھی نظر آئی۔ کہاروں نے صلاح کی کہ اس کوٹھی میں لے چلو۔ چلے۔ باغبان کیاریاں سیج رہا تھا۔ پوچھا، کون ہیں؟ کہاروں نے کہا لالہ ہیں۔ لالہ کون لالہ؟ نام بتاؤ لالہ بیسیوں آتے ہیں۔ لالہ صاحب میانے میں سے بولے۔ لالہ خوشوقت رائے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ولد لالۂ خورسند رائے۔ چپراسی نے پھر نام پوچھا فرمایا۔ لالۂ خوشوقت رائے ولد لالۂ خورسند رائے۔ چپراسی نے صاحب سے کہا حضور ایک لالہ آئے ہیں۔ پوچھا نام۔ چپراسی پھر دوڑ کر ان کے پاس آیا۔ آپ نے کیا نام بتایا تھا۔ کہا۔ تم تو خاموش کر دیت ہو۔ بیر بیر کون بتاوے۔ ارے کہت تو ہے۔ لالۂ خوشوقت رائے ولد لالۂ خورسند رائے۔ چپراسی نے صاحب سے کہا، حضور لالہ کمبخت رائے آئے ہیں۔ نام یاد نہ رہا۔ خوشوقت کو کمبخت بنا دیا۔ صاحب نے کہا اچھا سلام دو۔ چپراسی نے میانے میں سر ڈال کر کہا۔ صاحب سلام بولتے ہیں۔ اب تو لالۂ خوشوقت رائے ولد خورسند رائے گھبرائے۔ سلام بولتے ہیں کیا معنی؟ یہ سلام بولنا کسے کہتے ہیں۔ پُرانی فشن کے آدمی۔ ان اصلاحوں کو کیا جانیں۔ چپراسی سمجھ گیا کہ لالہ صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہا چلیے صاحب بلاتے ہیں۔ کہار سے گھیتلا جوتا مانگا۔ پہنا۔ پگڑی سنبھالتے ہوئے چلے۔ چق اُٹھائی، اندر گئے۔

لالہ حضور پیر و مرشد! آداب عرض کرتا ہے۔ غلام خانہ زاد۔ کورنش صاحب سلام، ول کرسی پر بیٹھو۔ بیٹھیے آپ اوپر کرسی کے، فوراً۔

راوی: ان صاحب کی گفتگو اور یورپین کے کلام سے کچھ مختلف تھی مگر آدمی خلیق، اور فہمیدہ اور ذی مروّت تھے۔

لالہ: (ہاتھ جوڑ کر) نا۔ خداوندا! حضور رونق بخش کامرانی، اور غلام رعایائے ادنیٰ۔ سلام کو حاضر ہوا۔ کرسی پر نشست کا درجہ نہیں۔ یہ حضور ہی کی نشست ہے۔ (دونوں شین پڑھیے) نششت۔

صاحب: وَل آپ کا نام ہے کیا؟ آپ کا مکان شہر سے کے میل ہے۔

لالہ: (دست بستہ) غلام کا نام لالۂ خوشوقت رائے ولد خورسند رائے اور کفش خانہ در محلہ قائم گنج، اور شاہی میں باپ دادا صاحب قلم تھے۔ بڑے مناصب پر ممتاز۔ اور صاحب السیف بھی ہو گئے تھے۔

صاحب: آپ ہمارے پاس آیا ہے۔ صرف سلام کرنے کے واسطے؟

لالہ: حضور زیارت کر لی۔ برائے درشن حضور غلام حاضر ہوا۔ حضور کو سویرے سویرے دیکھا۔ سعادت حاصل ہوئے گئی۔ اور حضور غلام نوکری کا طالب ہے۔ گھر میں خانہ نشینی گوڑ کٹائے کے بیٹھنا اس کھلت ہے کہ کا دکھی۔ تو حضور نوکری دلوا دیں۔

صاحب: او۔ تم اس عمر میں کرے گا نوکری۔ (نرالا طرز کلام)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لالہ : حضور! غلام اب کی سالگرہ پر پچاسی برس کا ہوگا. بس۔

راوی : بس، ماشاء اللہ. بس کی ایک ہی کہی۔ ابھی عُنفوان شباب ہی ہے۔ صرف پچاسی برس۔ یہ کون بڑی بات ہے۔ ساٹھ برس کے زیرے سُنے تھے۔ یہ اسّی برس کے چوزے آج سُنے۔

صاحب : پچپن ۵۵ سالانہ (سالہ) قاعدہ جانتا ہے آپ؟ بعد پچپن برس کے کوئی آدمی کرنے نہیں سکتا ملازمی۔ اور پچاسی برس کا ہے آپ۔ پھر۔

لالہ : ہماری دعا ہے کہ خدا حضور کو بڑے صاحب اور کرنیل صاحب اور حضور کو لاٹھ گورنر کرے اور حضور کمشنر صاحب ہو جائیں۔

راوی : واہ کیا بڑے صاحب، کیا کرنل، کیا لاٹھ گورنر بنا دیا۔ اور پھر دعا دی نو کمشنری کی۔ اس بے تکے پن کو دیکھیے گا۔ ان بیچارے لالہ خوشوقت رائے ولد خور سند رائے کو بس دو ہی چار عہدوں کے نام معلوم تھے، کرنیل اور بڑے صاحب اور لاٹھ گورنر اور کمشنر۔ کوئی دس پانچ عہدوں کے نام اور بتا دو۔ انڈر سکرٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا۔ سکرٹری آف اسٹیٹ پر یمیر۔ اگر یہ عہدے معلوم ہوتے تو ضرور دعا کے وقت یاد آجاتے۔ مگر ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ حضور نے لاٹھ گورنری عطا کر کے پھر کمشنر کر دیا۔ صاحب یہ فقرے سُن کر مسکرائے۔ کہا وَل ہم کرنل ہے آپ ہم کو دعا دیتا کیا ہے۔ وَل ہم تو آپ کرنل ہے۔ مگر آپ نے خُب دیا عہدہ لاٹھ گورنری کا۔ پھر لیا چھین اُس کو۔ اور کیا مقرر کمشنر۔ تو ہمارا ہوا بڑا ہرج۔ ہنس کر کہا۔ اب آپ بیٹھ جائیے۔ لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خور سند رائے کرُسی پر بصد اصرار متمکن ہوئے۔ پہلے سات بار جُھک کر سلام کیا۔ بیٹھیے۔ حضور کو ملازمی غلام کیلئے تکلیف لازم ہے۔ فلوس پاس نہیں۔ خیلے بیچینی رہت ہے۔ صاحب نے کہا ہم دینا نہیں سکتا۔ ملازمی پچاس برس کے آدمی کو۔

صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ اب آپ جائیے۔ لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خور سند رائے کرُسی سے اُٹھے۔ کہا: حضور غلام مرخص ہوتا ہے۔ اگر حیات مُستعار باقی رہی تو صحبت باقی۔ دس بار زمین دُوز ہو کر آداب عرض کیا۔ اور رخصت ہوئے۔ میانے پر بیٹھے تو چپراسی نے گھیرا، حجور اب میں کب آؤں؟ لالہ خوشوقت رائے اس کا مطلب نہ سمجھے۔ کب آؤں۔ اس کے کیا معنی۔ آنا اور جانا کیسا۔

اتنے میں صاحب نے اندر سے پُکارا، چپراسی چپراسی، چپراسی دوڑ کر صاحب کے پاس گیا۔ صاحب بنگلے سے باہر نکل آئے۔ لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خور سند رائے بھی میانے سے اترے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب: وَل آپ کا نام کیا بتایا تھا، چپراسی تم نے ہم سے۔

چپراسی: خداوندان کا نام لالہ کمبخت رائے ہے۔ ہے نہ صاحب۔ لالہ نے کہا یہ بالکل خلافِ وضعِ اہلِ آبرو ہے۔ الفاظ ناملائم زبان شریفہ سے کاہے نکالتے ہو۔ حضور غلام کا نام لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے ہے۔ صاحب نے ان کا نام لکھ لیا۔ لالہ صاحب رخصت ہوئے۔ کہاروں نے پوچھا اب کہاں چلیں حضور کہا، جو بنگلہ خس پوش یا کوٹھی ملے۔ دس قدم پر کہاروں نے میانہ رکھ دیا۔ چپراسی نے پوچھا کیا نوکری کی تلاش میں آئے ہیں آپ؟ کہا: ہاں! صاحب بہادر کو اطلاع کردو زبانِ شریف سے کہ ایک صاحب نوکری کی جستجو کے لئے حاضری دیتا ہے۔ چپراسی نے اطلاع کی۔ صاحب نے حکم دیا کہ آئے۔ گھیتلا جوتا پہن کر چلے۔ کمرے میں جاکر سلام کیا، صاحب اس وقت محرر بھرتی کررہے تھے۔ یہ فقط اچھی پوشاک دیکھ کر نوکری دیتے تھے۔ پچپن سال کا قاعدہ ان کے ہاں جاری تھا۔ پوچھا وَل تم نوکری مانگتا ہے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں حضور۔ دس بارہ محرر اور بھی کھڑے تھے۔

صاحب: وَل تم حساب اور سیاق میں کیسا ہے، جانتا ہے کہ نہیں؟

لالہ: عرض کروں حضور! عہد شاہی نوابی میں، غلام اور آباد اجداد ناظم اور چکلہ دار تھے۔ سیاق اور سیاق، اور حسابات اور سب جانتا ہے غلام۔ بشرطِ ور آنے امتحان کے۔ اوپر کسی عہدے کے ممتاز ہو۔

صاحب: وَل مگر تم بوڑھا ہوگیا ہے۔ کوئی اسّی برس کا ہوگا تم۔

لالہ: حضور مطلب محنت اور کارگزاری سے ہے۔ سن سے کیا۔

صاحب: وَل اچّھا تم کو مقرر کیا۔ بیس روپیہ مہینا۔ تمہارا نام۔

لالہ: غلام کو لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے ولد لالہ حسین بخش کہتے ہیں۔ مرحوم۔ خدا بخشے۔ پچاس برس وفات کو ہوئے۔

راوی: اب یہ نہ معلوم ہوا کہ مرحوم کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ لالہ خورسند رائے کی طرف ___ یا اُن کے ابّا جان لالہ حسین بخش کی طرف، یا خود لالہ خوشوقت رائے کی طرف، یا آپ کے دادا کے ابّا خرم رائے کی طرف۔ مگر ع۔ این خانہ تمام آفتاب ست۔ کسی کا نام درست نہیں ہے۔ ایک خورسند رائے، دوسرے خوشوقت رائے، تیسرے حسین بخش۔ سب کے نام ایک سے ایک بڑھے ہوئے۔

صاحب: (قلم لے کر) وَل ہم سمجھا نہیں۔ تم نام بتائے پھر سے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لالہ: حضور لالۂ خوشوقت رائے، ولد لالۂ خورسند رائے، ولد لالۂ حسین بخش۔ یہ غلام کا نام ہے۔ پرورش حضور کا طالب ہوں۔

صاحب: او۔ تم چلا جائے برابر۔ ہم اتنا بڑا نام کہاں لکھے۔ ہمارے رجسٹر میں نام کا خانہ اس قدر بڑا نہیں ہے، ہم ایسے آدمی کو جگہ دے گا جس کا نام ذرا سا ہو۔ تم برابر چلا جائے۔ سلام۔ سلام۔

اتنے میں ایک امیدوار نے بڑھ کر کہا میرا نام نتھو ہے۔ اتنا سا نام۔ ذرا سا۔ حضور جس رجسٹر پر چاہیں لکھ لیں۔ صاحب نے فوراً نتھو لکھ لیا۔ اور پوچھا کہ ول۔ نتھ تھو ہے یا نہ تھو، تے پر تشدید ہے یا نہیں میاں نتھو بولے۔ حضور۔ نتھو بلا تشدید۔ صاحب خوش ہوئے۔ لالۂ خوشوقت رائے ولد لالۂ خورسند رائے ولد لالۂ حسین بخش اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے۔ مگر سمجھے کہ اس وقت سب صاحب لوگوں کے ہاں عہدے بٹ رہے ہوں گے، کہاروں سے گفتگو کرنے لگے۔

لالہ: سُنیو۔ کہاراں۔ چلو درِ دولت پر سیدھے، درِ دولت چلو۔ فوراً چلو۔

کہار: درِ دولت کہاں ہے ہجور، عیش باگ چلی کہ گول درواجے چلی؟

لالہ: لاحول ولا قوۃ سمجھے ناہیں۔ ارے عیش باغ ناہیں، درِ دولت چلو۔ دھریو سیدھی سڑک سامنے چلے چلو۔ پگڈنڈی وی تو بنی ہے۔

کہار: ہجور ہم۔ درِ دولت ناہیں جانت ہیں۔ جہاں بتاؤ تہاں چلی۔ دوسرے کہار نے کہا۔ چُپائی مار سُسُر۔ چلا چل۔ مطلب یہ کہ درِ دولت کا پتا کیا پوچھتا ہے۔ جس طرح اب تک بے پتے کے آئے۔ اُسی طرح چُپ چاپ چلا چل۔ کہیں کہہ دینا درِ دولت یہی ہے۔ کہار چلے۔ تو لالہ صاحب نے کہا۔ کہارو۔ آج پالکیاں، اور میانے اور پینسیں بہت کم دکھائی دیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ ایک بوڑھا فقیر سنتا تھا اُس نے کہا، بابا معلوم ہوتا ہے اگلے وقتوں کے ہو۔ اب پالکی کہاں۔ اب تو بگھی، فٹن، بمبو کارٹ، اور کیا جانے الم غلم۔

لالہ: بھلا مولوی انوار کے باغ میں مشاعرے ہوتے ہیں، یا نہیں ہوتے؟

فقیر: اجی حضور خدا جانے آپ کب کی باتیں کرتے ہیں۔ کئی باغ تو کھد کھدا گئے، ریل نکلی۔ تار آیا۔ عکسی تصویر چھپنے لگی۔ چار باغ اسٹیشن ہو گیا۔ بڑا امام باڑہ قلعہ ہے۔ بیلی گارد گلزار ہے۔ خدا جانے کیا سے کیا ہو گیا۔ اور آپ بھی مولوی انوار کے باغ ہی کو لیے پھرتے ہیں۔

تھوڑی دُور جا کر ایک بنگلے میں میانہ لے گئے۔ دیکھا تو لالۂ خوشوقت رائے ولد لالۂ خورسند رائے ولد لالۂ حسین بخش (خدا بخشے) خرّاٹے لے رہے تھے۔ ایک کہار نے شانہ پکڑ کے ہلایا۔ لالہ،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لالہ، لالہ! لالہ نے (اوں) کیا تو اُس نے کہا اب اٹھیے درِ دولت پر آ گئے۔ لالۂ خورسند رائے کے پوت اٹھے، آئیں؟ یہ درِ دولت ہے۔ اندر ایک ایسٹ انڈین ٹہل رہے تھے۔ نوجوان آدمی۔ آگے بڑھ کر پوچھا۔ ول آپ کس کے ملنے آیا ہے۔ لالہ صاحب کسی قدر گڑبڑائے۔ فرمایا کہ حضور کے سلام کو۔

صاحب نے مُسکرا کر پوچھا۔ وَل ہمارا نام کیا ہے۔ اب اور بھی چکرائے۔ نام کیا جانیں۔ اب اس وحشت کو دیکھیے کہ صاحب کا نام شرف الدولہ بتاتے ہیں۔ صاحب نے اس زور سے قہقہہ لگایا کہ میم صاحب بھی اندر سے نکل آئیں۔ صاحب نے بیان کیا کہ یہ بوڑھا آدمی ہمارا نام شرف اُلدّولہ بتاتا ہے، پھر پوچھا وَل ہمارا نام کیا ہے۔ لالۂ خورسند رائے کے پوت بلکہ پوت اکبر تو سخت خفیف ہوئے تھے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ خاموش ہو رہے۔ آخر کار اپنا سا مُنھ لے کر گھر واپس آئے۔ شام کو ان کے دلی دوست خواجہ مرتضیٰ حسین صاحب اِن کے مکان پر آئے۔ یہ بھی اگلے وقتوں کے لوگ تھے۔ بیس برس سے کلکتہ میں قیام تھا۔ بیس برس کے بعد لکھنؤ آئے تو وہ لکھنؤ ہی نہیں۔ لالہ صاحب ان سے بغل گیر ہوئے۔ کمال تپاک سے پیش آئے۔ پہلے مزاج پُرسی ہوئی۔ پھر ملاقات کی خوشی ظاہر کی۔ عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوا۔ وہ بولے آنکھیں آپ کو ڈھونڈتی تھیں، کچھ ٹھکانا ہے کس قدر عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔ لالۂ خوشوقت رائے نے مٹی کا حقہ منگوایا۔ پان منگوا کر بہ کمال رنج اپنا، اور شہر کا حال یوں بیان کیا۔ حضرت اب وہ لکھنؤ ہی نہیں۔ فرمایا اور کرم بخش کہاں؟ وہ پرکاش کہاں ہے؟ وہ گویئے نظر ہی نہیں آتے۔ دلی، آگرہ، پنجاب، دکھن، بنگالے سے آدمی آن کے بسے ہیں۔ اہلِ لکھنؤ جو اہلِ آبرو ہیں، کس سے ملیں، گِٹ پٹ کرنے والے ہندوستانی بہت پائیے گا۔ وہ میرزا منش اور باوضع لوگ ہمیں تو نظر ہی نہیں آتے۔ ملیں کس سے اور جائیں کس کے پاس۔ دل گھبرایا تو شاہ میناؔ کی درگاہ تک ہو آئے۔ گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ یاد ہے کیسے کیسے مشاعرے ہوا کرتے تھے، اور کیسے کیسے شعراء نامی جمع ہوتے تھے۔ اب مشاعرہ کہاں ہو۔ کہیں شاعر کی صورت بھی تو نظر آئے۔ شاعر کجا۔ گِٹ پٹ کرنے والے کثرت سے پائیے گا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاّح۔ خواجہ صاحب نے ان سے ہمدردی ظاہر کی۔ کہنے لگے حضرت سلامت بس کچھ عرض نہیں کیا جاتا۔ چار باغ سے یہاں تک آیا تو بالکل انقلاب پایا۔ وہ ہنڈولے کا ناکا نہیں۔ عیش باغ میں سناٹا ہے۔ ہندو لوگ خصوصاً مہاجن روز چنا بھیجتے تھے۔ اب اُجاڑ پڑا ہے اور موتی جھیل کا تو پتا ہی نہیں۔ بازار جو دیکھتا ہوں تو الاماں! بازار کی تعریف ہے کہ گٹھا ہوا ہو۔ نہ کہ اس قدر پہن۔ بازار کیا شیطان کی آنت ہے۔ اور قدم قدم پر اسکول۔ یہ اتنے اسکول ہیں کس مصرف کے۔ اتنے لڑکے انگریزی پڑھ پڑھ کر کریں گے کیا۔ ہمیں یہ حیرت ہے نہ پگڑی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ چکن ہے۔ ذراسی پگیا سر پر رکھ لی، یا رومال باندھ لیا اور عدالت میں جا کھڑے ہوئے۔ وہ بات ہی نہیں ہر شاہی میں یہ کیفیت تھی کہ ایک آدمی نوکر ہوتا تھا۔ دو سو اُس کے ساتھ کھاتے تھے، دس کا نوکر اور ہزار کا خرچ، اب یہ بات کہاں۔ اس فقرے پر لالہ خوشوقت رائے نے آہِ سرد بھری اور کمال افسوس کیا۔ کہا کیا بات فرمائی ہے، اب چار چار سو آٹھ آٹھ سو کے نوکر ہیں مگر ذرا برکت نہیں۔

راوی: برکت تو تب ہو جب شاہی کو ٹھے کاٹیں۔

لالہ خوشوقت رائے مذہب کے بڑے پابند تھے۔ حتیٰ کہ کہاک تک بلا تحقیقات کامل نوکر نہیں رکھتے تھے۔ دُھریا اور گوڑیا دونوں کے بڑے شائق ہیں۔ دبتا کے ہاتھ کا پانی نہیں پیتے۔ یہ کہار سُور پالتے اور کھاتے ہیں۔ بھونڑ کہار اور چپان کہار۔ اِن کے ہاتھ کا تو پانی پینا بھی جائز نہ تھا۔ شام کو کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دونوں وقت ملتے کام کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ رات کو سانپ کا نام لیا اور کاٹا۔ بلّی راستہ کاٹ جائے تو ممکن نہیں کہ آگے بڑھیں چاہے گھنٹوں گزر جائیں۔ پانوں پر پانوں کسی نے رکھا اور یہ نصیحتیں کرنے لگے۔ اور قلم پر قط دینے کے بھی خلاف تھے۔ ہا۔ قلم بر قلم قط مزن اے عزیز۔ خیر یہ تو عین مَصلحت ہے۔ گھوڑا بے دیکھے بھالے خریدنا گراں تھا۔ دو گدھے کھڑے ہوں تو اس کے بیچ سے کبھی نہ جائیں، چراغ منہ سے بھی نہیں پھونکتے تھے۔ ہاتھ یا پنکھے سے گُل کرتے تھے۔

اپنا کیا اپنے آگے آیا

بڑی بیگم کے پری خانے میں عیش و طرب کی گرمی بازار تھی۔ حُسن آرا بیگم اپنے بناؤ چناؤ میں مصروف تھیں۔ سپہر آرا کو فرطِ طرب سے بنے ٹھنے کا اصلا خیال نہ تھا۔ جہاں آرا اور گیتی آرا سج دھج کے تیار ہوئیں۔ عبّاسی نے بھی اپنا جوڑا بدلا۔ نظیر بیگم اور جانی بیگم بھی نکھر کے کمرے سے نکلیں۔ روّنے نے پُکار کر ڈیوڑھی پر کہا: وواجی دونوں ڈومنیوں کو کہہ آیا، سرِ شام حاضر ہوں گی۔ اِدھر تو شادی کی تیاریاں تھیں۔ اُدھر شہزادۂ بلند ارادہ افشاں جبین شہریاری قرۃ العین تاجداری مرزا ہمایوں فر بہادر کے ہاں خوشی کے شادیانے بجتے تھے۔ رفقا، مبارک باد کو آتے تھے۔

اِدھر تو یہ تیاریاں تھیں۔ اب خستہ جگر و محزون، آزاد آزادہ کی عاشق و مفتون ثریا بیگم کا حالِ زار سُنیے! آزاد کے نام پر تارکِ دنیا ہوئیں، مگر خاک نتیجہ نہ نکلا۔ جوگن کا بھیس بدلا۔ مگر بے سود۔ قسم کھائی کہ تمام عمر شادی نہ کروں گی۔ لیکن آزاد نے کبھی خط بھی نہ بھیجا۔ خبر ہی نہ لی۔ اِن کی وفاداری اور اُن کی بے وفائی دونوں افسوس کے قابل ہیں:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

اس شعر کی مصداق تھی۔ آزاد بیچارے بے قصور تھے۔ میدانِ جنگ میں خط لکھنے کی مہلت کہاں' اور پھر اگر مہلت ہوئی بھی تو خط کس پتے سے بھیجیں۔ اللہ رکھی کے نام سے کون واقف تھا۔ جوگن کو کون جانتا تھا۔ یہ کون سمجھتا تھا کہ جوگن اور اللہ رکھی' اور شبّو جان ایک ہی عورت کا نام ہے۔ آزاد کو ان کے جائے قیام کا پتا روم میں کیوں کر معلوم ہوتا۔ ثریّا بیگم چوری کے بعد کمالِ خستہ و حزیں ہو گئیں۔ دل لگا کے اُنھوں نے کیا پھل پایا۔ آزاد سے وصل ہوا' نہ کبھی جھوٹوں پیغام آیا۔

شیشہ ہاتھ آیا نہ ہم نے کوئی ساغر پایا
ساقیا لے تیری محفل سے چلے بھر پایا

عبّاسی سے کہا عبّاسی! ہمارے دلِ زار کا حال ناگفتہ ہے۔ دل ہی پھُنکا جاتا ہے۔ کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ اشکوں کا دریا اُمنڈا چلا آتا ہے۔ دل کو ذرا تسکین نہیں ہوتی۔ اب ہم سمجھ گئے کہ جو بات ہمارے دل میں ہے' وہ حاصل نہ ہو گی۔ بس اب کمر ٹوٹ گئی۔ کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑتا۔

تسلّی دمِ واپسین ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

ساری خدائی میں ہمارا کوئی نہیں۔ بجز خدا کے یا وہ جس کے سبب سے ہم نے عیش' آرام راحت' سب سے مُنھ موڑا۔ ہماری سی وفادار کا کہنا نہ مانا۔ اور ایک بیگم کے کہنے سے عاقبت بخشانے چلے۔ کہاں عاشقی معشوقی' کہاں جنگ کا میدان اور حشر کا خیال۔

اللہ ری عاشقی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

عبّاسی نے کہا بیوی آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ جس پر آپ اس قدر عاشق ہیں کہ دن رات دن اُنھیں کا خیال رہتا ہے۔ وہ ہیں کون؟ اور یہ جو خوبصورت جوان آئے تھے یہ کون تھے۔ ایک دن بانکی ترچھی عورت کے بھیس میں آئے۔ ایک دن ہندو گُسائیں بن کے آئے۔ موئے نے میرے ہاتھ میں بھی ٹھوکا دیا تھا۔ وہ جن پر آپ کا دل آیا اُن کا نام آزاد ہے' مگر جو کچھ سمجھ میں بھی آتا ہو کہ آپکی بات کیوں نہ مانی۔ اور کسی اور میں کیا شرف دیکھا جو کہنا مان لیا۔ ثریّا بیگم اس کا جواب کیا دیتیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کئے ہوئے پر پچھتاتی تھیں۔ کہا۔ عبّاسی تمھیں ہمارا حال کچھ بھی نہیں معلوم۔ کوئی ایسی ہی وجہ ہو گئی کہ ہمارا کہنا سُننا نہ چلا۔ ورنہ ممکن تھا کہ ہمارے ہوتے سا تھے کوئی اور فروغ پائے۔ مگر اپنے کیے پر پچھتاتی ہوں۔ ہائے میں کیا تھی، اور اب کیا ہوں۔ ہے ہے! مگر میرے کیے کی سزا۔ جیسا کیا۔ ویسا پایا۔ کردنی خویش آمدنی پیش۔

یہ کہہ کر ثریّا بیگم خوب روئیں۔ عبّاسی رومال سے آنسو پونچھنے لگی۔ سمجھایا بیوی جو ہوا سو ہوا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ اپنے تئیں مفت میں ہلکا کیوں کرتی ہیں۔

ثریّا بیگم دل ہی دل میں سوچیں کہ میں شریف زادی، رئیس زادی اور یہ ناشائستہ حرکت سرزد ہوئی کہ اللہ رکھی بنی۔ اور اس ذلّت کو پہونچی۔ آزاد کا وہ فقرہ اِن کو یاد آگیا، جو انھوں نے شادی کے انکار کی وجہ سے کہا تھا۔ اس دن کا ذکر ہم نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔

تم یہ کہتی کیا ہو۔ کیا سچ مچ سب سے کہہ ہی آئیں۔ غضب ہی کیا۔ واللہ کہیں ایسا نہ کرنا۔ میں دل لگی کرتا تھا۔ خدا کی قسم فقط دل لگی تھی۔ میں پردیسی آدمی شادی بیاہ کے کیا معنی، اور پھر بھٹیاری کے گھر پڑوں، مانا کہ تم پری چھم ہو، مگر پھر بھٹیاری ہی تو ہے۔ اپنی وضع کے خلاف ہے۔ چار دن کے لئے سرا میں آن کر ٹھیرے۔ یہاں سے بلا ساتھ لے جائیں۔

یہ فقرے ثریّا بیگم کو خوب یاد تھے اور اکثر اوقات، اس بیچاری کو خون رُلاتے تھے۔ فعلِ بد کا نتیجہ یہ تو ہوا ہی چاہیے۔ جب آزاد نے نکاح سے انکارِ حلفی کیا تو اللہ رکھی نے نالش کی سُنائی۔ کہا۔ نالش داغتی ہوں تو سہی، جو تگنی کا ناچ نہ نچاؤں۔ کیا نکلے جاتے ہیں۔ اقرار کر کے مُکر جانا کچھ خالا جی کا گھر ہے۔ دیکھو سب سٹی پٹی تم بھول جاؤ گے جو اپنی والی پر آئی تو بڑا ہی گھر دکھاؤں گی۔

دوسرے تیسرے بی اللہ رکھی نکاح کا ذکر چھیڑتی تھیں تو آزاد کہتے تھے کہ ابھی آپ کو نکاح کی امید ہے۔ واللہ کتنی خوش عقیدہ ہو۔ یہ کہتی تھیں میں عدالت چڑھوں گی۔

ثریّا بیگم یہ باتیں یاد کر کے اپنی حرکات پر نفریں کرتی تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی تھیں۔ سوچنے لگیں کہ حُسن آرا میں کون سی بات ہے جو ہم میں نہیں۔ سن ایک۔ حُسن میں ہم سے کچھ زیادہ نہیں۔ چہرے مہرے سے دونوں درست ہیں۔ مگر فرق یہی ہے کہ وہ نیک چلن ہے اور ہم ثریّا بیگم سے اللہ رکھی بن بیٹھے۔ اپنی حرکت پر بہن خود نادم ہوں۔ اب اگر آزاد کو دوسرے تیسرے دیکھ لیا کرتی تو تسکین ہوتی۔ دل کو کچھ کچھ ڈھارس دیتی۔ مگر ادھر ملاقات ہوئی اُدھر دو ہی دن میں جدائی ہو گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چشمک برق بودہ کہ چنین
طرفۃ العیش از نظر رفتی

انھیں خیالات میں ثریّا بیگم کی آنکھ لگ گئی۔ خواب دیکھا کہ آزاد ایک کشتی پر سوار دریا میں جا رہے ہیں خود کنارے پر کھڑی ہیں۔ پکار کر کہا کہ آزاد ہم آئیں۔ اتنے میں دریا غائب ہو گیا اور یہ سرا میں چارپائی پر لیٹیں تو آزاد نے کہا تم کشتی پر نہ آنا۔ (کشتی اور دریا پھر موجود ہو گیا) اس وقت آندھی آنے والی ہے۔ میں ڈوبا تو کچھ حرج نہیں ہے مگر تم اپنی خیر مناؤ۔ اتنے میں آندھی آئی اور کشتی تہ و بالا ہوئی تو انھیں نے کنارے پر سے غل مچانا شروع کیا۔ آزاد آزاد! واسطے خدا کے مجھے آنے دو۔ اے ہائے! کشتی ڈوبی جاتی ہے۔ زار زار رونے لگیں۔ مگر کہاں تو ابھی گریہ وزاری کرتی تھیں، کہاں گانے لگیں۔ ارے ملّاح لگا کشتی مرا محبوب جاتا ہے۔ اتنے میں آزاد ڈوب گئے اور انھوں نے بہ آواز بلند۔ ہائے کہا۔ ہائے کہتے ہی آنکھ کھل گئی۔ کانپتی ہوئی اُٹھیں۔ مُغلانی پانی لائی۔ مُنھ دُھلایا۔ ایک نے پنکھا جھلا۔ عبّاسی تو واقفِ راز تھی۔ اُس نے جب خبر پائی کہ حضور آرام کر چکیں، تو دوڑی ہوئی آئی۔ دیکھا کہ چہرے پر اداسی چھائی ہے۔ بیگم صاحب نے پوچھا کیا وقت ہو گا؟ کہا حضور چھ گھنٹے کا عمل ہے۔ اب شام ہوئی۔ بیگم صاحب نے حکم دیا کہ گاڑی نکلواؤ۔ ہم ذرا ہوا کھانے جائیں گے۔ فوراً ڈیوڑھی پر اطلاع ہوئی۔ کوچبین سے کہا گیا۔ پالکی گاڑی نکلے۔ مغلانی نے کہا حضور گاڑی تیار ہے بیگم صاحب بولیں۔ ذری دلھن جان کو آواز دینا۔

مغلانی: ذری یہاں تک آیئے گا۔ بی ہمسائی۔ ذری کوٹھے پر آئیے۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔

ہمسائی: اچھّا ابھی ہاتھ خالی نہیں ہے۔ مگر ابھی ابھی آئی۔

بیگم: اے ہوا کھانے چلو گی۔ کئی دن ہوئے جی گھبراتا ہے۔

ہمسائی: اچھّا! سدا بہار ذری وہ دوپٹا تو اٹھا دو اور پانی لاؤ منھ دھو لوں۔ آئی آئی۔ گاڑی نکلواؤ سدا بہار ذری ڈولی کو حکم دو۔

دلھن جان اور ثریّا بیگم پالکی گاڑی پر سوار ہوئیں۔ مغلانی اور عبّاسی سامنے بیٹھیں۔ ایک خدمتگار کوچ بکس پر بیٹھا اور ڈکڑی چلی۔ جب شہر کے باہر گاڑی پہونچی تو بیگم صاحب سبزۂ زار کی کیفیت دیکھنے لگیں۔ آج عجب دل لگی ہوئی۔ پہلے تو ایسے شخص پر ان کی نظر پڑی جس کو یہ لڑکپن کے زمانے میں پیار کرتی تھیں۔ دیکھ کر آہ سرد کھینچی اور کہا اگر میں راہ راہ چلتی تو اس وقت اس کی بیوی ہوتی۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ یہ ہمارا کہنا مانے۔ ایک وہ وقت تھا کہ یہ بھی ہزار جان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے عاشق تھا۔ مگر اب اللہ رکھی کے ساتھ کوئی بھلا مانس کاہے کو نکاح پر راضی ہونے لگا۔ اس خیال نے ان کو کمال افسردہ کر دیا اور ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

دُلھن جان: کیوں۔ کیوں۔ اے بہن خیریت تو ہے۔ ایں۔ ماجرا کیا ہے؟

بیگم: کچھ نہیں۔ آپ ہی آپ آنسو نکل پڑے، اور کوئی وجہ نہیں ہے۔

دُلھن جان: نہیں بہن ہم نہ مانیں گے۔ یہ آنسو بے وجہ نہیں ہیں۔

بیگم: بہن اپنا حال کیا کہیں، کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اللہ ہی ہمارا مالک ہے۔ اب اور کچھ نہیں چاہتے۔ بس اتنا چاہتے ہیں کہ کہیں جلدی سے کسی اور ہی کی موت نہیں آجائے۔

دُلھن جان: کوئی بات یاد آئی ہے۔ پھر یہ تو ہوتا ہے (آہِ سرد)۔

بیگم: اس وقت ہم نے کیا جانے کسی کو دیکھ لیا ہے۔ اور دل پر کس طرح کی اس وقت گزرتی ہے کہ ہم ہی جانتے ہیں۔ افسوس!

ثریا بیگم نے کئی بار اس مرد خوش رو پر نظر ڈالی اور کئی بار آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ دُلھن جان کو کیا معلوم تھا کہ اصلیت اس کی کیا ہے۔ تھوڑی دور پر جا کر ثریا بیگم نے آواز سنی۔ (حضور تو عقل کی دشمن ہیں) دیکھا تو ہنس دیں۔

دلھن جان نے کہا ایں ایک آنکھ سے ہنستی ہیں اور دوسری آنکھ سے روتی ہیں۔ اب کس کو دیکھا جو ہنسیں۔ بیگم صاحب نے کہا کہہ دوں گی ذری ٹھہر جاؤ۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا۔ ابے تو بالکل گوکھا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا۔ گوکھا ہوں۔ اچھا مانا گوکھا سہی، مگر تم تو ہم سے بھی بدتر ہو بسلام۔ اس پر اس نے جواب دیا۔ سلارو قسم ہے ابا جان کی تربت کی۔ واللہ ایک دن تم کو مار ہی ڈالوں گا۔ تو اور ہمارا مقابلہ کرے۔ سلارو بولے۔ اجی ہم تو مقابلہ کریں آپ کے باپ سے بلکہ آپ کے باپ کے باپ سے، مگر ہم سچے خیر خواہ ہیں۔ اس پر ثریا بیگم اور بھی ہنس پڑیں۔

ناظرین با تمکین سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ دونوں کون تھے۔ ایک میاں سلارو یعنی سالار بخش۔ دوسرے بی شبو جان کے عاشق زار ریونیو ایجنٹ۔ سلارو کے اور ان کی خوب نوک جھوک ہوئی۔ سلارو نے کہا پیر و مرشد ہم وہ خدمت گار ہیں جو باپ بن کے آقا کے ہاں رہتے ہیں۔ تو اس حساب سے ہم باپ اور آپ ہمارے بلند اقبال صاحبزادے ہوئے۔ اب صاحبزادے ہو کر اگر تعظیم کرو تو ہم سے کیوں کر بنے۔ ریونیو ایجنٹ نے جھلا کر کہا۔ سنتے ہو جی یہاں اتنے آدمی ہیں۔ اس وقت اس سے چھوڑے دیتا ہوں نہیں تو قتل کر کے رکھ دیتا۔ سلارو مسکرا کر بولا۔ ہونہہ قتل کر کے رکھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیتے۔ میں کیا اتوں ہوں کہ سب کے سامنے کہہ دیتا۔ مگر دیکھ لیا تھا کہ اغل بغل کوئی ہے تو نہیں۔
اتفاق سے وکیل صاحب کی نظریں گاڑی پر پڑی۔ کہا سلارو ذری دیکھو تو اس گاڑی پر کون رشکِ پری جلوہ گر ہے۔ سلارو نے کہا حضور میں پھٹے حالوں ہوں۔ غریب آدمی، حضور ہی جائیں۔ حضور ذرا بھاری بھر کم بھی ہیں، اور کپڑے بھی اچھے اچھے پہنے ہیں۔ حضرت پو قدمے چلے۔ گاڑی کے قریب آن کر کوچمین سے پوچھا۔ یہ کس کی گاڑی ہے۔ کوچمین پنجاب کا رہنے والا تھا، اور جھلا آدمی، اور طرہ یہ کہ پٹھان۔ ایک کڑوا کریلا، دوسرے نیم چڑھا۔ اس نے جھلا کر کہا کیوں تم کو کیا؟ تم سے کیا واسطہ۔ کس کی گاڑی ہے۔ اب سلارو کی شرارت دیکھیے کہ ادِھر تو کوچمین نے ان کو للکارا اُدھر سلارو نے کہا ہاں جی تم کو اس سے کیا واسطہ کہ کس کی گاڑی ہے، اور دیکھتے کیا ہو کہ سواریاں ہیں مگر ڈٹے کھڑے ہیں بے بس اب وہاں سے چلو۔ بہت اکھڑپن نہیں اچھا ہوتا۔ ابھی جو کوئی ان کا عزیز ان کے ساتھ ہوتا تو معاذ اللہ اُنکے اتنا ٹھونکتا کہ سٹی پٹی بھول جاتی۔ دل لگی نہیں ہے۔ تم وہاں کھڑے ہونے والے کون ہو۔ رونیو ایجنٹ کو ایک تو یہی غصہ تھا کہ کوچمین نے ڈپٹا۔ دوسرے یہ رنج ہوا کہ سلارو نے پاجی بنایا۔ صلواتیں سنائیں۔ برا بھلا کہا۔ نہایت غیظ کے ساتھ سلارو کو گھورا۔ ثریا بیگم کی روح پر صدمہ کہ کہیں کھُل نہ جائے۔ رونیو ایجنٹ وہاں سے ٹہلے اور یہ شعر زبان پر لائے۔ مگر سلارو کو پاتے تو کھا ہی جاتے۔

طالبِ نظارہ ام پردہ برافگن زرُخ
پیشِ صف راستاں شعبدہ بازی مکن

سلارو بولا۔ بس، ان سے سوائے ان کے کہ للکارے جائیں اور کیا ہوتا ہے، کوچبان نے ڈپٹ لیا۔ یہ نہ ہوا کہ ایک ڈنڈا رسید کرتے۔ کوچمین بولا کچھ بیدھے تو نہیں ہو، اتروں پھر، تم تو ہو بھٹیارے ہم بھٹیارے نہیں ہیں۔ اور منہ نیے گا بدمعاش نامعقول، سلارو نے کہا۔ بھٹیارے تم خود، اس پر کوچمین کوچ بکس سے کود پڑا دھم۔ اُترنا کیسا۔ کود ہی تو پڑا۔ مرزا صاحب نے غُل مچا کر کہا ہاں ہاں او کوچمین قریب تھا کہ کوچمین میاں سلارو کی گردن ناپے مگر ثریا بیگم سلارو کی مشکور تھیں۔ عباسی کو حکم دیا کہ کوچمین کو پکار لو۔ عباسی نے جھنجھلا کر کہا۔ تہور خاں ارے تہور خاں، سرکار کہتی ہیں چلے آؤ۔ کوچ بکس پر بیٹھو۔ خدمت گار نے سمجھا بجھا کر فیصلہ کر دیا تو سلارو کیا کہتے ہیں۔ اس وقت ان میاں کوچمین کی قضا آگئی تھی ہڈیاں پسلیاں توڑ کے دھر دیتا۔ ثریا بیگم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ مگر اس فقرے نے ان کو سخت ملول کیا کہ کوچمین اور سلارو، دونوں نے بھٹیارا بنایا۔ سوچیں اگر اس وقت ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بیگم صاحب تو اس ٹھسّے سے ڈکرٹی پر سوار ہیں۔ ابھی کل تک سرا میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اللہ رکھی کے نام سے مشہور تھیں تو اس قدر نفرت کرنے لگیں۔

زینہار از قرین بد زنہار

وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

رسوم مذموم اور صحبت بد نے ثریا بیگم کو سرائے بھی دکھائی۔ بصید الم بھی کیا اس بوڑھے کھوسٹ نے پیرانہ سالی میں بیاہ کر کے ان کی مٹی خراب کی بوڑھے منہ مہاسے لوگ چلے تماشے۔

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است

از شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

ان کے والدین نے تو بیچ کھاری کنویں ہی میں ڈبو دیا۔

الغرض گاڑی روانہ ہوئی۔ ڈیوڑھی پر آئی۔ دلھن جان اور بیگم صاحب پہلے اتریں۔ اس کے بعد عباسی اور مغلانی۔ کوٹھوں پر اس قدر چھڑکاؤ ہوا تھا کہ گرمی کا نام نہ تھا۔ ایک پلنگ پر دُلھن جان لیٹیں۔ بیگم صاحب آرام کرسی پر بیٹھیں۔ تو دُلھن جان نے کہا کہ شہر میں ایک شادی بڑی دھوم سے ہونے والی ہے۔ ثریا بیگم نے پوچھا کہاں؟ کیا اسی شہر میں مرزا ہمایوں فر شہزادے کا نکاح ہوگا۔ دیکھنا کیسی دھوم سے برات آتی ہے۔ بڑی بیگم جو اس محل میں رہتی ہیں۔ وہ رہتی نہیں ہیں شہر کے باہر ندی کے پاس اُنھیں کی لڑکی کے ساتھ۔ ثریا بیگم سمجھیں کہ حسن آرا کی شادی ہونے والی ہے۔ دل میں خوش ہوئیں کہ اگر اب آزاد آئے تو ہمیں ہم ہیں۔ مگر جب سُنا کہ سپہر آرا بیگم اس کا نام ہے تو بڑا رنج ہوا۔

اتنے میں مغلانی نے کہا حضور داروغہ جی کے گھر سے آدمی آیا ہے اُن کا پوتا بہت بیمار ہے۔ اللہ شفا دے سو وہ جانتے ہیں۔ ایک لالہ کو عرضی لائے ہیں۔ بیگم صاحب نے کہا لالہ کو بھیج دو اور ذری پردہ کرا دو، لالہ صاحب آئے تو بالکل سن کے سے بال پرانی وضع۔

بیگم: لالہ تمھارا کیا نام ہے۔ بڑے پرانے آدمی ہیں۔

لالہ: حضور! غلام کا نام لالہ خوشوقت رائے۔

راوی: ایں! اخاہ آیئے آیئے! یہ لالہ ہیں خوشوقت رائے، ولد خورسند رائے، ولد لالہ حسین بخش ولد لالہ خورم رائے یہاں کہاں آئے خیر مبارک ہو۔

عُلما کی صُحبت

دونوں وقت ملتے، شہزادۂ بلند ارادہ، سکندر سطوت دارا صولت غرۂ ناصیہ اقبال، منطقہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برُوجِ اِجلالُہٗ مرزا ہمایوں فر بہادر ہوا کھانے چلے۔ ٹمٹم گاڑی پر سوار بائیں طرف کالج کے ایک پروفیسر متمکن تھے۔ مسٹر اے ڈبلیو مورٹن۔ سامنے دو رُفقا۔ راہ میں ہمایوں فر نے شراب کا ذکر چھیڑا، پروفیسر صاحب نے کہا شراب عمدہ چیز ہے، مگر کثرت خراب۔ ممکن نہیں کہ انسان پیے اور کثرت نہ ہو۔ بڑے بڑے لائق فائق آدمی، اور مشہور مشہور پروفیسر، اور علما و فضلا اس شراب خانہ خراب کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ اس پر ایک رفیق نے کہا۔

مَے می خورم و مخالفان از چپ و رَاست ــــ گویند مخور بادہ کہ دین را اَعدا است
چون دانستم کہ می عدوی دین است ــــ یااللہ خورم خونِ عدُو را کہ رو است

ہمایوں فر نے مُسکرا کر پوچھا۔ معلوم ہوتا ہے شوق چرّایا خدا خیر کرے۔ اس تعریف سے تو کچھ اور ہی ثابت ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

کبھی ندامت نہ ہوگی واعظِ شراب گلگوں کی میکشوں سے
زبان سے اس کو بُرا کہیں کیا جسے کہ ہم منہ لگا چکے ہیں

پروفیسر صاحب نے کہا ہم کو افسوس ہے کہ لندن میں بعض عورتیں بعض اوقات بے اعتدالی کر بیٹھتی ہیں۔ لیڈیاں نہیں عام عورتیں۔ لندن میں اس سے زیادہ تر نفرت دینے والی چیز اور کوئی نہیں کہ جوان اور بوڑھی عورتوں کو شراب پی کر گرتے پڑتے دیکھے۔ مگر اب کی جو ہم رخصت لے کر سات برس بعد گئے تو دیکھا کہ اب یہ بدبختی کم ہوتی جاتی ہے۔ اب وہاں شراب خوری کے خلاف کمیٹیاں قائم ہوتی جاتی ہیں۔ ان کو ٹمپرنس سوسائٹی کہتے ہیں۔ اس کے ممبر شراب نہیں پیتے۔ ایک رفیق نے کمالِ حیرت سے پوچھا۔ واللہ وہاں بھی ایسے لوگ ہیں جو شراب نہیں پیتے۔ سخت استعجاب ہوا۔ ہمایوں فر نے مُسکرا کر کہا۔ کیوں اس میں تعجب کی کون بات ہے۔ کیا فرض ہے کہ ولایت میں سب کے سب انتہا کے مے خوار ہوں۔ مرزا ہمایوں فر نے پوچھا۔ آج کل گرمی کے دنوں میں کس قسم کی شراب پینی چاہیئے کہ پروفیسر نے فرمایا۔ ہمارے نزدیک آج کل سوڈا، لیمونیڈ، ٹانگ، ٹربرف کے ساتھ۔ شراب کا پینا بُرا۔ برانڈی آگ ہے۔ وسکی گو اچھی چیز ہے مگر پھر تیز ہے۔ اولڈ ٹام سرد ہے۔ جن۔ بالکل سرد۔ انتہا کی ٹھنڈی۔ بچوں کی بنتی ہے۔ وہ آج کل گرمی میں پی جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر پیے، تو شامپین، ہاک، ممونٹیل، جو لوگ شراب خور ہیں، اور دائم الخمر وہ بے پیے نہیں رہ سکتے۔ جو چاہیں پئیں شراب ان کا خمیر ہے، مگر ذرا بے اعتدالی کی، اور گئے گذرے۔ رفیق نے کہا یوں خداوند اس فصل میں بھی روز پی سکتا ہے۔ انسان پھُنک جائے۔ پروفیسر صاحب نے جواب دیا کہ ہر فصل کے لیئے شرابیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مگر جس نے عاقبت اندیشی کے ساتھ پی، وہ اچھا رہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شراب کے مفید ہونے میں شک نہیں مگر درجۂ اعتدال سے بڑھی اور انسان گیا گزرا۔
ہمایوں فر نے کہا۔ کیوں صاحب شراب شیراز کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ صاحب مُسکرا کر بولے۔ ہم کو پسند نہیں۔ مگر ہاں چچا اور والد بزرگوار اور کئی دوست بڑی تعریف کرتے ہیں۔ میٹھی شرابوں میں ہم کو کیورلیوز یادہ پسند ہے۔ ہمایوں فر نے پوچھا۔ آپ آج کل کس قدر پیتے ہوں گے۔ کہاوں صبح کو چار اور کچھ نہیں۔ دوپہر کو سوڈا اور وینڈیگر جس وقت ہم ہوا کھانے جاتے ہیں۔ ایک پگ سوڈا کے ساتھ وہسکی کا پی لیتے ہیں۔ اور جب وہاں سے واپس آتے ہیں۔ تو کھانے کے ساتھ ایک پگ وہسکی اور آدھی بوتل شاہپین کی روز پیتے ہیں۔
حضور بھلا کوئی شراب ایسی بھی ہے جس میں نشہ بالکل ہی نہ ہو۔
ہمایوں فر: واہ ایسی شراب کیوں کر ہو سکتی ہے۔ نشہ ضرور ہوگا۔
پروفیسر: نشہ سب میں ہے، مگر کم وبیش۔ بعض بعض میں نشہ تو نہیں ہے۔ مگر نشے کا سا لُطف حاصل ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثل نشے کے لُطف ہے۔ بس۔
رفیق: اور ناڑی میں کیا بات ہے۔ بس ٹھنڈی ہوتی ہے۔
پروفیسر: (ہنس کر) وَل۔ ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ تاڑی کیسی ہوتی ہے۔
ہمایوں فر نے کہا پروفیسر صاحب ابرف کی اصل کیا ہے۔ یہ برف کیا شئے ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا۔ ٹھنڈی ہوا کی برودت سے بخارات منجمد ہو جاتے ہیں۔ اُنھیں اجزوں کو برف کہتے ہیں۔ سردی کے دنوں میں برف زمین کو گرم رکھتی ہے۔ نباتات سرسبز اور شاداب ہو جاتے ہیں۔ ورنہ پالا مار جاتا ہے۔ گرمی کے دنوں میں جب برف اوپر سے گرتی ہے تو زمین کے قریب کی ہوا حرارت کی وجہ سے اُس کو پگھلا دیتی ہے۔ جب بیچ ہی میں آتے آتے پگھل گئے تو زمین پر بصورت برف نہیں گرتے۔ تازہ تازہ برف کا وزن پانی کے وزن سے بارہ حصّے زیادہ ہے۔ بحر شمالی میں برف کا رنگ سُرخ اور بعض اوقات سبز ہوتا ہے، وجہ یہ کہ وہاں کی برف میں سُرخ اور سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ بحر شمالی کے اکثر مقامات میں پہاڑوں پر سے برف کے بہت سے ٹکڑے بہہ کر چلے جاتے ہیں۔ وہاں اور ٹکڑوں سے مل کر اور اِدھر اُدھر منجمد ہو کر بہا کرتے ہیں۔ پہلے پہل جب انسان ان ٹکڑوں کو سمندر میں بہتے ہوئے دیکھتا ہے تو متحیر ہوتا ہے کہ یا الٰہی یہ کیا چیز ہے۔ بعض اوقات یہ تودے ایک سو اسّی ۱۸۰ فیٹ سے ۲۱۰ فیٹ تک بلند ہوتے ہیں۔ ان تودوں پر ریچھ اکثر کود جاتے ہیں۔ جب کبھی کشتی ان تودوں کے قریب آجاتی ہے تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوراً اُچک کر کشتی پر ہو رہتے ہیں۔ بعض اوقات اس زور سے کودجاتے ہیں کہ کشتی اُلٹ جاتی ہے۔ اگر بغرضِ مُحال کشتی نہ اُلٹی تو غریب جہاز والے بہ مجبوری اس پر بیٹھے رہتے ہیں۔ خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ کسی طرح جان بچے، اور مصیبت رفع ہو۔ ایک مرتبہ چند صاحب جہاز پر سوار ہو کر نیل مچھلی کا شکار کھیلتے ہوئے ایک برف کے تودے کے قریب آنکلے۔ دفعتہً کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا سا جھبرا ریچھ اس پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک قدر انداز نے فوراً اُس پر گولی چلائی اور زخمی کیا، زخم کا کھانا تھا کہ بلائے بے درمان کی طرح ریچھ بڑی آوازِ ہولناک سے چیخ کر ان کی طرف جھپٹا۔ قبل اس کے کہ وہ کشتی تک پہنچے، ایک گولی چلنے نے پھر گولی سر کی جو ریڑھ کی ہڈی توڑ کر پار ہوگئی۔ یہ تودے اسّی سے سَو فیٹ تک اونچے ہوتے ہیں جب کہ آفتاب کی حرارت سے پگھل کر اس کے ٹکڑے ادھر اُدھر پھیلتے ہیں تو حقیقت میں عجیب لطف اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔

ہمایوں فر کو یہ بیان نہایت دلچسپ معلوم ہوا۔ آدمی علم دوست تو تھے ہی۔ سوچے کہ ایسے لائق آدمی کی صحبت جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر بہتر ہے۔ پوچھا کیوں جناب یہ جنگل کے کاٹنے کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ پروفیسر صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے نزدیک جنگلوں کا کاٹنا مصلحت کے خلاف ہے۔

فرانس کے اکثر صوبوں کی زمین بوجہ کٹ جانے جنگل اور باغات کے بالکل زرخیز نہیں رہی۔ اب قابلِ زراعت بھی نہیں رہی۔ وہاں برسات بہت کم ہوتی ہے۔ لہٰذا زمین شاداب اور زرخیز نہیں۔ ایک بنگالی بابو کی رائے ہے کہ باغات کو وُسعت دینا اس صوبے کے واسطے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ کیوں کہ یہ بات ایک صدی کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ جس قدر جنگل اور باغات یہاں کٹے جاتے ہیں، اُسی قدر برسات کم ہوتی ہے۔ زمین کی زرخیزی جاتی رہتی ہے کیوں کہ جب جنگل اور باغات زیادہ ہوتے ہیں، تو درخت برسات کا پانی سوکھ لیتے ہیں۔ اس طرح سے بہت کثرت سے پانی درختوں کے ذریعے سے زمین میں قائم رہتا ہے۔ اُس کے ارد گرد کی زمین زرخیز اور شاداب رہتی ہے۔ جب جنگل اور باغات کٹ جاتے ہیں تو برسات کے پانی کا زمین میں روکنے والا کوئی نہیں رہتا اور پانی تمام بہہ کر ندی نالوں میں چلا جاتا ہے۔ زمین آفتاب کی تپش سے بالکل جل کر ویران ہو جاتی ہے۔ اس ملک میں برسات بھی کم ہوتی ہے۔ ہم اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں، ہمایوں فر نے ثوابت کا حال پوچھا تو پروفیسر صاحب نے کہا ثوابت شمار میں بہت ہیں مگر بلا اعانتِ دوربین ۳۰۰۰ تک نظر آتے ہیں۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے دوربین کے ذریعے سے ۱۵ منٹ میں ایک لاکھ سولہ ہزار ستارے دیکھے تھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سیلنڈر میں ۱۳۰۸ سیارے معائنہ کیئے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ غلط ہے۔ مگر اس قدر ضرور کہیں گے کہ قرین قیاس ہیں کیوں کہ اسی زمانۂ قلیل میں سیارہ ہائے کثیر المقدار کا دیکھنا اور شمار کرنا ذہن قبول نہیں کرتا۔ بیشتر جو سیارے زمانہ سلف میں علماء متاخرین نے معائنہ کیئے تھے، اب بالکل غائب ہیں، دیکھ نہیں پڑتے۔ ثوابت ادھر ادھر چھٹکے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بہت سے مل کر گچھے کی طرح ہیں۔ اکثر سیارے جو دیکھنے میں فرد فرد معلوم ہوتے ہیں۔ دور بین کے ذریعے سے ظاہر ہوا ہے کہ تین تین، چار چار، ایک ایک میں ملے ہیں۔ اگر کوئی ایک منٹ میں بیس میل جائے تو ایسے ثوابت سے جو زمین سے بہ نسبت اور ثوابت کے قریب تر ہیں۔ توپ کا گولہ ۱۵ لاکھ سال میں پہنچے۔ کہکشاں جو آسمان پر نظر آتی ہے، صرف ثوابت ہیں جو یکجائی قرینے اور اجتماع یکدیگر سے شکل مختلف نمایاں ہیں۔ اکثر صاحب متحیر ہوں گے کہ دور حالیکہ زمین تک نہ ثوابت کی روشنی آسکتی ہے نہ ان سے کسی طرح کا فائدہ اس کرّے کے باشندوں کو پہونچ سکتا ہے۔ پھر خدا نے ان کو کس مصلحت سے پیدا کیا۔ پر ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فعل خالی از حکمت اور خلاف مصلحت نہیں۔ اگر ہم سمجھ نہ سکیں تو یہ ہمارے فہم کا قصور ہے۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ تمام عالم کی اشیاء ہمارے کرۂ زمین ہی کی منفعت کے لئے پیدا کی ہیں ایسے بہت سے کرّے ہیں جن سے ہم لوگ بالکل ناواقف ہیں۔ بس ثوابت سے ان کو کسی نہ کسی طرح کا فائدہ ضرور ہی ہوتا ہوگا۔ اس قدر ثوابت کو کریم کارساز نے محض بے کار پیدا کیا ہو، یہ ہرگز قرین قیاس نہیں۔

ہمایوں فر: افسوس ہے کہ اردو فارسی میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس سے یہ باتیں ظاہر ہوں۔

پروفیسر: وہ ہمارے کالج میں لڑکوں کو ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ شمس الضحیٰ۔ اس میں یہ سب باتیں لکھی ہیں[1]۔

ہمایوں فر: ہاں۔ تو کل ہی منگواؤں گا۔ مفید کتاب ہوگی۔

رفیق: حضور میں کتب فروشوں سے لیتا آؤں گا۔

پروفیسر صاحب نے دریافت کیا کہ آپ بارش کے اسباب سے واقف ہیں۔ ہمایوں فر نے کہا ہم لوگوں کو علم ادب اور منطق اور شعر و سخن کا زیادہ شوق رہتا ہے۔ علم طبیعات کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے، مگر آپ مہربانی کرکے یہ باتیں سکھا دیجیے۔ ہوا کھانے روز ساتھ چلا کریں اور راستے ہی میں باتیں ہوتی جائیں۔ پروفیسر نے منظور کر لیا اور اسباب بارش یوں بیان کیے کہ زمین اور سمندر کے بخارات کو شمس بذریعہ شعاع اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جب انجرۂ مذکور متصاعد ہوتے

[1] شمس الضحیٰ۔ سرشار کی تصنیف ہے جو سائنسی مضامین پر مشتمل ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں تو رفتہ رفتہ کرۂ زمہریر کے قریب پہونچتے ہیں، جہاں ہوا سرد ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ برودت اشیا کو منجمد کر دیتی ہے، بس یہ بخارات منجمد ہو جاتے ہیں۔ بارش کی کثرت و قلت سب ملکوں میں یکساں نہیں۔ کہیں زیادہ مینہ برستا ہے کہیں کم۔ جو ملک خطِ استوا کے قریب ہیں اُن میں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ اور جس قدر خط مذکور سے قطبین کی طرف دور ہو جاؤ گے اسی قدر بارش کم پاؤ گے۔ افریقہ اور امریکہ، اور ایشیا کے صحراؤں میں پانی کبھی برستا ہی نہیں۔ بعض مقامات پر نہایت ہی قلیل اور برعکس اس کے بعض ممالک میں بارہوں ماس برستا ہے۔ ساحل پیرو اور ملک میکسیکو کے بعض میدانوں اور فارس اور عرب کے جنگلوں، اور صحرا اعظیم افریقہ، اور کوبی میں بارش مطلق نہیں ہوتی۔ گیانا کے بعض حصّوں میں نو دس مہینے تک برابر برسا کرتا ہے۔ ملک برما میں بارش ہونے کا سبب یہ ہے کہ ملک مذکور بحر کے قریب ساحل سے بخطِ مُتوازی واقع ہے۔ کوہِ اَنڈیز کی مُرتفع چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ جب بادِ شرق بحر اطلانٹک سے ہوتی ہوئی بحر الکاہل کی طرف جاتی ہے تو کوہ مزبور سے ٹکراتی ہے اور ایسی سرد ہو جاتی ہے کہ رطوبت بالکل باقی ہی نہیں رہتی۔

مرزا ہمایوں فرنے پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ آج تک ہوا کھانے میں وہ لطف نہیں حاصل ہوا تھا جو آج حاصل ہوا۔ اتنی باتیں معلوم ہوئیں، اگر آپ کے خلاف نہ ہو تو ایک بات دریافت کروں؟ پروفیسر نے کہا میں بہت خوشی سے سُنوں گا۔ پوچھا آپ کالج میں کیا تنخواہ پاتے ہیں۔ کہا ساڑھے چھ سو۔ ہمایوں فرنے خواہش ظاہر کی کہ پروفیسر صاحب کو نوکر رکھیں ہوا کھانے کے وقت ایک ساتھ جایا کریں" اور مکان پر ایک گھنٹہ پڑھایا کریں۔ ایک سو روپیہ اس کا معاوضہ قرار دیا۔ پروفیسر نے منظور کر لیا۔ واقعی مرزا ہمایوں فرکو خوب ہی سوجھی۔ ایسے لائق پروفیسر کی صحبت سے بہت کچھ فائدہ حاصل کریں گے۔ صحبت نیک کا کیا کہنا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ ع۔ ز قرب لالۂ از یاقوت رنگین تر بود شبنم۔ اس لائق فائق اور اعلےٰ درجے کے تربیت یافتہ آدمی کی ایک گھنٹے کی صحبت میں ہمایوں فرکو اتنی باتیں معلوم ہوئیں اگر سال دو سال صحبت رہے تو سبحان اللہ ایک ہندی شاعر (کب راج) کا قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ صحبت نیک کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مصری کے ساتھ لکڑی بھی ہم وزن بکتی ہے، ورنہ مصری کے مول لکڑی کو کون خرید کرتا۔

ہمنشین تو از تو بہ باید
تا ترا عقل و دین بیفزاید

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پری کو شیشے میں اُتارا

معشوق صبح جبین وعشوہ آئین، یعنی روس کی خاتون ناز آفرین نے اپنی داستانِ جانکاہ کیا سنائی کہ مس متیڈا کے ہوش وخرد پر بجلی گرائی۔ اب کل آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ سوچی کہ یہ عُروس فتنہ تمثال آزاد بازو خلکن رویئں تن کی اس درجہ جانی دشمن ہے۔ مفر کی کوئی صورت نہیں۔ اس اسیر زندان بلا کی رہائی محال ہے۔ روس کی حور ملک نظر فریب نے یہ گریہ وزاری کہا کہ میں بھی چند روزہ مہمان ہوں۔ دل گواہی دیتا ہے کہ اب اس جہاں گزراں سے چل چلاؤ ہے۔ ایسا صدمہ اٹھایا کہ جان پر بن آئی۔ وہ غمزہ راحت گداز و نازک انداز، جس وقت یاد آتا ہے، برچھی سی جگر کے پار ہو جاتی ہے۔ کل تک مکانِ عشرتِ ستان تھا۔ اب غم کدہ بن گیا۔

آج میرا پیرِ مُغان کیا ہوا — کل جو بندھا تھا وہ سماں کیا ہوا
ساقی و مُطرب نظر آتے نہیں — جاکے چھُپے ہیں کدھر آتے نہیں
آج یہاں ہوتی ہے کچھ عقل گم — شیشہ نہ بادہ نہ صراحی نہ خُم
قلقلِ مینا ہے نہ چنگ و رَباب — ناک میں آتی نہیں بوئے کباب
کیا ہی برستی ہے یہاں بے کسی — مے کدہ اور ایک جہانِ بے کسی
ایک اُداسی سی فقط چھائی ہے — خیر ہے کچھ فصلِ خزاں آئی ہے

ایک دن ہنسی ہنسی میں میں نے کہا تھا کہ جانانِ من آج اگر وصل کی نہ ٹھہری تو ہم بھی نہ ہوں گے۔ اس فقرے کو سُن کر اُس جوان مرگ کا دل بھر آیا۔ میں نے کہا سچ کہتی ہوں، میری زندگی کا دار و مدار تمھارے برتاؤ پر ہے۔ مان لو جی جاؤں ورنہ لبِ گور سے میرے لئے صدائے مرحبا بلند ہے۔

ما عاشقِ زار جوہر حرفِ خودیم — شیرازۂ ربط و فتر حرف خودیم
آن نیست کہ از گفتۂ خود برگردیم — چون نقطہ ہمیشہ بر سر حرفِ خودیم

جو کہا وہ کر دکھاؤں گی جس پر جان دیتی تھی، وہی نہیں رہا تو اب میں جان کو لے کر کیا کروں گی۔

چنان کاندر دل ما غم نہاد از بردنش گردون
بیاز آور دنِ او آور دزا نجا خدا بیرون

یہ کہہ کر مس کلیر سا بے اختیار زار زار رونے لگی۔ گل عارض پر اشکِ حسرت آلودہ جاری ہوگئے۔ یہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معلوم ہوتا تھا کہ گلاب کی پنکھڑیوں پر شبنم ہے۔

مرا سیماب اشک از دیدہ ہر دم کم نمی باشد
بیاض دیدہ ام صبح است بے شبنم نمی باشد

مس میٹڈا کا دل تو بھر آیا ہی تھا۔ کلیرسا کو روتے دیکھ کر اُن کی چشمِ فتنہ بر داز سے بھی اشکِ بے آرام ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

می دَود اشکِ یتیمی بسکہ بر رخسارہ اش
سینہ چون کشتی بدریا میزند گہوارہ اش

دونوں جادو جمال یوسف تمثال مہوشان زرین کمر کی آنکھیں، اشکِ فشاں تھیں۔ اپنے اپنے محبوبِ مطلوب کو یاد کر کے دونوں گریہ کناں تھیں۔ ایک کو یہ غم کہ جوانِ عنبرین مُو مرغزارِ پُر بہار میں ہمیشہ کے لیئے خواب نازبین ہے۔ ع۔ کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔ دوسری کو خیال کہ آزاد صَف شکن قیدِ فرنگ میں ایسا پھنسا کہ اب چھٹکارا مُحال ہے۔ خدا جانے کن کن جنگلوں اور بلا خیز کوہ دوشت اور برفستان میں بسر کرے گا۔ دونوں فرطِ رنج و اَلم سے نوحہ کُناں تھیں۔ دونوں وفورِ غم سے اشک ریزاں تھیں۔ مٹیڈا کو روس کی خاتون صبح چہرکے افسوس و حسرت کا سبب بخوبی معلوم تھا مگر کلیرسا اس حال سے بالکل ناواقف تھیں کہ ان کے محبوب یوسف لقا کا قاتل وہی شخص ہے، جس کو میٹڈا پیار کرتی ہے اور جس کے صدمۂ مفارقت سے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہے۔ عشقِ ستم پیشہ نے دونوں کو صیدِ الم کر دیا۔ دونوں پریاں جوانانِ سبزہ آغاز کی عاشق تھیں۔ اور یہ معلوم ہی نہ تھا کہ

نیست آسان عشق باخوبان لوخط باختن
تختہ مشق و عتاب و ناز بیبا یدشدن

کلیرسا نے آہ کلفت آشنا بھر کر کہا۔ افسوس تو یہ ہے کہ دل کھول کے باتیں نہ ہونے پائیں۔ عُجلت میں گُلِ عارض کا اچھی طرح بوسہ بھی نہ لے سکی۔ ہائے افسوس ایک بوسہ بھی نہ لیا اچھی طرح۔

دائم غمِ نخوردن یک بوس می خورم
بوسہ نخوردہ ام زتو افسوس می خورم

کلیرسا کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کُل اشیا تیرہ و تار نظر آتی تھیں۔ بار بار ٹھنڈی سانسیں بھرتی جاتی تھیں۔ دل ہی دل میں سوچیں آیا الٰہی اب بھی کبھی وہ دن آئیں گے کہ وہ ہم کو اور ہم ان کو نظر بھر کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیکھنے پائیں گے۔ ہائے کیا دن تھے اور کیا راتیں تھیں۔

اُٹھے لطف جب تک کہ طالع رسا تھے ہم اُن پر تصدق وہ ہم پر فدا تھے
نہ تھا چین جب تک کہ اُن سے جدا تھے وہ آزاد ہم زندگی سے خفا تھے
نہ پوچھو جوانی میں پیری کا قصہ وہ دن کچھ اور تھے وہ عالم جدا تھے
وہ بیگانے ہیں اب تو بیگانے ہیں سب جو وہ آشنا نہ تھے تو سب آشنا تھے

مس کلیرسا، اور مئیڈا کی صلاح ہوئی کہ اب یہاں سے چلنا چاہیئے۔ دونوں برق شتاب گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور چلیں۔ ایک کج کلاہ، دوسری جادو نگاہ، جلوہ دار غیرت مہر و ماہ۔ ایک کا سمند صبح پیشانی گرم جولان۔ دوسری کا اسپ صرصر رنگ برق سے ہم عنان تھا۔ زنان طاؤس جلوہ گھوڑوں پر سوار ہمراہ رکاب تھیں۔ دریا کے کنارے کنارے کمال لطف و نشاط اور غایت فرحت و انبساط سے جاتی تھیں۔ باد عطر بیز کی لپٹیں دماغ کو عطار کا طبلہ بناتی تھیں۔ چلتے چلتے مزار کے قریب آئے۔ اس طرح گھوم گھام کے آئے تھے کہ پھر قبر کا سامنا ہوا۔ لب گور سے گویا عالم بے کسی میں یہ آواز آتی تھی۔

قیس و فرہاد جو اس عہد میں زندہ ہوتے
پیتے دھو دھو کے مرے سنگ لحد کا تعویذ

ناظرین خود سمجھتے ہیں کہ مس کلیرسا بیچاری کی اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی۔ مزار کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتری، اور بے اختیار سر اور سینے پر دو ہتڑ لگایا، اور اس قدر روئی کہ ہچکیاں لینے لگی۔ اس مقام پر مس مئیڈا نے اس کو خوب سمجھایا۔ دلاسا دیا اور اونچ نیچ دکھایا۔ مگر کلیرسا کی آتش جنون کے ساتھ نصیحت باد تند کا کام کرتی تھی۔ وہ خدا جانے کس دُھن میں تھی۔

مس کلیرسا نے اس حالت قلق و جنون میں مئیڈا سے کہا: دیکھو اسی جوان رعنا کے عشق میں ہم مبتلا تھے۔ کل تک ہماری زندگی کا باعث تھا۔ آج ہماری مرگ کا سبب ہوگا۔ بیمار تو بیمار مُردہ اس کے لب جان بخش سے جی اُٹھتا۔ مگر اس انقلاب سے خدا سمجھے کہ وہ خود ہی تہ زمین ہے:

مسیحا تو تم تھے اے جان جان سارے مریضوں کے
نصیب دشمنان کیوں ہو گئے بیمار کیا باعث

اُس گل رخسار کی شمیم اب صبا نہیں لاتی۔ وہ چاند سی صورت اب دیکھنے میں نہیں آتی۔ عشرت کدہ اب ویران ہے۔ شیشۂ عیش پر سنگ الم ایسا صادمہ ہوا کہ چکنا چور ہو گیا۔ سوچے تھے کہ اس گل بدن کے وصل سے شگفتہ دل ہوں گے۔ مگر دل کی کلی بن کھلی ہوئی مرجھا گئی۔ گلشن طرب پر یاس و نومیدی کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کالی کالی گھٹا چھا گئی۔ سوچتے کیا تھے ہوا کیا۔

مصیبت میں دل کو پھنسا کر چلے
ہم آئے تھے کیا کرنے کیا کر چلے

وہ عروسِ عربدہ جو آٹھ آٹھ آنسو روئی۔ اور اس مرغزار میں قبر کے قریب گر پڑی۔ جلوداروں نے سمجھایا اس کے بعد وہ خستہ جگر قبر کو چومنے لگی۔ مس میڈا بھی فرسِ تُند خو ایک تنۂ درخت سے باندھ کر قبر کے پاس آئیں۔ مس کلیرسا کے ہاتھ کو اپنے دستِ سیمیں میں لے کر یوں گرم گفتار ہوئیں۔ سنو بہن۔ تمھارے دل پر اس سانحۂ ناشدنی اور واقعۂ نادیدنی سے جو اثر ہوا۔ اس سے میں خوب واقف ہوں۔ مگر اس درد کی دوا کس کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں۔ یہی درد تو لا دوا ہے۔ موت کا علاج آج تک کسی سے نہیں ہوا۔ سپاہی کا کام یہی ہے کہ تلوار کی آنچ سے نہ جھجکے۔ اگر اپنی ضرب پڑی تو غنیم کا کام تمام کیا' ورنہ چل بسے۔ وہ سپاہی کیا جو میدان کار زار سے بھاگ آئے۔ یا غنیم کو پیٹھ دکھائے۔ یہ جوان رعنا اپنا فرض ادا کر کے جان بحق ہوا' اب زندہ ہونا مُحال ہے۔ اپنی تشفّی کے لئے لبِ جوئبار ایک سبزہ زار میں اس قدر زمین کو علیحدہ کر کے احاطہ کیا۔ اِرد گرد لوہے کی سلاخیں لگائیں۔ مقبرہ بنوایا۔ یہ سب اس لیے کہ اس کی یادگار قائم رہے۔

پختہ مکان کی طرح سے ہے فکرِ گور بھی	انسان جان دیتا ہے آرام کے لیے
رہتا ہے آدمی کا نشان اس جہان میں	بنتی ہے قبر بعدِ فنا نام کے لیے

لیکن تم اپنی زندگی کی کیوں دشمن ہوئی ہو۔ زندگی عطیۂ خدا ہے۔ اس کو ضائع یا برباد کرنا بڑی غلطی ہے۔ عیش اور عشرت میں تو سب ہی زندگی بسر کرتے ہیں، مگر مصیبت اور قلق کے ساتھ صبر اور شکر سے زندگی بسر کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس جوان کی تو یوں ہی بدی ہوئی تھی۔ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ کچھ نہیں۔ تم ابھی وقت میری خاطر سے چلی چلو۔ مس کلیرسا نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ مرغزار کے باہر آئیں۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئیں۔ جب کلیرسا کا اسپِ زرنگار نظر آیا تو میڈا نے حیرت سے پوچھا کہ یہ خیمہ کس کا ہے۔ کہا۔ میرا۔ پشتِ توسن سے دونوں پریاں اتریں اور خیمے میں جا کر بیٹھیں۔ میڈا نے گفتگو شروع کی۔

میڈا نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تمام عمر تمہارے ہی ساتھ بسر کروں۔ اگر مجھے اپنی خدمت میں لے لو تو باعثِ افتخار سمجھوں۔ تمھاری داستانِ حسرت عنوان سُن کر میرے قلب کا عجب حال ہوا۔ مجھ سے تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی۔ مگر مقام مجبوری ہے۔ موت سے کسی کا بس چلا ہے نہ چلے گا۔ میں کوئی ایسی ویسی نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شریف زادی ہوں۔ تربیت یافتہ ہوں۔ امرا کی صحبت میں باریاب رہی ہوں۔ اگر کچھ مضائقہ نہ ہو تو مجھے اپنی خدمت میں قبول کیجیے۔ کلیرسا بولی۔ بہن! صورت شکل، وضع، قطع، لباس، بات چیت، آن بان سے شہزادی معلوم ہوتی ہو۔ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ تم مجھ سے درخواست کرو۔ حسن و جمال، طرزِ کلام، آن بان، لباس، تربیت یافتگی، کسی میں تم مجھ سے کم نہیں ہو۔ پھر میں کس منھ سے کہوں کہ تم مجھے اپنی غلامی میں لو۔ میں اس قابل کہاں ہوں۔ ہاں اگر میری حقیقی بہن کی طرح رہو تو تمھارا گھر ہے۔ دو گھڑی غم ہی غلط ہوگا۔ مگر تمھارا حال مفصّل سُننا چاہتی ہوں۔

میڈا نے اس کا یوں جواب دیا۔ میرا حال! کیا بتاؤں۔ غم کا حال سُنّا کسی کو بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ سُنوگی تو رو دوگی۔ بچپنے میں میرے والدین نے مجھے نازونِعَم سے پالا۔ جب جوان ہوئی تو مجھے کئی باعث سے معلوم ہوا کہ میں حسین ہوں اور حسین ایسی کہ ہزار دو ہزار میں ایک۔ گو یہ غرور اور تعلّی کی بات ہو، مگر اپنا حال سچّا سچّا بتاتی ہوں۔ کوئی غرور سمجھے یا کچھ سمجھے۔

اس سے مجھے بحث نہیں، میرے باپ کے پاس بڑی ہی دولت ہے۔ میں چار چار پانچ پانچ ہزار کے گھوڑوں پر سوار ہوتی اور لباس اس درجہ قیمتی اور بیش بہا پہنتی تھی کہ قسطنطنیہ میں کوئی خاتون میرا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کئی امیرزادے مجھ پر عاشق ہوگئے۔ گو وہ بھی حسین، خوبرو، جوان اور صاحبِ ثروت ہیں۔ مگر میں جیسے خوبرو نوجوان کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی، ویسا نہ ملا۔ ایک فرانسیسی سوداگر کا لڑکا جو نہایت خوبصورت نوجوان مجھ پر عاشق ہوا۔ ہزاروں کا اسباب بھیجا۔ مہینوں آیا گیا۔ مگر مجھے پسند نہ آیا۔ پھر ایک تُرک نے خواہش کی کہ میرے ساتھ شادی ہو۔ میں نے منظور نہ کیا۔ پھر ایک اور فرانسیسی جو نپولین کے نواسوں میں ہے۔ مجھ پر مفتون ہوا، چہرے سے شانِ شہزادگی عیاں ہے۔ لیکن میرا دل اُس پر نہ آیا۔ اس طرح کئی امیرزادے سر پٹکتے رہے کہ شادی ہو مگر میں نے منظور نہیں کیا۔ اتفاق سے ایک ہوٹل میں ایک جوان طرّار سراپا ناز و انداز، نظر پڑا جس پر میں خود عاشق ہوگئی۔ اُس پر میری جان جاتی تھی، اور اُس کی ایک ایک ادا مجھے بھاتی تھی۔ کئی دن تک میں اُس کے ساتھ ایک باغیچۂ دلکشا، اور طرب انتما میں ٹہلی۔ لیکن اپنا مافی الضمیر نہ کہا۔ حیا مانع ہوئی۔ رات کو ہمیشہ اسی ماہ طلعت کو خواب میں دیکھتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہوئی کہ اگر کسی روز دیر سے ملاقات کی نوبت آئی تو مثلِ ماہیِ بے آب تڑپنے لگی۔

کلیرسا بولی مجھے تمھاری داستان میں ایسا لطف آتا ہے کہ غم اور لُطف دونوں اس میں مملو ہیں۔ افسوس ہے کہ تمھاری گفتگو کا نتیجہ خراب ہوگا۔ تمھارے طرز تقریر سے معلوم ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مس مئیڈ "اعمدا" اور قصداً" رونے لگیں اِن کی دلی خواہش تھی کہ کلیرسا کے دل میں جگہ کریں، اور ایسی ہمدردی ظاہر کریں کہ مس کلیرسا اِن کا دم بھرنے لگیں۔ کلیرسا نے اس زنِ خوبرو کو گریہ وزاری کرتے دیکھا تو دل پہ چوٹ لگی۔ اپنے درد کو بھول گئی۔ اس کے آنسو پوچھے اور حکم دیا کہ پنکھا جھلا جائے۔ مئیڈا نے اپنی داستان عُسرت تواماں کا سلسلہ پھر قائم کیا اور یوں کہا۔

جس قدر زیادہ ملاقات بڑھی اُسی قدر زیادہ عشق بھی بڑھتا گیا۔ میں نے ایک روز خود ہی شادی کی خواہش ظاہر کی۔ مگر گول گول صاف صاف نہیں کہا کہ ہمارے ساتھ شادی ہو جائے۔ وہ ذکی الطبع تو تھا ہی۔ تاڑ گیا۔ مُسکرا کر خاموش ہو رہا۔ دوسرے دن میں ضد نہ کر سکی۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ اُس سرو شیر اَنڈام نے انکار کیا۔ مجھے اُس کا اِنکار ایسا بُرا معلوم ہوا کہ بیان نہیں کر سکتی۔ کنواری لڑکی، رئیس زادی اور ایک مرد سے اِس قدر بے تکلفی کے ساتھ کہہ دے، اور وہ انکار کرے۔ میں تو کٹ گئی۔ میرا دل ہی جانتا ہے کہ کس قدر رنج ہوا۔ آخر کار میں نے اُس بے گناہ سے بدلہ لیا اور بے ایمانی کر کے اُس کو قید خانے بھجوایا۔ لیکن۔

یہ کہہ کر مئیڈا نے پھر رونا شروع کیا تو کلیرسا نے کہا۔ نہیں۔ ایسا غضب نہ کرنا۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ داستان جلدی سُنوں، اور پوری سُنوں۔ کہتی جاؤ۔ خاموش نہ ہو۔

مئیڈا نے دیکھا کہ کلیرسا کو یہ روایت، از بس پسند آئی۔ کیوں کہ دلچسپ بھی ہے اور حسرت آلود بھی۔ چونکہ یہ خود صیدِ حسرت ہے لہذا ایسے قصّے سُن کر اُس کے دل کو تشفی ہوتی ہو گی کہ کوئی ہمدرد بھی ہے صرف میں ہی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئی ہوں۔

مئیڈا نے روایت کا بقیہ حصّہ یوں بیان کیا۔

جب وہ سیم بر زرّین کمر قید ہوا تو میری زندگی اور بھی تلخ ہو گئی۔ رات کی نیند حرام ہوئی۔ دن کا آرام خاک میں ملا، وہ کیا مجھ سے بچھڑا کہ عیش و آرام و راحت سب نے جواب دیا۔

کس کی آنکھیں پھر گئیں جو مے کدہ ویران ہوا
چور ہر شیشہ شکستہ ہے ہر اک پیمانہ آج

وہ بیچارا مصیبت کا مارا حیران و ششدر کہ یا الٰہی کس جرم میں اسیر ہوا۔ بے گناہ آدمی کو ان لوگوں نے مل کر کیوں قید کر دیا۔ اِدھر میں سوختہ دل کڑھتی تھی کہ میں نے یہ کیا غضب کیا۔ مگر میرے دل کے درد سے اُس کو آگاہی ہو گئی۔ میری طرح وہ بھی پھر مصیبت میں پڑا۔

پھر تمہیں بھی دردِ اُلفت کا مزہ حاصل ہو کچھ   میرے پہلو میں جو آ بیٹھو میرے دل کی طرح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دن رات نالۂ شعلہ فشاں اور اشکِ گرم اور چشمِ گریختہ خواب۔ دن رات جوشِ جنون اور اضطراب۔ جب میں نے سُنا کہ قید خانے میں بُرا حال ہے تو رہا نہ گیا دل نے قبول نہ کیا کہ اس بے گناہ پر اس قدر سختی ہو۔ کوشش بلیغ کر کے قید سے رہائی دلوائی۔ الغرض اب اس قدر نوبت آئی کہ میں اور وہ بدستور ملنے جلنے ہوا کھانے لگے۔ قسمت کا ستارہ چمکا۔ وہ بھی بہ اختلاط پیش آنے لگا۔ یہاں تک کہ شادی کا اقرار کیا۔ مگر:

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا
کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا

میرا عیش مکدّر ہو گیا۔ خوشی رنج سے بدل گئی۔ مصیبت نے گریبان، تباہی نے دامن لیا۔ اس گل عذار کا اب کہیں پتا ہی نہیں۔ کوئی کہتا ہے مار ڈالا گیا۔ کوئی کہتا ہے جنگ میں کام آیا۔

اسی قدر بیان کر کے میڈ اگر پڑی اور غش آگیا۔

چند منٹ میں مس میڈا کو ہوش آیا۔ کلیرسا نے تشفّی آمیز باتیں کیں۔ دیکھو بہن۔ تم کو فقط یہ افسوس ہے کہ تمھارے محبوب کا پتا نہیں ملتا۔ اور ہم کو یہ قلق ہے کہ وہ جوان خوشرو جس کے دیدار پر ہماری زندگی منحصر تھی، اب تہ خاک ہے۔ جو تم نے اُڑتی سی خبر پائی ہے کہ وہ خدانہ خواستہ مقتول ہوا، اور ہم نے اُس کو اپنے سامنے زمین کے سپرد کر دیا۔ کتنا فرق ہے، ہمارا ارمان خاک میں مل گیا۔ ہماری آرزوئے دل کا خون ہوا۔

تمھیں ابھی امیدِ روزِ وصل ہے۔ اگر تم نے اب بھی اپنے دل کو قابو میں نہ کیا تو ہمیں سخت ملال ہوگا۔ مس میڈا نے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہا:

کوئی خفا کوئی آزردہ ہو مگر دل کو
تڑپ سے آہ سے فریاد سے فغاں سے غرض

اب تمام دنیا ہمارے نزدیک ہیچ ہے۔ قسم کھائی کہ عمر بھر اسی حالت میں رہوں گی۔ شادی کا نام تک زبان پر نہ لاؤں گی۔

کلیرسا نے کہا۔ بس تو۔ ع۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ میں بھی دو چار روز میں یہاں سے بالفعل کوچ کرنے والی ہوں۔ میرا اور تمھارا ساتھ رہے تو ذرا دل بہلتا ہی رہے گا۔ ہم دونوں ایک ہی قسم کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔

میڈا نے کہا۔ بہن! ہم ابھی کہہ نہیں سکتے کہ ہمارے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ اب ہم کیا کریں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کئی بار دل میں آیا کہ زہر کھالوں، یا کنویں میں کود پڑوں یا دریا میں ڈوب جاؤں۔ مگر اس بے حیائی کی زندگی کے صدقے کہ ان میں سے ایک کام بھی نہ کیا۔ اور دیکھ لینا کسی نہ کسی دن ہماری لاش پاؤ گی۔ یا تمہیں کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ کہاں گئی۔

الغرض مس کلیرسا ایسی محبت کے ساتھ میڈا سے پیش آئی کہ اس کا دم بھرنے لگی۔ حالانکہ مطلب سعدی دیگر ست۔ کوہ قاف کی بری عہد کر کے آئی تھی کہ اس روسی عورت سے بدلہ لوں گی جو آزاد کی مصیبت کا باعث ہوئی۔ مگر یہاں آ کر سوچی کہ بلطائف الحیل کام نکلے تو بہتر ہے۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ دو کاسکوں نے آن کر مس کلیرسا سے ایک تذکرہ کیا، اور وہ یہ ہے۔

حضور کے حکم کے بموجب جب، ہم لوگ آزاد پاشا کو لے گئے۔ دریائے ڈینیوب کے پار شب کو پڑاؤ ہوا۔

اس قدر فقرہ کاسکون نے کہا تھا کہ میڈا کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں مگر سوچی کہ اگر سُنتی ہوں تو راز کھُل جائے گا۔ لہٰذا اِدھر مخاطب نہ ہوئی مگر کان دھر کے سُنا کی۔

دل می رود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ رازِ پنہان خواہد شد آشکارا

ہائے ہائے آزاد پاشا دریائے ڈینیوب کے پار بھیجے گئے۔ اگر کسی ترکیب سے چھٹکارا ہوا بھی تو دریا حائل ہوگا۔ آج کل جنگ کے زمانے میں آنا معلوم۔ اگر بھیس بدلا اور گرفتار ہوئے تو اور بھی زیادہ سخت سزا ہوگی۔

تیاری اور سامان

پرنس ہمایوں فر بھی شادی کی تیاریاں کرنے لگے۔ ایک روز شام کے وقت کئی احباب کو ساتھ لیا۔ فنس پر سوار ہوئے۔ صلاح ہوئی کہ سوداگروں کی کوٹھیوں میں اسباب خریدیں۔ پہلے چک اینڈ کمپنی کی کوٹھی میں پہونچے۔

فنس سے اُترے۔ تو ایک چھوکرے نے جو عین دروازے پر کھڑا تھا گھنٹی بجائی۔ گھنٹی کی آواز سُنتے ہی ایک انگریز آیا۔ ہمایوں فر کو سلام کیا۔ بہ مع احباب کے کوٹھی کی سیر کرنے لگے۔ ایک دوست نے جو کبھی سوداگروں کی کوٹھی میں نہیں گئے تھے، بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیوں صاحب اس کوٹھی میں کوئی لاکھ روپے کا اسباب ہوگا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر نے مُسکرا کر کہا۔ ہاں لاکھ نہیں تو پانچ چھ لاکھ میں تو شک نہیں ہے۔ اور بھی متحیّر ہوئے۔ افوّہ۔ پانچ چھ لاکھ!۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس لاحول پر فرمایشی قہقہہ پڑا۔ ایک نواب زادے نے جو ہمایوں فر کے ساتھ تھے کہا۔ یار و یہ بھٹگیر خانہ نہیں ہے۔ یہاں قہقہہ بازی نہ کرو۔ ہمایوں فر تو خوب واقف تھے۔ اُنھوں نے ان کی تشفی کی۔ سمجھایا کہ ہنسنا بولنا' دل لگی مذاق جائز ہے۔ ہم لوگ ــــ تو آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ نواب صاحب نے صاحب سے پوچھا اس دروازے کی کیا قیمت ہے؟

صاحب نے کہا یہ دروازہ ہماری کوٹھی کا ہے بیچنے کی غرض سے نہیں آیا ہے۔ ہم نے پانچ ہزار روپیہ کو خریدا تھا۔

ہمایوں فر کو شوق چڑایا کہ شب عروسی کے لئے تو ایسا ہی نفیس دروازہ ہونا چاہیئے۔ دس ہزار صرف ہو جائیں تو کیا پروا ہے۔ ایک فہرست گھر سے لکھ لائے تھے۔ صاحب سے کہا ہمیں دو نہایت عمدہ عمدہ لمپ دکھائیے۔ صاحب نے ایک کمرے میں لے جا کر نہایت نفیس اور بیش بہا لمپ دکھائے۔ ہمایوں فر نے دونوں لمپ بلا استفسار قیمت خرید لیے۔ کہا ہمارے نام لکھ لیجیے۔ اور ہمیں دو کوچ دکھائیے۔ اس فقرے سے احباب تاڑ گئے اور مذاق کی باتیں ہونے لگیں۔

نواب: اخاہ۔ مبارک۔ یہ کہیے شبِ عروسی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

ہمایوں فر: معقول۔ آپ کے مارے کوئی سودا نہ خریدے۔ سبحان اللہ!

نواب: اجی حضرت۔ ع۔ چتونوں سے تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے۔

ابو تراب: یہ تو اس وقت سُننے میں آیا۔ کہاں نسبت قرار پائی ہے؟

ہمایوں فر: ابے ابھی سُوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ یہ مثل ہے۔

ابو تراب: آخر کچھ کہیے تو۔ آپ کو واللہ۔ ہم فقط اسی قدر سُن لیں کہ نسبت کہاں قرار پائی ہے۔ مبارک ہو۔ اب وہ جلسے دیکھنے میں آئیں گے کہ باید وشاید۔

نواب: ہم سے سنو! بڑی بیگم کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ نسبت قرار پائی ہے۔ شہزادے صاحب کے خوش قسمت ہونے میں شک نہیں۔

ابو تراب: ہاں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اس کے لئے تو ہمارے ایک یار نے بھی کوشش کی تھی۔ محمد عسکری۔ مگر ٹائیں ٹائیں فش۔

نواب: نہایت حسین اور مہ جبین لڑکیاں ہیں۔ نہایت خوبصورت۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر: ابھی پختگی کے ساتھ اقرار نہیں ہوا ہے، ایسا نہ ہو کہ سب میں کہتے پھرو۔ تمھارے پیٹ میں بات پچتی نہیں ہے ذرا۔

نواب: اجی اس وقت تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتا۔

شادیٔ جلوۂ گلفام مبارک ہووے

عیش و عشرت کا سرانجام مبارک ہووے

ہمایوں فر نے مسکرا کر کہا، سبحان اللہ سبحان اللہ! ہم کو تو منع کرتے تھے کہ سنہسو تک نہیں۔ اور خود یہ کیفیت ہے کہ گانے لگے۔ نواب بولے۔ گانے لگے یا گنگنانے لگے۔

برین مژدہ گر جان فشانم رواست

کہ این مژدہ آسائش جانِ ماست

اب یہ فرمایئے کہ چونے والی حیدر کو عظیم آباد سے بلوایئے گا یا نہیں؟ کم سے کم دو ہفتے تک تو دھما چوکڑی رہے۔ طبلے تھاپ پڑے۔ خوب گلچھرے اڑیں۔ مگر اُستاد طائفے نوک کے ہوں۔ چوٹی کے۔ روسی کلاونت ہوں گے تو واللہ ہم نہ آئیں گے۔

ابو تراب بولے۔ بھئی ہم تو دعوت اور کھانے پینے کے اس قدر شائق نہیں ہیں جس قدر جلسے کے شائق ہیں۔ حیدر اور لکھنؤ کے چیدہ چیدہ طائفے۔ اور انتظام یہ کیا جائے کہ دو محفلیں ہوں۔ ایک شہزادوں اور رئیسوں، اور نواب زادوں اور اہلکاروں کے لئے۔ اور ایک کدروں کے لیے۔ شب کو آٹھ بجے سے چار بجے تک ہو، اور دن کو بھیرویں ضرور اُڑے۔ کوئی چار گھنٹے۔ بہت وقت ہے۔ اس قدر کافی ہے۔

ہمایوں فر نے دو کو بیچ بھی خرید لیے۔ اور صاحب سے کہا کہ آپ ایسا دروازہ ولایت سے ہم کو منگوا دیجیے۔ صاحب نے ایک کاغذ پر بطریق یادداشت لکھ لیا۔ اور کہا ہم بہت جلد اس کا جواب دیں گے۔ ہمایوں فر کو اس قدر تاب کہاں۔ فرمایا۔ ایک کام کیجیے۔ ہم سے کچھ زیادہ لیجیے۔ اور یہ دروازہ بیچ ڈالیے۔ صاحب اپنے افسر کے پاس گئے۔ تاکہ اُن سے دریافت کریں۔

ادِھر پھر باتیں ہونے لگیں۔ ابو تراب نے صلاح دی کہ دہلی، اور آگرہ، اور بنارس اور لاہور سے طائفے بلوائے جائیں۔ ہمایوں فر نے تیکھی چتون سے دیکھا، اور بجا کہہ کے صاحب سے باتیں کرنے لگے۔

صاحب: وَل۔ آپ اس دروازے کو خرید سکتے ہیں۔ مگر چک صاحب کہتے ہیں کہ ہم اس سودے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پرنس ہمایوں فر سے بے نفع اصلی ہی قیمت لیں گے۔

شہزادہ: ازیں چہ بہتر۔ واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ منظور ہے۔

صاحب: وَل۔ تو آج شام تک آپ کے مکان پر بھیج دیا جائے گا۔

اتنے میں خود مسٹر چک تشریف لائے۔ پرنس ہمایوں فر سے ہاتھ ملایا۔ کہا۔ دروازہ حاضر ہے۔ آپ لیں۔ آج ہم بھیج دیں گے۔ ہمایوں فر نے شکریہ ادا کیا۔

چک: اس فصل میں آپ کو ہم ایک عرق پلاتے ہیں۔ نہایت ٹھنڈا ہے۔

شہزادہ: عرق! کوئی شراب کی قسم تو نہیں ہے۔ ہم چھو نہیں سکتے۔

چک: اُو۔ نو۔ شراب نہیں۔ جیسے سوڈا اور لونیڈ، ویسا۔

شہزادہ: سوڈا۔ لوننٹھ۔ ٹانک۔ پورٹر، بیر ان کے سوا اور وہ کون نئی قسم کا عرق ہے جو مُنشی نہیں ہے۔

چک: ابھی آیا ہے۔ اُس کا نام (ون سانٹی) ہے۔ ایک بابو نے کہا۔ حضور ون سانٹی کے معنی آب حیات۔ اور ہے بھی آب حیات ہی۔ نشہ نام کو نہیں۔ الکوہل ذرا بھی نہیں۔ بالکل پانی مگر ٹھنڈا۔ سانٹی کے معنی دل کو تسکین دینے والا۔ اس سے دل کو بڑی تسکین ہوتی ہے۔

سانٹی ایک سنسکرت لفظ سے نکلا ہے۔ یعنی شانت کرنے والا۔

چک: وَل یہ بوتل ہے۔ کھولو بیرا۔ لاؤ جلدی سے۔

شہزادہ: مسٹر چک۔ اگر اس میں ذرا بھی سرور ہوا تو ہم کو کمال رنج ہوگا۔

چک: ممکن نہیں ہے۔ کھولو بیرا، اور تم جاکے دو ٹکڑے برف کے لاؤ۔ ایک بیرا برف لایا۔ دوسرے نے ون سانٹی کی بوتل کھولی۔ برف ملا کر صاحب نے گلاس دیا۔ ہمایوں فر نے پیا تو نہایت ہی پسند آیا۔ کہا۔ آٹھ درجن ہمارے مکان پر بھیج دو۔ فوراً آٹھ درجن ون سانٹی بھیجی گئی۔

چک: آپ اور درجن منگوا لیں۔ اس فصل میں جتنے ہم نے منگوائے ہیں۔ اُتنے منگوائیں۔ اب نہ منگوائیں گے۔

شہزادہ: نواب صاحب ایک بوتل آپ بھی پئیں۔ کھولو جی ایک بوتل۔

نواب: نا صاحب۔ اَستغفر اللہ۔ شراب پینا وضع کے خلاف ہے۔

شہزادہ: واللہ اس میں شراب نہیں ہے۔ شراب سے کیا واسطہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابوتراب: اجی تم کھولنے تو دو ہم پئیں گے۔ معقول۔

ابوتراب صاحب نے پی تو بڑی تعریف کی۔ ہاں یہ البتہ پینے کے لائق چیز ہے۔ دو درجن ہمارے پاس بھی بھیجیے۔ بابو نے کہا بہت خوب۔ اسی وقت۔

چک صاحب نے کھڑے کھڑے، باتوں باتوں میں آٹھ درجن بوتلیں بیچ ڈالیں اور بھرا یہ دیا کہ اب کے اور بوتلیں نہ منگوائیں گے۔ اس کے بعد پرنس ہمایوں فر کی طرف مخاطب ہو کر۔ شہزادے صاحب اب ایک نئے قسم کے سوڈا واٹر کی بوتلیں جاری ہوئی ہیں۔ نیچ سے جس قدر سوڈا کی ضرورت ہو اس قدر نکال لیجیے۔ باقی بھرے لیجیے اور خراب ہو تو ہمارا ذمہ۔ ایک بوتل دیکھیے۔

بیرا کو حکم دیا کہ لاؤ۔ بیرا بوتل لایا۔ تھوڑا سوڈا پلایا۔ اور بوتل پھر بند کی۔ ہمایوں فر نے ایک درجن اس کا بھی خریدا۔

الغرض ایک کوچ دلچسپ، ایک بیش بہا دروازہ، اور کئی قسم کی عمدہ عمدہ اشیا خریدیں اور چلے۔

راہ میں ابوتراب نے کہا، ہم تاریخ عروسی ضرور تصنیف کریں گے۔

نواب صاحب بولے، ہمارے ہاں دو شاعر نوکر ہیں اُن دونوں کو حکم دیں گے کہ ایک ایک تاریخ کہو۔

ہمایوں فر: بھئی واللہ تم لوگوں سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں مشہور نہ کر دو۔ ابھی اس بک بک سے کیا واسطہ ہے۔ خواہ مخواہ دِق کرتے ہو۔

نواب: اجی میں جا کے اخبار میں چھپواتا ہوں۔ کیا دل لگی ہے۔

ابوتراب: اور میں بھی۔ راہ میں جو ملے اُس سے کہتے چلو۔

نواب: بہتر۔ واللہ ضرور کہوں گا۔ گاڑی روک کے کہوں۔

ہمایوں فر: واللہ دل لگی تو بڑی ہو۔ سمجھ جائے کہ پاگل ہو گئے ہیں۔

نواب: کل آپ کو تکلیف کرنا پڑے گی۔ شام کو دعوت ہے۔ سال گرہ ہے۔ ہماری نہیں۔ لڑکے کی سال گرہ ہے۔

ہمایوں فر: بسر و چشم منظور۔ ضرور حاضر ہوں گا۔

من عمر تو جاودانہ خواہم کہ شود   قرمانبر تو زمانہ خواہم کہ شود
این رشتہ کہ دارد گرۂ سالگرہ   تسبیح ہزار دانہ خواہم کہ شود

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابوتراب : اور لوگ بھی ہوں گے۔ نہ۔ آپ کے ہاں کس کی کس کی دعوت ہے ؟

ہمایوں فر : اس بھونڈے سوال سے مطلب۔ چاہے جس کی ہو۔ آپ کو کیا واسطہ۔ بھئی عجیب آدمی ہو واللہ !

پرنس ہمایوں فر ایک اور کوٹھی میں جس کے سائین بورڈ پر لکھا تھا گریالٹ اینڈ کمپنی مرزا ہمایوں فر اور نواب صاحب اور ابوتراب کوٹھی میں داخل ہوئے۔

ابوتراب : اللہ اللہ۔ اس قدر کپڑا۔ یہ تو کپڑے کی کوٹھی ہے جی۔

نواب : واللہ، اجی نہیں۔ ہم کو تو جوتے کی دُکان معلوم ہوتی ہے۔

ہمایوں فر : یہ بھی غلط ہے۔ چمڑا بکتا ہے۔ ادھوڑی استر کی عینک لگاؤ۔ جوتے کی دُکان کیسی۔ ہم تو ان آنکھوں کے قائل ہیں۔

ابوتراب : یا الٰہی ! ذرا کوئی بات زبان سے نکلی، اور اُنھوں نے بنانا شروع کیا۔ بھلا میں نے کیا بُرا کہا تھا کہ کپڑے کی کوٹھی ہے۔

نواب : پھر وہی۔ ارے میاں بغور دیکھو۔ کپڑا کیسا۔ چمڑے کی دُکان ہے یہ۔

ہمایوں فر : (سوداگر سے) عمدہ عمدہ دکھایئے، کاشانی۔ مگر نمبر اوّل ہو، اسٹیشن میں کسی کے پاس نہ نکلے جب جانیں۔

ابوتراب : کیوں صاحب گر سزا پانے کا جی چاہے تو اس کوٹھی میں آگ لگا دے۔ فوراً سزا پائے۔ اور سزا بھی کون سخت۔

ہمایوں فر : یہ کون مشکل بات ہے۔ سزا پانے کا شوق ہو تو ہزاروں تدبیریں ہیں۔ پھر حضور ایک چنگاری رکھ دیں۔

ہر گناہے کہ کنی در شب آدینہ بکن
تاکہ از صدر نشینانِ جہنم باشی

نواب : اور کیا۔ کسی غریب کا چھپر جلایا تو کیا کمال کیا۔

ابوتراب : یار دتم تو بات کرتے بنانے لگتے ہو۔ بھئی۔

ہمایوں فر : اور بات بھی آپ کیسی تُلی ہوئی کرتے ہیں۔ سُبحان اللہ۔ سُبحان اللہ !

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایسے خوش بیان، لسّان اور زبان آور دیکھے نہ سُنے۔

نواب: جواب کاہے کو ہے۔ ایک جعفر زٹلی تھے، وہ بھی نہ رہے۔

کشتی جعفر زٹلی در بھنور افتادہ است
ڈبکہ ڈبکہ می کند از یک توجہ پار کُن

اس کوٹھی میں مرزا ہمایوں فر بہادر نے دس ہزار کا اسباب گراں بہا خریدا۔ جس میں نصف سے زیادہ سپہر آرا بیگم کے لئے مول لیا تھا۔

نواب: یہ باریک کپڑا کس کے لئے خریدا ہے حضرت!

ہمایوں فر: آپ کا اجارہ ہے۔ آپ پوچھنے والے کون (مُسکرا کر) کہنے لگے کس کے واسطے خریدا ہے۔ آپ اپنا مطلب کہیے۔

ابوتراب: قبلہ ہم سے دریافت کیجیے۔ اُن سے آپ کیا پوچھتے ہیں۔ آپ نے کل زربفت کس کے لئے خریدا تھا؟

نواب: اپنے گھر کے لئے کیوں اس میں چوری کیا ہے۔ کیا کچھ عیب ہے؟

ابوتراب: بس تو پھر انھوں نے بھی سپہر آرا بیگم کے لئے خریدا ہے۔

ہمایوں فر: لَاحَولَ وَلَاقُوۃ۔ یارو تم دھروا دوگے۔

اتنے میں مرزا ہمایوں فر کے دوست آئے۔ آتے ہی کان میں کہا حضرت مبارک ہو! واللہ اچھی جگہ چھاپا مارا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ بڑی یا چھوٹی بہن۔ ہمایوں فر نے کہا اوحشت۔ آدمی میں حواس ہی حواس تو ہے۔ ابھی اچھے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بگڑ اُٹھے۔ شیطان نے دور سے انگلی دکھادی۔

دوست: واللہ کیا بے اصل بات ہے۔ خدا کرے بے اصل ہو۔

ہمایوں فر: اجی خدا خدا کرو صاحب۔

دوست: خیر صاحب اب نہ کہوں گا۔ مگر بے اصل بات نہیں ہے۔

ہمایوں فر: آپ فصد کھلوایئے منشی جی۔ آپ کو جنون ہو گیا ہے۔

دوست: اب یا مجھے جنون ہوا ہے یا آپ کو۔

ابوتراب: ع۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔

اتنے میں ایک شخص نے کہا خداوند محمد عسکری صاحب آئے ہیں۔ ابوتراب نے ایک کان میں کہا اس سے ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ بڑا شریر آدمی ہے۔ پہلے اس کے لیے پیغام گیا تھا مگر دال نہ گلی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کا آنا بے وجہ نہیں ہے۔ ہمایوں فر نے حکم دیا۔ بلاؤ۔

محمد عسکری صاحب آئے۔ چوگوشیہ ٹوپی۔ باریک کرتا۔ ادھی کا انگرکھا۔ گلبدن کا پائجامہ۔ رومال اوڑھے ہوئے۔ جریب ہاتھ میں۔ السلام علیکم۔

ادھر کا تو یہ حال ہوا۔ اب بڑی بیگم کے ہاں کا ذکر خیر سنیئے کہ جانی بیگم اور نظیر بیگم نے اپنے گھر کہلا بھیجا کہ ہم آج نہ آئیں گے۔ رات کو یہیں رہیں گے۔

سب باتیں لیس ہو ہی گئیں تھیں کہ اتنے میں بڑی بیگم صاحب کے نام ایک خط آیا۔

"و ہو ہٰذا"

بیگم صاحب یوں تو آپ کو اپنے فعل پر اختیار ہے مگر۔ ع۔ کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم۔ سنا ہے کہ آپ نے مرزا ہمایوں فر کے ساتھ عزیزہ سپہر آرا بیگم کا عقد قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ۔ ہمایوں فر کو درد گردہ کا عارضہ ہے۔ اور دمہ بھی ہے۔ اور کئی بار یہ شخص قمار بازی کی علت میں ماخوذ ہوا ہے۔ صاحب لوگ اور رئیس زادے ان کی صحبت سے منزلوں بھاگتے ہیں۔ یہ شخص بالکل ٹر ہے۔ کسی نشے سے اس کو بہرہ نہیں۔ اگر کسی کو منظور ہو کہ اپنی لڑکی کو اندھے کنویں میں ڈھکیل دے تو اس کو اختیار ہے۔ ورنہ دیدہ و دانستہ کوئی اپنی پیاری بیٹی کے ساتھ کسی طرح دشمنی نہ کرے گا۔

من نگویم کہ این مکن آن کن
مصلحت بیں و کار آسان کن

عزیزہ جگر گوشہ سپہر آرا کی کیوں دشمن ہوئی ہیں۔ تمہارا رشتہ دار ہوں۔ اس سبب سے صلاح نیک دیتا ہوں، ورنہ مجھے کیا پڑی ہے۔ رقم خیر اندیش۔

حسن آرا نے دبے دانتوں یہ خط پڑھ کر بڑی بیگم کو سنایا۔ دونوں سخت متحیر تھیں کہ یا الٰہی یہ خیر اندیش کون صاحب ہیں۔ حسن آرا نے کہا۔ اماں جان۔ یہ کسی دشمن کا کام ہے۔ کوئی شخص ہمایوں فر کا دشمن ہوگا۔ بس یہ ساری کارستانی اسی کی ہے۔ ورنہ بھلا آج تک کبھی تو سنتے کہ ہمایوں فر گرفتار ہو گئے اور قمار بازی کی علت میں ا اے ہے۔

بڑی بیگم صاحب نے کہا۔ اچھا ابھی جلدی نہ کرو۔ آج ڈومنیاں نہ آئیں۔ کل پرسوں سمجھا جائے گا۔

حسن آرا اٹھ کر باغ میں آئی۔ گیتی آرا کو علیحدہ بلایا۔ اور اس خط کا حال سنایا۔ گیتی آرا نے کہا۔ یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ مرزا ہمایوں فر اتنے بڑے شہزادے اور قمار بازی! جوئے کی علت میں گرفتار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوں! یہ کسی دُشمن کا کام ہے۔ جانی بیگم سے دریافت کرو۔ یہ اُن کا حال خوب جانتی ہیں۔ گیتی آرا نے باتوں باتوں میں جانی بیگم سے پوچھا۔

جانی بیگم نے کہا۔ آج کل کے رئیسوں میں سے نہیں ہیں کہ سوائے بٹیر بازی یا چانڈو پینے کے دوسرے کام کی قسم کھائی ہے۔ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ صاحبوں سے ملاقات ہے بڑے بڑے صاحب لوگ اُن کے مکان پر آتے ہیں۔ جو اُن کی عزّت ہے آج شہر میں ایک رئیس کی نہیں ہے۔ اُن کا مقابلہ کوئی شہزادہ نہیں کر سکتا۔

نظیر بیگم : کیا چُپکے چُپکے باتیں ہو رہی ہیں۔ ہم بھی آئیں سُنیں تو۔

گیتی آرا : کچھ نہیں بہن۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں۔ آؤ نہ۔

سپہر آرا : یہ کیا کانا پھوسی لگائی ہے۔ چُپکے چُپکے یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں باجی۔ ہم سے نہ کہو گی تو ہمیں بڑا رنج ہوگا۔

حُسن آرا : (گیتی آرا سے) اِن سے نہ کہنا۔ سپہر آرا نہ سُننے پائے۔

گیتی آرا : اور جانی بیگم سے بھی نہ کہنا۔ یہ بھی ایک ہی ہے، اُف نوہ۔ حُسن آرا نے کہا۔ اس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ مگر ڈومنیوں کو بلوائیں یا نہ بلوائیں۔ اگر بلوائیں تو اماں جان خفا ہو جائیں۔ نہ بلوائیں تو سپہر آرا کے دل میں شک پیدا ہو۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ گیتی آرا نے کہا۔ ہم تم اور نظیر اور جہاں آرا چاروں آپس میں صلاح کریں۔ جو سب کی رائے ہو وہ کیا جائے۔ جہاں آرا بلوائی گئیں۔ نظیر بیگم کو شریک مشورہ کیا۔ مگر چُپکے چُپکے باتیں ہوتی تھیں۔

نظیر بیگم نے کہا سپہر آرا کا سمجھانا مشکل نہیں ہے۔ مگر بڑی بیگم کی دل شکنی البتہ۔

جہاں آرا : بولی امّی جان کے حکم کے خلاف تو ہم صلاح نہ دیں گے۔ حُسن آرا نے کہا، اگر ڈومنیاں آئیں اور گانا ہو تو جس نے نہیں سُنا ہے، وہ بھی سُن لے گا کہ ہمایوں فر کے ساتھ نکاح ہونے والا ہے، اور یوں تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔ لیکن یہ خط بالکل بے اصل ہے۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ توبہ توبہ! سپہر آرا تاڑ گئی کہ ہمایوں فر ہی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ بہن سے کہا۔ باجی جان ذری اِدھر آیئے گا۔ کچھ کہنا ہے۔ حُسن آرا نے ایک درخت کے پاس ٹھہر کر کہا آؤ یہاں کوئی نہیں ہے۔ سپہر آرا بولی۔ باجی سُنو۔ تم آہستہ آہستہ گفتگو کرتی ہو تو میرے دل میں شک پیدا ہوتا ہے، یا تو مجھ سے بھی سارا حال کہو یا چُپکے چُپکے باتیں کرنا چھوڑ دو۔

حُسن آرا نے قہقہہ لگا کر کہا۔ اے لو، اور سُنو۔ گیتی آرا بہن۔ ذری اِدھر آنا۔ کچھ اور سُنا؟ یہ کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتی ہیں۔ اُف مجھے بڑی ہنسی آتی ہے۔ کہتی ہیں کہ تم آپس میں چُپکے چُپکے باتیں کرتی ہو اور میرے دل میں شک گزرتا ہے۔ واہ اچھا شک ہے۔ گیتی آرا نے بھی مسکرا کر بات ٹال دی۔ کہا اچھا۔ اب آہستہ آہستہ باتیں نہ کریں گے۔ صلاح یہ ہوتی تھی کہ ڈومنیاں آئیں یا نہ آئیں۔ کسی نے جا کے امّی جان سے کہہ دیا کہ حسن آرا بیگم نے ڈومنیاں بلوائی ہیں۔ بس خفا ہو گئیں۔ کہا۔ ہاں۔ ابھی سے یہ ڈھٹائی۔ ہم کو اطلاع بھی نہیں، اور ڈومنیاں بلوائی گئیں۔ تب سے خفا بیٹھی ہیں۔

سپہر آرا: اس فقرے میں آگئی۔ بولی کہ ہاں ابھی میں بھی اُنھیں کے پاس سے آتی ہوں۔ کچھ شگفتہ نہیں ہیں۔ اُداسی سی چھائی ہوئی ہے۔ میں جا کے منا لوں۔ حسن آرا نے منع کیا۔ شاید اور خفا ہو جائیں، اور سمجھیں کہ حسن آرا نے چھوٹی بہن کو سکھلا پڑھا کر بھیجا ہے۔ اب آج جانے بھی دو۔ کیا کچھ فرض ہے کہ آج ہی ڈومنیاں آئیں۔ سپہر آرا نے کہا باجی تم ہی نے کہا تھا کہ ڈومنیاں آئیں، میں نے تو ذکر بھی نہیں کیا۔ اگر اماں جان خفا ہیں تو میں بھی صلاح نہ دوں گی۔ چلیے بات بن گئی۔ اِن کو کیوں خفا کریں۔ خواہی نخواہی۔

حسن آرا نے وہ خط پھر پڑھا۔ مگر کوٹھے پر جا کر تنہائی کے عالم میں۔ اُف فوہ، اتنا جھوٹ۔ اس موئے کو خوفِ خدا بھی نہیں ہے۔ اب ہم سے صلاح لیں۔ اماں جان کے مزاج میں شک آگیا ہے۔ وہ اب ایک نہ مانیں گی۔ بڑی بیگم کے پاس گئی۔ اماں جان کیا آپ کو سچ مچ یقین ہی آگیا۔ اتنا بڑا شہزادہ، اور جوئے کی علّت میں پکڑا جائے۔ ہم تو عمر بھر نہ مانیں گے، اور دیوار سے دیوار ملی، آمنے سامنے مکان ہے۔ اگر ایسا چال چلن ہوتا تو یہ بات چھپی رہتی؟

بڑی بیگم نے کہا ہم ابھی اس کا جواب نہ دیں گے۔ کیا کہوں کہ اُستانی جی بھی یہاں نہیں ہیں۔ وہ جب سے باندے گئیں کوئی خط بھی نہ بھیجا۔ مگر آج میں دو تین آدمیوں کو بلوا کر دریافت کروں گی۔ ایک تو شمشیر بہادر کو بلواؤں گی پرسوں آیا تھا۔ اس نے ہمایوں فر کا ذکر کیا کہ رعایا میں حاکموں میں رئیسوں میں سب میں اس کی عزّت اور آبرو ہے، مگر جوئے کا حال آج ہی معلوم ہوا۔ ریاست الدولہ کو بلواؤں گی، اور نواب صادق علی خاں کو۔ گو بوڑھے ہیں۔ اب کہیں جاتے آتے نہیں۔ مگر رشتہ تو ہے۔ ایسے وقت میں بھی کیا صلاح نہ دیں گے۔ شام کے قبل جانی بیگم اور نظیر بیگم نے کہا کہ ہم رخصت ہوتے ہیں۔ فقط ڈومنیوں کی وجہ سے گھر کہلا بھیجا تھا۔ اب گانا وانا تو ہووے ہی گا نہیں۔ پھر یہاں رہ کے کیا بنائیں۔ شب کو حسن آرا نے سپہر آرا کو وہ خط دیا جو فرضی اور مصنوعی خیر اندیش نے بھیجا تھا۔ کہا باجی یہ خط ڈاک پر نہیں آیا ہے۔ لفافہ دیکھیے۔ نہ مہر کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔ حسن آرا نے فوراً اُس مُغلانی کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بلایا جو خط لائی تھی۔ پوچھا یہ خط تم کو کس نے دیا تھا۔ کہا ڈیوڑھی پر دربان نے دیا تھا۔ پردے کے پاس سے لائی تھی۔ عبّاسی کو حکم دیا گیا کہ دربان سے پوچھو، دربان نے کہا چاکر نے مجکو دیا تھا۔ چاکر سے پوچھا تو اُس نے کہا ایک آدمی آئے تھے جوان سے ہمیں اُنھوں نے دیا تھا۔

سپہر آرا : دیکھا باجی۔ اور تم نے مُہر تک نہ دیکھی۔ لفافہ تک نہ پڑھا۔ امّا جان سے کہو تو جاکے۔ حُسن آرا فوراً بڑی بیگم کے پاس گئی۔ پوچھا کیوں امّا جان۔ وہ خط ڈاک پر آیا تھا۔ کہا ہاں ہاں بیٹی ڈاک پر آیا تھا۔ لفافے میں بند۔ گوند سے جُڑا ہوا۔ حُسن آرا نے ہنس کر کہا واہ یہ لیجیے۔ یہی تو لفافہ ہے۔ مُہر ندارد۔ بڑی دل لگی ہوئی۔ مُغلانی سے پوچھا اُس نے کہا ہیں دربان سے لائی، وہاں سے پوچھا اُس نے کہا مجھے سائیس نے دیا ہے۔ سائیس سے پوچھا اُس نے کہا ایک آدمی دے گیا تھا۔

بڑی بیگم : اے ہے توبہ!! بالکل جعل سازی ہی کا خط ہے۔ ڈاک پر نہیں آیا۔ میں کچھ اور ہی سمجھی تھی مگر خیر۔

حُسن آرا : جی نہیں مُہر تو ہے ہی نہیں، اور بیرنگ آیا تو ایک آنہ کس نے دیا، یہ سب بناوٹ کی بات ہے۔ میں بھی دنگ ہوگئی کہ شہزادہ جواری، اور پھر جواری بھی ایسا کہ گرفتار بھی ہو۔ بڑی بیگم نے کہا شاہی کے زمانے میں قاعدہ تھا کہ کوتوال دوڑے جاتے تھے۔ کئی دفعہ ہم نے دیکھا کہ کوتوال اور سپاہی ساتھ ہیں، اور دس دس آدمیوں کی مشکیں کسی گئی ہیں۔ ایک بوڑھی مُغلانی بولی، حضور ایک مرتبہ کوئی پہر رات آئی تھی اور کوٹھے پر میں اور پیاری کی امّا، اور میری ایک لڑکی سوتی تھی بس ایک دفعہ دھماکے کی آواز ہوئی۔ پیاری کی امّا چونک پڑی۔ پوچھا کون۔ بس وہ آکے میرے قدموں پر گر پڑا۔ مُنھ کو اُس نے دامن سے لیا چھپا۔ اور کہنا شروع کیا کہ مائی بچائیے! پیاری کی امّاں پوچھتی ہیں، ارے تو کون ہے۔ اتنے میں دھم دھم کر کے دس بارہ آدمی اور کودے۔ پیاری کی امّاں بولی ہائے کٹ گئی۔ ڈاکہ آیا۔ ویسے ہی دوسرے مکان سے کئی چراغ روشن ہوئے۔ مشالیں (مشعل) آئیں۔ کوتوال نے پیاری کے ابّا کے ابّا کا نام لے کر کہا کہ فلانے بخش تم نہ گھبراؤ، یہ جواری تمھارے ہاں کودے ہیں ان کے گرفتار کرنے کے لئے ہمارے سپاہی بھی کودے، اور میری یہ کیفیت کہ تھر تھر کانپتی تھی۔ اُف اور لڑکی کوئی بارہ برس کا سن یہ دُبکی پڑی ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی آکے نصیب دشمنان گلا ہی گھونٹ ڈالے۔ بس پھر وہ جواری پکڑے گئے۔ مشکیں کسی گئیں اُن پر جوتیاں پڑیں۔

حُسن آرا نے پوچھا۔ شریف تو نہیں تھے۔ نیچ قوم تھے نہ۔ مُغلانی نے کہا۔ اب کیا عرض کروں۔ اور کیا کہوں کہ کون تھے۔ ایک چالیس روپے مہینے کے چکلے وارے وکیل تھے، اور ایک بڑے نامی آدمی کا لڑکا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا وہاں سے خوش خوش کوٹھے پر آئی۔ جہاں آرا و گیتی آرا نے کہا ہم نے سُنا تھا لفافہ ڈاک پر نہیں آیا۔ تو سب ڈھکوسلا ہے۔

سپہر آرا: میں تو پہلے ہی بھانپ گئی کہ سب غلط ہے۔ جیسے ہی لفافہ دیکھا۔ سمجھ گئی کہ جھوٹی باتیں ہیں۔ اللہ کرے موئے درگور کے بدن میں کیڑے بلبلائیں۔ کیا جانے موا کون خدائی بھر کا آوارہ ہے۔

حسن آرا: آؤ یہ خط کل کسی ترکیب سے ہمایوں فر کے پاس بھیجیں۔

گیتی آرا: ہاں اچھی سوجھی۔ ضرور بھیجنا چاہیئے۔ شاید وہ دستخط پہچانتے ہوں۔ مگر بھیجو گی بیرنگ۔ لے کون جائے گا۔

عباسی: اب حضور یہ کون بات ہے۔ میں پہونچوا دوں گی۔

حسن آرا نے کہا اس جھوٹ پر خدا کی مار۔ لکھنا ہے کہ جواری ہیں۔

دانا تو کرے کب اس طرف میل
بھاگا ہے جوئے کے نام سے بیل

سپہر آرا نے فرمایش کی کہ باجی اس وقت اچھے اچھے شعر پڑھیے۔ جی چاہتا ہے کہ شعر سُنیں۔ مگر اردو کے ہوں جس میں یہ بھی سمجھیں۔ حسن آرا نے کہا۔

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

مطلب سمجھو تو پڑھیں۔ نہیں فائدہ کیا۔ ایک عورت کا شعر سُنو۔

اللہ رے نازِ حسن پہ یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

سپہر آرا نے اس شعر پر غور کیا تو مطلب سمجھ گئی۔ باجی کچھ بدلو تو معنی بتاتے ہیں۔ اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ گیتی آرا نے کہا اس کے معنی تو ہم بھی سمجھ گئے۔ کوئی مشکل شعر پڑھو۔ حسن آرا نے کہا:

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

سپہر آرا نے کہا۔ واہ بس اسی کو مشکل بتاتی ہو۔ اس میں کیا مشکل ہے۔ معشوق سے شاعر کہتا ہے کہ تیرا ملنا اگر آسان نہیں ہے تو ادنیٰ سی بات ہے۔ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ تیری ملاقات آسان نہیں ہے۔ یعنی مشکل ہے۔ تو دل کو تشفّی دوں کہ اس مشکل کا آسان کرنا سہل ہے۔ مگر دشوار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو یہ ہے۔ بہن دِقت اور مصیبت تو یہ ہے کہ تیرا ملنا دشوار بھی نہیں ہے۔ بلکہ دشوار سے بھی درجہ بڑھا ہوا۔ اور جب دشوار سے بھی درجہ بڑھا ہے، تو بس یہ ستم ہے۔

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

حُسن آرا نے بہن کی پیٹھ ٹھوکی۔ شاباش خوب معنی بتائے۔ ہنسی ٹھٹھا نہیں تھا۔ یہ غالب کا شعر ہے۔ اِن کے سب شعر ایسے ہی ہوتے تھے۔

نقشِ نازِ بت طنّاز بآغوشِ رقیب
پائے طاؤس پے خامۂ معنی مانگے

گیتی آرا اُٹھ کر بڑے دولھا کے ایک پلنگ پر لیٹی۔ اب تو حُسن آرا عربی ترکی بولنے لگیں۔ اب ہمارا وہاں ٹھکانا نہیں ہے۔ بی مُغلانی کوئی کہانی کہو۔ مُغلانی نے کہا حضور میرے سر میں درد ہے کہ سر پھٹا پڑتا ہے۔ اب کل عرض کروں گی۔

دوسرے روز تڑکے گجر دم، بی عبّاسی خیر اندیش بدنہاد کا خط لے کر شہزادۂ ہمایوں فر کے پاس گئیں۔ سُنا آرام میں ہیں۔ خدمت گار سے کہا جگادو، آرام میں ہیں تو کیا کریں۔ بڑی ضرورت ہے۔ خدمت گار بولا۔ اخاہ۔ یہ نادری حکم۔ تم تو ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہو کچھ ٹھکانا ہے، کیا حکم دیا کہ فوراً جگادو۔ اللہ اللہ۔ اچھا صاحب جگائے دیتے ہیں۔ کوٹھے پر جاکر آہستہ آہستہ پانوں دبائے۔ ہمایوں فر کی آنکھ کھُل گئی۔ خدمت گار نے کہا حضور وہ حاضر ہے۔ عبّاسی مہری۔ سامنے والے مکان کی۔ شہزادے نے حکم دیا اچھا بُلالو۔ اور کلّی کے لیے پانی لاؤ تازہ تازہ۔ پانی سے مُنھ دھویا۔ کلّی کی۔ گلوری کھائی۔ لیٹے۔ اتنے میں بی عبّاسی ڈوپٹا پھڑکاتی ہوئی آئیں۔

حُسن آرا بیگم کی مہری کا نام بھی عبّاسی ہے۔ اور ثریّا بیگم کی مہری کا نام بھی۔ دونوں طرّار۔ دونوں گل غدار، دونوں باغ وبہار، دونوں طرح دار۔ ناظرین موقع پر سمجھ جاتے ہوں گے کہ کس عبّاسی کا ذکر ہے۔ خیر بی عبّاسی نے جُھک کر سلام کیا۔ ہمایوں فر مُسکرائے۔ کہا۔

مرحبا طائرِ فرخ پَی و فرخندہ پیام
خیر مقدم چہ خبر، یار کجا راہ کدام

کہو۔ کیا حال ہے۔ اب دونوں جگہ سے انعام لو تو چاندی ہے۔ تمھاری چین ہی چین لکھتا ہے۔ عبّاسی بولی۔ واہ حضور۔ میری چاندی ہے، اور حضور کی چاندی نہیں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : کیوں نہیں۔ سیم بدن ہیوی پائی۔ دلی آرزو بر آئی۔

عبّاسی نے خط نکال کر دیا۔ کہا حضور اس خط کو زری غور سے پڑھیں۔ ہمایوں فر نے خط پڑھا تو چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُٹھے کمرے میں گئے۔ کاغذات دیکھے۔ لالہ کو بُلوایا۔ کہا دوسرے کمرے سے ہمارا آبنوس کا قلمدان نکال لاؤ۔ کھولا اور ایک خط نکالا۔

ہمایوں فر نے دو خط ملائے اور اُف کا نعرہ بلند کیا۔ اس زور سے اُف کہا کہ عبّاسی کانپ اُٹھی۔ خدمت گار اِدھر اُدھر چلے گئے تھے کہ واللہ اعلم باہم کیا راز و نیاز کی باتیں ہوں۔ ہم مخل کیوں ہوں۔ اُف کا لفظ سُنا تو ہوش ہوا ہو گئے۔ حضور کہتا ہوا جھپٹا۔ دیکھا تو ہمایوں فر کو کمال مُلوُل پایا۔

خدمتگار : خداوند مزاج کیسا ہے حضور کا؟ کیا نصیب دشمنان طبیعت میں کچھ ہرج ہے۔ حضور فرمائیں تو کچھ۔ حضور!

ہمایوں فر : اُف۔ اُف! غضب کر دیا۔ مگر جہاں تک ممکن ہو گا، اس شقی کو ڈھونڈھ ہی نکالوں گا۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں۔

عبّاسی : حضور نے دستخط پہچان لیے نا۔ بس یہی چاہتی تھی۔ اب پٹا ملا واخل ہے۔ موا بھاگ کے جائے گا کہاں۔ جہنم کو۔ ذرا سمجھے۔

ہمایوں فر : تمھیں اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔ تم اُس زمانے میں اس سرکار میں نہ تھیں۔ مگر دھچکا سا ہو گیا۔ اس وقت یہ نابکار اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ اگر ہاتھ لگا تو ایسا ٹھیک بناؤں گا کہ عمر بھر یاد ہی تو کرے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

عبّاسی : حضور کون شخص ہے۔ یہیں کا رہنے والا ہے یا کہیں باہر کا۔ حضور۔ ذری نام تو بتائیں۔ اُف موئے پر حضرت عبّاس کا علم ٹوٹے۔ اسی اٹھوارے میں جنازہ نکلے۔ حضور پھر غور کر کے دستخط ملائیں۔ شاید کچھ بھول چوک ہو گئی ہو۔

ہمایوں فر : تو تم یہ خط بھی سپہر آرا بیگم اور اُن کی باجی جان کو دکھا دینا، اور کہنا کہ میں نے اُس کے تباہ کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا ہے۔ مگر ملنا شرط ہے۔ دیکھیے تو سہی۔

عبّاسی : بہت خوب۔ حضور میں عرض کروں گی اور یہ خط دے دوں گی۔

ہمایوں فر : پھر یہ دونوں خط واپس لے آنا۔

عبّاسی نے جُھک کر سلام کیا۔ حُسن آرا سے کل روایت بیان کی، اور دونوں خط دیئے۔ حُسن آرا نے وہ خط پڑھنا شروع کیا جو ہمایوں فر کے نام تھا۔ پڑھ کر بہت افسوس کیا۔ سپہر آرا کو دیا۔ تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پڑھ کر بولی۔ باجی وہ وقت یاد ہے۔ ہائے ہائے یہ بڑا دشمن ہے۔ اس بیچارے کا۔ پھر اب جان کیوں کر بچے گی۔ اللہ مالک ہے۔ گیتی آرا اور جہاں آرا نے کہا۔ ہم سے بھی تو کہو۔ ہم بھی تو سُنیں۔ حُسن آرا نے کہا، بہن مرزا ہمایوں فر کا ایک دُشمن ہے۔ اُس نے ان کی کوٹھی میں آگ لگا دی۔ کئی بار دھمکی کے خط بھیجے کہ ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے اور خدا جانے کیا کیا واہی تباہی لکھا۔ اور جب آگ لگا کر بھاگا تو ایک خط ڈاک پر بھیجا وہ یہ ہے۔ اس کا اور اُس کا خط ایک بالکل ایک ہے۔ ذرا فرق نہیں۔ دیکھ لو نہ۔ اور وہی موا ایک دفعہ اِدھر سے نکلا تو اتفاق سے سپہر آرا کو دیکھ لیا۔ وہ بھی نکاح چاہتا تھا۔ ایڑی چوٹی پر سے صدقے کروں۔ اب جو اُس نے سُنا کہ ہمایوں فر کے ساتھ نکاح ہوگا تو جل مرا۔ یہ فکر کی کہ خیر اندیش کے نام سے اماں جان کو مشکوک کر دیا۔ اب دونوں خط ہم اماں جان کو دکھائیں گے۔

حُسن آرا بیگم فوراً بڑی بیگم صاحب کے پاس گئیں۔ کہا لیجیے بھید کھُل گیا۔ دو خط ہیں ذرا غور کر دیکھیے۔ دونوں کے دستخط ملتے ہیں کہ نہیں ملتے۔ جس شخص نے ہمایوں فر کی کوٹھی اور بارہ دری جلا دی تھی۔ اُسی کی یہ بھی کارستانی ہے۔

بڑی بیگم : کیا کیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کوٹھی کس نے جلا دی۔

حُسن آرا : وہ اُس دن آگ نہیں لگی تھی۔ جب وہ نصیبِ اَعدا جلتے جلتے بچے۔ اُس کے دوسرے دن ایک خط آیا تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ہم نے جان بوجھ کر تیرا مکان جلا دیا۔ اور اب بھی جب بس چلے گا۔ تب تجھکو ضرر پہونچائیں گے۔ اُسی نے اب ہمایوں فر کی بدنامی کے لیے یہ خط بھیجا ہے۔

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کون ذاتِ شریف ہیں۔ یہ شہسوار ہیں۔

ہمیشہ دلبر شجان مبارک باشد

پرنس ہمایوں فر کا دربار دُربار

نور کے تڑکے شہزادہ رفیع المنزلت، فریدوں مرتبت، ہماپایہ۔ دارا داسکندر مرز ہمایوں فر بہادر خواب راحت سے بیدار ہوئے۔ بوستان دلفریب میں سنگ مرمر کے ایک خوشنما چبوترے پر نہایت بیش بہا مسہری۔ گل تکیے، اور ناز بالش اور فرش مکلف سے پیراستہ چوطرفہ کالی کالی گھٹا چھائی ہوئی۔ نسیم سحر عنبر شمیم، گلستان رو کشِ باغ نعیم۔ اِدھر گلزار سراپا بہار۔ اُدھر ابر لولو بار۔ نونہالان چمن کی پوشاک دھانی بادل کا رنگ آسمانی۔ پھولوں کی روشوں سے ایسی بھینی بھینی خوشبو آتی تھی کہ روح تک وجد کر جاتی تھی۔ برگ گل پر قطرہ ہائے شبنم کی آب و تاب رشکِ گوہر تھیں۔ غیرت در خوشاب کہیں سوسن زبان دراز کہیں نرگس شہلا کی چشم فتنہ پرداز۔ اس گلشن سرائے دلکشا میں صبح کے سہانے سماں میں طاؤس زمردین کے پر و بال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھول دیئے جاتے۔ اس صفا پرور چبوترے کے ترتیب مربلوں کی جھنکار تڑکے بدرجۂ غایت خوش آیند معلوم ہوتی تھی۔ چار سلیقہ شعار خدمتگار خاص اس لیے مقرر تھے کہ سحرِ کاذب کے وقت مرغانِ خوش آہنگ کے پنجرے لائیں۔ ان کو اشجار پُر بہار کی شاخوں میں لٹکائیں اور اپنی انواع و اقسام کی گلبانگ مُسرّت خیز سے طیورِ ذی شعور شہزادہ کجلاہ و عالی درگاہ کو خواب ناز سے بیدار کریں۔ ایک رقاصہ عنبرین خال جادو جمال خاص اس غرض سے مقرر تھی کہ اگر شہزادہ فرخندہ اختر کی آنکھ لگ جائے تو وہ اپنی نازک آوازی اور گلے بازی سے جگائے۔ کبھی بھیرویں اور کبھی بھیرویں کی دُھن میں یہ نازنین گل جبین وہ وہ کمال دکھاتی تھی کہ تان سین کی تُربت سے صدائے مرحبا بلند ہو جاتی تھی۔ بیجو نائک کی روح کسب ہنر کے لئے آتی تھی۔ باغ کیا عشرت کدۂ بے نظیر تھا۔ گلزار ارم پر طعنہ زن روکش باغ نصیر تھا۔ مرزا ہمایوں فر کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک سمت ہر نوجوانانِ چمن حلّہ پوشانِ بہشت کی طرح سبز پوش ہے۔ دوسری جانب ایک ناظورۂ گل آغوش وصبح بنا گوش ہے۔ چو طرفہ کالی کالی بدلی چھائی ہے۔ رندوں نے صبح.. ہات الصُّبوح حبوا یا ایہا السکارا ۔ کی دھوم مچائی ہے۔

برق چشمک زن زطرف کوہساراں برسد
ساقیا سامان ساغر کُن کہ باران برسد

شہزادۂ پاکیزہ مشرب نے بستر کو چھوڑا اور مصروف گلگشت چمن و تماشائے نسرین و نسترن ہوئے۔ پہلے ایک گلِ حمرا پر نظر پڑی معشوقہ گلفام و گل اندام کا عارضِ انور یاد آیا۔ بے اختیار گلِ حمر کو حالتِ بے خودی میں بوسہ دیا اور اس شعر کو ترجمانِ دل کیا۔

بہ بوئے صبحدم گریاں چو شبنم در چمن رفتم
نہادم روئے بر روئے گل و از خویشتن رفتم

روشوں کی سیر کرنے لگے مگر کسی کی یاد میں دل بے قرار تھا؛

بسیرِ گلستان با یادِ آن سیمیں بدن رفتم
در آغوشِ سمن غلطیدم و از خویشتن رفتم

قدم قدم پر دلِ غم ناک وصد چاک کو تسکین دیتے جاتے تھے۔ کہ اب تو منہ مانگی مراد پائی۔ جو آرزو تھی وہ بر آئی۔ بے تابی و بے قراری اور گریہ و زاری سے اب کیا سروکار ہے مگر۔

قانع بہ تجلی نشو و شائق دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلی نتوان کرد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خالی خولی وعدوں سے کیا ہوتا ہے۔ جب وصلِ محبوب مطلوب ہو تب البتہ دل راحت کو چین آئے۔ ورنہ یوں تو گل اور بلبل کا قصّہ قیامت تک ختم نہ ہو گا۔ مانا کہ

زمانہ عاشق و معشوق سے نہیں خالی
گلوں کا قحط نہیں بلبلوں کا کال نہیں

مگر بقول مرزا بیدل۔

خوش است سرو و لیکن دلِ فراغ کجاست
دل از گلے کہ تسلّی شود بباغ کجاست

جس گلِ رعنا کی بو نے ہمارے دل کو اندوہ پرست اور خوننابہ بار کر دیا وہ اس چمن میں کہیں نظر ہی نہیں آتا۔ ہائے افسوس۔

باغبان کون سی صورت مرے جی لگنے کی
ایک تو مجھ کو قدِ یار سا بوٹا دکھلا

اتنے میں اس رقاصہ خوبرو عنبریں مو نے شہزادے کے خوش کرنے کے لیے یہ غزل گائی۔

خبرم رسید امشب بر یار خواہی آمد — سر من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد
ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف — بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد
بہ لبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم — پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد
کشتے کہ عشق دارد نگذار دت بدینسان — بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

اس شعر کو سُن کر مرزا ہمایوں فر کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور اس درجہ بے خود ہو گئے کہ با آواز بلند اسی شعر کو دو بار کہا۔

کشتے کہ عشق دارد نگذاردت بدینسان
بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

اس صنمِ گلبدن نسرین تن نے مقطع کو اور بھی خوش الحانی سے ادا کیا۔

بیک آمدن ربودی دل و جان صد چو خسرو
چہ شود اگر بدینسان دو سہ بار خواہی آمد

ہمایوں فر اس شعر کو سُن کر گر پڑے اور اس کے جواب میں حضرت تجمل کا یہ نادر شعر حالتِ جوشِ جنون میں پڑھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلوئے یار سے اُٹھنے کو تو اُٹھے لیکن
درد کی طرح اُٹھے گر پڑے آنسو کی طرح

روشوں میں ٹہل ٹہل کر آپ ہی آپ باتیں کرنے لگے۔ یہ غزل تو ہمارے حسب حال ہے۔ ع خبرم رسیدم امشب بر یار خواہی آمد۔ اس کے یہ معنی کہ عقد ہو گا۔ ہم نے اُڑتی سی خبر پائی ہے۔ اچھا۔ ع سرمن فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد۔ یعنی جس راستے سے سپہر آرا جائے۔ یہ نام اس قابل ہے کہ سو بار لکھوں اور سو بار چوم لوں۔ جس راستے سے سپہر آرا زرنگار فنس پر سوار ہو کر دُلھن بنی ہوئی آئیں گی۔ وہ اس لائق ہے کہ میں اپنا سر اُس پر نثار کر دوں۔

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یاری کردم
شادم از زندگی خویش کہ کاری کردم

میرے پاس جو کچھ ہے سب نثار کر دوں اور اسی دم۔ ابھی ابھی۔

دین و ایمان دل و جان در قدمِ یار کنیم
ہر چہ داریم نثارِ رہِ دلدار کنیم

افسوس ہے کہ میرے پاس صرف ایک جان ہے۔ بس دگر ہیچ۔ ورنہ اگر ہر بُن مو ایک جان ہو جائے تو اسی دم نثار کر دوں۔

یک جان چہ متاع است کہ سازیم فدایت
الّا چہ توان کرد کہ موجود ہمیں ست

گلاب کی روش میں جا کر ایک گلِ تازہ توڑا اور سونگھ کر کہا۔ سپہر آرا رنگ تو وہی ہے مگر بوئے خوش نہیں۔ تیرا گلِ عارض وہ سدا بہار پھول ہے، جو رست بُردِ خزاں سے اَبدًا لآباد تک مصئون رہے گا۔ تیرا سراپا گلستان ہے۔ پھول کیا شے ہے۔

گل ہمیں پنج روز و شش باشد
دین گلستان ہمیشہ خوش باشد

میں بے برگ و نوا عاشقِ زار۔ تو عاشق آزار۔ میں دیوانہ مجنوں حزین تو عاشق دشمن بُت مہ جبین مگر عاشق نوازی اور عاشق گدازی بھی معشوق پن کی شرط ہے۔

اتنے میں آفتاب عالمتاب کی زرنگار شعاعیں نمودار ہوئیں اور رفقا آنے لگے۔ مرزا ہمایوں فر ایک حوض صفا پرور رشک تسنیم و کوثر کے قریب کرُسی پر مُنھ دھو رہے تھے۔ ایک مصاحب نے آگے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑھ کر کہا آداب بجا لاتا ہوں خداوند نعمت شہزادے نے سلام کا جواب دیا۔ دوسرے مصاحب آئے۔ زمین دوز ہو کر بولے تسلیم عرض ہے حضور والا۔ ادب کے ساتھ اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے۔

ہمایوں فر نے کہا مرزا بیگ (مصاحب کا نام) آج صبح بی مُغل نے (رقاصۂ خوش گلو) ستم ڈھایا۔ واللہ ستم ڈھایا۔ خسرو کی ایک غزل اس طرز نوی سے ادا کی کہ میں کچھ عرض نہیں کر سکتا اس کا لطف کوئی میرے دل سے پوچھے۔ خوش گلو ہونا بھی خدا کی دین ہے واللہ۔

کشتے کہ عشق دارد نگذارد ت بدینسان

بہ جنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

اور مجھے یہ غزل اس قدر پسند ہے کہ اس کے ایک ایک مصرع پر جان دیتا ہوں۔ ایک مصاحب نے کہا حضور غزل ہی ایسی ہے۔ اوّل تو خسرو کا کلام ہے شیخ شیراز نے اِن کی لیاقت کو تسلیم کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ خسرو کے کلام میں اس غزل کو اور غزلوں پر تقدم بالشرف ہے۔ حضور۔ مقطع کس قدر موزوں اور معنی خیز ہے۔ ع۔ بیک آمدن ربودی دل و جان صد چو خسرو ! سبحان اللہ سبحان اللہ دوسرے مصاحب نے کہا۔ پیرو مرشد صبح کے وقت بھیرویں کی دُھن میں بی مُغل کی گلے بازی کیوں نہ رنگ جمائے واللہ۔ ہم نے گانے والے اور گانے والیاں ہر ملک کے قوّال سُنے مگر اُس کافر بدکیش نے ایسی پیاری آواز پائی ہے کہ جس محفل میں گائے صغیر و کبیر سب کو لُٹادے۔ خدا کی دین واللہ خدا کی دین ہے۔ بی مُغل بھی چبوترے پر بیٹھی سُن رہی تھیں۔ اتنی سُنہ پائی تو اُٹھیں اور قریب آن کر پوچھا۔ کیوں دور از حال آج طبیعت بے لطف کیوں ہے۔ ہمایوں فر نے کہا پریشانی نے دائرۂ اعتدال سے باہر قدم نکالا ہے۔ طرح طرح کے خیالات دل میں جگہ پاتے ہیں مگر تشفی دیتا جاتا ہوں۔ ع۔ بے دل نیم ہنوز بر نیم چہ می شود۔ مصاحبوں نے کہا۔ سوچ اور فکر کیسی۔ شادیانے بجانے کا موقع ہے یا غور اور فکر کا۔ حضور مراد دل بر آئی۔ مغل شوخی کے ساتھ بولی۔ چاند سی دُلھن پائی خوشی منائیے بچینی کا کیا سبب ہے۔ نہیں۔ میں بڑے تڑکے سے حضور کی یہی کیفیت دیکھ رہی ہوں مگر اب تک عمداً خاموش رہی۔ اتنے میں دو چار مصاحب اور آئے۔ چار آئی۔ سب نے مل کر پی۔ مصاحبوں نے کہا حضور اب تو دھوپ نکل آئی۔ اندر چلیں حضور۔ مرزا ہمایوں فر نے ایک سجے سجائے کمرے میں بصد شان شہریاری متمکن ہوئے۔ اِدھر اُدھر رفیق بیٹھے تھے گپیں اُڑ رہی تھیں کہ دروازے پر بھیڑ لگ گئی اور یہ آواز آنے لگی۔ ہمیشہ دلبر سُبحان مبارک باشد۔ ایں ! کون ہے یہ بھانڈ کہاں سے آئے۔ قادر۔ محمود۔ دیکھو تو۔ دیکھتے ہیں تو کوئی بیس بھانڈ دروازے پر مستعد۔ ع۔ ہمیشہ دلبر سُبحان مبارک باشد ہمیشان دلبرِ سُبحان مبارک باشد۔ کئی آدمی مل کے گاتے ہیں۔ کچھ تال دیتے جاتے ہیں۔ دھما چوکڑی مچی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئی ہے۔ مرزا اکبر بیگ نے پوچھا۔ بھئی آج کس بات کا انعام مانگنے آئے ہو کہیں کسی نے بہکا تو نہیں دیا۔ ایک بھانڈ بولا۔ قربان جاؤں۔ بھلا ہم بہکنے والے لوگ ہیں۔ خضر کو راستہ بتانے کا دم واعیہ رکھتے ہیں مرزا اکبر بیگ نے کہا۔ واللہ تم کو کسی نے چکما دیا۔ دوسرا بھانڈ آگے بڑھ کر بولا۔ چلیے جس نے چکما دیا۔ اُس کا ایمان گیا مگر حضور شرعی قسم کیوں کھاتے ہیں کیا یوں یقین نہ آتا۔ اتنی بڑی ڈاڑھی والا جھوٹ بھی کہے تو انسان باور کر لے مگر۔ ع۔ یہ شکار کھیلے ہیں بر ملا انھیں ٹیٹون ہی کی آڑ ہیں۔ مرزا صاحب نے شہزادے سے کہا۔ حضور یہ ہمارا کہنا نہ مانیں گے ایک تو سُنا چکے ہیں اگر ذرا اور بولا تو بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ یہ نقشہ ہو گا ایک بوڑھے اور موٹے تازے بھانڈ نے تو ند ٹھکا کر کہا خدا اسلامت رکھے آج خالی خولی جانے والے کا مُنھ کالا۔ کسی نے ہم کو چکما دیا۔ کسی کو ہم چکما دیں گے۔ مرزا ہمایوں فر نے لالہ کالی چرن کو جو ڈیوڑھی کا حساب لکھتے تھے حکم دیا کہ ان کو جا کے سمجھا دو۔ لالہ جی نے گردن نکال کر کہا ارے صاحب آخر آج ہی کیا۔ اتنا کہنا تھا کہ بھانڈوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا پھبتیوں پر پھبتیاں ہونے لگیں۔ لالہ صاحب کی قطع عجیب و غریب دنیا سے نرالی تھی۔ ایک بھانڈ نے کہا۔ سچ کہنا کیکڑے کی کتنی ہوئی ہے۔ دوسرا بولا ہمیں تو سونس معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے نے کہا الٰہی لکھنؤ کا خطہ برقرار رہے واللہ اس شہر کے کمہاروں کے ہاتھ چوم لینے کے قابل ہیں۔ سیر بھر کھجوے کی مٹی لے کر ایسا بنایا کہ سچ مچ کا بن مانس معلوم ہونے لگا۔ چوتھے نے کہا اُستاد دم کی کسر رہی۔ پانچواں بولا پھر خدا اور بندے کے کام میں اتنا فرق بھی نہ رہے۔ لالہ جھلائے تو ان لوگوں نے اور بھی بنانا شروع کیا۔ چوٹ کرتا ہے ذرا سنبھلے ہوئے۔ چکٹ دریا ہی چاہتا ہے (ذرا پیچھے ہٹ کر) ارے خدا خیر کرے۔ ہمارے شہزادے بہادر کے ہاں بھی طرح طرح کے جنور ہیں (مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے) یہ دیکھیے ولایت کے دریا کا مگر مچھ۔ دوسرا بولا مگر انسان کی قطع لیے ہوئے۔ اے حضور شیر خورے بھی حاضر ہیں۔ اس وقت بڑھ کے حاتم کی گور پر اک لات لگائیے۔ مرزا اکبر بیگ نے کہا۔ یارو یہ کیا بے وقت کی شہنائی بجاتے ہو۔ ایک بھانڈ گھوڑا بن کر ہنہنانے لگا۔ ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔ گھوڑے ہیں۔ دو باگے ہیں۔ بتاگے ہیں۔ کھائیں کھلی لید کریں بھوسا۔ (دوسرا) واہ لندن کے عجائب خانے بھیج دے۔ (تیسرا) ہم تو شہزادے کے چڑیا خانے بیں بھیجیں گے۔ جہاں سونس اور مگر مچھ ہیں (چوتھا) واہی ہے گھانس تو نہیں کھا گیا گُجا گھوڑا گُجا چڑیا خانہ گھوڑا اصطبل میں بندھتا ہے یا چڑیا خانے میں نرے چوچ ہی رہے اُس نے کہا ہائے اتنا بھی نہ سمجھے۔ نخاس سے نکال دیئے جاؤ گے۔ ارے بے وقوف جب یہ جانگلو (لالہ اور مرزا کی طرف اشارہ کر کے) شہزادوں کے دربار میں بار پانے لگے تو گھوڑے اور گدھے میں فرق کیا باقی رہا۔ چاہے طویلہ خر میں تُرکی تازی عراقی کو باندھو۔ چاہے تُھسیلے میں۔ مرزا صاحب سخت خفیف ہوئے حضور غلام اسی لیے ان کے مُنھ نہیں لگتا۔ یہ بڑے مُنھ زور ہوتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مانتے کس کی ہیں۔ شہزادے نے کہا اب خرابی تو یہ ہے کہ ابھی کشتی وو آبہ امید و بیم میں ہے۔ یا پارہ یا ہم اور منجدھار رفقا نے کہا اے حضور بھلا ایسی بات ہے۔ اس کا تو خیال ہی نہ کیجیے۔

ایک طرار بھانڈ کودتا ہوا سامنے آیا۔ ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔ ہیں۔ اور سے مچھیرے تو ماں کے پیٹ ہی سے سرپٹ دوڑتے نکلے تھے۔ مرے گھوڑے کی کچھ نہ پوچھو۔ ایک بھانڈ بڑھ کر بولا۔ اپنی اپنی قسمت اور اپنے اپنے نصیب ہم ایسے اور ہم ایسے اور حضور کے دربار میں جگہ پائیں (لالہ کی طرف) ایسے تیسے۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان

طوقِ زرین ہمہ در گردن خرمی بینم

لالہ نے جھلا کے کہا۔ کلمات سقط زبان پر نہ لاؤ۔ بھانڈ بولا۔ اس لب و لہجہ کے صدقے۔ مرہون قلمدان دندان شکستہ ہوئے۔ جبھی سی وردِ دندان اندرون حلق کردیہون۔ (مٹک کر) واہ لالہ پکوڑی مل۔ لالہ اور جھلائے۔ ایک بھانڈ نے دوسرے سے پوچھا۔ بھلا تشخیص تو کرو یہ بن مانس یہاں کیوں کر آیا۔ کسی نے کہا چڑی مار لایا ہے۔ کسی نے کہا راستہ بھول کے بستی کی طرف نکل آیا ہے ایک نے بڑھ کر بہ آواز بلند کہا واہ یوں نہیں کہتے کہ چارنی صاحب (سرکس والے) کے ساتھ کا بن مانس کٹھہرا توڑ کے بھاگ آیا۔ اس پر لالہ اور جھلائے۔ تو اور بنائے گئے۔ حضور خدا جانتا ہے مُنھ بنانا خوب سکھایا ہے۔ جانور کو سکھانا ذری مشکل ہے مگر بنتے یہ بھی خوب ہیں (مرزا اکبر بیگ) مرزا صاحب نے کہا یار وہم نے کیا بگاڑا ہے الغرض شہزادے نے ایک بھانڈ کو بُلا کر کہا تم لوگوں نے آج واقعی بے وقت کی شہنائی بجائی۔ بس چلتا تو شہر سے نکلوا دیتا۔ بھانڈ نے کہا۔ اے سُبحان اللہ۔ ریاست کے معنی بھی یہی ہیں۔ ایک اشرفی دے کر بھانڈوں سے نجات ملی۔ اب سُنیئے کہ شہر بھر میں دھوم مچ گئی کہ مرزا ہمایوں فر کے ہاں بھانڈ گئے ہیں۔ ایں! شادی ـــ کے بعد جاتے ہیں یا قبل۔ اجی حضرت آپ تو نصیر الدین حیدر کے وقت کی باتیں کرتے ہیں۔ بھوکوں مرتے ہیں کوئی ٹکے کو بھی نہیں پوچھتا اب وہ ضرورت کو دیکھیں یا قبل اور بعد کو۔ شہزادہ ہمایوں فر کی شہر میں بڑی قدر و منزلت تھی جس نے سُنا خوش ہوا ہر کوچہ و برزن میں چرچا ہونے لگا کہ شہزادے کا نکاح قرار پایا ہے۔ اب خوب تیاریاں ہوں گی۔ دعوتیں چکھنے میں آئیں گی۔ پرنس ہمایوں فر بہادر کی ڈیوڑھی پر جو بھانڈوں نے گانا شروع کیا اور بڑی بیگم کے مکان پر آواز گئی تو سپہر آرا اور گیتی آرا جھروکے کی راہ سے دیکھنے لگیں۔ گیتی آرا کو حیرت ہوئی کہ اس قدر جلد خبر کیوں کر مشہور ہوگئی۔ عباسی مہری نے کہا حضور کچھ سُنا۔ ہمایوں فر بہادر کے ہاں کشمیری بھانڈ آئے ہیں۔ عید پیچھے ٹر سُنا تھا اللہ جانے کیا کہیں مگر شہزادے تو ہیں ہی دس پندرہ انعام کے دلوا دیئے ہوں گے۔ حسن آرا اور جہاں آرا جھوکوٹھے پر آئیں تو گانا سُن کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چونکیں۔ ایں! یہ لڑکا کس کے ہاں ہوا پڑوس ہیں۔ کیا ہمایوں فر کے ہاں کسی کے ہاں لڑکا ہوا۔ عبّاسی ذری جاکے دریافت کرنا۔ ہم جانتے ہیں ہمایوں فر کی بڑی بہن بھی آج کل یہاں ہی ہیں۔ عبّاسی بولی حضور ہیں تو ابھی وہیں سے چلی آتی ہوں لڑکا وڑکا کسی کے بھی نہیں ہوا۔ کشمیری بھانڈ آئے ہیں وہی گا رہے ہیں۔ ایک مسخرے نے تو ندمٹکا کر کہا۔ میرے گھوڑے کی کچھ نہ پوچھو یہ ماں کے پیٹ ہی سے کودتا اُچھلتا نکلا تھا۔

اس پر حُسن آرا اور اُن کی بہنیں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

اتنے میں ہمایوں فر کوٹھے کے اُس مقام پر گئے جہاں سے بڑی بیگم کی مہتابی کا سامنا تھا۔ عبّاسی نے دریچے کو بند کیا پھر کھولا اور پھر کسی قدر بند کر دیا۔ ہمایوں فر نے کہا۔ ہائے دریچہ کیا۔ عاشق کی چشم نیم باز ہے۔ ایک مُغلانی نے کہا۔ بڑی سرکار آگئیں۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو بڑی بیگم۔ سب بہنیں اُن کی طرف مخاطب ہوئیں۔ ہمایوں فر نے یہ شعر زبان پر لائے۔

نہیں روزن جو قصرِ یار میں پروا نہیں ہم کو
نگاہِ شوق رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں
مسیحا تم تو تھے اے جانِ جاں سارے مریضوں کے
نصیب دشمناں کیوں ہو گئے بیمار کیا باعث

صبح کے وقت ایک غیرت مہر و ماہ۔ ناوک نگاہ خواب ناز سے بیدار ہوئیں۔ عروسِ بہار کی جوانی اور صبح صفا پرور کی گلفشانی سے آنکھوں کو نور موفور حاصل ہوا۔ گو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی مگر خادمہ خوش سلیقہ بھی سرہانے کھڑی ایک نازک اور خوشنما پنکھا جھل رہی تھی۔ بی عبّاسی بن ٹھن کے سامنے آئیں ادب کے ساتھ آداب بجالائیں۔ مُغلانیاں اُٹھیں بندگی عرض کی بیگم صاحب نے مُنھ دھویا۔ مُغلانیوں نے چوٹیاں سنواریں۔ بیگم صاحب نے ایک سفید اور سادہ دوپٹا اوڑھا۔ عطر ملا۔ اور گلگشت چمن کے لیے چھماں چھماں چلیں خانہ باغ میں آئیں تو ہر برگ و بار کو مسرّت افشاں پایا۔ بادِ عطر بیز کے اہتزاز سے غنچۂ دل کھل گیا۔ گلوں پر نظر پڑی تو شگفتہ جبین۔ عبّاسی نے کہا۔ ہو ہو ہو۔ کیا سہانا سماں ہے۔ اللہ کرے روز تڑکے تڑکے آنکھ کھُل جایا کرے۔ ہم میں تو یہ بڑی نیستی ہے کہ بے آٹھ بجے آنکھ کھُلتی ہی نہیں۔ جب سارے میں دھوپ پھیل جائے تب کہیں آنکھ کھُلے۔ مُغلانی کو بدلا لینے کا اچھّا موقع ملا۔ کہا سرکار کو دُعا دو جن کی بدولت چین کرتی ہو نہیں تو تم ایسی کو پوچھے کون۔ ٹکے کو تو کوئی پوچھے نہیں۔ مہری کی بھی کوئی اصل و حقیقت ہے بھلا۔ دو چار روپیہ کی اوقات۔ آٹھ بجے تو شہزادیاں بھی سو کے نہیں اُٹھتی ہیں تمھاری کون کہے۔ یہ پاجامہ اور یہ دوپٹا اور دو تین جوڑے اور ہوں گے۔ یہ تو تمھاری کائنات ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسی پر یہ گمان۔ عبّاسی مسکرانے لگی۔ گمان ! ابھی گمان۔ اللہ ہماری سرکار کو برقرار رکھے حضور کے طفیل ہیں چین کرتے ہی ہیں۔ اللہ نے ہمیں چین کرنا نصیب کیا چاہے کوئی جل مرے۔ تم نہیں چین کرتی ہو تم پر ایسی کون تباہی آئی ہے۔ مُغلانی نے عبّاسی کو ازسرتاپا دیکھا اور گھور کر یوں جواب دیا۔ بہت چل نکلی ہیں۔ جب دیکھو طعنے ہی کی باتیں کرتی ہیں۔ کسی روز مُنھ پکڑ کے جُھلس دوں گی۔ اتنا کہنا تھا کہ دونوں میں گلمچپ ہونے لگی۔ مہری نے کہا مُنھ جُھلس اپنے ہوتوں سوتوں کا۔ ہمارا مُنھ کیوں جُھلسے گی۔ ہیں نہ پکڑ کے دسپنے (دست پناہ) سے زبان نکال لوں گی۔ بڑا گمان بڑا گمان۔ کیسی وہ بن کے چلتی ہیں تمھاری قبر تک سے واقف ہوں ہیں۔ باتیں اُس سے بناؤ جو تم کو جانتا نہ ہو۔ مُغلانی آگ ہوگئی۔ سُنا عبّاسی۔ فقط بیگم صاحب کا لحاظ کرتی ہوں نہیں جہاں کی ہو وہیں پہونچا دیتی اور سُنو ہم نے دنیا کی ایک بات کہی۔ اے بس پنجے جھاڑ کے لڑنے لگی۔ کیا جانے کن موئی شہد نیوں میں رہی ہے۔ عبّاسی انگلیاں مٹکا کر آگے بڑھی جیسی آپ ہے ویسی ہی سب کو سمجھتی ہے۔ آپ ڈوبے تو جگ ڈوبا ہیں مارے ملاحظے کے بولتی نہیں ہوں تو ایک کی دس لگاتی ہے۔ جب دیکھو چُغلی کھانے پر تیّار۔ سانپ ڈسیں گے مُنھ ہیں۔ اس پر ایک مہری نے جھڑک دیا۔ کہا واہیات کلمے زبان سے نکالتی ہو۔ سویرے سویرے اللہ کا نام نہ رسول کا۔ بھٹیاریوں کی طرح سے لڑنے لگیں اور دیکھتی جاتی ہیں کہ حضور سامنے ٹہل رہی ہیں مگر ایسی ڈھٹائی سے خدا سمجھے کہ دونوں کی زبان کترنی کی طرح چل رہی ہے ادب ودب سب بھُون کھایا عبّاسی ڈوپٹا سنبھالتی ہوئی بولی۔ تو بوا بتاؤ ہمارا اس میں کیا قصور ہے۔ ہم نے سرکار سے کہا کہ حضور سویرے سویرے آنکھ نہیں کھُلتی۔ آج تو تڑکے نیند اُچٹ گئی تو اس وقت ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بڑی بہار دکھاتے ہیں اے بس اس پر لگی لام کاف زبان سے نکالنے۔ کہنے لگی حضور کی بدولت چین کرتی ہو۔ ہم نے کہا کرتے ہی ہیں تم نہیں اُن کے صدقے میں پیٹ پالتی ہو۔ اُن کی جوتیوں کے صدقے ہیں۔ بیگم صاحب کچھ یوں ہی سے فاصلے پر ایک روش میں ٹہل رہی تھیں اور کسی خیال میں اس قدر محو تھیں کہ دنیا اور مافیہا سے اس وقت واسطہ نہ تھا۔ عبّاسی نے آگے بڑھ کر کہا حضور اس کے بہ سبب سے ہماری ناک میں دم آگیا بات بات پر تنکتی ہے اور کوسنے لگتی ہے) بیگم صاحب نے کچھ جواب نہ دیا تو عبّاسی خاموش ہو رہی۔ اتنے میں ایک خادمہ نے آن کر کہا حضور لالہ آئے ہیں۔ بیگم صاحب نے حکم دیا کہ حاضر ہوں ہم اس انگور کی ٹٹی میں جا کے بیٹھتے ہیں۔ اُن سے کہو حساب لائیں۔ لالہ صاحب تشریف لائے۔ ناظرین سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ کون بزرگوار ہیں۔ یہ لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے ولد لالہ حسین بخش ہیں۔ اخاہ۔ حضور ہیں۔ بسم اللہ تشریف لائیے۔ مزاج مقطع پُرانی فشن کی دستار زیب سر اور چپکن زیب بر پانوں میں گھیتلا جوتا۔ ہاتھ میں قلمدان آداب بجالائے۔ ثریا بیگم نے پوچھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لالہ کیا سردی معلوم ہوتی ہے۔ یا لرزہ آتا ہے۔ لحاف دردں لالہ خوشوقت رائے ولد خورسند رائے ولد لالہ حسین بخش نے کہا۔ حضور غلام باروں ماس جامہ وار کا عادی ہے۔ نواب قمر الدولہ بہادر کے وقت میں اُن کے درباریوں کی یہی وضع تھی۔ عبّاسی نے اس رائے کی تائید کی۔ حضور میرے مکان کے پڑوس مولوی انوار رہتے ہیں۔ اُن کی بعینہ یہی وضع ہے لالہ خوشوقت رائے نے آہ سرد بھری۔ حضور اب وہ زمانہ کہاں ہے۔ وہ وقت کہاں۔ وہ بات کہاں۔ وہ لوگ کہاں۔

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

جناب والد کوئی چھ روپیہ ماہوار طلب پاؤتے تھے (راوی) سُبحان اللہ مگر برکت (بروزن حرکت) ایسی تھی کہ غلام اور دو سیانے لڑکے میرے بڑے بھائی اور ہمشیرہ عزیزہ اور اُن کے شوہر اور چچا صاحب اور اُن کے گھر کے لوگ اور والدہ شریفہ بافراغت بسر کرتے تھے۔ دروازے پر دو دستے مقرر تھے بیس جوان۔ اصطبل میں دو یابو۔ دو گھوڑے۔ فیلخانے میں مادہ ہاتھی (بہت ہی خوب) اور بچہ فیل اور ایک شترنی (اونٹنی) اس فقرے پر ثریا بیگم کو بڑی ہنسی آئی۔ کہا بس ایک ہی شترنی تھی کہ دس پانچ شترنیاں۔! لالہ بولے بیگم صاحب ہاتھی دروازے پر جھومتا تھا۔ اب ایک گوشۂ عافیت میں جان بچائے بیٹھے ہیں۔ ع۔ نے غم وزدنے غم کالا۔

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گاذران بر سنگ

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ لالہ خوشوقت رائے بے اختیار رونے لگے ہائے قمر الدولہ بہادر کو کہاں پائیں گے۔ وہ محافل عشرت منازل اب سپنے میں بھی نہیں نصیب ہیں۔ (محافل اور سپنا) کتنے فصیح آدمی ہیں۔ سُبحان اللہ۔ سُبحان اللہ۔ لالہ نے فرمایا۔

زہر عضوم طپیدن زد چنان سر
کہ شد پیراہنم بالِ کبوتر

یہ حالِ دلِ زار ہے کہ میں گفتن نتوانم (فارسی بھی بولتے جاتے ہیں) ثریا بیگم کو پھر بے اختیار ہنسی آگئی کہا خوب آدمی ہو لالہ۔ لالہ صاحب نے فخریہ یہ شعر فرمایا۔ مگر انوکھے لب ولہجہ کے ساتھ۔

بعدِ مردن برائے بازو بجائے خاکم
کہ فشانند مصیبت زدگان بر سر خویش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں محلدار دوڑتی ہوئی آئی۔ اے حضور غضب ہوگیا۔ ہائے آج پھر لٹ گئے۔ ثریا بیگم دھک سے رہ گئیں۔ عبّاسی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ مغلانی نے کہا کہو تو آخر ہوا کیا۔ پانوں تلے سے مٹی نکل گئی۔ لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے پگڑی سنبھالتے ہوئے چلے۔ محلدار نے کہا اے حضور آج پھر کونبھل دی گئی۔ ہائے رہا سہا بھی لے اُڑا۔ ثریا بیگم جھپٹیں کہ چل کے دیکھیں تو مگر مارے رنج کے چلنا دوبھر ہوگیا۔ بشرے سے جنون برستا تھا۔ چہرے سے وحشت نمودار تھی۔ چشم خونچکاں۔ دیدۂ گریاں۔ محلسرا میں گئیں تو دیکھا کہ جس کوٹھری میں لالہ خورسند رائے کے (پوت) شب کو سوئے تھے اُس میں سینڈ لگی ہے۔ سینڈ دیکھتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ہاتھ مل کر کہا۔ ہائے ہائے ذری دیکھو تو کیا کیا لے گیا۔ مغلانی نے کہا حضور اِدھر سے کونبھل دے کر صحن میں آیا اور زینے کا دروازہ کھولا۔ کمروں کا قلف اقفل توڑا صندوق توڑے ایک بار جانے کیا کیا لے گیا ہوش وحواس کس کے ٹھکانے ہیں۔ عبّاسی کی نظر ایک چھڑی پر پڑی۔ کہا حضور یہ لکڑی بھول گیا ہے۔ اس کو رہن (رہنے) دیجیے۔ اس سے پتا ملے گا۔ ثریا بیگم ایک مقام پر بصد مایوسی بیٹھ گئیں اور کہا بس اب کمر ٹوٹ گئی۔ ہائے اُستانی جی ہم کو چھوڑ کے باندے چل دیں اور یہاں ہم کو لٹوا دیا وہ ہوتیں تو یہ تباہی کاہے کو آتی۔

اتنے میں پڑوس سے منہارن اور خواجہ صاحب کی لونڈی آئی۔ ہے ہے۔ اُف نوہ۔ اتنی بڑی سینڈ۔ اس ایک کی راہ سے تو موا صندوق کا صندوق پٹارہ نکل جائے۔ دُلھن جان نے کوٹھے سے آواز دی۔ عبّاسی، اے عبّاسی! اے عبّاسی۔ عبّاسی نے کہا آئی حضور آئی۔ کچھ پوچھیے نہ بیوی۔ ہائے لٹ گئی۔ اللہ کرے موئے نگوڑے کا جنازہ نکلے، اور گھر کے بھیدی کا دم ٹوٹے۔ بیگم صاحب نے کمرے اور کوٹھریاں دیکھیں تو اسباب سب تتر بتر۔ زریفت اور کمخاب کے پاپجامے اطلس اور گرنٹ کی کُرتیاں بیش بہا دوپٹے سب پٹاروں سے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے دل ہی دل میں سوچنے لگیں کہ بڑے میاں کی عمر بھر کی کمائی ہم نے اس مکان میں گنوائی۔ آدمیوں کے بھروسے پر رہے۔ اُنھوں نے کٹوا دیا۔ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ دو کوٹھریاں اتفاق سے بچ گئی تھیں۔ اُن کو کھولا تو کسی قدر تسکین ہوئی مگر لباس گراں بہا کا تلف ہونا سخت شاق تھا۔

دُلھن جان ڈولی پر سوار ہو کر آئیں۔ سمجھایا کہ بہن وہ تمھاری قسمتوں ہی میں نہ تھا اب اُس کا خیال نہ کرو مگر واسطے خدا کے اب ذرا ہوشیاری رکھا کرو۔ اتنے میں تھانہ دار صاحب دروازے پر آئے داروغہ خوشوقت رائے سے کہا۔ پردہ کراؤ۔ پردہ ہوا۔ تھانہ دار صاحب تشریف لائے۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ سوالات کرنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوال : رات کو اِس کوٹھری میں کون سویا تھا۔ اُس کو سامنے بلاؤ۔

جواب : شب کو بندہ اِس کوٹھری میں سویا تھا۔ ۱۱ بجے سے صبح تک۔

سوال : تمھیں کس وقت معلوم ہوا کہ سینڈ لگی۔ رات کو یا سویرے؟

جواب : دن چڑھے۔ چور نے سینڈ کو تختے سے چھُپا دیا تھا اور شب کو ذرا بھی کھٹکا نہیں معلوم ہوا۔ صبح کو محلدار نے اطلاع دی ورنہ ہمیں تو کچھ خبر ہی نہ تھی اور رات بھر اسی کوٹھری میں سویا تھا۔

سوال : بڑے تعجب کی بات ہے کہ شب کو کوٹھری میں آدمی سوئے اور اُس کے کلّے پر سینڈ دی جائے اور اُس کو ذرا بھی خبر نہ ہو۔ کانوں کان خبر نہ ہو۔ آپ کتنے عرصے سے اس سرکار میں نوکر ہیں۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور سخت تعجّب ہے آپ سوتے کے سوتے ہی رہے

جواب : میں ابھی دو ہی دن کا نوکر ہوں۔ بیشتر کبھی کیوں کر دیکھتے آپ۔

سوال : آپ کا مکان کس شہر میں ہے اور کس کی ضمانت پر نوکر ہوئے۔

جواب : اِس سرکار کے داروغہ کی ضمانت تھی۔ مکان نہیں ہے۔

ثریّا بیگم کی روح تک لرزتی تھی کہ خدا ہی خیر کرے بہت بُرے پھنسے مال کا مال گیا اور یہ کمبخت عزّت کا الگ گاہک ہے۔ یہ وہی تھانہ دار صاحب تھے جو اُستانی جی کے ہاں آئے تھے اور جو گن پر جان دیتے تھے اِتنے میں ایک کانسٹبل نے کہا۔ حضور وہ جو مرزا اُس مکان میں رہتے ہیں وہ دیکھتے تھے جب چور بھاگا۔ حُکم دیا کہ اِن کو بلاؤ اور نہ آئیں تو ہم خود وہاں جائیں۔ تھوڑی دیر میں مرزا جی آئے۔ تھانہ دار سے صاحب سلامت ہوئی۔ پوچھا کیا آپ اپنے مکان سے دیکھتے تھے۔ مرزا جی کچھ کہنے ہی کو تھے کہ اُن کے خدمتگار نے کہا حضور یہ تو غافل سو رہے تھے۔ میں نے البتہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ جو مُدّی رہتا ہے گیوّ لکڑہارے کی دُکان کے پاس۔ وہی تھا۔ مرزا صاحب نے کہا تم کو کیوں کر معلوم ہوا کہ وہی تھا۔ خدمتگار نے جھڑک کر جواب دیا۔ اجی۔ تم کو ان باتوں میں کیا دخل ہے۔ ناحق بن ناحق کی لین ٹین لگائی ہے۔ اِس پر کانسٹبل اور تھانہ دار اور لالۂ خوشوقت رائے اور مغلانیاں مہریاں سب ہنس پڑیں۔ گو ثریّا بیگم کمال ملول تھیں مگر ہنسی نکل گئی اور اس زور سے ہنسیں کہ مرزا جی کے کان تک ہنسی کی آواز آئی۔ ناظرین شاید تاڑ گئے ہوں کہ مرزا جی کون تھے اور اُن کے مُنھ پھٹ خدمتگار کا نام کیا تھا۔ یہ رونیو ایجنٹ۔ وہ سلاد بخش یعنی میاں سلارو۔

تھانہ دار صاحب تحقیقات کر کے لمبے ہوئے۔ اِدھر ثریّا بیگم فرطِ غم سے علیل ہو گئیں۔ کہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دُلھن جان ذری دیکھو توتپ کی آمد آمد ہے۔ دُلھن جان نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ کہاں۔ ہاں پنڈا پھیکا ہے۔ دو تین گھنٹے میں بیگم صاحب کو جوڑی آئی۔ داروغہ جی کو حکم ہوا کہ جا کے کسی ڈاکٹر کو بُلا لاؤ۔ داروغہ خوشوقت رائے ایک ڈاکٹر کے پاس گئے جن کا نام رجب خاں تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے کہا چلیے حضور سرکار نے یاد کیا ہے۔ تشریف لے چلیے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ سوچ کر بولے اچھا ذرا ٹھہر جائیے میں دو چار شعر کہہ لوں تو چلوں۔ داروغہ خوشوقت رائے بہت ہی خوش ہوئے۔ کہا۔ اچھا قلم دوات کاغذ منگوائیے تو فدوی بھی حضور کی مدح میں کچھ عرض کرے۔ قلم دوات کاغذ آیا۔ لالہ خوشوقت رائے نے قلم کی ٹٹوری کو ایڑ دی۔

در مدحیہ[1] بابو رجب خاں از سر مصرع نام[2]

ب۔ بجان و دل جو مسروف[3] و وا ہے	ا۔ ادائے مرض[4] میں وہ بے بہا[5] ہے
ب۔ بہ آسانی مریضوں کو شفا ہو	و۔ ولی اس فن کا گر کہیے بجا[6] ہے
ر۔ ریاست اور ریاضت میں ہیں یکساں	ج۔ جگہ دل میں مریض لا دوا[7] ہے
ب۔ بخوشی خلقی عطا ہوتی ہے دارو[8]	خ۔ خم اوصاف کا نور اک بھرا[9] ہے
ا۔ اگر یاں پر کہیں بقراط ڈر کیا	ن۔ نہیں دل کو جگہ شک بر ملا[10] ہے
ج۔ جہاں میں ہر جگہ انکی صفت ہے	ی۔ یہی دل سے تمنائے دُعا[11] ہے
ڈ۔ ڈکار بن آئیں نسخہ ایسا لکھے	ا۔ ادائے حق حکیموں پر روا[12] ہے
ک۔ کروں کیا وصف جو ہر[13] و دہم ہیں	ٹ۔ ٹھکانا نیک بد کا ایک جا[14] ہے
ر۔ رہے نظر وفا باد بہاری[15]	گلوں میں خار بھی ہر جا چھپا[16] ہے

۱۔ در مدح نہیں در مدحیہ۔ آپ کی اس مدحیہ کے صدقے۔

۲۔ از سر مصرع نام، آگے آیت۔

۳۔ مسروف کے ہجے آج معلوم ہوئے ہجے کیجیے ہجے۔

۴۔ مرض بفتحتین سُنتے تھے کہ داروے تلخ ست دفع مرض۔ مگر یہ آج معلوم ہوا کہ لفظ مرض ہے۔ میم رے زبر مرہ۔

۵۔ واہ وا۔

۶۔ سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ حضرت خوشوقت تو اولیا نکلے۔

۷۔ یعنی جس مریض کے مرض کی دوا ہو اُس کے دل میں اِن کی جگہ کریں۔

۸۔ دارو ضرور ہو۔ ادھیلے کی یا جون اور ادھیلے کی واجون۔ بس مشفق بس۔ اگر ہوس ست ہمیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدر بس است۔

۹۔ جوابے ندارد کمندِ ہوا۔

۱۰۔ کیا خوب۔ یہ ہجو ملیح ؟!۔

۱۱۔ جواب نہیں رکھتے۔ شاعری کے پنتر بگاڑ دیئے۔

۱۲۔ کتنا مضمون خیز شعر ہے۔ قلم توڑ دیئے چشم بد دور۔

۱۳۔ یعنی نیک اندر بد و بد اندر نیک۔ کیا کہنا ہے حضرت۔

۱۴۔ نظر وفا نے جان ڈال دی۔ نظر بفتحتیں غلط۔

۱۵۔ بہار لالۂ خوشوقت رائے کا تخلّص ہے۔ کیا خوب نباہا۔

۱۶۔ ایں! یہ مصرعے کا مصرع برائے وزن بیت ہے۔ واہ حضرت بہار چہ خوش چرا نباشد۔ خوب سوجھی شاباش۔ شاباش۔

اس (مدحیہ) سے ڈاکٹر صاحب کا نام نکلتا ہے۔ بابو رجب خاں۔ جی۔

ڈاکٹر: سُبحان اللہ۔ سُبحان اللہ۔ جی کے لفظ کے صدقے۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ اشعار پیش کیے۔ بہت خوش ہوئے۔ سوار ہوئے۔ بیگم صاحب کے مکان پر آئے۔ داروغہ خوشوقت رائے نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ پردہ کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب محلسرا میں تشریف لائے۔ نبض دیکھی مزاج کا حال پوچھا۔ عبّاسی نے کہا۔ حضور ابھی سویرے تک اچھّی تھیں مگر جب سے چوری کا حال سُنا طبیعت پریشان ہو گئی اور آپ ہی آپ تپ آگئی۔ اب اس وقت تو حضور نے دیکھا ہی۔ تپ کس قدر کی تیز ہے اور پیاس اس قدر کی ہے کہ ہات بات پر پانی مانگتی ہیں۔ زبان اور لب خشک ہوئے جاتے ہیں اور کہتی ہیں کہ تالو میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک نسخہ لکھا۔ کہا راس اینڈ کمپنی سوداگروں کی دُکان سے یہ دوائی منگوائی جائے۔ اور دو دو گھنٹے میں ایک ایک نشان دوا دی جائے بوتل پر دس نشان بنے ہوں گے اور پیاس لگے تو تھوڑا سا برف کا پانی دیجیے اور ایک ایک دانہ آلو کا۔ کمال نافع ہے دروازے چاروں طرف کے بند کر دیجیے اور خس کی ٹٹی کی ہوا بالکل سامنے نہ رہے مگر کمرے میں ٹٹیاں ہوں اور پنکھا ذرا نہ موقوف ہو۔ غذا ہر وقت موقوف۔ سہ پہر کو سیگو پانی میں دیا جائے مگر شکر نہایت صاف ہو۔

دو دن تک ڈاکٹر کا علاج رہا۔ تیسرے دن ثریّا بیگم بہت علیل ہو گئیں۔ اس وقت سوچیں کہ یا خدا اگر میں مر گئی تو یہ باقی ماندہ زیور اور نقد کون لے گا۔ اُستانی جی کا خط آچکا تھا کہ میں آج بانلے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے روانہ ہوتی ہوں مگر ایک ہفتے تک تم سے نہیں مل سکتی۔ راہ میں ایک جگہ ٹکوں گی۔ اِن کے نام خط نہیں بھیج سکتی تھیں۔ طبیعت کے اضمحلال سے اِن کو شک کی جگہ یقین تھا کہ اب کی نہ بچیں گی۔ اِس وقت ان کو اپنے افعال بد پر کمال افسوس ہوا۔ اور اُنھوں نے اپنے دل میں توبہ کی اور کہا خداوندا گو میں اپنی والدہ سے لڑکر اور اُن کو دُکھ دے کر گھر سے نکل آئی مگر تو ہی جانتا ہے کہ میرا دامن عصیاں سے پاک ہے گو جوان تھی اور مطلق العنان تھی لیکن ناموس کا ہر قدم پر خیال رکھا۔ سو چیں کر حُسن آرا بیگم کو خط لکھیں۔

ثریا بیگم کی علالت نے طول کھینچا اور دو ہی چار دن میں نہایت ضعیف ہو گئیں۔ یہاں تک کہ پلنگڑی سے پانچ سات قدم جانا اور پھر آنا بھی محال تھا۔ اُٹھیں اور تیور آنے لگے۔ چلیں اور پانوں ڈگمگانے لگے۔ نازک اندام تو تھیں ہی اِس بیماری نے اور بھی چُپ مُر کر دیا۔ تین دن تک ڈاکٹر صاحب کا علاج رہا مگر بدپرہیزی کے سبب سے مرض بڑھ گیا۔ اس کے بعد ایک حکیم سے رجوع لائیں علالت نے اور بھی طول کھینچا حکیم صاحب نے کوشش بلیغ کی کہ مرض کی بیخکنی کریں مگر جو دوا دی اُس نے برعکس نتیجہ دکھایا۔ ثریا بیگم بیچاری حیران و پریشان کہ کس سے مشورہ لیں اور کیا کریں۔ جس روز بیمار ہوئیں اُسی دن سوچیں تھیں کہ حُسن آرا بیگم کو خط لکھیں۔ ساتویں روز لالہ خوشوقت رائے کو بُلا کر کہا کسی اچھے منشی کو لاؤ تو ہم ایک خط لکھوائیں لالہ خوشوقت رائے کو زعم تھا کہ ہم سے بڑھ کر کون منشی ہے۔ کہا عرض کروں میں شاہی سے آج تک لالہ خوشوقت رائے بہار سے کوئی فرد بشر جو شکم مادر سے تولد ہوا ہے نثر یا نظم میں مقابلہ نہ کر سکا۔ عاری مسجع مقفیٰ مرجزادق سہل ممتنع جس قسم کی نثر کہیے لکھ دوں بیگم صاحب نے کہا۔ اچھا اس وقت نیند آتی ہے شام کو خط لکھوائیں گے۔ یہ کہہ کر بیگم صاحب نے ایک نہایت ٹھنڈے اور صاف شفاف کمرے میں آرام کیا۔ دروازے چوطرفہ سے بند، پنکھا چل رہا ہے اور خس کی ٹٹیاں برابر چھڑکی جاتی ہیں۔ پانچ بجے کے وقت بیگم صاحب خواب ناز سے بیدار ہوئیں۔ مُنہ دھویا۔ گلوری کھائی۔ اور عبّاسی سے باتیں کرنے لگیں۔ عبّاسی۔ حُسن آرا بیگم کے نام خط کس سے لکھوائیں۔ اس بوڑھے کو اپنی لیاقت کا بڑا زعم ہے مگر جنچتا نہیں۔ عبّاسی نے کہا قربان جاؤں حضور یہ لاکھ پڑھ لکھ جائے مگر ہندو اپھر ہندو ہے۔ ہندو یہ باتیں کیا جانے۔ کسی مسلمان سے لکھوائیے اور وہ بھی شہر کا۔ ناف شہر کا رہنے والا۔ اگر حضور حکم دیں تو میں ایک صاحب کو بلا لاؤں۔ ثریا بیگم کو عبّاسی کی باتیں پسند آئیں۔ بولیں۔ لاؤ تو سب کچھ مگر ایسا ہو کہ درد دل پر آگہی پاکر افشائے راز نہ کرے اور جو بھید کھل گیا تو کیا۔ اس سے تو نہ لکھوانا ہی اچھا ہے۔ عبّاسی نے سوچ کر کہا۔ حضور کیا مجال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے جو بات کھلنے پائے۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ اُسی وقت جوڑا بدلا اور چلیں جھٹپٹے وقت محلسرا میں داخل ہوئیں عرض کیا حضور وہ حاضر ہیں۔ آدمی حسین اور جوان اور شریف زادے ہیں۔ ایسا خط لکھیں گے کہ حضور بھی پھڑک جائیں۔ حکم ہوا چق کے پاس آئیں مگر شرط یہ ہے کہ میلے کپڑے نہ پہنے ہوں۔ عبّاسی نے اپنے دل میں کہا جب دیکھو گی تب قدر عافیت معلوم ہو گی کہ کپڑے میلے ہیں یا اُجلے۔ عبّاسی نے آہستہ سے کہا بی مغلانی میر صاحب کو آنے دو۔ میر صاحب کھٹ کھٹ کرتے ہوئے کوٹھے پر آئے کرُسی بچھی تھی اُس پر بیٹھے۔ بیگم صاحب نے از سر تا پا نظر ڈالی۔ چھریرا بدن۔ اکیس بائیس برس کا سن۔ نہایت ملیح۔ سبزۂ تہ گلگون خوش قطع۔ خوش وضع۔ بیگم صاحب سے یوں گفتگو ہونے لگی۔

بیگم: اسم شریف

میر: خاکسار کو میر محمد محسن کہتے ہیں۔

بیگم: دولت خانہ

میر: غریب خانہ اسی اجڑے دیار میں ہے۔

بیگم: تعلیم کہاں پائی۔

میر: فرنگی محل میں۔

بیگم: آپ تخلص کیا کرتے ہیں۔

میر: خاکسار کا تخلص آزاد ہے۔

کیا خوب خط لکھنے آئے وہ بھی آزاد ہی بن بیٹھے۔ آزاد کا نام سُن کر بیگم صاحب کا دل مسرور ہو گیا۔ بار خدایا جس طرح اس آزاد سے باتیں کرتی ہوں اسی طرح اُس آزاد سے بھی باتیں کروں۔ ع۔

آلہی وہ کبھی آجائیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں۔

بیگم: میر صاحب آپ سے ایک خط لکھوانا ہے۔

میر: بسم اللہ۔ جب ارشاد ہو

بیگم: وہ میرے دردِ دل کا اظہار ہے۔

میر: بجا۔ میں لکھ دوں گا۔

بیگم: مگر ایک شرط ہے۔

میر: فرمایئے۔ بسر و چشم منظور۔

بیگم: سوائے آپ کے اور کوئی نہ سُننے پائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میر: غیر ممکن ہے۔

بیگم: کیوں۔ کیا منادی کر دو گے۔

میر: میں اور میرا خدا یہ دونوں واقف ہو جائیں گے۔ بس۔

بیگم: (مسکرا کر) سبحان اللہ۔

میر: (ہنس کر) معاف فرمائیے گا۔

بیگم: مجھے اس قسم کا مذاق پسند ہے۔

میر: ہاں! الحمد للہ۔

بیگم: تو جناب میر صاحب میں حال عرض کروں۔

میر: بسم اللہ فرمائیے۔ اور ضرور۔ ہاں۔

بیگم صاحب نے بصد حسرت اپنا حالِ زار بیان کیا اور کہا۔

عجب درد یست جانم را اگر گویم زبان سوزد
دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

بیگم صاحب نے کہا میں بتاتی جاؤں اور آپ لکھتے جائیں۔ یا پہلے سُن لیجیے پھر لکھیے جو پسند ہو یہ آپ ہی کی رائے پر منحصر ہے۔ میر صاحب نے کہا آپ سب فرما جائیں میں اپنے طرز پر لکھ کر سُنا دوں گا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ ثریا بیگم نے کہا اگر خلافِ طبع نہ ہو تو ذری دس بارہ منٹ کے لیے اس کمرے میں بیٹھیے۔ میرے پُرانے معالج حکیم صاحب آئے ہیں مگر آج خدا جانے ڈاکٹر صاحب نے بن بُلائے کیوں تکلیف کی۔ میر صاحب اُٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے۔ عباسی کو اشارے سے بُلا لیا۔ کہا عباسی۔ خدا کی قسم ایسی صورت دکھائی ہے کہ جی چاہتا ہے تمہارے صدقے ہو جاؤں۔ چاند کا ٹکڑا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے نبض دیکھی مزاج کا حال پوچھا۔ بیگم صاحب نے کہا کیوں ڈاکٹر صاحب برف کی تاثیر کیا ہے۔ کہا سرد۔ برف کی تاثیر سرد ہے۔ بیگم صاحب نے حکیموں کی رائے ظاہر کی۔ یونانی طبیب تو برف کو گرم بتاتے ہیں۔ کہا اگر پانی میں ڈال کر پیجیے تو سرد ہے۔ لیکن چبانے سے گرمی پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تشخیص اور علاج میں اچھے تھے مگر سائنس نہیں جانتے تھے۔ ثریا بیگم نے کہا۔ حکیم صاحب نے ہمیں مونگ کی دال اور کھچڑی کھلا کھلا کر مار ڈالا۔ روز بروز طاقت گھٹتی جاتی ہے۔ اور وہ عمل تجویز کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کو کمال رنج ہوا۔ عمل اور اس حالت میں! لاحول ولا۔ بس یہی تو ان لوگوں کے علاج میں نقص ہے کہ مریض کو عمل دے دے کر مار ڈالتے ہیں۔ جب مریض

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمزور ہو گیا تو ملالت غالب ہو جاتی ہے اور طبیعت مغلوب۔

عبّاسی ڈاکٹر صاحب کی دشمن تھی۔ ہمیشہ کوشش کرتی رہتی تھی کہ ثریّا بیگم کے مکان میں نہ آنے پائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے حقّہ مانگا تو عبّاسی نے بات ٹال دی۔ بیگم صاحب سے دریافت کیا کہ دُلھن جان جائیں یا بیٹھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں بیٹھے بیٹھے اُکتا گئی۔

ثریّا بیگم: اچھا ڈاکٹر صاحب کو پان دے کر رُخصت کرو تو پھر بلاؤں۔

عبّاسی: حضور پان تو لینے گیا ہے۔ جب در بیے جائے تب کہیں لائے۔

ڈاکٹر: اجی دیکھو گلوریاں بنی ہوں گی دو چار لاؤ جا کر بی عبّاسی۔

عبّاسی: (اپنے دل میں) زہر لاؤں گی تیرے واسطے موا درگور۔

ثریّا بیگم: بی مغلانی۔ اے مغلانی۔ دو گلوریاں ڈاکٹر صاحب کے واسطے لاؤ۔ مگر بسا ہوا کتھا ہو۔ عمدہ گلوریاں لاؤ۔

مغلانی چار گلوریاں خاصدان میں رکھ کر لائی۔ ڈاکٹر صاحب نے چاروں گلوریاں اُٹھائیں۔ دو کھائیں۔ دو ہاتھ میں دبائیں اور رخصت ہوئے۔ عبّاسی تو اِن سے خار کھاتی تھی۔ ہجو کرنے لگی۔ کس حکومت سے حقّہ مانگا تھا۔ ذرا حقّہ تو لاؤ۔ پان تو کھلاؤ۔ گلوریاں تو بناؤ۔ اور موا ہجو حکیموں کی کرے اور سارے کانٹے اسی کے بوئے ہوئے ہیں۔ حکیموں کا کیا مقابلہ کرے گا۔ برف کو سرد بتاتا ہے جو سرد ہے تو کھانا کیوں ہضم ہو جاتا ہے۔ ٹھنڈی چیز بھی کہیں ہاضم ہوئی ہے۔ میں تک جانتی ہوں اور وہ ڈاکٹر بنے ہیں۔ توبہ توبہ۔ اتنے میں پھر چق کے اِدھر ایک کرسی پر میر صاحب بٹھائے گئے۔ اور باتیں کرنے لگے۔

میر صاحب نے کہا برف کو سرد بتاتے تھے۔ جی میں تو آیا کہ بحث کر بیٹھوں مگر میں نے کہا چُپکے بھی ہو رہو۔ ہاں صاحب اب آپ حال بیان کیجیے تو خط لکھوں۔ دیکھیے تو سہی۔ انشاء اللہ۔

ثریّا بیگم نے اپنا حالِ زار بیان کیا۔ میر صاحب چُپ چاپ سُنا کیے جب بیگم صاحب اپنی داستان ختم کر چکیں تو اُنھوں نے خط لکھا۔

ضراعت نامہ ثریّا بیگم

بنام نامی

خاتون یوسف جمال ومہ لقا حُسن آرا بیگم۔

درقفس بسیار ناشادیم ما　　　از فراموشان صیادیم ما

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حضور حُسن آرا بیگم کی خدمت میں عاجزہ ثریا بیگم آداب عرض کرتی ہے۔ حیرت ہو گی کہ یہ خط کس نے بھیجا ہے۔ طرزِ تحریر سے اجنبیت ظاہر ہوتی ہے۔ نام سے واقفیت نہیں۔ ثریا بیگم کون ہیں۔ کبھی کی جان نہ پہچان، خالہ جی سلام۔ یا الٰہی دھوکے سے تو یہ خط نہیں کھول ڈالا۔ مگر جب غور کیجیے گا تو سمجھ جائیے گا کہ میں کون ہوں۔ میں غمزدہ، ستم زدہ، یار جانی سے دور گوشہ نشین خمول ہوں۔ کیا بتاؤں کہ کون ہوں۔ مریض عشق ہوں۔ اور بس۔

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقولِ درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

میرا دل گلزار سراپا بہار تھا۔ اب اس گلشن سراپا خزاں کا عمل ہے۔ اب اس باغ میں وآئیں پر حسرت و ناکامی کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے یا خدا مدد دے۔ یا خدا مدد دے۔

شب تاریک و دل پُر بیم رہ باریک در پیشم
نہ زاد و زاد با خویشم توئی غفّار یا اللہ

میں نے اپنے کو اب خدا کے سپرد کیا۔ اب زندگی سے بیزار ہوں۔

بہار اے ابر رحمت بر غبارم ... دماغ ہر زہ جولانی ندارم
بکارم کُن ترشح آن چنان سر ... کہ ہر ذرّہ نماید دیدۂ تر
ز رشکِ گردِ من دریا تراد و ... سراب من انا الطوفان سراید
ز فرطِ تشنگی عالم خراب است ... غبارم کاسہ لیس حبابِ است

آپ سے فقط اس قدر التماس ہے کہ اس نیاز نامے کو ذرا غور سے پڑھیے گا بس۔ حُسن آرا بیگم۔ میں بھی اسی مرض میں مبتلا ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔ میں بھی اسی خنجر ناز کی شہید ہوں۔ میری بھی اسی پری رو پر جان جاتی ہے۔ تم کو میرے ساتھ ضرور ہمدردی کرنی چاہیئے۔ لیکن ہم دونوں میں ایک بڑا ابرق ہے تمھیں تو یہ خوشی ہے کہ جب آزاد پاشا۔ ہائے۔ لاکھ مخفی رکھا۔ مگر نام زبان سے نکل ہی گیا۔ اس نام کے صدقے۔ جی چاہتا ہے اس نام کو برسوں تک چوموں۔

زباں پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کیلئے

تم کو اس قدر امید ہے کہ جب وہ شیر مرد روم سے واپس آئے گا تو تمھارے دل کی کلی کھل جائے گی۔ مُنھ مانگی مراد مِل جائے گی۔ مگر یہاں ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ دونوں برابر ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے بُلبُلِ چمن نہ گُلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

خدا جانے اللہ نے کس منشا سے مجھے پیدا کیا۔ میں تو کسی مصرف ہی کی نہیں ہوں۔

گریان بشکلِ شیشہ و خندان بطرزِ جام
اس میکدہ میں آہ عبث آفریدہ ہوں

ایک دن اپنے مکان مالک تو اماں رشکِ بہشت مشک سرشت میں بیٹھی ہوئی نکھر رہی تھی کہ ایک مہری نے کہا آپ کے میاں کے پاس سے ایک آدمی آیا ہے اور خط لایا ہے۔ میں نے افسوس کے ساتھ کہا کہ کیا وہ موا بوڑھا کھوسٹ ابھی تک زندہ ہے۔ آدمی کو دیکھا تو چھیل چکنیا۔ شہزادوں کی سی صورت۔ خوبرو اور نہایت حسین۔ دیکھتے ہی عاشق ہو گئی اور ایک مجھ پر کیا فرض ہے۔ جس نے دیکھا عاشق ہو گیا۔ محفل میں بولیاں شیریں کار کہتی تھیں کہ کٹاؤ ہے اور غضب کا کٹاؤ ہے۔

بہ نیم غمزہ جہان جملہ قتل عام کنی
نعوذ باللہ اگر غمزہ را تمام کنی

ایک مقام پر میرا اور اُس کا ساتھ بھی ہوا۔ مگر پاک محبت وعدہ ہوا کہ شادی ہو گی پھر باہم ذرا شکر رنجی ہو گئی مگر پھر مل گئے۔

گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
ور ز ہندوئے شما بر من جفائے رفت رفت

صفائی ہو گئی۔ لیکن میری قسمت میں داغِ مفارقت لکھا تھا وہ پایا۔ اب میں اور افسردہ دلی ——— میں ہوں اور شکستہ دلی۔

دل شکستہ بقربِ خدائے راہ براست
کہ شیشہ چون شکنند رو دکان شیشہ گراست

تفرقہ پڑا تو ایسا کہ ہم کو اُن کی خبر نہیں۔ اُن کو ہمارا حال معلوم نہیں۔ خط کیسا اب سلام نہ پیام۔ ہائے جس وقت میں سوچتی ہوں کہ بیچارہ بے گناہ توپ کے مہرے بھیجا گیا تو کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ کجا وہ دن تھے کہ میاں آزاد اور ہم ایک مقام پر بیٹھ کر خوشی کے شادیانے بجاتے تھے اور ایک دن یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی خبر ہی نہیں۔ اب بات کو طول کون دے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آزاد ہم کو دھوکا دے کر چل دیئے۔ میں نے کوشش کی کہ کچھ کھوج خبر لگاؤں مگر پتا نہ ملا۔ آخر کار مسافرت اختیار کی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک سرا میں پتا پایا۔ وہاں میں نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ آزاد تم کو تمھاری حُسن آرا مبارک، مگر ہم بھی اتنا کہے دیتے ہیں کہ جب تک تم واپس نہ آؤ گے ہم جوگن کے بھیس میں رہیں گے۔ حُسن آرا بیگم تم چاہے بھول گئی ہو مگر میں سچ کہتی ہوں کہ تم سے بھی مل چکی ہوں اور دردِ دل سے تم کو بھی آگاہ کر چکی ہوں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اچھے اچھے رئیس زادے اور شریف زادے دعائیں مانگتے تھے کہ اس لڑکی کے ساتھ بیاہ ہو، اور ایک یہ زمانہ ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ رنج اور غم سے واقف ہی نہ تھے۔ سُنا ہی نہ تھا کہ رنج کسے کہتے ہیں، اور ایک یہ دن ہے۔

مطرب بگوشم زد نوا از گریہ محزون کردمش   ساقی بدستم داد مے پیمانہ پُرخون کردمش

شد ہر کہ گاہے ہمرہم بے خانماں شد ہمچو من   با ہر کہ بنشستم و می چون خویش مجنون کردمش

اس میں تو شک ہی نہیں کہ میرے افعال بد نے یہ دن مجھے دکھایا مگر اب توبہ کر لی۔ اور یوں تو جو ہوا وہ ہوا۔ گزشتہ را صلواۃ گنہگار ہوں مگر پاک دامن۔ شرمسار ہوں مگر عفیفہ۔

بازآ کہ از شرمِ گنہ سرتا قدم بگداختم
کوہے کو در سر داشتم از گریہ ہامون کردمش

اب دو چار روز سے سخت علیل ہوں، زندگی کی امید نہیں۔ ڈاکٹر کے علاج سے ذرا فائدہ نہ ہوا۔ حکیم کے علاج نے مرض کو اور بھی بڑھا دیا، امید زیست نہیں۔ اگر اس وقت تین باتیں مانو تو احسان، ورنہ شکایت نہیں مگر ذرا غور سے سُن لو۔

اولاً: آزاد کہاں ہیں۔ کوئی خط وط آتا ہے۔ پتا کیا ہے۔ اچھے تو ہیں۔

ثانیاً: اُن کی کوئی تصویر ہو تو ذری دو دن کے لیے بھیج دیجیے۔

ثالثاً: اگر کوئی بات مانع نہ ہو تو یہاں تک آئیے، یا مجھ کو بُلوائیے۔ باتیں کر لوں۔ بس۔ پھر کسی سے واسطہ نہیں۔

اتنا کہے دیتی ہوں کہ میں بھی شریف زادی بلکہ رئیس زادی ہوں۔ کوئی ایسی ویسی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خانماں خراب ہوں۔ تم کو اتنی ڈھارس تو ہے کہ آزاد کی بیوی کہلاؤ گی اور ہم کو کچھ بھی نہیں۔

شاد باش اے دل کہ فردا روز بازارِ جزا
مژدۂ قتل ست گرچہ وعدۂ دیدار نیست

مگر ہم اس میں ہی خوش ہیں۔ تن بتقدیر۔ راضی برضا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غواصی کن گرت گہر می باید — غواصی راچہا ہنر می باید
سررشتہ بدستِ یار و جان برکفِ دست — دم ناز و نٓہ وقدم ز سرمی باید

سررشتہ بدستِ یار ہے اور جان بکف بھی ہیں، اور دم بھی نہیں۔ مارتے اور قدم بھی سر سے چلتے ہیں، اب بھی اگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا تو افسوس کا مقام ہے۔

منتظر جواب ثریّا بیگم۔

یہ خط لکھوا کر عبّاسی مہری کو دیا کہ جاکے حسن آرا بیگم کو اپنے ہاتھ سے دے آؤ۔ میر صاحب کو دو روپیہ دے کر رخصت کیا۔ راہ میں میر صاحب نے کہا۔ عبّاسی تم نے آج وہ صورت دکھائی کہ ہمارا دل جانتا ہے۔ ع۔ ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ۔ یہ بتاؤ کہ آمد و رفت کیوں کر بند کریں۔ عبّاسی تنک کر بولی۔ اے ہوش کی دوا کرو مردوے اُن کے یہاں سُن لیں گے تو بن ناحق کا جھگڑا ہوگا۔ میر صاحب نے کہا میاں شادی ہوگئی ہے۔ یہ کیسے عبّاسی مہری نے ڈیوڑھی پر جاکر پوچھا۔ یہاں کوئی عبّاسی نوکر ہے۔ ناظرین خوب جانتے ہیں کہ ان دونوں کا نام عبّاسی تھا۔ دربان نے کہا ہاں۔ ہیں۔ کہا ذری بلوا دو۔ عبّاسی اندر سے آئیں۔ دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ ایک شوخ دوسری طرار۔ ثریّا بیگم کی عبّاسی شوخ تھی۔ حسن آرا بیگم کی عبّاسی بلا کی طرار۔ شوخ نے کہا اچھی تو رہیں بہن بہت دن پیچھے دیکھا۔ طرار نے جواب دیا ہاں دعا کرتے ہیں۔ آؤ۔ شوخ عبّاسی نے کہا بہن حسن آرا بیگم کے نام ایک خط لائے ہیں مگر کسی کے سامنے نہ دیں گے۔ طرار بولی۔ ہم سُن لیں کس نے بھیجا کس کا خط ہے کہاں سے آیا یہ کیا مطلب ہے۔ کہا ہماری بیگم صاحب نے بھیجا ہے۔ طرار عبّاسی شوخ عبّاسی کو حسن آرا بیگم کے پاس لے گئی۔ شوخ آداب بجالائی اور کہا حضور سے کچھ تخلیے میں عرض کرنا ہے۔ تخلیے میں جاکر خط دیا۔

حسن آرا بیگم نے خط پڑھا تو دنگ ہوگئیں۔ ایں یہ ثریّا بیگم کون ہیں۔ یہ تو آزاد کی گاہک نکلیں۔

حسن آرا بیگم نے خط کو مکرر سہ کرر پڑھا۔ ثریّا بیگم! یا خدا یہ کون ہیں مجھ سے تو کسی ثریّا بیگم سے ملاقات نہیں ہوئی اور وہ اپنے کو آزاد کی دلدادہ بتاتی ہیں۔ خدا کی شان۔

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

آزاد نے ان سے شادی کا وعدہ کیا۔ تعجب ہے! کہیں آزاد ہرجائی تو نہیں ہیں کہ سب سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وعدہ کرتے پھرتے ہیں۔ خدا ہی خیر کرے۔

تشایدہوسس بافتن باگلے
کہ ہر بامداوش شود بلبلے

مگر یقین نہیں آتا کہ آزاد ہمارے سوا کسی اور کو عقد نکاح میں لائیں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

بیگم! یا الٰہی یہ کون ہیں۔

شہ نشین میں جا کر عبّاسی مہری کو بُلوایا (طرار عبّاسی) سے کہا عبّاسی ذری دریافت تو کرو کون ثریّا بیگم ہیں میں نے تو آج تک ان کا نام ہی نہیں سُنا ثریّا بیگم کون ہیں آزاد اور ہمارے سوا کسی اور کو عقد نکاح میں لائیں! ہے ہے۔ آسمان پھٹ پڑے۔

حُسن آرا بیگم کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اُن کے حکم کی تعمیل کے لیے آزاد پاشا نے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ یہ خبر ہی نہ تھی کہ ایک بانوے مہ جبین نے ان کو قید کر لیا تھا اور اس قید فرنگ سے اُن کا چھٹکارا مُحال تھا۔ حُسن آرا اس خط کو بغور پڑھ رہی تھیں کہ گیتی آرا بیگم آ گئیں۔ بات ٹالنے کے لئے حُسن آرا نے کہا۔ گیتی آرا بہن جب جانیں کہ اس شعر کا مطلب سمجھا دو۔

بوسہ بمن دادی ورنجیدۂ
بازستان گرنہ پسندیدۂ

گیتی آرا نے کہا۔ اے لو اور سنو فارسی کا شعر ہم بھلا کیا جانیں اُردو شعر پڑھو تو شاید سمجھ میں بھی آئے۔ نہ کہ فارسی حُسن آرا نے کہا۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

گیتی آرا نے اس شعر کے مطلب پر غور کیا تو معنی سمجھ گئیں۔ مطلب یوں سمجھانا شروع کیا۔ سنو۔ حُسن آرا گو ہم کو شعر و سخن سے ذرا بھی واسطہ نہیں مگر ایسا بھی نہ ہو گا کہ گنوارنوں کی طرح چپکے بیٹھے رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان جی کڑا کر کے سفر کرے تو مسافر نوازی کی کمی نہیں اور کوئی چاہے مہمان داری کرے یا نہ کرے مگر شجر سایہ دار تو راستے میں ملیں گے۔ اُن کے سایے میں مسافر کو راحت حاصل ہو گی اور راہ میں سایہ دار درخت ہزاروں ہیں۔ بس۔ اے واہ کیا مشکل شعر پڑھا۔ ہم کو بھی ہزاروں شعر یاد ہیں۔

نزع کے وقت جو وہ محو دشمنانیں آیا   ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور اس پر کیا فرض ہے پچاسوں شعر اسی قسم کے ہیں۔ پڑھوں۔

زاہد کہ میں ضرور ڈرانے سے ڈر گیا
جامِ شراب لائے بھی ساقی کدھر گیا

اور فارسی کا بھی ایک شعر یاد ہے۔ ذری اچھی طرح سنو بہن۔

رندی و مستی نہ بگذارم تراب
صد بلا در پارسائی یافتم

حسن آرا مسکرا دیں۔ گیتی آرا بہن سچ کہنا یہ تین شعر آپ نے پڑھے اس کا مطلب بھی سمجھ میں آیا یا شعر ہی پڑھ دیئے۔ اچھا اب ایک بات میں آپ سے مشورہ لیتے ہیں۔ یہ خط ہمارے نام ابھی ابھی آیا ہے ثریا بیگم کا نام ہے۔ یہ ثریا بیگم کون ہیں۔ گیتی آرا نے رائے دی کہ ان کی مہری سے پوچھو۔ عباسی بلوائی گئیں۔ پوچھا مہری یہ کون بیگم صاحب ہیں۔ مہری نے کہا حضور ثریا بیگم نام ہے۔ ناف شہر کی رہنے والی ہیں۔ امیر ہیں رئیس زادی ہیں۔ حسن آرا نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔ مگر۔ خیر۔ پھر کبھی۔

عباسی بولی حضور کو جو شک ہو لونڈی رفع کرے۔ صدقے گئی۔ اُنھیں سرکاروں کا اب تک نمک کھایا ہے۔ میرے بزرگ نور جہاں بیگم کے باپ کے ساتھ میں ملک میں آئے تھے مگر اب تو ہم ایک مہری ہیں حضور کی بدولت چین کرتے ہیں۔

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب ولارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

حسن آرا بیگم نے پوچھا کیوں عباسی تم کو یہ شعر کس نے سکھائے ہیں کہ بات بات پر شعر کہتی ہو۔ شاباش۔ عباسی نے جو اس قدر شہ پائی تو جامے میں پھولی نہ سمائی۔ اتنے میں سپہر آرا اور جہاں آرا بھی جمانِ جمان تشریف لائیں۔ سپہر آرا نے یہ شعر پڑھا۔

ہے یہ وہ درد کہ جس درد کا چارہ ہی نہیں
دان لڑی آنکھ جہاں اپنا گزارہ ہی نہیں

حسن آرا نے اُس خط کا جواب یوں لکھا۔

بیگم صاحب کی خدمت میں کورنش۔ آپ کا نامۂ عنایت شرف ورود لایا عزّت بخشی رُتبہ بڑھایا۔ خط کا ہے کو ہے میری آتش عشق بھڑکانے کے لیے بادِ تند ہے۔ آزاد ہائے آزاد۔ تم بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسی مرض کی مبتلا نکلیں۔ میرا آنا معلوم کنواری لڑکی۔ بے دیکھے بھالے سمجھے بوجھے کہیں کیوں کر جا سکتی ہوں لیکن اگر تم آؤ تو دو گھڑی غم غلط ہو۔

بنال بُلبُل اگر بامنت سرِ یاری ست
کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زاری ست

آزاد کا حال اس قدر معلوم ہے کہ روم میں افسر جنگی مقرر ہو گئے ہیں۔ کئی معرکے سر کر چکے۔ اُن کے افسر ایسے خوش ہیں۔ جہاز پر آزاد نے بڑا کار نمایاں کیا۔ ستر اسّی آدمیوں کی جان بچائی۔ جہاز ڈوب گیا۔ اُن کو سمندر میں پیرنا پڑا۔ بڑی بڑی مصیبتیں سہیں۔ اب میرا جی بے اختیار چاہتا ہے کہ آزاد روم سے واپس آئیں مگر یقین نہیں آتا۔ ہائے اس اندر والے کو کیوں کر سمجھاؤں۔ یہ ہاری جیتی ایک نہیں مانتا۔ تم اگر آؤ تو تم کو دیکھ کر ہم جئیں۔ ہم کو دیکھ کر تمھاری زندگی ہو۔ تم سے زیادہ ہمدرد ہمیں اور ہم سے زیادہ ہمدرد تم کو نہ ملے گا۔ ثریا بیگم سچ کہتی ہوں اگر بس چلتا تو اسی دم نفس نکلواتی اور تم کو دیکھ آتی۔ مگر خوف ہے کہ مبادا ہیچٹوں میں سُبکی ہو۔ لوگ طعنے دیں کہ نوج ایسی لڑکی کسی بھلے مانس کی ہو۔ اس ڈھٹائی کو دیکھو کہ پرائے گھر کیسی بے تکلفی سے چلی گئی۔ دل پُھنکا جاتا ہے۔ حُسن آرا بیگم اس قدر لکھ چکی کہ جہاں آرا آئی۔

جہاں آرا بیگم : ذری سمجھ بوجھ کے لکھیے گا۔ ہاں زمانہ نازک ہے۔

حُسن آرا : یہ کیوں۔ زمانہ نازک ہے تو کیا ہم کو اس سے کیا مطلب۔

جہاں آرا : فرض کرو کسی شریر آدمی کا لکھا ہو تو بے سوچے سمجھے ہرگز ہرگز نہ کچھ لکھنا۔ بلکہ ہم تو جواب بھیجنے کی بھی صلاح نہ دیں گے۔

حُسن آرا : اس میں کچھ ہرج نہیں ہے جواب کوئی ایسا ویسا تھوڑا ہی ہے۔ میرے دل پر اس خط سے خدا جانے کیا گزری۔

غم سے دل پر خون ہے قطرہ دیدۂ تر میں نہیں — بادۂ گلرنگ شیشے میں ہے ساغر میں نہیں
دل جو ٹوٹا آہِ آتشناک پیدا ہو گئی — چوٹ کی نازش ہے ورنہ آگ پتھر میں نہیں
نالۂ عشاق سے خالی ہے کب زنجیرِ در — کب نگاہیں اس پری کی روزنِ در میں نہیں
خانۂ تن سے ہماری روح چنپت ہو گئی — تا بہ دروازہ پہنچ کر جب سنا گھر میں نہیں

یہ اشعار ایک روز آزاد فرخ نہاد نے اُس محل میں حُسن آرا کو سُنائے تھے جو دریا کے قریب واقع تھا تفریح طبع کے لیے حُسن آرا اور سپہر آرا اور ملّاح ملیح یعنی اُس پیر مرد کے ساتھ نئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھیں۔ حُسن آرا کی آنکھوں میں لطف محبت دیرینہ پھر گیا۔ آنکھیں اشکبار دل بیزار پھر خط لکھنا یوں شروع کیا اگر آئیے تو مجھے اطلاع دیجیے۔ جو سواری منظور ہو وہ بھیج دوں اتنی تشفّی دیتی ہوں کہ آزاد بخیریت ہیں۔

منت بناز طبیان نیاز مند مباد
وجود نازکت آزادہ گزند مباد

آمین ثم آمین۔ یہ خط حُسن آرا نے سپہر آرا کو دکھایا۔ سپہر آرا کو پسند نہ آیا۔ کہا باجی جان عبارت پھیکی ہے اور ایک ایک لفظ سے وحشت برستی ہے۔ یہ خط نہ بھیجے۔ حُسن آرا نے کہا نہیں نہیں بھیج بھی دو۔ عبّاسی خط لے کر ثریّا بیگم کے مکان پر گئی تو دیکھا کہ بیگم صاحب بیٹھی رو رہی ہیں۔ ایں اخیر باشد۔ بی مغلانی خیریت تو ہے۔ مغلانی نے اشارے سے کہا ذرا خاموش رہو۔

اب سُنیے رونیو ایجنٹ جو ثریّا بیگم کے مکان پر آئے تو اتفاق سے ان کو دیکھ لیا۔ دنگ ہو گئے کہ یا الٰہی یہ یہاں کہاں پہلے سمجھے کہ ہمارے ہاں سے بھاگ کر یہیں رہی ہوں گی اُس وقت تو کچھ نہ بولے مگر گھر جا کر سلارو سے کہا۔ سلارو کو مطلق یقین نہیں آیا۔ سوچا کہ میاں پاگل تو ہیں ہی کسی عورت پر نظر پڑی ہو گی کہہ دیا شبّو جان ہیں صرف رونیو ایجنٹ کے بنانے کی غرض سے کہا۔ حضور پھر کچھ فکر کیجیے یہ کون مشکل بات ہے۔ یاروں کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ رونیو ایجنٹ پاگل تو تھے ہی۔ حضرت نے فوراً خط لکھا۔ عنوان کا شعر اس قابل ہے کہ بلا تحقیقات ان کو پاگل خانے بھیج دے۔ شبّو جان کے نام کو خط لکھتے ہیں اور القاب سنیے۔

اے افسرِ دلبران سلامت
وے خواہر مہربان سلامت

راوی : اے لعنتِ خدا۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ مگر شرم چہ کتی است الخ اس کے بعد یوں لکھنا شروع کیا۔

تمھارے چلے جانے سے دل پر جو کچھ گزری اس کا حال دل جانتا ہے۔

اشتیاقے کہ بدیدار تو دارد دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من

میری مروت اور انسانیت کو دیکھو کہ بلا مرضی جنبش نہیں کرتا تھا جو حکم دیا بجا لایا مگر افسوس صد افسوس کہ تم سخت بے مروّت نکلیں اور ایک تم پر کیا فرض ہے۔ ع۔ زنان را کید ہائے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بس عظیم ست۔ اگر جانا ہی تھا تو ہماری اجازت لے کر ہنسی خوشی گئی ہوتیں۔ یہ کیا کہ بے اطلاع کے بھاگ گئیں۔ میرا خدا ہی خوب جانتا ہے کہ تمھاری جدائی سے کس قدر کوہِ الم مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا روتا تھا۔ لیکن تم ایسی بے مروّت نکلیں کہ خبر بھی نہ لی۔ اُس دن اتفاق سے تمھارے جمال مبین پر نظر پڑی۔ ہائے۔

کیا خداداد حُسن پایا ہے

آپ اللہ نے بنایا ہے

اب خیر اسی میں ہے کہ آؤ۔ جس طرح کسی کو کانوں کان خبر نہ کی اور چل دیں اسی طرح اب بھی کسی سے کہو نہ سُنو۔ چپ چاپ چلی آؤ یا مجھے بلا لو۔ اگر کسی رئیس زادے کی نوکر ہو تو چلی آؤ اور اگر خود مختار ہو مجھ خستہ جان کو بلاؤ۔ میں فقط تشنہ شربت دیدار ہوں اس سے مجھے محروم رکھو۔ ایک دفعہ دیکھنے سے تسلّی نہیں ہوتی۔

قانع بہ تجلّی نشود شائق دیدار

پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتوان کرد

تم خوب جانتی ہو کہ میں وکیل ہوں اور نامی گرامی وکیل ہوں۔

راوی: دریں چہ شک۔ حضور کو کوئی رونیو ایجنٹ کہہ سکتا ہے کیا مجال۔ وکیل بلکہ بیرسٹر۔

سلارو نے کہا میاں ذری خوب غور کر کے لکھنا۔ ہاں وہ پڑھی لکھی ہیں۔ خوب ہاتھ سنبھال کے لکھو جس میں دستخط ہی دیکھ کر ریجھ جائیں اور نہیں ایک بات ہم بتا دیں۔ ہم کو بھیج دیجیے میں کہوں گا بیوی وہ تو مالک ہیں پہلے اُن کے غلام کے تلام کے چلام سے تو بحث کر لو۔ دیکھو تو کیسی دھواں دھار تقریر کرتا ہوں کہ وہ بھی پھڑک جائیں۔ مگر ایک بات اور بھی ہے میری تقدیر یہ تو جادو کی بھری ہو گی۔ گو پڑھا لکھا نہیں ہوں مگر عمر بھر لکھنؤ میں رہا ہوں۔ ہم سے تو وہ تقریر میں پیش نہ پائیں گی۔ لیکن حضور گڑبڑا جائیں گے۔ رونیو ایجنٹ نے آنکھیں نیلی پیلی کر کے سلارو کو ڈپٹنا شروع کیا تو ہم کو دیہاتی سمجھے شان خدا چلو بس بک بک نہ کرو خط لکھنے دو۔ خط ادھورا رہا جاتا ہے۔ سلارو کونے میں جا کر بیٹھ رہا خط کے آخر میں اس قدر اور بڑھا دیا۔

میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ بد آدمی نہیں ہوں اور اس کا تم تجربہ بھی کر چکی ہی ہو۔ اگر مزاج میں بدی ہوتی تو اتنے دن تم ہنسی خوشی کے ساتھ نہ رہتیں۔ تم خوب جانتی ہو کہ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل خوش تقریر ہوں۔

پھر یہ فقرہ تو ہو چکا۔ اس کے اعادے کی کیا ضرورت ہے خیر آگے لکھیے۔ اس کے بعد یوں لکھا تم خوب جانتی ہو کہ میں حکام رس بھی ہوں اگر چاہوں تو تم کو ماخوذ کرا دوں۔ پوچھو کیوں کر۔ وہ اس رات کی روایت یاد ہے جب تمھارے کسی ساتھی نے ایک کانسٹبل کو قتل کیا تھا۔ اب بتاؤ مجرم ہو یا نہیں۔ شبو جان یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میں بھی تمھارے خلاف ہو جاؤں کیا مجال لیکن اگر تم نے بات نہ مانی اور ہم کو ترسایا تو پھر ہم بھی دق کریں گے۔

کانٹوں میں اگر نہ ہو اُلجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

سُبحان اللہ معشوق کو واقعی ایسا ہی لکھنا چاہیئے عشق صادق اسی کے معنی ہیں ماشاء اللہ تم ماشاء اللہ۔

خط کی آخری عبارت یہ تھی۔ اب ہم اس خط کو ختم کرتے ہیں۔

راقم وہی ملازم میاں سلارو۔

شطلو میں : اُف واللہ پھر کا دیا۔ ملازم میاں سلارو کی اچھی کہی۔ سلارو بڑے خوش قسمت آدمی ہیں۔ خط لے کر سلارو کو بلایا اور کان میں کہا بھگو کو بلا لاؤ۔ سلارو بولا۔ ارے چپ اس قدر زور سے نہ کہو ورنہ برق انداز پکڑ لے جائے گا وہ اسی تاک میں کھڑا تھا۔

اور کہا مردک کے وقت دل لگی سے باز نہیں آتا۔ دل لگی بازی کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے یا ہر وقت دل لگی ہر وقت دل لگی مسخرہ کہیں کا ہم کو بھی کوئی وہ سمجھا ہے۔ جاؤ اور ابھی بھگو کو بلاؤ۔ سلارو اُٹھے بھگو کے ہاں گئے۔ کہا چلو میاں نے بُلایا ہے آج اُن کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ بھگو نے کمال افسوس کہا ہائے ہائے یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔ یہ آنکھ کیوں کر جاتی رہی۔ بھگو کو لے کر میاں سلارو مکان پر آئے۔

بھگو : وکیل صاحب سلام۔ مجاز اچھے حضور کے ہم کو تو سُن کے بڑا رنج ہوا اگر کہاں کو بلاؤ ذری میں دیکھوں تو۔

وکیل : (دنگ ہو کر) کیا کہاں آئے کیا کرے گا کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔

بھگو : اے میاں لے مجھے کیا معلوم تھا نہیں میں آتی کیوں سلار بخش نے کہا خدا نخواستہ۔

وکیل : ہاں کہا۔ خدا نخواستہ کے بعد کچھ اور بھی کہو گی یا خدا نخواستہ پر ختم کرو گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ کہہ کر وکیل صاحب نے بھگو کی طرف رُخ کیا تو اُس نے دیکھا کہ دونوں جھک رہی ہیں۔ ارے! توبہ توبہ بے اختیار ہنس دی۔ سلارو کی شرارت سے واقف تو تھی ہی۔ کہا حضور معاف کیجیے گا۔ اس موئے مسخرے نے جا کے کہا کہ میاں کی نصیب دشمنان ایک آنکھ جاتی رہی اتنا سُننا تھا کہ رونیو ایجنٹ آگ ہو گئے اور لکڑی لے کر مارنے دوڑے۔ سلارو تو پہلے ہی سے کیل کانٹے سے لیس تھا چک کے زینوں پر ہو رہا اور وہاں سے بھاگا تو سڑک پر تھا۔ رونیو ایجنٹ نے کہا ع۔ اصل بد از خطا خطا نکند۔ آج سے آیا تو ٹانگ ہی توڑ ڈالوں گا۔ جب ذرا غصّہ فرد ہوا تو بھگو سے کہا اگر یہ کام کر لاؤ تو عمر بھر کے لیے غلام ہو جاؤں۔ کام یہ ہے کہ یہ خط لو اور اس سامنے والے محل میں جاؤ جس میں (بعینہ) ہے وہاں ایک بیگم رہتی ہیں۔ شبّو جان۔ اُن کو یہ خط دو اور جواب لاؤ۔ یہ خط لے کر بھگو ثریّا بیگم کے مکان پر گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے خط دیا اور کہا وکیل صاحب نے بھیجا ہے۔ وکیل کا لفظ سُنتے ہی ان کے کان کھڑے ہوئے۔ پوچھا کون وکیل۔ کہا وہی جس کے ہاں سلارو نوکر ہے۔ ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ ثریّا بیگم نے خط لے لیا اور نیچے جا کر داروغہ خوشوقت رائے کو بُلایا اور تخلیے میں خط پڑھوایا۔ داروغہ خوشوقت رائے بغور دیکھتے جاتے تھے کہ ثریّا بیگم کا رنگ فق اور سُرخی زردی سے مبدل ہوتی جاتی ہے۔ جب پورا خط پڑھ چکے تو کہا۔ یہ کسی پاگل کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ خدا جانے کیا واہی تباہی بک رہا ہے۔ ثریّا بیگم نے کہا تم اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی قسم کھاؤ کہ کسی سے اس امر کا تذکرہ نہ کرو گے۔ خوشوقت رائے نے شرعی قسم کھائی اور کہا اگر تذکرہ کرنے کی نیّت بھی ہوئے تو یاد کس کو رہتا ہے۔ یہ خط تو شبّو جان کے نام ہے۔ خدا جانے یہ عورت یہاں کیوں کر چلی آئی۔

ثریّا بیگم کے دل میں صدہا قسم کے خیالات نے جگہ پائی۔ کوٹھے پر آن کر بھگو کے کان میں کہا کہ ہم تین چار دن میں اس خط کا جواب بھیج دیں گے۔ بھگو سلام کر کے رُخصت ہوئی۔

عبّاسی مہری ان کی چتونوں سے تاڑ گئی کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ دیکھا کہ بیگم صاحب کمرے میں جا کر دُلائی اوڑھ کے سو رہیں، پلنگڑی کے پاس جا کر بیٹھی اور آہستہ آہستہ پنکھا جھلنے لگی۔ مغلانی نے کان میں کہا عبّاسی خیر تو ہے۔ آج سرکار کی طبیعت کچھ زیادہ سُست معلوم ہوتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ عبّاسی نے اشارے سے کہا چُپ رہو۔ دوسری مغلانی آئی کیا آج خدا نخواستہ طبیعت زیادہ سُست ہے۔ عبّاسی نے ان کو بھی اشارے سے ٹال دیا۔ محلدار آئی۔ اے عبّاسی کیا نصیب دشمنان آج بخار کا زور ہے۔ داروغہ خوشوقت رائے نے موقع پا کر بھگو سے گفتگو کی، اور پوچھا تم کو کس نے بھیجا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معشوقۂ ترنج ذقن کے نام عاشقِ دل سوختہ و ناکام کا نامۂ حسرت انتما اور قسطنطنیہ وغیرہ مقامات کے حالات دلچسپ و دلربا

عاشقِ بے برگ و نوا آزاد پاشا کا حسنِ شستہ ان کی جان کا دشمن ہو گیا۔ کئی ہفتے تک اسی کہسار جنون زا میں قید رہے۔ اتنے عرصے میں صرف ایک بار نخلِ مراد بارور ہوا۔ یعنی اس محبوب سیم ساق نے اُن کے عارضِ گُل پوش کا بوسہ لیا اور ان کو اجازت دی کہ اُس ناظورۂ صبح جبین کے رُخسارِ خورشید فروغ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایک بوسہ لیں۔ اللہ رے غرور۔ مگر بسم اللہ تو ہوئی۔ یہ بھی غنیمت ہے۔

ایک روز آزاد پاشا نے قسطنطنیہ وغیرہ مقامات کی سیر و سیاحت کا حال۔ حسن آرا کو خط میں یہ لکھا۔ وہو ہذا۔

تو اے نسیمِ سحر گہ زجانب آزاد
برو بخدمتِ آن گُل عذار حور نژاد

جانِ آزاد۔ یوں تو خدا کی خدائی میں ایک سے ایک خوشنما اور دل کشا فرح بخش اور پُر فضا مقام ہے۔ لیکن قسطنطنیہ سا شہر دید کی آنکھوں نے کبھی دیکھا نہ شنید کے کانوں نے کبھی سُنا۔ عشرت کا شانہ ہے پریخانہ ہے عقلِ کل دنگ ہے کہ الٰہی یہ شہر ہے یا نگار خانۂ ارژنگ ہے۔ مکان عالیشان محل فلک توامان دوکانیں صاف و شفاف و حیا پرور اور از گدارو ورویہ مہ طلعتان شبیہ شق القمر ساحلِ بحر پانچ کوس رہ گیا تھا کہ قسطنطنیہ کے ایوانِ سپہر مرتبت لطف تماشا دکھانے لگے۔ نقش و نگار پر بہار۔ گنبد طلائی عظمت بار۔ نور کے تڑکے جب کہ ہمارا جہاز سحر آشام کسی قدر فاصلے پر تھا تو کُہرا مشاہدہ کا حائل تھا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد قسطنطنیہ نظر آیا۔ تشنگانِ حجاز کو آبِ زُلال اور عشاق زار کو وصلِ معشوقۂ جادو جمال سے وہ خوشی حاصل نہیں ہوتی جو مجھے اس تقدس بنیاد اور مینو سوادِ شہر کے دیکھنے سے حاصل ہوئی۔ بعدِ مدت مُنھ مانگی مُراد پائی۔ سعادت نے اپنی صورتِ زیبا دکھائی۔ دلی آرزو بر آئی۔ زہے نصیب

صد شکر کہ آفتابِ مقصود
از برجِ امید چہرہ بنمود

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قسطنطنیہ سا خوش نما اور لطف پرور شہر ساری خدائی میں نہیں ہے یہ شہر ساحل بحر مارمورا پر واقع ہے اور کہسار رفیع اُس کے سامنے اور بھی لُطفِ مزید دکھاتے ہیں۔ تین حصے مکانات شہر کے سمندر سے صاف نظر آتے ہیں اور عجیب کیفیت دکھاتے ہیں۔ مغرب کی سمت ایک بڑی عمیق کھائی ہے اور دیوار (شہر پناہ) نہایت محکم اور مرتفع چار میل تک گئی ہے۔ یہ دیوار کوہ رفعت شاہ تھیوڈرد سیس نے بنوائی تھی جا بجا مینار اور ان کے چمکتے دمکتے سر طوق اور آہنوس کے عظیم الشان پھاٹک ہیں۔ شہر خود پہاڑ ہی پر واقع ہے۔ دور سے عموماً اور ساحل بحر سے خصوصاً نیلگوں پتھروں کی اونچی اونچی مسجدیں اور ان کے متعدد مینار اور مختلف ایوان کے مکانات قابلِ دید ہیں نہ شنید ہیں۔

باغ اس شہر میں اس کثرت سے ہیں کہ کوئی محلّہ ایسا نہیں جس میں دس بارہ باغ نہ ہوں۔ چمن طرازی اور خیاباں پروازی اس شہر کے کامل فن باغبانوں پر ختم ہے۔ ایسی چمن بندی کبھی کاہے کو دیکھنے میں آئی تھی۔ اکثر اشجار پر بہار اس قدر بلند ہیں کہ گویا آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ ساحل بحر پر کھڑے ہو کر اِدھر سمندر اُدھر شہر کی کیفیت ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ بیان سے باہر۔ اکثر درخت سدا بہار ہیں خزاں پتا توڑ بھاگتی ہے۔ عروسانِ چمن نے بہار کو اپنے بس میں کر لیا ہے۔ ساحل بحر پر ہر قسم کے جہاز ہر ملک کے آدمی ہر سلطنت کے نشان دیکھ لیجیے۔ بڑے بڑے جہاندیدہ سیاحوں کا قول فیصل ہے کہ ساری خدائی میں مدنظر کی یہ خوبی نہیں جو کہ یو رجہاں آفریں نے اس شہر اور اس کے ساحل بحر کو عطا فرمائی ہے۔ سرو آزاد خاتون بہار کے چوبدار ہیں تمام یورپ میں ایسے سرو نہیں جیسے اس شہر کے باغوں میں کثرت سے موجود ہیں کیلے بھی باغوں کی آخری روشوں میں لُطف دکھاتے ہیں۔ انجیر اور شہتوت اور کھجور اور انار اس دارالسلطنت کے گرداگرد مختلف مقامات پر بوئے گئے ہیں۔ جنوب کی سمت پہاڑوں کی قطار ہے جن کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ گو قدرت نے اس خطۂ خوش سواد کو رشکِ گلزار ارم بنایا ہے۔ لیکن لوگوں نے اس کو کچھ ترقی نہیں دی ورنہ اس ملک کا ایک ایک گانوں بہشت بریں پر خندہ زن ہوتا۔ اور اس شہر میں یورپ اور شہروں کے مقابل میں ملکہ کہتے۔ بازار عموماً تنگ ہیں مگر صاف قبرستان کی اس قدر افراط ہے کہ ہر مقام پر دو چار تکیے موجود ہیں۔ بازاروں میں گاڑیوں اور گھوڑوں کی آمد و رفت کم ہے جیسے بڑے شہروں کا قاعدہ ہے کہ خاص خاص بازاروں اور نخاس اور چوک میں شور و غل مچا کرتا ہے۔ ویسا یہاں نہیں اور بعض بعض مقامات پر ع۔ بازاریں مثل شہر خموشاں خموش ہیں۔ فٹن اور پالکی گاڑی اور ادھے کی۔ یہاں صورت بھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ ایک قسم کی رنگی ہوئی گاڑی ہوتی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے جس کو ارابا کہتے ہیں۔ اس میں بھینسے جوتے جاتے ہیں۔ ان گاڑیوں میں اکثر خاتونیں میں اور معزز عورتیں ہوا کھانے نکلتی ہیں جس طرح ہندوستان میں بہلی بیل کی قدم قدم چلتی ہے۔ اسی طرح ارابا بھی جاتا ہے۔ یہاں کے کتے سرخی مائل رنگ کے ہوتے ہیں مگر بدقطع چھوٹے چھوٹے کان بازاروں میں پڑے رہتے ہیں اور جب تک چھڑی سے کوئی اٹھاتا نہیں تب تک نہیں اٹھتے۔ شب کو دس بجے کے بعد شہر میں سناٹا ہو جاتا ہے۔ آتش زنی کے وقت پہرے والے غل مچاتے ہیں (مان جن وار) یعنی آگ لگی۔ آگ لگی۔ حکم سلطانی ہے کہ اگر آگ عرصہ دراز تک گلی نہ ہو تو وزرا خود جائیں۔ اور بندوبست کریں اور ایک پاشا نے حکم دے دیا ہے کہ اگر ہم غافل سو رہے ہوں تو بھی آتش زنی کے وقت ہم کو جگا دو۔ اگر ہم نہ جاگیں تو پلنگ الٹ دو۔ کئی بار خود حضرت سلطان المعظم بنفس نفیس آگ فرو کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس شہر میں تخمیناً کوئی لاکھ آدمیوں کی آبادی ہوگی مگر مردم شماری کا قاعدہ اچھی طرح جاری نہیں ہے۔ پندرہ ہزار کلٹ گیہوں روز صرف میں آتا ہے۔ یہ وزن قریب ۴۲۰۰۰۰ سیر کے ہوا۔ ترکوں کے علاوہ یونانی، یہودی، ارمن اور فرنیک آباد ہیں۔ ان سب کی وضع اور قطع اور لباس اور پوشاک بالکل مختلف اور مختلف حصوں میں بود و باش کرتے ہیں۔ ۱۸۴۸ء میں قسطنطنیہ کی آبادی کا حال ایک کتاب میں یوں درج ہے۔ یونانی ساٹھ ہزار۔ اہل مالٹا ۱۹۸۳۔ اہل اسٹریا ساڑھے چار ہزار۔ فرانسیسی ۸۵۵۔ روسی ۶۷۸۔ فارسی ۶۵۷۔ سیکسن ۱۱۱۔ انگریز ۲۱۰۔ بلجین ۱۸۲۰۔ پرشین ۱۴۴۴۔ اسپانیارڈ ۴۵۔ ڈین ۴۷۔ ڈچ ۲۷۔ امریکن ۲۴۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو غیر ملکوں اور مذہب کے ہیں۔ ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ مسلمانوں کے بوٹ زرد ہوتے ہیں۔ اہل آرمینیا کے سرخ، یونانیوں کے سیاہ، اور یہودیوں کے نیلے دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ کس قوم اور ملک کے ہیں۔ معزز شریف ترکوں کی خاتونیں برقع پوش باہر نکلتی ہیں۔ ان کی حیا پروری اور عفت کی قسم کھانی چاہیے۔ انتہا کی عفیفہ ہوتی ہیں۔

حیا بہ پیش رخت چشم بستہ می آید
ادب بہ پیش تو صد جا نشستہ می آید

حیا آنکھوں میں جیسے بو برگ گل میں۔ یہودنیں ذرا زیادہ آزاد ہیں، مگر حسین و مہ جبین۔ بعض بعض مطلق العنان بھی ہیں۔ کوہ قاف کی پریاں بس پیار ہی کرنے کے قابل ہیں۔ مگر

شاہد آن نیست کہ موئی و میانی دارد
بندۂ طلعت آن باش کہ آنی دارد

اس کا مطلب حضور کے سمجھنے کے لائق ہے۔ داد دیجیے۔ تسلیم۔ اکثر ترک کوہ قاف کی نوخیز اور نسرین تن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورتوں کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں، مگر اُن پر جبر نہیں کیا جاتا۔ اگر اُن کی مرضی ہو تو مسلمان کے ساتھ شادی کریں ورنہ اُن کو اختیار ہے۔ اگر اِن کے شوہر نے بے اعتنائی کی تو وہ بذریعہ عدالت اپنے کو زوجیت سے خارج کر سکتی ہیں۔ یہاں کے خاص باشندوں یعنی مسلمان ترکوں کی عورتیں بھی حسین ہوتی ہیں اور نک سُک چہرے مہرے سے درست۔ اِن کی وضع مجھے پسند ہے۔ مگر کوہِ قاف کی پریاں ستم ڈھاتی ہیں۔ غضب بپا کرتی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حورانِ بہشت کو پر کاٹ کے چھوڑ دیا ہے۔ یہاں کی شاہی مسجدیں، یعنی وہ مسجدیں جو سلاطین روم نے بنوائی تھیں، دیکھنے کے قابل ہیں۔ سلطانی مساجد چودہ ہیں۔ عام مسجدیں دو سو۔ معابد تین سو، اسّی بازار جن کو بسیطین کہتے ہیں۔ ایک بات مجھے قسطنطنیہ میں بہت پسند آئی۔ یہاں باغوں کی طرح فوّارے اور آبشار اور چشمے بھی کثرت سے ہیں۔ فوّارے ایسے خوشنما کو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں تخمیناً ایک لاکھ مکان ہوں گے۔ لکڑی کے مکان زیادہ ہیں۔ پتھر کی حویلیاں ترکوں کو چنداں پسند نہیں ہیں۔ ترک کہتے ہیں کہ ہم کو خدا نے خاک سے پیدا کیا ہے۔ پتھر کے مکان میں رہنا سرکشی کرنا ہے۔ علاوہ بریں مسجدیں جن کو ہم خانۂ خدا کہتے ہیں پتھر کی بنی ہیں۔ اگر ہمارے مکان بھی پتھر کے ہوں تو فرق کیا ہے۔ میرے نزدیک پتھر کے مکان اس آب و ہوا کے لئے موزوں بھی نہیں ہیں۔ لکڑی کی دیواریں یہاں کی آب و ہوا کے لائق اچھی ہیں۔ ہر مکان کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک محل سرا، دوسرا مردوں کے رہنے اور پتھر کا مکان۔ ایک دن میں یہاں کے ایک پُر فضا باغ میں جو خاص شہر سے آدھ کوس کے فاصلے پر ہے اپنے دو دوستوں کے ساتھ گیا۔ ایک ترک دوسرا فرانسیسی۔ مجھے دعویٰ ہے کہ اگر مدقوق ایک مرتبہ اس باغ بے نظیر میں آئے تو دق سے معاً نجات پائے۔ اُس وقت مجھے خدا جانے کون یاد آیا جس کی یاد نے مجھے آٹھ آٹھ آنسو رُلایا۔

بے گلعذار کے جا کے گلستاں میں کیا کیا
ہاں یہ کیا کہ داغ کہن کو نیا کیا

حُسن آرا میں نے ٹھان لی ہے کہ اگر قید فرنگ سے رہائی پائی۔ اور تمہارے ساتھ نکاح کی نوبت آئی تو ایسے ہی مینو سواد باغوں میں زندگی کے لُطف اڑائیں گے۔ انشاء اللہ۔ سپہر آرا بیگم کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اب کہیں شادی کی فکر کی سودا ہے۔ بے سمجھے بوجھے کسی سے دل لگانا عقل کا شعار نہیں۔ سپہر آرا کا شوہر سپہر آرا کے لائق ہونا چاہئیے۔ رئیس زادہ ہو۔ تربیت یافتہ ہو۔ چال چلن اچھا ہو۔ خوبرو ہو۔ کوئی عیب نہ ہو اور مشہور آدمی ہو۔ سپہر آرا بیچاری کو بھی میری جدائی شاق گزرتی ہوگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بارگاہ سلطانی کی عظمت حیطۂ تحریر سے خارج ہے۔ ایسے ایسے عالیشان ایوان رفیع اور گراں بہا عمارات دیکھنے میں آئیں کہ ہندوستان کے مکانوں کو بھول گیا۔ ہاں تاج محل کی ٹکّر کی ایک عمارت نہیں بارگاہ سلطانی کیا شہر کے اندر ایک اور شہر ہے۔ بارہ پھاٹک ہیں۔ کوئی آٹھ ہزار آدمی اس میں رہتے ہیں۔ دو سمت سمندر لہریں مارتا ہے اور ایک طرف شہر ہے۔ قسطنطنیہ کی آب و ہوا میرے مزاج کو راس آئی۔ اپریل سے ستمبر تک ہوا پروائی چلتی ہے اور موسم زمستان میں جنوبی ہوا۔ اردگرد پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی کمال لُطف ظاہر کرتی ہیں۔ لیمو اور نارنج کے درخت میدانوں میں بوئے جائیں تو مُرجھا کر کانٹا ہو جائیں۔ وجہ یہ کہ آب و ہوا اس درجہ معتدل ہے کہ یہ درخت سرسبز نہیں ہونے پاتے۔ یہ گرمی چاہتے ہیں۔ لہٰذا کسی قدر سائے میں بوئے جاتے ہیں۔ بارش کم ہوتی ہے اور گھٹا چھائی مینھ برسا اُدھر کھل گیا۔ یہاں تخمینہ کہا گیا ہے کہ قسطنطنیہ میں ۶۴ دن تو پانی برستا ہے پانچ روز برف پڑتی ہے ۱۵ روز آندھی آتی ہے ۲۰ روز بدلی رہتی ہے ۳۶ دن ہوا بدلتی رہتی ہے اور ۲۲ دن مطلع بالکل صاف رہتا ہے۔ اس کا نام پہلے بانی زنیشیم تھا۔ بیانز کے نام سے ۳۳۰ء میں ایک شہنشاہ نے اس کو (نیو روم) کا خطاب دیا ترک اس کو استنبول کہتے ہیں۔ اس کا بانی شاہ کانسٹن تائین تھا۔ اسی کے نام سے یہ شہر کانسٹن ٹنوپل مشہور ہوا اور عرب اور فارسی میں قسطنطنیہ کہنے لگے۔ یورپ اور ایشیا اور افریقہ سب کے وسط میں ہے۔ ایسا اور کوئی شہر نہیں جس کو اس قدر فائدہ حاصل ہو یہ دو سمندروں کے درمیان میں واقع ہے۔

پیاری حُسن آرا افسوس ہے کہ تم جہاز کے حالات سے واقف نہیں ہو ورنہ کچھ باتیں ضرور لکھتا۔ جو کچھ میں لکھنا چاہتا ہوں وہ تمھاری سمجھ میں نہ آئے گا لہٰذا اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جہاز پر بجز پانی اور آسمان کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ جہاز کی آندھی سے بڑھ کر خوفناک اور کوئی چیز نہیں ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ملّاحوں اور ناخداؤں کے ہاتھ پانوں پھول جاتے ہیں جو تمام عمر سمندر ہی میں رہتے ہیں۔ جس وقت ہمارا جہاز جنٹی ڈینس چکّر کھا کر ڈوبا۔ ہے ہے۔ بس میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا حال تھا۔ توبہ توبہ۔ شہر کے متصل ایک مقام ہے (پیرا) یہاں وزرائے ممالک غیر رہا کرتے ہیں۔ اس مقام پر تمام یورپ کی زبانیں بولی جاتی ہیں اور تمام یورپ کی پوشاک نظر آتی ہے۔ افسوس کہ تجارت کی طرف ترکوں کا میلان طبیعت نہیں ورنہ یہ ملک سونے کی کان کو مات کرتا۔ ادنیٰ ادنیٰ آدمی بات بات پر موتی رول دیتا۔ ریشم لکڑی۔ افیم۔ موم اور گوند یہ چیزیں اور ملکوں کے سوداگر یہاں سے لے جاتے ہیں۔ یہاں کا عطر سُبحان اللہ، سُبحان اللہ۔ ہندوستان کے عطر کی اصل و حقیقت کیا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شب عروسی کو انشاء اللہ وہی عطر ہوگا ذرا مسکرا تو دو۔ ع۔ وہ لب پہ آئی ہنسی، دیکھو مسکراتی ہو۔ ایسا عطر کبھی کاہے کو سونگھنے میں آیا تھا۔ یہاں یہ عطر عموماً رومال میں ملا جاتا ہے۔ دس بارہ قطرے محلّے کے محلّے کو معتبر کر دیں۔ دھوبی کے ہاں سے دُھل کے آئے اور وہی خوشبو باقی رہے۔ لوہے اور کوئیلے اور ٹین کی یہاں قلت ہے۔ انگلستان اور روم میں جو تجارت ہوتی ہے اس سے ترکوں کو سروکار نہیں۔ یونانی اور ارمن سوداگر اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تجارت سے ترکوں کو ایک قسم کی نفرت ہے، اور کلّی نفرت۔ یہاں کے اخباروں کو جب ہم ہندوستان کے اخباروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو زمین اور آسمان کا فرق پاتے ہیں، وہ آزادی یہاں کہاں۔ اخبار نویس ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی لفظ گورنمنٹ کے اس قدر خلاف نہ لکھیں کہ پاشا اُن کے تباہ کرنے کی فکر کریں۔ اگر کسی نے کوئی کلمہ ذرا بھی آزادی کے ساتھ لکھا تو حکّام نے اُس کو خاک میں ملا دیا اور بالکل برباد کر دیا۔

لڑائی برابر کی ہو رہی ہے۔ ایشیا میں جو روسی فوج بڑھ آئی تھی وہ ہٹا دی گئی۔ یورپ میں برابر کی جنگ ہو رہی ہے۔ خدا مالک ہے۔ روسی بھی کچھ کم لڑنے والے نہیں ہیں۔ ترکوں کی شجاعت تو ضرب المثل ہے۔ لوہے سے لوہا لڑتا ہے۔ دیکھیے کیا انجام ہو مگر۔ ع۔ بیدلؔ نیم ہنوز بہ بینم چہ پیشود ا۔

اس قدر میاں آزاد لکھ چکے تھے کہ وہ بانوے قوس ابرو چھان چھان آئی۔ آزاد نے استادہ ہو کر سلام کیا مگر غرورِ حسن و جوانی نے اجازت نہ دی کہ سلام کا جواب دے۔ ایک طلائی کرسی پر جو فرش زمرّدین پر بچھی تھی متمکن ہوئی اور وہی جوانِ رعنا جو اُس دن قیدیوں کی طرح آیا تھا حاضر ہوا۔ سات بار سلام کیا۔ قریب جا کر رُخِ افروز کا بوسہ لیا۔ بانوے قمر طلعت نے بوسے کا جواب دیا۔ رخصت ہوا۔ آزاد اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ہم اتنے دن سے مصیبت جھیل رہے ہیں، ایک مرتبہ بھی رُخِ تاباں کا بوسۂ شکر ریز نصیب نہ ہوا۔ اے کاش اس قیدِ فرنگ اور غریب الوطنی کی مصیبتوں کے ساتھ اتنی ہی راحت ملتی تو ہزار غنیمت سمجھتا۔ خدا جانے کب تک غم سہنا ہوگا۔ حُسن آرا کے عشق نے جلا وطن کر دیا۔

تقصیر نہ اس دل کی نے جرمِ محبت کچھ
تیری ہی لگاوٹ نے سب خانہ خرابی کی

آزاد پاشا نے خط رکھ دیا اور جھنوں میں ہوا کھانے لگے۔ حُسن آرا کو یاد کر کے آنکھیں پُر نم ہو گئیں اور یہ اشعار زبان پر لائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیچ چیز م بغیر درد نماند — جز لبِ خشک در دی زرد نماند
حیف وا ماندہ ایم و قافلہ شد — اثرے از نشانِ گرد نماند
با کہ سازیم عزم ہم سفری — کاندرین راہ رہ نورد نماند
تا بہ کے عشق میکشی انشا — در جگر ہم کہ آہ سرد نماند

عربن نے آن کر کہا اب کب تک اس جنون کی حالت میں بسر کرو گے کسی روز قریب جا کر عرض حال کرو۔ اس گل زمین کے مالک بن بیٹھو۔ تم حسین آدمی ہو، لاکھوں میں انتخاب، کروڑوں میں لاجواب، دل و جان سے تمہاری ادا پر لوٹ ہیں۔ مگر تم ایسے افسردہ دل ہو کہ آج تک اظہارِ عشق نہ کیا حالانکہ تم اُس پری پر جان دیتے ہو۔ آزاد نے کہا کل پرسوں تک سمجھا جائے گا۔ ع۔ پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے۔ خدا نے چاہا تو کامیاب ہوں گے۔ ع۔ بے دل نیم ہنوز بہ بینم چہ مشود اور دیر آید درست آید۔ انشاء اللہ شب کے وقت تنہائی میں آزاد پاشا نے عربن کی صلاح پر بجائے خود غور کیا اور سوچے کہ اس کی رائے صائب ہے۔

صبح کو آزاد پاشا نے عربن کو بلایا اور کہا مجھے صلاح معقول دو کہ کیا تدبیر کروں اور اس کوردہ وحشت نما سے رہائی پاؤں۔ اس تقریر کو سُن کر عربن سخت متحیر ہوئی کہا اے مرد نادان جس وقت خدائے لایزال نے اپنے بندوں کو عقل عطا کی تو تو ضرور غیر حاضر تھا۔ اس گلشن سرار وکش گلزار ارم کو تو وحشت نما اور اس مقام لطافت فرجام کو کوردہ کہتا ہے اس آرام کی زندگی کو قید سمجھتا ہے اور دست بدعا ہے کہ اس قید سے رہائی پائیے۔ بڑے بڑے شہزادگان کیوان ایوان اور والیان ستارہ سپاہ خدا سے چاہتے ہیں کہ اس ناظورہ طاؤس زیب کی نظروں میں وقعت پائیں اور اس ماہ ادج صبا کو عقد نکاح میں لائیں اور تو ایک ذرّہ بے مقدار گمنام آدمی اس لطف و عنایت کو غنیمت نہیں سمجھتا اور اس مساعدت طالع فرخ کا شکریہ نہیں ادا کرتا کہ یہ پری پیکر دوشیزہ سمن بر تیرے ساتھ اس مہربانی سے پیش آتی ہے۔ ایسا کہسار پُر بہار اور سبزہ زار لطافت بار اور یہ لالہ زار یہ سماں یہ روانی رود بار دُربار ایسا دلکش مقام کسی کو نصیب کہاں۔ بڑے خوش قسمتوں کو ایسی بہشت بہجت جگہ میں آنا نصیب ہوتا ہے۔

این سبزہ و این چشمہ و این لالہ و این گل
آن شرح ندارد کہ بگفتار در آید

تیری اس وقت کی تقریر وحشت تخمیر سے یہ ظاہر ہے کہ تیرا ستارہ نحس تجکو اس اوج اقبال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے حضیض او بار پر گرائے گا اور تجھ کو تمام عمر کے لیے خاک میں ملائے گا۔ سیبیریا کے برفستان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ مرنا دن رات ٹھنڈی سانسیں بھرنا کسی سے گفتگو تک نہ کر سکتا اب جو باری تعالٰی نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ روز نیک دکھلایا تو تو اس قدر اترا گیا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تیری شامت آئی ہے شیطان نے تجھ کو انگلی دکھائی ہے۔ خدا کے لیے اس خیال خام سے باز آ۔ اگر بھاگنے کا خیال ذرا بھی دل میں لایا تو عمر بھر مصیبت میں رہے گا۔ انواع اقسام کے جور و ظلم سہے گا۔ وہ جوان سہی قامت قمر طلعت ذرا سے جرم میں مردود ہو گیا اب صبح کو ایک بوسہ مل جاتا ہے۔ باقی دن رات قید خانے میں بیڑیاں کھڑکھڑاتا ہے۔ اگر ابھی جا کر کہہ دوں کہ یہ حضرت بھی بھاگنے کی فکر میں ہیں تو تمھاری بھی یہی گت ہو۔ بلقیس مرتبت کی بارگاہ عالیہ متعالیہ تک پہونچ کر وصل سے محروم رہنے کی خواہش کریں۔ ہائے افسوس۔ اے جواں ناداں تو سخت بدقسمت اور دشمن خرد ہے۔

آزاد کے دل پر اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ تھوڑی دیر تک چُپ چاپ غور کیا کیے۔ عربن نے لعنت ملامت کی یہاں تک کہ میاں آزاد کا ناطقہ بند کر دیا۔ زبان نہ ہلا سکے۔

عربن نے پھر میاں آزاد کو سمجھانا شروع کیا۔ اے جوان رعنا مجھے تیری جوانی پر رحم اور افسوس آتا ہے۔ یاد رکھ اگر تیرے یہی خیالات ہیں تو تو اپنے کو جلد قید خانے میں پائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو کس ملک کا باشندہ ہے اور تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ایسی پری پا کر تو یہاں سے بھاگ جانے کا قصد کرتا ہے اگر تو اجازت دے تو تیری داڑھی اور مونچھوں کو ہاتھ سے دیکھوں، کیوں کہ مجھ کو تیری جانب سے شک پیدا ہوا ہے۔

آزاد : مونچھ اور داڑھی۔ اس کے کیا معنی میں مطلب نہیں سمجھا۔

عربن : مجھے تیرے مرد ہونے میں شک ہے۔ قیاس مقتضی ہے کہ تو عورت ہے۔ اور کسی کے دھوکا دینے کے لیے تو نے داڑھی مونچھ لگائی ہے۔ ورنہ ممکن نہیں ہے کہ تیرا سا شہ زور مرد اور ایسا مرد کہ جس کی جوانی پھٹی پڑتی ہو۔ عنفوان شباب اور ایسی مہ جبین و نازنین پر اس کی جان نہ جائے۔ وطن کیسا اور عزیز کیسے۔ تمام عمر جانے کا نام زبان پر نہ لائے۔

آزاد : (مسکرا کر) این گل دیگر شگفت۔ یہ اچھا لطیفہ ہے۔ واہ وا واہ۔

عربن : اچھا تم کیا سبب ہے کہ باوصف جوانی تو اس زن عابد فریب سے ملتفت نہیں ہوا کوئی وجہ خاص ضرور ہے۔ یہ حُسن گلوسوز اور رہائی کی فکر کرے۔ عجب عجب۔

آزاد : ہائے یہی تو افسوس ہے کہ نہ چٹکارا ملتا ہے نہ بوسہ ملتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربن: یہ ناشکری! کیوں۔ اس دن کس نے لیا تھا۔

آزاد: ایک بوسہ پر قناعت کی ہے۔ ہزار دو ہزار تو ہوں۔

عربن: جی بس۔ واہ حلوا خوردن را روئے باید، انھیں لچھنوں!

آزاد: اچھا پھر دکھا دیں گے۔ یار زندہ صحبت باقی۔ ہم بھی ہیں اور تم بھی ہو۔ دو ہی چار دن میں دکھا دیں گے لیکن اگر تم کوئی ترکیبِ وصل بتاؤ تو سُبحان اللہ۔ ازیں چہ بہتر۔

عربن: جب تم کو اتنا بھی نہ سمجھ میں آیا تو تم کو بتانے سے کیا فائدہ۔ اُن سے ملو۔ ہاتھ جوڑو۔ قدموں پر ٹوپی رکھو۔ کہو اب جان جاتی ہے یہ طریقے ہیں۔

آزاد: تم مزاج دان ہو۔ ہم نا آشنا۔ کل باتیں بتاؤ اور جس طرح پر رائے دو اُسی طرح عمل میں نہ لاؤں تو گنہگار۔ مستحق سزا۔ مگر کچھ بتاؤ بھی تو۔

عربن: اگر تم شرعی قسم کھاؤ اور مثل سچے مسلمانوں کے اپنے قول پر صادق رہو تو یہاں کا کُل حال مُو بمُو کہہ سُناؤں۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں مسلمان ہوں، اور با ایمان ہوں۔ اس مقام اور اس صحبت میں برسوں گزر گئے، مگر منہیات اور معصیات سے اب تک اللہ نے بچایا ہے۔ مجھے تمھاری جوانی پر واقعی رحم آتا ہے مگر یہاں کے حالات اُسی وقت بیان کروں گی جب تم مجھے یقین دلاؤ گے کہ اس تند خو کے کان میں اس کی بھنک نہ پڑنے پائے گی۔

آزاد: کیا مجال۔ میں تم کو اپنی مخدومہ مکرمہ سمجھوں گا۔ ممکن نہیں کہ کوئی کانوں کان سُن سکے۔ ایسی بات ہے بھلا۔ قول جان کے ساتھ ہے۔

عربن: مجھے ابھی یقین نہیں آتا۔ کیونکہ اگر بات کھُل گئی تو میں کتّے کی موت مروں گی اور میری جان جائے گی۔ خوب غور کر لو۔

آزاد: تم اتنا نہیں سمجھتیں کہ میں کہوں گا کس سے اور کہنے کی وجہ کیا۔ عربن نے کہا ذرا تامل کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر عربن ایک کمرے میں گئی اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی۔ کہا۔ اگر احیاناً وہ یہاں آگئیں اور میں داستان بیان کرتی ہوئی تو تم بات کو ٹال دینا، یا گانا شروع کرنا۔ یہ علم موسیقی کی بڑی قدر دان ہیں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وہ شعلہ خو آ پڑی۔ آزاد اور عربن کو سرگوشی کرتے ہوئے دیکھا چہرہ سُرخ ہو گیا آزاد گھبرا کر گانے لگے۔

خرامِ نازمیں شمشیرِ بُرّاں کی روانی ہے تری پاپوش اے ترکِ ستمگر سیفِ خانی ہے

خوش الحان نالہ کش مجھ سا نہ ہو گا باغِ عالم میں غذا میری دو نانِ گندمِ داؤد خانی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوا سے اُڑ کے پہونچا اس پری پیکر کے کوچے میں — وہ مجنوں ہوں نہ ہے تختِ سلیمان ناتوانی ہے
مٹا ہے چار دن مجھ کو گیا جس روز جنّت میں — کہاں پیری وہی ہوں بس وہی میری جوانی ہے
تری فرقت میں اے یوسف خلیل وقت ہیں عاشق — غم و اندوہ حرمان کی ہمیشہ میہمانی ہے
خیال آیا ہے ہم کو ان دنوں مضمون گیسو کا — زمینِ شعر پر نازل بلائے آسمانی ہے
فقیر مست ہوں نعمت میری حاضر ہے جو چاہے — کباب نرگسی ہے یا شراب ارغوانی ہے
ستارہ آج کل چمکا ہوا ہے اپنا اے آتش — موافق ہر فلک اُس ماہرو کی مہربانی ہے

میاں آزاد خوش گلو اور نازک آواز تو تھے ہی یہ خوش الحانی اس ستم گر کو کمال پسند آئی۔ کُرسی پر بیٹھ کر اشارہ کیا کہ اور کچھ گاؤ۔ آزاد بصد طرب قریب کی ایک کُرسی پر بیٹھے اور اُس جانانہ عنبر مو کے خوش کرنے کے لیے یہ شعر گائے۔

صباحِ عید ہوئی ساقیا شراب چلے — نہ پیشتر کہیں ساغر سے آفتاب چلے
شراب و آب یہ تر دامنوں مبارک ہو — برسنے کو طرفِ مے کدہ سحاب چلے
گلوں کی پردہ دری کیا تمھیں ہوئی منظور — جو آج سیر گلستان کو بے نقاب چلے
خرام ناز تو اس کو چہ گرد کا دیکھو — نہ اس روش کبھی نہر چمن میں آب چلے
ملے جو وادئ غربت میں مجھ سے وہ ناگاہ — نہ ٹھہرے پاس مرے کوئی دم شتاب چلے
چلا میں صورتِ بدمست ٹھوکریں کھاتا — وہ یوں چلے کہ کوئی ساغرِ شراب چلے

وہ دوشیزۂ جفا کار اور بھی محفوظ ہوئی۔ عربن کے کان میں کچھ کہا۔ دو منٹ کے عرصے میں وہ ایک قسم کا شربتِ مفرح قلب مقوی دماغ خوشبو راح روح ایک طلائی کٹورے میں لائی اور آزاد کو دے کر کہا، حضور نے یہ بطریق انعام دیا ہے۔ نوش جان فرمایئے۔ آزاد نے اُس آب حیات کا کٹورا ہاتھ میں لے کر سات بار اُس کے بوسے لیے اور مُنھ سے لگا کر پی گیے۔

آزاد: (عربن سے) الٰہی خیر۔ اُف۔ توبہ۔ اس میں شراب کا میل پایا جاتا ہے۔ یہی تم کہتی تھیں کہ میں سچّی اور پکّی مسلمان ہوں۔

دوزخ میں جلیں گے مے کے پینے والے
توبہ خاور ہزار توبہ خاور

عربن: خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا۔ یہ شربت ایک خادمہ نے بنادیا۔ لانے بھر کی میں مجرم ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: واہ تم نے روسی زبان میں کچھ کہا تھا۔ اس قدر تو میں بھی سمجھا کہ (لاؤ) کہا۔ مگر اور لفظ سمجھ میں نہ آئے۔

عربن: کیا واقعی شراب بھی اس میں تھی۔ توبہ توبہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ بڑا رنج ہوا۔ ہائے ستم وائے ستم۔ توبہ آزاد کی رائے صحیح تھی۔ اس شربت میں خادمہ نے شراب ملا دی تھی۔ اور عربن کو یہ حال معلوم تھا مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ اور شراب بھی ایسی تیز کہ معاً نشہ چڑھ گیا۔ کہا حضور نے اس وقت اپنے قیدی پر بڑی بدعت کی کہ شراب پلا دی۔ مسکرا کر عربن سے پوچھا کیا ہم نے شراب مانگی تھی اُس نے کہا نہیں حضور شراب کا تو کہیں ذکر بھی نہ تھا فقط شربت لائی تھی شراب کیسی۔ آزاد سمجھ گئے کہ دونوں کی سازش ہے۔ اور اگر سازش نہ بھی ہوتی تو عربن خادمہ ہو کر انھیں کی طرف داری کرتی۔

اللہ ہو دے بُلبُل ناشاد کی طرف
گلچیں بھی بولتا ہے تو صیاد کی طرف

دوشیزہ: عربن۔ اِن کی آنکھیں اس وقت کیوں لال ہیں۔ یہ سُرخ سُرخ ڈورے بے وجہ نہیں۔ یا شاید اِن کے ملک میں سُرخ ہی آنکھ والے ہوتے ہوں۔

زاوی: خیر۔ اب چھیڑنا تو شروع کیا۔ بسم اللہ تو ہوئی۔ آنکھوں کی سُرخی کا سبب دریافت فرماتی ہیں۔ بجا۔

آپ ہی ظلم کرو آپ ہی شکوہ اُلٹا
کس سے فریاد کروں ہے یہ زمانہ اُلٹا

آزاد: آنکھوں کی سُرخی کا سبب مجھ سے پوچھیے میں عرض کروں۔ سبب یہ ہے کہ آپ نے مردمِ چشم کا خون کیا۔ یہ خون آپ ہی کی گردن پر ہے اور نہیں کیا ہے۔ کوئی دم میں دستِ نازک ہمارے خون سے شنجرفی ہو جائیں گے۔

ہمارے خون سے ہوئے دست و پائے قاتل سُرخ
نصیب اپنے ہی قسمت کا ہے حنا اُلٹا

دوشیزہ: زبان ذرا ذرا لڑکھڑانے لگی۔ خدا خیر کرے زبان کی خیر ہو صاحب۔

راوی: زبان تک تو خیریت تھی ابھی کیا ہے۔ حضور کے صدقے میں ابھی پانوں بھی لڑکھڑائیں گے ہوا تو چلنے دو۔

آزاد۔ ع۔ اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست۔ یہ سب حضور ہی کی عنایت کا نتیجہ ہے اور ابھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو ابتدا ہی ہے۔ انتہا کا خدا ہی حافظ ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

دوشیزہ : اس وقت آپ کی گلے بازی اور خوش آوازی نے ہمیں از بس محفوظ کیا تب یہ انعام دیا ہے۔ ورنہ یہ جام کسی کو آج تک نصیب ہوا ہے ؟ توبہ توبہ۔ آزاد نے اسی حالت میں ان اشعار کو ترجمانِ دل کیا۔

نرگس کو صدقے کیجیے بیمار چشم کے — زلفِ سیاہ پر تری سنبل اُتار کے
ایماے ناز ہے یہی اُس شاہ حسن کو — چین جبیں کو قتل جہاں پر اُبھار لیے

وہ دوشیزہ قیامت خرام بصد ناز و ادا اُٹھ کر چلی گئی اور عربن کو اشارے سے بُلا لیا۔ آزاد نشے میں چور تھے چپکے سے ایک مسہری پر لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ جب ایک گھنٹے کے بعد بیدار ہوئے تو نشہ اور بھی تیز تھا۔ نشے کی حالت میں سوجھی کہ خوجی سے بیت بازی ہو رہی ہے۔ سوچے کہ بے نقط شعر دیئے جائیں تو آپ ہی یہ اشعار بکنے لگے

حلّال ہمہ امور اسرار — راس الرسا اکمل اسمار
آمد در مردمِ دل آگاہ — سلکِ گہر کلام ہمراہ
در داد مُل سرور ما را — سر کا مل سمر دارا
کامسال کہ در کوہ و صحرا — در مصر احاطہ کرد گلما
سرکردہ سوارۂ دل آرا — اسم والاسلام اورا
راہ سرِ کوہ را سراسر — او ہمہم ہم کار گام صرصر
سرگرم دو سوار اد ہم — در وسط راہ در دم
مہ سلسلۂ عطارد آسا — آرام دل آہو حرم را
آہو ورا اسم ودام طاؤس — در ہر دو سرا مرام طاؤس
مسرور سوار رو دارد کرد — او ہم را درود و درود را آہو
ہر گاہ کہ مہر عالم آرا — صد رہ ہمہ ملک دادمہ را
آہو در لمحہ آدرم کرد — گم کردہ رہِ مراد را مرد
محروم و ملول و ہمدم درد — در دل سوے مصر ارادہ کرد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مردِ صد سالئہ کہ وادار   کامد سرِ راہ او ہما وار
ور دو الم ورا دوا کرد   اور اعلم وعمل عطا کرد

اتنے میں گھٹا چھائی اور چاروں طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو آئی تو آزاد پاشا جامے میں پھولے نہ سمائے۔ گو ہندوستان میں برسوں چسکی لگائی تھی۔ بوتل پر بوتل لنڈھائی تھی۔ ہر قسم کی شراب ناپ لی تھی مگر یہاں آن کر توبہ کر لی تھی۔ اب اُس ساقی سیم ساق نے جو دھوکے میں جام مروّق پلایا تو اُن کو نشہ و سرور ایسا پسند آیا کہ بے اختیار ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد عربن نے آن کر کہا۔ چلیے ایک نئے مکان میں آپ کو لے چلیں۔ وہاں ایک نور کی صورت نظر آئے گی۔ مگر بہ ادب قدم رکھنا۔ خبردار معبد ہے۔ وہاں بے ادبی کرو گے تو راندے جاؤ گے۔ سیکڑوں صورتیں ہوں گی۔ پیاری پیاری مورتیں نظر آئیں گی۔ آزاد پاشا جھومتے ہوئے چلے۔ تو پہاڑ کے ایک غار میں جو اُس محلِ معلّی سے متعلق تھا پہونچے۔ زینوں کے ذریعے اس غار کے اندرونی حصّے میں اُترے۔ دیکھا کہ ایک نہایت ہی سجا سجایا مکان ہے۔ مکان کیا پرستان ہے اور دو رویہ مہ طلعتان زاہد فریب متمکن ہیں۔ یوں تو سب کی سب خوبرو عنبر مو ہیں مگر ایک پر کالۂ آتش کافر بدکیش زنِ نوخیز پر ستم کا جوبن ہے۔

در صنم خانہ چو رفتم بہ تماشائے بتاں
نگہ برق وشے خرمنِ ایمانم سوخت

جھک کر سلام کیا۔

عربن: اور جھک کر سجدہ کرو یہاں۔ ایں! گستاخی! سجدہ کرو۔

آزاد: سجدہ۔ بجز خدا کے کسی کے لئے نہیں ہے۔ یہ معشوق دعویٰ خدائی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کو کافر کہا۔

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

عربن: یہ بڑا متبرک مقام ہے۔ یہاں سر کے بل چلو۔ ایسا ویسا مقام نہیں ہے۔ ادب کے ساتھ دیکھو۔

آزاد پاشا نے ذرا غور کر کے دیکھا تو کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ ایں۔ کیا خوب کہہ کر قدموں پر ٹوپی رکھ دی اور اس بتِ ملائک نظر فریب کے پائے رنگین پر ہاتھ رکھ کر بوسہ لیا اور کہا:-

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیچ از تقویٰ نشد حاصل بجز افسردگی

کلفتِ چل سالۂ من پاک جام بادہ رفت

اپنے ساقی گل بدن کے صدقے کہ ایک جام سرشار سے مست و مخمور کیا۔ رُباعی۔

حشر میں جب حساب مانگیں گے　　الاماں شیخ و شباب مانگیں گے

اپنے ساقی لاابالی سے　　رِندوان بھی شراب مانگیں گے

عربن: یہ زبان کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یا عربی میں کہیے یا ایسی زبان میں کہ حضور بھی سمجھ سکیں تو داد دیں مذاق کی باتیں ہوں۔

اتنے میں اُس ملائک فریب نے عربن سے کہا! ان سے پوچھو ہم نے کیسی وضع بدلی کہ ان کو ذرا کچھ نہ معلوم ہوا۔

آزاد: دل ہی جانتا ہے کہ کیا حال تھا۔ سانپ کلیجے پر لوٹتا تھا جیسے۔

حُسن سے دنیا میں دل کو عشق پیدا ہو گیا　　آکے اس بازار میں یوسف کا سودا ہو گیا

موسمِ گُل کی ہوا کرنے لگی نازِ پری　　سکّہ بازارِ جنون کا داغ سودا ہو گیا

دل تصور کا ترے مسکن ہوا اے بحرِ حُسن　　بند جذبِ عشق سے گوہر میں دریا ہو گیا

اشک افشانی سے مجھ مجنوں کے ہیں اطفال محو　　کھیلنا لڑکوں کا لڑکوں کو تماشا ہو گیا

تیغ سے وہ ابروِ خمدار ہے خون ریز تر　　جو ہرادِ راک سے حل یہ معمّا ہو گیا

عربن نے کہا اِس وقت مزے میں ہو۔ دور کی سوجھ رہی ہے جو جی چاہتا ہے بک رہے ہو چاہے کوئی سمجھے چاہے نہ سمجھے۔ آزاد بولے۔ مجذوب کی بڑ تو ہے ہی جو زبان پر آیا بک دیئے۔ آزاد نے ہاتھ جوڑ کر شراب مانگی۔

ساقیا دے مجھے شتاب شراب　　کب سے کرتا ہوں میں شراب شراب

ہے مزہ مستی اور ہشیاری　　کہ ہے بے لطف وقتِ خواب شراب

نرگسِ مست یار کے آگے　　ہوئی غیرت سے آب آب شراب

شہسوار کی شرارت کا نتیجہ

مرزا ہمایوں فر بہادر ایک دن صبح کے وقت بستر سے اٹھے تو دیکھا کہ ایک خط سرھانے رکھا ہے ایں! یہ خط کیسا۔ پڑھا تو دنگ ہو گئے۔　　دھو ہذا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سنو جی۔ تم شہزادے۔ بادشاہ کے لڑکے ہو۔ ہم بھی رئیس زادے، رئیس کے صاحبزادے ہیں۔ گو تمھارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مگر ہم بھی اپنے وقت کے بادشاہ ہیں۔ کسی کو اپنے مقابل ہیں نہیں سمجھتے۔ فغفورِ چین اور زارِ روس دونوں کو ایک ادنیٰ آدمی سے بدتر سمجھتے ہیں۔ تم بھلا کیا بیچارے ہو۔ تمھاری کائنات کیا ہے۔ تم سے دشمنی جانی ہے۔ ایک دن آگ تو لگا چکا ہوں۔ اتّفاق سے بچ گئے مگر دیکھو تو سہی اب کی ایسی مصیبت میں پڑو گے کہ تمام عمر یاد کرو گے۔ سنو میاں۔ ہم وہی شہسوار ہیں۔ وہی جوان مرد سپہر آرا بیگم کی ایک ایک ادا پر جان دیتا ہوں۔ اُن کی صورت میرے دل میں کھُبی ہے۔

از عاشقانِ صادقت اے دلستان منم
اول کسی کے بر تو فدا شد ز جان منم

وہ حُسنِ گلوسوز ہے کہ خرمن صَبر پاک سوخت کر دیا۔

نمایان شمع با حُسنِ گلو سوز
پرِ پروانہ ہایش صبح نوروز

سپہر آرا کے ساتھ اگر نکاح ہوا تو جان لوں گا۔ مار ڈالوں گا۔ قتل کر ڈالوں گا سمجھے۔ سپہر آرا کے ساتھ کسی کی شادی ہو اور ہم دیکھیں اور خالی خولی بیٹھے رہیں۔ واہ غیر ممکن

کانٹوں میں اگر نہ ہو اُلجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

میرا مقصد ہے کہ سپہر آرا کے نام بھی ایک خط اسی مضمون کا بھیجوں کہ اگر ہمایوں فر کی شادی تمھارے یہاں ہوئی تو عین شب عروسی کو اُن کا سر تن سے جُدا ہو گا۔ اور تن سر سے الگ پھڑک رہا ہو گا۔

معرکہ پڑتے ہی اُٹھ جائیں گے غیروں کے قدم
جب سمجھا ہو سمجھ لیں سرِ میدان ہم سے

جس روز سے میں نے تمھارے عقد کا حال سُنا ہے بڑا پیچ و تاب کھاتا ہوں۔ کئی بار جی چاہا کہ چھری لے کر پہونچوں، اور اتنی چھُریاں بھوکوں کہ دم کے دم میں کام تمام ہو جائے۔

پھنسکے دل مت دہل سمجھ لیں گے	زلف کرتی ہے بل سمجھ لیں گے
ہم سپاہی ہیں اد کمان ابرو	تیغ پکڑے اجل سمجھ لیں گے

راوی: کس موقع پر چشمِ بددور، یہ اشعار لکھے ہیں۔ سُبحان اللہ۔ اس قدر پڑھ کر ہمایوں فر نے خدمتگار پر خشونت کے ساتھ نظر ڈالی۔ آگے پڑھا تو اس سے زیادہ سخت۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا ہمایوں فر بہادر، یاد رکھو کہ میں ایک بار اور چوٹ کروں گا بے چوٹ کیسے رہوں یہ محال ہے افسوس ہے کہ میں اشتہاری مجرم ہوں ورنہ جو آرزو تھی وہ بر آئی۔ دم کے دم میں کچھ کا کچھ کر دکھاتا۔

من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

خدا کی مرضی یہی ہے کہ تم چین کرو، اور ہم قید سہیں۔ خیر ہر چہ مرضی اوست ہمہ نیکوست۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ تقدیر الٰہی سے کیا چارا ہے۔

اے خدا قربان احسانت شوم
این چہ احسان ست قربانت شوم

ہم سپاہی آدمی ہیں۔ للکار کے حریف کو مارتے ہیں۔

پیٹھے سے سیکھے دعویٰ مردانگی کوئی
آئے جو کاٹنے تو پہلے پکار کر

بغیر ٹوکے ہوئے ہم جوان مرد دشمن سے مقابلہ نہیں کیا کرتے۔ پہلے ہم تم سے دب کے چلے تھے یہ ہماری شرافت کا ثبوت تھا۔ جنبیت کا ثبوت نہ تھا۔

خمیدہ کرتا ہے انسان کو جوہر شرافت کا
اصالت جس میں ہوتی ہے وہی تلوار کستی ہے

اور یہاں تو موت کا خوف ہی نہیں۔ بقول شاعر۔

کٹتے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر قطرے سے بو الفتِ اللہ کی نکلے

حضرات ناظرین، یہ وہی شہسوار ہیں جو جوگن پر عاشق ہوئے تھے اور جو دولت کے نشے میں ایسے مست ہوئے کہ دین و دنیا دونوں بھول گئے۔ انھیں کے خوف کے سبب سے جوگن بھاگ آئی تھی۔ یہ وہی شہسوار ہیں جو آزاد اور ہمایوں فر دونوں کے دشمن جانی تھے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب یہ شخص مرزا ہمایوں فر کی کوٹھی میں آگ لگا کر بھاگا تھا تو غلبۂ حماقت و جہالت سے اُن کے نام ایک خط بھیجا تھا کہ دیکھ ہم ایسے ہیں، اس طرح پر آگ لگا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اِن کے لیے وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا تھا، اور یہ روپوش تھے۔ اُستانی جی کے ہاں اِن کا پتا ملا تھا، اور اُستانی جی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور جوگن کی بدولت ٹھاکر کے ہاں انھوں نے پناہ پائی تھی۔

اِن کے کان میں بھنک پڑی کہ سپہر آرا کے ساتھ اِن کا نکاح ہونے والا ہے۔ بس آگ ہو گئے۔ فوراً ہتھ پلتیں داغ دی۔ یہ تو یاروں کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ اب اُدھر کا حال سُنیئے۔

بڑی بیگم نے کہا اِن دونوں خطوں کو احتیاط سے رکھو۔ ایسا نہ ہو کہیں کھو جائیں۔

حُسن آرا اور سپہر آرا، اور گیتی آرا، اور جہاں آرا سب خوش و خرّم کہ چور کا پتا ملا۔

مرزا ہمایوں فرنے اُسی وقت دونوں خط منگوائے۔ اور فٹن پر سوار ہو کر فوراً صاحب ضلع کی کوٹھی پر گیے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی۔ باہر استقبال کے لیے آئے۔ ہاتھ ملایا۔ کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ پوچھا۔ وِل۔ مزاج اچّھا شہزادہ صاحب۔ ہمایوں فرنے کہا شکر ہے۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں۔ اس کے بعد صاحب نے مذاق کرنا شروع کیا۔

صاحب: ہم نے سُنا ہے کہ آپ کا شادی جلد ہونے والا ہے۔

شہزادہ: (مُسکرا کر) جی ہاں امید تو ہے مگر ابھی یقین کا درجہ نہیں ہے۔

صاحب: آپ نے دیکھا ہے۔ یا آپ لوگ بھی ہندو لوگ کی طرح بے دیکھے کہتا ہے۔

شہزادہ: ہم لوگوں میں بھی آپ لوگوں کی طرح اکثر خاندان میں شادی ہوتی ہے مگر جو بیگانی جگہ ہوئی تو دیکھنا معلوم۔

اس کے بعد ہمایوں فرنے وہ خط دکھایا اور کل مطلب سمجھایا۔ صاحب نے کہا ہم ڈیڈکٹیو پولیس کے ذریعے سے اس کا پتا چلائے گا۔ اب تک وہ شرارت سے نہیں چوکتا۔ ہم بہت جلد اُس کا تدارک کرے گا۔ آپ یہ خط ہمارے پاس رکھیے۔ ہم کسی کو دکھائے گا نہیں۔

صاحب نے پوچھا وہ آپ کا دُشمن کیوں ہے۔ کیا آپ نے اُس کو کسی قسم کی ایذا پہونچائی ہے۔ اس نے آپ کا مکان کیوں جلایا۔

ہمایوں فر: اس خط کو پڑھنے سے آپ نہیں سمجھے۔ وہ تو صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ پھر پڑھ کر سُناؤں۔ صاف صاف بیان کرتا ہے۔

صاحب: آپ ہم سے خلاصہ کا طور پر کہہ دیں کہ کس واسطے آپ کا گھر جلایا۔

ہمایوں فر: حقیقت حال یہ ہے کہ ایک بیگم صاحب کے ساتھ میرا نکاح ہونے والا ہے، مگر یہ کشتنی اُن کو خود عقدِ نکاح میں لانا چاہتا ہے۔

صاحب: ہاں۔ او۔ ایسا آدمی ڈھونڈھ کے تلاش کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب نے فوراً ڈپٹی پولیس کے ایک انسپکٹر کو بلا لیا اور ہمایوں فر کے سامنے کہا کہ اُس شہسوار کا پتا لگاؤ۔ کسی ترکیب سے اُس کو ڈھونڈھ لاؤ۔ انسپکٹر صاحب نے کئی سوال کیے۔

۱۔ یہ خط آپ کے سرہانے پر کس نے رکھا۔ آپ نے اس کی کچھ تحقیقات بھی کی تھی۔

۲۔ کسی خدمتگار پر آپ کو شک تو نہیں ہے

۳۔ کسی اور پر آپ کو شبہ ہے۔

۴۔ اُس کا حلیہ ہم کو بتائیے۔ گو حلیہ چھپا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ صاف صاف کل امور بتائیے۔ بھلا طرز کلام میں کوئی خصوصیت ہے۔

۵۔ اگر ممکن ہو تو اُن کے اور حالات دریافت کیجیے۔

ہمایوں فر: میں کوشش بلیغ کروں گا۔ میں نے خدمتگاروں پر ذرا بھی سختی نہیں کی۔ سوار ہوا۔ اور چلا آیا۔

انسپکٹر: حضور یہ تو اچھا نہیں کیا۔ چشم نمائی ضرور ہے۔

ہمایوں فر: تو اب اس وقت جا کے تحقیقات کروں۔

انسپکٹر: میں حضور کے ساتھ چلوں اور چل کر کھڑا کھڑا دوں۔

صاحب: ہاں۔ ول۔ ضرور جاؤ انسپکٹر صاحب شہزادے صاحب کا مقدمہ خوب درست کرو۔

انسپکٹر: ہاں حضور ضرور جاؤں گا اور تحقیقات کروں گا۔

ہمایوں فر: یا اگر مناسب ہو تو ایک کام کیجیے۔ کہیے دو چار دن خفیہ تحقیقات کر لوں۔

انسپکٹر: اچھا بہتر ہے دو چار روز تو بڑا وقفہ ہو جائے گا۔ حضور کل شام تک خفیہ تحقیقات کر لیں تو بہتر ہے۔

صاحب: ول۔ اچھا اب ہم کسی روز آپ سے ملے گا۔

ہمایوں فر بہادر رخصت ہوئے۔ فٹن پر بیٹھے سامنے انسپکٹر صاحب بیٹھے۔ انسپکٹر اثنائے راہ سے اُتر گئے۔

محل معلیٰ میں پہونچ کر ہمایوں فر نے ایک مصاحب سے سرگوشی کی اور شہسوار کے خط کا ذکر چھیڑا۔

مصاحب: ایں! خدا اُس مردک سے سمجھے۔

ہمایوں فر: اگر ذرا بھی پتا معلوم ہو تو خدا کی قسم چورنگ کر ڈالوں۔

مصاحب: خداوند دیکھیے میں پتا لگاتا ہوں۔ ایک یہاں رہتی ہیں اُستانی جی۔ یہاں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھوڑی دور پر مکان ہے۔

ہمایوں فر: ہاں اُن کو کچھ حال ضرور معلوم ہوگا۔

اتنے میں ہمایوں فر بہادر کے ایک دوست قدیم تھے۔ خدمتگار نے برآمدے ہی سے کہا۔ خداوند۔ حاجی صاحب آتے ہیں۔ شہزادے نے کہا۔ کون حاجی صاحب، حاجی الماس علی خاں صاحب یہ کہہ کر برآمدے کی طرف تشریف لائے۔ حاجی صاحب سے چار آنکھیں ہوئیں۔

شہزادہ: اخّاہ۔ آیئے۔ آیئے۔ آیئے۔ بھئی جلد جلد چلو۔

حاجی: آداب عرض ہے۔ حضور مزاجِ اقدس دکوٹھے پر آن کر م خدا کی قسم اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ میان سے باہر ہوں۔

شہزادہ: ایں! میان سے باہر ہوں!۔ کیا خوب میان سے باہر ہوں کی ایک ہی کہی۔ کیا خوب۔

حاجی: دل لگی سے باز نہیں آتے۔ مارے خوشی کے (رہوں) زبان سے نکل گیا۔

شہزادہ: اور کیسے کیا حالات ہیں۔

حاجی: جشن ہیں۔ جلسے ہیں۔ مزیداریاں ہیں۔

شہزادہ: اس کے کیا معنی۔ یہ جشن اور جلسے کیسے۔

حاجی: مجھ سے نہ بہت اُڑیے، میں سب سُن چکا ہوں۔ مبارک ہو۔

شہزادہ: اللہ اللہ۔ یہ مطلب ہے۔ ارے یار تم سے ایک بات کہیں گے مگر بہت پوشیدہ رکھنا۔ خبردار۔ ایک مردود نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ ایک دفعہ کوٹھی جلا دی۔ جان کے لالے پڑے۔ کچھ پوچھو نہ کہ کس قدر مصیبت میں تھا۔

حاجی: لاحول ولا۔ وہ ہے کون۔ کھرّے کھرّے سمجھ لوں گا۔

شہزادہ: اُس کا کہیں پتا ہی نہیں مگر خط بھیجتا ہے، اور دھمکاتا ہے کہ قتل کر ڈالوں گا۔ اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔

حاجی: اُس کی ایسی تیسی۔ قتل کرے گا۔ بدمعاش۔

شہزادہ: آج سرھانے پر ایک خط دیکھا تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ہم تم کو قتل کر ڈالیں گے۔

حاجی: اُس کے مکان کا پتا معلوم ہے، یا بالکل گمنام ہی ہے۔

شہزادہ: یہی تو خرابی ہے۔ نہ مکان معلوم نہ نام معلوم۔

حاجی: اچھا فرمایئے کہ بنائے خصومت کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہزادہ : جس لڑکی کے ساتھ ہماری شادی ہونے والی ہے اسی پر وہ بھی ریجھے ہیں۔

حاجی : ارے یار یہ بتاؤ، وہ تربیت یافتہ بھی ہیں۔

شہزادہ : اگر تربیت یافتہ ہوتیں تو میں منظور بھی کرتا۔

زنِ نیک و خوش سیرت و پارسا
کُند مردِ دُرویش را بادشا

تربیت یافتہ آدمی کے لیے تربیت یافتہ عورت ضروری ہے۔ بہت پڑھی لکھی ہیں حسین اور تربیت یافتہ۔

حاجی : نہایت ہی خوش ہوا۔

دوسرے روز حاجی صاحب نے شہسوار کا پتا لگایا۔ حاجی صاحب بڑے زندہ دل اور تیز طبیعت اور ہر دل عزیز آدمی تھے۔ علما سے بھی ملاقات تھی۔ بانکوں سے بھی یارانہ تھا، چوٹٹوں کے بھی یار تھے۔ پیراکوں سے بھی ملتے جلتے رہتے تھے۔ ستار بازوں قوالوں سے بھی ملاقات تھی۔ شہر کے ایک نامی جو چور کے پاس گئے۔ (چور کا ہے کو چوروں کے گرو گھنٹال تھے) اُس چور نے کہا ہم کل ہی ایک پتا لگا دیں گے اپنی ٹکڑی میں سب سے ذکر کیا کہ اُس شہسوار کا پتا لگا دو جو ہمایوں فر کے ہاں آگ لگا کر بھاگ گیا ہے۔ ایک شخص نے کہا ہم سے پوچھو ہم بتائیں اور یوں کہنا شروع کیا۔

وہ بہت بڑے شہسوار ہیں اور ایک دن ایک جگہ ہم نے ان کو دیکھا تھا کہ شراب پی کر غین پڑے تھے۔

ایک : ایں! تو شرابی ہے۔ دائم الخمر۔ معاذاللہ۔

دوسرا : جی ہم سے بھی ملاقات ہے۔ فوج میں نوکر تھے نہ۔

تیسرا : اگر شراب خور ہیں تو ہم نہیں پہچانتے۔ وہ کوئی اور ہے۔

چوتھا : اخاہ! جی وہ تو نہیں جو چھریرے سے ہیں۔ بڑے شرابی ہیں۔

ساقی کے میں ضرور ڈرانے سے ڈر گیا
جامِ شراب لائے بھی ساقی کدھر گیا

پانچواں : واہ یوں لکھو۔

شراب کہنہ کہ روشنگرِ روانِ من ست
مصاحبِ من و پیرمن و جوانِ من ست

چھٹا : اچھا ہم کل پتا لگائیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتواں: اجی ہم بتائیں۔ بس ہم سمجھ گئے۔ وہ جو ٹھا کر رہتے ہیں۔ لکھ پیڑے سے کوئی دو کوس یا تین کوس کے فاصلے پر وہاں ایک شہسوار ہے۔ مگر باہر نہیں نکلتا۔ ہم نے اب تک نہ کہا کہ

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ
چغلخور کے منہ میں ڈستے ہیں سانپ

اس سے ہم نہ بولے۔ نہیں ملک ملک کا آدمی۔ ہمارے پوروں پر لکھا ہے ہم سے سیانہ سو دیوانہ اور کیا۔

حاجی: مگر یہ کیوں کر معلوم ہوگا کہ ہمایوں فر کے گھر میں اُس نے آگ لگائی۔ اس کا پتا لگاؤ تو جانیں۔

ہمایوں فر بہادر نے صاحب انسپکٹر کو بُلایا اور کل حال بیان کیا۔ وہ فوراً روانہ ہوئے۔

اتنے میں وہی پروفیسر صاحب تشریف لائے۔

ہمایوں فر: آئیے مزاج شریف کیوں صاحب آفتاب کی نسبت آپ لوگوں نے کیا تحقیقات کی۔

بیشتر لوگوں کا گمان تھا کہ آفتاب کی آگ سے مرکب ہے مگر یہ غلط ہے اس میں بھی قریب قریب وہی اجزا ہیں جو زمین میں ہیں۔ مگر لوہا زیادہ ہے اس کے اردگرد بخارات ہمیشہ جمع رہتے ہیں اور چوطرفہ ہوا یعنی اُنھیں بخارات سے گھرا ہے۔ الغرض مذکورہ ایسے روشن ہیں کہ دنیا میں اُن سے زیادہ روشن اور کوئی شے نہیں ہے۔ اگرچہ زمین سے ۹ کروڑ ۵۲ لاکھ ۶۵ ہزار میل کا ان سے فاصلہ ہے تاہم انسان بغیر خیرگی نگاہ کے اُن کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ کرۂ شمس ایک جسم مصمت اور سب سیّاروں کی گردش کا مرکز ہے اور اپنے محور پر مغرب سے مشرق کی جانب ۲۵ دن ۱۵ گھنٹے اور ۱۶ منٹ میں دورہ ختم کرتا ہے۔ زمین کے قطر سے جو صرف ۷۹۱۲ میل ہے ۱۱۲ حصہ زیادہ ہے۔ روز روشن میں جو سیّارے نظر نہیں آتے ہیں اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دن کے وقت وہ غائب ہو جاتے ہیں اور شب کو پھر ظاہر ہوتے ہیں۔ نہیں نہیں یہ ایک بدیہی بات ہے کہ مہر منیر کے اشعہ لمعان و درخشاں کے مقابل میں اُن کی چمک دمک بیفروغ ہو جاتی ہے۔ ہاں دوربین کے ذریعے سے البتہ دن کو بھی ستارے نظر آسکتے ہیں۔ اکثر لوگوں نے بڑی چاہ سے کنوؤں اور عمیق غاروں میں سے دن کے وقت ستارے دیکھے ہیں۔ چاندنی میں بھی سب ستارے مہتاب کی تیز روشنی کے سبب سے نہیں دکھائی دیتے مگر شب دیجور میں بلا اعانت دوربین تین چار ہزار ستاروں کے قریب نظر آتے ہیں۔

ہمایوں فر: اور خسوف و کسوف ۔

پروفیسر: کسوف یعنی سورج گرہن تین قسموں پر منقسم ہے یعنی کامل، ناقص، حلقہ نما کسوف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ناقص اکثر لوگوں نے مشاہدہ کیا ہوگا مگر کسوف کامل شاذ و قوع پذیر ہوتا ہے اور النادر کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے اسی سے اہل ہئیت معلومات گوناں گوں اور تجربہ و تحقیقات بوقلموں حاصل کرتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ انسان کسوف کامل دیکھے اور ایزد متعال کی صنعت کا نقش اس کے لوح دل پر بخوبی نقش ہو جائے جو نادر باتیں متعلق بہ علم ہئیت اس وقت عنصۂ شہود میں جلوہ گر ہوتی ہیں ان کا اور اوقات میں ظہور پذیر ہونا غیر ممکن الوقوع ہے

کسوف کاشف رموز شمسی ہے۔ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ کرۂ قمر اور زمین کی روشنی مستعار ہے۔ ذاتی نہیں اور دونوں کرۂ مذکور آفتاب سے نور اقتباس کرتے ہیں جب کہ آفتاب اور زمین کے درمیان کرۂ قمر حائل ہوتا ہے تو اُس کا سایہ زمین کے کسی حصّہ پر پڑتا ہے اور شعاع شمس کی اُسی زمین کے خاص حصّے پر گرنے کا سدّباب ہوتا ہے۔ جب آفتاب چھپ گیا تو روشنی مفقود اور تاریکی موجود ہو گئی۔ اُسی کو کسوف کہتے ہیں

تھوڑی دیر میں پروفیسر صاحب نے آلات کے ذریعے سے ہمایوں فر کو مختلف علمی باتیں بتائیں جس سے شہزادہ بلند اختر کمال محظوظ و مسرور ہوئے اور کہا آپ کے آنے سے مجھے بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے ورنہ اگر صحبت بد میں بیٹھتا تو معاذ اللہ توبہ ہی بھلی۔

با بد منشین و باش بیگانۂ او	در دام افتی اگر خوری دانۂ او
تیراز سرِ راستی کمان را کج دید	بنگر کہ چگونہ جست از خانۂ او

پروفیسر: اچھّا اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔

ہمایوں فر: فی امان اللہ۔

حاجی صاحب نے مرزا ہمایوں فر بہادر کو یہ مژدۂ طرب انگیز سُنایا کہ شہسوار کو انھوں نے ڈھونڈ نکالا۔ شہزادہ بلند ارادہ کو پہلے مطلق یقین نہ آیا۔ کہا حضرت ہم جانتے ہیں دھوکا ہوا ہوگا۔ بھلا دو دن میں وہ مل سکتا۔ اے توبہ۔

وہ ایک ہی کائیاں ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ ہمیں تو شک ـــــ کی جگہ یقین ہے اور سچ پوچھو تو یہی ایمان و دین ہے کہ وہ نابکار کسی سے دب نہ نکلے گا۔

حاجی صاحب نے کہا۔ قبلۂ عالم وہ تو کائیاں ہے ہی مگر غلام بھی کچھ کم نہیں ہے۔ میرے بھی کاٹے کا منتر نہیں وہ سیر تو غلام سوا سیر یہ نہیں ممکن ہے کہ وہ ہم سے پیش پائے۔ اے توبہ کیا مجال۔ شہزادے نے کہا۔ اچھا حلیہ کیا ہے اور رہتا کہاں ہے۔ حاجی صاحب نے روائت یوں بیان کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حضور خاکسار لاکھ یارانے کا دم بھرے اور یارانے ہیں تو کوئی شک ہی نہیں۔ لڑکپن سے دوستی ہے مگر حضور پھر شہزادے ہیں اور غلام رعایا حضور بادشاہ کے لڑکے اور ہیں ایک ادنیٰ سی رعیت کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جاوے۔ کیا مجال حضور ہوا یہ کہ غلام ایک پھیر پر گیا۔ وہاں حال معلوم ہوا اور پھر ایک اور دوست سے ملا اُس نے بھی وہی کہا جو میں نے پہلے سُنا تھا۔ بس یقین واثق ہو گیا کہ وہی ہے۔

ہمایوں فر: کل حال مفصّل بیان کرو۔ ملا کیوں کر اور کہاں ملا۔

حاجی: حضرت سُنیے وہ ایک روز حسن آرا بیگم کے محل کے پاس کھڑا تھا اور حضور یا وہ دوسرے آدمی۔ اے ہے بھلا ہی سا نام ہے۔ میاں آزاد خوب یاد آیا۔ دونوں کا امتحان ہوا حُسن آرا نے کہا اس مصرع کا مصرع ثانی فرمائیے مگر مطلع ہو۔ ع شب چو آمد ماہ بر بام ما۔ اس کا جواب یوں دیا۔

شب چو آمد ماہ بر بام ما
پُر شدہ از جوہر دل جام ما

مگر حضور نے یا آزاد نے یہ مطلع سُنایا۔

شب چو آمد ماہ بر بام ما
خندہ رو بر صبح روشن شام ما

حسن آرا پھڑک گئی کہا بارک اللہ۔ خوش گفتی۔ پھر فرمائش کی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خدمتگار نے آن کر ایک خط دیا۔ حاجی صاحب کی باتیں سُن کر ایسے محو ہو گئے تھے کہ خط کو مسند کے نیچے دبا دیا۔ اور کہا آپ فرمائیے۔ حاجی صاحب نے گفتگو یوں شروع کی۔

حضور انھوں نے کہا کہ ایک بوڑھا اپنی شادی کرنے جاتا ہے ۱۲۹۶ھ میں شادی ہو تو کیا مادہ تاریخ کہیے گا۔ آزاد نے فوراً کہا پیر نابالغ ۱۲۹۶ھ حسن آرا نے تعریف کی اور کہا واہ واہ سبحان اللہ کیا موزوں طبیعت پائی ہے۔ چشم بدور کیا ذہن کی رسائی ہے۔

ہمایوں فر: واللہ۔ یہ تو نئی نئی باتیں سُننے میں آئی ہیں۔

حاجی: حضور سُنتے تو جائیں۔

ہمایوں فر: واللہ مجھے ایسی باتیں معلوم ہوئیں کہ کبھی سنی ہی نہ تھیں۔

حاجی: حضرت اُن کے دروازے پر ایک دن بھیڑ لگی تھی۔ ایک طرف آزاد دوسری جانب وہ۔

ہمایوں فر: ارے تو بازار لگی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حاجی : حضور بس اب کیا کہوں ـــــ کچھ پوچھیے نہیں۔
ہمایوں فر : ہاں صاحب اور کیا کیا معلوم ہوا۔
حاجی : ایک اخبار میں چھپ گیا ہے۔ جیب سے نکال کر اخبار دیا۔
ہمایوں فر : اودھ اخبار اس کے تو ہم بھی خریدار ہیں۔ پڑھا تو ذیل کی عبارت نظر سے گذری۔

وہو ندا

پیر مرد نے محل میں جاکر حسن آرا اور سپہر آرا سے کہا کہ وہ دونوں گھبرو جوان بھی سامنے گھوڑوں پر سوار کھڑے ہیں۔ میاں آزاد ان کو اور وہ اِن کو قہر کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو میں نے یوں فیصلہ کیا کہ تم سب کا امتحان لیا جائے۔ دیکھیں کس کا ستارہ چمکتا ہے۔ قسمت آزمائی ہے۔ انھوں نے میرے اس مشورہ کو پسند کیا مگر سپہر آرا سوچ کر بولی نہیں بہن آزاد ہی کے ساتھ بیاہ رچے تو بات ہے۔ خیر پیر مرد خوش خوش باہر گئے اور ان دونوں جوانان روئیں تن سے یوں گفتگو کی

پیر مرد : اُترو بھیّا۔ گھوڑوں کو سائیس کے سپرد کر دو۔ آؤ بیٹھو۔ الا اللہ کہہ کر وہ دونوں دھم سے اُتر پڑے تو پیر مرد نے کہا سنو بھائی ان دونوں مہوشان جادو جمال پر آپ کا دل آیا ہے تو ہم ایک سہل سی تدبیر بتادیں یہ بے سمجھے بوجھے بیاہ نہ کریں گی۔ اتنا سُننا تھا کہ ایک کڑک کر بولا کیا کہا دوسرے نے کہا داغ دے۔ دھواں اُس پار ہو۔ پیر مرد کے ہوش پران کہ بُرے پھنسے۔ آہستہ سے کہا کہ وہ امتحان لینے کو کہتی ہیں امتحان چہ معنی دارد۔ سٹھیا گیا ہے بُڈھے کیا۔ ارے صاحب ارے ترے کہاں کی نکالی نامعقول۔ اجی حضور وہ علم وفضل میں امتحان لیں گی کیا، علم فضل ہم کیا کچھ مکتب کے لونڈے ہیں۔ ہمارا علم ہماری تلوار (شڑاپ سے میان کے باہر نکال کر) چمکتی دمکتی تلوار (دوسرے یہ تلوار (تڑ سے میان کے باہر تھی) اب پیر مرد ہکا بکّا سی بات کرتے ہی تلواریں اُگل پڑیں۔ خدا ہی خیر کرے۔ بھئی اچھّے اجہلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ بولے کہ آپ امتحان دیں گے یا نہ دیں گے۔ ایک نے کہا دیں گے دوسرے نے کہا تیرا سر کاٹ لیں گے تب تو پیر مرد بھی کسی قدر تیز ہوئے۔ بس میاں بس بہت بانکپن کی نہ لو۔ میرے پوتے کے برابر ہو اور مجھ ہی کو للکارتے ہو اور تلوار دکھاتے ہو بوڑھوں کے مُنھ لگتے (دانتوں کے تلے اُنگلی دبا کر) توبہ توبہ۔ بانکپن کے یہ معنی نہیں کہ بوڑھوں پر تیز ہو میاں مُنھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ ہم تو اب حلوا کھانے کے کام کے ہیں لڑنے بھڑنے کا اب زمانہ کہاں۔ ہاں ایک جوان نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ معاف کیجیے گا دوسرے نے قدموں پر ٹوپی رکھی کہ قصور ہوا۔ خیر۔ اب اصل حال اور کُل داستان کا لب لباب سُنیے کہ حسن آرا سپہر آرا سولہ سنگار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمرے کے ایک پر تکلّف کمرے میں جلوہ گر ہوئیں اور میاں آزاد کو وہاں بُلوایا۔ یہ مژدہ روح افزا سُنتے ہی میاں آزاد کے رُخسار تاباں پر فرطِ طرب سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ قدم بڑھاتے ہوئے کمرے میں پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ کمرہ دُلھن کی طرح سجا ہوا ہے مشک و عنبر کی چوطرفہ خوشبو آتی ہے۔ جو شے ہے بے بہا جو چیز ہے دلرُبا۔ فرش مکلّف کرسیاں رنگین درو دیوار غیرت آگین۔

زفرق تا بہ قدم ہر کُجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا این جا است

ہمایوں فر: خدا تجھ کو سلامت رکھے۔ حاجی میرے یار کیا کہنا ہے۔ بھائی اب تو ہم شادی نہ کریں گے۔ شادی اور امتحان! واہ اچھّی کہی۔ معاذ اللّٰہ کا مقام ہے۔

حاجی: ایں آپ اس وقت ہیں کہاں۔ توبہ توبہ۔

ہمایوں فر: نا بھائی۔ اب ذرا دو ایک آدمیوں سے دریافت کرنا پڑا۔

حاجی: آپ بھی اتنے بڑے ہوئے مگر جھک نہ گئی۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

اور سُنیے حضور کی سپہر آرا بیگم نے ایک مرتبہ ان سے فرمایش کی تھی کہ کوئی فی البدیہ شعر پڑھیے تو اُنھوں نے کہا۔

کی شعر ترا انگر و خاطر کہ حزین باشد
یک نکتہ درین معنی گفتیم و ہمین باشد

پھر کہا خدا کے لیے ہمارا اور رقیب روسیہ کا امتحان لیجیے۔ شہسوار کے اس مصرع پر میاں آزاد نے اعتراض جمایا تھا۔ ع۔ برشدہ از جوہرِ دل جام ما۔

ہمایوں فر: اعتراض کے تو قابل ہی ہے۔

بدہ ساقی آن جوہر روح را
روائے دل ریش مجروح را

حاجی: قسم خدا کی یہی انھوں نے بھی کہا تھا۔ یہ شعر پڑھا تھا مگر کیا مصرع لگایا۔

شب چو آمد ماہ بابر بام ما
خندہ زد بر صبح روشن شام ما

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔

واللہ امتحان کا لفظ سُن کر بھڑک گیا۔ توبہ توبہ۔

اور آپ کی سپہر آرا بھی اُن پر ریجھی تھیں۔ مگر خدا اور خدا کا رسول آگاہ ہے کہ انتہا سے زیادہ عفیفہ ہیں۔

ہمایوں فر : سُنا تو ایسا ہی ہے اور ہمارے علم و یقین میں بھی یہی ہے۔

حاجی : میں نے بھی اُن کو در پردہ دیکھا ہے۔

ہمایوں فر : در پردہ دیکھنے کی کیا کہی ہے۔ واللہ بھڑ کا دیا۔ در پردہ دیکھا ہے آپ نے کتنے بے تکے ہو۔

حاجی : اچّھا بھائی ہنس لو۔ جو تمہارا جی چاہے کہو۔ ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ ہم کیا جانیں۔ ایک دن میں نے یہ شعر پڑھا۔

اُنھیں ہے طوقِ منّت کا گراں بار
ہمارا خون ہے دامن گیر دیکھو

تو اتفاق سے طوق کو اضافت کے ساتھ پڑا۔ اُس پر اکثر احباب ہنس پڑے اور کہنے لگے گنوار ہے۔

حاجی صاحب نے شہسوار کی دو ایک باتیں اور کیں اور جوگن والے معاملے کا بھی تذکرہ کیا۔ جب خوب باتیں ہو چکیں تو شہزادے نے وہ خط پڑھا۔

وھو ہٰذا

کل یا پرسوں تمہارا سر خاک پر لوٹ رہا ہوگا۔ ہم ٹوک چکے۔ ٹوک کے قتل کرتے ہیں یہ نہیں کہ چوری سے مار ڈالا۔ سرِ میدان لڑیں ہم وہ لوگ ہیں۔ جی قبلہ دل لگی نہیں ہے۔ گو اب کسی قدر لُٹ گیا ہوں مگر اب بھی بہت ہوں۔

مرا ہم چنیں چہرہ گلفام بود
بلور نسیم از شوخی اندام بود

دو باتیں ہیں یا تو سپہر آرا کی شادی کا خیال چھوڑو اور یا سر کو تن سے جدا کرو۔ یہ ممکن نہیں کہ دونوں باتیں حاصل ہوں اے لاحول۔ سپہر آرا کو تو ہم کسی کے عقد نکاح میں دیکھ ہی نہیں سکتے یوں چاہیے ہماری بیوی نہ ہو۔ مگر کنواری رہے۔ شادی ہوئی اور غضب ہو گیا۔ اور ایک تم پر کیا فرض ہے جو لعین اسکی نظر بد سے دیکھے گا اس کو ہم ذبح کر ڈالیں گے اِدھر نظر بد ڈالی اُدھر ہم نے نیچا دکھایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر　　　انجام پہ اک ذرا نظر کر
اس طول عمل سے فائدہ کیا　　　کل کوچ ہے قصّہ مختصر کر

اس دو روزہ زندگی کے لیے یہ لڑائی اور بغض اور حسد۔ بچو گے نہ ہم نہ تم آج داڑھی میں ایک بال تو سفید نظر آیا۔

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے　　　ناداں تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور ایک دن ہے فنا　　　آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

تو میاں صاحب بات ساری یہ ہے کہ موت ایک دن سب کو آئے گی۔ مگر تمھاری موت ہمارے ہاتھ سے آنے والی ہے۔ اس خط کا جواب ہمارے پاس اس پتے سے بھیجنا۔ نزدیک شہسوار والا تبار در مکان سبز برسد۔

کانٹوں میں نہ ہو اگر اُلجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

ایک بات یاد رکھو، خبردار آج سے شب کے وقت باہر نہ نکلنا ورنہ ہماری گولی چل جائے گی۔

مرزا ہمایوں فر نے یہ خط حاجی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ کہا بسم اللہ ملاحظہ فرمایئے۔

حاجی: کیا ہے بھئی کیا؟

کانٹوں میں نہ ہو اگر اُلجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

یہ کس بگڑے دل کا خط ہے بھئی۔

ہمایوں فر: پڑھو تو آنکھیں کُھل جائیں۔

حاجی: ارے اللہ اللہ۔ یہ وہی شہسوار ہیں۔ خدا کی مار، مردود پر۔ دیکھیے انسپکٹر صاحب گئے ہیں۔ بچا ہی بنا کے چھوڑیں گے۔ انشاء اللہ بہت کلیلوں پر ہے۔

ہمایوں فر: ارے یار جو مل جائے تو بات ہے، اور جو بھاگ گیا؟

حاجی: کیا مجال۔ بھاگ کے جائے گا کہاں۔ بھاگنا کیا دل لگی ہے۔ خدا کی قسم رگید کے ماروں مردود کو۔ یہ کیا بات ہے۔

ہمایوں فر: افسوس صد افسوس! واللہ رہ رہ کے خیال آتا ہے کہ اس بدبخت کو یہ کیا سوجھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حاجی: حضور! دل کی لگی بُری ہوتی ہے۔ اس کا بھی تصور نہیں ہے۔

عشق روزے کہ بدل خلعتِ سودا بخشید

جامہ داری بمن از دامنِ صحرا بخشید

عشقِ خانماں خراب سے خدا بچائے۔ اب دیکھیے مفت میں جان دیتا ہے اپنی کم سے کم سات برس کے لیے بھیجا جائے گا۔ اب یہ موت سے کم تھوڑا ہی ہے کہ جلا وطن ہوں، جہنم میں بھیجے جائیں۔ مگر شیطان آنکھوں پر غفلت کا پردہ ڈال دیتا ہے۔ انسان کو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ خدا پیدا کرے تو عقل ضرور دے۔ اُجڑ نہ ہو انسان۔

اتنے میں محل سے ایک مہری دوڑی آئی۔ حضور جلدی چلیے آگ لگ گئی۔ اتنا کہنا تھا کہ سب لوگ دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ محلسرا کا ایک کونا جل رہا ہے۔ ایک نے کہا اور سقے اور خدمتگار اور پڑوسی سب کے سب دوڑ پڑے۔ آگ بجھانے کی بڑی کوشش کی۔ اس کے بعد دیکھا کہ ایک دیوار پر کاغذ چپکا ہے جس پر جلی قلم سے لکھا تھا "مرزا ہمایوں فر کو بعد سلام کے معلوم ہو کہ اُن کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا' اب چھلکا اور اب چھلکا۔ پرسوں تیسرے پہر کو ان کی جان جائے گی۔ کرّم دھم کرّم دھم۔ خلق خدا کا ملک بادشاہ کا حکم کمپنی والا تبار کا کہ پرسوں کے روز ضرور بالضرور ہمایوں فر کا سر کٹے گا۔ کرّم دھم۔

ہمایوں فر نے پڑھا آگ ہو گئے۔

مصاحب: حضور یہ کم بخت چھید نگ کرنے کے لائق ہے۔

دوسرا: یہاں کوئی دم کے دم میں' بندھا آتا ہے۔

تیسرا: انشاء اللہ، انشاء اللہ۔

چوتھا: واللہ دیکھتے ہی ایک چانٹا اِدھر ترٹے' اور ایک اُدھر ترٹے۔

ہمایوں فر: جو کہیں مل جائے تو ٹھیک ہی بناؤں۔

مصاحب: اے حضور اللہ جانتا ہے' ایک ایک چپت پڑے تو منھ بگڑ جائے۔ اللہ کی عنایت سے اتنے آدمی ہیں۔

گلباز: آج اس کا ستارہ نحس ہے۔

ہمایوں فر: اور صاحب بھی سخت سزا دیں گے۔

گلباز: اس میں کیا شک ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مصاحب: حضور کے ساتھ تو سب ہی عنایت کرتے ہیں۔

گلباز: اجی بادشاہ زادے ہیں کہ یا نہیں۔

اتنے میں مسخرالدولہ کہتے ہوئے آئے۔ حضور خیریت ہے؟

ہمایوں فر: آگ لگ گئی تھی اس وقت۔

مسخرہ: ہاں۔ مبارک ہو حضور۔

ہمایوں فر: کیا عجیب بے تکے آدمی ہو۔

مسخرہ: کیوں بے تکا پن کیا ہے؟ اس میں بے تکا پن کیا ہے جی۔

ہمایوں فر: کسی کے ہاں آگ لگے تو مبارک کا لفظ کہنا چاہیئے۔

مسخرہ: آگ لگی اسباب بچ گیا۔ پھر مبارک نہ کہوں تو روؤں؟

انسپکٹر صاحب واپس آئے اور ہمایوں فر کو علیحدہ لے جاکر کہا کہ سب معاملہ چوکس ہے۔ حلیہ مل گیا ہے۔ وہی صورت وہی ہاتھ پانوں۔ سُنا گھوڑے پر خوب سوار ہوتا ہے۔

ہمایوں فر: پھر اب گرفتار بھی کیجیے گا یا نہیں؟

انسپکٹر: آج تو وہاں تھا جہاں ہم بھیس بدل کر گئے تھے۔

ہمایوں فر: تو اب کب جائیے گا۔ جس طرح ممکن ہو ضرور گرفتار کیجیے، ورنہ بھاگ جائے گا تو مشکل پڑے گی۔

انسپکٹر: پہرے بٹھادیئے ہیں۔ ایسی بات ہے بھلا' بھاگ کے جائے گا کہاں۔ کیا دل لگی ہے، یہ بھی ہنسی ٹھٹھا ہے' اور حضور کے کام کے لئے اوّل تو حضور ہمارے ملک کے شہزادے، دوسرے صاحب کا حکم ہے۔ مگر حضور ذرا ہوشیار رہا کریں۔ گو یہ گیدڑ بھپکیاں ہیں' اور خط صرف دھمکانے ہی دھمکانے کے لئے ہے مگر احتیاط شرط ہے۔ غافل ہونا بھی مناسب نہیں۔

اتنے میں ایک مصاحب نے آن کر کہا۔ خداوند کچھ سُنا؟ ہمایوں فر نے کہا نہیں۔ کہا عین چوراہے پر کسی لعین نابکار نے خدا اُس سے سمجھے لکھ کر کاغذ پر چپکا دیا ہے اور اُس پر بہت سخت سخت کلمات لکھے ہیں۔ ہمایوں فر نے اصرار کیا کہ بتاؤ کیا لکھا ہے۔ اُس نے کہا یہ لکھا ہے ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

ہمایوں فر کا سر

یہ تو سُرخی ہے حضور اور اس کے بعد لکھا ہے (کل یا پرسوں کاٹا جائے گا)۔

از عاشقانِ صادقت اے دلستان منم ‏ ‏ ‏ اول کسی کہ بر تو فدا شد زجان منم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم ناحق کوشش کرتے ہو۔ سپہر آرا کو تم عقدِ نکاح میں لاؤ۔ یہ انہونی بات ہے۔

نئی نئی باتیں

سویرے منہ اندھیرے لالہ خوشوقت رائے ولد لالہ خورسند رائے ولد لالہ حسین بخش پٹکا باندھے چپکن پہنے، سرمبارک پر پرانے فش کی دستار جمائے، ثریّا بیگم کی ڈیوڑھی پر تشریف لائے۔ چوبداروں نے سلام کہا۔ لالہ خوشوقت رائے بیٹھے۔ پردے کے پاس سے آواز دی۔ ہم آتے ہیں۔ محلدار نے کہا۔ اے لالہ جی سو باری تو سرکار نے کہہ دیا کہ آپ بے پوچھے چلے آیا کیجیے۔ خوشوقت خواجہ سرا، آپ کا نام رکھا سو برس کا سن بلکن (بلکہ) کچھ اوپر سو۔ ہم سب تو آپ کے پوتوں سے چھوٹے ہیں۔ لالہ خوشوقت رائے اندر گئے۔ کہا۔ کل چقین خریدی تھیں، وہ کہاں رکھیں، جو یہ پرانی چقین لٹکائی ہیں۔ اس دالان میں دری کیوں نہ بچھائی۔ ہرنی کو کس نے کھول دیا۔ یہ آج ماجرا کیا ہے؟ تم سب موقوف کے قابل ہوئے مغلانی کو حکم دیا کہ سرکار بیدار ہوئی ہوں تو اطلاع دو کہ داروغہ صاحب حاضر ہیں۔ مغلانی بولی جی بجا ہے۔ داروغہ حاضر ہے، نہیں کہتے۔ صاحب بھی ملا دیا۔ لالہ پہلے بات کرنا سیکھو۔ خوشوقت رائے خون پی کر رہ گئے مغلانی کوٹھے پر گئی، اور عبّاسی کو پکارا۔ عبّاسی۔ عبّاسی اے عبّاسی۔ اے ہے کیا اونچا سننے لگیں، دوسری مہری کو آواز دی۔ مگر صدائے بر نخاست۔ ایک مغلانی کو جو کوٹھے پر سو رہی تھی جگایا۔ اے اٹھو بہن۔ یہ عبّاسی آج کہاں چلی گئیں۔ اور دوسری مہری بھی نہیں ہے۔ کوئی سنتا تک نہیں۔ پکارتے پکارتے تھک گئے۔ اس نے کہا باغ میں ہوں گی جا کے دیکھ لو۔

مغلانی باغ میں گئی۔ عبّاسی۔ اے عبّاسی۔ اور آگے بڑھی، عبّاسی! یہ ماجرا کیا ہے۔ اے عبّاسی (زور سے آواز دے کر) عبّاسی! او عبّاسی! (آہستہ سے) مرموئی۔ بیچ بیچ مرہی گئی۔ باغ کی کوئی روش نہ تھی جس میں مغلانی نہ گئی ہو۔ عبّاسی کا پتا نہ ملا۔ واپس آن کر پھر جگایا۔ اے بہن! وہاں بھی نہیں ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مہری نے کہا۔ آج عبّاسی ہی ملتی ہیں، نہ کہیں سرکار کا پتا ہے۔ ابھی پانی لے کر گئی، وہاں ملیں ہی نہیں۔

الغرض مغلانیوں اور مہریوں اور محلدار نے گھر بھر میں تلاش کی مگر ثریّا بیگم اور عبّاسی کا پتا نہ ملا۔

محلدار: اے داروغہ جی! آج تو ایک نیا گُل کھلا۔ سرکار محل میں نہیں ہیں، اور نہ اس چڑیل عبّاسی کا پتا ہے۔ کچھ عقل نہیں کام کرتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوشوقت : ایں! یہ کیا ہوا۔ ذرا اچھّی طرح دیکھو۔ شاید دل لگی، دل لگی میں کہیں چھپ رہی ہوں۔ عبّاسی بھی نہیں ہے۔ یہ بات ہماری فہم ناقص میں نہیں آئی۔ دیکھو۔ خوب دیکھو۔ کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گی۔

جہم ہیچ مضمون جز بہ لب بستن نمی آید
خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

خوشوقت رائے صاحب نے شعر بھی موقع پر پڑھ دیا۔

مغلانی : یا اللہ کہاں ڈھونڈھوں۔ کہیں پتہ نہیں ہے۔ عبّاسی او عبّاسی۔

مہری : بھلا اُس کمرے میں تو دیکھو جاکے۔ وہاں ابھی کوئی نہیں گیا ہے۔

محلدار : بس وہاں ہوں گی۔ یہ لیجیے، ہم نے ڈھونڈ نکالا اب چھپ کے کہاں جائیے گا۔ میں بھی کہوں، اللہ یہ گئیں کہاں سویرے سویرے۔

مغلانی : ہم بھی سمجھے تھے کہ بس ایک ہی جگہ باقی ہے وہیں ہوں گی۔

مہری : اے لو اور سنو! کہا ہم نے اور یہ تعریف اپنی کرتی ہیں، کیا زمانہ ہے۔ خوشوقت رائے نے کہا۔ باتیں پیچھے کرنا، پہلے جاکر دیکھو تو۔ وہاں نہ ہوں تو باغ میں جاکر تلاش کریں۔ مغلانی بولی، باغ میں تو ہم تلاش کر آئے ہیں۔ یہ کہہ کر تین چار عورتیں اس کمرے میں گئیں، وہاں دیکھا تو سناٹا۔ فقط ایک تختہ تھا اور اُس پر یہ شعر:

خزاں کے ہاتھ سے گلشن میں خار تک نہ رہا
بہار کیسی نشانِ بہار تک نہ رہا

یہ کئی سال سے اس کمرے میں رکھا تھا۔ اب تو حیرت اور بھی بڑھی۔ لالہ خوشوقت رائے اور کل خدّام اور خادمہ نے مل کر ثریّا بیگم اور عبّاسی کو مکان میں چوطرفہ ڈھونڈنا شروع کیا۔ کوئی مقام باقی نہ رکھا۔ کمروں اور دالانوں اور شہ نشینوں اور کوٹھوں اور کوٹھیوں میں تلاش کی گئی مگر بے سود۔

داروغہ : اب تردد کا مقام ہے، اب واقعی تردد کا مقام ہے۔

محلدار : کس سے پوچھیں۔ کیا کریں۔ اب نہ عبّاسی، نہ سرکار۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ تھانے پر رپٹ لکھوا دیں، ایسا نہ ہو اونچ نیچ نہ ہو انگریز سرکار کا زمانہ ہے۔

مغلانی : اسباب وسباب تو دیکھ لو۔ سب ہے نا لے دے کے چل دیں۔ دیکھا تو زیور کا نام بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ تھا۔ شال زیور جواہرات قیمتی کپڑے سب ندارد۔ دریاں، غالیچے، چاندنیاں، پٹارے، ایسے ویسے کپڑے کم قیمت اشیاء سب اِدھر اُدھر پڑی تھیں۔ داروغہ خوشوقت رائے نے سب سے مل کر کچھ مال اڑا دیا۔ اور تھانے میں رپورٹ لکھوادی۔

حضرات ناظرین۔ ثریّا بیگم کا حال پڑھ کر متحیّر ہوتے ہوں گے کہ یہ چل کہاں دیں، اور عبّاسی کو کون بھگا لے گیا، دونوں نوجوان حسین ومہ جبین۔ شاید کسی کی نظر پڑ گئی ہو۔ واللہ اعلم اب دوسرا حال سُنیے کہ ایک دریا کے کنارے ایک شہزادی مخملی زین پوش بچھائے بیٹھی رو رہی ہے، اور دریا کی طرف دیکھ کر آہستہ آہستہ کہتی جاتی ہے (خواجہ خضر، تیری پناہ) اور دو آدمی اُس سے تھوڑی دور پر کھڑے آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ ایک خواجہ دوسرا ٹھاکر۔

ٹھاکر: یہ بوڑھی شہزادی آج کہاں سے آگئی۔ کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔

خواجہ: اس کی مصیبت کا حال ناگفتہ بہ ہے۔

ٹھاکر: آخر کچھ تو معلوم ہو، بھلا ہم بھی تو سُنیں۔

خواجہ: یہ بادشاہزادی بیگم ہیں۔ ان کے گھر میں شاید ان کا صاحبزادہ یا صاحبزادی علیل ہیں۔

ٹھاکر: پھر دریا پر آکر روتی کیوں ہیں۔

خواجہ: ایک فقیر نے کہا ہے کہ دریا پر بیٹھ کر خواجہ خضر کو یاد کرو۔

ٹھاکر: ہائے افسوس یہ تو وہاں رہتی ہیں نہ پار۔

مرزا ہمایوں فر بہادر کا نام سُنا ہے؟ اُنھیں کی والدہ شریفہ ہیں

حضرات ناظرین۔ خدا جانے اس بیچاری شہزادی پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ خدا خیر کرے مرزا ہمایوں اچھے ہوں۔ ورنہ یہ بوڑھی عورت کڑھ کڑھ کے مرجائے گی۔ اس دریا میں بوڑھی شہزادی سے کچھ دور کے فاصلے پر ایک بجرہ جارہا تھا۔ اُس بجرہ پر چھ آدمی سوار تھے اور ایک شخص لہرا لہرا کر گا رہا تھا۔

دم بُلبُلِ اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا جو ہیں سن سے نکل گیا

شہزادی کو یہ شعر اس وقت ناگوار گزرا پھر آواز آئی۔

لایا وہ ساتھ غیر کو میرے جنازے پر — شعلہ سا ایک جیب کفن سے نکل گیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ بوڑھی شہزادی ضعیف الاعتقاد تھیں۔ دونوں شعر بُرے معلوم ہوئے۔ سمجھیں کہ فال بد ہے۔ دم نکلنے اور جنازے اور کفن کا ذکر بُرا۔

اس شخص نے پھر دو شعر کہے اور دونوں نحس۔

اس رشکِ گل کے جاتے ہی بس آگئی خزاں
ہر گل بھی ساتھ بو کے چمن سے نکل گیا

واہ۔ اُس میں خزاں ہی کا ذکر آیا۔

اہل زمین نے کیا ستم نو کیا کوئی
نالہ جو آسمان کہن سے نکل گیا

لاحول ولا قوۃ۔ اس میں بھی وہی نالہ و فریاد۔

شہزادہ ہمایوں فر کی والدہ معظمہ دو گھنٹے کامل لب دریا بیٹھیں دو گھنٹے کے بعد خدا جانے اُنھوں نے کیا سُنا کہ غش آگیا خدا خیر کرے۔

ایک تو ثریا بیگم کو بھاگنے کا حال سمجھ میں نہیں آیا۔ اُن کا پتا ہے نہ عباسی کا دونوں کی دونوں مکان سے چلی گئیں۔ ڈھونڈھے نہیں ملیں دوسرے یہ نئی بات سُننے میں آئی کہ مرزا ہمایوں فر کی ماں اور بہن اس طرح بے حجاب دریا کے کنارے بیٹھ کر روئیں۔ یہ ماجرا کس کا تھا اور دریا پر آئیں کیا کرنے اور سُنا کیا جو غش آگیا۔

اب ایک اور حیرت انگیز خبر سُنیے۔

جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب علیہ الرحمہ والغفران ایک مورچے کے قریب گھاس پر لیٹے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے ہیں۔

چو لہراسپ بنشست بر تخت عاج — بسر بر نہاد آن دل افروز تاج
جہاں آفریں را ستایش گرفت — نیایش در ودِ فزایش گرفت
نگارندۂ چرخِ گردندہ اوست — فزایندۂ غمزۂ بندۂ اوست
چو در باد کوہ و زمین آفرید — بلند آسمان از برش بر کشید
یکی تیز گردان و دیگر بجائی — بجنبش نداشد نگارندہ پائی
گزشتہ بہر دانشِ از ہید ر؟ — ز لشکر بہ مردی بر آوردہ گرد
از آن کار گشتاسپ ناشاد بود — کہ لہراسپ را سر پُر از باد بود

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

همان هردو از وقت کاؤس بود ‏ ‏ ‏ ‏ ز تخم منوچہر و از طوس بود
سخنہائے دیرینہ دستان گفت ‏ ‏ ‏ ‏ کہ باد او یزدان خرد باد جفت

یہ اشعار حضرت خواجہ بدیعا خوش الحانی کے ساتھ ادا کر رہے تھے۔ شاہنامہ فردوسی طوسی یاد تھا کوئی کہیں کا شعر پڑھ دیا کوئی کہیں کا شعر۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ یہ خواجہ صاحب پیدا کہاں سے ہو گئے۔ یہ تو ڈوب گئے تھے۔ کچھ عجیب بات ہے۔ اتنے دن ہوئے مچھلیوں نے چٹ کر لیا ہوگا۔ یہ موچے پر کیوں کر موجود ہو گئے یا شاید انھیں کے ہم شکل کوئی اور صاحب ہوں۔

یہ شعر پڑھ ہی رہے تھے کہ چیل نے بیٹ کر دی، اور حضرت نے ڈانٹ بتائی۔ بھلا بے گیدی بھلا۔ ہائے نہ ہوئی قرولی۔ افسوس دکھا دیتا مزہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔

اب یقین واثق ہو گیا کہ خواجہ بدیع الزماں ہی ہیں مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ قعر دریا سے برآمد کیوں کر ہوئے۔ بارے۔

رسید بود بلائی ولی بخیر گزشت

ثریّا بیگم اور عبّاسی کا حال کیا کم حیرت خیز تھا۔ کہ ہمایوں فر کی گریہ وزاری نے اس پر اور بھی طرّہ کیا۔ اور خوجی کا ڈوب کے زندہ ہو جانا اور بھی تعجب خیز ہے۔

اب ایک نئی بات اور سُنیے۔ وہ بھی ان باتوں سے کم نہیں ہے۔ ایک تحصیلدار صاحب کے نام سرکاری سوار پروانہ لے کر گیا۔ دس بجے رات کو جگایا اور کہا حضور بڑے صاحب نے پروانہ دیا ہے۔ کہا کہ مارا مار جاؤ اور تحصیلدار صاحب اگر سوتا ہو تو جگاؤ۔ تحصیلدار صاحب نے پروانہ پڑھا۔

وہو ہذا

رفعت و عوالی مرتب منشی ‏ ‏ ‏ ‏ خان تحصیلدار بعافیت باشند بموجب حکم روبکار امروزہ آپ کو قلمی ہوتا ہے کہ مبلغ پانچ ہزار روپیہ اپنی تحصیل کے خزانے سے گائوں پر لاؤ اگر آج شب کو بارہ بجے لے کر بمقام کالا ڈیہہ حاضر ہوا اگر احیاناً آپ کو فرصت نہ ہو تو پیشکار کو بھیجیے تاکید اکید جانیے درصورت نہ پہونچے زر مذکور کے حکم مناسب صادر ہوگا۔ تاریخ۔ ماہ۔ پیشانی پر صاحب کے دستخط۔ انگریزی میں اس طرح پر ماشاء اللہ کوئی کل درست نہیں۔

تحصیلدار صاحب نے فوراً گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ خزانچی کو بلوایا خزانہ کھلوایا۔ روپیہ نکلوایا۔ گاڑی منگوائی۔ روپیہ لدوایا۔ چپراسی ساتھ لیے اور بیل گاڑی پر سوار ہو کر چلے۔ کالا ڈیہہ۔ وہاں سے دو کوس تھا۔ ایک تیرہ و تار جنگل۔ گھنے گھنے درخت سر بہ فلک کشیدہ۔ کوسوں بستی ندارد۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آدمی کا نام نہیں جب اس مقام پر پہونچے تو ایک چھوٹی سی چھولداری ملی۔ برق انداز نے ٹوکا۔ ہُوکم ور۔ اُنھوں نے کہا تحصیلدار۔ پھر پوچھا۔ ہُوکم ور۔ کہا ہم ہیں تحصیلدار۔ اُس نے ہاتھ گھوما کر پولیس کے بموجب سلام کیا۔

تحصیلدار: صاحب سوتے ہیں۔ اس وقت کے بجے ہوں گے۔ بارہ۔

برق انداز: بارہ بج گئے۔ صاحب نے ابھی چائے پی ہے۔ آج رات بھر لکھیں گے۔ چپراسی سے کہوں کہ اطلاع کرو۔

تحصیلدار: ہاں ہاں کہہ دو کہ روپیہ حاضر ہے اور تحصیلدار حاضر ہے۔ برق انداز نے چھولداری کے قریب جا کر کہا۔ خداوند تحصیلدار صاحب حاضر ہیں اور روپیہ بھی آگیا۔ صاحب نے کہا وَل بلاؤ تحصیلدار صاحب چھولداری کے اندر گیے تو ایک آدمی نے اِن کا مُنھ زور سے دبا دیا دوسرے نے کمر تھامی۔ دونے ہاتھ پکڑ لیے اور دو آدمی ٹانگوں میں چمٹے۔ تحصیلدار صاحب کے ہوش پرّان کہ یا خدا یہ کیا ستم ہوا۔ ہائے چکما ہو گیا اور گہرا چکما ہوا۔ بڑی بری ہوئی۔ ایک شخص جو انگریزی لباس پہنے بیٹھا اُن کے قریب آیا۔ اور مسکرا کر کہا۔ وَل تحصیلدار روپیہ روپیہ کدھر۔ اچھّا۔ اب تم نہ بولے گا تم بولا۔ اور ہم نے سزا دیا۔ ہم کو مثل اپنے صاحب کے مانو نہیں تو ہم چورنگ کرے گا۔

تحصیلدار: خداوند حضور کو اپنے صاحب سے بڑھ کر سمجھتا ہوں وہ اگر خلاف ہوں گے تو درجہ گھٹا دیں گے۔ پیش کار کر دیں گے۔ مزید بر آن نیست کہ موقوفی کا حکم دیں گے اور حضور تو چھری ہی سے پیش آئیں گے۔

مصنوعی: وَل کتنا روپیہ ہے۔ پانچ ہزار روپیہ پورا لایا ہے۔

تحصیلدار: خداوند ایک کوڑی کم نہیں۔ پورا پانچ ہزار۔ دو آدمیوں نے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لی اور تحصیلدار کے کلّے پر کھڑے رہے مصنوعی صاحب کرُسی پر ڈٹے بیٹھے۔ باقی ماندہ آدمی باہر گئے اور صاحب بھی تھوڑی دیر میں چھولداری کے باہر تشریف لے گئے۔ پکارا۔

چپراسی۔ چپراسی۔ وَل چپراسی۔ دو چپراسی فوراً حاضر ہوئے۔

ایک: حضور حاضر ہوں۔ جو حکم ہو خداوند۔

صاحب: وَل روپیہ لایا۔ اچھّا کون ہے۔ کوئی ہے یہاں پر۔

برق انداز: حاضر۔ روپیہ بھی حاضر ہے خداوند رکھوا لیا جائے۔

صاحب: وَل۔ بے شک۔ اچھا چپراسی لوگ تم روپیہ رکھوا دے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک چپراسی سمجھ گیا کہ یہ بناوٹ کی بات ہے۔ اس میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ دوسرے چپراسی سے کہا۔ یار یہ تو جعل سوچا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ صاحب نے کہا دبس دوڑو چلو) اُس پر دس بارہ آدمی لٹھ اور تلواریں لے کر دوڑ پڑے۔ لینا لینا جانے نہ پائے ایک چپراسی نے تلوار میان سے نکالی۔ اور تین آدمیوں کو زخمی کیا۔ دوسرے نے لٹھ چلایا۔ تھوڑی دیر تلوار چلی اور لٹھ سے سر پھوٹے آخر کار چپراسی مغلوب ہوئے اور حریف روپیہ کو ہاتھوں ہاتھ لے اُڑے۔ تحصیلدار صاحب کی نسبت ایک شخص نے رائے دی کہ اِن کو قتل کر ڈالو مگر سید تھے بچ گئے۔ روپیہ سب لوٹ لیا تو تحصیلدار صاحب سے کہا کہ آپ سید ہیں اس وجہ سے آپ کو چھوڑ دیا ورنہ اس وقت بے زخمی کیے نہ چھوڑتے۔ دو چپراسی زخمی ہوئے ایک جان بلب۔ چوتھا بچ گیا۔ ڈاکوؤں نے چلتے چلاتے تحصیلدار صاحب کا گھوڑا بھی پسند کیا۔ اور کہا کہ آپ یہ گھوڑا نذر کریں اِن کو تو اُس وقت جان کے لالے پڑے تھے۔ فوراً منظور کر لیا۔

بعض ناظرین یا تمکیں غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کون ذات شریف ہیں اور بعض گدّے بازی بھی کریں گے مگر جو بزرگوار فسانے کو غور سے پڑھتے ہیں وہ معاً سمجھ جائیں گے لے اب بوجھیے۔ پیر مرد یعنی ملاّح ملیح تھے؟ واہ۔ کہیں ہوں نہ شہسوار۔ وہ جو ہمایوں فر کے دشمن اور سپہر آرا کے عاشق تھے۔ جی نہیں ان کو ڈاکے سے کیا واسطہ۔ محمد عسکری؟۔ اے توبہ۔ وہ ایک رئیس زادے ہیں ان باتوں سے ان کو کیا تعلق ہے۔ پھر کون تھے۔

- یہ آزاد مرزا تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار۔

اب دوسرا حال سُنیے انسپکٹر پولیس دوسرے روز شام کو بھیس بدل کر اس ٹھاکر کے مکان پر گئے جہاں شہسوار روپوش تھا۔

اور کہلا بھیجا کہ ایک تاجر عطر لایا ہے۔ بُلوائے گئے۔

انسپکٹر: (سلام کر کے) حضور تحفہ عطر لایا ہوں۔

ٹھاکر: لاؤ موتیے کا عطر ہے۔؟ کیوڑے اور موتیہ کا دکھاؤ۔

انسپکٹر: حضور اوّل نمبر کا عطر دکھاؤں گا۔ ایسا شہر میں تو ملے گا نہیں۔

شہسوار: ہاں! اچھا بھئی دیکھیں تو۔

ٹھاکر: آپ عطر کا حال کیا جانیں آپ شہسواری جانیں یا عطر کا حال انسپکٹر سمجھ گئے کہ شہسوار یہی ہیں اِن کے ساتھ ایک برق انداز بھی طبلۂ عطار بھیس بدل کر آیا تھا۔ اُنھوں نے اُس پر نظر ڈالی۔ اس نے اُس پر مگر دونوں خاموش رہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار: آدمی رنگین معلوم ہوتے ہیں میر صاحب آپ۔

انسپکٹر: (مسکرا کر) حضور غریب آدمی ہیں۔ حضور کو میں نے دیکھا ہے۔

شہسوار: ہاں۔ اب تو (آہستہ سے) قیدی ہیں۔

پھر انسپکٹر نے برق انداز کی طرف دیکھا۔ اور برق انداز نے انسپکٹر کی طرف۔

ٹھاکر: تین چار قسم کا عطر سونگھا۔ موتیا پسند ہے۔

انسپکٹر: بھلا اس سے اوّل نمبر کا موتیا ہو۔

ٹھاکر صاحب نے کہا ہاں کیا مضائقہ۔ انسپکٹر نے برق انداز کو حکم دیا کہ جا کے وہ کنٹر لاؤ جو طاق پر رکھا ہے وہ گیا دس منٹ کے بعد پچاس برق انداز بھڑ بھڑا کر گھس پڑے اور کہا سب بدمعاش کو پکڑ لو۔

اور انسپکٹر نے جھپٹ کر شہسوار کو گرفتار کر لیا۔ تب سمجھے کہ عطر فروش نہ تھا انسپکٹر تھا۔ اسی تاک میں آیا تھا کہ شہسوار کو گرفتار کرے۔

مصاف

خاتون گلگون قبا بلقیس مرتبت سپہر آرا خوشی کے شادیانے بجاتی تھیں جامے میں پھولے نہیں سماتی تھیں کہ چٹ مری منگنی پٹ مرا بیاہ ہوگا۔ شہزادۂ فرخندہ گو ہر رشکِ کاؤس غیرت سنجر کے ساتھ شبھ گھڑی نکاح ہوگا۔ چاند سا دولھا پائیں گے۔ لُطفِ زندگی اُٹھائیں گے۔ ڈومنیاں کھلی جاتی تھیں۔ کہ بھرپور انعام پائیں گے۔ پیش خدمتیں اتراتی تھیں کہ بیش بہا جوڑے پھڑکائیں گے۔ بہنوں کا عرشِ بریں پر دماغ تھا۔ فرطِ طرب سے دل عشرت منزل باغ باغ تھا۔ بُلبُل کو وفورِ عیش سے مبارکباد گُل ورد زباں۔ فاختہ دستک زنانِ گلستان عالم پر مسرّت کی گھٹا چھائی تھی۔ بنے اور بنی کی دلی آرزو بر آئی تھی۔ بانو۔ بلّورین ذقن، نسترن بدن، حُسن آرا دل کو ڈھارس دیتی تھیں کہ ایک روز انشاء اللہ ہم بھی دُلھن بنیں گے۔ آزاد سا جوانِ حسین عقد نکاح میں لائے گا۔ خدا وہ دن بھی دکھائے گا۔ اور یہ خبر ہی نہ تھی کہ آزاد پاشا پر ایک ناظورۂ ستم گر ترکِ زرّیں کمر عاشق ہیں۔ وہ عذرا تو یہ وامق ہیں۔

ثریا بیگم بے چاری خدا جانے کس مصیبت میں مبتلا تھیں۔ کس جفا کار کی بدولت صید بلا تھیں۔ عبّاسی للّو بتّو کر کے کہاں لے گئیں۔ کیسا جھانسا دے گئی۔ ہمایوں فر کی مادر مہربان کا برافگندہ نقاب لب جُو جانا اور ایک خبر وحشت اثر کا اُن کے خرمنِ عیش پر پیرانہ سالی میں بجلی گرانا۔ وہ راز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سربستہ ہے جو ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہ آیا لاکھ کوششیں کیں، مگر خاک پتا نہ پایا۔ خواجہ بدیع الزماں دریا سے صحیح وسالم آئے۔ دو چار غوطے کھائے۔ مگر شانِ خدا کہ تلوہ بچ آئے۔ یہ سب امور تو معرض بیان میں آئے۔ مگر جنگ کا حال عرصے سے قلمبند نہیں ہوا۔ اب معرکۂ دار و گیر کا تذکرہ سُنیے کہ وہاں کیا ہوتا تھا۔

علم برکش اے آفتابِ بلند | خراماں شو اے ابرِ مشکیں پرند

بنال اے دلِ رعد چوں کوسِ شاہ | بخندائے لبِ برق چوں صبح گاہ

آزاد پاشا کے گرفتار ہونے کے بعد دریائے ڈینیوب کے قریب کئی لڑائیاں ہوئیں مگر خاص معرکے کی جنگ اُس قلعۂ معلیٰ کے متصل ہوئی جس میں توپ اژدر وہاں شرر فشاں کی پیشانی پر یہ مصرعہ کندہ تھا ع۔ تبرش اے مدعی از من کہ آتش در دہن دارم۔ اس جنگ عظیم میں عساکر سُلطانی اور افواج روس کے کئی ہزار مردانِ کاری کام آئے۔ مگر کُل سپہ سالارانِ فوج ترک اور پیادے سے لے کر افسر اعلیٰ تک آزاد کو یاد کر کر کے آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ زندگی سے ہاتھ دھوتے تھے۔ طرفین سے خون کا مینھ برس رہا تھا۔ ظلم کی تلوار برابر چل رہی تھی۔ گولوں اور گولیوں اور بُرش شمشیر محرابی گلو نواز سے سروں کی جھڑی لگی تھی۔ تُرک ضیغم بیشۂ بسالت تھے۔ روسی شیرِ نیستان شجاعت تھے۔ دونوں طرف زر و جواہر کی افراط تھی۔ دونوں جان پر کھیل کے لڑتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اس زور سے قدم جماتے تھے کہ ہیں دمان کے ہٹائے بھی نہ ہٹے۔ ع۔ دل کو مرے آفریں یہ جوڑ ٹا سو ڈٹا۔ دونوں سمت اے مردان بکوشید کا نعرہ بلند تھا۔ بھاگنے کا کوچہ بند تھا۔ جان بکف دونوں آمادۂ پیکار تھے۔ سرگرمِ گیرو دار تھے۔ ترکی کہتے تھے کہ سپاہی کے لیے تلوار کے مُنھ مرنا معراج ہے۔ روسی للکارتے تھے کہ خدا نے چاہا تو اس ملک میں صبح شام ہمارا ہی راج ہے۔ ترکوں کے ایک سپہ سالار آزمودہ کار نے سپاہ کا دل بڑھانے کے لیے کہا۔ ہاں غازیان جان نثار بڑھے ہوئے قدم پیچھے نہ ہٹنے پائیں، وہ حکیمانہ چال چلو کہ غنیم مُنھ کی کھائیں۔ زندگی دو روزہ ہے۔ کوئی رہا نہ کوئی رہ جائے گا۔

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

پھر تلوار کے مُنھ چڑھ کر جان دینے میں کیا خوف ہے۔ کوئی عاقبت کے بورئیے تو بٹورے گا نہیں۔

دنیا کا ابتدا سے یہی کارخانہ ہے | کل تھا کسی کا آج کسی کا زمانہ ہے

کوئی یہاں مقیم ہے کوئی روانہ ہے | قابض ہے کوئی اور کسی کا خزانہ ہے

آ ہوش میں ارے یہ زمانے کا حال ہے | اور اس پہ تجھکو خواہش جاگیر و مال ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس تلقین سے ترکوں کے دل بڑھے۔ بڑھ بڑھ کر ہاتھ لگائے۔ یا چیر کا دیا، یا خود چر کے کھائے۔ اِدھر شمشیر آبدار برق دمان کی طرح چمکی۔ اُدھر فوجِ عدو میں زلزلہ ہوگیا۔ ہر بُنِ مُو سے شورِ الامان بلند تھا۔

اَعْداد میں غُل تھا تیغ نہیں یہ ہلال ہے
اس کو عروج اور ہمارا زوال ہے

سیفِ گران قدر رو خارا شگاف ادھر میان سے باہر ہوئی اُدھر سر برسنے لگے۔ اور پانوں زمین سے اُٹھنے لگے۔

بولی یہ تیغ دم سر اَعْدا پہ لوں گی میں
بُرّش پکاری توبہ ٹھہرنے نہ دونگی میں

اللہ ری بُرّش اور اُف رے بانکپن۔ بانکوں کی تلوار بھی بانکی ہوتی ہے۔

قبضے پہ دستِ فتح دھر اشہ نے ناگہاں — نکلی وہ تیغ یوں کہ اماں بولی الامان
باہر ہوئی نیام سے شمشیرِ دو زبان — یا سانپ کے دہن سے زبانیں تھیں دو عیاں
قاروں کی شکل دل کو بخیلوں کے رنج تھا — قبضے پہ اس کے ہستی اعدا کا گنج تھا

قلعۂ عالی مرتبت سے ایک میل کے فاصلے پر پھر چھیڑ گئی۔ اِدھر بھی سپاہ کی کثرت، اُدھر بھی جواں مردوں کی جماعت۔ یہ تلے ہوئے کہ قتل ہوں گے، اور قتل کریں گے۔ جان سے ماریں گے اور مریں گے۔ ترکوں کی تلواروں نے وہ رنگ باندھا کہ روسیوں کی سیفِ دو پیکر تنگ سمٹ کے رہ گئی اور روسیوں نے ایسے ایسے گولے اُتارے کہ ترکوں تک نے داد دی۔ دونوں میں کوئی اُنیس تھا، کوئی بیس۔ بس فرق تھا تو اسی قدر۔

قلعۂ معلےٰ کے متصل جو جنگ عظیم ہوئی اس میں اپیلطین پاشا نے کمال سپہ گری دکھلائی۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اپیلطین کون تھے۔ یہ لفٹنٹ اپیلٹن سے مراد ہے۔ ترک ان کو اپیلطین پاشا کہتے تھے۔ علیقو پاشا اور اپیلٹن پاشا، دونوں نے روسیوں کے چھکّے چھوڑا دیئے۔ اب سُنئے کہ یہ جنگ ایک چشمہ سار کے قریب ہوئی تھی۔ ترکوں کو اس قدر فائدہ حاصل تھا کہ روسی فوج کی نسبت ذرا بلند مقام پر تھے۔ علیقو پاشا کی حکمتِ عملی سے روسیوں کی رسد بند ہوگئی۔ دو طرف سے فوجِ ترک نے ان کو گھیر لیا۔ ایک سمت دریا تھا اور ایک سمت جنگل۔ مگر روسیوں نے اس قدر انتظام کر لیا تھا کہ اگر بارہ روز رسد نہ آئی تو ان کا بال بھی بیکا نہ ہوتا۔ روسیوں کے خبریوں نے یہ ترکیب کی کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک حصّہ فوج کو تو غنیم کے لشکر سے بھڑوا دیا۔ اور ایسے میدان میں مورچے باندھے، جہاں وہ دشمن کے لوگوں سے مصئون تھے۔ ہاں اس قدر نقصان البتہ تھا کہ ترک بلند مقام کے سبب سے اور بھی محفوظ تھے۔ روسیوں کا منشا یہ تھا کہ ترکوں کی جماعتِ کثیر کو اس طرح پھنسا دیں کہ وہ اِدھر اُدھر کسی اور کارروائی کے قابل نہ رہے۔ چنانچہ جب ترک استحکام کے ساتھ مورچہ بندی کر کے مصروف جنگ تھے تو روسی کالم ان کو دھوکا دے کر آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ ایک کالم نے جس میں سوار کثرت سے تھے اور محاصرے کی توپ اژدر صَوَلت بھی کافی تھیں۔ ترکوں کے ایک چھوٹے سے قلعے کو خالی کرا لیا۔ اور چند آدمی اُس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر مثل سیل بلاخیز آگے بڑھے۔ سات میل کے فاصلے پر ایک جگہ ترکوں کے پچاس سواروں سے مقابلہ ہوا۔ وہ معدودے چند ان کی ہزاروں کی جماعت۔ کچھ گرفتار ہوئے۔ کچھ زخمی اور کچھ بچ گئے۔ جو سوار تلوہ بچ رہے تھے اُنھوں نے فوراً قریب کے کالم کو اطلاع دی۔ ایک پہر بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ فوجِ ظفر موج رُوم بسر کردگی دولتلوا صدیق پاشا میدان میں نظر آئی۔ گروسے روسیوں کو معلوم ہوا کہ غنیم میدان میں آیا۔ ترکی سواروں کے پری چھم گھوڑے اٹھکھیلیوں پر تھے۔ آدھ کوس کے فاصلے پر فوج نے دم لیا۔ روسیوں کے علم و یقین سے خارج تھا کہ ترک اس کرّوفر کے ساتھ آتے ہیں۔ سمجھتے تھے کہ تھوڑے سے سوار بھیجے ہوں گے جنھیں ہم چٹکیوں میں نیچا دکھا دیں گے۔ مگر جب عساکر سلطانی کی عظمت و جبروت اور جماعت پر نظر ڈالی تو آنکھیں کھُل گئیں۔ مشورہ ہونے لگا کہ اب کیا کریں۔ اور یہ خبر ہی نہ تھی کہ ترکوں کی شمشیر خونریز ان کے خون کی پیاسی ہے۔ سر پر قضا کھیل رہی ہے۔ اَجَل نے فوج روس میں خیمہ نصب کر دیا ہے جب دولتلوا صدیق پاشا کو معلوم ہوا کہ دشمن روسیہ نے ایک قلعہ خالی کرا لیا اور دوسرے قلعہ عظیم کے قریب معرکہ داروگیر گرم ہے تو ٹھان لی کہ قلعہ سے روسیوں کو نکالیں اور دوسرے قلعے تک جو لبِ دریا واقع ہے جلد پہونچیں۔ شب کو فوج سے کوئی نہ ہلا۔ دونوں لشکر خاموش رہے مگر جب:۔

پرچم کشا ہوا علم زرفشان مہر | لی روز نے پناہ بزیر نشان مہر
آیا عروج پر شہ گیتی ستان مہر | اور لشکرِ شعاع نے تانی سنان مہر
نیزہ کرن کا دیدۂ گردوں میں ڈال کر | مغرب میں پھینکی رات کی پتلی نکال کر
سلطانِ صبح نے رُخِ آفاق فق کیا | اور دور نے قمر کو اُلٹ کر رمق کیا

تو ترکوں کے سپہ سالار شیر سوار نے بگل بجانے کا حکم دیا۔ اِدھر غنیم کے بیڑے میں بھی طبلِ جنگ بجنے لگا۔ اُدھر نعرۂ تکبیر بلند تھا۔ اِدھر جوش و خروش دو چند تھا۔ ترک اپنی جماعت و شجاعت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر نازاں تھے۔ روسی اس قدر دور تک بڑھ آنے پر نادم و پشیمان تھے۔ دونوں فوجوں میں آواز کُوس بلند تھی۔

صحرا کا سینہ شور دہل سے دہل گیا
عنقار صدائے گرم جلاجل سے جل گیا

روسی سمجھ گیے کہ اِن کی بہارِ فتح پر خزاں آئی۔ گلشن کامیابی پر غم کی گھنگھور گھٹا چھائی۔ دوربینوں کے ذریعے سے فوجِ نصرت موج کو دیکھنے اور باہم کہنے لگے کہ آج بیڈھب بات ہوئی۔ بہت بڑا سامنا ہے۔ افراس وغا پسند چمکتے آتے ہیں۔ اجل ہر برگ و بار سے صورت دکھانے لگی۔ فضا بے طور ڈرانے لگی۔ دولتلو اصدیق پاشا علاوہ فنونِ حرب کے قابلیت اعلیٰ کے عالم و فاضل اور درویش حق آگاہ، عارف باللہ بھی تھے۔ بسم اللہ کہ کر پشت مرکب طوطی پر آئے۔ یوں تو سب گھوڑے بل کرتے تھے مگر اِن کے کمیت تیز گام کی چمک دمک اور چھل بل غضب ڈھاتی تھی۔ نُصرت بار بار قدم کو چومنے آتی تھی۔

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے کُلارے — آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہ نو شرم کے مارے — اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیوں کر فلکِ ماہ جبیں کو — نقشِ سُمِ توسَن سے لگے چاند زمین کو

نوبت باینجار سید کہ توپوں پر بتی پڑی اور دونوں طرف سے گولہ اندازوں نے گولے اُتارنا شروع کئے۔ اتفاق سے ترکوں کی ایک توپ جس پر اُن کو ناز تھا بیکار ہوگئی۔ دیکھا تو کسی نے کیل ٹھوک دی تھی۔ تاڑ گیے کہ روسیوں نے کسی کو اپنی طرف پھانس لیا ہے۔ رشوت دینے اور توڑ پھوڑ میں روسی برق ہیں۔ یہ اُنھیں کی کارستانی ہے۔ کیل نکالی اور توپ کو بھی کام میں لائے، مگر حیرت تھی کہ راتوں رات کس نے کیل لگادی۔ یہ کس موذی کی شرارت ہے۔

اتنے میں ایک ترکی سوار نامُور بطریق ایلچی فوجِ روس میں داخل ہوا۔ اور خط دے کر افسر کمانیز سے یوں گفتگو کی۔

سوار: حضور اس خط میں تو کل حال صاف صاف لکھا ہے۔

مطلب یہ کہ اب آپ کی فوج ہمارے مقابلے کے قابل نہیں ہے۔ ہمارا لشکر جُوق جُوق اُمنڈ آیا ہے۔ تمھارے پاس معدودے چند ہیں۔

افسر: تم کیوں گستاخی کرتے ہو۔ اگر ایلچی نہ ہوتے تو میں اب تک حلال ہی کر ڈالتا۔ تمھاری فوج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا اور تم کیا۔ کجا ہم کجا تم۔

سوار: اچھا پھر اس کا جواب عطا ہو۔ بس اور کچھ نہیں عرض کرنا۔

افسر: تو ہماری فوج میں آکر اور ایسا کلمۂ ناملائم زبان سے نکالے۔

سوار: ہاں بجا۔ یہ بہت صحیح ارشاد ہوا۔

تو نشنیدی این داستانِ بزرگ
کہ شیر ژیان افگند پیش گرگ

تو شیر درندہ ہے تو مجھے کیا پروا ہے۔

افسر: جا کر کہہ دو کہ ہم ایک ایک کو چُن چُن کے قتل کریں گے۔ ہم سے دعوی مردمی ایک ضربتِ شمشیر لنگر دار میں پرے کے پرے صاف کر دیں۔

اتنے میں اس افسر نے اپنا سمند وغا پسند چمکایا۔

عقابین پولاد ور جنگ او	عقابان سیہ جامہ ز آہنگ او
بسے خون گرو کردہ در گردنش	عقابین چنگے عقاب افگنش
جگر سائے سیمرغ در تاختن	شکارش ہمہ کرگدن ساختن
غضب ناک و خونریز و گستاخ چشم	خدا آفریدش ز بیداد و خشم
چو وہم از ہمہ سوئے مطلق خرام	چو اندیشہ در تیز رفتن تمام

سفیر ترکی نے اس جوانِ پاکیزہ رُو کو غور سے دیکھا اور کہا۔

مرا ہم چنین چہرہ گل فام بود
بلوریم از خونی اندام بود

اور افسران روس نے کہہ دیا کہ نادان یہ کہیں ہم ایسوں کی سُنتے ہیں وہ افسر تم ایک ادنیٰ سے سوار ع۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

اتنے میں فوج روس سے کوس کی آواز بھی بلند ہوئی۔

بتیرہ بغرید بن آمد چو ابر
بغرید ہر سو چو بانگِ ہزبر

روسیوں نے ایلچی کی ایک نہ سُنی اور جان پر کھیل کر لڑے مگر ایک کی دو وا دو۔ کہاں تک لڑتے۔ آخر کار ترکوں نے نیچا دکھایا اور دوسرے روز۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سحر گہ کہ زورق کشِ آفتاب
زساحل برافگندہ زورق بر آب

اس مقام سے کوچ کرکے آگے بڑھے۔ اس مصّاف میں روسیوں کے سات سو سوار اور گیارہ افسر کام آئے۔ چار توپیں چھین لی گئیں کوچ کرکے دوسرے دن یہ فوج اس لشکر سے جا ملی جس میں علیقو پاشا اور اپیلطین پاشا تھے۔

ایک گھنٹے سے گولہ چلنا موقوف ہوا تھا۔ مگر از سرِ نو دونوں فوجیں تیاریاں کر رہی تھیں اور دونوں کی کمکی فوج آ گئی تھی۔

اتنے میں ایک شخص نے لشکریوں سے پوچھا کہ اس فوج کا افسر اعلیٰ کون ہے۔ یہ شخص پیر مرد تھا۔ کشیدہ قامت، کشادہ پیشانی، صبح جبین۔ ایرانی لاحاصل۔ ایک مدت سے بلغارستان میں بود و باش اختیار کی تھی۔ لشکریوں نے پوچھا۔ کیوں تم کو افسرِ اعلیٰ سے کیا واسطہ۔ کہا۔ ہم کسی کا پیغام لائیں گے۔ محمد صدیق پاشا سے ذکر کیا گیا حکم ہوا کہ اس کے لباس کو بخوبی دیکھ بھال لو۔ کوئی آلۂ حرب اس کے پاس نہ ہو کاسکوں نے کپڑے بغور دیکھے حکم دیا کہ جاؤ۔ یہ پیر مرد جھک کر آداب بجا لایا اور دست بستہ عرض کیا۔

کہ تا سبزہ زیبندہ باشد بباغ　　گلِ سُرخ تابد چو روشن چراغ
رُخت باد چون گُل برافروختہ　　جہاں از تو سرسبزی آموختہ
نگینِ فلک زیر بامِ تو باد　　ہمہ کارِ دولت بکامِ تو باد

حضور سے تخلیے میں کچھ عرض کرنا ہے اگر حکم ہو تو فہو المراد ورنہ قلم دوات کاغذ منگوائیے۔ فدوی لکھ کر عرض حال کرے۔ سپہ سالار نے فوراً قلم دوات کاغذ منگوایا اور پیر مرد نے یہ عبارت لکھی۔

ایک شخص نے حضور کے نام عرضی بھیجی ہے مگر قسمیں دی ہیں۔ تاکید کی ہے کہ حضور اس راز سربستہ کو افشا نہ کریں۔ کوئی کانوں کان یہ خبر نہ سُننے پائے لہٰذا عرض پرواز ہوں کہ حضور سب سے علیحدہ اس خط کو پڑھ لیں۔ یہاں تک کہ خدمتگار بھی کمرے میں نہ ہو۔ صدیق پاشا نے خط لیا۔ کھولا۔ پڑھا۔ علیقو پاشا اور اپیلٹن پاشاہ کو بلوایا اور مُسکرا کر کہا کہ اس خط کو کوئی پہچانتا ہے یہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ دونوں پاشاؤں نے بغور دیکھا۔ علیقو پاشا نے کہا۔ میں نے یہ خط کبھی پیشتر نہیں دیکھا تھا مگر اپیلطین پہچان گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خط کا مضمون یہ تھا۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ خط جس میں میں نے اپنا حال زار لکھا ہے کس کے ہاتھ میں جائے گا مگر میں اس درجہ مجبور اور پریشان ہوں کہ بے سمجھے بوجھے اٹکریس لکھ مارا۔ انشاء اللہ۔

لیے جاتا ہے نامۂ بے کس
بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

مجھے مس کلیرسا کے عتاب نے کہیں کا نہ رکھا۔ ہائے میں سمجھا تھا کہ لب لعل شکر خا کا بوسہ دل ربا قند و نبات سے زیادہ شیریں ہوگا مگر برعکس اس کے تلخ کامی نصیب ہوئی حکم ہوا کہ سیبریا کے برفستان میں جلاء وطن کیا جائے، اور قید بامشقت کی سزا دی جائے مگر دریائے ڈینیوب عبور کرتے ہی ایک نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ اب میں ایک زاہد فریب، طاؤس زیب لیڈی کا قیدی ہوں۔ وہ چند روز میں میرے ساتھ شادی کرے گی اور تمام عمر مجھے یہاں سے نکلنے نہ دے گی۔

حامل خط ایک معتبر ایرانی ہے اُس کا خدا بھلا کرے کہ میری حالت زار پر افسوس کر کے میرے ساتھ اس قدر ہمدردی ظاہر کی کہ خط لے جانے پر آمادہ ہوا۔ اگر صحیح و سالم پہونچے تو نہو المراد ورنہ یا قسمت یا نصیب! ان سے آپ میری سکونت کا مقام دریافت کریں۔ میری روح روتی ہے کہ میں یہاں قید فرنگ میں ہوں اور میرے ہم وطن بھائی جنگ کے میدان میں ہوں۔ مگر شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔ اگر کسی تدبیر سے چھٹکارا ملے تو سُبحان اللہ ورنہ خدا حافظ و ناصر ہے۔

آزاد پاشا

لیے جاتا ہے نامۂ بے کس
بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

مکرر لکھا خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آزاد۔

کھوپڑی شریفہ بدیع

مسخرون کہ قبلہ گاہ افیمیوں کے پُشت و پناہ جنیا بیگم کے عاشق خستہ جان خواجہ بدیع الزماں تعمیہ الرحمتہ والغفران۔ دل لگی دل لگی میں ڈوبنے گئے تھے۔ مگر خدا نے بڑا فضل کیا۔ بہت بچے۔ بہت سنبھلے۔ ورنہ باقی کیا رہا تھا۔ غوطے تو کھا ہی چکے تھے۔ جس وقت خوجی نے پہلا غوطہ کھایا، ایسے الجھے کہ اُبھرنا مشکل ہو گیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں اُبھرے تو ترکوں نے ان کے بچانے کے لیے غوطے لگائے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور پٹے پکڑ کر نکالا سع۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ خوجی کسی قدر پانی پی گیے تھے۔ عرصۂ دراز تک ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ جب ذرا ذرا ہوش آیا تو سب کو ایک سرے سے گالیاں دینے لگے۔ ہات تیرے گیدی کی ہلے کے ڈبو دیا۔ وہ تو کہیے زندگی تھی بیچ گیا ورنہ باقی کیا رہا تھا۔ جس ترک نے اُن کو غوطہ دیا تھا اُس پر دانت پیس پیس کر رہ جاتے تھے۔ سیکڑوں بے نقط سُناتے تھے۔ اُس نے اُن سے کے چھیڑنے کے لیے کہا۔ شکر ہے خدا کا صحیح و سالم نکلے۔ بڑی خیریت ہوئی۔ خوجی نے جھلّا کر جواب دیا۔ یہ شکر کا مقام ہے یا شکایت کا۔ اوگیدی افسوس ہے کہ قرولی نہ ہوئی۔ ورنہ بھونک دیتا اور اوپر سے کہتا ہے کہ (بڑی خیریت ہوئی) یہ خیریت کی بات تھی۔ خدا نے بچایا۔ اُس کی قدرت کاملہ کے صدقے۔ ترک مسکرا کر بولا۔ جی ہاں خدا نے بچا لیا۔ ورنہ غلام نے تو حضور کے غرق کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ خوجی اور بھی تیکھے ہوئے۔ بجا ارشاد ہوا۔ حضور نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا تھا۔ مگر اتفاق سے جان بچی۔ حضور کی نوازش کا کمال ممنون ہوں مگر افسوس ہے کہ قرولی میرے پاس نہیں۔ ورنہ بھونک دیتا۔ پھر دل لگی رکھی رہتی۔ تھوڑی دیر تک مذاق اور چہل پہل رہا خوجی کو یار لوگوں نے خوب بنایا۔ چٹکیوں میں اُڑایا۔ خواجہ صاحب اس وقت ضعف کے سبب سے بحث کرنے کے قابل نہ تھے مگر چُپکے چُپکے کوستے جاتے تھے۔ خدا اُس مردود کو غارت کرے جس نے ہماری جان لی تھی خدا اُس مردود کو سمجھے جس نے مفت میں ہماری مٹی خراب کی تھی۔ سوچے کہ دو ایک روز میں ذرا ٹانٹھا ہوں تو ان سب گیدیوں سے سمجھ لوں۔ ادر سُنیئے غریب کی جورو سب کی سرہج۔ کوئی ایسا ویسا مقرر کیا ہے جس شخص نے خوجی کو دریا سے نکالا وہ ان کے قریب آیا۔ خوجی نے کہا من بدیع کمال ممنون ہوا کہ پریشان حالی کے وقت مجھے مدد دی۔ اُس نے کہا۔ حضرت! پہلے تو میں سمجھا تھا کہ کوئی دُبلا پتلا آدمی ہوگا۔ مگر معاذاللہ معاذاللہ، آپ خدا جانے لوہے کے بنے ہیں یا فولاد کے بنے ہیں۔ ایک ایک رگ و پے میں فولا۔ کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ افوہ۔ واللہ جو آپ بدن کو ہلکا نہ کر دیں تو میں اور آپ دونوں ڈوبیں۔ مگر واہ رے میں، اور واہ رے میرے کمال۔ اتنی بھاری لاش نکالی۔ اب مجھے حضور ایک سرٹیفکٹ عطا کریں۔ خوجی نے سرٹیفکٹ لکھ دیا۔

سرٹیفکٹ

ہم اس قرطاس کی رو سے تصدیق کرتے ہیں کہ اس شخص اطہر آفندی نامی ترک نے کہ فن شناوری سے خوب واقف ہے۔ بن بدیعا کو قعر جہنم یعنی دریائے بحر آشام سے نکال کے اوپر ساحل کے لائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گو من بدیع آدمی کم اسا اور جسم لحیم و شحیم بجدے ہے۔ چونکہ یہ شخص بیرا کی کا اُستاد ہے۔ فلہٰذا نکال لایا ہم نے خوشنودی مزاج کا پروانہ دینا پسند کر لیا کہ ثانی الحال سند رہے اور وقت حاجت کام آئے۔

راقم من خواجہ بدیعا

یہ سرٹیفکٹ لکھ کر خواجہ صاحب نے ترک کو دیا اور کہا۔ اس کو حفاظت سے رکھو۔ داشتہ آید بکار اگرچہ بود سر مار ترک نے ان کی بڑی تعریف کی۔ اللہ اللہ۔ یہ ہاتھ پانوں۔ یہ کس بل۔ خوجی نے کہا۔ اجی ابھی کیا ہے۔ ہم کو جوانی میں دیکھنا کہ کیسا رنگ روغن نکالتے ہیں۔ ہاتھ پانوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جدھر نکل جائیں گے لوگ انگلیاں اٹھائیں گے کہ وہ جوان رعنا جاتا ہے۔ عورتیں دیکھ دیکھ کر ہمجولیوں سے کہیں گی۔ بہن دیکھو کس قدر خوبرو جوان ہیں۔ ذری دیکھو تو کیسا گرانڈیل اور کڑیل جوان جاتا ہے۔ ہائے جی چاہتا ہے بلائیں لوں۔ صدقے ہو جاؤں۔ ہم ایسے ہوں گے۔ جوانی کے دن تو آنے دو۔ ابھی تو این جانب پٹھے ہی ہیں۔

راوی: کیا خوب۔ ع۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ یہ تو آج معلوم ہوا کہ خواجہ بدیع الزماں پٹھے ہیں۔ مگر آپ کے مزاج میں انکسار بہت ہے۔ اُلّو کا لفظ محذوف کر دیا۔ یا شاید ٹھیٹھ محاورہ بولے ہوں۔ حضرت خواجہ بدیع کو سوجھی کہ آزاد پاشا کے نام خط لکھیں۔ ان سے کسی شخص نے کہہ دیا کہ اگر ایک آدمی کا پتا نہ ملے اور اُس کے نام خط بھیجنا منظور ہو تو خط کو پتّوں میں لپیٹ کر دریا کے کنارے کھڑا ہو اور (بفرست۔ بفرست۔ بفرست) تین بار کہہ کر خط کو دریا کے سپرد کر دے۔ خوجی ضعیف الاعتقاد تو تھے ہی کھب گئی کہ آزاد جہاں کہیں ہوں گے یہ خط اُن کو ضرور ملے گا۔ خط لکھا تو فارسی زبان میں۔

و ہو ہذا۔

خواجہ بدیع مستہام آزاد پاشا بنام

اے معشوقوں کے دل کے آرام — جرأت کے نہنگ بحر آشام
قسمت میں لکھا تھا یہی بھائی — آزاد سے ہوگی یوں جدائی
خط لکھا چاہتا ہوں قصداً — ہے بُلبُلِ طبع چہچہہ زن

ایں! کہنے کو تھے۔ فارسی اور چھیڑ دی۔ اُردو آگے سُنیے۔ سُبحان اللہ۔

برادر یہ چُنیا بیگم برابر۔ تا قیام اشجارات پوستہ در پینک باشند۔ بعد ڈبیا ڈبیا تسلیمات و پیالی پیالی کورنش بجا آوردہ معروض رائے بیضا ضیائے آں گرامی منش آزاد صاحب گردانیدہ مے آید۔ احوال من بدیعا توام است ہمچوں کہ دو بچہ از یک شکمے برمی آیند ہجر بن نسق دو اشیا از بطن طبع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سامی ما بر آمد شدہ، یکے را حسرت نا سیدم و آن دیگرے را مشقت نہ کہ گفتہ اند۔

مرد باید کہ ہر آسان نشود
مشکلے نیست کہ آسان نشود

اکنون بشنوید اے آزاد صاحب! کہ من بدیع بعد طے مراحل و قطعِ منازل و سفر دور و دراز و تعب و لکداز و فوج روس را شکست دادن و از ان فوج مردانہ وار بیرون آمد بر لب جوئبارے نشست یک روز روسیان کجلاہ مثل ستنا و دھنتا و ماتو مار یاے مادھو رام، جوق جوق گروہ آمدہ من بدیع را گرفتار ساختہ بہ بندی خانہ کہ یاد از دوزخ شرر فشاں میدہد بند فرمودند من بدیع در بحر حیرت غوطہ زن۔ نے نے غلط گفتم در باغ حیرت معروف سیر کہ یا خدا اینچہ بو العجبی ست کہ نہ یار در بر نہ وطن پیش نظر نے خوش نے یگانہ۔ ہر ہمہ بیگانہ۔ من بدیع مثل دیوانہ یا الٰہی چہ کنم و چہ گویم۔ بر کیف روزے کہ شب دیجور بود در دلِ خود ٹھانیدم کہ امروز موقعہ وقت غنیم انکاشتہ راہ گیرم۔

بوریا بانے نصیحت کرد با فرزند خویش
اے پسر فرصت غنیمت دان کہ مادر دختر است

معنی این شعر فہیدنی است کہ شاعر جگت باز چہ خوش گفت بارے بر یابوے سوار شدم و کھٹ پٹ کردہ رفتم۔ یکایک سواران لشکر روس کہ بیش از مور و ملخ بودند تعاقب نمودند۔ رمی خواستند کہ بر کھوپڑی شریفہ بدیع ضربت دست رسانند۔ الا چونکہ یابوے بدیع صبا رفتار و بدیع خود نفس نفیس مکار بود لہذا کھوپڑی شریفہ بدیع از ضربت دیوانِ روس محفوظ ماند۔ از دو کڑور روسیان اژدرد ہان مقابلہ نمودن کاریست بس مشکل اگر احیاناً کسے گوید کہ آسان است بگو کہ بمقابلۂ منِ بدیع آید۔

کھوپڑی شریفۂ خواجہ
گشت ایمن ز ضربتِ دشمن
سال تاریخ او بدیع نوشت

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ واہ خواجہ صاحب واہ۔ اچھی تاریخ موزوں کی۔ اور اشعار کی کھوپڑی کو شاعروں کی ضربتِ اعتراض سے خوب بچایا۔ یہ خدا کی دین ہے۔ جو بات حضرت بدیع کو حاصل ہے وہ کسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔ یا یوں کہیں کہ کوئی (مقابلے) پر ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ فنونِ سپہ گری کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی حضور برق ہیں۔ مورخ ہو تو ایسا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواجہ صاحب نے تاریخ کہہ کر اپنا ہاتھ صرف چوم لیا، اور بدستور لکھنے لگے۔ از نرغۂ روبہاں دشمنان نجات یافتہ بہ سوے میمنہ شتافتم وبزودی ہرچہ تمام تر اسپک خویشتن راکہ ایدون از آن من بدیع بود در رخت بستہ رختِ اقامت برکشیدم وگفتم کہ آن پہونچے خواجہ بدیعا آن پہونچے۔ ایں آواز مجزون شنیدہ تنے چند از مردان کاری تعاقب نمودہ بمن رسیدند وہیہات ہیہات کہ من راکشاں کشاں بسوے عساکر خویشتن بردہ بہ بندی خانہ فرستادند۔ بارے من بر درخت بدیع سبز بخت آلاخر روزے دانستم کہ برکھوپڑی شریفۂ من ضربتِ دستِ سخت خواہند رسانید ولیکن روزے ازآنجا ہم مردان وار رخت سفر بکمر بستم و برائے سفر کہ بصورت سقرست کمرِ ہمت چست بستم چون السفر مفتاح الظفر آمدہ است لہذا فتح یاب شدم۔

در فوجِ ظفر موج ترکان شمشیر زن صف شکن زدم و درانجا رسیدۂ حال خویشتن گفتم۔ ایدون بشنوید کہ در این جاچہ گل دمید و آن اینکہ۔

وہو ہذا

کشتیٔ خواجہ بدیعا در بھنور جکڑیں ہے

ڈبکہ ڈبکہ مے کند اے از توجہ پار کر

ترکان برائے غسل و اظہار فن شناوری بر لب رود بارے رفتند کہ دل خویشتن را بہلانید۔ من بدیع ہم از شامت اعمالِ زشت ہمراہ رکاب شان رفت۔ چہ دید این دید کہ ترکان مردانِ میدان مصروف غسل اند۔ مرا ہم مجبور فرمودند کہ تو ہم کہ جسم شحیم و دست وپائے فربہ وقد دراز داری بیا غسل نما و زور آزما۔ بسیار حیلہ کردم کہ من مرد افیم دوست۔ مارا از غسل و دریا و آب چہ کار۔ نہ قبول کردند۔ ودو ترکان بہ ہیکل قوی چون تناور درخت کشاں کشاں بردند۔ او چہ بردن منِ خواجہ خویشتن را بردم۔ پارچہ ہائے من بدیع از جسم جدا کردہ گفتند کہ اندرون دریا بیا۔ من باز حیلہ کردم، الاچونکہ او شان مرا از دل لگی مے گفتند من ہم رفتم۔ آرے بابا۔ رفتن ما بضرر شد۔ یک گیدی نزدیک من بدیع آمد۔ تا کمر عمیق آب اندرون بیا گفتم لا۔ من نخواہم آمدن۔ او گیدی بر کھوپڑی شریفۂ من بدیع ضربتِ دست نہاد۔ چہ ضربت دست زہے ضربت دست کہ اگر بر فرقدانِ شیر ببر افتند ڈکار کر بھاگ جائے۔

افسوس کہ از ضربتِ کھوپڑی من بدیع از زور تھپکی لب دیتی در آب پس آبے کہ از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست چون آب از کھوپڑی شریفہ از اندازۂ یک وجب افزون شد غوطہ خوردم۔ باز خوردم، باز خوردم ودرتہ فرد ماندم و آب دریا نوشیدم۔ مگر قست بر سریاری وطالع بیداری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بود ترک سوارے در آمد و غوطہ خوردہ از تہ آب مارا بر سرِ آب آورد و شعر کھوپڑی شریفہ مارا دست چپ گرفتہ بہ ساحل آورد۔ شکر خدا۔ ہزار شکر خدا۔

شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز

بر حسب مدعاست ہمہ کاروبار دوست

ایدون من بدیع بصحت است۔ جامۂ عافیت در بر و دستارِ تندرستی بر سر دارم۔ اعتدال مزاج وہاجِ شما مے سرایم۔

الٰہی در جہان باشی بہ اقبال

جوان بخت و جوان دولت جوان سال

از جدائی آن ماہ سپہرِ دل ربائی چہ قدر بے اعتنائی کہ پیر فلک مرکز کج ادائی با من بدیع دل دادہ بینوائی کہ نکردہ باشد داد این فقرہ باید ورد کہ چہ قدر قافیہ ہائے جدائی فراہم کردہ ام۔ جدائی یک و دلربائی دو۔ و بے اعتنائی سو کج ادائی چہار و بینوائی پنج۔ این ہم کم از پنج رقعہ نیست۔

ایدون من بدیع بر لب دریاچۂ پر از نور کہ ہمہ سرور است۔ نشستہ رقعۂ ہذا کہ از سہ نثرِ ظہوری و بر سہ دفتر شیخ مبارک نہاد مصنّف کتاب ابوالفضل نیست می نویسم خدا داند کہ آن برادر راہِ کدام کوہ و راستہ چہ ہامون طے و قطع می نمایند من ہیچ نمی دانم داند۔ الّا۔ مصرعہ، بر سرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگذرد۔ مطلبش این کہ چون بر کھوپڑی من بدیع ضربت دشمن آمد و بگذشت، ہمان طور بر کھوپڑی شریف ہر کہ آید بگذرد باقی نماند۔ خدا کند کہ روزے آن برادر آزاد یا حسن آرائے عقد نکاح بستند و من دعوت طعام خورم۔ قند کے چاول، فرنی، کھیر، مزعفر، دودھ، شکر، بالائی، ربڑی، لڈو، پیڑا، گلاب جامن، جلیبی، امرتی، کھجلا، کھٹیاں، بنارسی شکر اور شاہجہاں پور کا گڑ۔ یہ سب لکھنے ہیں آئے۔ مزیداریاں ہوں۔ لطف اُٹھے۔ خواجۂ بدیع شیریں کام ہوں۔

جناب خواجۂ بدیع صاحب لڈو اور پیڑے اور مزعفر کے پھیر میں ایسے پھنسے کہ نمکین چیز کا ذکر ہی نہ کیا۔ پلاؤ، قورمہ، کوفتے، کباب، دوپیازہ وغیرہ سے مطلق سروکار نہیں۔ بس کھٹیاں ہوں اور قند کے چاول ہوں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے یوں کہنا شروع کیا۔ شامِ من غریب الوطن بدتر از صبح است۔ و صبح من تیرہ تر دن رشکِ شام۔ این در سفیدی خراب، واد در سیاہی منجلاب۔

راوی : واہ۔ واہ۔ ان فقروں میں خواجۂ بدیع صاحب نے قلم توڑ دیئے۔ طبیعت داری اسے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتے ہیں۔ چشم بدور۔

خواجہ فصاحت و بلاغت
گویا سلمان ساوُجی ہے

الغرض خواجہ صاحب نے اس فقرے پر خط کو تمام کیا۔ حال طرفہ این کہ ہر زنِ نوخیز و نوخاستہ کہ برمنِ جوان بالابلند خواجۂ بدیع نظرمی اندازو عاشق تن میشود و دعامیخواند کہ این رعنا جوان تا قیامت سلامت باشد و شوہر من شود۔

یہ خط کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھ کر حضرت خواجہ نے موزونی طبع کے جوہر دکھائے۔ چند اشعار آبدار موزوں فرمائے۔

وہو ہذا:

خواجہ خواجگانِ ہندستان روکش عسجدی بدیع زماں
چون رقم کرد نامہ رنگین بہزاران فصاحت و تمکین
ہر سخنور کہ شائق افیونست بر کلامِ بدیع بس مفتونست
من مکیدان سپلٹے بودم جوہرِ تیغ خویش بنمودم

اس شعر کے معنی مشکل ہیں یا المعنی فی بطن الشاعر ہو:

کھوپڑی شریف محفوظ است
ترک ہر ایک خوش و محفوظ است

سُبحَانَ اللہ سُبحَان۔ صَل وجلّ۔ شاعری حضور پر ختم ہے۔ کوئی شعر ایسا نہیں جو موزوں یا بامعنی بلِ داد نہ ہو۔ وجہ کیا۔ غلبۂ زکاوت۔ کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ خواجۂ صاحب یہ بک کیا رہے ہیں یہ کمال شاعری ہے اور تعلّی تو دیکھیے:

ہر سخنور کہ شائق افیون ست
بر کلامِ بدیع بس مفتون ست

یہ تعلّی جائز ہے۔ نظامی گنجوی نہیں کہہ گئے ہیں:

نظامی بسا صاحب آوازہ
کہن گشتی و ہمچنان تازہ

خواجۂ بدیع الزماں صاحب نے خط ختم کیا اور دریا پر جاکر کنارے پر کھڑے ہوئے اور بہ آواز بلند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(بفرست۔ بفرست) کا غل مچانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد خط کو مدار کے پتوں میں لپیٹ کر دریا میں بہا دیا خود آہستہ آہستہ کچھ پڑھ کر یہ شعر زبان پر لائے۔

ساقی کنارہ کش ہے کشتی مے شکستہ
مشکل ہے بحر غم سے اے دل عبور تیرا

خواجہ صاحب نے یہ فصیح و بلیغ خط جس کی ایک ایک سطر بلکہ ایک ایک لفظ سے قابلیت نمایاں اور استعداد علمی عیاں تھی ترکوں کو سُنایا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ بیچارے اِن کے کلام فصاحت انضمام کی تعریف نہ کر سکے۔ زبان سے ناواقف تھے مگر وہاں داد دینے والا کون تھا۔ سخت خفا ہوئے۔ اے لاحول (خط کو لینا) اے لاحول۔ میں نے اسی سے مسودہ رکھ لیا تھا کہ ان لوگوں کو سُناؤں گا۔ مگر بھینس کے آگے بین بجائے بھینس پڑی ابگرائے۔ ایک کے مُنھ سے بھی کلمۂ توصیف نہ سُنا۔ اے لاحول۔

اس گیدی سے کوئی پوچھے کہ ترکی تمھاری زبان کیوں سمجھیں مگر پوچھیں کس سے۔ آدمی ہو تو پوچھیں جانگلو سے پوچھنا نہ پوچھنا یکساں ہے۔ خواجہ صاحب نے ترکوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

اتنے میں ایک ایرانی کا وہاں سے گزر ہوا جو ترکی خوب بولتا تھا۔ اس حضرت خواجہ بدیع الزماں علیہ الرحمتہ والغفران نے اپنی سرگزشت بیان کی اور کہا کہ بر کھوپڑی من بدیع ضربت دشمن افتاد و من از جواں مردی این افتاد را برداشت کردم۔ خواجہ صاحب سمجھتے تھے کہ افتاد کے لفظ پر ایرانی داد دے گا مگر وہ ان کو مجذوب سمجھ کر خاموش رہا۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب نے کھوپڑی شریفہ من بدیع یہ جملہ اتنے مرتبہ زبان مبارک سے کہا کہ ترکوں نے ایرانی سے اس کے معنی پوچھے۔ وہ خود کھوپڑی کے لفظ سے ناآشنا تھے مگر خواجہ صاحب نے کسی نہ کسی طرح سے معنی بتا دیئے۔ ع۔ ترکوں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔

اُس دن سے کھوپڑی شریفہ من بدیع اِن کا نام مشہور ہو گیا۔ ترکوں کی زبان سے (ڑ) کا حرف نہیں نکلتا تھا۔ خوجی کے عوض کھوپڑی شریفہ نام پڑ گیا۔ ایک ترک نے کہا کھوپڑی شریفہ کیسے مزاج اقدس۔ دوسرے نے کہا کھوپڑی شریفہ مزاج اقدس۔ تیسرا بولا کھوپڑی شریفہ آپ خاموش کیوں ہیں۔ خواجہ صاحب کو یہ نام اور خطاب بہت بُرا معلوم ہوا۔ اُس دن سے کھوپڑی شریفہ اِن کی چڑھ ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیباچہ فسانۂ آزاد

ریختہ قلم جادو رقم، ادیبِ اَریب نستعلیق گوے لبیب سعدی شیراز نکتہ پروازی عندلیب شاخسارِ معجز طرازی رشکِ امرالقیس وسبحان۔ غیرت رودکی وسلمان اُستاد مستند قدما و متاخران حضرت مولانا بالعلم والفضل اَولٰینا ابوالقاسم محمد فضلِ رَبّ عرشی بادام شموش ظلالکم لامعۂ۔

زنشبد* شمثاے ہرشندہ دہر شکشگر زمربان فراہید در۔

بنا میز و شیرازہ بیز آمدن آذرکدۂ گفتار در زر دشت خیال واخگران نیم سوختہ فروغ پذیران بلکہ راصاعقہ ورخشندگی زدن اگر بہ پردہ کشائی ہنگامۂ سخن نیست خود چیست کہ فروغ طورِ شعلۂ پنہان داشت وارنی گوے برافروختگی سرمایۂ را از بساط قدس فراچید۔ ہمانا آتش خیزی منقل ناطقہ بفروغ شیدیست کہ کرمک شب تاب را ازاں تاب فر مہر گیتی آرا ارزانی فرمودہ بال چراغاں بخشود۔ ارح بہرمان بہ نشوونما جانے آن درخشاں گوہر اقتباس ضیاے مہراست کہ فروغ شناس ایزوی شید طیلسان زرّین از دوشِ آفتاب کشید وزرّہ بوار سرگرم تیہ شناسائی بنا شد این خود درفش پیکر گفتارست کہ بفرتاب خداوند فروغ پذیرست ورنہ ناظورۂ سخن را مایۂ سرگرمی تپش برق از کجا بودے کہ از ابرنیسان پردہ کشائے نیالیش آمدے۔ میگساران سخن رایاغ پیمائی بنیش باندازۂ گردش خامہ علوی خرام ست کہ بہر نیرنگ نقشے دل فریب زاز جلوۂ طاؤس بارِ رنگ خیال کشند وآن مرقعۂ شگرف رانگار خانہ دالش نامند۔ ہجوم شاہدان معنی در آغوش دیدۂ وران آن قدر کہ گوے پیکرے در پیکرے ہمی خزند و سخن بربند از فرطِ بے خودی خرامش پری پیکران در نظر می سنجند۔ و در جریدہ خیال فہرست گنج خانۂ اسرار فراہم آوردند واز تشنگی جگر و سرگرمی نقس بپاے سخن آفرین سایند و دجلہ دجلہ قلزم گہر بخشی بر فرق سخن سنجان وقافیہ بربندان افشانند رہ۔

ندانم کہ پیوند حرف از کجاست　　درین پردہ لختے شگرف از کجاست

گر از دل شناسم جنون پیش نیست　　کہ آن نیز یک قطرہ خون بیش نیست

خرد را سگالم کہ نیرو دہد　　خود اور از من حیرتے رو دہد

نہ آخر سخن را نمایش زتست　　بہ نابود پندین نمایش زتست

چو پیدا تو باشی نہان ہم توئی　　اگر پردہ باشد آن ہم توئی

---

* درزبان پاژند این نقرہ را بجائے بسم اللہ سرایند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہر پردہ و ساز کس جز تو نیست — شناسندهٔ راز کس جز تو نیست
سخن گر بہ صد پردهٔ و ساز گشت — چنان کامد از دے بوئے باز گشت
بہر لب کہ جوئی بوائے از وست — بہر سو کہ بینی ہوائے از وست

فطرت دوشیزگی گوہر و پاکیزگی نہاد از سیرابی نطق است کہ غوطہ خوار ہفت دجلہ راز خداوندیست وزمزمہ دانش آشوب از جلوہ فروشی نوید شاہد فکر علوی پوے ست کہ بذوق بخشی نشاط و سازگاری کرشمهٔ قدسیان زبانے لب سخن سرائی از زادر برو نمائی گرفتہ ۔ منکہ از ناسازی خوی وزشتی گمان از ہیچ کہ خود از جوہرش می خیزد ہیچ رسم قلمرو سخن را توقیع یگانہ بینی از پیش گاہ سخن آفریں نگرفتمے و از رشحهٔ فیض ایزدی قلزم قلزم آب زلال دانشی نیاشامیدمے ہر آئینہ حریفاں از خم خانہ توفیق مہد بر فیاض کہ بخشندہ بے منّت ست ساغر خور ظرف جوا ہرایا غہا بیہودہ سرخوش غنودند و رفتگان سنگ بر جام و سبو شکستہ سرگراں بہ جاوید خواب خوابیدند پس از خسرو دہلوی کہ بساط سخن از نو و ششصد سال پیچیدہ بود و قالب سخن بے رواں تمن از پاکیزگی گوہر خود در پیکر بیجان معنی جان نوی دمیدہ ام در آدق سخن در روزگار خود مستی فزاد پرزور کردہ ام اما آوخ بر ستارہ ماکہ در عہد اکبر نبودمے تا شوکت عرفی سنجیدمے و از رشحهٔ گفتار زلالے بہ قسطاس خرد سنجیدنے در تونگر ستائی و منعم پرستی ہشت و چہاردہ مرحلہ ہا از مالش خود درنوشتم ۔ آوخ کہ کس از جاہمندان بر بساط تقویم جاندادر آتشم از آزمندی بے سود فرد نہ نشانید این خود خون گرمی آز و ہوس ست کہ مرا بدیں روز سیاہ نشانیدہ دلے بران ہم سپاس یزدان را کہ مولائے ماہوشنگ ہوش کیوان ایوان برجیس قدر گرامی گہر سنجر سنج کاؤس کوس غضنفر فرسام حسام جم جاہ ستارہ سپاہ قدر افزائے جوہر پاکیزہ گوہراں اُج شناس گوہر صاحب جوہر آن نیر سپہر خسروی خطا ستوائے جہاں دادری زاوش جمال زادر جمال سیالک در رشتهٔ ہویدا فروغ و بزش نژاد والا دردمان طہماسپ فرہنگ کیومرث باربار سپہر آستان فرشتہ پاسبان جناب مہاراج وزارت مآب سوائی سرخیل بابو راؤ آپا صاحب انگرہ بہادر فرمانروائے قلمرو فلالہ بہ دام شوکت و اجلالہ بہ بیش از فراخی ہمت از رش مرای خرون شگفت کہ بالتفات خسروانہ این خسرو شاہ نشان از توقیع گراں مایگی ۔ بر گوہر خود نازشگر آیم و از ستایش جاہمندان دہر و مایہ داران روزگار مستغنی گردم ۔ بخ بخ کجا بودم و بکدام غرا فتاب پویہ کردم گفتار گرہ در گرہ شد و سخن پیچ در پیچ ۔ اللہ اللہ صد و سی سال کو اگر صد ہزار سال ہم زمزمہ سنجان ساز سخن در باربدی پردهٔ معنی آفرینی زخمہ از سر انگشت نوائے زادر زنند و بہ نغمہ نواز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نائے سرافیلی کہ در قالب فسردہ ردانہا صد جان تازہ می دمد زمزمہ سرائے آہنگ بسوگند بال موسیقار کہ اجزائے دانشی آن مطربان برنگ صدائے طنبور تر کان درہم خوردہ بہ تفتگی منقل بنیش شعلہ ہا از پیکر ش برخیز و بکسر دل تا جگر بسوز د آما پہلوے فرزانہ۔ وش گہر ما کہ سر آمد ہمقنان خویش است کودکانند۔ ابجد سرائے دیو فانند یافہ لائے۔ ہر آئینہ دیدہ ور فرزانہ ما کہ خونِ دل از رگ اندیشہ چکانیدہ بیدر و بادۂ ناب بہ میگساران سخن ارمغان بردہ ہر آئینہ رہروان خار را در پیشہ بند بکمند اعجاز سخن بدام آوردہ با غزالان شیراز را بصر غزار سر زمین لکھنؤ بچرا آوردہ لطافت نظر فیری رمش آذر رشک در کار لبد گل و بنفشہ زدہ طراوت شکر بیزی قلمش نبات از نیشکر گرفتہ زہے فسانۂ آزاد و خے گرد آور آن نامۂ فرہنگ آموز کہ از ہر روید رزم و بزم، و پند و اندرز و آئین کشور کشائی و سخن گستری و ہنجار تیغ آزمائی و نصفت گستری دران آوردہ کالبد معنی را صد روان نوی ومیدہ شاہد یست کہ از ہر پیغولہ وانش صد زبان فرہنگ روئیدہ واز رشک لطافتش قدسیان گردون نشین فطرت دانشی نجو نابہ جگر شستہ بہ نظارۂ ایں ناطورہ نظر فریب دیدہ وران عنقا نظر نفس باختہ بال افشانیہائے حیرتند و فرزانگان ہر کشور جگر گداختہ دوزخ افشانی ہائے حسرت و فراہم آور ایں فرو ہیدہ فرہنگ دیدہ دریست۔ ورخش افروز شید ستان والا نظری دانش پروہی ہیر بد صومعہ فرخ گوہری و بزرگ خوئی کہ بستائش گذرگاہ بہاران است و جمائش نظر گاہ دیدہ دران از کشایش لب نکیسا زمزم آفرین جان بخش جگہ ہائے روان افزا ابفرو ردین نشینان چنان فشاندہ کہ از طرف کلاہ و قبا بفروغستان پود پرنیان روے تماشا آفرین زمردین بال طاؤسان خلد ماندہ ہما نا لبش چمایہ گلشکر آلاے آمدہ کہ درج دہن را بکوزۂ نبات ما نا نمودہ ہما نا دیدہ ورا ڈیٹر ما فروزان گوہر یست از صدف قلزم کمال روشن گر آئینہ اقبال۔ سر آمد شیوا بیانان سرخیل ہمنر بانان قسطاس فطرت سقراط حکمت گیتی سالار نو آئین نگاری کاروان خدیو تازہ گفتاری ہوشیدگان درباب ہوشنگ پایہ پاکیزہ بار بد در راز شگافی دنہان دریابی زمزمۂ سرائی ترانہ درع پیشگی و شگرف اندائی شرارہ انگیز آتش کدۂ بذلہ گوئی۔ ہنگامہ آرائی ادب آموز دبستان فرخ گہری گہر افشان و امن فرخندہ نظری فرزانہ روشن گہر سپہر کمال فرد بیدہ کنش کہ انجمن دانشی را ہموخ افروز یست فروغ بار و سخن سرائی زادیبا طراز یست از پرنیان پود و قار یزدان، ہستی آفرین این فرو ہیدہ نامہ را باگرد آور اورا چشم رخم روزگار نیک نگاہ دارد و مرا کہ گذشتگان برابر اثر می شتابم و بہ ابو لقاسم فضلِ رب عرشی زبان زد فرزانگان آمدہ ام ازیں خاک دان اہرمن بفرو ہیدہ کنش بہ ہمیں راستی شون کیش بردارد۔ بمنہ و کرمہ۔ قلم توڑ دے بارک اللہ۔

بانوے ماہ لقا حسن آرا بیگم سحر کاذب کہ وقت خواب ناز سے بیدار ہوئیں اور بہنوں کو جگا کر نماز صبح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ادا کرنے کے لیے وقت پر تیار ہوئیں۔ چاروں بلوریں ذقن اور سیم بدن پریاں نماز پڑھ کر خانہ باغ میں ہوا کھانے لگیں۔ چاروں جوش جوانی سے اس سہانی سماں میں کلیلیں۔ کر رہی تھیں کہ عباسی مہری جھکتی ہوئی آئی۔ کہا حضور وہ موا شہسوار پکڑا گیا۔ سرکاری پیادوں کی روند گئی مشکیں بندھیں۔ اللہ کرے چودہ برس قید خانے میں رہے۔ موئے کی کھٹیا مچپاتی ہوئی نکلے۔ بہت سر چڑھا تھا آئے دن شرارت۔ آئے دن چھیڑ خانی۔ اب ساری مشیخت نکل جائے گی۔ کس برتے پر تتا پانی۔

اتنے میں مغلانی ایک اخبار لائی۔ کہا حضور ڈانک پر یہ اخبار آیا ہے۔ پہلا مضمون تو یہ دیباچہ فسانہ آزاد تھا اور دوسرا درج ذیل ہے۔ اللہ اللہ اس لعبت دل فریب یعنی صورت معنی کا صورت گر خزینہ تصرفات ہے یا نیرنگ خیال کے اس پیکر کے نظر فریب جلو دنے یک قلم ارباب معنی کو صورت پرست شاہد معنی بنا دیا۔ گو وہ حسن بے مثال فروغ طور کا مستوجب نہ سہی مگر تصور اس فروغستان حسن کا خود ہی انجمن افروز طور خیال ہے۔ یہ سخن ہی کا کرشمہ درون ساز تھا کہ لن ترانی کا مشاہدہ نور افزائے نگاہ ہو کر ارنی گو کو بے بادہ ہوش ربا مست کر ڈالا۔

فسانۂ آزاد من حیث الصورت حسن بے مثال ہے:

من حیث المعنی نیرنگ خیال۔ ورنہ یہ تصورات کے ثمر آور نہال تصدیقات کی متفرعہ شاخوں سے فربہی افزائے ناطقہ پیکر ادہام نہوتے۔ یہ خیالات روح افزا عنبر بیز نفحات ہیں یا مشک آمیز عطریات تشبیہات کے شگوفے گلبن خیال پر خنداں نہ ہوتے اگر استعارات کے عرعر گلگشت خیال میں چمان نہ ہوتے۔ تلمیحات کے جمال پردۂ نمایش میں مشاطہ حقیقی کے ستایش نگار ہیں۔ یا عقد و خال صنائع بدائع متلونۂ نہال اپنے حسن نشو و نما پر تحلبند ازل کے سپاس گزر۔ بلاغت کہ طرہ عنبریں مو نافہ کشائے نو بہار معنی ہیں یا فصاحت کے گیسوے مشکبیز غالیہ سائے صبح الفاظ جاودانی ہیں کیا بات غریبہ و محاورات متلونہ کے طاؤس زمردین بال صنائع و بدائع کے خیاباں میں خراماں ہیں۔ یا کلک گہر بار گہر پاشاں صدف سخن میں الماس فشاں ہیں۔ خلد و رضوان کو متخیلہ عرش خرام و واہمہ علوی سیر نے چمن روح افزا بنا رکھا ہے۔ ورنہ یہ رنگ و بو کہاں۔ اس کے اثمار و اشجار متقارب الالوان و متشابہ الثمر او یح مگر اس فرزانہ دیدہ وریعنی روشن گہر کے فرادیس خیال میں وہ حیرت خیز پھول اور پھل ہیں جو یکسر متلون و متباین ہیں انفاس مشکبیز کی روایح نافۂ تاتار ہیں۔ خود اس جوہر کی عطریت ذاتی اس کے شناسائے جوہر کے لیے کیا کم ہے کہ طبلہ عطر کا کاگ اڑاؤں اور ہرزہ اس گمراں ارز جوہر کے ارزش میزان خرد میں تولوں۔ ساحری اس کو کہتے ہیں کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے بادہ اس ناظورۂ محل نشین نے ایک گردش ایاغ خامہ میں میگساران سخن کو مست کر ڈالا۔ سبحان اللہ نثر کا اور ہی رنگ۔ نظم کا اور ہی ڈھنگ آزاد کی کشور کشائیاں۔ روسی شیر شکاروں سے بزور آزمائیاں خواجہ بدیع کی گیدڑ بھبکیاں۔ ٹکر نگاری روزگار کی نیرنگیاں صاعقہ سرگرمی عشق کی آتش خیزی میں مَیڈا کی منقل ذوق بخشی مہر و آزرم میں شرارہ ریزی روسی میں کا ہنگامۂ رستخیز دونوں مہ طلعتوں کا مکالمہ جنون خیز خواجہ بدیع کا غرقۂ سیلاب فنا ہونا۔ نئے ہنجار سے اس جادۂ دشخوار میں رہ نوردی کرنا۔ اسی فرزانۂ روشن گیر کا کام ہے، نیا چربہ اُٹھایا ہے اور اچھا اُٹھایا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اڈنگ خیال کا مرقعہ ثانوی کھینچ کر پیش نظر رکھ دیا ہے۔ مانا کہ یہ ندرت آفرینی اور عرش خرامی بیاوری کلکِ علوی خرام سہی، مگر رزمی آئین و جنگی قانون کا اس طرح نقشہ کھینچا کہ صورت رزم آنکھوں میں پھر جائے۔ دیدۂ ور کا کام نہیں جب تک آئین سپہ گری سے واقف نہ ہو۔ دیکھو جس مقام میں اپیلٹن کپتان اور آزاد سے ملیٹری مقدمہ میں ہنگامۂ گفتگو بلند ہوا ہے۔ اعجاز کر دکھایا ہے، اور ڈیفنس گارڈ اور ریئر گارڈ کے گراں پائی کپن آوریں باڈی اور فلینگ پڑوس کی رواں آسائی پشت کرشمہ رزی نے وہ تصویر نیرد کھینچی ہے کہ مجکو اس قلم رو کی برگئی کا لطف آ گیا۔ نیٹو میں گو اِس ہنگامہ آرائی کے ساتھ دو زرخ نشان ہونا حیرتیان سخن کو طلسم حیرت میں ڈالنا ہے۔ خواجہ بدیع کے ڈوبنے نے شاید مزاق کی کمر توڑ ڈالی اگر حضرت اسی بحری رہ گزر سے خراماں خراماں گلگشت ارم میں چماں ہوئے تو آزاد کی ہستی زبردآزمائی کا لطف جاتا رہے گا۔ وجود کا عدم عین نقیض وجود یعنی زندگی جاویدم گویا خواجہ صاحب زندہ جاوید ہیں نہ موجود نہ معدوم یعنی اُن کی ہستی بروے وجود ہے۔ اور اُن کی بے نشانی نشان آرزوے نقیض عدم۔ اِن کی ہستی اربابِ مذاق کے سرمایۂ وجود کا باعث ہے اور ظرافت پسند ارباب کے لیے دستنبوئے نشاط انھیں چند سطور پر اس رسالے دیباچ کو ترار فرجام دیتا ہوں بہت تنگ آ گیا ہوں دم لیتا ہوں۔ اُردو نگاری میرا کیش نہیں: مولائے مکرم فرزانۂ باہوش فرہنگ فریدون فر فربہی شکوہ خسروی خدیو خداوند ہوش وخرد ایرج ارج ہوشنگ ہوش نہام حسامِ منوچہر چہرہ سکندر در وزارت مآب سوائی سرخیل مہاراج بابو راؤ آپا صاحب انگرہ بہادر دام اقبالہٗ و اَفاضَ عَلَی العالمین برّہ و احسانہٗ کے اصرار سے زیب اس نگارش کے آئے ورنہ میں کہاں اور یہ رہ گزر کہاں۔ جیتا رہا تو دری یا پہلوی میں دیباچۂ فسانۂ آزاد جو ماہانہ فروغ بخش نظارۂ نظارگیان سخن ہوتا ہے روشناسِ ارباب معنی کروں گا۔ اور اس پردہ میں دلِ غم زدہ کی حسرت نکالوں گا۔

نامہ نگار ہیچ بے ارج ابو القاسم فضل رب عرشی۔ از عشرتکدہ وزارت مآب سوائی سرخیل مہاراج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آپا صاحب انگرہ بہادر۔

حسن آرا بیگم کی باچھیں کھل گئیں۔ جہاں آرا سے کہا۔ باجی چاہے ساری دنیا ہمیں ہنسے مگر ہم تو یہی کہیں گے کہ آزاد فرخ کا شیر دل، شیر مرد، حسن میں بے نظیر۔ جرأت میں فرد آنکھوں دیکھا نہ کانوں سنا۔ خاتون جنت کی قسم چاند سا مکھڑا پایا ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دبلا تشبیہ یوسف کو آنکھوں دیکھ لیا۔ سر سے پا تک عالم نور ہے۔ علم و فضل میں چاہے جس سے مقابلہ کرو۔ بڑے بڑے مولویوں سے دبنے والے نہیں ہیں۔ شعر و سخن کے اُستاد مستند۔ خوش تقریر ایسے کہ منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ ہاتھ پانوں سانچے کے ڈھلے ہوئے۔ داڑھی ایسی خوبصورت ہے کہ بیان سے باہر۔ جہاں آرا چپ چاپ سنتی گئی۔ جب حسن آرا اپنی تقریر ختم کر چکیں تو گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا بہن یہ سب سچ کہا ہم نے مانا۔ مگر جس کے باپ دادا اور خاندان کا پتہ نہ معلوم ہو اُس کے ساتھ نکاح کرنا اُس کو ہم تو نہ پسند کریں گے۔ دیکھو بہن دنیا میں آبرو بڑی چیز ہے۔ اتنے میں سپہر آرا اور گیتی آرا ان کے قریب آئیں۔

سپہر آرا: (مٹھی بند کر کے) بوجھو ہمارے ہاتھ میں کیا ہے بھلا بوجھو تو باجی جان۔

حسن آرا: تمھارے ہاتھ میں — ہم بتائیں پھول ہے۔

سپہر آرا: کچھ بد لو تو کھولیں ہاتھ۔ دو دو روپیہ۔

حسن آرا: روپے سے ہاتھ کالے ہوتے ہیں۔ اشرفیاں بدو تو کیا مضائقہ ایک ایک اشرفی بدتے ہیں، آؤ۔

سپہر آرا: دیکھو باجی پھر نکل جانے کی سند نہیں۔ اور جو پھول نہ ہو۔

حسن آرا: بدو تو ہم بتا دیں کیا ہے۔ اشرفی لیں گے یا دیں گے بلا سے۔

سپہر آرا: اچھا بدتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے، جو ہارے تو ابھی ابھی دیں گے آؤ۔

حسن آرا: تمھارے ہاتھ میں کوئی لال لال چیز ہے پھول کی قسم سے۔

سپہر آرا: جہاں آرا بہن گواہ رہنا دیکھو ہم ہاتھ کھولتے ہیں۔

یہ کہہ کر تا ظورۂ طاؤس زیب عابدہ فریب سپہر آرا نے مٹھی کھولی اور شوخی کے ساتھ قہقہہ لگا کر کہا لے ایک اشرفی دائیں ہاتھ سے رکھ دیجیے اتنا نہ سمجھیں کہ اپنے ہاتھ کی چیز کا مجھے زیادہ علم ہے یا آپ کو۔ جہاں آرا بھی ہنسیں۔ کہا۔ واہ حسن آرا۔ جاؤ بس دیکھ لیا۔ بڑی وہ بنتی تھیں۔ ٹانگ کے برابر لڑکی نے دھوکا دیا۔ گیتی آرا مسکرا کر بولی۔ چلو خیر۔ اشرفی جائے گی ان کی تو ہم کو کیا۔ ہمارا تو منھ میٹھا ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھوڑی دیر تک سپہر آرا خاموش رہیں اس کے بعد اقرار کیا کہ ہم اشرفی ضرور دیں گے یہ کون سی بات ہے کہ ہارے اور مکر جائے۔ پھر شرط ہی کیوں بدی تھی باجی (منہ بنا کر) نہیں باجی جان کا قاعدہ ہے کہ بدنے کو تو بد لیتی ہیں، مگر دینے کے وقت گھنٹوں جھکاتی ہیں اتنے میں عبّاسی مہری نے آن کر کہا حضور چلیے شاہ چھڑے کی گلی سے جعفری بیگم آئی ہیں۔ چاروں بہنیں چلیں۔ سپہر آرا ہرن کی طرح چھل بل کرتی تھیں۔ جہاں آرا بیگم شوخی کے ساتھ قدم دھرتی تھیں۔ گیتی آرا جھوم جھوم کر اس ادا سے چلتی تھیں کہ کبک دری ٹھوکریں کھائے۔ مارے خجالت کے آب ہو جائے۔

پامال کیجیے انھیں رفتارِ ناز کا
طاؤس و کبک رکھتے ہیں دعویٰ نیاز کا

مگر معشوقۂ طنّاز سرمستِ خوبی محو ناز گلگوں قبا حسن آرا کی نستعلیق چال سب سے نرالی تھی۔ ہر قدم پر ایک عالم تھا۔ خرام ناز اسے کہتے ہیں۔ چاروں بہنیں پہونچی، مگر سپہر آرا پانی پینے کے سبب سے ذرا پیچھے رہ گئی تھی۔

سپہر آرا: (جھپٹ کر) پھپھی جان بندگی آپ تو ہم سب کو بھول گئیں۔

جعفری بیگم: نہیں بیٹی بات یہ ہوئی کہ تمھارے پھپھا کا کلکتے سے خط آیا کہ حسینؑ کا تیجا کر کے تم یہاں چلی آؤ۔ نظام الدین کی طبیعت نصیبِ دشمنان بے لطف ہے پانوں تلے سے مٹی نکل گئی۔ حسین کا تیجا بھی نہ کرنے پائی کہ کلکتے چلی گئی۔

سپہر آرا: ہاں خط تو آیا تھا پھپھا کا۔ اب تو فضلِ الٰہی ہے آپ آئیں کب ہم نے سنا ہی نہیں۔

جعفری: کل شام ہی کی ریل پر تو آئی۔ ہاں اب فضلِ الٰہی ہے۔

سپہر آرا: پھپھی جان۔ ہمارا اور باجی کا ایک مقدمہ ہے۔ آپ جو فیصلہ کر دیں اس پر ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ کوئی بولے نہ بیچ میں۔ جعفری بیگم نے سپہر آرا کے خاطر خواہ شرط کا فیصلہ کیا اور فتویٰ لگا دیا کہ اگر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر حسن آرا اشرفی نہ دے دیں تو ایک روپیہ اور جرمانہ لیا جائے حسن آرا نے مسکرا کر جواب دیا، پھپھی جان آپ بھی مطلب نہ سمجھیں ہم نے شرط کیا بدی تھی یہی نہ کہ ہاتھ میں کچھ لال لال ہے، اور پھول سا ہے۔ پھر لال لال ہے کہ نہیں۔ سپہر آرا کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہے یا نہیں لگی ہے اور حنا پھول ہے یا کچھ اور جعفری بیگم بولیں، حنا کا پھول تو پیس کے کوئی ہاتھوں میں ملتا نہیں۔ برگِ حنا البتہ پیس کر ملے جاتے ہیں آدھی شرط تم جیتیں۔ سپہر آرا بڑی دیر تک اپنی پھپھی سے بحث کرتی رہی۔ واہ پھپھی جان۔ آپ بھی انھیں کی کہتی ہیں۔ وہ بولیں۔ بیٹا ہم تو حق کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سی کہتے ہیں۔ ہاتھ میں کچھ لال لال ہے' یہی کہا تھا نہ۔ بھر یہ تو ٹھیک نکلا۔ مگر پھول نہیں ہے۔ آدھی شرط ہاریں۔ آدھی جیتیں۔ اس میں جہاں آرا نے دوسری بات پیدا کی۔ آدھی شرط ہاریں۔ آدھی جیتیں' تو ساڑھے سات حسن آرا دیں۔ ساڑھے سات سپہر آرا۔ چلو پندرہ ہی کی اشرفی رکھی۔ حسن آرا نے سر ہلایا۔ ہوں کیوں نہیں۔ تمہاری اشرفی نہ جائے مٹھائی آئے۔ مفت میں جلیبی اور بے وقوف ہمیں بناؤ۔ ہم کیوں دیں۔ وجہ۔ آخر سبب کیا۔ الغرض بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ سپہر آرا پانچ روپیہ دیں۔ ناچار دینے پڑے مٹھائی آئی۔ چاروں بہنوں نے خوش روزہ کیا۔ بڑی دیر تک چہل پہل ہنسی دل لگی رہی اتنے میں پیاری آئی۔ واہ سب کے سب مل کے مٹھائی کھا گئے ہمیں گڑ کا ملیدہ بھی نہ ملا۔ گیتی آرا نے کہا۔ اسے سچ تو کہتی ہے۔ کچھ خیال ہی نہ رہا' اور اب ایک ڈلی بھی نہیں رہی۔ اچھا وہ مٹھائی کھاؤ جو صبح کو کھائی تھی۔ یا انگور کھالے۔ پیاری نے منہ بنا کر کہا ہاں۔ انگور کھالے۔ صبح کو مٹھائی کھائی۔ اب تھوڑی دیر میں کہیے گا کہ ہینگ کھالے۔ اور اتی۔ (اتنی) مٹھائی آئی کل ہمیں سونگھنے تک کو نہ ملی۔ ہم تو لڑ لڑ کے لیں گے ہاں۔

گیتی آرا: اچھا تو پھر ہرج کیا ہوا۔ آج سویرے کی مٹھائی کھالے۔

پیاری: جی ہاں آپ کے نگیج۔ (نزدیک) کچھ ہرج ہی نہیں ہوا۔ ہونھ۔

گیتی آرا: بڑی ایک ہے۔ اور پیٹ کے ہاتھ تو بکی ہوئی ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

پیاری: اچھا ہمیں پاؤ بھر انگور دے دیجیے۔ دیسی انگور بھی موئے کوئی جواہرات ہے۔ اشرفیاں لٹیں اور کوئلوں پر مہر۔ اچھا پھر سویرے جو آئی تھی وہی دیجیے۔

سپہر آرا: کچھ دیجیے ضرور۔ پیٹ کیا بھاڑ ہے۔ دوزخ ہے۔ جہنم ہے۔

حسن آرا: نہیں ہمیں کچھ خیال ہی نہ رہا نہیں تو بات ہی کیا تھی اس میں۔ اب کل ضرور ضرور منگوا دیں گے۔

سپہر آرا: اے ہے اب بات کل پر گئی جو جیتے رہیے کل تک تو سمجھا جائے گا پیاری۔ تو اپنے میاں سے ضرور لڑے گی۔ صبح شام دوپہر سہ پہر آدھی رات کھانا ضرور مانگے گی تو۔ وہ دیتے دیتے سڑی ہو جائے گا یا نکال باہر کرے گا۔ حسن آرا نے کہا۔ اس کی نیت کبھی سیر نہ ہوگی۔ چاہے جس قدر کھانا دو:

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

آئے دن ماں سے لڑتی ہے کہ کھانا کم دیا۔ بھوک معلوم ہوتی ہے۔ پائے تو باورچی خانے کا باورچی خانہ ہضم کر جائے۔ مگر مجبور ہے بے چاری۔ پیاری کو یہ باتیں بہت بری معلوم ہوئیں۔ اور ایسی ناگوار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گزریں کہ اُٹھ کے چل دی۔ زینبوں پر جا کر آہستہ سے کہا (اللہ کرے ہمایوں فر ماندے ہو جائیں) اتفاق سے عبّاسی مہری نے سُن لیا۔ تو آہستہ سے مُنھ پر ایک تھپڑ دیا۔ کیوں ری کل جھبّی۔ تو اور ہمایوں فر کو کوسے سر مونڈہ لوں گی اُلٹے اُسترے سے۔ اے واہ اور سُنو۔ موئی چڑیل کہہ دوں جا کے۔ ابھی کھڑے کھڑے نکلوا دی جائے۔

پیاری نے ہاتھ جوڑے۔ جانے دو میری بوا۔ اب نہ کہوں گی۔ کہنا نہیں۔ نہیں میں نکلوا دی جاؤں گی۔ عبّاسی نے چھوڑ دیا۔ چلو جاؤ۔ خبردار جو کبھی ایسی بات زبان سے نکالی۔

حُسن آرا بیگم ایک مسہری پر لیٹ کر دیباچۂ فسانۂ آزاد پر غور کرنے لگیں۔ یا خدا فسانۂ آزاد کیا اور اس کا دیباچہ کیا معنی اور آزاد کی ساری داستان کا خلاصہ دیباچے میں موجود ہے۔ حیرت تھی کہ یا للعجب یہ کیا بوالعجبی ہے فسانۂ آزاد۔ شاید کوئی اور آزاد ہوں۔ یا کسی شاعر کا تخلص آزاد ہو۔ مگر حُسن آرا کا نام کیسا۔ میرا ذکر اس میں کیوں لاتا، اخبار منگوا کر پھر پڑھا۔ یا الٰہی۔ ایک دیباچہ دوسری تقریظ۔ یہ مِس میڈا کون ہے۔ حُسن آرا کے کانوں اور سینہ میں آتش رقابت بھڑک اُٹھی۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ کہیں کوئی گل چہرۂ فرنگی آزاد پر عاشق نہ ہو گئی ہو۔ اس خیال نے حُسن آرا کو بے چین کر دیا جہاں آرا اور سپہر آرا کو رازِ دل سے اطلاع دی کہا سپہر آرا ذری یہ اخبار تو پڑھو۔ کوئی اچھا سا مضمون سُناؤ۔ سپہر آرا نے اخبار لیا۔ ورق اُلٹا تو (دیباچۂ فسانۂ آزاد) ایں! باجی۔ ذری یہ تو پڑھو۔ دیباچہ فسانۂ آزاد فسانۂ آزاد! کون آزاد۔

حُسن آرا: تم پڑھو۔ ہم تو پڑھ چکے فسانۂ آزاد کا دیباچہ!!

سپہر آرا: اور یہ کیا ہے۔ فرشید شہتلائی۔ ایں (مسکرا کر) واہ ہے۔

جہاں آرا: آزاد کون۔ وہی نہ۔ تو اُس کا حال کیا چھپا ہے۔ لڑائی کا حال!

حُسن آرا: اور فارسی کتنی اچھی ہے۔ بنامیزد شہزادہ بیز آمدن آوز کدۂ گفتار۔ اور اشعار بھی ہیں۔ ابوبقا محمد فضل رب عرشی۔ دولھا بھائی آئیں تو کہیں کہ اُن سے پتا پوچھیے۔ اُن کو ساری دنیا کا حال معلوم ہے۔ ہم تو جانتے ہیں کوئی تذکرہ لکھ رہا ہے مگر یہ کچّا چٹھا کہاں سے مل گیا۔ یہ ساری داستان کس نے بتا دی۔ خدا کرے ہمارا ذکر نہ ہو۔ شعر کتنے دلربا ہیں

ندانم کہ پیوندِ حرف از کجاست — دریں پردہ لختے شگرف از کجاست
گر از دل شناسم جنون بیش نیست — کہ آں نیز یک قطرہ خون بیش نیست
خرد را سگالم کہ نیرو دہد — خود او راز من حیرتی رو دہد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

به آخر سخن را نمایش زتست — به نابود چندین نمایش زتست
چو پیدہ تو باشی نہان ہم توئی — اگر پردۂ باشد آن ہم توئی
بہر پردہ دمساز کس جز تو نیست — شناسدۂ رازِ کس جز تو نیست
سخن گر بہ صد پردہ دمساز گشت — چنان کآمد از دے بوے باز گشت
بہر لب کہ جوئی نوائے از دست — بہر سو کہ بینی ہوائے از دست

کچھ سمجھتی بھی ہو۔ کیا مطلب ہے۔ ایک ایک شعر پڑھو تو سمجھ میں آئے۔

سپہر آرا: ازبک کسے کہتے ہیں۔ نبا میز کیا معنی۔ سنجر کون تھا۔ اور کوس کیا معنی۔

حُسن آرا: اے لو۔ اور سُنو۔ کوس کے معنی نہیں جانتیں۔ کوس نقارہ:

ما کوسِ بادشاہی دستِ جنون زدیم
ریگ رواں آبلہ در زیر پائے است

سنجر ایک بادشاہ کا نام ہے اور نبا میز د کے معنی بنام خدا۔ یہ لفظی معنی تو لغت دیکھ کر بھی بتا دوں گی مگر ترکیب کا سمجھنا ذری ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ وہ فارسی تو ہے نہیں جس میں بجز لٹیا قرشاد۔ دھوتی رسید کے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ ایرانیوں کا کلام ہے اور اُردو کیا کم ہے۔ فارسی سے بڑھ کر۔ اور تو خیر۔ مگر یہ فسانۂ آزاد کس نے لکھنا شروع کیا اگر اس کا حال معلوم ہو۔ تو آزاد فرخ نہاد کی خبر روز ملتی رہے۔ یہ مئیڈا کون ہے۔ اس کی بڑی تعریف کی ہے یا خدا مئیڈا بد قطع بد صورت کریہہ منظر عورت ہو۔ آزاد۔ مجھے خوب یقین ہے کہ تم مجھے نہ بھولو گے چاہے کیسی ہی حسین کیوں نہ ہو۔ اگر تمھارے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو تم ہرگز نہ منظور کرو گے۔ دل رابہ دل رہیے است۔ تم وہ ہو جس کی خیر و عافیت پر میری زندگی کا دار و مدار ہے۔ میں اپنے دل کو ڈھارس دیتی ہوں کہ کبھی نہ کبھی دل کی آرزو بر آئے گی اسی اُمّید پر میری زندگی ہے۔ ورنہ خود قضا کی نوحہ خواں ہو جاؤں۔ مئیڈا۔ مئیڈا۔ مئیڈا۔ یا الٰہی یہ کون۔ خدا ہی خیر کرے۔ مئیڈا۔ سپہر آرا نے اخبار لے کر دیباچہ پڑھا تو حُسن آرا سے درفش کے معنی پوچھے۔ حُسن آرا نے کہا درفش کے معنی لوہے کی کوئی چیز جس کا سرا تیز ہو۔ درفش فارسی کتابوں میں جا بجا آیا ہے۔

سپہر آرا: اچھا جو آزاد کا فسانہ کسی نے لکھنا شروع کیا تو ابھی سے ختم کیوں کر ہو گیا اور یہ دیباچہ کیوں کر ایسے جلد چھپ کر تیار ہو گیا۔ خدا کرے آزاد صحیح سالم واپس آئیں۔ آمین۔

حُسن آرا: اب لے ہمیں کیا معلوم ہے بہن مگر کسی ایرانی کا کلام ہے۔

سپہر آرا: ہر آئینہ حریفان از نمخانۂ توفیقِ مبدا فیاض کہ بخشندۂ بے منّت است، درخورِ ظرف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوہرا یاغہا بیہودہ، سرخوش غنودند۔ فقرہ تو ظہوری اور طغرا اور طاہر وحید کا سا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے معنی ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

حسن آرا: ظفرا اور طاہر وحید اور ظہوری کے طرزِ بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کسی کی طبیعت دقت پسند تھی۔ کوئی خیالات ایسے باندھتا تھا کہ سُبحان اللہ۔ اِس فقرے کے معنی ظاہر ہیں۔ مبدہ فیاضِ خدا۔ اور بے منّتِ خلق بخشتا ہے تو کہتے ہیں کہ اپنے اپنے ظرف کے موافق سب نے اُس کے خمخانے سے کچھ نہ کچھ لیا۔ اب خمخانے سے یہ بھٹیاں نہ سمجھنا جو منجھلے نواب کے ہاں جاتے ہوئے راستے میں ملتی ہیں اور سرخوش کے معنی مست مگر ایسے مست نہیں کہ گالیاں بکتے گرتے پڑتے چلے جاتے ہیں۔ سرخوش اوّل درجہ تر دماغ دوسرا درجہ اس سے بڑھا اور خراب ہوا۔ سیہ مست سیہ کار اور خواب۔

سپہر آرا: زادش جلال آزاد۔ جمال۔ یہ زادش اور زاد کیا معنی؟

حُسن آرا: کوئی بادشاہ ہوں گے۔ یہ تو ہمیں بھی نہیں معلوم۔ نقش سے کیا مطلب ہے۔ دو چار لفظ سمجھ میں نہیں آئے۔ باقی سب سمجھ گئے۔ سب میں آسان بس ایک یہ شعر ہے۔

ہر اب کہ جوئی نوائے از دست

ہر سو کہ بینی ہوائے از دست

نثر ہیں (ہوشید گان دریا۔ ہو سنگ پایہ) اس میں ہوشید گان دریا نہیں سمجھے۔ باقی اور سب غور کرنے سے سمجھ میں آگیا۔ کیا زبان ہے مگر خالی فارسی ہی نہیں ہے۔

حسُن آرا کو ٹوہ تھی کہ یہ تقریظ کیوں کر چھپی۔ سب سے زیادہ خیال یہ تھا کہ اُس شخص کا نام جو آزاد کی سوانح عمری لکھتا ہے، معلوم ہو جائے تو پیر مرد کے ذریعے سے اکثر خط کتابت ہو اور اُس غریب الوطن کا حال برابر سُننے میں آئے۔ فوراً پیر مرد کو بُلوایا۔ اور کہا جس روز دولھا بھائی یہاں داخل ہوں تم کہیں نہ جانا۔ ہمیں کچھ کہنا ہے۔

در بہار آرزو یک غنچہ عیشم گل نہ کرد

ریشہائے نخلِ آہم در دل سنگین کیست

ہائے یہ کیا ستم کا سامنا ہے۔ قلم خونیں رقم اشک بار ہے۔ دل پیگان پسند بیتاب و بے قرار ہے، اور کیوں نہ ہو معشوقہ طرح فردش نسرین بنا گوش کے گُل رخسار خورشید فروغ پر شبنم اشک اضطراب فردوس کے قطرہائے دریا دل آب و تاب کے ساتھ جھلک رہے ہیں اور عین بے کسی کی حالت میں گویا یہ شعر زبانِ حال سے پڑھتی رہیں؛

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اشک من از مردم چشم بزاد آخر ترا
رحمتے بر اشکِ مردم زادمی بایست کرد

بارہ تیرہ برس کا سن، ہنسنے بولنے کے دن۔ مگر خدا جانے کسی نے کیا کہہ دیا کہ آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا، اور گریۂ طوفان نژاد نے ستم ڈھایا:

آرام و راحتے کہ ز دل ماتم تو برد
چون مرغ اشک باز نیاید بآشیان

روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ ہم جولیوں نے لاکھ سمجھایا مگر دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ دل خود کام و غم آشام پر قابو ہوتا تو اشکِ درد آلود کیوں ستاتے۔ ہائے یہ اُٹھتا جوبن اور یہ رنج و محن۔ یہ نئی جوانی اور یہ سرشکِ افشانی، یہ آغازِ شباب اور یہ جوشِ بحرِ اضطراب۔ یہ حُسن عالم افروز اور یہ درد جان سوز۔ ہائے افسوس۔ وائے افسوس۔ واللہ اعلم کیا یاد آیا، کس عاشق کے خیال نے ستایا۔ کسی عاشق دل از دست رفتہ کی تصویر ضرور آنکھوں تلے پھرنے لگی ہے:

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود میرد و ہوشم
جنون آہستہ میگوید مبارک باد در گوشم

اس سیم زنخ کی یہ پریشانی و حیرانی دیکھ کر دو چار ہم جولیاں قریب آئیں اور سمجھانے لگیں تا کہ تشفی دلِ حسرت منزل ہو۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ درختِ بالا بلند گیسو کمند کون ہے۔ یہ رنگین قبا سپہر آرا ہے خدا خیر کرے۔ سپہر آرا نے کیسی کون خبرِ بد سُنی کہ آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ یا الٰہی اور یہ ہم جولیاں اُن کی بہنیں ہیں۔ اپنے اپنے طرز پر سب نے غم زدہ ستم رسیدہ کو سمجھادیا اور دلاسا دینا شروع کیا۔

جہاں آرا: بہن لے مُنھ دھو ڈالو۔ اُف۔ کب سے رو رہی ہو۔ مارے ملکان ہو گئیں۔ میری بہن۔ ناحق آنکھیں کھوتی ہو۔ ماندی ہو جاؤ گی۔ ذرا تو صبر کرو بہن۔ صبر۔ صبر۔

گیتی آرا: سپہر آرا۔ اے یہ کیا منحوسیت ہے۔ ابھی سے روتی ہو۔ آدمی گئے ہیں۔ اُن کو تو آنے دو، اللہ کی کرنی سے کیا دور ہے۔ مُردے جی اُٹھتے ہیں، یہ کون بات ہے۔

سپہر آرا: (رو کر) تو باجی وہ زمانے اور تھے۔ اب زندے ہی مردے سے بدتر ہیں۔ مردہ بھلا مر کے کیا اُٹھے گا۔ اُف۔ اُف۔ اُف۔

حُسن آرا: سپہر آرا۔ ابھی خبر معتبر نہیں ہے۔ آدمی کو آنے دو۔ اور دل کو ذرا اِدھر اُدھر بہلاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر باغ میں چلیں۔ چلو بہن۔ وہاں دل بہلاؤ ذری۔

یہ تو معلوم ہوا کہ سپہر آرا بیگم مصروف گریہ و زاری ہیں اور اُن کی بہنیں اُن کو سمجھا رہی ہیں بگر یہ نہ معلوم ہوا کہ سپہر آرا کے اس غم و اُلم کا سبب خاص کیا تھا۔ اس قدر معلوم ہے کہ جعفری بیگم کی زبانی کوئی ایسی بات سُنی جس نے سپہر آرا کو خون رُلایا۔ اتنے میں جعفری بیگم کی نواسی ایک مہری کی گود میں آئی۔ چھ برس کا سن۔ صاف سُتھرے اور فوق البھڑک کپڑے پہنے ہوئے۔ آن کر سب کو جُھک کے بہ ادب بندگی کی اور ایک تخت کے کونے پر بیٹھی۔ حُسن آرا نے گود میں اُٹھا لیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ یہ لڑکی بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔ حُسن آرا نے پیار کر کے کہا۔ نظیر بھلا بتاؤ دُو اور دُو کئی ہوئے۔ شرما کر خاموش ہو رہی۔ مہری نے کہا حضور کو کبھی تو دیکھا تھا نہیں۔ ہل جائیں گی تو دیکھیے گا کیسی باتیں کریں گی۔

مہری: باتیں کرو بیٹی۔ شاباش۔ باتیں کرو تو پھر کھلونے منگوادوں۔

حُسن آرا: ہاں۔ ابھی ابھی ریل منگوادیں شاباش۔

مہری: حضور کوئی کھلونا منگوادیں جو کوئی شے موجود ہو۔

حُسن آرا: عبّاسی کوئی کھلونا تو لادو۔ چینی کے کھلونے لاؤ دو۔ کھلونے دیئے تو نظیر بُلبُل ہزار داستان کی طرح چہچہانے لگیں:

چل چل چنبیلی باغ کو میوہ کھلائیں گے
میوے کی ڈال ٹوٹ گئی چدّر بچھائیں گے
چدّر کا کونا پھٹ گیا درزی بلائیں گے
درزی کی سوئی ٹوٹی لہار بلائیں گے
لہار کا پھڑوا ٹوٹا گھوڑے دوڑائیں گے
گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹی ہلدی لگائیں گے

(واہ واہ)

حُسن آرا بے اختیار ہنسنے لگیں۔ کوئی درست نہیں اور لہار کا پھڑوا کیسا ہوتا ہے۔ اس کے کیا معنی، چادر کے لیے درزی تو ٹھیک ہے۔ میوے کی ڈالی ٹوٹی تو چادر بچھانا کیسا۔ شاباش۔ عبّاسی چوبدار سے کہو باغ سے انگور لائے۔ اچھے اچھے دانے دیکھ کر لے آئے، اور دو گل دستے بنا لائے، اور کچھ آڑو بھی ہوں۔ عبّاسی نے کہا خداوندکل سے آم پڑے ہیں کسی نے کھائے نہیں۔ نظیر بیگم نے پھر وہی شروع کیا۔ اور مُسکرا کر یوں کہنے لگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چل چل چمیلی باغ میں میوے کھلائیں گے
میوے کی ڈالی ٹوٹی چدّر بچھائیں گے

نظیری کی پیاری پیاری باتوں سے سپہر آرا کا بھی غم غلط ہوا مگر تھوڑی دیر کے لیے پھر کچھ یاد آیا جب بہنوں نے بہت سمجھایا تو بصد گریہ وزاری کہا سنو بہن۔ میں اندر والے کو کیوں کر سمجھاؤں قلب اُلٹا جاتا ہے۔ ہائے یہ کیا سُنانی سنی۔ اور ابھی تک موئے روئنے خبر لے کر واپس نہیں آئے حسن آرا نے تشفّی دی۔ بہن گئے ہیں۔ دریا تو یہاں سے پاس ہے مگر اُن کو سورج گھاٹ جانا پڑے گا یہاں سے دو کوس زمین ہے۔ گاڑی کا راستہ نہیں۔ ابھی ہمایوں فر کے ہاں آدمی بھیجا تھا۔ بی مُغلانی سوار ہو کر گئی تھیں۔ دیکھا تو سب کو اُداس پایا۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ بجرے پر کون کون تھا۔

اغلب ہے کہ ناظرین اب سپہر آرا بے چاری کے گریۂ حسرت آلود کا حال سمجھے ہوں۔ وجہ یہ ہوئی کہ دفعتہً ہمایوں فر کے مکان سے رونے کی آواز آئی تو سب کے سب گھبرا اُٹھے۔ شادی کے گھر میں رونا دھونا کیسا۔ سپہر آرا اور اُن کی بہنوں کے ہاتھ کے توتے اُڑ گئے۔ فوراً ایک خادمہ کو بھیجا وہ جواب لائی کہ بجرے پر کچھ لوگ سوار تھے سو وہ اُلٹ گیا۔ اب کیا جانے کون کون تھا۔ ہمایوں فر کی بہن اور بھاوج اور سب عورتیں رو رہی ہیں۔ سانڈنی سوار دوڑایا گیا ہے کہ جلد خبر لائے۔ اس خبر وحشت اثر نے ان سب پری پیکروں کے دلوں کے ساتھ وہ کیا جو بادِ صرصر گُلِ خنداں کے ساتھ کرتی ہے۔ کلیجہ تھام تھام کر رہ گئیں۔ پھر مُغلانی کو بھیجا تو وہ بھی جواب شافی نہ لائیں۔ بڑی بیگم کو خبر ہوئی۔ جعفری بیگم نے سُنا۔ عبّاسی نے آن کر بیان کیا کہ بڑی سرکار فرماتی ہیں کہ رات کو ایک پریشان خواب دیکھا تھا یہی خواب کی تعبیر ہے مگر فرماتی ہیں کہ انجام بخیر ہے خدا مالک ہے۔

اتنے میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سانڈنی سوار بڑی تیزی کے ساتھ ہمایوں فر کے محل معلّیٰ میں جاتا ہے، فوراً مغلانی کو حکم دیا کہ چوبدار کو دوڑا دو۔ کہو جا کے خبر لائے۔ چوبدار معاً روانہ ہوا۔ ڈیوڑھی پر گیا تو وہاں ٹپّس پڑی ہوئی۔ کہرام مچا ہوا۔ اندر سے باہر تک سب ماتم کر رہے ہیں۔ ہر سمت شور و شین کی آواز بلند ہے۔

چوبدار نے کئی آدمیوں سے پوچھا خیر تو ہے مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ سب اپنی اپنی تباہی میں تھے جواب کون دیتا۔ آواز اس قدر بلند ہوئی کہ بڑی بیگم کے ایوانِ فلک تواماں تک پہونچی۔ سپہر آرا دو ہتڑ پیٹتے پیٹتے گر پڑی اور غش آگیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار گرفتار ہوگئے

اب شہسوار کا حال سُنیے۔ انسپکٹر پولیس نے عطر فروش کے بھیس میں شہسوار کو گرفتار کرلیا۔ اور کشاں کشاں کوتوالی لے گئے۔ ٹھاکر صاحب بھی گرفتار ہوئے۔ اثنائے راہ میں شہسوار نے انسپکٹر کو للکارنا شروع کیا۔

شہسوار: اچھا بچہ سمجھ لوں گا۔ دیکھو تو سہی جاتے کہاں ہو۔ انشاء اللہ۔

انسپکٹر: ہشت۔ چور کے پانوں کتنے۔ چودہ برس کو جاؤ گے۔

شہسوار: وہ چودہ برس نہیں اگر دائم الحبس کی سزا بھی دی جائے تو کیا پروا ہے۔

انسپکٹر: ہاں۔ صحیح ہے۔ بے حیائی بلا دور۔ قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔ جب بڑا گھر دیکھو گے تب یہ سب باتیں بھول جاؤ گے۔ بدمعاش۔

شہسوار: سُنو میاں انسپکٹر ہمارے کاٹے کا منتر نہیں ہے۔ زبان کو لگام دو۔ ورنہ آج کے دسویں روز تمہارا پتا نہ ملے گا:

آن نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آن منم کاندر میانِ خاک و خون بینی سری

ایک برق انداز نے کہا تو اپنے حساب جنگ پر جاتے ہیں۔ کہاں کی مہم سر کرو گے۔ انسپکٹر صاحب مُسکرائے۔ بھئی اب اتنا بھی نہ کہیں اس سے بھی گئے گزرے۔ ان پر تو کئی مقدمے ہیں۔ اور سب سے زیادہ سنگین مقدمہ آتش زنی کا ہے۔ شہسوار نے کہا خیر فہمیدہ خواہد شد۔ ہم تو صاف ہیں:

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازران بر سنگ

ہم کہیں گے صاحب سے کہ اس انسپکٹر کو ہم سے عداوت ہے۔

انسپکٹر: ہاں۔ اس میں کیا شک ہے۔ تمہارا باپ مارا ہے نہ۔

شہسوار: خدا نے چاہا تو آج کے تیسرے روز میرا پتا نہ پاؤ گے۔

انسپکٹر: ہاں کڑھ کڑھ کے جیل خانے میں دم توڑ دو گے۔ پھر پتا کس کو ملے گا۔ خیر وہ جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہوگا۔

شہسوار: تیسرے روز۔ بس تیسرے روز، چوتھا دن نہ ہونے پائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انسپکٹر: یہاں کسی لوہے کی زنجیر کی بھی صورت دیکھی ہے۔

شہسوار: اجی لوہا تو ہماری جان ہے۔ ہم سپاہی آدمی ہیں۔

انسپکٹر: کچھ تمھارے باپ سپاہی تھے کچھ تم سپاہی ہو۔

شہسوار: نہیں ایک تم بڑے وہ بن کے آئے ہو سپاہی۔

شہسوار نے جان کے بات نہیں کی۔ کوتوالی میں گئے۔ حوالات میں رہے۔ صاحب انسپکٹر نے برق انداز کو حکم دیا کہ شہسوار کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ عمدہ پلنگ بچھے۔ فرش مکلّف ہو۔ ذرا بھی تکلیف نہ ہونے پائے۔ شب کو شہسوار نے رہائی کی تدبیر سوچی۔ مگر کوئی تدبیر جمی نہیں۔ شب کو خوش الحانی کے ساتھ یوں گانے لگے۔

یاد آیا می کہ سودائے تو در سر داشتم　　　بند بر پا نالہ بر لب شور محشر داشتم

آتشیم ذوقِ درونِ آتش توام مپرس　　　رفت آن روزے کہ من ظرف سمندر داشتم

از کہ گویم قیل و قال عربدہ سازان دہر　　　منکہ خود زین پیش شورے در تہ سر داشتم

دامنِ بخت من آشوب ہوسناکی نرفت　　　گرچہ دل زین خاکدان چون آسمان بر داشتم

داستانم سر نیاید مہر سر زد از اُفق　　　گردشِ اختر نگر تا من چہ در سر داشتم

گر ندیمش عرشی دیوانہ گرد و باک نیست　　　من ہم از جوئے جنون سیلاب رہبر داشتم

اب سُنیے کہ اِدھر یہ غزل شہسوار نے گائی۔ اُدھر کوتوالی کے سامنے کمرے پر ایک زن مہ لقا آئی۔ اور غور سے دیکھنے لگی۔ مگر شب کے وقت کیا سوجھے۔ یہ عورت اس قدر بے قرار ہوئی کہ اپنے باورچی کو جو اس وقت مکان کے نیچے کھانا پکا رہا تھا۔ حکم دیا کہ جا کے اس شخص کا حال دریافت کرو جو ابھی گا رہا تھا۔ اس عورت پر ایک مردِ حسین عاشق ہوا تھا۔ مگر اس کے رقیب نے جس کے ساتھ آخر میں اس عورت کی شادی ہو گئی اُس کو قید کرا دیا۔ یہ شخص جس پر وہ زنِ خوبرو عاشق تھی۔ باتوں باتوں میں اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ عشق یاد رکھنا۔ سودائے تو سر دارم۔ شہسوار نے جو یہ مطلع پڑھا:

یاد آیا می کہ سودائے تو در سر داشتم

بند بر پا نالۂ بر لب شور محشر داشتم

تو اُس کو اپنے عاشقِ زار کا کلام یاد آیا کہ (سودائے تو در سر داشتم) علاوہ بریں اس کی اور شہسوار کی آواز بھی ایک تھی۔ بعینہ ایک اس سے اور بھی یقین واثق ہوا کہ وہی مصیبت زدہ ہے۔ ایک سحرِ کاذب کے وقت اس جوان رعنا نے ایک داستان چھیڑی مگر ہنوز داستان ختم نہ ہونے پائی تھی کہ آفتاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طلوع ہوا۔

داستانم سرنیامد مہر سرزد از اُفق
گردش اختر نگر تا من چہ در سر داشتم

اس شعر سے اور بھی یقین ہو گیا کہ وہی ہے اور اشعار کے ذریعے سے اظہارِ مطلب کرتا ہے۔ تڑپ رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے ملے، اور کچھ نہیں تو ذرا جھلک ہی دکھا دے:

در فراقت چشم گریانم نخاک و خون یکیست
گر ہزاران نامہ بنویسیم ہمان مضمون یکیست

باورچی نے آن کر کہا ایک گھبرو جوان حوالات میں ہیں۔ وہی گاتے تھے۔ پوچھا شکل صورت ڈیل ڈول کیسا ہے۔ کہا میں نے تو دیکھا نہیں مگر لوگ تعریف کرتے ہیں کہ بڑا گورا چٹا ہے۔ اور کڑیل جوان ہے۔ کل سویرے جا کے دیکھ آؤں گا۔ اِس خستہ نے آہِ سرد بھری اور کہا ہائے افسوس، اور آج کی رات پہاڑ ہو جائے گی۔ کاٹے نہ کٹے گی۔ ہجر کی شب ہے۔ رنج کی رات اسے خدا سمجھے۔

دوسرے دن ایک مخبر نے آن کر کہا کہ یہ اشتہاری مجرم شہسوار کئی مہینے سے ٹھاکر کے ہاں رہتا تھا اور ایک عورت ہیں اُستانی جی، انہوں نے اُس کو ٹھاکر کے سپرد کیا تھا۔ انسپکٹر نے ان سے دریافت کیا تو صاف انکار۔

انسپکٹر: اُستانی جی کوئی یہاں ہیں۔ آپ اُن سے واقف ہیں یا نہیں۔

شہسوار: یا خدا وہ دن دکھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہم میدان میں آزادی سے جاتے ہوں اور پولیس والے خونِ جگر کھاتے ہوں:

غم مخور حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

اللہ باقی من کُلِّ فا۔ ع۔ بیدل نیم ہنوز بہ بینم چہ میشود۔

انسپکٹر: چہ میشود؟ یہی نہیں معلوم۔ ثبوت جرم اور قید۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی:

شہسوار: قیامت کہ بر باست خود کردہ را چہ علاج۔ مگر ہم ڈنر پیلتے ہیں اور گاتے ہیں غم کیا ہے:

صبا بہ گلشنِ اسرار قدس راہ ببر — بنو بہار کرم زاری گیاہ ببر
خروش تشنہ زبانی بموج نیل بگو — نغان تیرہ نشینی باوج ماہ ببر
اگر بکنگرۂ کبریات پا نہ بود — طناب نالہ بگیر دکمندِ آہ ببر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل مرا کہ قدم برتر از فلک بنہد — بہ نردبان نفسہائے صبح گاہ ببر
بہ بند تازہ دو گل دستہ از دل جگرم — بار مغانی لمستان بزم گاہ ببر
فراق از غم نادیدنش دلم خون کرد — دو دیدہ ام بکش وا نہپے نگاہ ببر
صریر خامۂ فیضی کہ نالۂ سحریست — بگوش شاہ جو فریاد داد خواہ ببر

انسپکٹر: خوب ڈنر پیلو اور گاؤ۔ کل خدا جانے کہاں ہو:

آخر تو کھڑا ہے سر بہ صیاد قضا
دل کھول کے خوب چہچہائے بلبل

شہسوار: بوڑھے ہونے آئے مگر دل سے کھوٹ نہیں گئی۔

فیضی دم پیریست قدم دیدہ بنہ — گام مزہ می نہی پسندیدہ بنہ
از عینک شیشہ ہیچ نکشاید ہیچ — لختے تبراش از دل دیر دیدہ بنہ

انسپکٹر: فیضی فیاضی کا کلام حضور کو حفظ ہے۔

شہسوار: ہاں۔ فیضی فیاضی تھے ہی ایسے۔ فخر متقدمین و متاخرین:

آب جو آتش ز منقارِ بلاغت می چکد
طوطی خوش لہجہ یعنی کلک شکر خائے تو

دماغ اور دل اور طبیعت کا زور اُس نے دکھا دیا۔

صبح کو اُس جمیلہ نے اپنا خدمتگار بھیجا' اور باورچی سے کہا کہ تم اُس کے ساتھ جاؤ اور دریافت کرو کہ یہ کون شخص ہے اور قید کیوں ہوا۔ خدمتگار بڑا چالاک آدمی تھا۔ انسپکٹر صاحب کے پاس جا کر یوں ہم کلام ہوا۔

خدمتگار: کوتوال صاحب بندگی۔ اب حضور کے والد کا مزاج کیسا ہے۔

انسپکٹر: اب فضل الٰہی ہے کل سے تپ میں خفت ہے۔ جوڑی بھی ٹل گئی۔

خدمتگار: شکر ہے۔ غلام پر بڑے مہربان ہیں۔ جب خالی ہوئے بلا بھیجا۔

انسپکٹر: تم دُلھن جان کے ہاں نوکر ہو نہ کب سے ہو اس سرکار میں۔

خدمتگار: حضور کوئی دو برس سے نوکر ہوں۔ حضور کو روز سلام کر لیتا ہوں۔ حضور یہ کون ہیں جو کل رات سے یہاں ٹکے ہوئے ہیں۔ اور گایا کرتے ہیں۔ آدمی خوبصورت ہیں' اور بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انسپکٹر: یہ ایک شہسوار ہیں۔ اشتہاری مجرم۔ آتش زنی کا جُرم ہے۔ کُل حالات دریافت کر کے خدمتگار اور باورچی گھر پر آئے۔ کہا۔ حضور کوئی شہسوار ہیں بڑے کڑیل جوان اور خوبصورت ہیں کسی کے ہاں آگ لگائی تھی، اب پکڑے گئے۔ دُلھن جان نے دانتوں کے تلے انگلی دبائی اور بڑی دیر تک کچھ سوچا کیں۔ ناظرین کو معلوم ہوئیا ہوگا کہ یہ دُلھن جان کون ہیں۔ وہی جو ثریا بیگم کی بی ہمسائی تھیں۔

اب سُنیے کہ کسی زمانے میں ثریا بیگم اور دُلھن جان دونوں کی اس جوان رعنا پر جان جاتی تھی مگر دُلھن جان نے ثریا بیگم کو مطلق نہ پہچانا، اور نہ ثریا بیگم ان کو پہچان سکیں۔ اور شہسوار بھی ثریا بیگم کو نہیں پہچان سکا۔ اچھی دل لگی ہے۔ یہ جوان ابتدا ہی سے شہسواری میں طاق تھا۔ دُلھن جان بخوبی سمجھ گئیں کہ یہ شہسوار کون ہے مگر ثریا بیگم اتنے دن تک اُن کے پڑوس میں رہیں، روز ملاقات بات چیت ہوتی ہے۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ باہم پُرانی رقابت ہے۔ دُلھن جان نے خدمتگار سے کہا کہ ایک شعر یاد کر لو اور اُس کے سامنے جا کے پڑھو۔

میکدہ سے اُٹھا ہے ابر بہار
میرے دل کی لگی بجھا دے گا

خدمتگار گو ان پڑھ تھا مگر طباع آدمی۔ فوراً شعر یاد کر لیا۔ پھر کوتوالی کے ادھر اُدھر ٹہل کر اُس جوان کے پاس گیا اور شعر پڑھا۔

میکدہ سے اُٹھا ہے ابر بہار

دوسرا مصرعہ بھول گیا۔ شہسوار نے اُس شخص کو غور سے دیکھا۔ پوچھا تم نے ابھی کون مصرع پڑھا تھا خدمتگار نے کہا۔ ع۔ میکدہ سے اُٹھا ہے ابر بہار۔ شہسوار نے دونوں مصرعے پڑھ دیئے۔

میکدہ سے اُٹھا ہے ابر بہار
میرے دل کی لگی بجھا دے گا

اشارے سے خدمتگار کو اپنی طرف بُلایا اور کہا ہم سمجھ گئے۔ کہہ دو مزاج پوچھا ہے۔ کس مکان میں ہیں اور تخلیے کی ملاقات کا کون وقت ہے۔ خدمتگار نے دُلھن جان سے کہا۔ اُن کی باچھیں کھِل گئیں کہ وہی ہے۔

دُلھن جان دل میں سوچنے لگیں کہ آتش زنی کا جُرم بڑا سخت جُرم ہے۔ ابھی تو حوالات ہی میں ہیں۔ اگر جُرم ثابت ہو گیا تو خدا جانے کیسی سخت سزا پائیں۔ پھانسی ہو یا کالے پانی بھیجے جائیں۔ دل کی دل ہی میں رہے گی۔ کوئی تدبیر ایسی ہو جس سے اس جوانِ رعنا کو حوالات سے چھٹکارا ملے دُلھن جا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے میاں باہر تھے۔ اُنھوں نے ایک شخص کو چُپکے سے بُلوایا۔ اُس شخص نے کہلا بھیجا کہ میں اشتہاری مجرم ہوں۔ دن کو نہیں آ سکتا شب کو ضرور آؤں گا۔ رات کو تشریف لائے۔ ڈُلھن جان سے گفتگو ہونے لگی۔

ڈُلھن جان: کہو مرزا۔ کیا خبریں ہیں۔ اب کیسی کٹتی ہے۔ روپوش ہو ؟

مرزا: تمھارے کارن جو نہ ہو وہ تھوڑا، لے کے دھروا دیا نہ۔

ڈُلھن جان: واہ تم نے یا ہم نے مگر خدا جانے کہاں بھاگ گئے۔

مرزا: ہاں خوب یاد آیا ہے۔ یہ ہوا کیا، اور مہری بھی گئی۔

ڈُلھن جان: عبّاسی اور ثریّا بیگم دونوں کی سانٹھ گانٹھ تھی۔

مرزا: مگر قربان اپنے اُستاد کے، اتنے مرتبے گیا۔ ممکن کیا کہ کوئی پہچان بھی سکتا۔ ایک دفعہ طوطی کا پنجرہ لے کر عورت کے بھیس میں گیا، ایک دفعہ بنو و فقیر بابا جی بن کر گیا جب گیا نئی پوشاک، نئی وضع نیا بھیس، نیا طرزِ گفتگو۔

ڈُلھن جان: ہم مدد نہ دیتے تو تم اتنا زر و زیور چُرانے بھی پاتے۔

راوی: حضرات ناظرین ڈُلھن جان کی یہ تقریر عبرت انگیز سُننے کے قابل ہے۔ ثریّا بیگم کو اس عورت نے لٹوا دیا۔ ظاہرا دوستی کا دم بھرتی تھیں مگر در پردہ دشمنی کرتی تھیں۔ مرزا صاحب کی گفتگو ہی سے ظاہر ہے کہ آزاد مرزا صاحب ہیں۔ ڈاکوؤں کے پشت پناہ۔

ڈُلھن جان نے بڑے غور کے بعد ٹھان لی کہ آزاد مرزا سے بڑھ کر چالاک، بے ایمان، دغاباز اور کوئی نہ ہوگا۔ لہٰذا آزاد مرزا کو بُلوایا اور اُنھوں نے بیڑا اُٹھایا کہ میں شہسوار کو راتوں رات لے آؤں گا۔

ڈُلھن جان: دیکھو بھرنے کی سند نہیں۔ قول مردان جان دارد:

وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے

مرزا: اجی تم خدا جانے کیا کہتی ہو مشکل کچھ بھی نہیں ہے:

ہر چیز کہ دل بران گرا اید
گر صبر کسی بدستست آید

یہ کون بڑی بات ہے اور پولیس سے مقابلہ کرنا کون بات ہے۔

ڈُلھن جان: تمھارے نزدیک کوئی بات نہیں ہے ہمارے نزدیک تو ہے اجی اسی دن ثریّا بیگم کے ہاں چوری ہوئی۔ میں بھی گئی تھی۔ ہے ہے جس وقت تھانہ دار نے آن کے ڈانٹ بتائی میرے تو ہوش اُڑ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا: اور ان صاحب سے تو ہم سے بڑی دوستی ہے۔ گھبرایا رانہ۔

ڈھن جان: بس تو پھر کیا ہے۔ تم جاکے دیکھ آؤ پہلے، پھر ہم کچھ کہیں۔

مرزا صاحب بسم اللہ کہہ کر چلے۔ آدمی سے کہا اطلاع دو۔ خدمتگار نے جاکر کان میں کہا۔ حضور مرزا صاحب آئے ہیں۔ کہا بلاؤ، یہ چلے تو یہ شعر درو زبان رہے

ہم بھی تسلیم کی خوڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

آزاد مرزا نے انسپکٹر صاحب سے ادِھر اُدھر کی گپ اڑائی۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ واسطے خدا کے آہستہ آہستہ گفتگو کرو اور میرے پاس نہ آیا کرو۔ یہ للکارتے تھے کہ اجی حضرت اعلانیہ آئیں اور ڈنکے کی چوٹ آئیں۔ ہم کسی سے ڈرتے تھوڑا ہی ہیں۔ انسپکٹر صاحب نے کہا قبلہ آپ کسی سے نہیں ڈرتے مگر بندہ تو ڈرتا ہے۔

آزاد مرزا نے حقّہ پیا، چائے پی۔ گلوریاں چکھیں، چلتے وقت کہا۔ کہو آج کل حوالات میں کون کون ہے انسپکٹر صاحب نے کہا معمولی لوگ ہیں مگر ایک معزز آدمی بھی ہے، جس نے شہزادہ ہمایوں فر کے مکان میں آگ لگادی تھی۔ روپوش تھا مگر ہم نے پتا لگایا۔ اب تک دبتا تھوڑا ہی ہے۔ آزاد مرزا نے اصرار کیا کہ ذرا ہم کو بھی چل کے دکھادو۔ شب کا وقت تو تھا ہی۔ آزاد مرزا کو لے کر حوالات میں گیے۔

انسپکٹر: بھئی یہاں تو بڑی گرمی ہے:

میکدہ سے اُٹھا ہے ابر بہار
میرے دل کی لگی بُجھادے گا

ڈھن جان نے یہ شعر آزاد مرزا کو بتادیا تھا۔ سُنتے ہی شہسوار کی جان میں جان آگئی۔ سمجھ گیے کہ اس جوان کو ڈھن جان نے ہماری رہائی کے لیے بھیجا ہے۔ یہ شعر پڑھا:

مرحبا طائرِ فرخ پے وفرخندہ پیام
خیر مقدم چہ خبر یار کجا راہ کدام

آزاد مرزا: آپ کا اسم مبارک حضرت۔ یہ شکل یہ صورت اور یہ افعال۔

انسپکٹر: شکر ہے کہ آپ کو کسی کے افعال سے توشکایت ہوئی۔ الحمد اللہ! بڑے تعجب کا مقام ہے۔

آزاد: اے۔ ع۔ او خویشتن گم ست کرارہبری کند۔

شہسوار: دل بھر آیا مگر فال نیک ہے۔ آدمی کڑا معلوم ہوتا ہے۔ اور چلتا پُرزہ ہے۔ اچھا انشاء اللہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کعبہ را ویراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گہہ گہے پس ماندگان راہ منزل طے کنند

انسپکٹر صاحب نے شہسوار سے پوچھا کیا اس شخص کو خلل دماغ ہے۔ کہتا کچھ ہے مُنہ سے کچھ نکلتا ہے۔ اس شعر کا بیان کون موقع تھا۔ مگر خاموش نہ رہیں گے۔ حضور کا اسم مبارک۔ کہا ہمیں لوگ شہسوار کہتے ہیں۔ آپ اپنا مطلب فرمائیے۔ ہم تو حوالات میں ہیں۔

آزاد اور شہزادی

آزاد ایک دن سوچے کہ آؤ خط ختم کر ڈالیں۔ بلغارستان کا حال لکھیں یا مانٹی نیگرو کا بیان۔ ان کو دریائے ڈینیوب یاد آیا قلم اُٹھایا اور عربن سے کل حالات دریافت کیے عربن اور روسیوں نے کُل حالات بیان کیے۔ وہ دونوں روسی اس شہزادی کے قدیم نوکر تھے۔ آزاد نے پہلے مختلف امور دریافت کیے۔ پھر لکھنا شروع کیا۔ اُن کو یقین واثق تھا کہ یہ خط حُسن آرا بیگم کے پاس پہونچ ہی جائے گا۔ جو خط پیشتر لکھا تھا اُس میں دریائے ڈینیوب کا حال بھی شامل کر دیا۔

تذکرہ دریائے ڈینیوب

تعالی اللہ زہے دریا چہ تور
کہ سو جوش میزند گلبانگ منصور

اس دریا کو ترکی سے وہی نسبت ہے جو ہندوستان سے دریائے گنگ کو نسبت ہے جس طرح دریائے گنگ اپنی سالانہ طغیانی سے ارد گرد کے مقامات کو سرسبز و شاداب کرتا ہے۔ اسی طرح یہ دریائے زخار بھی ان شہروں اور مزارع کو سیراب کر دیتا ہے جو اُس کے کنارے پر واقع ہیں۔ زبان پاستان میں اس دریا کو اسطر کہتے ہیں۔ اس دریا کو اہل یورپ سلطان الجر کہتے ہیں۔ کیونکہ ترقی تجارت اور امور پولیٹیکل اور کثرت آب وغیرہ باتوں کے لحاظ سے کوئی دریائے یورپ اس کا نقطۂ مقابل نہیں ہے۔ اس کا مخرج دیکھ کر جو شخص خدا کی قدرت کاملہ کا اعتراف نہ کرے وہ کافر ہے اتنا بڑا قہار دریا اور ایک شہزادے کے محل کے احاطہ سے نکلا ہے۔ ع۔ یہ شان کردگار یہ قدرت خدا کی ہے۔

یوں ہی آبادی میں یا زیب وصفا دریا رواں
جس طرح انجم میں شب کو آسمان پر کہکشاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ دریا دفعتہً سمندر میں نہیں گرتا ہے۔ بلکہ کئی مقام پر کئی ہاموں سے گرتا ہے۔ ڈینیوب کا طول چودہ سو میل ہے۔ سنہ ۱۸۱۹ء سے اس دریا میں بوٹوں کے ذریعے سے تجارت ہوتی ہے۔ پیشتر عجیب قطع کے صندوق دریا میں ڈالے جاتے تھے۔ ایک قسم کا ایک صندوق میں نے یہاں کے ایک تالاب میں دیکھا تھا۔ پہلے بوٹ کے عوض اس قسم کے صندوق کچھ عرصے تک کام میں آتے تھے اور جب وہ خراب ہو جاتے تھے تو لکڑی کے عوض جلائے جاتے تھے اس قدر لکھ چکے تھے کہ عربن اُن کے قریب آئی۔ اُنھوں نے خط چھپا لیا۔ عربن نے کہا اب تو شادی کی تیاریاں ہو گئیں۔ کُل سامان آگیا۔ آزاد بولے کیا! شادی۔ شادی کیسی۔ میں تو قیدی ہوں۔ اخاہ اب میں سمجھا اس جوان کے ساتھ شاید نکاح ہوگا جو ہر صبح کو پابزنجیر آتا ہے۔ ہے آدمی خوش نصیب۔

عربن نے کہا اور اگر تمھاری شادی ہوتی تو تم اپنے کو خوش نصیب کہتے یا بدقسمت۔ وہ بھی تم سے کم حسین اور وجیہ نہیں ہے۔

آزاد بولے ہم تو اپنے کو بدقسمت سمجھتے۔ وجہ یہ کہ جس دوشیزہ پر ہمارا دل آیا ہے وہ پرستش کے قابل ہے۔ حسین یہ بھی ہیں مگر حُسن حُسن میں بھی فرق ہے۔

عربن نے کہا اے جوان ناداں کیوں اپنی جوانی مُفت میں ہاتھ سے دے گا اگر یہ پرکالۂ آتش تیری تقریر سُن لے تو اسی جوان قیدی کی حالت کو پہونچائے۔ اس آزادی اور مطلق العنانی کے ساتھ پھر نہ رہنے پائے افسوس ہے کہ تیری عقل کی آنکھ پر شیطان نے پٹی باندھ کر ایسی پٹی پڑھا دی کہ تو چوندھیا گیا اتنا نہیں سمجھتا کہ اگر اس صبح عارض قمر طلعت کے ساتھ شادی ہوگی تو تیرا بخت خفتہ بیدار ہو جائے گا۔ اس ایوان رفیع الشان اور باغ بے نظیر اور اسباب شاہی کا مالک بن بیٹھے گا۔ وہ ایسی کون پدمنی ہے جس نے تیرا دل اس قدر اپنے قابو میں کر لیا۔ یہ پولینڈ کی شہزادی ہے۔ گو کئی پُشت سے اس کا خاندان تاجدار نہیں مگر پھر شہزادی ہے۔ اس کے مزاج میں اس قدر بے پروائی ہے کہ الاماں۔ دن رات بناؤ چناؤ سے سروکار ہے۔ مکان کی صفائی کا حد سے زیادہ خیال ہے۔ خوش لباسی پر جان دیتی ہے۔ فرانس سے صدہا رسالے آتے ہیں۔ روز دو چار نئے فیشن کے لباس قطع ہوتے ہیں۔ نفاست نے مزاج میں اس قدر دخل پایا ہے کہ جو لباس ایک بار زیب تن کیا وہ تمام عمر دوسرے مرتبہ نہ پہنے گی۔ عطر کا ایسا شوق ہے کہ از سرتاپا عطر و عنبر میں بسی رہتی ہیں۔ دس مشاطگان چابک دست کامل فن خاص اس غرض سے نوکر ہیں کہ چوٹی سنوارا کریں۔ روس کیا تمام یورپ میں ایسی رنگین مزاج بہار طبع لیڈی نہ ہوگی اور طرہ یہ کہ ہر ملک کی وضع اور زیور سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واقف جہاں کی جو وضع پسند آئی۔ دوسرے روز وہی لباس پہننے لگی۔ جس ملک کی بیش بہا چیز چاہیئے۔ ابھی اسی دم حاضر ہے۔ شہنشاہوں کے ہاں وہ نہ ملے۔ جو اِن کے ہاں موجود ہے۔ خوش خور بھی ہیں۔ سولہ سو روپیہ ماہواری کا صرف کھانے کا صرف ہے اور کوئی قاب کوئی پلیٹ ایسی نہیں جس سے خوشبو نہ آتی ہو۔ کوئی سال بھر کا عرصہ ہوا کہ گانوں کا رئیس زادہ بغرض صید افگنی اس طرف سے جاتا تھا۔ اِن کے ہاں مدعو ہوا۔ تو بعد تناول طعام کہا کہ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہم کسی یوروپین کے ہاں کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اسے اس طرزِ معاشرت اور کنج عزلت کا سبب پوچھا تو اُنھوں نے بات ٹال دی۔ موزون کا کمال شوق ہے باغ کی ہر روش میں ایک طاؤس زمرّدین پر وبال پائے گا۔ محل کے ہر کمرے اور شہ نشین میں شب کو جب آرام کرو تو نور سے اِدھر اُدھر ضرور ہوتے ہیں۔ چکارے کا بڑا شوق ہے۔ روشوں میں طرارے بھرا کرتے ہیں اور رمنا قابل دید ہے بلکہ دید ہے نہ شنید ہے۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر تم شریک جنگ ہونا چاہو تو مقام افسوس ہے۔

آزاد: یہ سب سچ مگر ہمارے دل کا حال تمھیں کیا معلوم۔ خدا ہی خوب جانتا ہے۔ خدا جانے ہم کس مصیبت میں ہیں۔

عشق در آمد ز در گفت سلامٌ علیک
عقل برون شد ز سر گفت سلامٌ علیک

عشق نے ہمیں دین کا رکھا نہ دنیا کا۔ افسوس صد افسوس۔

عشق نے غالب نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عربن: ہائے ہائے۔ یا خدا اس نادان کو کسی طرح راہِ راست پر لا۔

آزاد: مانا کہ کل اسباب شاہی موجود ہے مگر دل کو کیوں کر سمجھاؤں۔

عربن: اس دل ہی نے تو تمھیں غارت کر دیا۔ ایسے دل سے خدا سمجھے۔

آزاد: اب صاف صاف بیان کرو کہ ہمارا حشر کیا ہوگا۔ کیا کیا سختیاں کی جائیں گی۔ کیا کیا ستم ڈھائے جائیں گے۔ کیا کیا مصیبتیں سہنی ہوں گی مگر۔ ع۔ بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ خیر جو مرضی خدا ہو۔

اتنے میں وہ ناطورہ قیامت خرام اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی گزری۔ آزاد نے جھک کر آداب عرض کیا۔ شہزادی نے مسکرا کر پوچھا۔ مزاج شریف۔ کہا زندہ در گور ہیں یا یوں کہیں کہ مردہ بدست زندہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

الٰہی ایک تو ہم ہیں کہ تنگ آئے ہیں جینے سے
اور اک خضرؑ و مسیحا ہیں کہ اس جینے پہ مرتے ہیں

شہزادی نے کہا اب صرف ایک بات کہنی باقی ہے اور اُسی ایک بات پر تمھاری ناکامی اور کامیابی منحصر ہے اگر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنا چاہو تو خیر۔ ورنہ تمھیں اختیار ہے۔

میں تو غم کھانے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔

غم کھاتا ہوں لیکن مری نیّت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

بے سمجھے بوجھے کیوں کر کہوں کہ منظور ہے یا نامنظور ہے حضور فرمائیں تو بعد غور عرض کروں۔ مگر خیال رہے کہ غریب الوطن ہوں۔

شہزادی: بہت پچھتاؤ گے۔

آزاد: ایک دفعہ اور سُن چکے ہیں۔

شہزادی: صحیح کہتی ہوں۔ بڑی مصیبت میں پڑو گے۔

آزاد: خیر سمجھا جائے گا۔ ع۔ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔

شہزادی: آج کل جنون کا زور معلوم ہوتا ہے۔

آزاد: آج کل! آج کل پر کیا فرض ہے۔

ہر صبح میزند چو شفق جوشِ خونِ ما
موقوف بر بہار نباشد جنونِ ما

شہزادی: عربن۔ اِن کو سمجھاؤ۔

عربن: سمجھاتے سمجھاتے عاجز ہو گئی اب کس کو سمجھاؤں۔ اِن کے سمجھانے کے لیے ڈاکٹر صاحب کو بلوائیے۔

شہزادی: افسوس ہے پڑھا لکھا آدمی اور ایسا وحشی۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

آزاد: ہائے دردِ دل کس سے کہوں۔ حسن آرا۔ وائے حسن آرا۔

آزاد کا دل اس وقت بھر آیا اور حسن آرا کو یاد کر کے خوب روئے۔ شہزادی تاڑ گئی کہ کسی نو عروس نازنین کا عاشقِ زار ہے۔ پہلے تو غصّہ آیا اور غایت غیظ و غضب میں چاہا کہ اسی وقت سزائے سخت دے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر دل کو سمجھایا۔

سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے
پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے

آزاد پاشا ایک درخت کے تلے بیٹھ کر ادھر ادھر اشعار پڑھنے لگے۔

وہ تخت نشین دوزخ اسفل کا مکین ہے | یہ گوشہ نشین مہر نبوت کا نگین ہے
وہ غول ہے یہ خضر ہے وہ شک یہ یقین ہے | وہ سنگ زمین یہ گہر عرش بریں ہے
زنار ہے وہ گردنِ اربابِ خطا کا | اور نامِ خدا سبحہ ہے یہ دستِ خدا کا

شہزادی نے عربن سے کہا اتنے دن سے یہ شخص یہاں ہے۔ مگر آج تک اس کا حال معلوم نہ ہوا۔ اس سے نج کے طور پر دریافت تو کرو کہ اس کے درد کا کچھ چارہ ہے کہ نہیں۔ ع۔ درمان ہے کہ درد لا دوا ہے۔ عربن تو آزاد کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی۔ کُل باتیں بیان کیں۔

عربن: کسی پر ان کا دل ضرور آیا ہے۔

شہزادی: اگر مجھے معلوم ہو جائے تو جا کے قتل کر ڈالوں۔

عربن: کئی خط میرے سامنے لکھ چکے ہیں۔

شہزادی: وہ خط آج رات کو چرا کر ہمارے پاس لے آؤ۔

عربن: بہت اچھا۔

راوی: افسوس ہے کہ آزاد پاشا صید مصائب ہوں گے مگر خدا ارحم الراحمین ہے۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم
بدان را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

آزاد پاشا کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ یہاں کچھ اور ہی ہنڈیا پک رہی ہے۔ یہ کسی اور ہی دھن میں تھے۔

پہونچے مراد کو سفر اپنا تمام ہے | اُترو اسیر و اُترو ادب کا مقام ہے
آگے تو آستانہ سلطانِ شام ہے | دیکھو تو کیا جلال ہے کیا احتشام ہے

عربن: خدا جانے کیا پڑھ رہے ہیں ہماری سمجھ ہی میں یہ زبان نہیں آتی۔

شہزادی: تم سے تو عربی میں خوب گفتگو ہوتی ہے۔ تم اپنے طور پر سب باتیں دریافت کر لو۔ اور انھیں کی سی کہو۔

عربن: حضور میں ایسا ہی کرتی۔ مگر وجہ یہ ہوئی کہ ان کی بہکی بہکی باتوں سے ہمیں خوف معلوم ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد نے اُدھر پھر غل مچایا:

مگر اُس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

(ایک روش میں بیٹھ کر گاتے ہوئے کہا):

طلب دُنیا کی کرکے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروئے ہمّتِ مردانہ آتا ہے

شہزادی آزاد کی حالت پر افسوس کی نظر ڈالتی تھی، اور عربن بھی کفِ افسوس ملتی تھی۔ مگر ان کو اس کا خیال اصلا نہ تھا۔ یہ مصروفِ گریہ وزاری تھے۔ آزاد نے اپنی حرکاتِ مجنونانہ سے ثابت کر دیا کہ کسی ایسی توس ابرو پر ان کا دل آیا ہے، جس کی مفارقت ان کو سخت ناگوار اور کمال شاق گزرتی ہے۔

شہزادی: عربن۔ اس نوخیز جوان کی بھی شامت آگئی۔ اب اس کا ستارہ نجت بھی ناساعدت کرنے لگا۔ ہم مجبور ہیں۔

عربن: دو چار روز اور دیکھ لیجیے۔ شاید راہِ راست پر آجائے۔

شہزادی: ایک ہفتے کی مہلت دیتی ہوں۔ اگر سیدھے ڈھرے آیا تو فہوا لمراد ورنہ مجبوری ہے۔ افسوس۔ صد افسوس!۔

عربن: خدا جانے ان بدبختوں کے دلوں میں کیا بات سما جاتی ہے۔

شہزادی: یہ ان کی بدبختی نہیں ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے۔ افسوس سوچی کیا تھی ہو اکیا۔ ایک جوان نے ساری عمر کا مزہ کر کرا کر دیا۔

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہان گشت از نظر
یک لحظہ غافل چون شدم صد سالہ راہم دور شد

کجا پولینڈ کجا یہ کہسار مگر از ماست کہ بر ماست حیف صد حیف۔

عربن: کوئی دل کا تسکین دینے والا نہ ملا۔ جو ملا دشمن جان ہی ملا۔

شہزادی: اس دنیا میں اور سب چیزیں ہیں۔ نہیں ہے تو آدم زاد:

انچہ بر جستیم وکم دیدیم وبسیار ست نیست
نیست جز آدم درین عالم کہ بسیار ست نیست

آدمی ہی نہیں ملتا اور سب ملتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد اُسی دُھن اور اُدھیڑ بُن میں تھے۔ ان کو اس گفتگو اور اس تقریر سے واسطہ نہ تھا۔ وہ اُسی مقام پر بیٹھے ہوئے بک رہے تھے۔

جراحت رازِ عشق است این رقم نیست
صدائے تیغ می آید قلم نیست

اللہ باقی وَالکُلّ فانی۔ اللہ باقی والکلّ فانی۔

عربن نے آزاد کو پھر سمجھانا شروع کیا۔ اے جوانِ رعنا۔ افسوس ہے کہ تیری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اب تو چند ہی روز کا مہمان ہے۔ آزاد نے کہا۔

بر امیدِ وعدۂ وصلِ تو ہے جانِ جہاں — شوق اگر مانند چنیں مشکل کہ نتوان زیستن
گو بیاد شواری جان کنندم راور نگر — آنکہ یندارد کہ بے یار ست آسان زیستن

عربن کو بے اختیار ہنسی آئی۔ کہا بس تو جان دے گا۔ ہائے ستم وائے ستم تیری قضا ہی آگئی ہے۔ اب اس کو ہم کیا کریں۔ آزاد نے اس کا جواب بھی نظم میں دیا۔

صیّاد نے تسلّیِ بُلبُل کے واسطے
کُنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

ہم کو کوئی دیوانہ سمجھی ہو یا آخر سمجھی کیا ہو۔ بتا تو دو۔

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو — آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو
رُخ سے جو نقاب اپنے وہ آئینہ رو اُلٹے — حیران ہو بہ نجوہ دہو سکتا سا ہو محفل کو
جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے — محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

یہ بے تکی اُڑا کر آزاد پاشا اُٹھے، مگر قدم نہیں اُٹھتا تھا۔ بہزار خرابی دو قدم چلے اور رُک گئے۔ عربن نے ان کی حالت زار پر افسوس کیا۔ آزاد نے رونا شروع کیا تو آدھ گھنٹے کامل تک آنسوؤں کا تار بندھا رہا۔

اشکم برون می افگنند رازِ درونِ دیدہ را
آرمے شکایت ہا بود از خانہ بیرون رفتہ را

حسن آرا۔ پیاری حُسن آرا۔ ہائے اس کوہ وحشت زا میں تجھے کہاں ڈھونڈوں۔ کہاں تلاش کروں۔

دست من گیر کہ آن دست نماند ست کہ من
سالہا در غمِ ہجران تو بہ سر زدہ ام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ کیا معلوم تھا کہ ہم قید ہو کر اس مصیبت میں پڑیں گے وہ تیغ نگاہ یاد آتی ہے۔

تیز ہر دم کرتی ہے تیغِ نگاہ یار کو
چشم کی گردش ہوئی ہے سان اس تلوار کو

یہ کافر مجھ پر ستم ڈھاتی ہے۔ غضب کا سامنا ہے۔ بڑا ظلم ہے۔

رتبۂ اعلیٰ میں ظالم ترک کر دیتے ہیں ظلم
پانوں سے کاہش نہیں خارِ سرِ دیوار کو
ہے یہ ناساز طبیعت ہجر میں سازِ نشاط
نبض پہچان جانتا ہوں ساز کے ہر تار کو

ہائے حسن آرا۔ کہاں بھیجا۔ اس وقت سپہر آرا کی باتیں یاد آتی ہیں، تو کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ یہ کیا ستم برپا ہوا۔ غضب کا سامنا ہے۔ بڑی مصیبت پڑی ہے۔

دیوانہ ہے دل یار تری جلوہ گری کا
مشتاق نہایت ہی یہ شیشہ ہے پری کا

پولینڈ کی شہزادی نے جب آزاد کی یہ گریہ وزاری اور بے قراری دیکھی تو عربن سے بُلا کر کہا تم آخری مرتبہ اس قدر دریافت کر لو کہ ہمارے حکم کی تعمیل کریں گے یا نہیں؟ یہ بھی اطلاع دو کہ اگر تعمیل حکم نہ کی تو مبتلائے بلا ہوں گے۔ عربن نے کہا۔ بیوی جانے کو تو جاتی ہوں، مگر خیر نہیں نظر آتی۔ وہ بڑا سنگ دل آدمی ہے۔ کسی کا کہنا نہ مانے گا کوئی لاکھ سمجھائے، وہ اپنی ہی سی کرے گا۔ یہ کہہ کر عربن آزاد کے پاس آئی۔ کہا اور یوں ہم کلام ہوئی۔

عربن: حضور نے بھیجا ہے۔ ذرا آدمی بنو تو کہوں۔ سُنتے بھی ہو کچھ۔

آزاد: کان ہیں مگر قوت سامعہ نہیں۔ آنکھ ہے مگر قوت باصرہ نہیں۔

عربن: ہائے ہائے کیسا جوان خوبصورت خوش وضع۔ تربیت یافتہ ہے، اور کس مصیبت میں گرفتار ہوا۔

آزاد: چاہے جو ہو۔ اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ ع۔ ہر چہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم؛

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستان ہے

عربن: آخری سوال یہ ہے کہ کہنا مانو گے یا نہیں اگر مانو تو خیر ورنہ بُھگتو گے۔

آزاد: بلا سے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمیدان صاحب کی کارستانی

چُنیا بیگم کے عاشق خستہ جان، میاں خواجہ بدیع الزماں علیہ الرحمتہ وُالغفران روم کی فوجِ ظفر موج کے پڑاؤ میں گھوڑے بیچ کر غافل سو رہے تھے۔ رات اس طرح کی تیرہ و تار کہ الامان۔ تاریکی کیا تیرہ درونوں کے دل کا سویدا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس زور سے چلتے تھے کہ روح لرز جاتی تھی۔ قلعہ کی فوج دیدبانی کرتی تھی اور آدمیوں کے بیڑے میں سب مست مارے سوتے تھے کہ دفعتہً فوج روس سے آوازِ کوسِ جنگ بلند ہوئی اور بانگ جرس نے ہراول کو اطلاع دی کہ غنیم آمادۂ پیکار ہے۔ فوراً بیڑے میں خبر کر دی گئی۔ اور ادِھر بھی بگُل بجنے لگا۔ خوجی سخت گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ استعجاب تھا کہ یا الٰہی یہ صدائے بیہودہ کہاں سے آنے لگی۔

اس آوازۂ ناخوش آیند، اور فوج کی ہل چل سے خواجہ صاحب (سابق کمیدان وگلے والی پلٹن) کی نیند میں خلل پڑا (اوگیدی خبردار) کہہ کر اُٹھ بیٹھے، اور ڈپٹ کر پوچھا۔ این چہ واقع شدہ بابا۔ از من بدیعا بگو کہ چہ تباہی بر لشکر آمد و چہ شد۔ ترک اُس وقت کمر کس کر لیس ہو گئے، اور دونوں طرف سے فوج آراستہ ہوئی۔ دریا کے ادِھر رومی، اور اُدھر روسی، مگر دریا خشک ہو گیا تھا صرف بیچ میں دو قدِ آدم پانی تھا۔ طرفین سے نعرے بلند ہوئے۔

یکے گفت ہوئی دوگر گفت ہان
برآورد سرہائی ہوئی از جہان

خوجی نے دریا کی صورت دیکھی تو کانپ اُٹھے۔ کہا اے دریائے بے رحم و ژرف اگر خشکی کی لڑائی ہوتی تو خواجہ بدیع بھی آج جوہر دکھاتا۔ وگلے والی پلٹن کا کمیدان ہوں یا نہیں۔ کیا دل لگی مقرر کی ہے۔ خوجی باگ ہے روسی غراب ہیں۔ وہ زاغ و زغن ہم عُقاب ہیں۔ وہ روباہ مکار۔ ہم پیل شیر شکار۔ وہ مار تو ہم طاؤس۔ وہ اسفندیار تو ہم کیکاؤس۔ (واہ) وہ اور خواجہ بدیع کے مقابل میں صف آرا ہوں۔ وہ اور مجھ سے شیر زیاں سے عہدہ برآ ہوں۔

ع۔ این خیال است و محال است و جنون

اتنے میں رن میتا بیں بجلی کی طرح کوندنے لگیں اور اُن کے چمکتے ہی ظلمتِ شب کافور ہو گئی۔ روسیوں نے دیکھا کہ آنروے دریائے زخّار غنیم کی فوجِ جرار مع سامان حرب بڑے کر و فر سے آراستہ ہے، بعض سوار ہاتھ ملنے لگے کہ اب غضب ہو گیا، کوچۂ گریز تنگ بند ہو جائیں گے۔ ضرور مُنہ کی کھائیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گے۔ مگر افسر کمانیر نے ختلی فولاد لعل کو کڑکڑا کر فوج سے کہا کہ اے غازیان جرأت نشان یہی وقت آزمائش و امتحان ہے۔ خوب دل کھول کر لڑو اور جی کڑا کر کے قدم جماؤ۔ خدا نے چاہا تو بیڑا پار ہے۔ ان کے بعد اپیلطین (اپیلٹن) پاشا نے کہا۔ ہاں مردانِ وغا پسند۔ دیکھو دروازہ ہائے جنان تمہارے لئے کھلے ہیں۔ رضوان استقبال کو آیا ہے۔ مردانہ وار غنیم روسیہ سے مقابلہ کرو۔ فوج سے نعرہ بلند ہوا اور خوجی نے باآواز بلند اظہارِ حال کیا۔ اے روسیانِ تندخو میری تیغ خون آشام سے ڈرو۔ عین قلب فوج میں داخل ہو کر ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔ میری گرد تک کو نہ پاؤ گے۔ تم اور مجھے گرفتار کرو!

ع۔ این خیال است و محال است و جنون

اوگیدی۔ ہم پھنسنے والا نہیں ہے۔ پھنسا کیا دل لگی ہے:

عنان باز کش زین تمنائے خام
کہ سیمرغ را کس نسیار د بدام

یوں تو سب افسر اور سپاہی' اور سوار' اور گولہ انداز' اور نیزہ زن کے دل امنگوں پر تھے مگر خواجہ بدیع الزماں صاحب سب سے زیادہ للکارتے تھے کہ اے گیدیانِ خر اگر دریا اس وقت مثلِ دماغِ مَن بدیعا خشک ہو جائے تو پھر مزہ دکھلاؤں۔ بدیعا کی تیغ الماس گون چمکتے ہی صفوں کی صفیں کاٹ ڈالے۔ خواجہ صاحب نے کتنی برجستہ اور عمدہ تشبیہ دی ہے۔ "دریا مثلِ دماغ خشک ہو جائے۔" شکر ہے کہ اپنے دماغ کی خشکی کے قائل ہیں۔

گولہ چلنے لگا۔ ترکوں کی طرف سے ایک انجینئر نے جو فرانس میں بیس برس تک تعلیمِ فن انجینئری پا چکا تھا' اور انجینئروں سے مشورہ کیا۔ آدھ میل کے فاصلے پر خفیہ طور پر کشتیوں کا پل باندھنا چاہیئے۔ روسی اس مقامِ بیگانہ پر سب سے پہلے آئے تھے۔ بیشتر آنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ اس حصہ ملک کی حالت اور دریا کے طول عرض اور مختلف امور سے جو جغرافیہ کے متعلق ہیں۔ اصلا آگاہ نہ تھے۔ اور ترکی کئی ہفتے سے مقیم تھے۔ انجینئروں میں باہم سکوٹ ہونے لگی۔ سداد پاشا انجینئر کامل فن نے حکم دیا کہ پہلے دس بارہ سوار دریا کے کنارے کنارے آدھ کوس تک جا کر دیکھیں کہ روسیوں کا لشکر کس کس مقام پر ہے۔ چنانچہ بارہ سوار روانہ ہوئے' اور فوراً واپس آن کر بیان کیا کہ ایک کوس تک روسیوں کا نام ونشان نہیں ہے۔ ادھر ایک رومی پیراک کئی غوطے لگا کر آندے دریا پہونچا اور نہایت ہوشیاری سے کل لشکر روس میں سیر کر کے واپس آیا۔ اُس نے حالات فوج غنیم بیان کیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ لشکر صرف سامنے ہی صف آرا ہے۔ کئی ہزار سوار اور کئی ہزار پیادے اُس کی کمک کے لئے عقب میں موجود ہیں۔ مگر دریا کے کنارے پر مقیم نہیں ہیں۔ دریا کا کنارہ خالی ہے۔ اگر کوئی استاد مسلم الثبوت انجنیئر پل تیار کرے تو روسیوں کے فرشتے خان کو خبر نہ ہو۔

سداد پاشا نے پُل بنانے کا انتظام کیا۔ اس مقام سے ڈیڑھ کوس پر پینتیس کشتیاں موجود تھیں۔ حکم دیا گیا کہ فوراً اس مقام پر آئیں۔ اُسی دم دو سوار کڑ کڑاتے ہوئے آئے۔ اُن میں سے ایک خوجی تھے۔ خوجی۔ پینتیس کشتیاں یہاں سے آدھ کوس پر مستعد ہیں۔ میں سوچا کہ جب تک سوار تمہارے پاس پہونچیں گے اور تم حکم دوگے کہ کشتیاں آئیں، تب تک خدا جانے یہاں کیا ہو جائے۔ لہذا ایک سوار کو لے کر معاً کشتیوں کو اُدھر لے آیا۔ کمانیر نے خواجہ صاحب کی پیٹھ ٹھوکی اور کہا شاباش اس وقت بڑا کارِ نمایاں کر دیا۔ خوجی اکڑ گئے۔ اجی ہم جنگ آزما صف شکن سپہ سالار روئے تن ہیں۔ کچھ ایسے ویسے نہیں ہو نہہ! اور آج ہم دکھا دیں گے کہ ہم کون ہیں رخدا نے چاہا تو نشان کا جھنڈا اور اُس کا پھر ہرا فوراً چھین لوں۔ ایسے ویسے نہیں ہیں این جانب

بہ بندیم بر دشمنان راہ را

بخاک اندر آریم بدخواہ را

ایک ایک کو چُن چُن کے ماروں۔ انشاء اللہ۔ (روسیوں کی فوج کی طرف مخاطب ہو کر) اے گیدیان آج مقابلہ ہے۔ اور پیراک نے آن کر فوج عظیم کا حال بیان کیا۔ اُدھر انجنیئروں نے پھرتی کے ساتھ کشتی کے پُل باندھنے کا انتظام کیا۔ فوج گوبوں کا جواب دینی جاتی تھی۔ جب پُل تیار ہو گیا تو افسر کمانیر نے چند سوار بسر کردگی اسد پاشا اُس پار بھیجے مگر نہایت پوشیدہ طور سے۔ خواجہ بدیع الزماں بھی اس کالم کے ہمراہ تھے، پُل کے وسط میں پہونچ کر ایک دفعہ غُل مچایا۔ او گیدی ہم آن پہونچے۔ ترکوں نے ان کا منھ دبایا اور کہا چُپ۔ ارے کمبخت آواز نہ نکال۔ خاموش رہ۔ خواجہ صاحب (آہستہ سے) اچھا اچھا میں سمجھا۔ کوئی پاگل یا گاودی تو ہوں نہیں مگر بحر جرأت جوش زن ہے۔ آج ان گیدیوں کو نیچا دکھاؤں گا۔ سواروں نے پھر سمجھایا ذرا خاموش رہیے۔ اتفاق سے ایک سوار نے کہا۔ کھوپڑی شریف چلے چلو چُپ چاپ۔ یہ سُننا تھا کہ خواجہ صاحب آگ ہو گئے۔ او گیدی! لانا قرولی۔ لانا قرابینچہ۔ (اور غُل مچا کر) لانا قرابینچہ اس بار روسیوں نے یہ آواز سُنی، مگر دور کی آواز آتی تھی۔ سمجھے کہ کوئی جانور ہے۔ خوف معلوم ہوا کہ مبادا آ کے کھا جائیں۔ کئی بار پُکارا مگر جواب ندارد۔ روسیوں تک آواز نہ گئی اور اتنے میں ترکی کالم اُس پار آ گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی : خاموش خاموش یاراں خاموش۔ بالکل سکوت مار لیا ہے۔ سوار نے کہا ایسی منھ کی کھائیں گے کہ جس کا حق ہے۔ انشاء اللہ آج کامل فتح نصیب ہوگی۔ افسر کمانیر نے اور ایک کالم بھی بھیجا۔ وہ بھی داخل منزل مقصود ہوا۔ مگر شب کی تیرگی نے ترکوں کو بڑا فائدہ بخشا۔ روسی مصروف جنگ تھے۔ ان کو یہ کیا خبر تھی کہ ترکی کیا کارروائی کر رہے ہیں۔

خوجی : آؤ ہم اور دو چار سوار آگے بڑھ کر دیکھیں تو کیا ہو رہا ہے۔

راوی : آج تو خواجہ صاحب آمد کی لینے لگے۔ دریا کا خوف نہ قتل کا ڈر۔ ماشاء اللہ کیوں نہ ہو۔ واہ خواجہ صاحب واہ۔ خاک ہندوستان ہے۔

سوار : چلو۔ مگر زمین دوز ہو کر چلنا ہوگا۔ چاپ نہ ظاہر ہونے پائے۔

خوجی : ہونھ۔ اجی ہم ڈگلے والی پلٹن کے کمیدان تھے۔ سپاہی آدمی ہیں کچھ ایسے تو ہیں نہیں۔

سوار : مگر کہیں آپ غُل نہ مچائیں کہ پھر لینے کے دینے پڑیں۔

خوجی : اے لاحول۔ ایسی بات ہے بھلا۔ کیا مجال:

من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندۂ بارگاہ سلطانیم

ہم اور غُل مچائیں۔ اے لاحول ولاقوۃ۔ کیا مجال۔

خواجہ صاحب تین چار ترکوں کو ساتھ لے کر دریا کے کنارے کنارے گھٹنوں کے بھل چلے تھوڑی دور نکل کر دیکھا کہ کئی آدمی بے حس و حرکت پڑے سسک رہے ہیں، پہلے خوجی سمجھے کہ بھتنے ہیں آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ترکی بھی کسی قدر جھجکے مگر اس وقت تو خواجہ صاحب ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ تلوار میان سے نکال کر جھپٹے اور غُل مچا کر کہا۔ او گیدی۔ صرف اسی قدر کہہ چکے تھے کہ ساتھیوں نے سمجھایا۔ از برائے خدا! غُل نہ مچاؤ۔ خواجہ صاحب نے کُل زخمیوں کو جو بیکسی کی حالت میں پڑے تھے کاٹ کے پھینک دیا۔ مگر حیرت تھی کہ زخمیوں کو اس قدر فاصلے پر کیوں جگہ دی۔ تھوڑی دیر تک خوجی اور اُن کے ہمراہی بیٹھے جنگ کا ڈھنگ دیکھا کیے۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ فوج روس تھک گئی اور حکم دیا کہ اور فوج کمک کو آئے تو فوراً اپنے لشکر میں آئے۔ اس عرصے میں ترکوں کے کئی ہزار آدمی مع سامان حرب این روئے دریا عبور کر آئے تھے، لیکن افسر کمانیر کو مناسب معلوم ہوا کہ ابھی کئی گھنٹے تک حملہ نہ کیا جائے۔ اس اثنا میں خواجہ صاحب روم کی سلطنت کے حالات ایک پاشا سے دریافت کرنے لگے۔ جو ایرانی زبان بول سکتے تھے۔ پاشا نے کہا آج کل ہمارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بحری سپہ سالار آلفرڈ پاشا ہے۔ یہ انگریز ہے۔ خاص لندن کا باشندہ۔ اور ایک سلطنت یورپ کی فوج بحری میں میجر ہیں۔ سلطان المعظم نے ان کو انسپکٹر جنرل افواج بحری مقرر فرمایا ہے۔ ارل کے لڑکے ہیں۔ ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش کے روز نیں مقام پر بحر پاسفک میں طوفان آیا تھا اور ایک جہاز بحر عرب کے پہاڑوں سے ٹکرایا تھا۔ ان کے باپ کو جب ان حادثوں کی خبر ہوئی تو خوش ہو کر کہا کہ یہ لڑکا بڑا نام کرے گا۔ بحری فوج میں اپنی آپ نظیر ہوگا۔ بڑھ کر یہ لڑکا بڑا ہونہار ہوا اور شاہی فوج بحری میں اس کا نام لکھوایا گیا لڑکپن ہی کے زمانے سے:

بالائے سرش زہوشمندی

می تاخت ستارۂ بلندی

۱۹ برس کے سن میں اس پر کالۂ آتش نے ایک جہاز کا تعاقب کیا جس میں چوکو نامی ایک چینی ڈاکو سوار تھا جو کئی یوروپین کی مدد سے لوٹ مار کیا کرتا تھا۔ اس نامی گرامی ڈاکو نے صدہا آدمیوں کو لوٹ لیا تھا۔ پچاسوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا تھا۔ کئی بار کوشش کی گئی کہ اس کو گرفتار کریں مگر اُس نے ہمیشہ زک دی۔ کبھی ہاتھ نہ آیا۔ آخر الفراڈ پاشا نے اُس کو نیچا دکھایا۔ وزیر جنگ نے جب اس معاملے کی خبر پائی تو الفراڈ پاشا کو بُلا کر تمغہ دیا اور کہا کہ تم دار السلطنت میں رہو۔ ہفتے میں ایک بار مجھ سے ضرور ملا کرو۔ جب ان کے خاص وطن میں امن و امان کا ڈنکا بجنے لگا اور جنگِ بحری کی کئی سال تک نوبت نہ آئی تو یہ گھبرانے لگے۔ ان کا جوش و خروش اسی کا مقتضی تھا کہ لڑتے بھڑتے رہیں۔ ایک مقام پر خالی خولی بیٹھنا وضع کے خلاف تھا۔ ناچار وطن چھوڑ کر یورپ کی سیر کی اور ترکی کو اپنے حوصلے کے قابل موزوں پا کر یہاں نوکری کر لی۔ اب ان کو اپنی لیاقت کے جوہر دکھانے کا خوب موقع ملا۔ پہلے گورنمنٹ عثمانیہ نے ان کو ایک نہایت ہی نازک کام سپرد کیا۔ ان کو جزیرہ کریٹ کی طرف روانہ کیا کہ ساحلِ جزیرۂ مذکور کو ڈاکوؤں سے صاف کر دیں، اس جزیرہ کے ڈاکو کسی کی اصل و حقیقت نہیں سمجھتے تھے، اور جزیرے میں غدر عام تھا۔ اعلیٰ حضرت سلطان وقت کے دشمن تھے۔ الفرڈ پاشا خوب جانتے تھے کہ اُن کے سپرد بڑا نازک کام ہے۔ جس کا انجام کو پہونچانا سخت مشکل ہے، مگر چار ناچار جانا پڑا۔ وہاں جا کر اُنھوں نے تین بڑے مشہور ڈاکو گرفتار کیے۔ اور دو مہینے کے عرصے میں ساحل کو بالکل صاف کر دیا۔ حضرت سلطان المعظم نے بکمال قدردانی ان کو ایک شمشیر بُران عطا کی، درجہ بڑھایا۔ ایک اور موقع پر اُنھوں نے اپنے کمالِ فن سے ایسی جنگ عظیم روک دی جو تمام یورپ میں آتشِ غدر و فساد مشتعل کر دیتی۔ جرمنی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرانس، انگلستان، اطالیہ، اسٹریا، اور روس کے اخباروں نے اس موقع پر اِن کی بڑی تعریف کی جس کے وہ مستحق تھے۔

خواجہ صاحب نے دریافت کیا کہ مانٹی نیگرو کہاں ہے، جس کا ذکر اکثر سُننے میں آیا ہے۔ پاشا نے یوں بیان کیا۔ یہ ایک کوہستانی مقام ہے۔ بھورے رنگ کے درخت اس پہاڑ کی چوٹی پر کثرت سے ہیں۔ ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ زمین کا ایک چپّہ ۵۰ میل طُول اور کوئی ۳۰ میل عرض۔ اِس میں تین سو گاوں کے قریب ہیں مگر آباد کم۔ بڑے سے بڑے گانوں میں بارہ سو سے زیادہ آدمی نہیں بستے۔ یہ مواضع پہاڑ پر واقع ہیں۔ کچھ دامنِ کوہ میں کچھ کمرِ کوہ میں کچھ قلّہ کوہ کے قریب۔ مکانات بہت دور دور واقع ہیں۔ سڑک اور بازار کا کہیں نام ہی نہیں۔ زراعت اس ملک میں ترقی نہیں پا سکتی۔ زمین بدرجۂ غایت خراب ہے۔ آلو کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندوں کا خاص پیشہ بندوق، تلوار اور پستول بنانا اور اُن کی مرمّت کرنا ہے۔

اس ملک کے باشندے اپنے کو رانا کارزی کہتے ہیں۔ ایک لاکھ آدمی سے زیادہ کی آبادی نہیں ہے۔ ہر دم و ہر لحظہ مسلّح رہتے ہیں، اور ساری خدا کی نعمتوں پر جنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں جس سچّی خوشی سے یہ لوگ لڑتے ہیں، ساری خدائی میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں اُن کا مقابلہ کر سکے۔ بھوکوں مریں مگر جنگ سے نہ سیر ہوں۔ اِن کے لڑکے بالے بچّے مال متاع سب چھن جائے مگر جنگ ہو۔ اس قوم کو آج تک کوئی فتح نہ کر سکا۔ چاہے کیسا ہی امن کا زمانہ ہو، اِن کے پاس پستول رِیفل اور تلوار ضرور ہوگی۔ جس طرح دل بہلانے کے لیے لوگ گنجفہ شطرنج کرکٹ کھیلتے ہیں اس طرح یہ لوگ وقتِ فرصت نشانہ بازی سے دل بہلاتے ہیں۔ بندوق اُٹھائی اور دائیں دائیں نشانے لگانے شروع کیے۔ ذرا ذرا سے بچّے ایسا نشانہ لگاتے ہیں کہ جسے دیکھیے قادر انداز۔ کھانے کو دو دن نہ ملے کچھ پروا نہیں۔ پیاسے رہیں کچھ مضائقہ نہیں۔ چاہے جیسی کڑی پڑے جھیل لے جائیں گے۔ اُف نہ کریں گے۔ پہاڑ پر چڑھنا کوئی اِن سے سیکھے۔ ان کے مقامات اس طرح پر واقع ہوئے ہیں کہ دس بارہ چاہیں تو ایک لشکر کو روک دیں۔ ایک بات ان لوگوں میں قابلِ قدر و تعریف ہے کہ چاہے جانی دُشمن ہی کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ وقتِ جنگ بیرونی باہمی عناد کو بھول نہ جائیں۔ باہم چاہے کیسا ہی رنج ہو مگر غیر سے جب معرکہ پڑے گا سب شیر و شکر ہو جائیں گے۔ افسروں کے حکم کی تعمیل کو ذریعۂ حصول سعادت سمجھتے ہیں۔ جنگ میں مقتول ہونا ان کے نزدیک بڑے فخر کی بات ہے۔ جو شخص جنگ میں قتل ہوتے ہیں اِن کے اعزّہ و اقربا تک کی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ فلاں جری آدمی کی بیوی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے جو جنگ میں کام آیا تھا۔ یہ فلاں جواں مرد کا لڑکا ہے جس نے اپنے ملک کی عزت بچانے کے لیے اپنی جان شیریں جہاں آفریں کے سپرد کی۔ انگلیاں اُٹھنے لگتی ہیں، ایک نئی اور انوکھی بات ان میں یہ ہے کہ اگر ان کی فوج کا کوئی آدمی سخت زخمی ہوا تو یہ خود اُس کو مار ڈالیں گے۔ لیکن اِن کے پھندے میں پھنس گیے تو معافی کی درخواست نہ کریں گے کہ خدا نہ کرے کہ غنیم کا کوئی سپاہی مانٹی نیگرو کے ہاتھ آئے۔ بڑی بے رحمی سے قتل کرتے ہیں۔ ہاں اگر لڑتے لڑتے معافی کی درخواست کرے تو اُس کو اپنے بھائی کی طرح رکھیں۔ میدان میں جس وقت جاتے ہیں تھوڑی سی برانڈی ساتھ رکھ لیتے ہیں۔ آلات حرب اور کسی قدر روٹی پنیر یہ اشیا بھی ضرور ساتھ ہوں گی۔ لڑنے کا قاعدہ عموماً یہ ہے کہ اگر ان کے پاس فوج کثرت سے ہوئی تو پہاڑ کے غاروں میں چھپ رہتے ہیں۔ اور پہلے چند قادر انداز باہر بھیجتے ہیں۔ غنیم نے دیکھا کہ معدودے چند ہیں۔ فوراً جھپٹے تعاقب کیا۔ بس تعاقب کیا اور کمین گاہ سے حریف نکل پڑے، پھر کیا تھا گھیر کے مار لیا۔ ایسے موقع پر تلوار سے لڑتے ہیں۔ بندوق استعمال میں نہیں لاتے۔ مانٹی نیگرو کے باشندے اکثر لیٹ کر بندوق سر کرتے ہیں۔ غنیم کا نشانہ خالی جاتا ہے، لیکن ان لوگوں کا نشانہ تیر بہدف نہ ہو تو اپنے کو خود گولی مار دیں۔ یہ قوم ہمیشہ سے آزاد ہے۔ اِن کا ملک اس طرح پر واقع ہوا ہے کہ غنیم کو گزرنے میں سخت مصیبت پڑتی ہے۔ خواجہ صاحب کو یہ بیان پسند آیا۔ سوچے کہ بعد فتح تاریخ روم لکھیں گے۔ دُور کی سوجھی مگر فارسی زبان میں لکھیے، اور جا بجا اشعار ضرور ہوں۔ واقعی خواجہ صاحب کی تالیف لطیف قابل دید ہوگی۔

خوجی نے بلغارستان کا حال دریافت کیا۔ پاشا نے کہا بلغارستان کے شمال میں دریائے ڈینیوب موجزن ہے، اور مشرق میں بحر اسود۔ اور جنوب میں کوہِ بلقان، مغرب میں سرویہ۔ نہایت زرخیز و سبز و شاداب مقام ہے۔ دریائے ڈینیوب نے اس صوبے کو رشک گلزار بنا دیا ہے۔ اِس کے پہاڑوں کے جنگل بھی سرسبز ہیں۔ عمدہ عمدہ فواکہ اور لذائذ کثرت سے ہیں۔ گفتگو ہوتی ہی تھی کہ افسر کمانیر نے حملے کا حکم دیا۔

ترکوں کا ایک کالم دفعتہً فوج غنیم پر حملہ آور ہوا۔ روسی ادھر ترکوں سے لڑ رہے تھے۔ اِس کالم نے اُن کے ہوش اڑا دیئے۔

سوارانِ ترک نے اشہب آہو شکار سُبک عناں کیے۔ اُسی دم ایک مسجد سے اذان کی صدا آئی۔ موذن نے آوازِ تکبیر بلند کی۔ اور جوانانِ روئیں تن سینوں کو تانے، باگ اُٹھائے در آتے چلے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جاتے تھے۔ اِدھر روس کی سپاہ جرّار اُدھر روم کی فوج کرّار۔ اُدھر روسیوں کے سمند سندان جگر اِدھر ترکوں کے کمیت ضرغام پر بڑھے۔

گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی داں تھے
پُتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
وہاں تھے جو سبکرو تو ادھر گرم عناں تھے
مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
ہوسکتی تھی مچھلی سے یہ سُرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سَن سے

اب سُنیے کہ ایک مقام پر کسی زمانے میں سلاطین روم نے نہر کاٹنے کی فکر کی تھی۔ نہایت عمیق نہر کھودی گئی تھی اُس نہر میں پانی بھرا ہوا تھا مگر نہر اس قدر تنگ کہ گھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ آمنے سامنے اِدھر رومی اُدھر روسی صف بستہ کھڑے ہوئے اور بندوق چلنے لگی۔ دائیں۔ دائیں۔ دائیں۔ دائیں۔ روسی چونکھے لڑتے تھے اور ترکی دو جانب سے کچھ فوج آنروے دریا تھی، کچھ فوج این روئے دریا۔ اس شبخوں سے روسی گھبرا اُٹھے۔ خون خشک ہوگیا، اور اپنے اوپر نفرین بھیجنے لگے کہ یہ کیا حماقت سرزد ہوئی۔ غنیم کلّے برآں موجود ہوا اور ہم بالکل غافل رہے۔ مصلحتِ وقت سمجھ کر روسیوں نے ٹھان لی کہ بھاگ چلیں۔ افسروں میں باہم مشورہ ہونے لگا۔

ایک: ایک تو سامنے والے کالم کا مقابلہ ہے۔ دوسرے یہ بغلی گھونسار۔

دوسرا: اب مصلحت اسی میں ہے کہ ایک دم سے بھاگ چلیں۔ بس۔

تیسرا: دفعتاً بھاگنے میں آدمی زیادہ ضائع ہوں گے۔

چوتھا: اور یوں کیا بچ جائیں گے۔ فوراً باگ موڑ دینا لازم ہے:

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

پانچواں: ع۔ صلاح ما ہمہ آنست گان صلاح شماست۔

یہی بہتر تدبیر ہے:

من نگویم کہ این مکن آن کن
مصلحت بین و کار آسان کن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب کی رائے یہی قرار پائی کہ بھاگ کھڑے ہوں۔ اس وقت گویوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ مگر روس کے دو افسرانِ اعلیٰ بہ کمال استقلال کھڑے چہرٹ پی رہے تھے۔ فوراً بھاگنے کا حکم ہوا اور روسی سواروں نے گھوڑے اصولِ قواعد سے پھیرے کہ دفعتہً خوجی نے گھوڑے کو ایڑ دی تو گھوڑا چاروں پتلیوں سے اُس نہر کے پار تھا۔ نہر عمیق زیادہ تھی مگر عرض بہت کم تھا۔ ترکوں کی فوج سے نعرۂ سُبحان اللہ بلند ہوا اور خوجی نے بھاگتے سواروں میں سے سات آدمیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ کسی کا ہاتھ کٹ کے گرا۔ کسی کا سر۔ کسی کے پانوں۔ کسی کا دھڑ۔ ترکوں نے پھر نعرہ مارا۔ سوارانِ روس بھاگتے تو تھے ہی اُنھوں نے پیچھے پھر کے بھی نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے، اور اُدھر خواجہ صاحب تعریف کے نعرے سُن کر ایسے خوش ہوئے کہ پرے میں گھس گئے۔ اور گلگون خوش خرام کو پھیر کر تلوار پھینکنے لگے:

غارت تھی وہ صف جس سے دغا کر کے پھری وہ
دو ہاتھ میں سو سو کو فنا کر کے پھری وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھری وہ
ہر غول پہ اک حشر بپا کر کے پھری وہ
غُل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم جم نہیں سکتے

اللہ اللہ۔ یہ وہی خواجہ بدیع الزماں ہیں۔ شاباش۔

ع۔ این کار از آید و مردان چنین کنند۔
ع۔ آفرین باد برین ہمتِ مردانہ تو۔

روسی سواروں نے دم کے دم میں میدان خالی کر دیا: ترکوں نے سامانِ رسد اور گولہ بارود اور تین توپیں لوٹ لیں۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ خواجہ بدیع الزماں صاحب کے نام فتح لکھی گئی۔ حضرت خواجہ بدیع الزماں کے دماغ عرش پر تھے اور کیوں نہ ہوتے کارِ نمایاں سرزد ہوا تھا۔ اس وقت قطع شریف دیکھنے کے قابل تھی۔ اکڑے کھڑے تھے بررے ہی جاتے تھے۔ بل پر بل دکھاتے تھے۔ حکم دیا کہ جنرل فوج سے کہو آج ہم اُن کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ اُنھوں نے کہا بسرو چشم منظور۔ کھانا کھانے بیٹھے تو مُنہ بنایا۔ واہ۔ معقول۔ اتنے بڑے سپہ سالار اور یہ غذا۔ مربّا نہ مزعفر نہ میٹھے چاول نہ فرنی۔ مگر خیر قہر درویش بر جان درویش۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھانا کھاتے وقت اپنی جواں مردی اور شیر دلی کی مدحت سرائی کرنے لگے۔ واللہ ایک ایک لعین کا زہرہ آب آب کر دیا۔ خواجہ بدیع ہیں کہ باتیں۔ نام سنا اور غنیم کے سینے میں جگر لرزنے لگا۔ واہ خواجہ بدیع آج تک کسی سے خوجی کی آنکھ جھپکی ہی نہیں۔ غیظ و غضب کے وقت کوئی آنکھ ملا تو لے، کیا تاب کیا مجال کیا طاقت۔ ایسی بات ہے بھلا۔ خدا کا مقبول بندہ ہوں۔ علی کا غلام ہوں۔ غلام علی بس اس فیض سے:

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب
پنجے میں جو جکڑوں نہ چھٹے گردن سہراب

ہمارا وار کوئی سرِ میدان روک لے تو جانیں کہ بڑا جری ہے۔ ہمارے مقابلے میں کسی نے قدم آگے بڑھایا اور ہم نے ضربت شمشیر سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ برسوں مصیبتیں جھیلی ہیں جب جا کے اس قابل ہوئے کہ روسیوں کے لشکر میں یکہ و تنہا بہ یک بینی و دو گوش گھس پڑے اور پیادے کے دو سوار کے چار ٹکڑے کر دیئے۔ ہمیں خوف کس کا ہے۔ ابواب جناں کھلے ہوئے ہیں۔ چاہے یہاں مریں یا قسطنطنیہ میں۔ چاہے دریا کے کنارے بہشت کا دروازہ ہمارے لیے کھلا ہے۔

ع۔ باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے:

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا — جوہر معدن میں دُر صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں کرو دفن اسے — جو عاشق حیدر ہے نجف میں ہوگا

خوجی کی غذا کیا۔ ماشہ بھر کے آدمی۔ غذا بلبل کا چارہ۔ دو نوالے کھائے چھک گئے اور لوگ تو کھاتے رہے مگر یہ سیر ہو گئے تو اکڑ بیٹھے اور بدل بدل یوں کہنا شروع کیا۔ قسم خدائے پاک کی اور قسم حسینؓ کی کہ آج کی سی خوشی کبھی اور تمام عمر نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کی شان میں ملائکہ نورانی نے ما عرفناک حق معرفتک کہا تھا اور اس حسینؓ کی قسم زبان پر لاتا ہوں جس کی شان میں خدائے سخن نے یہ بند موزوں کیا تھا: (انیس)

حور و ملک و خلد و ارم کو ثر و طوبیٰ — سنگ و شجر و کوہ و دُر دگوہر و دریا
خورشید و نجوم و قمر و گنبدِ خضرا — روم و رے و مصر و نجف و یثرب و بطحا
پوچھے جو کوئی کون امام ازلی ہے — سب دین یہ گواہی کہ حسینؓ ابن علی ہے

میں وہی خوجی صاحب ہوں جس کا زہرہ پانی کی چھک دیکھ کر آب آب ہو جاتا تھا اور اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا مگر نہر کے پار اس طرح گیا جیسے جنگل میں چکارہ تڑپ جائے۔ آج میں نے بھی نام کیا۔ غنیم کو تہ شمشیر خون آشام کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہ سالار: ہم نے بحضور وزیر جنگ اس امر کی درخواست کی ہے کہ تم کو اس کارنمایاں کا صلہ عطا کریں۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔

خوجی: اتنا ضرور لکھنا کہ یہ شخص دگلے والی پلٹن کا رسالدار بھی تھا۔

سپہ سالار: مگر ہم تو اس کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ دگلے والی کیا معنی۔

خوجی: شاہی میں ایک بڑی جری اور دلاور پلٹن کا نام تھا۔

سپہ سالار: شاہی کس سے مراد ہے۔ اچھی طرح مطلب سمجھاؤ صاحب۔

خوجی: جان عذاب ہیں۔ یہاں ترکی بول نہیں سکتے۔ ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں، اور یہ ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔ بڑی مشکل آن پڑی ہے، ارے صاحب امجد علیؑ شاہ، واجد علیؑ شاہ کے زمانے کو شاہی زمانہ کہتے ہیں کہ نہیں۔ اودھ کی سلطنت کا حال معلوم ہے یا نہیں معلوم ہے اودھ سے بڑھ کر اور کوئی سلطنت تھی جہاں دس ہزار ابر پیکر ہاتھی جھومتے تھے۔

سپہ سالار: آپ کے مزاج میں وحشت بہت ہے۔ ہم کیا پوچھتے ہیں اور آپ جواب کیا دیتے ہیں بھلا کوئی بات بھی ہے۔

خوجی: ارے صاحب (اودھ۔ اودھ) نام سنا ہے یا نہیں مشہور ملک ہے۔

سپہ سالار: ہم نے نہیں سنا۔ حبش میں ہے۔ یا نئی دنیا میں۔ ہے کہاں۔

خوجی: (اپنے دل میں) نرے جانگلو ہی رہے۔ حبش کی ایک ہی کہی۔ اگر صرف خواجہ بدیع کے چہرے پر نظر ڈالتے تو کہتے کہ کہیں فرنگستان میں ہے۔ حبش کی ایک ہی کہی۔ حبشی ہمارے سے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔

راوی: تو قبلہ سرخی و سفیدی کے یہی معنی ہیں تو ایسی سرخی و سفیدی کو دور ہی سے سلام ہے۔

ع۔ بر عکس نہند نام زنگی کافور

سپہ سالار: ہم نے سفارش کی ہے کہ آپ کو کوئی خطاب ملے۔ ہے پسند؟۔

خوجی: واہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ازیں چہ بہتر مگر چند شرطیں ہیں۔

۱۔ کھوپڑی شریفہ ہم کو کوئی نہ کہے۔ جو کہے اس کو سزائے قتل عمد۔

۲۔ افیم کی روک ٹوک نہ رہے، افیم ضرور گھولیں خواجہ بدیع۔

۳۔ سواری کے لئے ہاتھی ملے۔

۴۔ دنبے کا گوشت روز ملے اور منڈوی قندِ سیاہ کی خبر۔

---

[1] امجد علی شاہ، اودھ کے بادشاہ متوفی ۔ [2] واجد علی شاہ اودھ کے بادشاہ متوفی ۔ یہ امجد علی شاہ کے بیٹے تھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۵۔ بہروپیے بلا تحقیقات خارج از ملک روم تا بہ اقصائے ہندوستان۔
۶۔ کمہار فوراً جلا وطن کر دیئے جائیں، اور کمہارنیں بھی ان کے ساتھ:
۷۔ خوجی کوئی نہ کہے۔ جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب بہادر بدیع۔
۸۔ شعرا ہمارے رسالے میں بھرتی ہوں، اور شعر خوانی ہوا کرے۔

زیر قدم صاحبِ معراج ہوں میں کہتی تھی زمین ہمسرِ عرش آج ہوں میں
طرّہ یہ ہے سب پہ عرش کا تاج ہوں میں آواز لبِ فرش سے ہوتی ہے بلند

سپہ سالار نے کہا شرطِ اوّل منظور۔ دوم بھی قبول۔ سوم لاعلاج۔ ہاتھی یہاں کہاں سے آئیں اور اگر اتنے اونچے سوار ہو جیے گا تو گولا پہلے آپ ہی پر پڑے گا۔ چوتھی شرط سمجھ میں نہ آئی۔ منڈوی کیا۔ پانچویں اور چھٹی شرط لغو ہے۔ قابلِ جرمانہ ساتویں شرط کا ایک حصہ منظور۔ خوجی نہ سہی۔ مگر اتنا بڑا نام نہ لیا جائے گا۔ آٹھویں شرط غیر ممکن ہے۔ خواجہ صاحب نے جھک کر سلام کیا اور کہا چنیا بیگم کی ممانعت نہیں بس یہی غضب ہے۔ خواجہ صاحب نے اس فتح کے بعد آزاد پاشا کے نام ایک اور خط لکھا مگر اپنی ہی زبان میں۔

خط خواجہ بدیع الزماں فتح

بنام نامی

مشفق مہربان آزاد خان

حامداً و مصلیاً۔ اما بعد برمیگو یدار شدک اللہ تعالیٰ امید وار مغفرت ایزد منان خواجہ بدیع الزماں کہ بفضل تنگری (این در رومی زبان خدا را می گو یند) من بدیع کہ بزمان و عہد دولت عہد۔ شاہی کمیدان پلٹن و گلے والی بود بر غنیم زود تتے چند مردان کاری را بشکست نہرے کہ یاد از دہانہ ہائے رود نیل می دارد۔ درمیان من بدیع و لشکر غنیم حائل شد و شب ہائل شد۔ اکنون چہ کنم تو کہ مارا افیون میخوانی اگر در آنوقت بدے ایدون مقابلہ ما و آن معلوم کردمی کہ بچہ طور ادہم صبار فتار ما از چہار پتلی جست نمود و بچہ طور سواروں روس زمین را کہ از ہر یکے از ایشان غضنفر درندہ و ضرغام خشمناک بود از پشت توسن بزمیں آوردم ہماں وقت آسمان از زبانِ حال و سپہ سالار از زبانِ قال گفتہ کہ۔

ع۔ فلک گفت احسن ملک گفت زہ

سپہ سالار مارا گفت کہ تو لائق خطاب ہستی۔ من گفتم کہ ہا بائے ما بشنو کہ من در اسکندریہ پہلوانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راکہ روئیں تن است چت نمودم و من پٹ بدم۔ خلقِ خدا انگشتہا برمیچرند کہ فلاں میرود کہ رستم است سیستانی و اسفند یار ست مقدمۃ الجیش معرکہ نازک میانی۔ میانِ نازک ماقابل ہجونہ۔ چہ کہ شیرانِ شیر باوصف صولت میان نازک دارند:

شکرِ صد شکر کہ این معرکہ سرشد آزاد
چہ بگویم بخدا فتح و ظفر شد آزاد

راوی: اے سبحان اللہ۔

ع۔ ہے سیستان فارسی ہندی لسوڑا سانپ کا

ایک پیادے نے ان کو مصروف تحریر دیکھا تو کہا حضور اس وقت کس کے نام خط لکھ رہے ہیں۔ فرمایا۔ برائے آزاد پاشا کہ افسرِ شما است وایدون، چہ دانم کہ کجاست و آبشخور او چیست

ع۔ من چہ دانم کہ کجامی برد آبشخور ما۔

اَلا اللہ الساقی ادر کاسًا وناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

پھر خط لکھنا شروع کیا۔

الغرض کارے کردہ ام کہ کسی نہ کردہ بود۔ شکر تنگری است برتے از سواران روسی مفرا ہم شکل مغر بنداشتہ از گربز باز آمدند ولیکن از آنجا کہ گریز ناگزیر بود مغرور شدند مگر:

بھاگے جہاں جہاں پہ بزن اور بکٹ ملا
لُٹ پُٹ کے گھر کو آئے تو گھر کا ٹکٹ ملا

خوجی: پاشا جی۔ پاشا جی۔ اجی پاشا جی۔ (ایک پاشا کی طرف مخاطب ہو کر) پاشا۔ پاشا لو پاشا۔ یہ پاشا کے بعد کون لفظ تھا۔ کیا کہا تھا۔

خوجی: ہاں۔ اجی ابھی تو اردو ہی بات کہی۔ فارسی سُنو تو اور بھی گھبرا جاؤ گے۔

فخرِ زمان خواجہ بدیع الزماں
یافت ظفر بر سپہ باغیاں

اور سپاہ باغیوں کے خواجہ بدیع الزماں نے جو زمانے کا فخر ہے۔ فتح پائی یہ اس کا ترجمہ ہے۔

بعد ازاں اسپ رازین کشیدمے، درمیدان سُرعت تواماں اشہب جلوۂ طاؤس ظاہر می نمود۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

والحال زبان یلان آواز می داد؛

وہ کوس کہ سو کوس صدا جس کی نکل جائے
اور طبل کی آہٹ سے سرافیل سنبھل جائے
نقارے کا غل سن کے دلِ رعد پگھل جائے
آواز دہل سے جگرِ شیر دہل جائے

آں طبل بود۔ نشان یک سوار در دست خود بر گرفتم و نعرہ از میانہ بر خاست؛

پھر اٹھ سکا نہ جب کہ ترا خستہ جان گرا
جوں نقشِ پا وہیں کا ہوا بس جہاں گرا
بس رشکِ صد چمن وہ ہوا تختِ زمن
جس جا کہ زخم خوردہ ترا خون چکاں گرا
کڑکی جو برق آہ تو بس آئی یہ صدا
گویا زمیں پہ گنبد نہ آسمان گرا
اب اضطراب دل سے یہی گھر میں شور ہے
کہ زلزلہ یہی ہے تو سارا امکان گرا
گلشن میں دست رحم صبا اس پہ پھیر تو
ہووے پڑا جو غنچہ پژمردہ سان گرا

این اشعار بزبان راندم کہ از بحر سواج طبع جرأت مرحوم است نمی دانم کہ آزاد کجاست ہائے ہمیں درد است۔

کیا جانیں اب مریض ہے تیرا کہاں پڑا
بھر آئے کیوں نہ دل کہ ہے خالی مکاں پڑا

دل خالی است کہ مکان خالی است۔

الغرض بندہ از شما می گوید کہ ہر کجا باشد بیا۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

آزاد خستہ جان

زنداں کو چلے مچل مچل کر

اب آزاد خستہ جان کا حال سنیئے۔ پولینڈ کی شہزادی کو شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ آزاد کسی پری زاد پر ہزار جان سے عاشق و مفتون ہے۔ کئی بار سمجھایا اور اونچ نیچ دکھایا کہ اب عاشقی و معشوقی سے کنارہ کش ہو اور ہمارے حکم کی تعمیل کو ذریعہ حصول زندگانی سمجھو ورنہ تمھاری جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ مگر ان کی یہ کیفیت تھی کہ ہر دم حسن آرا کی تصویر روبرو رہتی تھی:

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ شب و روز حسن آرا کی یاد میں سر دُھنتے تھے اور دیوانہ وار تنکے چُنتے تھے۔ دین سے غرض نہ دُنیا سے سروکار۔ دنیا و مافیہا سے بیزار۔ ہر دم حسن آرا کا نام وظیفہ زبان تھا کبھی خاک میں لوٹتے تھے کبھی دلِ حسرت منزل سیماب کی طرح بے قرار ہوتا تھا:

طپیدن گریہ گردن رفتن از خود مردن از حسرت
کم است افسوس عمرو کارہا بسیار عاشق را

ایک روز سایہ دار درخت کے تلے بیٹھے ہوئے حسن آرا کے سراپا کی آپ ہی آپ تعریف کرتے تھے۔

وہ حسن خداداد کہ ملائکہ نورانی اس کا کلمہ پڑھیں:

بہ نور خویش بنان را چو آفرید خدا
ترا ازاں ہمہ در حسن برگزید خدا

اور ایسی صباحت تو دیکھی نہ سُنی۔ اپنی آپ ہی نظیر ہے:

از صباحت بسکہ دارد چہرۂ او آب و تاب
آفتابی می شود رنگش بہ سیر ماہتاب

زُلفِ چلیپا جس وقت یاد آتی ہے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں:

بقربانت روم پای تو بوسم مرحبا ای دل
کہ می آئی ز سیر لیلۃ المعراج گیسویش

ایک روز میں نے موباف کی جھلک دیکھ لی تو آج تک نہ بھولا۔

رشتہ ہائے سُرخ چو بالای سر چون بستہ اند
بر سر ہر تار موی تہمت خون بستہ اند

ہائے کس لُطف سے آئینہ دیکھ رہی تھیں کہ میں ایک مرتبہ جا پہونچا اور جاتے ہی سپہر آرا سے کہا کہ یہ شعر حسبِ حال ہے:

خبر آن ماہ را از حسن خداداد
الٰہی خانہ آئینہ آباد

جبین مبیں کے کروڑوں بوسے لوں، اور کیوں نہ ہو کیا پیشانی ہے:

ز تقویم جبینش گشتم آگاہ
کہ ہر روز است آنجا غرّہ ماہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور ابرو نے تو وہ ستم ڈھایا کہ اَلاَمان اَلاَمان:

شبی در ماتمِ ہجران دو ابرو در خیال آمد
بسینہ ہر کُجا ناخن زدم شکل ہلال آمد

طاقِ ابرو عنبر مو کا ساری خدائی میں جفت نہیں ہے:

ماہ چون جلوہ گری کرد دو ابرو ہما
بیتوان داد بہ شمشیر جواب شمشیر

حُسن آرا بیگم تم نے اپنے کشتہ خنجرِ ناز کو ناحق اتنی دور بھیجا۔ اے کاش آزاد رُو سیاہ جنگ میں کام آتا تو آنسو ہی پچھتے مگر افسوس تو یہ ہے کہ:

گیے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

چشمِ بیمار یار اُس وقت یاد آتی ہے جس وقت نرگسِ شہلا ہم سے آنکھ لڑاتی ہے۔ ترک چشم جفا کار ستم گار ہے:

بہ آہو نسبتِ چشمش چو دادم چین برابرو شد
کہ چشم شیر گیر من ندارد ہیچ آہوئے

ساغرِ چشم کو ہمیشہ سیہ مست ہی پایا اور دوسرمے نے اور بھی ستم ڈھایا:

سرمہ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو
نیلگوں گنڈا پنھایا مردمِ بیمار کو

اُف اُف کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ جانِ جاں۔ رحم کی جا ہے:

صبح را در خون گُلگُل کردہ حُسن — تا بنا گوش چنین پروردہ حُسن
می تراود از بنا گوشِ صفا — آہ ازین آئینۂ مہتاب زا
جنبشے از موے جان آویختہ — خرمنے از ماہتابے بیختہ
وہ چہ خرمن بہتر از ماہ تمام — دادہ از نرمی طراوت را قوام
چون کند آغاز رقصِ دلبری — سازد از موجِ ہوا بالِ پری
گوشۂ ابرو زند ناخن بدل — تا کشاید عقدہ ہائے جان گسل
عضو عضوش سحر دیگر می کند — فتنہ ہر دم صورتے سر می کند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے دردِ فراق یا تو آزاد کا کام تمام کر۔ یا محبوب سے ملا۔

ع۔ یک کار ازیں دو کار می باید کرد:

قاتل سنبھل کے تیغ لگا جائے شرم ہے
تسمہ لگا جو گردنِ بسمل میں رہ گیا

ہائے ابھی تو شادی درکنار دو دن آنکھ بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ بختِ واژوں تے کھوٹ کی۔ ہے ہے:

شاخِ گُل کو بھی نہ آتش نے چھوا تھا اس پر
خون تری آنکھوں میں اے بُلبُلِ شیدا اُترا

مگر مضیٰ مامضیٰ۔ گذشت انچہ گذشت:

ہوا جو کچھ سو ہوا بس گذشتہ را صلوات
کہاں تلک کوئی رویا کرے گلہ دل کا

حُسن اور عشق نے آزاد سے آزاد کو اسیر کر دیا:

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں — رہے اب تک امید واری میں
ہاتھ گہرا لگا کوئی قاتل — روز لذّت ہے زخم کاری میں
دل جو بیخود ہوا صبا لائی — کس کی بو نکہت بہاری میں
روٹھ کر اس سے میں جو کل بھاگا — ناگہاں دل کی بیقراری میں
آلیا اُس نے دوڑ کر مجکو — تاک کے اوجھل اک کناری میں
یوں لگا کہنے بس دوانہ نہ بَن — پانوں رکھ اپنا ہوشیاری میں
کب تلک میں بھلا رہوں شب و روز — تیری ایسی مزاج داری میں

افسوس صد افسوس ہزار افسوس۔ ہائے ستم وائے ستم۔ ہے ہے! حُسن آرا حسرت تو یہ ہے کہ تمھارا نام بھی اچھی طرح زبان پر نہیں لا سکتا کہ مبادا تمھارے در پے آزار ہو جائیں۔ دور جا کے تمھارا نام زور زور لیتا ہوں۔

خوف سے لیتے نہیں نام کہ سن لے نہ کوئی
چُپکے چُپکے تمھیں ہم یاد کیا کرتے ہیں

حُسن آرا یہ ستم ہے یا نہیں۔ تمھارا نام تک نہیں لے سکتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُٹھ نہ اے دردِ جگر ابرِ بہاراں سے لپٹ
رعد ہو صاعقہ ہو برقِ درخشاں سے لپٹ

اب تو شوقِ شہادت ہے۔ بس یہی خواہش ہے کہ جان جائے اور روح بہشت بیں ہو:

سیرِ فردوس جو مطلوب تجھے ہو اے دل — تو نہ روح القدس و دامنِ رضوان سے لپٹ
کسوتِ خاک ہیں تو کھول کے بازو اپنے — دوڑ دروازہ پہ جاکر درِ جانان سے لپٹ

آرام دل کھویا۔ عیش سے مُنہ دھویا، عشرت سے ناتا جوڑا۔ حرمان نصیب دل ہوا۔ یاس نے بھیانک صورت دکھائی۔ نومیدی استقبال کو آئی۔ اب سوچتا ہوں کہ آخر یہ کس دن کے لیے سفر اختیار کیا، اپنا ملک چھوٹا، اور مصیبت جو اُٹھائی وہ الگ۔ کاش یہ سختیاں ہندوستان میں برداشت کرنا پڑتیں:

حُبُّ الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر — خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یُوسف کہ بہ ملک مصر شاہی می کرد — می گفت گدا بودنِ کنعان خوشتر

یہ سب مصیبت جھیل کر اگر کوئی بھی اس قدر تشفّی دیتا کہ حُسن آرا کو ایک نظر دیکھ لو تو جی اُٹھتا مگر اب بے موت مرتا ہوں۔ شادی اور وصل کا تو ذکر ہی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ ایک نظر دیکھنے کی بھی امید نہیں:

آس کہتے ہیں جسے آس نہیں پاس نہیں
یاس سے پر کسی حالت میں تجھے یاس نہیں

ہجومِ افکار نے دیوانہ کر دیا — دل کی دل ہی میں رہی
لگائے ٹھٹھ کھڑی ہے نامرادی
تمنائے دلی نکلے کدھر سے

عربن نے دیکھا کہ آج جوششِ بحرِ جنوں کی انتہا ہی نہیں ہے۔ قریب جاکر پوچھا، اگر کچھ بات سمجھاؤں تو سمجھو یا نہ سمجھو۔ کہا:

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ دل فرشِ راہ
پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

اور ہمیں کوئی لاکھ سمجھائے ہم ایک نہ سمجھیں گے:

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِین وَ الشّاکِرِیْنَ:

نیش نرش تو از گردش ایّام کہ صبر
گرچہ تلخ است ولیکن بر شیرین دارد

عربن: صرف دو باتیں کرنی ہیں۔ بس۔ سنو تو کہوں ورنہ خیر۔

آزاد: ہم اپنے مطلب کی سُنیں گے، اور تم اپنے مطلب کی کہو گی۔

عربن: ہم وہ بات کہیں گے جو تمھارے حق میں اکسیر کی خاصیت رکھتی ہو گی۔ تم اب خدا جانے کہاں جانا چاہتے ہو۔

آزاد: ہُش۔ یہ دیکھیے! ہم اور ان گیدڑ بھبکیوں میں آئیں۔ اے لاحول۔ آچکے کسی اور کو جا کے ڈراؤ:

پریوشوں ہی کی میں نے بھی آنکھیں دیکھی ہیں
میں ڈر نہ جاؤں گا آنکھیں دکھائیے نہ مجھے

عربن: اب آخری مرتبہ سمجھاتی ہوں کہ ہوش کی دوا کرو ورنہ بہت بُری ہو گی۔

عربن سمجھاتی جاتی تھی مگر یہ اور ہی دُھن میں تھے۔ اشعار حسرت بار ورد زبان اور چشم اشکبار و خون چکان۔

سرمد غم عشق بو الہوس را ندہند — سوزِ دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار — این دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

اگر انصاف کی گردن کُند چھری سے ریتی اور مجھ بے کس پر ظلم کیا تو خیر مگر انصاف سے بعید ہے۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریبان بنگری

بیکس اور بے بس آدمی پر ظلم روا رکھنا وضع اہل آبرو کے خلاف ہے۔

گر بر سرِ نفس خود امیری مردی — ور بر دگرے نکتہ نگیری مردی
مردی نبود فتادہ را پائے زدن — گر دست فتادہ را بگیری مردی

شہزادی نے عربن کو بلایا اور کہا اس سے جا کر کہہ دو کہ دو دن کے اندر ہی اندر ہم سے اقرار کرے کہ جو ہم کہیں وہ کرے ورنہ یہ شرطیں ہیں ان کے خلاف کارروائی کی تو کھڑا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چنوادوں گی۔

۱۔ کسی سے بولے نہ چالے۔ بات چیت کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔

۲۔ دن کو تہ خانہ کی کوٹھری میں بند رہے گا۔

۳۔ کھانا صرف نو بجے شب کو پائے گا۔ آدھ سیر کی روٹی اور نمک اور ایک بوٹی گوشت کی دو آلو اُبالے ہوئے۔ اور ہفتے میں ایک بار جامِ شراب۔

۴۔ مہینے میں ایک بار ٹھنڈا پانی ملے گا اور شام کو کھانے کے وقت دو پیالے پانی کے لیکن یہ اجازت نہ ہوگی کہ کھانے کے بعد دوسرے وقت کے لیے پانی اُٹھا رکھے۔

۵۔ گرمی میں آگ اور سردی میں برف کوٹھری کے قریب رہے گی۔

۶۔ ایک ہفتہ میں من بھر گیہوں پیسنا پڑے گا۔ چاہے ایک دن میں پیس ڈالے چاہے سات دن میں۔

۷۔ ایک مہینے تک کی مہلت ملے گی کہ اپنی رائے بدل ڈالے ایک مہینے کے بعد ہرگز شنوائی نہ ہوگی۔

عربن نے کل باتیں آزاد سے کہیں۔ آزاد نے کُل شرطوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی۔ وہ یہ ہے۔

۱۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے میں خوب غُل مچاؤں گا۔ چاہے جو ہو۔ جس کا جی چاہے قتل کر ڈالے۔ چاہے پھانسی دے۔

۲۔ منظور۔ تہہ خانہ ہو چاہے جہنّم ہو۔ اس کی پروا نہیں۔

۳۔ کھانا ملے یا نہ ملے۔ بلکہ نہ ملے تو بہتر ہے۔

۴۔ پانی کی بھی کچھ پروا نہیں۔ کسی طرح موت تو آئے۔

۵۔ ازیں چہ بہتر منظور۔

۶۔ ایک من کیا معنی پاؤ بھر تو پیسوں نہیں۔

۷۔ ایک مہینے کی مہلت نہیں، اگر دس برس کی مہلت ہو تو آزاد اپنی بات پر قائم رہیں:

دل مست جنون ست شرابش ندہند　　　خو کردہ آتش ست آبش ندہند

ہرکس کہ زا حوالِ دلِ ما پرسد　　　آہی بلب آرند و جوابش ندہند

میں وہی آزاد ہوں جس نے فتح پر فتح حاصل کی۔ جس نے بارہا علمِ نصرت بلند کیا فصاحت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں فصحا کا دم اور بلاغت میں بُلغا کا ناطقہ بند کر دیا۔ رنگین بیانی میں بُلبُلوں کو مات کیا۔ معجز طرازی میں سحر بابل بھلا دیا۔ جادو گر میرے آگے ایک لونڈا ہے۔ جس وقت زبان کھولتا تھا خود فصاحت کا دم بند ہو جاتا تھا مگر اب:

در موسم پیری کہ سفر در وطن است　　ہر روز جواب کاہش جان و تن ست
زین پیش بصد رنگ سخن می گفتند　　اکنون اے درد در خموشی سخن ست

میں نے مانا کہ اس دُلہن کے ساتھ بیاہ ہوا اور لُطف زندگی اُٹھا۔ مگر:

گیسرم کہ فلک ہمدم و دمساز آید　　ایّام نشاط و طرب و ناز آید
یاران موافق از کُجا جمع شوند　　و بن عمر گزشتہ از کجا باز آید

حُسن آرا یہاں کہاں ہیں۔ سپہر آرا کو کدھر ڈھونڈھوں۔ اللہ رکھی کیوں کر ملے گی بمبئی والی بیگم کہاں نظر سے گزریں گی:

پای در زنجیر پیش دوستان　　بہ کہ بابیگانگاں در بوستان

اور موت سے تو خوف ہی نہیں کرتے۔

خواہی کہ ترا رتبہ ابرار رسد　　بپسند کہ کس راز تو آزاد رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور　　کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

خیر مرگ سے اندیشہ ہی کیا ہے۔ ہائے افسوس۔

ع۔ خود اپنی قضا کہ توجہ خواں ہیں ؎
اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آوے

ایک ہفتے بعد جوہیں نے آزاد سے آن کر کہا۔ اے جوان مرغولہ مو یہ آخری سوال ہے۔ اگر حکم کی تعمیل منظور ہو تو فہو المُراد، ورنہ اسی وقت سے اپنے کو قیدی سمجھ۔ آزاد نے کہا۔ عربن تم تو ہزار بار کہہ چکیں کہ آخری سوال ہے آخری سوال ہے۔ اب ہم کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتے۔

ع۔ ہر چہ یاد اباد ما کشتی در آب انداختیم۔

عربن: ہاں خیر۔ معلوم ہوا۔ یاد رکھو۔ بہت روؤ گے آزاد۔

آزاد: رونے سے فائدہ:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

عربن: ہم یہ زبان نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔

آزاد: ہم کو سوال و جواب کا دماغ نہیں ہے

عربن: اب دماغ کا حال تب معلوم ہوگا جب دن بھر بس ایک دفعہ کھانا ملے گا۔

آزاد: او ہم اس کی پروا نہیں کرتے۔

عربن: افسوس کا مقام ہے۔ ہزار افسوس کا مقام ہے۔

آزاد: ہائے معشوق یاقوت لب کو کہاں سے پاؤں:

دلبری چو نتوندیدیم بہ نازک بدنی
کہ شود از نگہ گرم رخت یاسمنی

خداوندا تو ہی مالک اور حافظ و ناصر ہے:

بزرگا بزرگی وہا بیکم
توئی یاوری بخش دیاری سہم

اب تو یہ نوبت پہونچی ہے کہ جان لبوں پر آگئی اور موت ہر سمت سے بھیانک صورت دکھاتی ہے۔ صبح سے شور و شیون کرتا ہوں تو شام تک دم نہیں لیتا۔ جگر میں زخم ہی پڑ گیے۔ دل میں زخم از سرتاپا زخم ہی زخم ہیں۔

ہر شب ز شور گریہ اختر شمار خویش
زخم گلوی صبح نمک بند کردہ ایم

عربن سمجھ گئی کہ اب دیوانہ ہو گیا۔ میں ایک بات کہتی ہوں یہ دو سو باتیں کہتا ہے اور ایک صحیح تو پوری ننانوے غلط۔ افسوس کا مقام ہے۔ کمال حسرت کے ساتھ آزاد پر نظر ڈالی اور کہا افسوس صد افسوس تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ اس قدر حسین اور خوش رو آدمی اور ایسا دیوانہ۔ اب کی آن کے حکم سے اطلاع دوں گی اور حکم یہی ہوگا کہ قید خانے چلو۔ تمام عمر حسرت اور ناکامی کے ساتھ بسر کرو۔ آزاد نے کڑک کر کہا:

بکوشید مردانہ مردان مرد
کہ ہنگام کیں است و روز نبرد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرے روز تین روسی پہلوان طلائی زنجیریں لے کر آئے، ایک نے باآواز بلند کہا۔ اُٹھ اور زنجیر کھڑکھڑا۔ دوسرا بولا حکم حاکم مرگ مفاجات۔ تیسرے نے کہا بس اب چون و چرا کی گنجایش نہیں ہے۔ خود کردہ را چہ علاج۔

آزاد پاشا قہر درویش بر جانِ درویش کہتے اُٹھے۔ مگر آنکھوں سے واقعی خون کے قطرے جاری تھے۔ روسیوں نے ان کی حالتِ زار پر رحم کر کے باہم مشورہ کیا کہ اس کو نشے کی کوئی چیز کھلادو۔ فوراً ایک چاندی کے کٹورے میں پچاس برس کی پرانی برانڈی لائے۔ جام پلا دیا

اک جام دے کہ بے خبرِ دو جہاں کیا۔

تہ خانہ میں شادان و فرحان گیے اور وہاں بیٹھے۔ روسی رُخصت ہوئے۔ آزاد نشے میں سیہ مست تھے۔ مسہری پر لیٹے اور جب تک ہوش رہا اشعار زبان پر لائے:

جہاں صحرائے محشر بود بستم آشیان این جا — بعزلت یافشردم یافتم آرام جان این جا
بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم — دلم بہ ہیچ تسلّی نمی شود صادق

گو نشے میں چور و سرمست و مخمور تھے، مگر بے اختیار رونے لگے۔

بضبطِ گریہ عاجز ماندہ ام یارب چہ حالت این
کہ آتش می نہفتم در دلِ اکنون آب نتوانم

روسیوں نے پولینڈ کی شہزادی کو اطلاع دی کہ آزاد کو قید خانے میں بٹھا آئے۔ اس بت سفاک کا بھی دل بھر آیا ایک گوشے میں جا کر خوب روئی اور زبان حال سے بصد حسرت کہتی تھی:

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

شہزادہ ہمایوں فر کا ماتم

الٰہی یہ کیسا انقلاب ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ شہزادۂ سنجر صولت سکندر سطوت پرنس ہمایوں فر بہادر کے یہاں دن عید اور رات شب برات تھی اور آج کہرام مچا ہوا ہے۔ کل دلبر جان مبارک باشد کی صدا آتی تھی۔ آج بین ہو رہا ہے۔ کل ہمایوں فر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے کہ دولھا بنیں گے۔ آج اُس کی بیچاری والدہ ضعیفہ سوگ نشین ہیں۔ کل ان کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہنیں مارے خوشی کے ہنسی ضبط نہیں کر سکتی تھیں۔ آج ہچکی نہیں رُکتی۔ کل فرطِ طرب سے اتراتے تھے کہ گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ آج خدا جانے کس بحرِ مصیبت میں غوطے کھاتے ہیں۔ ہائے افسوس وائے افسوس، ہمایوں فر کی بڑی بہن آبادی الزمانی بیگم ایک معصوم بچّے کو گودی میں لیے سر جھکائے رو رہی تھیں۔ گریۂ تلخ نے زندگی تلخ کر دی مگر اس عفیفہ کے ضبط قربان۔ اُف تک نہ کی۔ ہاں اشک بے آرام و پریشان روزگار نہ تھم سکے۔ شہزادے کی چھوٹی بہن غش میں پڑی تھی اور ایک چھوٹی بھانجی گھڑی گھڑی پوچھتی تھی۔ امّی جان یہ سب کے سب رو کیوں رہے ہیں۔ کسی طرف سے صدا آئی ہائے بچّے۔ کوئی بولی ہے ہے میرے لال کو کیا ہوا۔ ارے لوگو یہ مجھ نصیبوں جلی پر کیا قہر ٹوٹ پڑا۔

اب سُنیے کہ رونے والا گھر بھر، اور سمجھانے والا ایک بھی نہیں۔ سب اپنے اپنے ماتم میں مصروف تھے۔ ہمایوں فر کی والدہ ضعیفہ و ستم رسیدہ رو رو کر کہتی تھی۔ ہائے میں دُکھیا اسی دن کے لیے اب تک جیتی رہی کہ اپنے بچّے کی میّت دیکھوں۔ ہے ہے! ابھی تو اچھی طرح مسیں بھی نہیں بھیگنے پائی تھیں کہ تمام بدن سر سے پانوں تک دریا میں بھیگ گیا، اور آبادی الزمانی بصد حسرت کہتی تھیں۔ امّی جان یہ مجھی بدبخت کے کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔ ہائے میرے بھائی جیتے جی مار ڈالا۔ ارے بھائی ہائے میرے شہزادے۔ میرے پیارے ذری آنکھ تو کھولو، بھائی ہائے جن ہاتھوں میں، میں نے مہندی رچی تھی اُن سے اب سر اور سینہ پیٹتی ہوں ارے میرے بنس مکھ بھائی تیری بہن تیرے سرہانے بین کر رہی ہے۔ ہائے ذرا رحم نہیں۔ ایک بوڑھی عورت نے چھاتی پر دو ہتھڑ لگا کر کہا۔ آج ہمارا قافلہ لُٹ گیا، اُجڑ گیے۔ ہائے ڈاکوؤں نے ہمارا لال ہم سے چھین لیا۔ او شہزادے بیٹا دیکھو تمھاری امّاں جان سر پیٹ رہی ہیں۔ ذرا مُسکرا دو۔

اتنے میں سواریاں آنے لگیں۔ ہے ہے یہ کیا ہوا، شادی کے گھر میں یہ ماتم کیسا۔ ہمایوں فر کی مادرِ ضعیفہ نے کلیجہ تھام کر کہا۔ ہائے! یہ رانڈ بیوہ کا بچّہ بن باپ کا بچّہ اپنی بوڑھی ماں کو چھوڑ چلا۔ بیٹا مجھے کس کے سُپرد کیا۔ اس فقرے پر گھر بھر نے بہ آواز بلند کہا ہائے!) دو شہزادے اور کئی نواب زادے آئے جن کو اندر آنا تھا وہ محلسرا میں چلے گیے۔ باقی باہر بیٹھے مصروف گریۂ و زاری تھے۔ ایک بولا سُنا سینے میں سانس کی آمد و شد نہیں رہی۔ دوسرے نے کہا ہائے کس بیکسی اور بیخبری میں چلے گیے۔ کسی کی سُنی نہ اپنی کہی۔ اتنے میں اُس بدبخت ضعیفہ کی آواز آئی۔ ہائے بیٹا مجھے برباد کر چلے۔ ایک شہزادے نے کہا ذرا دل کو ڈھارس دیجیے۔ مُردے کی روح پر رونے سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یار ہوتا ہے۔ واسطے خدا کے ان لڑکیوں پر ذرا رحم کرو:

سب سے یہی شیوہ ہے جہاں گذراں کا
دیکھے گا لحد جس نے شکم دیکھا ہے ماں کا

ایک عورت نے وفورِ غم سے چارپائی کے پائے پر سر دے مارا۔ کھیٹ سے بولا۔ مغلانیوں نے دوڑ کر سنبھالا تو اس خستہ جان نے کہا، ہائے میرے ہمایوں فر۔ مارے غم کے کلیجہ تک چھلنی کر دیا۔ مہندی کے عوض خون رُلایا۔ ہنسی خوشی کا منھ کہاں تھا۔ ہم تو ماتمِ عزیزاں کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ ہائے کیسے چپ سادھے لیٹے ہیں۔ ہمایوں فر کی بہن سر پیٹ کر بولی۔ لوگو یہ اندھیر بھی کہیں دیکھا ہے، ایک گھر اور دو لاشیں۔ ماموں بھانجے کو ایک ہی وقت میں دم توڑتے کسی نے دیکھا ہے۔ ہائے ہائے ہم نے دیکھا ہے (اشارے سے) یہ ماموں کی لاش ہے اور یہ بھانجے کا لاشہ ہے۔ اس پر کہرام مچ گیا، اور اس قدر ہیٹس ہوئی کہ کان پڑی آواز کا سُننا مُحال تھا اور سب کی زبان پر یہی فقرہ تھا کہ ہائے ایک گھر دو لاشیں۔ ادھر ماموں ادھر بھانجا دُنیا سے ترک تعلق کیے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ آبادی الزمانی بیگم نے نبض دیکھ کر کہا ہائے ہاتھ پانوں یخ ہو گیے۔ ہونٹوں پر اداہٹ آگئی۔ دو اجل رسیدہ پڑے ہیں ہے ہے قضا ان کو لے گئی اور ہم منھ ہی تکتے رہے۔ ہائے ہم سے کچھ نہ ہو سکا۔ میرے باپ ماں کی کمائی لُٹی جاتی ہے۔ لوگو میرا بھائی جاتا ہے۔ وہ ضعیفہ رنجور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی اور سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ کوئی سمجھانے والا نہیں جس نے اس بیوۂ صد سالہ کو اس حالتِ شیون میں دیکھا آبدیدہ ہو گیا۔ ضبطِ گریہ نہ ہو سکا۔ ہمایوں فر کی بوڑھی ماں بار بار نعش کے قریب جاتی تھی، اور انواع واقسام کے جگر خراش روح فرسا کلمے زبان پر لاتی تھی۔ ارے لوگو یہ قبلہ رو کس کا لاشہ رکھا ہے۔ ارے میرے لال کو اس طرح چادر کس نے اُڑھائی۔ بہن بولی ذرا منھ سے بولو بھائی۔ میرے باپ کی کمائی۔ ہائے میرے بھائی۔ آج بھائی کا ماتم کر رہے ہیں۔ اور کل سمجھتے تھے کہ پرسوں برات سجے گی۔ خوشیاں منائیں گے۔ بھائی اُٹھو اماں جان تمھارے سرھانے پر ماتم کر رہی ہیں۔ ہائے بھائی ذری ان کو سمجھاؤ تو۔ ضعیفہ نے کہا۔ ہائے میرے بچے کیا اس لاڈ سے آج ہی کے دن کے لیے پالا تھا کہ ہم بیٹھ کے تم کو روئیں، اور آپ چادر تانے بے خبر سوئیں۔ ہائے کوئی سوتے میں سے جگاؤ امّی جان جدا ہوئی ہیں (کان کے پاس مُنھ رکھ کر) بھائی بھائی! ہائے چلّاتے چلّاتے لب خشک ہو گیے کیوں یہی کہتے تھے کہ بہن حشر تک تم کو نہ چھوڑوں گا چاہے اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے۔ تمھاری صحبت سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُنھ نہ موڑوں گا۔ موئی دنیا تو جیسی کی تیسی قائم ہے مگر تم سدھارے۔ بھائی بین نہ جانے دوں گی۔ قول ہائے ہو قول پورا کرو تو جہاں چاہے جاؤ۔ ہائے یہ کیا ہوا۔ بیٹا ماں سے بھائی بہن سے جُدا ہوتا ہے۔ ہے ہے ابّا جان بھی چھوڑ گئے۔ اب بھائی بھی جاتے ہیں۔

تمام شہر میں خبر ہو گئی کہ بلقیس مرتبت شہزادی مومنہ پاک پر آفت آئی کہ اپنے فرزند دلبند کا ماتم کر رہی ہے۔ کس ناز و نخرے سے پالا تھا' اندھیرے گھر کا اُجالا تھا۔ یہ عالم پیری' ایک لڑکا وہ بھی جوان دلبند اور سعادت مند۔ شادی کے دنوں میں اس بے بسی کے ساتھ چل بسے تو قلق کیوں نہ ہو۔

لالہ ہمہ خون دیدہ در دامن کرد در ماتم تو دہر بسی شیون کرد
قمری نمد سیاہ ور کر گردون کرد گل جیب قبای ارغوانی بدرید

تھوڑی ہی دیر میں صاحب ضلع اور ان کے اسسٹنٹ اور صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو میجر ایک کرنل اور پروفیسر صاحب مرزا ہمایوں فر کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور دم کے دم میں کوئی بائیس تیئس ہزار آدمی جمع ہو گیا۔ ایک پر ایک گرا پڑتا۔ سب کی زبان پر صرف الاماں تھی۔ خلقِ خدا نوحہ خواں تھی۔ جس کو دیکھو دیدہ مطروح سینہ مجروح آنکھوں سے آنسوؤں کے فوارے چھٹ رہے تھے۔ اُس ضعیفہ نیم جان کو روتے روتے غش آگیا۔ ایک خادمہ نے کیوڑا چھڑکا پانی پلایا، عطر لائی۔ لخلخہ سونگھایا۔ جب ہوش آیا تو کہا بیٹا ہم اشک گل گون سے مُنھ دھوتے ہیں اور تم آرام کے ساتھ سوتے ہو۔ ہم بے آرام جان کھوتے ہیں۔ تم آنکھیں بند کیے ہوئے سو رہے ہو اور اتنا نہیں ہوتا کہ اماں کو دلاسا دو ہم بکا اور بین کرتے ہیں تم پوچھتے تک نہیں۔ ہائے میں خستہ تن کیا کروں' یا اللہ میں کیا کروں۔ ہائے میں کس کے آسرے پر جیوں خاتون جنت کی قسم تو میری مٹی تباہ کر چلا' ہائے بیٹا تو تو دولھا بنا تھا۔ سوچے تھے کہ شہنائی آگے آگے بجتی ہوگی ڈومنیں ہوں گی جلسے ہوں گے۔ ناچ اور رنگ ہوگا۔ وہ سب تو خواب ہو گیا۔ ستارے کی گردش نے ایسا رُلایا ایسا رُلایا کہ دین اور دنیا دونوں سے گزر گیے۔ اُف اُف اُف ہائے میں کیا کروں واری میرے لال میں صدقے میرے بچے۔ میں قربان' یا خدا کسی تدبیر سے میرا شیر دل بچہ اُٹھ کھڑا ہو جا ہے میں مر جاؤں۔ ہائے اس وقت موت آئے تو کیسی جی جاؤں۔ از سر نو زندہ ہو جاؤں۔ ارے میرے بیٹے کل تو دولھا بنے گا۔ اُف دُلھن کی طرح مُنھ گھونگھٹ میں ہے۔ خدا جانے کس کے خیال میں اس وقت مرزا ہمایوں فر پڑے آرام کر رہے ہیں۔ کسی نے کچھ کر دیا' یا کسی کے عشق میں جان دی کہ آنکھ بند کی تو کھولنے کی قسم کھائی:۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے خیال تو آمد بخواب آسودیم
وگرز ہم نکشادیم چشم گریان را

ہمایوں فر دل وجان سے سب تیرے مشتاق ہیں۔ خدارا ذرا ایک نظر صورت دکھاؤ اللہ جانتا ہے سب مشتاق ہیں:

شوق مشتاق آرزو مشتاق جان مشتاق ہے
دیدہ مشتاق آشکارا دل نہان مشتاق ہے

دل اور دیدہ سب مشتاق ہیں مگر ہائے!

اتنے میں مرزا ہمایوں فر کے ایک بہت بڑے دوست یہ خبر وحشت اثر سُن کر آئے آتے ہی گریبان چاک کر ڈالا اور سینے پر دو ہتھڑ لگا کر رونا شروع کیا۔ دیوانہ وار ادھر اُدھر تڑپتے پھرتے تھے، اور یہ اشعار حسرت بار زبان پر لاتے:

مرا راز دل آشکارا نہیں — وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں
وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ — وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور — وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
بہت زال دنیا نے دین بازیاں — ہیں وہ نوجوان ہوں کہ ہارا نہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا — اسیروں کا یاں تک گزارا نہیں
جہنم ہے ہم بیقراروں کو کیا — جو آتش پہ ٹھہرا وہ پارا نہیں
پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند — کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

لوگوں نے سمجھایا کہ ذرا صبر کرو سوچو تو کہ اس وقت اس جوان مرگ کی اور غم زدہ پر کیسی گزرتی ہوگی، دنیا جائے آسایش نہیں ہے۔ حسرت اور ناکامی اور خون اور اندوہ اور پریشانی سب کی مہمانی ہے۔ واحسرتا وا دردا:

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مئ کلّ من علیہا فان

اللہ بس باقی ہوس۔ اُف فو ہمایوں فر اور یہ حسرتناک خبر

در دست اجل کہ نیست درمان اورا
بر شاہ و گداست حکم و فرمان اورا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک روز ہم بھی اس طرح سوتے ہوں گے۔ وہ شربت ہے جو سب کو چکھنا ہوگا۔ وہ راہ ہے جس کو سب طے کریں گے۔

صد حیف کہ گل رخان کفن پوش شدند　　وز خاطر یکدگر فراموش شدند
آنان کہ بصد زبان سخن می گفتند　　آیا چہ شنید ند کہ خاموش شدند

چند آدمی دنیائے دوں کی بے ثباتی کی نسبت گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے کہا بھائی جان جس نے دودھ پیا اور ماں کے پیٹ سے نکلا وہ شربت اجل بھی پیئے گا۔ اور قبر کے شکم میں جائے گا:

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

مگر اس دو روزہ زندگی کے لیے انسان خدا جانے کیا کیا فکریں کرتا ہے:

ہر دم ہے خیالِ غدر خواہی دل میں　　مطلق نہیں کچھ خوف الٰہی دل میں
نامے کی طرح خطا میں گزری سب عمر　　بالوں پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

ہائے افسوس وائے افسوس، اِدھر دم نکلا، اُدھر کچھ بھی نہ تھا جو پیدا ہوگا ضرور مصائب سہے گا ضرور ایک روز قبر میں ہوگا:

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے　　تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دُنیا میں کس نے پائی ہے انیسؔ　　جو سر رکھتا ہے وہ دردِ سر رکھتا ہے

ضعیفہ کی یہ کیفیت کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے یہ دن اور یہ حزن و ملال ہائے ستم، وائے ستم:

آنکھوں میں اشک لب پہ فغان اور دل میں درد　　ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پانوں کبھی گرم گاہ سرد　　مثلِ کمان خمیدہ مگر گیسوؤں پہ گرد

آبادی الزمانی بیگم کی آنکھیں روتے روتے خون کی سی سُرخ ہو گئیں جیسے لہو کی بوٹیاں۔ ضعیفہ کو کئی عورتیں سمجھاتی تھیں مگر وہ مصیبت کی ماری زبانِ حال و قال سے بصد محن یہ کہتی تھی:

اک جانِ حزیں تا بہ کجا رنج اٹھائے
راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے

ادھر تو یہ شور و شیون، اور فغان محن تھا، مگر حسن آرا بے چاری سے لوگوں نے یہ رازِ سربستہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بالکل مخفی رکھا۔ بلکہ حسن آرا اور گیتی آرا، ایک کو نہ معلوم ہوا۔ صرف بڑی بیگم اور عباسی اور جہاں آرا راز داں تھیں۔ بڑی بیگم نے جیسے ہی یہ خبر پائی آنسو آنکھوں سے جاری ہو گیے۔ مگر بڑے استقلال سے فوراً انتظام کیا۔ عباسی سے کہا کہ تو جا کر کہہ دے کہ ہمایوں مرزا اچھے ہیں اُن کا چھوٹا بھانجا جاتا رہا، اور جہاں تک ممکن ہو باغ میں ٹہلیں کوٹھے پر نہ جائیں عباسی باغ میں گئی۔

عباسی: لیجیے حضور خبر آگئی۔ شہزادے بہادر اچھے ہیں اللہ کے فضل سے، وہ تو سب طرح سے بخیریت ہیں۔ مگر اُن کا بھانجا وہ بچا بے چارہ معصوم جاتا رہا۔ اُن کی بہن بے چاری پر بجلی گر پڑی۔ ہائے ہائے۔

حسن آرا: ہاں اُن کی بہن کا لڑکا۔ ہائے ہائے کیسا پیارا پیارا، گورا گورا لڑکا تھا ہنس مکھ بڑا ستم ہوگیا۔

سپہر آرا: ابھی سن کیا تھا۔ وہی آبادی الزمانی بیگم کا لڑکا نہ۔

عباسی: جی ہاں۔ اے کوئی تین برس ایک کا ہوگا۔ بڑا پیارا تھا مگر قضا سے کیا چارہ ہے۔

عباسی نے اس طرز پر بیان کیا کہ چاروں بہنوں میں اور کوئی نہ سمجھ سکی، مگر جہاں آرا تاڑ گئی کہ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ فوراً اُٹھ کر محل سرا میں گئی تو بڑی بیگم کو مضطرب حال پایا۔ کہا امی جان صاف صاف بتائیے۔

بڑی بیگم: کیا بتاؤں ہمایوں فر تو چل بسے۔ مگر چُپ چاپ رہو۔!

جہاں آرا: (متحیر ہو کر با آواز بلند) ہائیں!

بڑی بیگم: چُپ چُپ۔ سپہر آرا سُننے نہ پائے۔ میں نے گاڑی تیار ہونے کا حکم دیا ہے۔ چلو باغ کو چلیں، وہاں دو گھڑی اُن کا دل بہلے گا۔ یہاں تو یہ خبر ضرور سُنیں گی۔ تم کچھ ذرا بھی ذکر نہ کرنا۔

جہاں آرا: (گھبرا کر) امی جان ہائے یہ کیا ہوا؟

بڑی بیگم: واسطے خدا کے بیٹی چُپ رہو، بڑا بُرا وقت آجاتا ہے۔

جہاں آرا: ہمارے قلب کا عجب حال ہے۔ اندر والا نہیں تھمتا۔

بڑی بیگم: صبر کرو صبر کرو۔ سپہر آرا کے قلب کا بھلا کیا حال ہوگا۔

جہاں آرا: تو اُس کو کوٹھے پر جانے دیں وہاں ضرور سو رہیں گی۔

بڑی بیگم: ہرگز نہیں کہیں ایسا نہ کرنا۔ اللہ اس پر اب رحم کرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: (روکر) ہائے یہ کیا ہوا۔ اُف جی گھبراتا ہے ہم کو نہ لے چلیے۔ نہیں سپہر آرا سمجھ جائیں گی۔ ہم سے رونا ضبط نہ ہو سکے گا۔ کہا مانیے ہم کو نہ لے چلیے۔ ہم کو نہ لے جاؤ اماں جان!

بڑی بیگم: ہے ہے یہاں اتنے بڑے مکان میں اکیلی کس کے پاس رہو گی کہنا مانو۔

جہاں آرا: یہ منظور ہے، مگر آنسوؤں کا ضبط ممکن نہیں ہے۔

بڑی بیگم: یا میرے اللہ، میری بیٹی کو آفت اور بلا سے بچائیو۔ سپہر آرا سُنے گی تو کہرام مچائے گی، ہائے یہ کیا ہوا۔ کیسا خوبصورت لڑکا تھا اور سعید۔ مگر اس موت کا مُنھ کالا جس نے آج یہ دن دکھایا۔

بڑی بیگم نے فوراً سب لڑکیوں کو بُلایا، اور کہا یا ہر پردہ ہے۔ سواری تیار ہے، چلو باغ کی سیر کریں۔ آج جی بہت گھبراتا ہے۔ سپہر آرا خوش ہو گئی کہا اماں جان میرے دل کی بات کہی اُہو ہو۔ میں ذری ڈوپٹہ تو بدل لوں۔ عباسی عطر نولے چلو سنگاردان لے چلو بوباف نکال لو۔

سپہر آرا دل میں خوش تھیں کہ باغ کی سیر کریں گے مگر یہ خبر ہی نہ تھی کہ بڑی بیگم کس سبب سے باغ لیے جاتی ہیں۔ چاروں بہنیں ایک پالکی گاڑی پر سوار ہوئیں۔ مہریاں اِدھر اُدھر کونے دبائے چلنے لگیں۔ دو مغلانیاں ڈولیوں پر سوار ہو کر ہمراہ ہوئیں۔ چوبدار ساتھ تھے۔ راہ میں سپہر آرا اور حسن آرا اور گیتی آرا آپس میں مزے مزے کی باتیں کرتی تھیں۔ مگر عباسی اور جہاں آرا کے دل پر بجلیاں گرتی تھیں۔ بارے خدا خدا کر کے باغ میں سواریاں داخل ہوئیں۔ بسم اللہ کہہ کر کہاروں نے فنس رکھی۔ اِدھر لڑکیاں اُدھر بڑی بیگم اُتریں۔ باغ میں پہلے ہی سے پردہ ہو گیا۔ بڑی بیگم صاحب ایک کمرے میں بیٹھیں۔ جہاں آرا نے کہا ہم تھک گئے ہیں۔ بہن ذرا لیٹنے کو جی چاہتا ہے، مگر حسن آرا اور سپہر آرا اور گیتی آرا گلگشت چمن کرنے لگیں۔ اِن کو کیا معلوم تھا کہ ہمایوں فر بے چارے پر اس وقت کیا گزری تھی۔ سپہر آرا نے موقع پا کر عباسی سے کہا ایک دن ہم اور ہمایوں فر اس باغ میں ٹہل رہے ہوں گے۔ نکاح ہوا اور ہم اُن کو باغ میں لے آئے۔ دس پانچ روز یہاں ہی رہیں گے۔ عباسی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ دل میں کہنے لگی کدھر خیال ہے۔ کون ہمایوں فر۔ کیسا نکاح۔ وہاں جنازے اور کفن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ نکاح کی دُھن میں ہیں۔ ہائے افسوس۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فیروزہ خانم

ایک پرانی مکمہ اُجاڑ بستی میں دو نوجوان عورتیں رہتی تھیں۔ فیروزہ خانم اور فرخندہ۔ اس گانوں میں کوئی ڈیڑھ ہزار گھر آباد تھے۔ مگر ان سب میں دو ٹھاکروں کے مکان عالیشان تھے اور تیسرا خانم صاحب کا چھوٹا اور خوشنما بنگلہ۔ یہ دونوں عورتیں ایسی خوبصورت اور خوش قطع تھیں کہ گانوں بھر میں سب عورتوں سے ان کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ لیکن گو خدا نے حسن شستہ کی دولت سے مالا مال کیا تھا، اور اللہ کا دیا روپیہ بھی ضرورت کے موافق کافی تھا۔ جوانی اور جوبن بھی پھٹا پڑتا تھا، مگر جو خوشی اور جو بات اس سن میں ہونی چاہیئے اس کا کہیں پتا نہ تھا۔ فرخندہ خانم کو جس نے دیکھا ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ شباب کا آغاز، سرو قامت، بُت طناز جس وقت ذرا تن کے چلتی تھی، خرام ناز سے طاؤس و کبک کے دل ملتی تھی۔ لیکن گفتگو سے اُداسی پائی جاتی تھی۔ فرخندہ پر بھی غضب کی پھبن تھی، اور ہر دم بناؤ چناؤ کے ساتھ رہتی تھی۔ گاؤں والوں کو حیرت تھی کہ دونوں نوخیز اور جمیلہ اس موضع میں کیوں آن کر فروکش ہوئی ہیں۔ طرہ یہ کہ کوئی مرد ساتھ نہیں۔ اگر بدوضع ہیں تو شک ہوا کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ کسی نے کہا شاید لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس خوف سے گوشۂ عافیت ڈھونڈھا۔ کسی نے رائے دی کہ کوئی حریف ان گرہستوں کو بھگا لایا ہے۔ اپنے اپنے ذہن کی رسائی کے موافق سب رائے دیتے تھے۔

ع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

فیروزہ خانم کے ہاں گاؤں کی صرف دو عورتیں جانے پاتی تھیں۔ ایک تنبولن، دوسری بیلدارن۔ باقی اور کسی کے آنے کی اجازت نہ تھی۔ بارانِ سرپل ٹوہ میں تھے کہ ان کے ہاں کا کچھ بھید کھُلے مگر کسی کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ تنبولن اور بیلدارن سے پوچھتے تھے تو وہ بھی آئیں بائیں شائیں اُڑا دیتی تھیں۔ کسی سے پتا نہیں لگتا تھا۔

ایک روز اس گاؤں میں سویرے مُنھ اندھیرے ایک کانسٹبل کا گزر ہوا۔ پولیس کا آدمی، گاؤں والوں پر شیر۔ فرعون بے سامان آتے ہی ایک دکاندار سے شکر مانگی۔ اس نے کہا شکر نہیں گڑ ہے۔ کانسٹبل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ چھوٹتے ہی گالی دے بیٹھا۔ دکان دار نے کہا گالی نہ زبان سے نکالو۔ اتنا کہنا تھا کہ کانسٹبل نے بڑھ کر دو گھونسے لگائے اور دکان کو درہم برہم کر دیا۔ سامنے والا دکاندار مارے ڈر کے شکر لے آیا۔ حضرت نے فرمایش کی کہ کالی مرچ لاؤ۔ ہم بغیر کالی مرچ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے شربت نہیں پیتے۔ وہ بے چارہ کالی مرچ بھی لے آیا۔ آپ نے دو لوٹے شربت کے پیئے اور کنوئیں کی جگت پر لیٹ کر للکارنے لگے۔ سوچے کہ چادر نیچے بچھی ہے وہ مٹی ہو جائے گی۔ سامنے ایک لالہ پیسے اور روپیے رکھے بیٹھے تھے۔ کانسٹبل نے اُٹھ کر کہا۔ لالہ صرافی پیچھے کرنا۔ پہلے یہ چادر تو اُٹھا دو۔ لالہ بولے ہمارے پاس کوئی اور بچھونا نہیں ہے۔ بس یہی ایک بستر ا ہے۔ کانسٹبل اُٹھ کر دُکان پر گیا اور چادر اُلٹ دی اور کنوئیں کی جگت پر بچھا کر لیٹا۔ لالہ بے چارہ مُنھ تکنے لگا۔ یہ ذات شریف غافل سو رہے تھے کہ ایک عورت پانی بھرنے آئی پاؤں کی آہٹ جو پائی تو چونک اُٹھے اور غُل مچا کر للکارنے لگے (دوسری الگ ہٹ) اور سُنو۔ چلیں وہاں سے گھڑا سر پر رکھ کر پانی بھرنے۔ سوجھتا نہیں ہے کہ کون لیٹا ہے کون بیٹھا ہے۔ الگ ہٹ۔ دس پانچ آدمی جو اس مقام پر کھڑے تھے۔ تقریر سُن کر آگ ہو گیے۔ ایک نے کہا یہ تو کنوئیں کے مالک بن بیٹھے۔ اب اِن کے مارے کوئی پانی نہ بھرے۔ واہ کیا مزے سے ڈپٹتے ہیں۔ دوسرا بولا صراف کی دکان سے چادر چھین لائے۔ شکر مفت میں خریدی۔ شربت پیا۔ اندھیر ہے۔ تیسرے نے صلاح دی کہ سب کے سب مل کر صاحب کو عرضی دو۔ گیان سنگھ اس کانسٹبل کا نام۔ اتنے میں گیان سنگھ نے ایک ٹھاکر کو ڈانٹ بتائی۔ روک لے ٹٹوی۔ ہم چالان کریں گے۔ ہونہہ! چلے مرغی کے برابر ٹٹوی پر ٹھمک ٹھمک۔

ٹھاکر: کیوں کیوں روک لیں۔ ہم اپنی راہ راہ جاتے ہیں۔ کیوں روکیں۔

کانسٹبل: کیا۔ کچھ بڑے حاکم بن کے آئے ہو۔ روک لو یہ زخمی ہے چلو تمھارا چالان (ٹٹوی کی باگ پکڑ کر) بولو گے تو دو برس کو جاؤ گے۔ سرکاری افسر سے زبان ملانا یا سرکاری کام میں روکنا جرم ہے۔

راوی: سرکاری افسر؟ شانِ خدا۔ آپ افسر کب سے ہوئے۔

ٹھاکر: تو زخم کہاں ہے۔ ہم ایسے ویسے ٹھاکر نہیں ہیں۔ ہم بھی پڑھے لکھے ہیں۔ ہم سے بہت وہ باتیں نہ کرنا۔ ہاں واہ وا۔

کانسٹبل: ہم بھی ان پڑھ نہیں ہیں۔ لے اب بے چالان کیے نہ چھوڑیں گے۔

اتنے میں دو الگ آدمیوں نے آن کر دونوں کو سمجھایا۔ بھئی جوان چھوڑ دو۔ عزت دار آدمی ہیں۔ اس گاؤں کے ٹھاکر ہیں اِن کو بے عزت نہ کرو (آہستہ سے کان میں) تمھارا مُنھ میٹھا کریں گے۔ اِدھر ٹھاکر کو سمجھایا کہ روپیہ دھیلی لے دے کے الگ کرو۔ کہاں کی جھنجھٹ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لگائی ہے۔ مفت میں چالان کر دے تو گاؤں بھر میں ہنسی ہو۔ کچھ یہ سمجھے، کچھ وہ سمجھے۔ اٹھنی نکال کر کانسٹبل کے نذر کی۔ تب جا کے پیچھا چھوٹا۔ عیاذاً باللہ۔ اب تو گاؤں میں اور بھی دھاک بندھ گئی۔ پن بھرنیاں خوف کے سبب سے پانی بھرنے نہ آئیں۔ یہ اِدھر اُدھر للکارنے اور ڈپٹنے لگے۔ غلے کی چند گاڑیاں سامنے سے گزریں اور حضرت نے للکارا۔ روک لے روک لے کیوں بے! پٹڑی پر کیوں نہیں جاتا۔ یہ سڑک تو صاحب لوگوں کی بگھیوں کے لیے ہے۔ ایک گاڑی بان نے کہا اچھا صاحب اب پٹڑی پر کر دی۔ اُٹھ کے ایک طمانچہ لگایا۔ پٹڑی سے اتار اور سنو۔ ایک تو جُرم کریں، دوسرے ٹرائیں۔ اب سب کے سب دنگ ہو گیے کہ ٹرایا کون تھا۔ اس بیچارے نے تو اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ اس کو ٹرانا بناتا ہے۔ حلوائی سے کہا ہم کو سیر بھر پوری تول دو۔ وہ بھی کانپ رہا تھا کہ دیکھیں کب شامت آتی ہے۔ کہا اچھا ابھی حکم دیا کہ آلو کی ترکاری ہو۔ کہا آلو تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ مگر اس کھیت والے سے کھدوا لاؤ تو ابھی ابھی معاملہ ٹھیک ہو جائے۔ کہنے بھر کی دیر تھی۔ رپ رپ کرتے ہوئے چلے۔ کسان سے کہا۔ ارے آلو دے۔ ایک آدھ سیر آلو کھود دے۔ اس کو شامت اعمال نے گھیرا تو چکانے لگا۔

"صاحب چار آنہ سیر ہوے۔ چاہے لیو۔ چاہے نہ لیو۔ سمجھیو صاحب؟"

"بھیّا تین آنہ کے دام لے چار آنہ بہت ہے۔ تین آنہ سیر لو۔"

"نہ۔ چار آنے چاہے لیو چاہے چلے جاؤ۔ کم نہ بہت اس سے۔"

"اچھا ساڑھے تین آنے کے دام لے۔ بس اب کھود دے۔"

"ہم تو روپیہ کے چار سیر بیچت۔ چار آنہ کے سیر بھر۔"

"اچھا بھئی لادو۔ یوں ہی سہی مگر بڑے بڑے اچھے اچھے ہوں۔"

کسان سیر بھر آلو لایا۔ کانسٹبل نے حلوائی کو بلایا اور کہا ابھی ابھی پوری تیار کرو۔ جب چلنے لگے تو کسان نے پیسے مانگے۔ اس کے جواب میں کانسٹبل نے کہ شہ زور تھا اُس غریب آدمی کو اٹھایا اور دے پٹکا۔ اور لے گا کیوں۔ اکڑے ہی جاتے تھے۔ چار آنے سے کوڑی کم نہ دوں گا۔ کیا دل لگی ہے۔ چار آنے مانگتے تھے۔ چار آنے لوگے نہ۔ یا چھ آنے دھونسا لگا کر اب کیا لے گا۔ ہم دام دے کے سودا خریدیں، تو حکومت کر چکے تو کسان ہوکے اور ہم سے ٹرائے (چیت جما کر)، اور دام مانگے گا بے۔ ہونہہ۔ کہنے لگے چاہے لو۔ چاہے چلے جاؤ۔ ابے ہم اُن لوگوں میں ہیں جو خالی خولی چلے جاتے ہیں۔ لے اب دو سیر آلو اور دے نہیں تو مارتے مارتے اتو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کر دوں گا۔

کسان: دُہائی بڑے صاحب کی۔ دُہائی کپتان صاحب کی دُہائی ہے۔

کانسٹبل: ہاں ہماری حکومت اور ہماری ہی دُہائی اچھا ٹھہر جا۔

کسان: دُہائی ہے کمپنی بہادر کی۔ مارے ڈالتا ہے۔ دُہائی دُہائی ہے۔

کانسٹبل: (دھول لگا کر) اب چار سیر آلو دے گا تب چھوڑوں گا۔

راوی: اور اگر دو چار منٹ اور نہ دے تو کھیت کا کھیت گھما دیجے۔

کانسٹبل: ہم حاکم ہیں یہاں کے ہمارا اتنا بھی رعایت نہیں ہے کیا۔

راوی: دریں چہ شک اور رعایت کیوں نہ ہو حضور حاکم ہیں یہاں کے کہ ایسے ویسے۔ اگر صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کو اطلاع ہو جائے تو پھر آپ کی حکومت دیکھ لیں۔ شیخت رکھی رہے اور خوب واقف ہیں کہ عدل کسے کہتے ہیں۔

به نیم بیضه که سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش هزار مرغ بسیخ

کسان: سیر بھر آلو نہیں۔ پیمانہ دھس۔ اور اوپر سے مارت ہے۔

مراین: اور گریات ہے۔ الیٔ کا پلوا بکت ہے۔ رام کرے دیبی بھوانی کھائے جائے۔ ناس گاڑے گا۔

کانسٹبل: اُٹھا کے کنویں میں پھیک دوں گا دھم سے۔ اور ہنسے۔ ہونہہ۔ لوگوں نے پھر سمجھایا کہ تم کسان ہو اور وہ سرکاری آدمی۔ اس کے منہ کیوں لگتے ہو۔ الغرض دو سیر آلو اور لے مرے۔ حلوائی کو چھ پیسے دیئے۔ سیر بھر پوری کے چھ پیسے۔ بڑی فضول خرچی کی۔

حلوائی: یہ بھی رہنے دو چھ پیسے میں ہمارا کیا بھلا ہو گا۔ بھلا۔

کانسٹبل: خوشی تمھاری۔ لاؤ۔ آلو تو ہمارے ہی تھے یا تمھارے۔

حلوائی: بس اب سب آپ ہی کا ہے۔ مزے سے چکھو اور دندناؤ۔

کانسٹبل: تم اس گاؤں کے نہیں معلوم ہوتے ہو۔ شین قاف خوب درست ہے۔ معلوم ہوتا ہے شہر کے ہو۔ کیوں سچ کہنا۔

حلوائی: ہاں حضور شہر کے تو نہیں ہیں، مگر نارمل میں بڑھا تھا۔

کانسٹبل: تو اچھا پھر دو پیسے اور لو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حلوائی: کیا خوب بڑا احسان کیا۔ اچھا لائیے جو دیجیے وہی سہی۔

کانسٹبل نے کہا میاں تم کو تو یہ بھی دیا۔ کوئی اور ہوتا تو اتنا بھی نہ پاتا۔ ہم حاکم ہیں۔ پولیس کے آدمی یا کوئی ایسے ویسے۔ کوئیں پر بیٹھ کر پوریاں چکھیں۔ پانی پیا۔ تمبولی سے گلوریاں منگوائیں۔ کانسٹبل پوری خوب چکھ کر چھک گیے تو گھوڑے بیچ کر دو گھنٹے تک لمبی تانی۔ خرآٹے لیا کیے۔ دو گھنٹے کے بعد اُٹھے تو دیکھا کہ پسینے میں شرابور تھے۔ ایک گنوار کو بلا کر حکم دیا کہ پنکھا جھل۔ وہ بے چارہ پنکھا جھلنے لگا۔ جب حضرت غافل ہوئے تو اس نے ان کی لٹیا اور لکڑی لی اور چلتا دھنندا کیا۔ شاباش۔ یہ ان کے بھی اُستاد نکلے۔ کانسٹبل کی آنکھ کھلی تو خدمتگار ندارد۔ پنکھا جھلنے والے کا پتا ہی نہیں ارے ا ادِھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ پنکھا قلی۔ پنکھا والا۔ اٹھے تو لٹیا غائب۔ لٹھ ندارد۔ ایں۔ واہ وا ہم سمجھے تھے کہ بیکار پکڑا۔ اور وہ ہمیں کو اُلٹا چکما دے گیا۔ لوگوں سے پوچھا دھمکایا۔ ڈرایا کہ باندھے جاؤ گے۔ قید خانے بھیجے جاؤ گے مگر کسی نے شنوائی نہ کی اور بتائے کون۔ سب خون جگر پی کے بیٹھے تھے۔ جس وقت گنوار لٹیا اور لکڑی لے کر بھاگا لوگوں نے اور سنہ دی۔ اشارے سے کہا کہ بھاگ، آنکھ نہ کھلنے پائے۔ چلیے وہ اور بھی شیر ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ کانسٹبل نے چوکیداروں کو بلُایا۔ اور دھمکایا ابھی ابھی پتا لگاؤ۔ اسی دم ڈھونڈ لاؤ نہیں چالان کر دوں گا۔ گاؤں کے ٹھاکر کے پاس گیے۔ کہا اسی دم دوڑ آئے گی اور گاؤں بھر پھونک دیا جائے گا نہیں تو اپنے آدمیوں کی معرفت پتا لگائیے۔

ٹھاکر: اب لے ہم کیا اُپاؤ کری۔ چور کا کہاں ڈھونڈھی۔

کانسٹبل: ہم نہیں جانتا۔ ٹھاکر ہو کے ایک چور کا پتا نہ ملے۔ واہ۔

ٹھاکر: تم ہو تو پولیس کے نوکر ہو۔ ڈھونڈ نکالو نہ چور کا۔

کانسٹبل: ہم کل گاؤں کو جلا دے گا۔ کس مافق بات ہے گا۔

راوی: اللہ اللہ۔ اب تو اور ہی زبان میں گفتگو کرنے لگے۔

ٹھاکر: چپا چپا ہو! ارے گبرے کا پیچھے، دیوانک کہو ایک بات سُن جائے۔

کانسٹبل: اس وقت سے شام تک پتا لگے تو اچھا ورنہ بُری ہو گی۔

ٹھاکر صاحب سے لوگوں نے کہا کہ یہ کانسٹبل بڑا شورہ پشت ہے۔ آپ صاحب کو لکھ بھیجیے کہ ہماری رعایا پر بدعت کرتا ہے۔ ابھی موقوف ہو جائے۔ وہ بولے کہ ہم سرکار دربار کے آدمیوں سے مقابلہ نہیں کرتے۔ کانسٹبل سے پوچھا تمھارا کتنے کا نقصان ہوا۔ اس نے کہا کہ کوئی ڈھائی روپے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا۔ آدمی کو حکم دیا چمپا، ان کو اڑھائی روپیہ دلوا دو۔ چمپا نے دو روپیہ آٹھ آنہ ان کے ہاتھ دھرے۔ چودہ آنے کی لٹیا گئی اور دو پیسے کی لکڑی۔ اس کے عوض ڈھائی روپے پائے۔ کانسٹبل وہاں سے خوش خوش آیا۔ کنویں پر جاکے پانی پیا اور بستی کی سیر کرنے لگا۔ امیروں کے گھر تاکے۔ فکر یہ ہوئی کہ کسی روپیہ والے سے کچھ لے مریں۔ چلتے چلتے ایک مقام پر دیکھا کہ جھولا پڑا ہوا ہے۔ کئی لڑکیاں آزادی اور خوشی کے ساتھ جھول رہی ہیں۔ آپ بھی کھڑے ہو گیے۔ وہ بے چاری پاک دامن، عفیفہ، کنواری لڑکیاں، تمام عمر گاؤں میں رہی تھیں اور بے تکلفی سے باہم مل کر ہنستی بولتی کھیلتی تھیں۔ اس شریر النفس آدمی نے جو گستاخانہ نظر ڈالی تو یہ لڑکیاں شرمائیں۔ جو جھولے پر تھیں وہ چپکے سے اتر آئیں۔ جو زمین پر تھیں وہ ہمجولیوں کے ساتھ کھیت میں چلی گئیں۔ کانسٹبل ایک ہی شریر اور بدوضع، آدمی کھیت کی طرف چلا۔ وہ وہاں سے بھی بھاگیں۔ ایک تو نامحرم، دوسرے سرکاری وردی ڈانٹے، تیسرے بدذات آدمی۔ کچھ عرصے تک کانسٹبل نے اُن کو دق کیا۔ آخر کار ایک گھوسی کی لڑکی نے اپنے باپ سے جاکر کہہ دیا۔ وہ پہلوان تھا۔ اور انتہا کا اُجڈ۔ کہتے ہی آگ ہو گیا۔ چٹ لنگوٹ باندھ کر سامنے آیا۔

پہلوان : تو کون ہے رے۔ کہاں رہت ہے۔ کیوں رے بول

کانسٹبل : کیا بیدھا ہوا تو نہیں ہے۔ ہونہہ۔ چالان کر دوں گا۔

پہلوان : اچھا ٹھہر جا بے آ سامنے۔ آ سامنے۔ اب اوترتا نہیں۔

پہلوان نے بڑھ کر ایک ادھبڑ میں کانسٹبل کو زمین پر گرا دیا۔ ارارارادھوں۔ گھوسی نے اوپر سے ایک لات اور جمائی۔ گاؤں کی چھوکریاں کسی اور طرف کھیلتی تھیں۔ صرف دو ماؤں نے کانسٹبل کی دُرگت دیکھی۔ جھاڑ پوچھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بستی کے دوسری طرف سیر کے لیے چلے۔ اتفاق سے اس وقت فیروزہ خانم اپنی چھت پر کھڑی بال سلجھا رہی تھیں کہ کانسٹبل کی نظر پڑی، حیرت ہوئی کہ ایں! اس کوہ وحشت زا میں اور یہ پیاری صورت۔ فرشتہ دیکھے تو ہزار جان سے عاشق ہو جائے۔

کانسٹبل : ارے یہ کس کا مکان ہے۔ کوئی ہے اس مکان میں رے۔

پڑوسی : اس مکان میں ایک بیگم رہتی ہیں۔ اس وقت کوئی مرد نہیں ہے۔

کانسٹبل : تو کون ہے۔ تو ہی آ۔ چل جلدی۔ آیا۔

پڑوسی : حاضر ہوا دبا ہر آن کر کہیے۔؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانسٹبل : اس میں کون رہتا ہے اور مکان کس کا ہے۔ ہندو یا مسلمان۔
پڑوسی : مکان تو ایک امیر کا ہے۔ مل اس میں بیگم ٹکی ہیں۔
کانسٹبل : کہو دروازے پر آئیں۔ بُلا لاؤ۔ پُکار کے کہ دو۔
پڑوسی : واہ وا۔ وہ پردہ نشین ہیں، وہ دروازے پر نہ آئیں گی۔
کانسٹبل : کیا۔ پردہ نشین۔ پردہ کیسا۔ بُلاتا ہے کہ گھُس جاؤں گھر میں۔ پردہ لیے پھرتا ہے۔

کانسٹبل نے جو سُنا کہ بیگم ہیں اور گھر میں کوئی مرد بھی نہیں ہے تو اور بھی شیر ہو گیا۔ دھمکانے کے لیے کہا۔ لے اب دروازہ کھول دو ہم پہچان گیے اشتہاری مجرم ہو۔ اتنا سُننا تھا کہ فیروزہ خانم کے ہوش اُڑ گیے۔ فرخندہ سے کہا اے ہائے اب غضب ہی ہو گیا۔ ارے ہیں اب کیا کروں۔ بھاگ کے یہاں آئی تھی کہ دُنیا سے الگ تھلگ پڑوں گی۔

ع۔ نے غم زدہ نے غم کا لا۔

ع۔ بہ ہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیداست

یہاں بھی بلا سے نجات نہ پائی۔

فرخندہ نے کنکھیوں سے دیکھا تو کانسٹبل وردی ڈانٹے دروازے پر موجود۔ کانپنے لگی۔ کہا۔ اوئی اس موئے سے خدا سمجھے کہاں سے پتا لگاتا آیا ہے۔

فیروزہ : تمھیں معلوم نہیں ہے۔ ہم ایک اور مصیبت میں بھی مبتلا ہیں۔
فرخندہ : تو اس پولیس کو کہاں سے اس کی خبر ہوئی۔
فیروزہ : اب کیا بتاؤں۔ اس وقت کون اس سے جواب سوال کرے گا۔
فرخندہ : ٹھہریے۔ پڑوسی شاید کام آئیں۔ بی ہمسائی سے کہو۔

چُپکے سے بی ہمسائی کو پکارا۔ کہا ذری اپنے میاں سے کہو کہ ان کو سمجھا بُجھا کر ٹال دیں۔ وہ بولیں۔ میاں تو گھنٹے بھر سے باہر ہیں جواب سوال کر رہے ہیں۔ مگر وہ موا ہٹتا ہی نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ ان کو ہم نے پہچان لیا ہے۔ یہ یہاں کس کے پاس آن کر رہی ہیں۔ ان پر تو کئی جرم ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ فیروزہ اور فرخندہ اور بھی کانپنے لگیں:

ہر دم زمانہ داغِ غم بر جگر نہد
یک داغ نیک ناشدہ داغِ دگر نہد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابھی ایک مصیبت سے بچی، دوسری میں گرفتار ہوئی۔ پھر اس سے خدا خدا کر کے نجات پائی تو آج اس موذی نے یہاں گھر کھالا۔ فیروزہ خانم اپنے دل میں سوچنے لگی کہ اگر میں افعال ناشایستہ کی مرتکب نہ ہوتی تو آج یہ روز بد کیوں دیکھتی۔ ان کے دل پر بڑا صدمہ تھا، از ماست کہ بر ماست۔ کہہ کر روتی تھیں۔ فرخندہ سمجھاتی جاتی تھی کہ بیوی خدارا اس وقت استقلال سے کام لو۔ اگر ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے تو کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑے گی۔ مگر اس بے چاری عفت مآب کو خدا جانے کیا کیا باتیں یاد آتی تھیں۔ کون کون خیالات خون رلاتے تھے۔ خود کردہ را چہ علاج۔ ہائے! اگر کچھ دن ادھر فیروزہ خانم کو معلوم ہوتا کہ ان افعال کا یہ نتیجہ نکلے گا، تو ایسا کیوں کرتیں۔ ان کی سوانح عمری سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

باز آکہ از شرم گنہ سر تا قدم بگداختم
کوہی کہ دررہ داشتم از گریہ ہامون کردمش

قاقم اندام، زیبا کلام، فیروزہ خانم نے ساری خدائی سے ترک تعلق کر کے ایک گوشۂ عافیت میں بستر جمایا تھا۔ مگر یہاں بھی چین نہ آیا۔ پولیس کے آدمی کا نام سنتے ہی روح لرزنے لگی۔ بڑے بناؤ چناؤ سے کوٹھے پر کھڑی تھیں۔ یہ کیا خبر تھی کہ کانسٹبل سب کی کسر انھیں سے نکالے گا۔ اور پھر دل میں چور تھا کہ مبادا تھانہ دار نے بھیجا ہو۔ یا شاید برق انداز کے قتل کی معین قرار دی گئی ہوں۔ اب تو ناظرین سمجھ ہی گیے ہوں گے کہ یہ فیروزہ خانم کون ہیں، اور فرخندہ کون ہے۔ فیروزہ خانم کو اس وقت صرف دو خیال تھے۔ ایک یہ کہ اگر تھانہ دار نے اس سپاہی کو پرچک دی ہے تو ستم کا سامنا ہے، بے آبروئی قدم قدم پر صورت دکھاتی تھی۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ اگر میں اپنی ماں کو دکھ نہ دیتی اور افعالِ نا ملائم کی مرتکب نہ ہوتی تو آج میرے دروازے پر کانسٹبل نہ کھڑا ہوتا۔ آزاد کی جدائی ہی کا غم کیا کم تھا، اور نشتر پر نشتر لگا۔

سانس دکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور جیرکا دیا جلا دنے جاتے جلتے

داغِ مہجوری نے اور بھی صدمہ پہنچایا۔ اور فرقت نے خون رُلایا:۔

از داغِ ہجوری تو بر دل نشانے ماندہ بود
ہم چون مہِ نو دمبدم از ہجر افزوں کردمش

ایک دفعہ خیال آیا اگر آزاد اس وقت ہوتے تو کانسٹبل کا اب تک منھ بگاڑ دیا ہوتا۔ بھلا اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیادے کی یہ جرأت ہوتی کہ دروازہ گانستا۔ اے توبہ! ایک ڈانٹ میں بھاگتا۔
اتنے میں کانسٹبل نے دروازے پر لات ماری اور کہا۔ کھول دو دروازہ۔ ہم وونڈ لائے ہیں۔ محلے والوں میں سے دو آدمی کانسٹبل کو سمجھانے لگے۔ ایک نے کہا۔ بھئی تمھارے پاس سمن نہ سفینہ۔ پھر کس کی رو سے دروازہ کھلوانے ہو۔ ایسا بھی کہیں ہوا ہے۔ اور ان بے چاری کا جُرم تو بتاؤ۔ کانسٹبل نے اکڑ کر جواب دیا۔ جُرم چل کے صاحب سے پوچھ، جن کے بھیجے ہم آئے ہیں۔ سمن سفینہ دیوانی کے مذکوری لاتے ہیں۔ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ دوسرے محلے والے نے آگے بڑھ کر کہا۔ سنو بھئی جوان۔ گنوار تو ہم لوگ ضرور ہیں، مگر کوئی لودھے یا چمار یا ناؤ ہاری نہیں۔ شیخ ہیں اور پڑھے لکھے۔ تم اس وقت بڑی بدعت کر رہے ہو۔ اگر اسی طرح رعایا پر ظلم کروگے تو کوئی کاہے کو رہنے پائے گا۔

رعیت چو بیخ است و سلطان درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

رعایا پر جبر روا نہیں۔ کانسٹبل نے جو رعایا کا لفظ سُنا تو اور بھی اکڑ گیا۔ کہا اپنا نام بتاؤ۔ ہم رپٹ بولیں گے کہ سرکاری کام کو آئے، اور اس شخص نے ان کے ہمیں ٹوکا اور کام نہیں کرنے دیا۔ سرکاری کام میں خلل ڈال دیا۔ تم اپنا نام بتاؤ۔ تب تو وہ بھی چکرائے اور مُچھکے سے لمبے ہوئے۔ گنوار آدمی کانسٹبل کی گیدڑ بھبکیوں میں آ گئے۔ فیروزہ خانم محلے والوں کی تقریر سُن کر ذرا خوش ہوئی تھیں کہ خیر ہماری طرف سے بولنے والا تو کوئی ہے۔ مگر جب دیکھا کہ جو شخص جنبہ کرتا تھا، وہ خود بھاگ کھڑا ہوا تو نومیدی ہر چہار طرف اپنی بھیانک صورت دکھانے لگی۔ عالمِ جوانی اور یہ تنہائی اور پریشانی۔ غریب الوطنی اور بے سروسامانی۔ الاماں الاماں اس حالت زار میں آزاد کو یاد کر کے یہ اشعار زبان پر لائیں۔

درِ من کشتۂ شمشیرِ وفا میدانند — سوزِ من سوختۂ داغِ جفا میدانند
مسکنم ساکنِ صحرائی فنا میدانند — ہمہ کس حالِ منِ بے سروپا میدانند
پاک بازم ہمہ کس طور مرا میدانند — عاشقے ہیچ‌ومنت نیست خدا میدانند
چارۂ من کن و مگذار کہ بیچارہ شوم — سرخود گیرم از کوئے تو آوارہ شوم

کانسٹبل نے غُل مچا کر کہا۔ تمھارا نام لکھا گیا تھا۔ اور مخبروں نے مخبری کی ہے کہ تمھارے لڑکا ہونے والا ہے۔ سو ہم کو حکم ہے کہ دروازے پر پہرہ بیٹھے۔ یہ جگر خراش فقرہ سُن کر فیروزہ خانم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ن روئیں۔ اگر کوئی برچھی مارتا تو اِن کو اس قدر رنج نہ ہوتا جس قدر رنج اس فقرہ سے ہوا۔ خندہ بھی دنگ ہوگئی اور کانپنے لگی۔ ہے ہے یہ کس موئے جھوٹے نے تہمت تراشی۔ اللہ کرے س پر علم بردار کا علم ٹوٹے۔ بی ہمسائی نے جو یہ خبر سنی تو دانتوں کے تلے انگلی دبائی۔ اے ہے۔ یہ غضب خدا۔ اور ہمیں تو آج تک معلوم ہی نہ ہوا۔ اپنی بہن سے باتیں کرنے لگیں۔ ایک بولی۔ ہم بھی سوچتے تھے کہ یا اللہ یہ ایسی قبول صورت اور جوان جہان عورت شہر سے بھاگ کے گاؤں میں کیوں آئیں۔ چال ڈھال وضع قطع سے کوئی بات پائی نہیں جاتی تھی اور یہ معلوم ہی نہ تھا کہ یہاں کچھ اور ہی گل کھلنے والا ہے۔ مگر ہمیں آج تک تمیز نہ ہو سکی۔ اِن کی بہن نے کہا۔ ہمیں تو شک کیا یقین ہو گیا کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ کر تو ڈر، نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ اب ہم کو جا کے دریافت کرنا پڑا۔ ہے ہے کیسی بے آبروئی ہے۔ فیروزہ خانم کو ہم ایسا نہیں سمجھتے تھے۔

راوی: کیوں کر سمجھتیں۔ کبھی پہلے تو سابقہ ہوا نہ تھا۔ افسوس:

تو ان شناخت بہ یک روز از شمائل مرد — تا کجاش رسید است پایگاہِ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو — کہ خبثِ نفس نگرود بسالہا معلوم

افسوس ہے کہ فیروزہ خانم کی پاک دامنی بی ہمسائی کی نظروں میں اب نہیں جنچتی۔ اب شک کے عوض یقین ہونے لگا کہ فیروزہ خانم کا چال چلن اچھا نہیں ہے۔ کمال افسوس کا مقام ہے۔

فیروزہ: فرخندہ اب کیا کریں۔ اب کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی۔

فرخندہ: خصور اب قسمت پھوٹ گئی۔ یہاں آن کے بھی چین نہ ملا۔

فیروزہ: کہیں اس وکیل کی شرارت تو نہیں ہے۔ ایک ہی بد ذات ہے موا۔ مگر وہ تو سڑی ہے۔ اس پگلے کو ایسی کہاں سے سوجھتی۔

فرخندہ: اور شاید اس سپاہی کو کسی اور کا دھوکا نہ ہو۔ پوچھے کون۔

فیروزہ: بی ہمسائی سے کہو کہ اپنے میاں سے پچھوائیں۔ ہمارا نام پوچھو۔

فرخندہ نے کوٹھے پر جا کر بی ہمسائی کو آہستہ سے پکارا اور کہا ذری اپنے میاں سے کہو کہ اس سپاہی سے کُل حالات دریافت کریں۔ نام تو پوچھیں کہ اِن کا نام کیا ہے۔ کہیں دھوکا تو نہیں ہوا۔ سب باتیں پوچھیں۔ بی ہمسائی کچھ دیر کے بعد سوچ کر بولیں۔ فرخندہ ہم اب اس معاملہ میں دخل نہ دیں گے۔ اُنوہ۔ تمھاری بیوی نے تو اچھا جال پھیلایا تھا جو ہمارے میاں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ایسی ہیں تو محلّے سے کھڑے کھڑے نکلوا دیں۔ فرخندہ نے ہاتھ جوڑ کر استدعا کی کہ حضور اس وقت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتھ نہ چھوڑیں۔ یہ سب بُہتان ہی بُہتان ہے۔ بالکل جھوٹ۔ محض لغو، سب غلط۔ ایسی بات ہے بھلا۔ اچّھا یقین نہ آئے تو چل کے دیکھ لیجیے۔

اتنے میں بی ہمسائی کے میاں بھی آئے۔ بی ہمسائی نے کہا، نادر کے ابّا سُنا کیا کہنا تھا۔ کچھ سُنا بھی۔ یہ تو بڑی وہ نکلیں۔ فرخندہ ان کی طرف مخاطب ہوکر بولی۔ خاں صاحب ذری اِن کو سمجھائیے۔ یہ ہمارا بڑی مصیبت کا وقت ہے۔ اِس گاڑھے وقت آڑے آئیے۔ خدا اجر دے گا۔

خان : کیوں گڑگڑاتی ہو۔ سپاہی جھک مارتا ہے۔ کچھ لے مرے گا۔

فرخندہ : اچّھا آپ فیصلہ کرادیں۔ جو مانگے وہ ہم سے اسی دم لے۔

خان : ان پاجیوں نے ناک میں دم کر دیا ہے اور رعایا۔ اِس طرف کی ایسی بودی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ بس کچھ نہ پوچھو ورنہ اگر کوئی ایک ہتھ پلیتی داغ دے تو میاں کو معلوم ہو جائے۔ سرکار نے ان پیادوں کو انتظام کے لئے مقرر کیا ہے یا بدعت کے لیے۔ یہ لوگ زمین پر قدم نہیں رکھتے۔ سرکار کو معلوم ہو تو کھڑے کھڑے نکال دیئے جائیں۔ چٹکیوں میں وردی چھن جائے:

سفلہ چوں جاہ آمد و سیم و زر ش — سیلی خواہد بضرورت سرش

آں نشنیدی کہ فلاطون چہ گفت — مور ہماں بہ کہ بناشد پرش

فرخندہ : میاں تم ذرا سمجھا دوگے۔ اس نگوڑے نے ناک میں دم کر دیا۔ دو گھنٹے سے مواغُل مچا رہا ہے۔ اور جو واہی تباہی مُنہ پر آتا ہے بک اُٹھتا ہے۔ ہائے اِس وقت گھر میں کوئی مرد نہ ہوا۔

خان : خاموش رہو۔ سکوت اختیار کرو۔ چپکی ہو رہو۔ اور کہا:

بہ فہم ہیچ مضمون جز بہ لب بستن نمی آید
خموشی معنیٰ دارد کہ در گفتن نمی آید

ایک چپ ہزار بلا کو ٹالتی ہے۔ یہ کیمیا کا نسخہ ہے۔

خان صاحب کی بیوی نے کہا ہماری تشفی نہیں ہوتی۔ سرکار دربار کا آدمی، دروازے پر یوں کبھی نہ آئے گا۔ پہلے ان سے پوچھو کہ شہر میں ان سے کس کس سے قرابت اور رشتہ داری ہے۔ کوئی عزیز ہے، یا کوئی نہیں۔ اور یہ پوچھو کہ یہاں کیوں آن کر رہی ہیں۔ کوئی نہ کوئی وجہ خاص تو ضرور ہے۔ ہم ان کے پڑوس میں نہ رہیں گے۔ کل کو اونچ نیچ ہو تو ہم بھی گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پسیں۔ کانسٹبل دروازہ گانسے بیٹھا تھا کہ اِدھر سے ایک گھوسن کا گزر ہوا۔ گھوسن کم سِن اور سفید پوش تھی۔ سر پر دودھ کی ہنڈیا۔ قریب سے گزری تو کانسٹبل نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روکا۔ محصول دیئے جاؤ۔ ہم بے محصول لیے نہیں جانے دیں گے۔ گھوسن نے کہا صاحب چاہے سب کا سب دودھ پی لیو چاہے چھوڑ دیو۔ حاکم ہو۔ ہم رعایا ہیں۔ حضرت نے کوئی آدھ سیر دودھ لیا۔ حلوائی سے شکر لائے اور مزے سے دودھ کھا کر محلّے والوں سے فرمایش کی کہ کوئی جا کے گلوری لاؤ۔ گلوریاں آئیں، کھائیں۔ مگر مکان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

فرخندہ نے خان صاحب کو دو روپے دیئے اور کہا جا کے یہ دیدیجیے شاید مان جائے۔ اب کیا کسی کا گھر لے گا۔ خان صاحب نے دو روپے دیئے تو کانسٹبل آگ ہو گیا۔ یہ روپیہ کیسا۔ کس واسطے دیا۔ ہم رشوت نہیں لیتے۔ خان صاحب بگڑ کر بولے کہ سُنو یہاں جو ہم سے ٹراؤ گے تو ہم درست بھی بنائیں گے۔ منّت کرتے ہیں، ہاتھ جوڑتے ہیں۔ سُنتا ہی نہیں اتراتا کس پر ہے تو۔ کس برتے پر تتا پانی۔ ٹکے کا پیادہ ہے تو اور ہم نمبردار ہیں۔ رئیس ہیں۔ تیری کیا اصل وحقیقت ہے رے۔ کانسٹبل نے خان صاحب کو از سرتا پا دیکھا۔ کہا کیوں شامتیں آئی ہیں۔ ہم پولیس کے لوگ ہیں جس وقت چاہیں تم ایسے سو کو دھروا دیں، مگر خیر اس کا جواب ہم دیں گے۔ فہمیدہ خواہد شد۔ اور ان بیوی کا تو یہاں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ اب آزادی کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ کیا مجال اِن کی تو ہم فکر کریں گے اور تم کو ایسا ذلیل کریں گے کہ عمر بھر یاد رکھو گے کہ ہاں کسی پولیس کے جوان سے بھی سابقہ پڑا تھا۔ دیکھو تو سہی۔ جاتے کہاں ہو۔ اوّل تو تم یہ بتاؤ کہ تمھاری معاش کیا ہے۔ تم نے کہہ دیا کہ ہم نمبر دار ہیں، اور ہم مان گیے۔ اے توبہ۔ ہم بھی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ پھر یہ سوال ہے کہ یہ عورت تم کہاں سے بھگا لائے ہو، اور اوپر سے باتیں بناتے ہو۔ سوپ کیا کہے چھلنی کو کہ جس میں نو سو چھید۔ تم اور ہم کو للکارو۔ خان صاحب نے موچھوں پر تاؤ دیا۔ اچھا یا ہم ہی نہیں یا تم ہی نہیں۔ یوں تو یوں ہی سہی۔ بسم اللہ۔ قسم ہے جو کوئی دقیقہ اُٹھا رکھو۔

کانسٹبل وہاں سے روانہ ہوا۔ چوکیدار کے ذریعے سے گوشت والے سے گوشت مفت میں لیا۔ کسی دکان دار سے برتن لیے۔ گوشت روٹی چاول دال ترکاری پکی اور مزے سے چکھی۔ ایک پیسہ اپنی گرہ سے صرف نہیں کرنا پڑا۔ جب کھا پی چکے تو گاؤں کے باہر نکل گیے۔ وہاں جا کے ایک گاڑی پکڑی۔ گاڑی بان نے کہا حوالدار صاحب میری لڑکی بہت ماندی اور بیاکل ہے۔ مجھے چھوڑ دیجیے۔

اس بے چارے گاڑی بان کی لڑکی سخت علیل تھی اور صرف ایک ہی اولاد تھی۔ اس شقی کانسٹبل نے علالت اور بے قراری کا حال سُن کر اور بھی پاؤں پھیلائے۔ دو چار آدمیوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سمجھایا۔ ایک بولا بھئی جانے دو۔ تم اور گاڑی پکڑ لو۔ یہ بے چارہ حیران ہے۔ کانسٹبل نے جواب دیا۔ اجی یہ اسی طرح ٹال دیا کرتے ہیں۔ اِن کی نہ کہیے۔ درکھرے نے سمجھایا کہ اچھّا اور گاڑی دیکھو۔ اِس کو ڈپٹ دیا۔ تم چُپ رہے گا اور گاڑی دیکھیے۔ اور گاڑی دیکھیے لایا وہاں سے تو بیچ میں بولنے والا کون ہے۔

اتنے میں ایک سفید پوش مسافر یا بو پہ سوار اِدھر سے گزرے۔

مسافر: بڑے سنگ دل آدمی ہو جی۔ لاحول ولا قوۃ چھوڑ دو۔

کانسٹبل: کپتان صاحب نے منگوایا ہے چھکڑا۔ چھوڑ دوں آپ کا ذمّہ۔

مسافر: کیوں اس بے چارے کو دق کرتے ہو۔ اِس کی لڑکی علیل ہے۔

کانسٹبل: آپ جائیں یہ اسی طرح کے بہانے کیا کرتے ہیں جھوٹے زمانے بھر کے۔ صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسی دم گاڑی جاکے لے آؤ۔

رہرو: اچھّا تو بھائی تم اور ہی گاڑی جا کے بیگار پکڑو۔

کانسٹبل: ہاں اور کرنا کیا ہے، اب عمر بھر اسی پھیر میں رہیں۔ آخر کار نوبت بہ این جا رسید کہ گاڑی بان چھکڑا چھوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف چلا، جاؤ ہم چھکڑا و کڑا سب چھاڑ جاب۔ کانسٹبل نے بڑھ کر ایک ٹیپ جمائی اور سُنیے۔ کہا نادر شاہ بنے جاتے ہیں۔ چل سامنے اور ابھی لے چل چھکڑا حاکم کا حکم ہے۔

راوی: اور لطف یہ کہ چھکڑا کسی حاکم نے منگوایا نہ تھا۔ مطلب سعدی دیگر است۔ مطلب یہ تھا کہ کچھ دے نکلے۔ جب اس بے چارے نے دیکھا کہ یہ ماری مانتا ہے نہ جیتی تو سات پیسے دیئے اور ایک کدو۔

شام کو ایک چبوترے پر آپ نے بستر جمایا۔ حقّہ ایک چوکیدار سے بھروایا، اور لیٹ کر مزے سے دھواں دھار تمباکو اُڑانے لگے۔

اتنے میں تحصیل کا ایک چپڑاسی آیا پوچھا۔ یار تم آج دن بھر یہاں رہے اور کوئی کام نہ کاج۔ اور ہم نے سُنا ہے کہ کچھ بنا بھی لے چلے تو ہم لوگ مفت ہی میں بدنام ہیں۔ کانسٹبل نے کہا تم لوگ مفت میں بدنام نہیں ہو۔ جب ہم پولیس میں رہ کر اِس قدر پیدا کر لیتے ہیں تو تحصیل کے چپراسیوں کو خدا جانے کیا کچھ مل رہتا ہوگا۔ کہا یہ اپنی اپنی قسمت پر ہے۔ ایک ہم ہیں کہ پانچ جو تنخواہ کے ملتے ہیں، اس کے سوا اور ٹکا نہیں وصول ہوتا۔ اور ایک تم ہو کہ دو تین روپیہ ایک دن میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنائے چلے۔ تھوڑی دیر کے بعد چپراسی نے کہا لے سلام، اب ہم اپنے بستر پر جاتے ہیں۔ ادھر رخصت ہو کر چپراسی گیا اُدھر چوکیدار نے کان میں کہا کہ (حوالدار صاحب) ایک جگہ کچھ لاب ہے۔ جو ہجار دوئی ہجار مل جائے تو کیسا۔ ایک مہاجن کی جورو اس گاڑی سے پیر پورے جات ہے۔ مار گہنا۔ مار گہنا لدی ہے۔ کانسٹبل اُٹھ بیٹھا۔ کہا بھلا کتنی دور جاتا ہے۔ چوکیدار نے کہا یہاں سے چھ کوس ہے۔ پوچھا آدمی کتنے ساتھ ہیں۔ کہا ایک گاڑی بان، ایک چھوکرا بس۔ کانسٹبل کی باچھیں کھل گئیں۔ کہا تو پھر مار لیا ہے۔ مگر ہمارے ساتھ کون کون آدمی چلے گا۔ چوکیدار نے دو برہمنوں اور دو پاسیوں کا نام لیا اور کہا چار یہ ہیں اور دو ہم اور تم۔ چھ آدمی ہوئے۔ مار لیں گے، گرا دیں گے۔ چھین لیں گے۔ کانسٹبل تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ کہا ہمارے نزدیک ایک آدمی اور ساتھ لے لو۔ چوکیدار بولا۔ یہ کون بڑی بات ہے۔ ایک پاسی اور بڑھا دیں گے۔

کانسٹبل: ہم مار کے گرا دیں گے۔ دو ہوں، چار ہوں، دس ہوں۔ چاہے جتنے ہوں۔

چوکیدار: ارے صاحب ہوئے دیوؤ۔ پھر دیکھو سیر۔

کانسٹبل: اجی ایک ہاتھ میں گرا دوں مگر رقم دو ہزار کی ہو۔

چوکیدار: دوئی ناہیں بلکہ اور چار کی۔

کانسٹبل: مزے ہیں۔ خوب جشن اڑائیں گے۔

چوکیدار: تو ہجور ہم جائے سب ٹھیک کری نہ۔

چوکیدار نے اپنے ساتھی بدمعاشوں کو آمادہ کیا۔ وہ سب خوشی کے ساتھ چوکیدار کے مکان پر آئے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ مہاجن کی بیوی تین ہزار کا زیور پہن کے بہیلی پر جاتی ہے۔ ایک عورت ساتھ ہے، اور ایک باری اور ایک چھوکرا۔

چوکیدار بولا (اور گاڑی بان) چھوکرا گاڑی بان، باری تین آدمی بلکہ تین کاہے کو ڈھائی سمجھیے، اور عورت تو کسی گنتی ہی میں نہیں ہے۔ اتنے میں ایک آدمی جا کے کانسٹبل کو بُلا لایا۔ کانسٹبل نے کہا۔ سب پکّی پوڑھی کر لو۔ وقت دریافت کر لو کہ کس وقت روانہ ہوں گے۔ ہم آگے جا کے گاڑی بان سے باتیں کریں گے۔ مگر بھیس بدل کر، اور کبھی بھجن گائیں گے کبھی شعر پڑھیں گے۔

نسرین بہ چمن برند مد گر بدن این است
با غنچہ صیادم نزند گر دہن این است

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوکیدار ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

ایک: سٹران ہے۔ الیٔ کا بلوا بکت ہے۔ اور کا کہی ہو ہو نہہ با۔

دوسرا: پارسی بُولت ہے۔ یوسا ادھرواۓ دیہی بھیّا یاں۔

تیسرا: تم توسب کو دھرواؤ گے۔ پارسی بولب کون وہ ہے۔

چوتھا: تم تو کانسٹبل ہی بنے رہو۔ اور دوڑ کے آؤ کہ چور آئے چور آئے ڈاکو آئے لینا لینا بھاگنے نہ پائیں۔ سمجھ گئے نہ۔ عقل مندی یہی ہے۔

کانسٹبل: ہاں جس میں نمبر بھی بڑھے، اور روپیہ بھی ملے۔ اور نام بھی ہو۔

ع۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

چوکیدار: ذرا ہجور وہاں پارسی نہ بولیں۔ گنوار منئی پارسی کاؤ جانیں۔

کانسٹبل: (ڈاکر کر) اب ہم شعر ین پڑھیں گے:

قاصد کے ساتھ چلتے ہوں دوڑ کر کے اشک

دیکھیں تو پہلے کون پہونچے منزل کے پاس

راوی: اب اپنی اصلیت پر آئے۔ کتنا موزوں شعر پڑھ دیا۔

یہ سب آدمی کمر کس کر ایک باغ میں جو تیرہ و تار تھا، چھپ رہے۔ خیر۔ شب کو فیروزہ خانم نے کھانا نہیں کھایا، اور بار بار یہی سوچا کیں کہ ثریا بیگم سے اللہ رکھی ہونے اور اللہ رکھی سے جوگن اور جوگن سے شبو جان پھر ثریا بیگم اب فیروزہ خانم نام رکھا۔ مگر چین نہ آیا۔ ہائے ان افعال قبیحہ نے غدا سمجھے۔ حرکات بد کا یہی نتیجہ ہے۔

اب سُنیے کہ مہاجن کی گاڑی بارہ بجے رات کو اس باغ کی طرف سے گزری۔ آگے باری، پیچھے گاڑی، چھوکرا ماچی پر بیٹھا۔ عورت گاڑی کے اندر تھی۔ ڈاکوؤں نے مشورہ کیا کہ بس یہی موقع ہے۔ لینا لینا کہتے ہوئے چھ آدمی دوڑ پڑے۔ آتے ہی گاڑی بان کے ایک ڈنڈا رسید کیا۔ وہ تیورا کے گرا۔ اُنھوں نے بیل کھول ڈالے۔ باری لٹھ لے کے جھپٹا مگر دو چوکیداروں نے ڈنڈوں سے گرا دیا۔ ڈاکوؤں نے عورتوں کو گاڑی سے اُتارا۔ خادمہ سے کہا اپنی بیوی کا زیور اُتار دے۔ اس نے انکار کیا۔ مہاجن کی بیوی نے رو کر کہا۔ اُتار کیوں نہیں دیتی۔ اور جو وہ خود ہاتھ ڈال بیٹھیں تو کیا ہو۔ خادمہ نے زیور اُتار دیا۔ چھوکرا بے چارہ الگ کھڑا کانپ رہا تھا۔ اتنے میں ایک سمت سے روشنی نمودار ہوئی، اور کہاروں کی ہوں ہوں کی آواز آئی۔ ڈاکوؤں نے اپنا راستہ لیا۔ اور کانسٹبل دو چوکیدار دو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو لے کر غل مچانے لگا۔ چور، چور، چور، چور۔

گاؤں والے دوڑ پڑے لینا لینا۔ جانے نہ پائے۔ ڈاکہ پڑا۔ ڈاکہ پڑا۔ موقع واردات پر پہونچے۔ تو دیکھا کہ دو عورتیں زار زار رو رہی ہیں۔ چھوکرا کھڑا آنسو بہاتا ہے۔ ایک بیل سڑک پر بیٹھا ہے۔ دوسرے کا پتا نہیں۔ باری پڑا اسسک رہا ہے۔ گاڑی بان ڈنڈے کی ضرب سے کراہتا ہے۔ صاحب کی ڈولی آن پہونچی۔ اترے۔ حال پوچھا۔ ڈولی میں سولہ[16] کہار تھے۔ سب کو حکم دیا کہ جنگل میں تلاش کرو۔ مگر ڈاکو لے دے کے چل دیئے تھے پتا کہاں سے ملتا۔

صاحب: وَل کسی کا غل نہیں ہوا۔ بولتا نہیں سکا کوئی شخص۔

کانسٹبل: خداوند ہم تو راہ جاتے تھے۔ جب پاؤ کوس پر آئے تو رونے اور غل کی آواز سن کر دوڑ پڑے۔ یہاں آئے تو ڈاکو ملے۔

صاحب: وَل ڈاکو ملا۔ پھر تم کیوں کر جانے دیا۔ گرفتار نہیں کیا۔

کانسٹبل: حضور ڈاکوؤں کو میں نے دیکھا نہ تھا مگر معلوم ہوا کہ ڈاکا پڑا۔

صاحب: وَل۔ یہ کس کا عورت ہے؟ کون کا عورت ہے گا آپ۔

خادمہ: صاحب یہ گنگا داس مہاجن کی پتوہو ہیں۔

صاحب: پتوہو کیا بولتا۔

خادمہ: اُن کے بٹوا کی دُلھن

صاحب: او۔ وَل آدھی رات کو ساتھ نہیں کیا آدمی۔

کانسٹبل: حضور کئی آدمی ساتھ تھے۔ باری، گاڑی بان۔ کہار کا لونڈا۔ کہاری۔ مگر ڈاکوؤں سے کچھ چلنے پاتی ہے۔ توبہ۔ توبہ۔

صاحب: ہاں۔ ایسا بات۔ جنگل بڑا سا گھنا ہے۔

کانسٹبل: حضور گھنا سا گھنا ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

صاحب نے گانوؤں سے گاڑی بان بلوایا۔ مہاجن کی بیوی کو سوار کرایا۔ چھ چوکیدار ساتھ کیے اور کہا جاؤ، ہم دونوں آدمیوں کو ڈولی پر بھیجتے ہیں، باری اور گاڑی بان کو ڈولیوں پر لدوا کر بھیجا۔

اب سُنیئے کہ دوسرے روز گاؤں کے چوکیدار نے تھانے پر اطلاع کی، اور اِدھر کانسٹبل بھی تھانے پر پہونچا۔ تھانہ دار صاحب سے کل حال بیان کیا۔ چوکیدار نے کہا ہم کو اپنے گاؤں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لوگوں پر شک ہے۔ تھانہ دار چوکیدار اور دو سپاہیوں کو لے کر موقع پر تحقیقات کے لیے گیے۔ ایک سپاہی مہاجن کے ہاں بھیجا گیا کہ باری دار، گاڑی بان، اور کہاری اور چھوکرے کو بھیجیں اور کانسٹبل کو مع دو سپاہیوں کے گاؤں بھیجا کہ وہاں تحقیقات کریں۔ یہ واردات گاؤں سے آدھ کوس پر ہوئی تھی۔

کانسٹبل نے دونوں سپاہیوں کو راستے میں پٹی پڑھادی۔ ایک کا نام کالے خاں تھا۔ دوسرے کا درشن سنگھ۔ تھانے سے دو کوس پر نکل کر تینوں سپاہی ایک چھکڑے پر لد لیے۔ چھکڑے والے نے کہا صاحب ہم تو ملکنا پور جات ہے۔ ایک سپاہی نے کہا چُپ رہ۔ نہیں اتر کے دو لگاؤں گا۔ قہر درویش برجانِ درویش۔ تین کوس کا چکر پڑا اور مفت میں گاؤں میں پہونچے۔ سب چوکیداروں کو بلوایا۔ برگد کے تلے کنویں پر بیٹھ کر تحقیقات کرنے لگے۔

ایک چوکیدار: ہمرے محلّے ماں کو بدجات ناہیں رہت۔

دوسرا: ہمری طرف پاک پٹھان ہے۔ اور راتی کا پکار یوں تو بولیں نہ۔ وہی ہو تو ہو۔

راوی: یہ سکھایا ہوا تھا۔ اکثر ناظرین اس کا مطلب سمجھے ہوں گے۔

کانسٹبل: اور کون کون بدمعاش یہاں رہتا ہے۔ سب کے نام لکھوادو۔

چوکیدار: ایک ملکی ہے۔ تہور علی اور ایک گھوسی ہے بدلو، اور ایک بوڑھا ہے کشنا۔ یہی ہیں اور تو کوئی نہیں ہے۔

کانسٹبل: سب کو گرفتار کر لاؤ۔

ایک کانسٹبل اور دو چوکیدار پٹھان کے ہاں گیے۔ ایک چوکیدار گھوسی کے ہاں، دوسرا بوڑھے کے پاس۔ تہور علی گاؤں میں نہ تھے۔ سب جمع ہوئے مگر پٹھان کا پتا نہیں۔

خاں صاحب کے دروازے پر جو سنگھ جی (وہی کانسٹبل جو ڈاکے میں شریک تھا) پہونچے تو آواز سُن کر فیروزہ خانم کانپ اُٹھیں۔

فیروزہ: فرخندہ۔ اے فرخندہ!

فرخندہ: (نیند سے چونک کر) بیوی کیہے۔

فیروزہ: وہ موا پھر آیا۔ درگور۔

فرخندہ: ارے! ہاں ہاں۔ خاں صاحب کو پکار رہا ہے۔

خاں صاحب باہر آئے۔ کہیے تو سنگھ جی کہاں آئے۔ چوکیداروں نے کہا پٹھان ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانسٹبل نے موچھوں پر تاؤ دے کر کہا چلیے۔ وہاں برگد کے تلے تحقیقات ہو رہی ہے۔ حوالدار صاحب بلاتے ہیں۔ اتھے خان صاحب چکرائے۔ کیسی تحقیقات۔ تحقیقات کیسی؟

کانسٹبل: معلوم ہو جائے گی۔ ذری چلیے تو سہی۔ ہونہہ۔ بڈھے سرہنگ۔ ا۔۔۔

خان صاحب: سُنو جی۔ ہم پٹھان آدمی ہیں' جب تک چُپ ہیں تب تک چُپ ہیں' اور جس دم غصّہ آیا۔ بس پھر یا تم نہ ہوگے یا ہم نہ ہوں گے۔

کانسٹبل: خیر سمجھا جائے گا۔ مگر اب اس وقت تو چلیے کپڑے پہن آؤ۔

خان صاحب: کہاں چلیں کہاں۔ اور تحقیقات کس بات کی ہوگی۔

کانسٹبل: اب ہم کو کیا معلوم' مگر حوالدار صاحب کا حکم ہے کہ بلا لاؤ۔

چوکیدار: لودھے کو بلایا ہے' اور اس گھوسی کو' اور بدلو کو اور تم کو۔

خان صاحب: ایں' ایں گلِ دیگر شگفت۔ وہ توڈا کو ہیں تینوں کے تین۔

کانسٹبل: اور آپ بڑے شاہ ہیں۔ مارے وہی مشیخت کے۔

خان صاحب: کیوں اپنی زندگی کے دشمن ہوئے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔

کانسٹبل: اب چلیے گا یا وارنٹ آئے۔ جو مناسب ہو وہ کرو۔

خان صاحب: اچھا کپڑے پہن کے ہم آتے ہیں۔

خان صاحب گھر میں تشریف لے گئے تو بیوی نے طعنے دیئے واہ بڑے پٹھان بنے ہیں۔ موئے پیادے کی بھی کوئی اصل وحقیقت ہے گی کہ دروازے پر دانند مچائے۔ مگر تم کیا کرو۔ گنوارپن کہاں جائے۔ بھلا دیکھوں تو نگوڑا سپاہی کیوں کر لے جاتا ہے۔ دروازے پر جا کر کہا۔ کیوں رے موئے درگور' اللہ کرے تیرا جنازہ نکلے۔ تو ہے کہاں جاتا ہے۔ جو مرد ہوتی نہ تو سر منڈوا ڈالتی تیرا۔ مونڈی کاٹا جو منھ میں آتا ہے اول فول بکتا ہے۔ تحقیقات کس بات کی ہوگی۔ کیا تیرا باپ قتل کیا ہے' چل دور ہو میرے دروازے سے کانسٹبل کے ہوش اُڑ گیے۔

کانسٹبل: حضور خانم صاحب آپ غُل نہ مچائیں' خان صاحب کو بھیج دیں۔

خانم: اللہ کرے تجھ پر حضرت عباسؑ کا علم ٹوٹ پڑے۔ کیا چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے۔ ایسی جگہ گردن مارے جہاں کہ پانی نہ ملے۔

کانسٹبل: اجی خان صاحب آئیے گا یا وارنٹ آئے۔

خانم: وارنٹ لے جا اپنے ہوتوں سوتوں کے ہاں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانسٹبل: یہ عورت تو بڑی کلّہ دراز ہے۔

خانم: میرے مُنھ لگے گا تو مُنھ پکڑ کے جھُلس دوں گی مونڈی کاٹے۔ وارنٹ اپنے باپ دادا کے نام لے کے جا۔

اتنے میں خان صاحب ڈھاٹا باندھ کر برآمد ہوئے۔ کہا لے تجھے دائیں ہاتھ کا کھانا حرام ہے جو لے نہ چلے۔ خان صاحب آستین چڑھا کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ کہا۔ قسم خدا کی اگر ایک لفظ ایک کلمہ بھی تیری زبان سے نکلا تو چھاتی پر سوں گا۔ کانسٹبل بولا دیکھتے جاؤ لے استعمال طبع دیتے ہیں۔ قانون دانی سے بہرہ تو ہے نہیں۔ پہلے اپنا منھ بنواؤ تب ہمارے منھ چڑھو۔ اب چلیے بس بہت غرور کی نہ لیجیے۔

خان صاحب: بیدھا ہو آیا ہے کیا۔ کیوں پٹے گا میرے ہاتھ سے۔

کانسٹبل: کیا دونوں چوکیداروں کو لگا دوں گا۔ پیس ڈالیں گے۔

خان صاحب کانسٹبل کو ساتھ لے کر اکڑتے ہوئے چلے۔ کانسٹبل نے فیروزہ خانم کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا ہم ان کو لیے جاتے ہیں یہی تمھارے حمایتی تھے نہ اب تمھاری باری بھی آئے گی۔ فیروزہ خانم کانپ اُٹھی۔

خان صاحب کنوئیں پر آئے تو دیکھا گاؤں بھر کے ڈاکو اور چور اور بدمعاش جمع ہیں۔ خلق خدا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اور دو کانسٹبل وردی پہنے بیٹھے ہیں۔ کہا حوالدار صاحب ہم کو کیوں تکلیف دی۔ بولے گاؤں بھر کے بدمعاشوں کی آج دعوت ہے۔ خان صاحب نے ڈنڈے کو تول کر جواب دیا۔ آج بدمعاشوں کی دعوت ہے۔ اچھا تو پھر دو ایک بدمعاشوں کی ہم بھی خبریں گے۔

حوالدار: بہت گرمایئے نہیں۔ چوکیداروں نے جو ہم سے کہا وہ ہم نے کیا۔

خان صاحب: اور جو چوکیدار تم کو کنوئیں میں کود پڑنے کی صلاح دیں۔

حوالدار: ہم کود پڑیں۔

خان صاحب: تو ہماری نسبت آخر جرم کیا عائد ہوا ہے۔

حوالدار: کل رات کو تم کہاں تھے؟

خان صاحب: اپنے گھر پر اور کہاں۔

حوالدار: چوکیدار کہتا ہے کہ آپ گھر پر نہیں تھے۔

چوکیدار: ہجور یہ بجھری مان ناہیں رہے اور ایک منئی ان کا رات کا وہی باگ کے بھیتر گھس رہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خان صاحب نے چوکیدار کو ایک چانٹا دیا۔ سور۔ ابے ہم چور ہیں، اور رات کو گھر پر نہ تھے۔ حوالدار نے خشمناک ہو کر کہا۔ کیوں جی یہ ہمارے سامنے مار پیٹ۔ یہ بدعت کیسی۔ خان صاحب آگ ہو گیے۔ پیترے بدل بدل کر چوکیدار کو گالیاں دینے لگے۔ ایک بار بھر طیش میں آکر چوکیدار کو پیٹا۔ اس پر ایک کانسٹبل نے اُٹھ کر کہا۔ سُنو خان صاحب۔ پٹھان تم بھی ہو، پٹھان ہم بھی ہیں۔ تم زمین دار ہو، ہم سپاہی ہیں۔ اگر اب کی اس چوکیدار پر پھول کی چھڑی پڑی تو اُٹھا کے دے ہی ماروں گا۔ خان صاحب نے جھلا کر چوکیدار کے دو گھونسے لگائے کہ اتنے میں ایک یوروپین گھوڑے پر سوار اُدھر سے آنکلے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ کانسٹبل نے کہا غریب پرور ایک مقدمے کی تحقیقات کے لیے آئے ہیں۔ اس شخص کی نسبت ایک چوری کا شک ہے، سو یہ مقدمہ مرتب نہیں کرنے دیتا۔ چوکیدار کو کوئی تین چار مرتبہ پیٹ چکا ہے۔ چوکیدار نے کہا۔ دُہائی ہے صاحب کی، دُہائی ہے صاحب کی۔ مارے ڈالتا ہے۔ صاحب نے کہا۔ ول۔ چالان کرو۔ ہماری گواہی لکھواؤ۔ ہمارا نام میجر کراس ہے۔ ہم گرنیٹے ہے۔ لیجیے چوری اور ڈاکہ زنی کا مقدمہ در کنار رہا۔ بالفعل ایک جُرم تو عاید ہو گیا۔

کانسٹبل نے چوکیدار سے کہا، اس آدمی کو بلاؤ جو گواہی دیتا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک عورت آئی۔ تنبولن۔ بائیس تیئیس برس کا سن۔ نوق اُبھرک لہنگا پھڑکاتی ہوئی آئیں۔ حیثیت کے موافق زیور بھی تھا۔ مانگ چوٹی سے لیس۔ کلّے میں گلوری دبی ہوئی۔ ہاتھ میں چار پان۔ آن کر حوالدار کو پان دیئے۔ اُنھوں نے مسکرا کر لیے۔

حوالدار: تم نے خان صاحب کو رات کے وقت کہاں دیکھا تھا۔

تنبولن: اس پورے کے پاس۔ یہ تھے اور تین چار آدمی اور تھے۔ سب لٹھ بند۔ ایک کے پاس تلوار بھی تھی۔ میرے ساتھ ایک آدمی تھا۔ یہ سمجھے کہ اس کے پاس کچھ ہے۔ ایک آدمی نے کہا چھین لو ساس سے۔ میں بولی کہ داتتوں سے بوٹیاں نوچ لوں گی۔ میں کوئی مری ہوئی عورت نہیں ہوں۔ نہ گنوارن ہوں، بے وقوف شہر کی نازک عورت۔ ایک آدمی میری طرف بڑھا۔ میں نے ایک چانٹا دیا۔ بس پھر کوئی نہ پاس آیا۔ خان صاحب نے مجھ سے پوچھا کہو تنبولن فتح ہے۔ میں نے مارے ڈر کے کہا ہاں جاؤ فتح ہے اور دل میں دُعا مانگی کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں یہ سب دھنس جائیں۔

خان صاحب: اری تنبولن!

تنبولن: (انگلیاں مٹکا کر) ذری اری تری نہ کرنا مجھ سے۔ میں کوئی چمارن نہیں ہوں۔

خان صاحب: تم نے ہم کو چوروں کے ساتھ دیکھا تھا۔ کیوں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تنبولن : (ہاتھ چمکا کر) دیکھا ہی تھا۔ کیا کچھ اندھے ہیں۔ چور تو تم ہو ہی۔

خاں صاحب : عورت کے مُنھ کیا لگوں۔

تنبولن : اے چور کے پاؤں کتنے۔ تم کیا بچارے میرا مقابلہ کروگے۔

حوالدار : اور دوسرا گواہ کون ہے۔

تنبولن : ہمارا آدمی۔ نوکر ہمارا۔

تنبولن نے مُسکرا کر کہا صبح کو میرے پاس ایک آدمی بھیجا تھا کہ بیس روپیہ لو اور کسی سے ہمارا حال نہ بیان کرو۔ ہم عزّت والے آدمی ہیں۔ ہماری سخت بے آبروئی ہو گی مگر میں نے کہا تجھے دو ر بیس روپیہ کا گیہوں بھروا، جو عمر لڑکے بالے کھائیں۔

خان صاحب : خدا اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

تنبولن : ہمارا مُنھ تو ہمیشہ سُرخ رہا، اور سرخرو ہمیشہ ہم رہیں گے۔

خان صاحب : حشر میں روسیاہ ہو گی اور یہاں بھی روسیاہ ہے۔

تنبولن : اب روسیاہی کا حال جب معلوم ہو گا جب بڑے گھر میں چکّی پیسو گے۔

خان صاحب : اور وہاں گیت گانے کے لیے تم کو بلا لیں گے۔

تنبولن : کیوں شامتیں آئی ہیں تیری۔

حوالدار نے کہا اچھّا دوسرے گواہ کو بلاؤ۔ ماتا دین کسان آئے انھوں نے بیان کیا کہ میں رات کو گیارہ بجے کے وقت پورے کے پاس جاتا تھا، وہاں مجھے یہ ملے (خان صاحب کی طرف اشارہ کرکے) یار۔

خان صاحب : قسم خدا کی یقین ہو گیا کہ کوئی شخص میرا ہم شکل تھا۔

کانسٹبل : ہاں اب راہ راست پر آئے۔

کالے خان : ہائے ہائے پٹھان ہو کے اور چوری کریں۔

حوالدار : ہاں صاحب تو کوئی شخص آپ کا ہم شکل تھا۔ ہے نہ۔

تنبولن : جیسے بالکل یہی

حوالدار : (مسکرا کر) صورت کیسی ہے اور افعال کیسے ہیں۔

ایک مسافر نے کہا حضرت شکل و صورت پر نہ جایا کیجیے :

جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے　　　ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھلا کون کہ سکتا کہ یہ سفید پوش آدمی اور ڈاکہ ماریں گے۔

خان صاحب: خدا کی قسم جی چاہتا ہے سر پیٹ لوں۔

مسافر: جی بجا ہے۔ بلکہ منھ نوچ لیجیے۔

خان صاحب: واللہ اس وقت ضبط کرنا محال ہے۔

مسافر: بجا ہے۔ آپ بڑے متحمل آدمی ہیں۔

خان صاحب: یہ سب اس کانسٹبل کے کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔

حوالدار: اچھا کیا۔ سمجھ لیجیے گا۔ کیوں نہیں۔

خان صاحب بھی جگت پر بیٹھ گیے، دل میں سوچنے لگے کہ اس کمبخت کا وار تو چل گیا۔ مگر صاحب کے اجلاس سے ہم چھوٹ جائیں گے۔ مگر اس نے وار کیا ہے۔ حوالدار کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

پھنس کے دل مت دہل سمجھ لیں گے　　زلف کرتی ہے بل سمجھ لیں گے

ہم سپاہی ہیں او کمان ابرو　　تیغ پکڑے اجل سمجھ لیں گے

ہم بانکے آدمی ہیں۔

حوالدار: ہاں ہاں۔ آپ بانکے آدمی ہیں، اور ہم بزدل آدمی ہیں۔

خان صاحب: دیکھیے تو سہی۔ یا ہم نہیں یا تم نہیں:

خاکساروں سے جو رکھے گا غبار

اے فلک بدلی تری ہو جائے گی

ذرا تھانہ دار کو آنے دو۔

حوالدار: تھانہ دار تو آپ کے یار چے ہوں گے۔ اس میں کیا شک ہے۔

خان صاحب: کیا ہمارے منھ میں زبان نہیں ہے۔ ہم تقریر میں کسی سے بند ہیں، یا لڑنے بھڑنے والے نہیں ہیں۔ مگر اُستاد خوب بدلا لیا۔ ہم بھی اس کا توڑ کریں گے۔

کانسٹبل: یہ بھنگ تو نہیں پیتے ہیں۔

خان صاحب: جی میں تو بھنگڑ سلطان ہوں۔ دن رات بھنگ ہی بھنگ پیا کرتا ہوں۔

کانسٹبل: ہیں۔ ہے کچھ ایسا ہی۔

حوالدار کے کان میں ایک چوکیدار نے جھک کر کچھ کہا۔ حوالدار نے کانسٹبل کے کان میں کچھ کہا۔ کانسٹبل تین چوکیداروں کو لے کر چلا۔ چوکیدار خان صاحب کے مکان پر گیا۔ کہا پردہ کرائیے تلاشی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیں گے۔ یا الٰہی کس قدر مصیبت کا سامنا ہے۔ میاں باہر۔ بیوی گھر میں اکیلی، اور سرکاری آدمی تلاشی کے لیے آئے ہیں۔ خان صاحب کی بیوی نے سیکڑوں منغلظات سنائیں۔ اور آخر مجبور ہو کر پردہ کیا۔ کانسٹبل نے جاکر اِدھر اُدھر تلاش کی اور کہا اہا ہا ہا۔ یہ زیور نکلا، دو بالیاں ہیں اور ایک جگنو اور ایک چھپکا۔

یہ فقرہ سنتے ہی فیروزہ خانم، اور فرخندہ اور خان صاحب کی بیوی کے ہوش اُڑ گئے۔ کہا ارے! یہ زیور کہاں سے نکلا۔ ہائے ہائے اب دھرے گئے اور بے موت مرے۔ کانسٹبل نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا محلّے والوں کو بُلاؤ ان کے سامنے کل اشیا کو لکھ لیا اور لے چلے۔

بادی چور

محبوب سمن بر گل عذار غنچہ دہن، طرحدار، فیروزہ خانم، اپنے عشرت کدہ میں شب کے وقت بہ آرام تمام خواب نازمیں تھیں۔ فرخندہ ان کی پلنگڑی کے قریب ایک چارپائی پر غافل سو رہی تھیں کہ دھم کی آواز آئی۔ فرخندہ کی آنکھ کھل گئی۔ ایں۔ یہ دھماکے کی آواز کہاں سے آئی۔ منھ پر سے چادر اٹھائی۔ مگر اندھیرا دیکھ کر ڈر گئیں۔ چپ چاپ پڑی رہیں۔ اتنے میں پاؤں کی چاپ معلوم ہوئی۔ بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا اور تھر تھر کانپنے لگیں، ایک پیر مرد سامنے کے دالان میں سوتے تھے۔ ساٹھ برس کا سن مگر پہلوان سیدی سالمین کے ساتھ کبڈی کھیلے ہوئے۔ گو بوڑھے ہو گئے تھے، کمر خم نہیں ہوئی۔ سکت موجود تھی۔ اور پچپیتی میں طاق۔ فرخندہ سوچی کہ اگر بولی تو دھر لی جاؤں گی۔ چور آٹھوں گانٹھ کمیت ہوتے ہیں۔ بولی اور اس نے حلال کر ڈالا۔ دبکی پڑی رہی اتنے میں اس چور نے فرخندہ کی چادر سرکائی۔ فرخندہ اس قدر ڈری کہ خون خشک ہو گیا۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

چور نے فرخندہ کو گود میں اُٹھایا، اور باہر لے گیا۔ ایک چارپائی پر بٹھا کر کہا۔ سُنو عبّاسی ہم کو تم خوب پہچانتی ہو۔ اگر مارے خوف کے نہ پہچان سکی ہو، تو اب اچھی طرح پہچان لو۔ عبّاسی نے بغور و تعمّق نظر ڈالی تو کانپ اٹھی۔ کہا۔ ہاں میں نے پہچانا۔ مگر اب یہ بتاؤ کہ یہاں کس غرض سے آئے ہو، اگر ہماری عزّت کے خواہاں ہو تو یاد رکھو کہ زہر کھالوں گی پھر کسی کو مُنھ نہ دکھاؤں گی۔ چور بولا کیا مجال ہم لوگ بڑے باوضع اور صاحب اخلاق، اور ذی مروّت ہوتے ہیں۔ اور ہم سے بڑھ کر کوئی ایمان دار نہیں ہے۔ یہاں شہر میں لوگوں کا قاعدہ ہے کہ آرایش چوروں و شہدوں کے سپرد کر دیتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر ممکن نہیں کہ آرایش کے تخت لٹ سکیں۔ ہم تمھارا زیور لینے آئے ہیں۔ تمھاری آبروریزی نہیں چاہتے۔ تم اپنی بیوی کو جگاؤ اور کہو کہ فلاں شخص آیا ہے۔ عبّاسی نے کہا اب صاف صاف بیان کرو کہ تم چاہتے کیا ہو۔ بیوی تو تمھارا نام سنتے ہی کانپ اٹھیں گی۔ چور نے کہا۔ عبّاسی خدا کی قسم تمھاری بیگم پر ہمارا دل آیا ہے۔ ہزار جان سے عاشق ہوں۔ دم نکلتا ہے۔ ناحق ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہیں۔ کسی کے سر ہو رہیں۔ اگر ہم سے زیادہ خوشرو جوان، کڑیل جوان، طرحدار جوان، وجیہ جوان ملے تو خیر، ورنہ مزے سے نکاح ہو جائے۔ یہ ہمارے ساتھ ہنسی خوشی سے رہا کریں، اور تم سے شرعی قسم کھا کے اقرار کرتے ہیں کہ تم کو عمر بھر موقوف نہ کریں گے۔ عبّاسی اس کا جواب کیا دیتی۔ خاموش ہو رہی۔ اس کے بعد چور نے عبّاسی سے کہا چراغ روشن کرو۔ چراغ روشن ہوا تو فیروزہ خانم کو جگایا۔ آنکھ کھلی تو ان ذاتِ شریف پر نظر پڑی۔ دھک سے رہ گئی۔ ہاتھ پاؤں بید مجنوں کی طرح لرزنے لگے۔ ہوش و حواس فقرّو۔ چور کو از سر تا پا دیکھا، اور کہا۔ اللہ اللہ ہمارے یہ نصیب کہ حضور کفش خانہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ زہے بخت:

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

چور مسکرایا۔ اس اٹھتی جوانی اور بحرِ حسن کی روانی کے علاوہ، جادو طرازی اور لفّاظی میں بھی حضور طاق ہیں۔ نکتہ پردازی اسے کہتے ہیں۔ ہائے اس حالت میں بھی بانکپن کو ہاتھ سے نہیں دیتیں۔ سچ ہے۔

معشوق پن نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو۔

چو مرغانِ چمن ادائے نازک آوازی
سراپا عشوۂ عالم فریبے شوخ وطنازی
بلیغے خوش گلوے دور اندیش خوش آوازی
فصیحے نکتہ پردازے زسر تا پا ہمہ نازی
چو گل بند قبا بازے چو شبنم پاکدامانی

ثریّا بیگم نے کہا۔ اچھا مانا کہ ہم رنگین ادا، نکتہ پرداز، عالم فریب، شوخ و طنّاز ہیں۔ بلکہ حق بر زبان جاری۔ پاکدامان بھی ہیں۔ ہماری پاکدامنی کی قسم کھانی چاہیئے۔ آزاد مرزا اگر ہمارے دق کرنے سے کچھ ملے تو تم کو اختیار ہے۔ ورنہ کیوں ہماری جان کے دشمن ہوئے ہو۔ اب ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ کون بزرگوار ہیں۔ آزاد مرزا۔ یہ نامعقول خدا جانے کس طرح سمجھ گیا کہ ثریّا بیگم اسی مکان میں رہتی ہیں۔ اچھی ٹوہ لگائی۔ جب ثریّا بیگم نے آزادی کے ساتھ گفتگو کی تو آزاد مرزا نے کہا:

می برد دل زکف جان بعوض می بخشند

سخنے کز لب جانانہ برون می آید

بیگم صاحب اس وقت عمداً اور قصداً آزاد مرزا کی دل جوئی کے لیے ناز و ادا کے ساتھ ہمکلام ہوئیں حالانکہ ان کی صورت سے نفرت تھی۔ ثریّا بیگم نے کہا۔ آزاد مرزا اگر تم ہماری مصیبت کے وقت ہمارے کام آؤ تو لونڈی بنا لو۔ مگر —— مگر کہہ کر کچھ کہنے کو تھیں کہ زبان لکنت کرنے لگی۔ آزاد مرزا نے دو شعر پڑھے۔

رسید جان بلب الآنمی توانم مرد

گرہ بکار من از لکنتِ زبانی ہاست

کی بود لکنت تو بے معنی

میکنی درس دلبری تکرار

عبّاسی کو اس تقریر سے ذرا تشفی ہوئی۔ پہلے تو کلیجہ پکڑ کر رہ گئی تھی کہ یا خدا اب ہم دونوں جوان جوان عورتیں اس مردوے کا کیوں کر مقابلہ کریں گی۔ رہی سہی جمع جتھا یہ لے جائے گا مگر بیگم صاحب کو کھُل کھُل کے باتیں کرتے دیکھا تو خوش ہو گئی۔ پوچھا میاں ہمارا پتہ کیوں کر پایا۔ ہم تو وہاں سے مارے ڈر کے بھاگ کھڑے ہوئے، اور یہاں آن کے ٹکے۔ آزاد نے کہا ڈر کیسا تم کو کس کا خوف —— تھا عبّاسی نے آہ سرد کھینچی اور کہا ہم کو اس موئے تھانہ دار کا خوف تھا۔ اللہ اس سے سمجھے۔ اسی مونڈی کاٹے کے سارے کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔ خدا ہماری طرف تھا اُس سے بچ آئے:

اللہ ہوئے بُلبُل ناشاد کی طرف

گلچین جو بولتا ہے تو صیّاد کی طرف

سارا زمانہ اس کا جنبہ کرتا۔ ہم اسباب زیور مال سب چھوڑ کر بھاگ آئے۔ وہاں کیا جانے کیا ہوا بھاڑ میں جائے۔ آبرو جو ایک باری جاتی ہے۔ پھر نہیں آتی۔ آزاد نے ثریّا بیگم سے عشق کی باتیں شروع کیں اور عبّاسی کو اشارہ کیا کہ ذرا ادھر اُدھر ٹہل جاؤ۔ عبّاسی فوراً دوسرے دالان میں جا بیٹھی۔ اُنھوں نے اشعار عاشقانہ پڑھنا شروع کیے۔ کہا جان من درد جدائی نے مار ڈالا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فراق دوستان دیدن نشانے باشد از دوزخ
معاذ اللہ غلط کردم کہ دوزخ زان نشانے شد

مگر بحمد اللہ کہ زیارت تو نصیب ہوئی۔

فیروزہ خانم نے کہا کہ اگر اس وقت ہمارے کام آؤ تو بڑا احسان ہو۔

آزاد مرزا: جان تک حاضر ہے۔ خدا کی قسم جان تک حاضر ہے۔

فیروزہ: جان آپ کی آپ کو مبارک رہے۔ ہم صرف ایک کام کو کہتے ہیں۔

آزاد: بدل و جان حاضر ہوں۔ جان تک حاضر ہے۔

فیروزہ: ایک کانسٹبل نے ہمیں بہت دق کیا ہے۔ تم کوئی تدبیر کرو اور اس کو نیچا دکھاؤ۔ اُس نے ہماری ناک میں دم کر دیا۔

آزاد: بتاؤ تو سہی۔

فیروزہ: پہلے قول دو۔ سچّا اقرار کرو۔

آزاد: منظور قول جان کے ساتھ ہے جو حکم ہو۔

فیروزہ: وہ ہمارے گھر پر آیا۔ اور ایک ایسی بات کہی جس سے ہمیں بڑا رنج ہوا۔

آزاد: اے لاحول۔ اے تو کچھ کہو بھی۔

فیروزہ: (کان میں کہا) سمجھے۔ آنسو آنکھوں سے نکل پڑے ہائے افسوس۔

آزاد: وہی کانسٹبل تو نہیں ہے جو خان صاحب کو پکڑ لے گیا ہے۔

فیروزہ: ہاں ہاں ہمارے پڑوسی کو مفت میں گرفتار کر لیا۔

آزاد: اچّھا سمجھا جائے گا۔ کھڑے کھڑے اس سے سمجھ لوں تو سہی۔

راوی: واضح ہو کہ ان حضرت کو کانسٹبل ہی نے پتا بتایا تھا اور اسی کے کہنے سے یہ یہاں آئے تھے، ورنہ اِن کے فرشتے خاں کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اُس نے آزاد مرزا سے کہا کہ فلاں گانوں میں ایک مال دیکھا ہے۔ قابلِ دید ہے۔ بلکہ دید ہے نہ شنید ہے۔

قدِ قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

آزاد ہزار جان سے عاشق ہوئے۔ چوروں کے پشت پناہ تو تھے ہی پہونچے۔ فوراً گھر میں پھاندے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

اب سُنیئے کہ خان صاحب کو کانسٹبل کشاں کشاں تھانے پر لائے۔ پٹھان آدمی کسی نے بات کی اور اُنھوں نے چانٹا دیا۔ ان کو تاب کہاں کہ پیادوں کی گھڑکی جھڑکی سہیں۔ مگر سرکاری آدمیوں کو دیکھ کر خون جگر پی کے چُپکے ہو رہتے تھے۔ حوالدار نے کہا خان صاحب گھبراؤ نہیں چھوٹ جاؤ گے۔ اجیٹن صاحب سب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ خان صاحب موچھوں پر تاؤ دے کر بولے اجی قسم ہے خدا کی جو کوئی لام کاف مُنھ سے نکالے تو اتنی بانڈیاں دوں کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو جائیں، کیا دل لگی ہے۔ یاران چوری نہ پیران دغابازی۔ کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ مگر ہم بھی سوچے کہ چلو بھئی دل لگی ہی سہی۔ اپنا ہرج ہی کیا ہے۔ اگر کوئی ذرا ٹیکھی چتون سے دیکھے تو آنکھیں نکال لوں۔ کیا ہم کو بھی ایسا ویسا مقرر کیا ہے۔ حوالدار اور کانسٹبل قہقہے اُڑاتے تھے۔ خان صاحب اکڑے جاتے تھے۔ فرمایا کہ ہم اگر چاہتے تو کھڑے کھڑے تم سب کو کانوں سے نکلوا دیتے یا سمجھا دیتے کہ بلا ثبوت ہم کو نہ لے چلو مگر:

نہ محتسب نہ مشایخ نہ قاضیم نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم

تم لوگ خود ہی بھگت لوگے۔ ہمارا بال تک بیکا نہ ہوگا:

لچوں سے ابھی ابھی سمجھ لوں
انشا اللہ دیکھیے گا

اتنے میں دو آدمی جن سے خان صاحب سے بڑا تپاک اور یارانہ تھا گاڑی پر سوار سامنے سے آتے تھے۔ اِن کو دیکھ کر سخت متحیّر ہوئے۔ ارے میاں خان صاحب یہاں کہاں۔ خیر تو ہے۔ خانصاحب نے کہا حضرت کیا عرض کروں کچھ نہ پوچھیے جان عذاب میں ہے۔ ہمارے پڑوس ایک رئیس زادی رہتی ہیں۔ بڑی نیک بخت اور پاک دامن عورت ہے۔ اُس کے پاس یہ حضرت گیے۔ دروازے پر خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔ غُل مچایا۔ بُرا بھلا کہا۔ اور ایک بات اور بھی کہی پوچھا وہ بات کیا تھی۔ کہا اس بے چاری عفیفہ پر تہمت تراشی کہ لڑکا ہونے والا ہے۔

کانسٹبل: کیوں جھوٹ بولتے ہو کیوں چغلی کھاتے ہو:

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ　　چغل خور کے مُنھ میں ڈستے ہیں سانپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خان صاحب: بیش یاد۔ ابھی کیا ہے میں تو صاحب کے سامنے کچا چٹھا بیان کروں گا۔
کانسٹبل: ابھی تک دشمنی سے باز نہیں آتے ہو۔ ناحق ہمارے مُنھ لگتے ہو۔
حوالدار: یہ تو ہم کو معلوم ہی نہ تھا کہ دونوں میں عداوت ہے۔
خان صاحب: عداوت سے عداوت ہے۔ صاحب کے سامنے سب بیان کروں گا:

آخر تو کھڑا ہے سر پہ صیّاد قضا
دل کھول کے خوب چہچہالے بُلبُل

اب تو تم اپنا وار کر ہی گیے، مگر توڑ کر کے وہ چوٹ لگائی ہو کہ تم بھی یاد کرو۔ دل لگی نہیں ہے۔ ہم بھی خواندہ اور تربیت یافتہ آدمی ہیں۔ ایسے ویسے نہیں ہیں۔ مگر ایسا چکما کھایا کہ ہم ہی جانتے ہیں خیر۔ فہمیدہ خواہد شد:

سوچے کہ ولا شتاب کیا ہے
پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے

خدا خدا کر کے تھانہ دور سے نظر آیا۔ خان صاحب نے کہا کہ تھانہ آگیا اب کانسٹبل کی خیر نہیں نظر آتی۔
تھانے پر پہونچے تو خان صاحب شیر ہو گیے۔ انسپکٹر پولیس ایک کرُسی پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ خان صاحب نے سلام کیا۔ انسپکٹر نے جواب دیا اور ان کے واسطے مونڈھا منگوایا۔
انسپکٹر: (حوالدار سے) کہو کچھ تحقیقات ہوئی۔
حوالدار: حضور تین آدمی چالان کرنے کے قابل ہیں۔
خان صاحب: ان میں ایک خاکسار بھی ہے۔
حوالدار: ہاں حضور۔
انسپکٹر: ایں! خان صاحب اور چور۔ وضع قطع شکل صورت سے تو بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں۔
خان صاحب: حضور اصل حال یہ ہے کہ یہ کانسٹبل خدا واسطے کو ہمارا دشمن ہو گیا اور دشمنی کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہمارے پڑوس ایک شخص کے ہاں بدعت کرتا تھا ہم نے منع کیا تو گالیاں دینے لگا۔ محلے والوں سے دریافت کر لیں کہ یہ اُس کو پکڑے لاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ چلو سرکار میں تمھارا بُلوّا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انسپکٹر: ہاں۔ کیا یہ سچ ہے جی تم سے پوچھتے ہیں جی۔

انسپکٹر نے پوچھا خان صاحب آپ کیا پیشہ کرتے ہیں۔ فرمایا شاعر ہوں شعر کہتا ہوں۔ فارسی اُردو۔ نظم نثر۔ کچھ بُرا بھلا کہہ لیتا ہوں:

اے بادِ صبا بگذر آنجا کہ تو میدانی
جانِ دلِ من برگو آنرا کہ تو میدانی

اس پر خاک ساری بھی ایک غزل ہے۔ جدا ہوئے اور خدا ہوئے۔ اس طرز پر ایک طرح تھی ستائیس شعر کی غزل کہی۔

ہنگام نزع آپ جو رونق فزا ہوئے
رضوان پکار اُٹھا در فردوس وا ہوئے

انسپکٹر: (مُنھ بنا کر) سُبحان اللہ۔

خان صاحب: اور سُنیئے۔ ابھی سُنتے جائیے۔ تعریف کی ضرورت نہیں۔

اُٹھی ہے جھوم جھوم کے کہسار سے گھٹا
رندوں میں دھوم ہے در میخانہ وا ہوئے

انسپکٹر: یہ شعر بہت صاف ہے۔ جھوم جھوم کی تکرار نے اور بھی لُطف دکھایا ہے۔

خان صاحب: جی ہاں۔ حضور قدر دان ہیں۔

انسپکٹر: کچھ فارسی نثر لکھنے کا بھی شوق ہے۔

خان صاحب: بس کیا عرض کروں طلبُ الکل فوتُ الکل تلخی روزگار نے مار ڈالا۔

دم زند در میان رہ صد بار
تاز خاطر بلب رسد سخنم

انسپکٹر: سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ اچھا کلام مبارک ہے۔

خان صاحب: حضور بھی کچھ فرماتے ہیں۔

انسپکٹر: جی ہاں ہیں بھی فرما لیتے ہیں۔

راوی: ضرور۔ وہ تو تقریر ہی سے ثابت ہے۔ کچھ فرمائیے۔

خان صاحب: ہاں قبلہ کان مشتاق ہیں کہ زبانِ مبارک سے کچھ سُنیں۔

انسپکٹر: بہت خوب۔ عرض کرتا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سامنے آنکھوں کے اب دن رات اسکا خال ہے
ان دنوں تاباں ہمارا کوکبِ اقبال ہے

لڑکھڑاتے ہیں قدم مستانہ تیری چال ہے
تاکِ انگورا ہے بتِ نازک جو سر پر شال ہے

گھر میں بیٹھے یار کو جو چاہے پاؤں سو بخیر
جب تلک خانہ میں آئینہ ہے بے تمثال ہے

رو رہا ہوں جیسے اک موئے کمر کی یاد میں
صورت دُرِّ نجف ہر اشک میں اک بال ہے

یاس نے مجکو عطا کی رنج نقصان سے نجات
برق غم گین ہو جو کشت آرزو پامال ہے

اُڑ نہیں سکتی تری انگیا کی چڑیا اس لیے
جالی کی کرتی ہے اس پر اے پری و جال ہے

باندھتا ہوں اضطراب دل کے مضموں رات دن
یاں زمینِ شعر میں بھی اندنوں بھونچال ہے

نرگس آنکھیں شاخ نرگس سرمۂ دنبالہ دار
گر ہے ریحان سبزۂ خط تخم ریحان خال ہے

خان صاحب: ناسخ لکھنوی کی غزل بھی اسی بحر میں ہے:

کچھ نہیں اے ناسخ اس کو فتنہ انگیزی سے خوف
ضربت عیسیٰ ہوں میں دشمن اگر دجّال ہے

انسپکٹر صاحب سخت خفیف ہوئے۔ کہا اکثر توارد بھی ہو جایا کرتا ہے۔ خان صاحب دل میں خوش تھے کہ اِن کو راہ پر لے آئے۔

اس روز انسپکٹر صاحب اور خان صاحب میں شعر شاعری کا چرچا رہا، اور یہاں تک تپاک بڑھا کہ خان صاحب نے انھیں کے دسترخوان پر کھانا بھی کھایا۔ انسپکٹر صاحب مونگ کی دال کی تعریف کرتے تھے۔ کیوں صاحب ایسی مونگ کی دال کبھی کھائی بھی۔ واہ۔ گوشت اس کے سامنے گرد ہے۔ سُبحان اللہ سُبحان اللہ کیا دال ہے۔

خان صاحب نمک حرام تو تھے نہیں کہ تعریف نہ کرتے۔ انتہا سے زیادہ تعریف کی۔ کھاپی کر وہیں سوئے اور گانے لگے۔

گیسوؤں کا ترے سودا شعرا رکھتے ہیں
یہی باعث ہے جو یہ فکر رسا رکھتے ہیں

تاب دیدار نہیں رکھتے ہیں یار رکھتے ہیں
چشم بینا ترے مشتاق لقا رکھتے ہیں

تیرے خونیں کفنوں کی یہ ادا رکھتے ہیں
پھول لالے کے لباس شہدا رکھتے ہیں

دست و پا میں جو حسیں رنگ حنا رکھتے ہیں
خون ہفتاد و دو ملّت کو روا رکھتے ہیں

قلزم عشق میں تنکے کا سہارا بھی ڈھونڈ
آسرا وہ نہیں لیتے جو خدا رکھتے ہیں

انسپکٹر صاحب نے کہا حضرت آپ تو خوش گلو بھی ہیں۔ اور انتہا کے خوش گلو، ذرا کوئی ٹھمری تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہیے گا۔ بسم اللہ اس وقت آپ نے پھڑکا دیا:

جب تک کہ نہ دل کی بیکلی جائے
اور دائرے والے گت چلی جائے

خان صاحب لہرا لہرا کر گانے لگے:

مطرب خوشنوا بگو تازہ بتازہ نو بنو
بادہ دل کشا بجو تازہ بتازہ نو بنو

سُبحان اللہ۔

کارستانی

ایک حاکم اجلاس پر خون کا مقدمہ دائر ہوا۔ ہزار ہا آدمی جمع۔ عدالت کا کمرہ بھرا ہوا۔ آدمی پر آدمی گرا پڑتا ہے۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ مدعی کے گواہوں میں منجملہ اور آدمیوں کے دو گنوار بھی تھے۔ بلکہ گنوار کے لٹھ۔ ایک برہمن سیتارام، دوسرا چمار بچو۔ مدعی کا مقدمہ مصنوعی نہ تھا۔ مدعی رام سنگھ اور مدعا علیہ کلو من دلی دشمنی تھی۔ رام سنگھ کا بوڑھا بھائی ہنونت سنگھ شب کو مکان میں سو رہا تھا' دو بجے کے وقت آدمی سے کہا کہ حقہ بھر لا۔ باری گڑگڑی بھر لایا۔ حقہ پی کر ہنونت سنگھ سوئے۔ سویرے باری نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو اندر سے بند پایا۔ دو چار بار آواز دی مگر صدائے برنخاست۔ آقا کو اِدھر اُدھر دیکھا کہیں پتا نہ ملا۔ کئی بار غل مچا کر کہا۔ مہراج۔ مہراج۔ مہراج۔ مہراج جی۔ مہراج جی کہیں ہوں تو بولیں۔ سخت استعجاب ہوا۔ باہر گیا۔ وہاں لوگوں سے پوچھا کہ مہراج کو باہر جاتے تو نہیں دیکھا۔ کہیں پتا ہی نہیں لگتا کہ کہاں گئے۔ ایک آدمی نے کہا۔ ہم نے نہیں دیکھا دوسرا بولا شاید ندی گیے ہوں۔ تیسرے نے کہا ندی پر جاتے تو دو ایک آدمی تو ساتھ ہوتے۔ الغرض تین چار آدمی اندر گیے چوطرفہ تلاش کیا مگر بیکار۔ آخر کار ایک شخص کی رائے ہوئی کہ کوٹھری کا دروازہ توڑا جائے۔ باری نے کہا آج کل گرمی کے دنوں میں یہاں کیا کرنے آتے۔ باہر سوتے یا کوٹھری میں گھس کر۔ دروازہ توڑا گیا' باری سب کے پہلے کوٹھری میں گیا قدم رکھتے ہی جھجکا اور بہ آواز بلند کہا۔ ارے! یہ کیا ہوا۔ حوالی موالی سب گھس پڑے دیکھا تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے۔

ہنونت سنگھ کا سر تن سے جدا۔ ناک الگ کٹی پڑی ہے۔ دونوں کان ندارد۔ کاسہ سر ایک طرف عضو عضو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ شہر بھر میں خبر مشہور ہوگئی۔ انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر اور برقنداز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور پڑوسی اور رہرو جوق جوق آئے کہ اس حالت زار کو دیکھیں۔

ایک: ہائے ہائے کیسا خوبرو جوان تھا۔ شیر بچہ معلوم ہوتا تھا۔

دوسرا: رہے نام اللہ کا۔ کل تک ہٹے کٹے تھے آج پتا ہی نہیں۔

تیسرا: پوچھوا کاؤ۔ کہو سے پیٹتی ہتی۔ وہی کا کام ہے یو۔

چوتھا: الاماں۔ الاماں۔ کاسۂ سر الگ۔ دھڑ الگ۔ ناک ندارد۔

پانچواں: خدا جانے کس شقی کا کام ہے۔ ہائے کس مصیبت سے مارا گیا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔

چھٹا: افسوس صد افسوس خدا کی قسم اگر میرا بس چلے تو زندہ چنوا دوں اس بے رحم سے خدا سمجھے۔ بڑے شقی ہوتے ہیں سنگ دل۔

اتنے میں انسپکٹر صاحب نے کل آدمیوں اور محلے والوں کو بلوایا۔ اور دو نامی بدمعاشوں کو بھی طلب کیا۔ ایک چارپائی پر انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر بیٹھے۔ باری کو بلایا اور سوال کرنے لگے۔

سوال: تم رات بھر اسی مکان میں تھے یا باہر چلے گئے تھے۔

جواب: ہجور سگری رات یہی پکھری، اور یہی کھاٹ پر سئوں۔

سوال: رات کو کسی وقت ہنونت سنگھ جاگے تھے۔

جواب: ہاں ہجور جاگے ہتے۔

سوال: اس وقت کچھ طبیعت بگڑی تھی تم سے کچھ بات چیت ہوئی تھی۔

جواب: ہاں گریب نواج (غریب نواز) گڑگڑی بھرے کا ہوکم (حکم) دہیں گڑگڑی بھر لائیوں۔ پہن اور پی کے پہڑ رہے۔

سوال: پھر اُٹھے تھے یا پھر سوتے ہی رہے۔

جواب: ہجور۔ پھر ہم نہیں جانت۔ ہمار اکرتج پرات را ہے۔

سوال: رات کو کوٹھڑی کے اندر کبھی اور بھی سوئے تھے۔

جواب: کبھوں ناہیں سرکار۔ اُلّوہ اوُن ناہیں ہجور۔

سوال: تم کتنے دن سے نوکر ہے، اور کیا تنخواہ پاتا ہے۔ پہلے کیا پاتا تھا۔ اب کیا پاتا ہے۔ کچھ کمی بیشی ہوئی۔

جواب: سرکار ہم تو لڑکپنے سے ان ہی کا جھونٹھا کھاہت ہے۔ پہلے ہم کا ڈیڑھ روپیہ اور کھائے کا دیت راہیں پھر دو روپیہ کھائے کا کے دہن۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوال : ان سے کسی سے عداوت ہے۔

جواب : ہاں سرکار۔ ایک منئی ہے کلو کلوار۔ روج ان کے پاس آوت راہے کہ ہمارے روپیے دے ڈالو۔ اور اے کہت راہیں کہ ہم کچھو ناہیں چاہت ہیں۔

سوال : کل رات کو بھی آیا تھا کلّو کلوار۔

جواب : ہاں سرکار۔ کال رات کا آوا راہے۔

سوال : کل رات کو کس وقت آیا۔ اور کس وقت گیا۔

جواب : کال کال کوئی کچی دو گھڑی رات ہوئی۔ مدا کب گوا یو ہم ناہیں جانت۔ ہم تو گھوسی کے ہیاں دودھ کے کھاتر گئیں راہے۔

انسپکٹر صاحب نے کل سوالوں کے جواب قلم بند کر لیے۔ لوگوں کو یقین واثق ہو گیا کہ کلّو کلوار ہی کی شرارت ہے۔ کلّو بلوائے گیے ادھر تھانہ دار نے سپاہی کے اظہار لیے جو دروازے پر تعینات تھا۔ سپاہی نے کہا۔ میں ڈیوڑھی پر تھا کہ کلّو آیا۔ مہراج نے کہا آنے دو کلّو سے کچھ باتیں ہوئیں۔ اُس نے کہا ہم تمھارا موڑ کاٹ لیپ۔ یہ بولے ہم تمھارا کنبہ بھر کا پھونک دیب۔ کلّو کے ساتھ دو سپاہی تھے وہ ڈیوڑھی پر بیٹھے رہے۔ ہم کو مہراج نے بھیجا کہ جاکے بھوسا لے آؤ۔ ہم جب وہاں سے آئے تو ڈیوڑھی پر جلد سر تھا۔ میں نے بھوسا اندر رکھوا دیا۔ مگر کلّو کو وہاں نہ پایا۔ مہراج سے پوچھا کہ کلّو سے اور آپ سے آج کیا تکرار ہوئی۔ کہا بہت گرما گرمی کی باتیں ہوئیں۔ ہم اُٹھ کے پوجا کرنے چلے گئے۔ وہ اپنے گھر چلا گیا۔

انسپکٹر : ہاں۔ بھلا تم کو یقین ہے کہ وہ کہیں چھُپ رہا ہو گا۔

تھانہ دار : معلوم ایسا ہی ہوتا ہے۔

سپاہی : اب لے میں کیوں کر کہوں۔ مگر اس وقت مکان میں کوئی اور تھا ہی نہیں، باری چلا گیا دودھ لانے۔ مجھے بھیجا بھوسے کو خود پوجا پر تھے۔ وہ کہیں اغل بغل چھپ رہا ہو گا

انسپکٹر : اور کون گواہ ہے کہ کلّو شام کو آیا تھا۔

باری : ہجور ہمارا پتو ہو۔

انسپکٹر : اپنی پتو ہو کو بُلاؤ (مسکرا کر) پردہ نشین تو نہیں ہے۔

باری : ارے ہجور۔ ہم تینچ گریب آدمی۔

اتنے میں باری کی بہو آئی۔ کشیدہ قامت، سبزہ رنگ، نازک اندام، زیبا خرام، ہاتھ پانوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہندی۔ ہری ہری پھریا، اور لال لال لہنگا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں۔ سترہ برس کا سن۔ گھونگھٹ سنبھالتی ہوئی آئی۔ انسپکٹر نے دل لگی کی راہ سے کہا۔ اے ہے۔ یہ تو ابھی نابالغ ہے۔ تھانہ دار۔ اور برق انداز، تماشائی مسکرانے لگے۔ بارن نے چمک کر کہا۔ جاؤ۔ ہم کا مسکھری اچھی ناہیں لاگت ہے، اے واہ۔ اور سُنو انسپکٹر نے پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ کہا ہمار کچھ ناؤں ناہیں۔

برقنداز: بتادے نیک بخت ایجنٹ صاحب پوچھتے ہیں

بارن: ہم جانت ہے۔ ہاں ہم کا کوئی اور سمجھے ہو۔

برقنداز: اے تو نیک بخت کچھ نام بھی ہے۔

بارن: ناؤں۔ لکھ لیو رجرنیا۔

برقنداز: ایں! بٹیا چمار کی ناؤں رجرنیا۔

بارن: بٹوا چمار کے تم بڑے چلبے وہاں سے ایک ستھنا پہن لیں اور لال لال پگیا دھے لیں موڑے پر، اور چلبے سب کا دھمکاوتے۔

انسپکٹر: اچھا دل لگی ہوچکی اب۔

راوی: کیا خوب۔ یہ دل لگی کا کون موقع تھا حضرت۔

انسپکٹر: کل رات کو تو کہاں سوئی تھی۔

بارن: (مسکرا کر) جہاں اور دن سویت راہی۔ ہاں کل ہو ہوؤں راہیوں۔

انسپکٹر: لاحول ولاقوۃ۔

بارن: یو ہم ناہیں سمجھت۔ کل ٹبل کل ٹبل کہ کا کہت ہیں۔

انسپکٹر: رات کو کس جگہ پر سوئی تھی۔

بارن: سامنے والی بکھری کے کوٹھے پر۔ وہ سامنے دکھات ہے۔

انسپکٹر: کلّو کو دیکھا تھا۔ یہاں کل رات کو آیا تھا کہ نہیں۔

بارن: آوا رہے۔ دوئی سپاہی ساتھے ہتے۔ مراج سے کوؤ بات پر لڑائی بھئی۔ مدا مار پیٹ ناہیں بھئی۔

انسپکٹر: مکان سے جاتے دیکھا تھا اس مکان سے چلا گیا تھا کہ نہیں۔

بارن: بکھری کے باہر جات دیکھار اہے۔ مُل پھر لپٹ دہی اندر رہوئے رہا۔ (یعنی جلدی سے اندر چلا گیا)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انسپکٹر: (ہنس کر) لپ دینی جب مکان کے اندر گیا تو کوئی اور بھی اُس کے ساتھ تھا۔

بارن: سپاہی اور آپ اپنا۔ دوجھنے بکھری مان گیے اور کہو کا ہم ناہیں دیکھا۔ بس لے اب ہم جات ہیں اب تو نہ پوچھو۔

انسپکٹر: رات کو مہراج اُٹھے تھے؟

بارن: ہم کا رات بھر تمھری طرح پہرا دیا کرت ہے، (چمک کر) اور ناہیں رات کا ہم کا نیند ناہیں لاگت ہے۔

انسپکٹر: کلّو اور سپاہی کدھر چھپ رہے تھے۔ دیکھا تھا۔

بارن: (قدم بڑھا کر) بھائی ہم کا دِق نہ کرو۔ ہم جائت ہے۔ ہم اب نہ ٹھہرب۔

اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور انسپکٹر صاحب سخت خفیف ہوئے۔ تھانہ دار نے کہا بڑی تیز چھوکری ہے۔ عدالت میں بڑی دل لگی ہوگی

انسپکٹر نے وردی اتاری، سفید کپڑے پہنے اور خلاف معمول ڈھانٹا باندھا۔ دو کانسٹبلوں کو ساتھ لیا، وہ بھی بھیس بدل کر چلے۔ وہ سپاہی جو کلّو کلوار کے ساتھ آئے تھے اُن میں ایک کا نام گھسیٹے تھا۔ دوسرے کا رام چرن۔ پہلے گھسیٹے کے مکان پر پہونچے۔ کانسٹبل نے آواز دی گھسیٹے ہوت۔ اندر سے ایک عورت نے کہا نہیں ہیں۔ پوچھا کہاں گیے ہیں۔ کہا رات سے نہیں ہیں۔ انسپکٹر نے دو محلّے والوں کی گواہی لکھوائی اور یوں سوال کیا۔

سوال: کیا کہیں باہر گیے تھے۔ یا رات کو اپنی سرکار میں تھے۔

جواب: دکان پر گیے تھے۔ کیا جانے وہاں سے کہاں گیے۔ کیوں۔

سوال: اور روز کہاں سوتے تھے۔ مکان ہی پر رہتے تھے۔

جواب: ہاں آج آتے ہوں گے (کل کیا جانے) کہاں رہے رات بھر۔

سوال: اور بھی کسی روز رات کو باہر رہے تھے۔ یا کل ہی باہر رہے۔

جواب: تم کو اس سے کیا مطلب ہے۔ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ ایک شخص نے کہا۔ اجیٹن صاحب ہیں۔ انسپکٹر۔ انسپکٹر صاحب نے ایک برق انداز کو دروازے پر تعینات کیا اور ایک کو تھانے پر بھیجا کہ تین کانسٹبل فوراً روانہ ہوں۔ جو شخص تعینات کیا گیا تھا اس سے کہا تم ہمارے پاس رام چرن کے مکان پر آؤ۔ اور اُن کانسٹبلوں کو یہاں اِدھر اُدھر تعینات کرو کہ گھسیٹے کو فوراً پکڑ لائیں۔ خود ایک کانسٹبل کو لے کر اسی حالت میں رام چرن کے مکان پر گیے۔ دروازے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر پہونچے تو ایک تنبولن اور ایک کہار کو اشارے سے بُلایا۔ اور پڑوس سے ایک دیوان جی کو طلب کیا۔ دروازے پر لڑکے کھیل رہے تھے۔ اور ایک آدمی ان کے پاس بیٹھا تھا۔ کانسٹبل نے پوچھا۔ بڑے میاں رام چرن ہیں۔ بوڑھے نے جو رام چرن کا باپ تھا۔ کہا سوتے ہیں۔ رات کو پانچ بجے تک باہر ناچ دیکھتے رہے، ابھی تو آیا ہے کوئی دو گھنٹے ہوئے۔

کانسٹبل: ناچ کس کے ہاں تھا۔ اسی محلّے میں تھا، یا کہیں اور۔

بوڑھا: کیا معلوم۔ ہم کو کیا معلوم۔ وہی جانے۔ کچھ ہم سے کہہ کے جاتا ہے۔

کانسٹبل: بابا ذرا جگادو۔ ہم کو تڑکے بلایا تھا۔ ایک نوکری ان کے لیے ٹھہرائی ہے۔ جگادو تو۔ لے جاؤں ساتھ۔ مگر وہ آدمی بڑے بے پرواہ ہیں اُن سے نوکری کا ذکر کروگے تو وہ نہ اٹھیں گے۔ اتنا کہہ دو کہ کلّو لالہ نے ابھی بُلایا ہے۔

بوڑھے نے کہا۔ جاتا ہوں۔ دیکھوں جو اُٹھے۔ اندر جاکر رام چرن کو جگایا۔ کہا لالہ کے ہاں سے کوئی آیا ہے۔ بڑا ضروری کام ہے ابھی بلایا ہے۔ رام چرن گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ کیوں کیوں کس نے بُلایا ہے لالہ نے۔ اُٹھ کر مُنھ دھویا باہر آیا۔ کانسٹبل وردی تو پہنے تھا ہی نہیں، آگے بڑھا۔ کان میں کہا لالہ نے بلایا ہے۔ کہا ہے کل کی واردات کھُل گئی۔ رام چرن کا رنگ فق ہو گیا۔ قریب تھا کہ کانسٹبل سے کچھ حال پوچھے مگر بھاپ لیا۔ کہا کیسی واردات۔ واردات کیسی۔ کانسٹبل چپٹ گیا اور چپٹتے ہی غُل مچایا۔ دوڑو۔ انسپکٹر کے پاس دو برقنداز پہونچ چکے تھے تینوں آدمیوں نے دوڑ کر کانسٹبل کو مدد دی۔ اور پکڑ لیا۔

رام چرن: ہائیں۔ ہائیں۔ تم لوگ کون ہو۔ دہائی ہے سرکار کی۔

انسپکٹر: چپ سور۔ ہم انسپکٹر ہے۔ خبردار جو بولا ہو گا بس۔

رام چرن: ارے گلاب، مار ان بدمعاشوں کو جاکے شیو دین کو خبر دے۔

انسپکٹر ڈیمنڈ مت جاؤ تم گلاب۔ سُور۔ ادھر کھڑا ہو۔

کانسٹبل: کل ناچ کہاں تھا۔ کس محلّے میں گئے تھے۔ اچھا ناچ نچایا۔

رام چرن: کہا اچھا تم گرفتار کر لو صاحب کے سامنے روبکاری ہوگی، بس تم لوگ وردی نہیں پہنے ہو۔ ہم کیوں کر جانیں کہ تم انسپکٹر ہو۔ دیکھو کہتے ہیں چھوڑ دو۔ کہا مانو چھوڑ دو۔

انسپکٹر: (مسکراکر) کچھ رشوت دو۔ دو روپیہ دو، کل کہاں تھے۔

رام چرن: کہاں تھے۔ ہم اپنے گھر میں تھے اور تھے کہاں۔ کیا خوب اچھا سوال ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

اَلا یا اَیُّہا السّاقی اَدِر کاساً وناوِلہا

انسپکٹر : اخاہ۔ آپ پڑھے لکھے بھی ہیں، اور سپاہیوں میں نوکری کرتے ہو۔

پڑھیں فارسی بیچیں تیل

یہ دیکھو قدرت کے کھیل

رام چرن کو کشاں کشاں لے چلے تو اُس کے باپ نے حیرت سے پوچھا کیوں کیوں وجہ کیا ہے۔ لے کہاں چلے اُس نے کیا کیا ہے۔

لالہ رام چرن موقع واردات پر لائے گئے، مگر گھسیٹے کا پتا نہ ملا۔

اب سنیئے کہ لالہ کلّو کے مکان پر تھانہ دار، اور چار برق انداز اور دو جمعدار بھیجے گئے تھے۔ مکان پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ کانپور گیا ہے۔ کمال استعجاب ہوا۔

تھانہ دار : بھلا اس کا کیا ثبوت ہے کہ کانپور گیا ہے۔ کیوں کر معلوم ہو۔

ننھو : (کلّو کے چھوٹے بھائی) ہم کو ثبوت سے کیا واسطہ وہ جانیں تم جانو۔

تھانہ دار : کیا مخادبن بنے بیٹھے ہیں۔ اُٹھ نامعقول اُٹھ کھڑا ہو۔

برق انداز : دیکھت ہے سسر کہ صوبے دار صاحب کھڑے ہیں اور سارا اُٹھت ناہیں ہے۔

ننھو : سُنا۔ میرے منھ نہ لگنا جی۔

اس فقرے پر ایک جمعدار کو غصّہ آیا۔ بڑھ کے ایک لپڑ مارا منھ پھر گیا۔ کہا اچھا جمعدار اندھیرے اُجالے سمجھ لوں گا۔ تھانہ دار نے کہا اب سیدھی طرح یہ بتا دو۔ ورنہ بھگتو گے اور جوتیاں کھاؤ گے۔

ننھو : (اکڑ کر) کسی کو دیکھا نہیں ہے

تھانہ دار : جمعدار۔ ان کو اس کوٹھے میں لے جا کر خوب گدیاؤ۔

جمعدار : چل رے چل۔ آ، اِدھر۔ بتا دو کہ کلّو کہاں ہے نہیں آج ہی مار ڈالے جاؤ گے۔

تھانہ دار : کیوں قضا سر پر کھیلتی ہے۔ گیدڑ کی جب شامت آتی ہے تو بستی کی طرف جاتا ہے۔ اور چور کی جب قضا آتی ہے تو کوتوال سے مقابلہ کرتا ہے۔

جمعدار : ان کی آ گئی ہے۔ اب یہ آج بچیں گے نہیں۔ یہ ایک ہی شریر ہیں۔

تھانہ دار : دیکھو عقل سے کام لو۔

رزق ہر چند بیگمان برسد   شرطِ عقل است جستن از درہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گرچہ کس بے اجل نخواہد مُرد   تو مرو در دہان اژدرہا ::

جان بوجھ کے اُلّو بننے سے کیا فائدہ ہے۔

ننھو : ہم سے تو یہی کہہ گیے تھے کہ کانپور جاتے ہیں۔ اب کیا جانیں گیے یا نہیں گیے۔ ہم سے اُن سے بول چال ترک ہے۔

جمعدار : بول چال ترک ہے۔ وہ چوری کر کے ڈاکہ مار کے لائے اور تم چکھو، اور پانچ پانچ روپیہ کے ٹاٹ باف جوتے پہنو۔ اچھا بچہ دیکھو تو سہی۔

اتنے میں ایک شکرم آئی، چھت پر دو صندوق اور ایک آدمی کلّو کے دروازے پر ٹھہری۔ اس میں سے لالہ کلّو برآمد ہوئے۔

جمعدار : ارے یہ تو سچ مچ کانپور ہی سے آتا ہے حضور۔

کلّو : کیوں کیوں۔ ارے غضب۔ کیا چوری ہو گئی۔ ہائے ہائے کچھ ملا بھی کہ سب لے گیا۔ ملتی دیا الوپ ہے دیا چپے سب کوئے گھر کا دھرا نہ پائے۔ جب کردھرا نہ ہوئے۔

تھانہ دار : تم کانپور سے آتے ہو، یا الہ آباد سے۔ کیوں بھئی۔

کلّو : اجی ہم جہنم سے آتے ہیں۔ ہائے لُٹ گیا۔

ننھو نے بڑھ کر بھائی سے کہا بھیّا روت کاہے کا ہو۔ ارے لُٹ ناہیں گیو۔ تھانے کے جوان تم کا گرپتار (گرفتار) کرنے آئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا۔ کاہے۔ کاہے کا ہم کوسار کے ہاں ڈانکا مارا ہے کہ ہمری گرپتاری کا حکم ہے۔

تھانہ دار : صاحب نے بُلایا ہے۔ کہاں ہے کلّو کو لے آؤ۔

کلّو : اب مُنہ دھولیئے تو چلیں۔ مار کے بیاکل ہوئے گیے۔

تھانہ دار : اجی چلتے بھی ہو یا باتیں بناتے ہو۔

کلّو : اچھا چلو کچھ چور نہیں۔ ڈاکو نہیں۔ بدماس (بدمعاش) نہیں ڈر کا ہے ہم کا۔

تھانہ دار : اور کیا جی۔ درین چہ شک۔

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازران برسنگ

صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نے جب کلّو کا حال سُنا اور معلوم ہوا کہ وہ شکرم پر کانپور کی ٹرین سے اُتر کر آیا، تو سخت تعجب ہوا، باری سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ کلّو کلوار شب کو مقتول

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے مکان پر آیا تھا' اور سخت کلامی بھی ہوئی تھی۔ کلّو کو جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ مراج ہنونت سنگھ پوچھا کرنے چلے گئے۔ سپاہی کے کلام سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ کلّو آیا تھا۔ اور دونوں میں باہم گلنجپ ہوئی۔ کلّو کے ساتھ دو سپاہی بھی تھے۔ ہنونت سنگھ کا سپاہی بھوسا لینے چلا گیا' جب واپس آیا تو کلّو اور اُس کے ساتھیوں کو نہ پایا۔ بارن نے بھی ایسا ہی بیان کیا۔

اس سے بڑھ کر ثبوت یہ ملا کہ گھسیٹے اور رام چرن جو کلّو کے ساتھ ہنونت سنگھ کے مکان پر آئے تھے۔ ان میں ایک تو گھر میں موجود نہ تھا' دوسرا چار پانچ بجے شب کو گھر پر آیا تھا۔ مگر کلّو کا کانپور کی ٹرین سے آنا حیرت انگیز بات تھی۔ صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور انسپکٹر اور تھانہ دار اور ایک میر صاحب ہیں جو ہنونت سنگھ کے پڑوس رہتے تھے یوں گفتگو ہوئی۔

صاحب: ول تھا تو کلّو کلوا رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

انسپکٹر: حضور بے شک یہی تھا۔ یہ بڑا بادی چور ہے۔

تھانہ دار: خداوند حضور کے ہاں بھی اسی نے چوری کی تھی۔

صاحب: ہیو۔ یہ وہ کلّو ہے۔ ہیو۔ یہ جیل سے چھوٹ آیا۔

تھانہ دار: ہاں خداوند۔ بڑا کائیاں ہے۔ ایسا بدمعاش تو شہر میں دوسرا نہیں ہے۔

انسپکٹر: اس کا ثبوت دے سکے گا کہ کل شب کو کانپور میں تھا تو بری ہو جائے گا۔

تھانہ دار: اس میں کیا شک ہے۔ مگر ہم کب بری ہونے دیں گے۔

صاحب نے کلّو کو بلوایا۔ کلّو نے مسکرا کر سلام کیا' اور کہا حضور کی عمل داری میں اب بڑا اندھیر ہونے لگا۔ ڈاکو اور بدمعاش لوگوں کا گلا کاٹیں' اور وہی بدمعاش پولیس والوں سے مل کر بھلے مانسوں کو دھروا دیں۔

صاحب: تم کل رات کو کہاں تھے۔ کانپور کیا کرنے گئے تھے۔

کلّو: اجی سیلانی جوان ہیں۔ کبھی کمپو ہو رہے کبھی بمبئی کی سیدھ لی۔ آج کلکتہ میں ہیں۔ کل بمبئی۔ پرسوں مدراس۔ آدمی پنچھی ہو گیا۔

صاحب: بڑا تقریر کرنے والا ہے۔ تم۔ کانپور کس واسطے گیا تھا۔

کلّو: چلے گئے ٹہلتے ہوئے۔ موجی جوان تو ہیں ہی۔

صاحب: ول تم رات کو یہاں اس مکان میں آیا تھا۔ یا نہیں آیا تھا۔ تم عجب آدمی ہو' اگر آیا تو جھوٹ مت بولو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : واہ ایسے الّو نہیں ہیں۔ کہنے لگے جھوٹ نہ بولو۔

کلّو : خداوند۔ کانپور یہاں سے تین منزل ہے۔ شب کو کیوں کر آتا۔

صاحب : گھسیٹے کو تم جانتا ہے۔ رام چرن کون ہے۔

کلّو : گھسیٹے تو میرے پاس کبھی کبھی آتا تھا اور نوکری چاہتا تھا۔ مگر رام چرن سے میں واقف نہیں ہوں۔ رام چرن کون شخص ہے رام چرن۔ واللہ اعلم۔

تھانہ دار : رام چرن کو نہیں جانتے۔

انسپکٹر : تم جھوٹ بولتا ہے۔ رام چرن اور گھسیٹے دونوں تمہارا نوکر ہے۔

کلّو : ہرگز نہیں۔ ہمارا نوکر نہیں۔

صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پہلے رام چرن کے اظہار لیے اُس نے بیان کیا کہ میں کل رات بھر دردِ جگر کے سبب سے تڑپتا رہا رات بھر نیند نہ آئی۔ میری "قبیلہ" نے چاہا کہ اپنے خسر کو اس سے اطلاع دے مگر میں نے کہا اب میں اچھا ہوں اس سے کچھ نہ کہنا اتنے میں میرے لالہ سے کسی نے کہہ دیا کہ رام چرن ماندے ہیں۔ انھوں نے مجھ کو پکارا میں نے قبیلہ سے کہا کہ کہہ دو ناچ دیکھنے گئے ہیں۔

کلّو : بھلا ہم سے تم سے کیا واسطہ ہے۔ میرا نام کاہے بدنام کرت ہو۔

انسپکٹر : کبھی فارسی بولتا ہے کبھی اردو۔ کبھی ہندی۔

کلّو : بوہورے ہم سے تم سے کبھو کی جان پہچان ہے؟

رام چرن : ہاں لالہ ہے کاہے ناہیں۔ گیان سنگھ کے ساتھ آوارا ہوں۔

کلّو : ابا ہا۔ ارے تیں رام چرن ہس۔

رام چرن : (روکر) لالہ پولیس والے پکڑ لائے کہ چور ہس؟

انسپکٹر : چپ رہو۔ برق انداز۔ کلّو کے پاس گھسیٹے اور رام چرن نہ جانے پائے۔

رام چرن : بہت خوب۔ ہم خود نہ اُن سے بات کریں گے۔

انسپکٹر : تم تو ناچ دیکھنے نہیں گیا تھا۔

رام چرن : غریب نواز۔ ناچ کیسا۔ ناچ تھا کہاں؟

اتنے میں دو آدمیوں نے کہا: حضور رام چرن لالہ کلّو کا نوکر ہے۔ یہ جھک مارتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے جو کہتا ہے کہ رام چرن سے واقفیت ہی نہیں۔ تمام شہر جانتا ہے کہ رام چرن نوکر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس اثنا میں ایک بزاز بھی بھیڑ دیکھ کر آن کھڑا ہوا۔ ایک آدمی نے کہا حضور! اس بزاز سے دریافت کر لیں۔ اس کے ہاں سے کلّو کپڑا خریدتا ہے۔ صاحب نے بزاز سے پوچھا۔ بزاز بولا: خداوند کلّو لالہ کے داروغہ ہی تو ہیں، سیاہ سفید کے مالک۔

صاحب: اور کلّو لالہ کون کام کرتا ہے؟ کہیں نوکر چاکر ہے؟

بزاز: (مسکرا کر) حضور یہ ہمیں نہیں معلوم۔ کیا جانے کیا پیشہ کرتے ہیں۔

صاحب: تم خوب جانتا ہے کہ کلّو لالہ اس رام چرن کا مالک ہے۔

بزاز: ہاں ہاں حضور میرے ہاں تو رام چرن دوسرے تیسرے آتے ہیں۔

صاحب: ول۔ تو تم بھی گرفتار ہوگا۔ تم کیوں نہیں بتاتا کہ کلّو کون ہے۔

بزاز: خداوند چور ہے۔ اور ہے کون؟

صاحب: تو پہلے کیوں نہیں بتایا۔

بزاز: خداوند اپنی عزّت کو ڈرتے ہیں۔ کہ کل کدھارے کو اسے اور کیا سمجھ جایئے اور حرام زادے سے سب ڈرتے ہیں۔

کلّو: ہم کو کہتے ہو جی۔

بزاز: ہاں ہاں تم کو کہتے ہیں۔ کیوں کیا کچھ ڈر ہے۔ رام چرن تمھارا نوکر نہیں ہے۔

دو برق انداز رام چرن کے مکان پر بھیجے گیے کہ رام چرن کے باپ اور بھائی کو بلا لائیں۔ رام چرن کے باپ سے کپتان صاحب نے سوال کیے۔

سوال: تمھاری معاش کیوں کر ہوتی ہے۔ تم کہیں نوکر چاکر ہے۔

جواب: ہم تو نوکر نہیں ہیں۔ رام چرن نوکر ہے۔ وہی لاتا ہے اور سب کو کھلاتا ہے۔

سوال: کس کے ہاں نوکر ہے، اور کیا تنخواہ پاتا ہے؟

جواب: ایک لالہ ہیں کلّو۔ ان کے یہاں نوکر ہے۔ چھ روپیہ پاتا ہے۔

کپتان صاحب نے رام چرن کی طرف دیکھا۔ ول تمھارا باپ جھوٹا کہ تم جھوٹا۔ رام چرن نے کہا حضور میں کلّو کو جانتا ہی نہیں کس کا کلّو کون کلّو۔ کہاں کلّو۔ کلّو کیسا؟

اتنے میں میاں گھسیٹے بھی برق اندازوں کے ساتھ برآمد۔ کانسٹبل نے کہا حضور گھسیٹے حاضر ہے۔ گھسیٹے نے جھک کر اور زمین دوز ہو کر سلام کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب: وِل گھسیٹے تمھارا نام ہے؟

گھسیٹے: (ہاتھ جوڑ کر) ہاں حضور مجھ رُوسیاہ کو گھسیٹے کہتے ہیں۔ مگر اصل میں میرا نام عباس حسین ہے۔

صاحب: رات کو تم کہاں تھا؟

گھسیٹے: چوک میں۔

صاحب: وہاں کیا کرتا تھا۔ گھر پر کیوں نہ تھا؟

گھسیٹے: حضور وہاں ایک آشنا ہیں اُن کے ہاں تھا۔

صاحب: کیا نام ہے؟

گھسیٹے: اے حضور نام تو بھلا سا ہے، مگر غلام دلدار دلدار کہتا ہے۔

انسپکٹر نے صاحب کو سمجھایا کہ یہ جھک مارتا ہے، اور گھسیٹے سے پوچھا کہ تم چل کے پتا بتاؤ۔ اگر جھوٹ بولوگے تو سزا پاؤ گے، گھسیٹے کے ہوش وحواس اب غائب ہوئے کہ پتا کیا بتائیں۔ قسمیں کھانے لگا کہ حضور غلام چور نہ چور کا بھائی، دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ مفت میں پولیس والوں نے دھروا دیا۔ خدا ان کا بھلا کرے۔ انسپکٹر نے کہا ہم ایک نہیں سُنتا۔ تم چل کے پتا بتاؤ۔ اس مقدمہ میں ہم دریغ نہ کریں گے۔ تم بے شک قاتل ہے یا میں قاتل۔ اس میں ذرا شک نہیں۔ رات کو تم کہاں سوئے تھے؟

گھسیٹے: حضور صاف صاف یہ ہے کہ رات کو میں جوا کھیلتا تھا۔

انسپکٹر: کس محلّے میں۔ جواری خانہ کہاں ہے، اور کب تک وہاں تھے؟

گھسیٹے: حضور رات بھر وہیں تھا۔ صبح کو گھر آیا۔

انسپکٹر: کیا بات کو ٹالتا ہے۔ ابے وہ قمار خانہ کس محلّے میں ہے؟

گھسیٹے: غریب نواز محلّے کا نام تو یاد نہیں ہے خدا جانے کہاں ہے۔

انسپکٹر: اس کی مشکیں کسو اور علیحدہ لے جاؤ سور کو۔

کانسٹبلوں نے دھکّے دے دے کے انسپکٹر اور کپتان صاحب کے سامنے سے ہٹا دیا اور ایک چھپر کی آڑ میں لے جا کر کہا۔ بچہ صاف صاف بتا دو ورنہ اتنے گھونسے اور گدّے لگائے ہوں گے کہ تمام عمر یاد کروگے۔ سمجھے؟ دل لگی نہیں ہے۔ گھسیٹے نے کہا یارو کچھ رشوت لے کے چھوڑ دو۔ اس پر ایک کانسٹبل نے دو گدّے رسید کیے، اور کہا۔ بتا کل کہاں تھا؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گھسیٹے: جواری خانے میں تھے، اور تھے کہاں۔

کانسٹبل: (کان اینٹھ کر) جواری خانے میں تھے، کس جواری خانے میں تھے؟

گھسیٹے: رات کے وقت ایک آدمی ہم کو لے گیا تھا۔ محلّے کا نام نہیں جانتے۔

کانسٹبل: اچھّا چلو ساتھ چل کے بتا دو؟

گھسیٹے: واہ ہمیں یاد ہوتا تو پھر کیا تھا۔ یاد ہی تو نہیں ہے۔

کانسٹبلوں نے کئی گدّے لگائے۔ اور لے گائے، لے اور لے۔ ایک اور لے۔ ہاتھ تیری کی دکان اینٹھ کر اور لے۔ (گھونسا لگا کر) ایک اور لے۔ گھسیٹے کی ناک میں دم آگیا۔ سخت حیران ہوا۔ اب بتائے تو کیا بتائے۔ قہر درویش بر جان درویش۔

کانسٹبل نے کہا اگر نہ بتاؤ گے تو کل تک پٹو گے۔ گھسیٹے نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔ اچھا کیا انسپکٹر صاحب کے سامنے نہ جاؤں گا! سارا کچا چٹھا کہہ سناؤں گا۔ کانسٹبل بولا۔ سڑی ہے کیا۔ انہیں کی تو شہ ہے۔ انھوں ہی نے تو اشارے سے کہا کہ پیٹنا شروع کر دو۔ یہ تو ہماری کارروائی ہی ہے۔ بائیں ہاتھ کا کرتب۔

گھسیٹے اچھّا خیر مگر یہ تو قانون کے خلاف ہے۔

کانسٹبل: (گھونسا لگا کر) قانون کے خلاف ہے۔ قانون لائے وہاں سے۔ گھسیٹے نے کہا اچھّا صاحب کے سامنے لے چلو تو بتا دوں۔ رات کو کہاں تھا، کانسٹبلوں نے منظور کیا۔ صاحب کے سامنے لائے تو گھسیٹے نے کہا دہائی ہے سرکار کی! دہائی صاحب کی! لوگ مارے ڈالتے ہیں، اور جھوٹ قبولوائے لیتے ہیں۔

صاحب: ول کیا بات ہے۔ تم لوگ نے مارا۔

انسپکٹر: نہیں۔ یہ بڑا عادی چور ہے حضور! جھوٹ بولتا ہے۔ ہٹاؤ اس مکّار کو سامنے سے، دور ہو یہاں سے۔ کانسٹبل دھکّے دیتے ہوئے گھسیٹے کو یہاں سے لے گئے، اور اب کی مرتبہ اس قدر پیٹا، اس قدر گھونسے لگائے کہ بولا دیا۔ ایک مخبر نے بیان کیا کہ لالہ رام چرن کی جیب میں ایک کاغذ ہے، جس سے کلّو اور وہ دونوں کا ملزم اور مجرم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ صاحب انسپکٹر نے رام چرن کی جیب ٹٹولی تو کاغذ نکلا کھولا پڑھا۔ اس میں استاد گرانمایہ سخنور بلند پایہ حضرت مولوی فضل رب عرشی مدظلہ کی یہ غزل لکھی تھی۔

غزل

آتشین موجم شرر جوشیدہ ام ۔ لالہ سان داغم جگر جوشیدہ ام۔

فارغ از قیدیم و آزادی بس است ۔ دل بکیتی در سفر جوشیدہ ام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آن سیہ کارم کہ از تر دامنی
ہم چو در پاتا کمر جوشیدہ ام

در تہ ہر سنگ انگر چیدہ ام
در دل شیون اثر جوشیدہ ام

آتشِ شوخت سراپایم بسوخت
تا چہ دانی بے شرر جوشیدہ ام

خاک پائے اشتیاقت بودہ ام
سبزۂ بے برگ و بر جوشیدہ ام

قطرہ افشاں ماندہ ام در ہر بہار
بوستانہا در نظر جوشیدہ ام

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہمچو دریا بیشتر جوشیدہ ام

عرشیا اصلِ نرا بشتا ختم
گرچہ از خود بی خبر جوشیدہ ام

انسپکٹر: یہ غزل تم نے کہاں پائی؟

رام چرن: چوری کر کے لایا تھا۔

انسپکٹر: صاف بات کہو جی۔ تم ہم سے جھگڑا کرنا چاہتے ہو کیا۔

صاحب: وِل۔ اس کاغذ میں کیا لکھا ہے؟

انسپکٹر: حضور ایک غزل ہے۔

صاحب: غزل کون چیز ہے؟

انسپکٹر: حضور شعر ہیں۔ جس کو آپ پوٹلی (پوئٹری) بولتا ہے۔

صاحب: پوٹلی! وِل۔ پوٹلی ہم نہیں جانتا۔

انسپکٹر: حضور۔ شعر۔ شعر۔ جیسے۔

من از آن حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

صاحب: وِل۔ ہم کچھ نہیں سمجھا۔ اچھا کچہری میں سب کو لاؤ۔

تقریظ

حسن آرا بیگم اس باغ میں بڑی خوشی کے ساتھ ٹہل رہی تھیں۔ گیتی آرا بھی اٹھلا اٹھلا کر چلتی تھی۔ سپہر آرا کھلی جاتی تھی، اور عباسی سے بار بار کہتی تھی کہ عباسی ہمایوں فر اور ہم اسی باغ میں مزے مزے سے کچھ دن لطف بہار اٹھائیں گے عباسی "جی ہاں حضور" دبے دانتوں کہہ کر چپ ہو رہتی تھی۔ مگر دل میں سوچتی تھی کہ کون ہمایوں فر اور کس کا باغ۔ وہ خدا جانے کہاں ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا اِدھر اُدھر جاکے روتی تھی اور بڑی بیگم اس کو سمجھاتی تھی کہ بیٹا دیکھو ایسا نہ ہو کہ سپہر آرا پر یہ رازِ سربستہ کھل جائے۔

اتفاق سے حسن آرا کے پاس پیر مرد صبیح نے آن کر کہا کہ ذری یہ اخبار تو پڑھیے۔ پڑھا۔ تو یہ تقریظ عربی نظر سے گزری۔ حسن آرا نے غور سے اس تقریظ کو پڑھا۔

سپہر آرا: کیا ہے باجی؟
حسن آرا: سنو کیا ہے۔

رباعی

لقد جئت یا فندت رتن نات — بقصۃ خارجہا فیہا العقول
فبشری بقصصکم ناو لکم — لاتنا جئنا مقرظین فنقول

وبعد۔ فقد تجیب بنقوش عباراتہا خدود القراطیس۔ وترفصت بسمارع اساجیعہا طوادیس، واکفردیس، والعمری انّ عباراتہا احب الیّ من دوقِ عدقِ نزل مِنَ السمار بعد الجذب ذوہاب البنات والثمر، واروق من معجاب جارفی ایّام الرّبیع الی۔ روض الریاحین۔ فانہر واعیق من فوائح التفسج وروائح الورو والعبہر۔ واحلق بالاسماع مِنَ نغماتِ البلابل علی الورد الاحمر۔ وترنمّات القماری علی اعصان العرعر واسجاع العنادلِ علی افنان الشجر۔ ومضامینہا اطیب ضیار حیادت بریا المجیب فاضرت بقرب وضالہ ونشر۔ ونحادیہا لطف من نسائم معطرہ ہبیت من معاہد لیلی۔ دوربوع سلمیٰ وقت السحر۔ فواللّٰہ ان مصنفک بالجنۃ عالیۃ۔ التی عیون الفصاحتہ فیہا جاریتہ وان ناولک دایہا الافیق العیداق) روضۃ بالغتہ ناصرۃ التّی عیون البلغاء الی حسنہا ناظرہ۔ ترتع انظارہم فی فصاریاضہا وتیاند ذا انسان عیونہم من حذوبتہ حیاضہا۔ ریاحین حروفہا الیاشمہ۔ علی افنان سطورہا الناطمہ۔ نائسات لتعانق نسیم البلاغتہ اماہا مالیسائت لہبوب صبا العفصاحتہ والیہا وفیہا من کل فاکہتہ زوجان حبیب اجتمعت فی کل موضع منہا قافیتان۔ کایمانی غصن من شجر الفصاحتہ ثمرتان۔ ففیہا فاکہتہ ونخل ورمان۔ ولابد للجنان۔ من خیرات حسّان۔ فمحدرات کنایاتہا المحقیقتہ حور مقصورات فی الخیام من بلاغتہ الکلام۔ قد آدقعن البلغاء فی التبلیل وایہام وجوہ نسرآمد خرائد معانیہا فاتحتہ کالبدور۔ وجباہ عرائس فحاوبہا مشرقتہ کانہا شوئظ من نار اوشعل من شجر الطور۔ وہن ناعمات تابدات رافلات فی حلل الفصاحتہ فی ذلک البتان۔ فواللّٰہ ایہا المنطق قد اوہشت عقل المشتاق۔ اذ جئت بکلام قد فاق علی تفاتق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اقران قد سکنوا فی الامصار والآفاق۔ فان تفسح البلاد غبار غبار اتک تخلس القلوب عن العاشقین۔ وتذلل سلمار مضامینک لیطف عذار غبدار حسنار ناعجہ ابینتہ وکان براعک مکبل تیرنم علی العقول عن المشتاقین وللبدور نقاط التی وقعت علی قرطاس من افلاک المسکینۃ فکانہا خیلان علی اعضان الانتظار۔ فی حمائل الطروس کثرۃ الازہار۔ لا وللہ بل نغمات صریر قلمک تجمل البلابل۔ وتفرید یراعک ید ہش الصلاصل ما تحت فظ ما یقابل نا ولک فرائح البلاد مار شحت ما یماثل فقتک طبائع الفصحاؤ لا نسبتہ الانتظام عقود الربا من نظام منظومک۔ ولا عداد لنضارۃ البساتین من خضارۃ ریاحین منشورک۔ فارجو من فضلاء عصرنا وکملاء دہرنا۔ ان یعلوا مقام منمق ہذہ القصۃ الرفیعۃ و ناثر درر ہذہ الفرائد البہیتہ۔ لانہ ذو کلام منفہق ولسان طلق دلق۔ وادیب اریب لبق۔ الذی اتفق علی عزارۃ دیمہ الفضلاء البنیار۔ واجمع بطول باعہ فی صناعتہ لادبیتہ الاذکیار۔ اما بختنون ایہا الناظرون الی مصنفہ من ریاعین کلامہ ازہاراً۔ وما تقطفون من اعصان اقلامہ اثماراً۔ فبا للہ علیکم یا اہل الزماں۔ تو لوابا علی صوتکم من صمیم الجنان۔ فاللہ بحرسن للزمان بقارہ بہ تمتع الدنیا بفضل کمالہ حرزہ یوم السبت الاربعۃ عشر مضین من جمادی الاولی سنہ ثمانیہ وتسعین بعد الالف ومائتین۔

الراقم ایم بی۔ مچھلی شہری نزیل البدایون۔

یہ تقریظ پڑھ کر حسن آرا بیگم نے اسی اخبار میں سطور ذیل دیکھیں۔ اَیَّا اَیُّنا ناظرین۔ یہاں آزاد نام ایک مرد آزاد، جو خوبصورت ذکی طبع شہ زور، خوش وضع، شریف زادے ہیں۔ آج کل روم میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہاں اس غرض سے گئے ہیں کہ ترکوں کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے برادرانِ دینی کے کام آئیں۔

ع۔ آفرین باد بریں ہمت مردانۂ او۔

حمیّت اسلام اسے کہتے ہیں۔ خدا اس مردِ نیک کو اجر خیر دے۔

میاں آزاد ہندوستان میں ایک بیگم پر عاشق ہوئے تھے۔ اس پاک دامن نے ان سے کہا کہ اگر تم روم جاؤ اور وہاں جاکر ترکوں کی طرف سے لڑو اور سرخرو ہو کر واپس آؤ تو میں نکاح کروں۔ اب یہ وہاں جان لڑا رہے ہیں۔ اس جوان مرد کی سوانح عمری ایک صاحب لکھ رہے ہیں۔ رسالہ بدیع کی یہ عربی تقریظ ہے۔ خدا کرے آزاد پاشا فائز المرام ہوں۔ یہ فقرہ پڑھ کر حسن آرا کمال مسرور ہوئی۔ اور بہنوں سے یوں گفتگو کرنے لگی۔

حسن آرا: (گیتی آرا سے) گیتی آرا بہن، اس وقت جیسے ہم نے لاکھوں روپیہ پائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیتی آرا: ہاں یہ کیا غور سے پڑھ رہی تھیں۔ کیا لکھا ہے اخبار میں۔
سپہر آرا: اے بہن ہم بتائیں کچھ بچھڑے ہوؤں کا ذکر ہے۔ کیوں؟
حسن آرا: ہاں۔ بس اب کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت میں آپ ہی آپ خوش ہو رہی ہوں۔ واہ رے آزاد، کیوں نہ ہو۔ اچھا نام پیدا کیا۔ ہائے اگر پتا معلوم ہوتا تو یہ اخبار بند کر کے بھیج دیتی۔
سپہر آرا: پتا تو لکھا تھا۔ ہرمز جی بھائی کی کوٹھی بمقام قسطنطنیہ۔
گیتی آرا: اب یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ذری پڑھو بہن۔
حسن آرا: اچھا سنو۔ سمجھو و مجھو گی ہی نہیں۔

نقد جبت۔ یا۔۔۔
بقصتہ خارِ جہانی التقول

گیتی آرا: (ہنس کر) اے واہ۔ اور سنو۔ یہ تو ہمارے پیر بھی نہ سمجھیں گے۔ حسن آرا نے تقریظ پڑھ کر سنائی تو سپہر آرا نے پوچھا باجی۔ یہ بلائیں اور قماری کے کیا معنی۔ کہا بلائیں جمع بُلبُل کی ہے۔ قُماری قمری۔ سپہر آرا کو سخت تعجب ہوا کہ بلبل عربی لفظ ہے اور قمری کی جمع قماری۔
گیتی آرا: اب آخر کچھ مطلب بھی سمجھاؤ گی۔
حسن آرا: تقریظ ہے۔ مطلب کیا سمجھائیں۔

جان بلب ہے دل مرا اُس زلفِ عنبر فام میں	غیر ممکن ہے نہ ہو مومن کو ایذا شام میں
بعد مدت کلفتِ غم سے ہوا صاف اپنا دل	دیر تک ہم تم نہائے کل جو ایک حمام میں
ہمتِ ساقی سے ایسی وُسعتِ مشرب ملی	مثل جم بحر جہان گویا ہے اپنے جام میں

گیتی آرا اور حسن آرا اور سپہر آرا بڑی مسرت سے اس باغ پر فضا میں مصروف گلگشت تھیں، مگر جہاں آرا کا پتا نہیں۔ بیچاری ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی روتی جاتی تھیں۔ ہائے ہمایوں فر ہائے ہمایوں فر داغ دے گئے۔ جیتے جی مار ڈالا۔ کہیں کا نہ رکھا۔

بازی عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو وہ یہ شطرنج نہیں

بڑی بیگم نے جوان کی یہ کیفیت دیکھی تو قریب جا کر سمجھانا شروع کیا۔ سنو بیٹا۔ ہمایوں فر بیچارہ تو مرا ہی، شکر بھیجو کہ شادی نہیں ہو گئی تھی۔ (کانپ کر) ہے ہے جو نکاح ہوا ہوتا تو ستم کا سامنا تھا۔ اللہ نے بڑی خیریت کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا بڑی بیگم سے گلے مل کر زار زار روئی اور کہا۔ امی جان اس وقت سپہر آرا بے چاری اس مزے سے باغ میں سیر کر رہی ہے۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ ہمایوں فر بے چارہ کس مصیبت میں ہے۔ ہائے ہائے! مصیبت کیسی اس کا پتا ہی نہیں۔ کیا معلوم روح کہاں ہوگی۔ اسی زندگی کے لئے انسان کیا جانے کیا کیا کرتا ہے۔ عالیشان مکان بنواتا ہے۔ محل کھڑے کرتا ہے اور یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ محل رکھا ہی رہے گا۔ قبر میں تمام عمر کے لیے سونا ہے۔

پختہ مکان کی طرح سے ہے فکر گور بھی — انسان جان دیتا ہے آرام کے لیے
رہتا ہے آدمی کا نشان اس جہاں میں — بنتی ہے قبر بعدِ فنا نام کے لیے

جہاں آرا کا قول صحیح ہے۔ مکان سر بفلک کشیدہ ہو یہی فکر رہتی ہے، مگر

اَلا یا ساکن القصر المعلّٰی
ستدفن عنقریب نے التراب

بڑی بیگم : بابا۔ ابھی تم نے دیکھا کیا ہے

ع۔ بسیار سفر باید ما پختہ شود خامی

یہاں کیا جانے کیا کیا مصیبتیں گذر گئی ہیں۔ کیسے کیسے سانحے ہوئے۔

وادیٔ وحشت میں ہیں اپنے ہی یہ جوش و خروش
طاقت جنبش کہاں اس میں کہ مجنوں فاق ہے

عبّاسی نے بہت سمجھایا مگر جہاں آرا کی ہچکی نہ تھمی۔ ادھر عبّاسی اور جہاں آرا اور بڑی بیگم ہمایوں فر کی باتیں کر رہی تھیں۔ شیون اور بین تھا۔ اُدھر گیتی آرا آہستہ آہستہ گاتی تھیں سپہر آرا اور حسن آرا تعریفیں کرتی جاتی تھیں۔

فصل گل میں نہیں یہ مرغ سحر کی آواز — سازِ مطرب سے ہے اوراق شجر کی آواز
پہلے ہی طائرِ جان ہو قفسِ تن سے رہا — وصل کی شب نہ سنوں مرغ سحر کی آواز
کان تک جس کے گئی لگ گئی چپکی اُس کو — سننے میں آئی نہیں ایسے اثر کی آواز
نالے گریہ نہیں، برہم ہے عبث اے قاتل — یہ تو آتی ہے مرے زخم جگر کی آواز
پردۂ گوش ہوا مثلِ کمان سو ٹکڑے — جیسے آتی نہیں اس رشک قمر کی آواز
فوجِ غم بھاگ چلی شیشۂ مے لا ساقی — لشکرِ ابر نے کی طبل ظفر کی آواز

سپہر آرا : باجی جان۔ اس وقت دل بہت خوش ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : ہای ستم! کچھ اس بے چارے عاشق زار کی بھی خبر ہے۔

سپہر آرا : اب نیند آتی ہے۔ خوب میٹھی نیند سوئیں گے۔

راوی : اور یہ سُنا ہی نہیں کہ ہمایوں فر خون در جگر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کیے سو رہا ہے۔

سپہر آرا : خوشی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شے نہیں ہے۔

راوی : ہائے افسوس مگر یہ خوشی دو ہی چار گھنٹے کی ہے بس۔

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اللہ بس باقی ہوس۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
زجامِ دہر مے کلّ من علیہا فان

سپہر آرا : اس وقت ہچکیاں آنے لگیں (مسکرا کر) کوئی یاد کرتا ہوگا۔

حسن آرا : ہمایوں فر یاد کرتے ہوں گے۔

راوی : ہائے کس درجہ قلق کا فقرہ ہے۔ ہمایوں فر ہیں کہاں، ہائے ہائے۔

جو نعمت عشق کی چاہے تو راحت جان ایذا کو
عصا پیچھے دیا پہلے جلایا دستِ موسیٰ کو

الغرض شب کو بڑی بیگم اور عبّاسی اور جہاں آرا ایک مقام پر سوئیں، اور ادھر باغ کے ایک چبوترے پر پلنگ بچھے اور سپہر آرا گیتی آرا اور حسن آرا سوئیں۔

قتل کا حال

اب اس قتل کا حال سُنیے! صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس انسپکٹر، ڈپٹی انسپکٹر، برق انداز اور صدہا تماشائی جوق جوق جمع تھے۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ کلّو سے چند سوال کیے گیے، اور کہا کہ اگر ان کے جواب دینے میں اغماض کیا تو سزا پائے گا۔

۱۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم کانپور گیے تھے۔

۲۔ کانپور میں کس کے ہاں رہے تھے۔

۳۔ کل تم اس مکان میں کس وقت آئے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۴۔ ہنونت سنگھ سے تم سے لاگ ڈانٹ تھی یا نہیں؟
۵۔ رام چرن تمہارا نوکر ہے یا نہیں۔ اور گھسیٹے سے تم سے کیا تعلق ہے۔
۶۔ کبھی ہنونت سنگھ سے اور تم سے گالی گلوج کی نوبت آئی تھی۔
۷۔ آج صبح کو کانپور سے آئے تو شکرم پر کیوں سوار تھے۔

ان سوالات کے جواب کلّو لالہ نے بلا خوض یوں دیئے۔

۱۔ اسٹیشن پر برق اندازوں سے پوچھیے۔ جن کو ہم نے جاتے ہوئے انعام دیا تھا، اور پہلی چوکی کے اسٹیشن ماسٹر سے دریافت کیجیے کہ کل ہم کو ریل پر دیکھا تھا یا نہیں۔

۲۔ کانپور میں ہم چوبے جی کے اکھاڑے میں اُترے تھے۔

۳۔ ہم اس مکان میں کل نہیں آئے۔

۴۔ نہیں جی۔ ہمارا دلی دوست تھا۔

۵۔ رام چرن ہمارا نوکر نہیں ہے۔ مگر یہ لالہ ہمارے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس کا نام ہم کو نہیں معلوم ہے۔

۶۔ ہنونت سنگھ سے ایک دن البتہ تکرار ہوئی تھی۔ دوسرے روز ہمارے مکان پر آیا اور پھر ہم اور وہ ایک ہو گیے۔

۷۔ ہم اسٹیشن سے چلے تو گاڑی کرایہ کی۔ اس کے گھوڑے تھکے تھے۔ شکرم ملی۔ خالی تھی۔ سواریاں اُتر چکی تھیں۔ ہم نے کوچ مین سے کہا کہ تم اپنے ڈاکخانے ہمارے ہی مکان کی طرف سے جاؤ گے پھر ہم کو کیوں نہیں لے چلتے۔ اس نے منظور کر لیا۔ ایک روپیہ ہم نے انعام دیا۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ ہنونت سنگھ سے جو ایک بار تکرار ہوئی تھی۔ اس کا حال بیان کرو۔ کہا ہمارے دوست سے انھوں نے ہماری شکایت کی کہ کلّو نے ہماری چغلی کھائی۔ بس اس پر ہم سے اُن سے بہت تکرار ہوئی لیکن دوسرے روز وہ ہمارے دروازے پر آیا، اور کہا کہ یار تم تو ذرا سی بات میں بگڑ جاتے ہو۔ بھلا دوستی کے یہ معنی ہیں کہ ذرا سی بات ہوئی اور بگڑ کھڑے ہوئے

صاحب نے کہا، ہم صاحب کلکٹر کانپور کے نام تار بھیجتا ہے۔ اس اکھاڑے کا پتا بتاؤ جہاں تم ٹکا تھا۔ کہا چوبے کا اکھاڑا۔ پوچھا چوبے کا اکھاڑا کہاں ہے کہا تالاب پر۔ بنجاری ٹولے کے پاس۔

برق انداز: کانپور میں بنجاری ٹولہ کہاں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا: بیس برس کانپور میں رہے، بنجاری ٹولے کا نام نہیں سُنا۔
تھانہ دار: بنجاری ٹولا تو کانپور میں نہیں ہے۔ ہم نے کانپور ہی میں تعلیم پائی ہے۔
صاحب: کلّو۔ اگر تم جھوٹ بولے گا ہم سے تو ہم بڑی سزا دے گا۔
کلّو: خداوندا چوبے کا اکھاڑا اور بنجاری ٹولہ۔
صاحب: اچّھا۔ قلم دوات کاغذ لاؤ۔

صاحب نے فوراً صاحب کلکٹر کانپور کے نام تار بھیجا۔ چوبیس[۲۴] لفظ، سب مفصل حال اور کہا دیکھو کلّو اگر جھوٹ ہوا تو ہم تم کو جہنم میں پہونچا دیں گے۔

کلّو: کیا مجال جو جھوٹ ہو خداوند!
صاحب: وَل، اچّھا۔ سمجھا جائے گا۔

کلّو سے دریافت کیا گیا کہ تم کس بگھی پر سوار ہوئے تھے اور وہ کہاں پر ٹوٹی۔ کہا ہم نہیں پہچانتے۔ پوچھا اگر بگھی آئے تو پہچان لو۔

کہا بگھی تو نہیں۔ کوچ مین آئے تو پہچان لوں۔

صاحب: وَل۔ شکرم کس کے ہاں کا تھا۔
کلّو: حضور! یہ میں نے نہیں پوچھا۔ آم کھانے سے غرض ہے، یا پیڑ گننے سے۔
صاحب: وَل۔ یہاں کتنا شکرم ہے؟
انسپکٹر: حضور تین شکرمیں چلتی ہیں۔ ایک لالہ گلاب چند کی، ایک برائیٹ صاحب کی، اور ایک دوبے جی کی۔
صاحب: وَل۔ سب کے کوچ مین کو ابھی بلاؤ۔

ایک ایک برق انداز تینوں جگہ بھیجا گیا، اور تھوڑی ہی دیر میں سب کوچ مین حاضر ہوئے۔ صاحب نے جس سے پوچھا اس نے انکار کیا۔

صاحب: وَل۔ تم کاہے کو ڈرے گا۔ صاف بول دو۔
انسپکٹر: تمھارا کیا قصور ہے جی۔ تم تو کرایہ پر لائے تھے۔
کوچ مین: حضور ہم نہیں جانتے ہم کسی کو نہیں لائے تھے۔
دوسرا: خداوند! ہم تو آج سویرے سے اٹھے ہی نہیں۔ مارے درد کے سر پھٹا پڑتا ہے۔
تیسرا: حضور ہم ان کو نہیں لائے۔ ہم تو گاڑی پر نہیں آیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوتھا: میں تو ابھیں آیوں۔
پانچواں: صاحب ہم نہیں جانتا ہجور، کلّو ہماری گاڑی پر نہیں آیا۔
چھٹا: میرا ہاتھ درد کرتا ہے۔ تین دن سے گاڑی نہیں چلائی۔

صاحب نے بڑی کوشش کی مگر کوئی نہ بولا۔ سب نے انکار سخت کیا۔

صاحب: وِل۔ کلّو تم ثبوت دے کہ شکرم پر آیا۔
کلّو: خداوند پولیس کا حوالدار اور برق انداز اظہار دے چکا ہے۔
صاحب: اور بے شک۔ تم پہچانتا ہے۔
کانسٹیبل: خداوند آیا تو شکرم پر تھا۔ مگر یہ خیال نہیں کہ کس کی شکرم تھی۔
حوالدار: حضور اس وقت کچھ غور نہ کیا۔ کیا کہیے۔
انسپکٹر: ہاں یہ بڑی وہ ہوئی۔

صاحب نے فوراً حکم دیا کہ کُل شکرم والوں کے چالان کی کتابیں اٹھالاؤ۔ آدھ گھنٹے میں کتابیں آگئیں۔

مسٹر برائٹ۔ سیتاپور سے چالان آیا۔ شکرم۔ چار آدمی دو ہندو، دو مسلمان، تین آدمی اندر تھے ایک اوپر۔

لالہ گلاب چند۔ سیتاپور سے چالان آیا۔ تین سواریاں۔ عورت مرد اندر ایک مرد باہر مہا نند دوبے۔ والے بریلی سے چالان آیا۔ چار سواریاں، دو عورتیں، اور ایک لڑکا اندر۔ ایک خدمتگار باہر۔

پوچھا کہ کوئی شکرم خالی بھی آئی۔ کہا کوئی نہیں۔ پوچھا کہ پوری شکرم کون تھی۔ کہا وہ جس میں دو عورتیں تھیں۔ اس کے کوچ بین سے دریافت کیا کہ تم نے عورتوں کو اتار کر پھر گاڑی پر اور کس کو سوار کیا تھا۔ اس نے کہا خداوند۔ میری گاڑی تو ابھی ابھی آئی۔

صاحب: ثابت کرو۔ اس کا ثبوت۔
انسپکٹر: حضور ٹھیک کہتا ہے۔ اس گاڑی پر میرے ہاں کی سواریاں تھیں۔
صاحب: اُد۔ آئی۔ سی۔
برق انداز: ہاں حضور ابھی آئی۔
صاحب: وَل۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے۔ کس موافق ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برق انداز: غریب پرور، عقل نہیں کام کرتی۔
انسپکٹر: حضور یہ کوئی بڑا جعل ہے۔
صاحب: او بے شک۔ یہ بڑا بدمعاش ڈاکو ہے۔
انسپکٹر: خداوند جان لڑادوں گا، اور چوری کا پتا لگاؤں گا۔
صاحب: ضرور، ضرور۔
کلّو: حضور، اب ہم کو تو ہوتی ہے دیر۔
صاحب: چُپ۔ یو سور۔ سَن آف اے بچ (BITCH) (کتیا)۔ ہم جہندم (جہنّم) ہیں۔
کلّو: جہندم نہ کہو۔ جہنّم کہو۔
اس پر صاحب کو بڑا غصّہ آیا۔ کہا تم سور ہے، اور آگے بڑھ کر مارے غصّے کے ایک تھپڑ لگایا تڑ سے۔ کلّو نے پیترا بدلا۔ صاحب نے ٹھوکر دی۔ کلّو نے دوسرا پیترا بدلا۔ صاحب نے ڈگ جمایا۔ اس پر برق اندازوں نے کلّو کو پکڑ لیا۔
کلّو: اچھّا خیر۔ دیکھو کیسا ناچ نچاتا ہوں۔
صاحب: دور ہو ہمارا سامنے سے
کلّو: اچھّا تو پھر جاتا ہوں۔ کہتے ہو نہ کہ دور ہو سامنے سے۔
صاحب: مت بکو تم۔ تم بڑا خراب آدمی ہے۔

برق انداز، اور تھانہ دار، اور انسپکٹر، اور صاحب، اور حوالی موالی سب روانہ ہو گیے۔ ہنونت سنگھ کے اعزّا و اقربا تجہیز و تکفین کی فکر کرنے لگے۔ محلّے والے جمع ہوئے، سب افسوس کناں تھے کہ اس بے چارے کی جان مفت میں گئی۔ بڑا افسوس ہوا، ابھی کل تک خاصے بھلے چنگے تھے۔

کلّو کے ساتھیوں نے صلاح کی کہ اس کی طرف سے ایک بیرسٹر مقرر کریں۔ پہلے مسٹر جی ٹری بیرسٹر (لنکنس ان) کے بنگلے پر گیے۔ صاحب نے کہا بُلالو۔ کلّو کے شاگرد رشید منبودھ نے گفتگو کی۔
منبودھ: ہجور ایک مکدمہ (مقدمہ) ہے
ٹری: وَل۔ اچھّا بات۔ کس کے اجلاس کا ہے۔
منبودھ: ہجور اب یہ آپ جانیں۔ کپتان صاحب کا اجلاس ہے۔
ٹری: اُو۔ تو۔
منبودھ: ہجور لالہ کلّو کو پھانس پھونس کے لے گیے ہیں، کہ مہاراج ہنونت سنگھ کو انھوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مار ڈالا۔ ہجور سب جھوٹ ہے۔

ٹری : اُو۔وُل۔ اچھا۔

منبودھ : تو سُن تو لیجیے۔

ٹری : ہم سب جانتا ہے۔ ہم آپ ادھر سے آیا تھا۔

منبودھ : تو ہجور کیا لیں گے۔

ٹری : وُل۔ بڑا سنگین مقدمہ ہے۔

منبودھ : پھر جو کچھ حکم ہو، وہ دیں۔ ہم گریب آدمی ہیں۔

ٹری : اچھا تم پانچ سو روپیہ دے۔

منبودھ : اور جو ہجور دو تین پیشیاں ہوں۔

ٹری : تو فی پیشی ایک سو۔ پانچ سو نقد پہلے۔ پھر فی پیشی ایک سو۔

منبودھ : ہجور لائیں کس کے گھر سے۔ ہم تو دو سو دیں گے چاہے جتنی پیشیاں ہوں۔

ٹری : وُل سلام۔ تم جائے اور وکیل کے پاس۔ بس۔

منبودھ نے خوشامد کی کہ حضور منظور کریں۔ صاحب نے کہا، ہم پانچ سو نقد سے کم نہ لیں گے۔ اور فی پیشی ایک سو۔ منبودھ نے فوراً تین سو روپیہ گن دیا، اور کہا حضور یہ تین سو تو ایک لیجیے اور فی پیشی اسی دیں گے۔ بیرسٹر نے کہا۔ ہم چار سو لے گا اور فی پیشی سو سے کم نہ لے گا۔ منبودھ نے سو اور دیئے۔

خون کا مقدمہ

صاحب کلکٹر کانپور نے تار کا جواب بھیجا کہ ہمارے شہر میں اس نام کا کوئی اکھاڑا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلّو مجرم یہاں آیا، یا نہیں۔ کانپور میں کئی اکھاڑے ہیں۔ مگر چوبے کا اکھاڑا کوئی نہیں ہے۔ صاحب نے کلّو کو تار کی خبر سُنائی۔ اور کہا تم نے اپنا ایک دعویٰ بھی ثابت نہیں کیا۔ لہٰذا تمھاری نسبت قتل کا جرم کسی قدر ثابت ہو گیا ہے۔

کلّو : خداوند ــــ گھبرا کر ــــ حضور اگر غلام ــــ

صاحب : وُل۔ بس دوسرا بات نہیں۔ بس چپ رہو۔

کلّو : تو خداوند دوسرا بات نہیں ہے۔ ایک تو سُنیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب : وَل ہم کچھ نہیں سُنے گا۔ تم بے ایمان آدمی ہے۔

کلّو : تو حضور ہیں وکیل ڈبلو کر سکوں گا یا سیدھا کالے پانی ہی بھیجا جاؤں گا۔ کیا یہی حضور لوگ کا انصاف ہے۔

صاحب : وَل۔ تم وکیل بلائے آج تعطیل۔ کل مقدمہ ہوگا۔

کلّو : سلام۔ بس ہم سمجھ لیں گے۔

کلّو نے اپنے بھتیجے رامو کو بلوایا اور اس سے یوں گفتگو کی۔ بھیّا بات تو سب کھُل گئی۔ اب تم اتنی مدد دو کہ بیرسٹر کو اپنی طرف کر لو۔ اس نے کہا۔ ایک فرنگی ڈبلو ہو گیا ہے۔ پیشگی روپیہ بھی دے دیا ہے۔ آپ نشان خاطر رہیں۔ ڈبلو بڑا تقریریہ ہے۔ کلّو کی جان میں جان آئی۔ کہا تم جا کے چھیدی سے ایک ہزار روپیہ مانگو، اور ایک ہندوستانی وکیل بھی کر لو۔ اس سے کہو کہ گواہ بنائے اور ثبوت دے کہ ہم کانپور گیے تھے۔ کلّو کا بھتیجا مُسکرایا۔ کہا چچا۔ سب بندوبست کر دیا ہے' اب اس بات کو تو آپ بھول جائیں کہ کانپور نہیں گیے تھے۔ گیے تھے اور بیچ کھیت گیے تھے۔ کلّو نے کہا شاباش بیٹے آخر ہمارے ہی خاندان کے ہو نہ۔ ہم بہت خوش ہوئے۔ لے اب تم جاؤ۔ وہ رخصت ہوا۔

اب سُنیے کہ ادھر پولیس کے انسپکٹر کو کد پڑ گئی، کہ جس طرح ممکن ہو، کلّو کو پھانسیں، اُنھوں نے چار گواہ تیار کیے۔ برہمن، شیخ، ٹھاکر، مرزا۔ سب کو سکھایا کہ جس شب کو ہنونت سنگھ قتل ہوا اُس شب کو تم کہنا ہم نے کلّو کو دیکھا تھا۔ چاروں گواہوں کو یوں منتر پڑھایا۔

برہمن : ہم کہیں گے کہ ہم نے شام کو انھیں چوک میں چلمیں خریدتے دیکھا۔ ایک کہار کی گواہی بھی دلوا دیں گے ہمارا دوست ہے۔

انسپکٹر : اور جو پوچھا جائے کہ اچّھا اس کا ثبوت ہے کہ وہ اُسی وقت ریل کے اسٹیشن پر نہیں گیا شاید چلمیں خرید کر گیا ہو۔

برہمن : میں کہوں گا کہ پھر میں نے اُس کو نو بجے سڑک پر دیکھا تھا۔

انسپکٹر : کتنی چلمیں خریدیں۔ دو، چار، دس، بیس۔

برہمن : کوئی بیس خریدیں۔

انسپکٹر : دو کہنا۔ اگر زیادہ کہو گے تو وہ کہے گا کہ سفر کے لیے درکار تھیں۔ باہر سے لوگوں کی فرمایش آئی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : اچھا پکا کیا۔ کیوں نہ ہو۔ مانتا ہوں۔

زسرِ طوق گنبد بہ گردون رسید
چو پیرے کہ اورا پراند مرید

یہ شعر سُنتے تھے مگر انسپکٹر صاحب نے پیری کی حالت میں مرید کو اچھی پٹی پڑھائی۔

برہمن : بہت اچھا۔ میں چوکوں گا نہیں حضور۔

راوی : شاباش۔

ع۔ این کار از تو آید مردان چنین کنند

انسپکٹر : تم سے ان سے کچھ بات چیت ہوئی تھی۔

برہمن : میں کہوں گا کہ ان سے صاحب سلامت بھی نہیں۔

انسپکٹر : اِن کے ساتھ اور کون تھا؟

برہمن : ایک آدمی تھا۔ ان کا نوکر ہے کہ بھائی بند ہو شاید۔

انسپکٹر : اچھا اب مرزا صاحب آئیں۔ کہیے کیا گواہی دیجیے گا؟

مرزا : حضور کل شام کو میں چوک میں موم کا تیل خریدنے گیا تھا۔ کلّو کو میں نے ہار خریدتے دیکھا۔

انسپکٹر : اور کوئی ان کے ساتھ تھا یا اکیلے تھے۔

مرزا : ہاں ایک آدمی اور تھا کوئی۔

انسپکٹر : اُس کے چہرے قد و قامت چال ڈھال کا حال بیان کرو۔

مرزا : حضور اس کا غلام کو خیال نہیں۔ یا جو سکھائیے۔

انسپکٹر : بس یہی جواب تھا۔ شاباش۔

مرزا : حضور میں وہ گواہی دوں گا کہ آپ بھی دنگ ہو جائیں

خدایا جہان، بادشاہی تراست — زما خدمت آید خدائی تراست
پناہِ بلندی و پستی توئی — ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی
توئی کا فریدی زیک قطرۂ آب — گہر ہائے روشن تراز آفتاب
توئی کا سماں را برافراختی — زمین را گذرگاہ اُو ساختی
توئی کا فریدی زیک قطرۂ آب — گہر ہائے روشن تراز آفتاب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: اس تکرار کے قربان۔ آپ واقعی خوب گواہی دیں گے۔
انسپکٹر نے کہا تم بھی گواہی کے قابل ہو۔ ٹھاکر کو بُلاؤ۔

ٹھاکر: ہم سے جو کوئی بولی تو ہم گُدیا ٹ۔ ہاں۔

انسپکٹر: ہائیں۔ پاگل ہے کون۔ گواہی کیا دے گا۔

ٹھاکر: گواہی۔ ہونہہ۔ ہم کہب کہ کلّو مارڈالس۔

انسپکٹر: آپ تشریف لے جائیں۔ تم تو کہتے تھے کہ ہم سنسکرت پڑھے ہیں۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

اِن کے بعد شیخ جی کا نمبر آیا۔ یہ سب سے بڑھ کے نکلے۔

جمعدار: آپ کیا کہیں گے شیخ جی۔

شیخ: بھائی صاحب! میں نے تو آج تک کلّو کو دیکھا ہی نہیں۔

جمعدار: اجی ہم ابھی ابھی دکھا دیں گے۔ کہو گے کیا۔

شیخ: کہوں گا کہ شام تک دریا پیرا کیا' اور ایک دفعہ کمیدان روشن علی خان سے کہا کہ آج ایک کی جان لیں گے۔ اس وقت ہم لوگ کچھ نہ سمجھے۔ پھر کہا کہ ہنونت سنگھ کا نام یاد رکھنا۔ سویرے سُنا کہ ہنونت سنگھ مہراج مارے گیے۔

انسپکٹر: اچھّا۔ مگر وہ کمیدان کوئی (منیٰ) آدمی ہیں۔

راوی: ہائے واللہ! کیا سوال کیا ہے۔ حضور سب فرضی ہی ہیں۔

شیخ: نہیں خداوند۔ وہ میرا شاگرد ہے۔ جو کہوں گا کہہ دے گا۔

انسپکٹر: تو اس کو بھی لیتے چلنا۔

دو دل یک شود بشکند کوہ را
پراگندگی آرد انبوہ را

شیخ: ہاں۔ آپ دیکھیے گا۔ بندہ کیسے فرآٹے اُڑاتا ہے۔

انسپکٹر: کیوں نہیں۔ گنوار تھوڑا ہی ہے۔

شیخ: اور لغات بولوں گا۔ اُردو لفظ نہ کہوں گا۔ عربی ترکی پاژند۔

انسپکٹر: تو قبلہ۔ یہ الفاظ میرے باپ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیخ : (اکڑکر) اجی حضرت ہم وہ لوگ ہیں کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوڑادیں۔ ہم سے جو کوئی وکیل سوال کرے گا نہ تو چٹ ایک شعر کے معنی پوچھوں گا۔

کب سبکدوش رہے قیدی زندان وطن
بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو

بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

انسپکٹر : یہ سب سچ ہے۔ مگر وکلا ار لوگ آگ کے پرکالے ہیں ایسا نہ ہو گڑبڑاؤں۔

شیخ : اے لاحول۔ اے توبہ۔ کیا مجال۔ یہ ہو نہ مجھے اور وکلا بند کردیں۔ واہ۔

نادان کہوں دل کو خردمند کہوں — یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منھ دکھانا ہے دبیر — کس منھ سے بندے کو خداوند کہوں

ارے توبہ۔ کہنے کو کچھ تھا۔ کہا کچھ۔

شیران مضامین کو کہاں بند کروں — بپھریں گے ڈکاریں گے جہاں بند کروں
خلاق مضمون کا ہے سب کو دعوی — کھل جائے جو چھندے میں زبان بند کروں

شیخ جی نے کہا۔ آپ دیکھیے گا، ہم کیسی دھواں دھار گواہی دیتے ہیں، جاہل گنوار اور پڑھے لکھے کی گواہی میں کچھ تو فرق ہو۔ انسپکٹر صاحب نے کل گواہوں کو سمجھادیا کہ خبردار لغزش نہ ہونے پائے، جو سوال کیا جائے تڑ سے جواب دو۔

پیشی کے روز جس وقت گواہی دینے کے لیے شیخ جی آئے اس وقت بڑی دل لگی ہوئی۔ سرکاری وکیل نے سوال کیے۔

وکیل : آپ نے اُس شب کو کلّو کو کس مقام پر دیکھا تھا۔

شیخ : طبیعت لہرائی کہ دریا نہائیں۔ احباب کو لے کر چلے۔ وہاں دیکھا کہ کلّو بھی پیر رہے ہیں۔ صاحب سلامت ہوئی۔ دور دور سے۔ وہ اپنی راہ گیے ہم اپنی راہ گیے۔ شام کو دریا سے نکلے ہم نے خونچے والے سے تکونے دال موٹھ لی۔ کلّو نے آم کھائے چراغ روشن ہونے کے بعد پھر ہم نے اس کو چوک میں دیکھا۔ لکڑ والے سے حقّہ پی رہے تھے۔

وکیل : کانپور کی ریل کا وقت تو جاتا رہا ہوگا؟

شیخ : جی حضور۔ اگر ہوا کے گھوڑوں پر بھی جاتے تو ریل نہ ملتی۔

وکیل : شاید چوک سے سیدھے اسٹیشن گیے ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیخ : ممکن نہ تھا کہ کانپور کی ریل ملتی۔ دریا سے اگر اکّا یا گاڑی کرایہ کرتے تو ٹھیک وقت پر شاید پہونچ جاتے۔

وکیل : آپ سے اور کلّو سے یارانہ ہے یا دور کی ملاقات ہے؟

شیخ : ماتھا پھٹوّل۔

وکیل : یہ لُغت ہم نہیں سمجھے۔ یعنی لاگ ڈانٹ۔

شیخ : جی نہیں۔ لاگ ڈانٹ نہیں۔ دور دور کی علیک سلیک۔

وکیل : دریا پر کوئی اور بھی تھا جس نے کلّو کو دیکھا ہو؟

شیخ : سوآدمی۔ مگر دو کے نام بھی یاد ہیں۔ ایک تو یہ جو افیم بیچتا ہے لالہ۔ دوسرا وہ ستار باز عبدالستّار۔

وکیل : اچھا۔ لالہ کو عدالت بُلوا سکتی ہے۔ سامنے بیٹھا ہے۔

لالہ بُلوائے گیے۔ پولیس کے آدمیوں نے لالہ کو پہلے ہی سے سکھادیا تھا۔ خود انسپکٹر نے تاکید کردی تھی کہ جو شیخ جی کہیں وہی بیان کرنا۔ لالہ نے آن کر یوں بیان کیا۔ میں دریا پیرنے گیا تھا' وہاں میں نے کلّو لالہ کو دیکھا۔ اُن کی میری جان پہچان ہے۔ سورج اسَت ہوئے تک یہ نہایا کیے، اُن کے ساتھ دو آدمی تھے۔ جب دریا سے نکلے تو اُنھوں نے آمیں (آم) چوسے، پھر یہ مجھے کوئی نو بجے کے وقت سرکٹے نالے کے پاس ملے۔ اس وقت بھی ان کے ساتھ ایک آدمی تھا۔

وکیل : یہ تو کہتے ہیں کہ اس رات کو ہم کانپور گیے تھے۔

لالہ : شاید گیے ہوں۔ رات کی گاڑی پر شاید گیے ہوں۔

عدالت : تم کلّو کو پہچانتے ہو؟

لالہ : (مُسکرا کر) اے ہجور! بھلا کلّو لالہ کو بھی کوئی نہیں پہچانتا ہے۔ یہ سامنے کھڑے ہیں۔ کچھ جانتے ہی نہیں بے چارے۔

عدالت : اچھا۔ عبدالستّار کہاں ہے؟

شیخ : حضور صاحب کے ہاں نوکر ہیں۔ وہ جو سامنے رہتے ہیں۔ صاحب نے انسپکٹر کو حکم دیا کہ عبدالستّار کو بلوائیں۔ عبدالستّار آئے ان کو بھی پٹی پڑھادی تھی۔ انھوں نے آکر یوں بیان کیا۔ خداوند میں روز شام کو دریا جاتا ہوں۔ جس رات کا آپ ذکر پوچھتے ہیں اُس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رات کو غلام نے ان کو چوک میں دیکھا تھا۔

عدالت : تم کلّو کو پہچانتے ہو۔ یہاں ہے اس وقت؟

عبدالستّار: حضور یہ کیا کھڑے ہیں سامنے۔ لالہ کلّو مشہور آدمی ہیں۔

وکیل: وہاں اور کون کون تھا کسی کا نام بتا سکتے ہو؟

عبدالستّار: وہاں شیخ صاحب تھے، اور وہ جوہری تھے جو سبزے گھوڑے پر نکلتے ہیں۔ اور دو آدمی ہمارے محلّے کے تھے، اور بہت سے آدمی پیر رہے تھے۔

عدالت : (لالہ کی طرف دکھا کر) اِن کو دریا پر دیکھا تھا؟

عبدالستّار: کچھ خیال نہیں حضور۔ یہ تو افیم بیچتے ہیں شاید۔

عدالت : کلّو نے دریا سے نکل کر کیا کیا۔

عبدالستّار: ایک آدمی سے آم چکاتے تھے۔ پھر نہ معلوم خریدے یا نہیں خریدے۔ میں پیرتا ہوا آیا۔ گیا تھا کچھ خیال نہیں کیا۔

عدالت : شیخ سے اور کلّو سے کچھ بات چیت ہوئی تھی؟

عبدالستّار : میں نے نہیں دیکھا۔ شاید ہوئی ہو۔

اُس کے بعد کلّو کے بیرسٹر نے سوالات شروع کیے۔

بیرسٹر : تم نے کلّو کو کس وقت چوک میں دیکھا تھا، اور دریا سے وہ کب رواں ہوئے؟

شیخ : حضور اس وقت کہاں تھے جس وقت اظہار لیے گئے۔

بیرسٹر: وِل۔ تم پاگل ہے۔ سوال کا جواب دو، ابھی ابھی بولو۔

شیخ : شام کو روانہ ہوا۔ آٹھ بجے تک ہم نے دیکھا تھا۔

بیرسٹر: وِل۔ اچّھا۔ آپ دریا سے چوک کس وقت آیا؟

شیخ : ہم بھی کوئی پانچ بجے آئے۔

بیرسٹر نے شیخ جی کو گڑ بڑا دیا۔ ایسے اینڈے بینڈے سوال کیے کہ شیخ جی چوکڑیاں بھرنا بھول گیے۔ بہت بڑھ بڑھ کے باتیں بناتے تھے۔ یوں کہوں گا اور یوں سوال جواب کروں گا اور بیرسٹر کو بند کر دوں گا مگر دو سوالوں میں بول گیے۔ بیرسٹر نے پوچھا کلّو لالہ کے ساتھ کون شخص تھا؟

کہا اِن کا ایک آدمی تھا، پوچھا اس آدمی کو پہچانتے ہو، کہا ہاں پہچانتا ہوں۔ دو تین آدمی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دکھائے گئے مگر پہچان نہ سکا۔ پھر بیرسٹر نے ایک سوال کیا۔ تم اچھا پیرتے ہو یا کلّو لالہ۔
کہا ہم پیرنا خوب جانتے ہیں۔ کلّو لالہ نہیں پیرتے ہیں۔
حضور مجھے خوب پیرنا آتا ہے۔ یہ بالکل لغو بکتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو میں پیر کے دکھادوں۔
جل بانک میں برق ہوں۔ مار ڈالوں۔
صاحب کے سررشتہ دار نے کہا' حضور میں اس شخص سے اس قدر واقف ہوں کہ یہ پیرتا اچھا ہے۔ یہ مچھلی کا شاگرد ہے۔ اور جل بانک میں سیکڑوں میں اچھا ہے۔ صاحب نے کہا وَل شیخ تم جھوٹ بولا۔ انسپکٹر نے اشارے سے سمجھایا کہ میں نے پیرتے نہیں دیکھا۔ شیخ جی اس وقت گھبرائے ہوئے تھے۔ کہا حضور کلّو لالہ کنارے پر نہاتے تھے۔ اور کئی ہفتے سے دریا پر آتے ہیں' مگر پیرتے کبھی نہیں آتے۔

صاحب: وَل۔ تم بالکل جھوٹ بولتا ہے۔ سب لوگ کہتا ہے کہ یہ پیراک ہے۔ تم کچھ ٹھیک نہیں بولتا۔ واہیات بات۔

شیخ: حضور جو لغو ہو تو ناک ناک بدتا ہوں۔

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ
چغل خور کے منھ کو ڈستے ہیں سانپ

یہ سب لوگ چغل خوری کرتا ہے۔

من نہ آنم کہ اسپان شہ پروردم
بخدمت دریں مرغسرار آوردم

خاصے کے گھوڑوں پر تعینات تھا۔ شاہی تعلق تھا۔ ایسا ویسا نہ تھا۔ اسی وقت صاحب کے اجلاس پر ایک یوروپین آئے۔ ہیلو کہہ کر ہاتھ ملایا۔ کلّو لالہ پر نظر پڑی تو کہا۔ وَل کلّو سنگھ تم آج کہاں آیا۔ اب تم دریا جاتا ہے۔ صاحب سے کہا۔ یہ شخص ہمارا اُستاد ہے۔ پیرنا ہم کو اسی نے سکھایا ہے۔ مگر ڈاکو اور بدمعاش ہے۔

راوی: واہ کیا تعریف کی۔

ہر کہ آموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

بیرسٹر نے کلّو کی طرف سے خوب خوب سوال کیے۔ شیخ جی بوکھلا گیے۔ کئی بار جھلّا کر کہا سُنیے حضور! ہم لوگ یہ باتیں سننے والے نہیں ہیں۔ ہم سے تہذیب کے ساتھ گفتگو کیجیے۔ بیرسٹر نے کہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وَل تم شریف ہے یا جھوٹ موٹ شیخ بن بیٹھا ہے۔ شیخ جی بہت بگڑے۔

شیخ: ہم اس قسم کی بات نہیں سُننا چاہتے ہیں۔

بیرسٹر: تم شریف ہو؟

شیخ: ہم بذاتِ خاص تو شریف ہیں، مگر باپ دادا کا حال نہیں معلوم۔

بیرسٹر: جب تم پیدا ہوئے تھے تمہارے باپ کا کیا سن تھا؟

شیخ: ہم بعد وفات جناب والدِ مرحوم و مغفور تولّد ہوئے۔

بیرسٹر: کتنے برس کے بعد پیدا ہوئے تھے؟

شیخ: (گھبرا کر) یہی کوئی دو سوا دو برس کے بعد ہوئے ہوں گے۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ گواہ اور اہلِ مقدمہ، اور حوالی موالی، اور اہلکار کھِل کھِلا کر ہنس پڑے۔ صاحب نے آہستہ سے کہا وَل اس گفتگو سے کیا مطلب ہے۔ ہم ایسی بات نہیں سُننا چاہتے ہیں۔ شیخ جی سخت مَحجُوب ہوئے۔ کہا حضور میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بیرسٹر نے سبھی گواہوں کو گڑبڑا دیا، اور دل لگی ہوئی کہ ایک گواہ نے کلّو کے عوض صاحب کے سررشتہ دار کو مجرم اور قاتل بتایا۔ بیرسٹر نے پوچھا تم کلّو کو پہچانتا ہے۔ کہا ہاں۔ اس وقت اتفاق سے صاحب کے سررشتہ دار اسی جگہ پر کھڑے تھے۔ انسپکٹر نے کلّو کی طرف اشارہ کیا۔ گواہ سمجھا سررشتہ دار کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہا حضور یہ کلّو لالہ ہیں۔ سررشتہ دار نے کہا۔ سُبحان اللہ۔ اچھا پھانسا۔

بیرسٹر: عدالت کے غور کے قابل بات ہے، کہ گواہی بھی دینے آیا۔ کہتا ہے کل کلّو لالہ کو دریا پر دیکھا۔ پھر چوک میں ملاقات ہوئی، اور پھر کلّو کو پہچانتا ہی نہیں۔ سررشتہ دار عدالت کو کلّو لالہ بتاتا ہے۔

صاحب: وَل جھوٹا گواہ ہے۔ اس کی گواہی کا اعتبار نہیں۔ ہم اس کو قید کریں گے۔ دروغ حلفی کرتا ہے۔

بیرسٹر نے پوچھا تم نے لالہ کلّو کو کبھی اور بھی دیکھا تھا۔ کہا حضور اس وقت اوسان خطا ہو گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ گھبرا اٹھا ہوں۔

ازین ستارۂ دنبالہ دار می ترسند

ضعف الاعتقادی کے صدقے! سوئی کو جالا اور تنکے کو جھنڈا بنانا اس کے بائیں ہاتھ کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرتب ہے۔ شایستہ ملکوں میں ضعیفُ الاعتقادی کا پتا نہیں۔ شایستگی آئی اور اس نے بغچہ سنبھالا۔ ضعیف الاعتقاد آدمی جس شے کو سمجھ نہیں سکتا' اُس کو اِدبار اور افلاس اور شومی طالع اور برہمی انتظام موجودہ کائنات کا باعث تصور کرتا ہے۔ ابتدا ابتدا میں اکثر آدمی جو علم وفضل سے بے بہرہ تھے زلزلہ کو بھی اَنواع و اقسام کے توہمات پر محمول کرتے تھے جب سمجھ میں نہیں آتا تھا تو یہ کہہ کر خاموش رہتے تھے کہ خدا کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں ہے۔ اسباب اور وجوہ زلزلہ وغیرہ کے سمجھنے کی کوشش کو بے کار اور محل عبث سمجھتے تھے۔

شایستہ ملکوں میں اب اِس قسم کے خیالات عموماً نہیں ہیں۔ اب وہ اسباب زلزلہ اور باعث حُدُوثِ قوس قزح اور انتظام شمسی، اور مختلف کرّوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں۔

آج کل جو ستارہ دنبالہ دار برآمد ہوا تو ہل چل مچ گئی۔ سُست اعتقاد آدمی کانپنے لگے کہ خدا ہی خیر کرے، دُم دار ستارہ ادبار کی نشانی ہے۔ اِدھر ستارہ دنبالہ دار نکلا' اور لوگوں نے طرح طرح کے خیالات ظاہر کیے۔

غلّے کی گرانی قحط سالی کشت وخون' عوارض وبا یہ اس کے نتائج قرار دیئے گیے ہیں۔ طرّہ یہ کہ شایستہ ملکوں میں بھی ابھی تک بعض آدمی ستارہ دنبالہ دار کے نام سے تھرّا اٹھتے ہیں۔

لکھنؤ میں ضَعیفُ الاعتقادوں' بے فکروں، وہمی آدمیوں نے بات کا بتنگڑ کر دیا۔ جہاں جائیے ستارہ دنبالہ دار کی نسبت کوئی نئی بات ضرور سُنیے گا۔ جس کی ذرا بھی اصلیت نہیں۔ محض لغو۔ ایک روز ریل کے اسٹیشن پر سیر کرتے ہوئے جانے کا اتفاق ہوا۔ باہر کے چبوترے پر اِدھر اُدھر کے مسافر بیٹھے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

۱۔ پنڈت جی مہراج۔ سنسکرت داں۔ گول ٹوپی سر پر' اور اج کی مالا' سفید لمبی دھوتی پہنے ہوئے پچپن برس کا سن۔

۲۔ شیخ صاحب' سُرخ داڑھی' کشیدہ قامت' خوشرو جوان۔

۳۔ بی اے۔ لائق انگریزی داں' بیس برس کا سن۔

۴۔ لکڑ والا۔ زمانے بھر کا نیاریا۔

ستارہ دنبالہ دار کی نسبت باتیں ہونے لگیں۔

شیخ: کیوں پنڈت جی مہراج یہ ذاتُ الذنب کی خاصیت کیا ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : ذات الذنب تو ہندی لفظ ہے پنڈت جی سے عربی لغت کہیے۔

پنڈت : (گھبراکر) ہماری سمجھ میں نہیں آیا کرپاندھان۔

شیخ : اجی یہی دُمدار ستارہ۔ وہ سامنے نظر نہیں آتا ہے۔

پنڈت : کرپاندھان یہ دھومرکیت ہے۔ سمت ۱۹۲۴ میں بھی اودے ہوا تھا۔

ککڑ والا : اور حضرت یہ غدر کے دنوں میں بھی نکلا تھا۔

پنڈت : رودھر کی بھشٹی ہے۔ جدھر کا جوگ ہوگا۔ بڑا سنگرام ہوئے گا۔

بی اے : اجی لاحول ولاقوۃ۔ کجا دُمدار ستارہ کجا جنگ۔ ستارے کو حرب اور کشت و خون اور جدال و قتال سے کیا واسطہ۔

پنڈت : مہراج یہ ستاروں ہی کے سبب سے تو نس کو کلیس ہوتا ہے۔ پرنتو انگریجی نویس (انگریزی نویس یعنی انگریزی خواں) نہیں مانتے۔ جیسا جیسا کل جگ آئے گا ویسا ویسا دھرم کی کھنڈت ہووے گی۔ دھومرکیت کو آپ نہیں مانتے؟

بی اے : مہراج جی آخر سوچیے تو ستارۂ دنبالہ دار کو اس سے کیا تعلق ہے۔

اتنے میں ایک مولوی صاحب آئے۔ انھوں نے کہا بے شک تعلق ہے۔ غدر کے دنوں میں بھی نکلا تھا کس قدر کشت و خون اور ہنگامہ سرگرم رہا۔ آج کل کے نوجوانوں کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کو نہیں مانتے، اور اسلاف پر منھ آتے ہیں۔ اگر ستاروں کا اثر نہیں ہے تو جزر و مد کا کیا سبب ہے۔ جوار بھاٹا کیوں آتا ہے۔ خاص اسی سبب سے کہ کروں کی کشش کا اثر پڑتا ہے۔

بی اے نے ان لوگوں کے خیالات پر قہقہہ اڑایا اور کہا حضرت آپ لوگ عمر بھر بس اسی پھیر میں رہیں گے۔ افسوس کا مقام ہے۔ مانا کہ جزر و مد کشش شمس و قمر سے ہوتا ہے، مگر اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ انسان کے افعال پر کرۂ شمس یا کرۂ قمر کا اثر پڑتا ہے۔

پنڈت : دیاونت یہ دھومرکیت تو کلیس ہی کے لیے اودے ہوت ہے۔

شیخ : اجی ایک دفعہ اور نظر آیا تھا، تو ہمارا گھر بھر علیل ہو گیا۔ کسی کو اسہال کا عارضہ، کسی کو سل، کسی کو تپ مزمن، کسی کو درد جگر۔ یہ بڑا نحس ستارہ ہے۔

بی اے : تو اس سال ستارہ دنبالہ دار صرف آپ کے ستانے ہی کے لئے نکلا تھا۔ بجا۔

شیخ : اب آپ کو تو یقین ہی نہیں آتا۔

پنڈت : تو اس کو ہم، اور آپ کیا کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بی اے : ذات الذنب کے حالات سے علما ہیئت واقف ہیں ان کا مقولہ ہے کہ ستارۂ مذکور کرۂ شمس کے گرداگرد اور سیاروں کی طرح دورہ کرتا ہے' اور یہ ستارہ ایک جسم مصمت ہے۔ جوف اس میں نہیں ہے۔

شیخ : بجا۔ جوف نہیں ہے۔ یہ کیونکر معلوم ہوا حضرت کہ نہیں ہے۔

پنڈت : جوف کیا۔ ہم اچھی طرح سمجھے نہیں۔ ہمیں سمجھا دیجیے۔

شیخ : مطلب یہ کہ بیچ سے کھکھل نہیں ہے۔ ٹھوس ہے۔

پنڈت : مہاراج بِن دیکھے کوئی بچار کر سکتا ہے۔ کبھی نہیں۔

شیخ : اور اشراق کے آپ لوگ قائل نہیں۔ پھر کیوں کر معلوم ہوا۔

بی اے : آلات اور عقل' دور بین کے ذریعے سے' یہ کون مشکل بات ہے۔

شیخ : اور یہ دم کیا ہے۔ حضرت اس کو کیا بتاتے ہیں۔

بی اے : یہ بخارات ہیں۔ آفتاب کی گرمی اور خود ستارہ دنبالہ دار کی تمازت سے روشن ہو جاتے ہیں۔

شیخ : بے ادبی معاف آپ بھی نرے اُلّو کی دم فاختہ ہی رہے۔

اس فقرے پر قہقہہ پڑا۔ بی اے بے چارہ خاموش ہو گیا۔ اتنے میں ایک صاحب نے پوچھا کیوں قبلہ اس کی دم کس قدر دراز ہو گی؟

بی اے : ۹۰ لاکھ میل تک دم کی طوالت دیکھی گئی ہے۔

شیخ : (حیرت میں آکر) ایں نوّے لاکھ افوہ!

پنڈت : نوّے لاکھ میل جس کے پینتالیس لاکھ کوس ہوئے۔ تو دُم کیا ساری پرتھوی سے بھی سُیگر تھی۔

مسافر : اف رے جھوٹ' اللہ ری گپ' ۹۰ لاکھ میل!

بی اے نے کہا اجی حضرت آپ ہیں کس بھروسے ۹۰ لاکھ تو ادنیٰ سی بات ہے۔ ایک عالم نے تین کروڑ تیس لاکھ میل کی دُم دیکھی تھی اس پر سب مسافر متحیّر ہوئے۔ ایک بولا وہ بڑی پوچھ کے آدمی ہیں' دوسرے نے کہا اچھی بے پر کی اُڑائی۔ یہ دُم بہت ہو گی۔ دس گز ہو گی۔

شیخ : نا صاحب۔ کوئی چار گز پانچ گز کی ہو گی۔ بس اور کیا۔

پنڈت : یہ کہت ہے آرام' سُکھ دُھن' سب کا کھائے جات ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: آپ بچے رہیے گا۔ ایسا نہ ہو نوالہ کر جائے۔

بی اے: متقدمین کو بھی ایک بات کا خوف تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ستارہ کرۂ شمس میں جا کر گرے گا۔ اگر کرہ شمس میں گرتا تو اس کی گرمی کو دوچند کر دیتا اور باشندگان کرۂ ارض جل بھن کے خاک سیاہ ہو جاتے۔

مسافر: کہاں کے باشندے۔ کون کرّہ۔ کرّہ ارض کہاں ہے؟

بی اے: اب آپ لوگوں سے بحث کون کرے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی نہیں کہ کرّہ ارض کہاں ہے۔ آپ بیٹھے کہاں ہیں۔

مسافر: اچھا یہاں سے یہ ستارہ کس قدر فاصلے پر ہے۔ ہے کوئی سو دو سو نگھ کوس۔

بی اے: نہ صرف دو کروڑ میل۔ کبھی کبھی زیادہ۔ اور جب بہت بُعد پر جاتا ہے تو نظر ہی نہیں آتا۔ ذی روح مخلوق کا وہاں رہنا غیر ممکن ہے۔ وجہ یہ کہ سردی اور گرمی دونوں کی شدت ہوتی ہے۔

مسافر: کیا! ذی روح مخلوق تو کیا' ان ستاروں میں ذی روح آدمی بستے ہیں! جی نہیں حضرت۔ لاحول ولا قوۃ۔

بی اے: واہ آپ کے کہنے سے۔ برابر سب نے تحقیقات کی ہے۔

شیخ: بھلا سنیچر داس کتنی دور ہیں گے۔

بی اے: یہ تو نہیں معلوم ہے، مگر اس قدر جانتا ہوں کہ زمین سے ایک ہزار تیس حصّہ زیادہ بڑا ہے۔ اور آفتاب بمقابلہ زمین لاکھ حصّہ بڑا ہے۔ اور ستارۂ جونو۔

شیخ: کون؟ جونو' جونو چہ معنی دارد۔ جونو کون ستارہ ہے۔

بی اے: آپ لوگ ان ستاروں کو کیا جانیں۔ یہ حال میں دریافت ہوئے ہیں قبلہ!

شیخ: مشفق سبعہ سیّارہ ہی تو مشہور ہیں۔ عطارد' زہرہ' مشتری' مریخ' زحل' شمس' قمر۔ ایک چانڈو باز نے آکر پوچھا۔ کیوں حضرت بھلا اس ستارہ کا اثر افیم پر کیسا ہے۔ اللہ ہم غریب آدمیوں پر رحم کرے۔ مگر ایک بات تو ہم جانتے ہیں کہ سب سرکار کا اقبال بڑا ہے اور سرکار کو اس سے آمدنی بھی ہے۔ اس سبب سے گمان ہے کہ افیم پر اس کا اثر اچھا ہو خدا کرے روپیہ کی من بھر بکے۔ اللہ پھر کون مردک اپنے حساب نوکری بھی کرے۔ مزے سے افیم کی چسکی لگائے۔ پونڈے کی گنڈیریاں چھیلیں۔ مزے مزے سے چوسیں۔ نے غمِ زر دنے غم کالا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بی اے نے کہا چین کرو۔ کچھ بھی نہ ہوگا۔ نہ آٹا مہنگا ہوگا نہ افیم۔ واہ؟ آٹے سے ہمیں واسطہ نہیں، افیم نہ مہنگی ہونے پائے جو ہماری روح کی غذا ہے۔ ادھر یہ باتیں ہوتی تھیں۔ اُدھر ایک نواب صاحب کے رفقاء اسٹیشن پر ذات الذنب کی نسبت کو گفتگو کر رہے تھے۔

رفیق : خداوند۔ یہ بڑا منحوس ستارہ ہے۔ خدا ہی خیر کرے۔

دوسرا : ہاں حضور درین چہ شک۔ ایک سال اور نکلا تھا۔ شہر بھر کے مکانوں کو مسمار کر دیا۔

تیسرا : خداوند آج ایک اخبار میں پڑھا کہ کسی ملک کے والی نے انتقال کیا، اور سُنا کہ دُم کا رُخ اسی طرف تھا۔

نواب : بھئی خدا سب کو آفت سے بچائے۔ مکانوں میں اڑانے ڈلوا دو۔ ایسا نہ ہو اب کی پھر ارارا کر کے گر پڑیں۔

رفیق : حضور ضرور بالضرور ایسا ہی ہوگا۔ اس میں فرق نہ ہوگا۔

نواب : اس دُم کو جھاڑو کہنا چاہیئے۔

رفقا : اعجاز، اعجاز۔ کشف کہوں، کرامت کہوں، معجزہ کہوں۔

ایک : کیا بات فرمائی ہے۔ سُبحان اللہ حضور جھاڑو ہے۔

دوسرا : صاف کر دیتی ہے۔ بڑی بد بخت چیز ہے۔ خدا سمجھے۔

نواب : بس جھاڑو ہے کسی کو بالکل صاف کر دیا اور کسی کو آباد کر دیا۔ یا صفائی یا صفایا۔

رفقاء : اعجاز۔ قسم ہے اپنے سر کی۔ اعجاز ہے۔ اعجاز ہے۔

ایک : کلام الملوک ملوک الکلام۔

راوی : اے سُبحان اللہ۔ کیا بات فرمائی ہے۔ کلام الملوک۔ ملوک الکلام۔ کتنا سچا مسئلہ فرمایا ہے۔ کیا جی خوش ہو گیا۔ عربی بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ایک رفیق نے واقفیت جتانے کے لئے کہا حضور! ایک بات کہوں تو حضور کو یقین نہ آئے مگر ان آنکھوں کی قسم۔ خداوند آنکھیں بڑی نعمت ہیں۔ آنکھوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ذرا بھی لغویت اس میں نہیں ہے۔

نواب : ہاں ہاں کہیے! اسی ستارے کے متعلق ہے نہ۔

رفیق : ہاں حضور۔ تین بار میرے ہوش میں ستارہ طلوع ہوا۔ دُنبالہ دار ستارہ تین بار طلوع ہوا۔ اول مرتبہ میں کوئی دسویں میں تھا مگر بھنبھیری آتش کا پر کالہ۔ رات کو خواب دیکھا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پورب کی طرف ایک چمکتی ہوئی جھاڑو ہے۔ اور جھاڑو اس قدر چمک رہی ہے کہ آنکھ جھپکی جاتی تھی۔ سویرے ہم نے ایک معتبر سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ اس نے دو، دو، دن تک غور کیا مگر کوئی رائے نہ قائم کر سکا۔ تیسرے دن جھاڑو کا ستارہ نظر آیا۔ بس معتبر نے مجھ کو بُلوایا۔ گلے لگایا اور کہا بیٹا سُنو۔ تم وَلی ہو۔ ایک نواب رہتے تھے۔ رونق الدولہ بہادر، بڑے فقیر دوست۔ مجھ کو بلوایا۔ دو سو روپیہ دیئے، اور کہا شاہ جی تم پیدائشی فقیر ہو۔

دوسرا رفیق: واہ شاہ جی کیوں نہ ہو۔ یہ کمال تو آج معلوم ہوا۔

تیسرا چھپے رستم نکلے اُستاد۔ ابے کیوں نہ ہو سُبحان اللہ۔

نواب: بھلا اس مرتبہ بھی دیکھا تھا آپ نے

چوتھا: ضرور دیکھا ہوگا۔ اب کی کیا تعبیر تھی؟

رفیق: حضور اس مرتبہ دوسرے روز دیکھا کہ ایک عالیشان عمارت کو زلزلے نے ڈھایا سویرے سنا کہ دو برجی گر گئی۔ تیسری شب کو خواب دیکھا کہ دریا چڑھا ہوا ہے۔ سویرے خبر پائی کہ گومتی میں بہیا آ گئی۔

نواب: خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔ تشویش ہو گئی۔ کیا سامنے سے جھاڑو نظر آتی ہے۔

رفیق: جی ہاں خداوند نعمت۔ چل کے ملاحظہ فرمایئے۔

نواب: ہاں دیکھیں گے ضرور آج تک دُمدار ستارہ نہیں دیکھا۔

نواب صاحب نے کہا چلیے کہ میدان میں جا کر ستارہ دیکھیں۔ مگر رفقا نے کہا حضور جانے بھی دیجیے۔ اس منحوس کی شکل دیکھ کے کیا کرنا ہے۔ خداوند کے پاس نہ جانا چاہیئے۔

ع۔ اصل بد از خطا خطا نہ کند:

رزق ہر چند بے گمان برسد — شرط عقل است جستن از درہا

گرچہ کس بے اجل نخواہد مُرد — تو مرو در دہان اژدرہا :

رفقا نے حضور نواب صاحب کو ستارہ دنبالہ دار دیکھنے سے باز رکھا تو ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی۔ خداوند گلشن لیٹ کا رومال مُنہ پر لپیٹ کر دیکھیں تو مضائقہ ندارد۔ اس تجویز کو نواب صاحب نے پسند کیا۔ گلشن لیٹ کا ایک رومال آیا۔ نواب صاحب نے مُنہ پر رومال رکھ کر دیکھا تو تھرا اُٹھے۔ یا اللہ اتنی بڑی دم!

رفیق: خداوند دُم کیا شیطان کا ماہی مراتب ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا: شیطان کی آفت ہے صاحب۔ اللہ اللہ اُف۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

نواب : ارے یارو۔ یہ ہے کیا بلا۔ آہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ بھئی چل کے داروغہ سے کہو کہ دس بھوکوں کو اس وقت کھانا کھلوا دینا۔ اور آج سے ہم خیمے میں رہیں گے۔

رفقا : ضرور خداوند! ضرور، خوب سوجھی۔ واللہ ہے کیا تجویز ہے۔

ایک : حضور ہم بھی چھولداری میں پڑ رہیں گے۔

نواب : نہیں بھئی۔ اپنے اپنے گھر میں سب ہوں۔ خدا جانے کس وقت کیا بلا آئے۔

رفیق : اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ البَلِیَّات۔

ایک چانڈو باز نے بڑھ کر کہا۔ خداوند نعمت خبر آئی ہے کہ ایک جہاز ڈوب گیا۔ نواب صاحب نے کہا واللہ۔ جی ہاں جو نہ ہو تھوڑا ہے۔ جہاز میں آدمی بہت سے نہ ہوں گے۔ کہا حضور چین سے افیم آتی ہے۔ ہائے افسوس آج شہر بھر تڑپ رہا ہے۔ آسمان اور زمین کے قلابے مل جائیں گے۔ قسم خدا کی کائنات کا انتظام پلٹنے والا ہے۔ نواب صاحب کمال خائف ہوئے۔ بندوبست ہونے لگا۔ بیوی سے کہا کچھ خبر بھی ہے۔ آسمان کو بھی کبھی دیکھا ہے؟

بیگم : اوئی۔ پہیلیاں بجھواتے ہیں۔ آسمان تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا (مسکرا کر) آسمان بھلا کسی کو نظر بھی آتا ہے بھلا۔

نواب : اے ہے! تم تو سمجھتی ہی نہیں۔ تمھاری شوخی سے ہماری ناک میں دم ہے۔ اب آخری وقت ہے۔ اب چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ قیامت آگئی۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

بیگم : سبزی تو نہیں کسی موئے ہندوے نے پلا دی۔

نواب : اچھا چھت پر آؤ۔ دیکھو کیا ہے بلا کا بھی باپ۔

بیگم صاحب پھرتی اور شوخی کے ساتھ پائنچے سنبھالتی ہوئی چلیں۔ کوٹھے پر پہونچیں تو نواب صاحب نے کہا دیکھو ایسا ستارہ بھی نہ دیکھا ہوگا۔ بیگم صاحب نے ستارہ دُنبالہ دار دیکھا تو سخت خائف ہوئیں۔ کہا اوئی اللہ یہ ہے کیا۔ اور یہ اتنی بڑی لکیر کیسی چلی گئی ہے۔ نواب صاحب نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہا جنگ ہوگی۔ خون ہوگا۔ خون کے دریا بہیں۔ کیا معلوم کس ملک میں لڑائی ہو۔ مگر ہندو مسلمان عیسائی سب کا قول ہے کہ اس کا نتیجہ خراب ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : یا اللہ اب کیا ہونا ہے۔ نوازش دولھہ کو آلہ آباد سے یہیں بلوا لو۔ جو کچھ ہونا ہو وہ یہیں سامنے ہو۔ ہائے ابا جان پہاڑ پر اکیلے ہیں، ہمیں بڑا خوف معلوم ہوتا ہے کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔

نواب : علیٰ ہٰذا القیاس۔

راوی : آپ کے ننھے سے کلیجے کو خدا بچائے۔ ناظرین ابھی نہیں سمجھے کہ یہ نواب صاحب کون ہیں، اور بیگم صاحب کون ہیں۔

اِس ستارہ دنبالہ دار نے ہمارے ناول کے اکثر (کیرکٹر) کو خون رُلایا۔ ہمایوں فر کی وہ کیفیت ہوئی۔ فیروزہ خانم لٹ گئیں جس کا حال آئندہ درج ہوگا۔ سپہر آرا اور حسن آرا اور ان کی بہنیں صد مصیبت ہوئیں۔ اختر النسا اور زینت النسا نے بھی صدمہ اٹھایا۔ (اتفاق) مگر شکر ہے کہ آزاد پاشا مزے میں رہے۔ ان کا حال عشرت مآل عنقریب معرض بیان میں آئے گا۔ بڑی تکلیف برداشت کی۔ سخت مصیبت سہی۔ بارے بخیر گذشت۔ گو اس راحت میں بھی ان کو تکلیف تھی، مگر قید سے بچے ورنہ اگر سیبیریا کے برفستان جاتے تو زندگی بھی محال ہو جاتی۔

اب میاں آزاد کی زندگی کچھ دن عیش میں بسر ہوگی۔ مگر سچا عیش وہی ہے جس کا انجام بخیر ہو۔ ورنہ۔

دینا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ
اے ہیچ زہر ہیچ در ہیچ پیچ

لالہ کلّو

لالہ کلّو کے بیرسٹر نے ثابت کر دیا کہ گواہ نہایت جھوٹے ہیں۔ سچّے گواہوں کو جھوٹا بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ جہاں دو چار اینڈے بینڈے سوال کیے اور گواہ کو گڑ بڑا دیا آئے حواس غائب۔ واقف کار آدمی تک کی سٹی پٹی بھول جاتی ہے نہ کہ ناواقف آدمی۔ گنواروں کو تو ایسا بناتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھیے۔ انسپکٹر صاحب نے اپنی کارگزاری میں کوئی دقیقہ نہیں باقی رکھا تھا۔ گواہوں کو خوب سکھایا۔ اُن گواہوں کے گواہوں کو پٹی پڑھائی۔ جھوٹے گواہ لائے مگر بیرسٹر نے ان کی کل محنت ضائع کر دی۔ گواہ تھے بھی گوکھے، ورنہ انسپکٹر کی رائے پر چلتے تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیرسٹر کی بھی دال نہ گلتی۔

بیرسٹر نے مقدمے کے آخر میں اپنے موکل کی برّیت کا ثبوت یوں دیا دسب گواہوں نے بیان کیا ہے کہ لالہ کلّو کو دریا میں شام کے وقت دیکھا' اور پھر آٹھ نو بجے شب کو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر آٹھ نو بجے شب کو یا شام کے وقت لالہ کلو چوک میں تھے تو ہنونت سنگھ کے مکان پر کیوں کر پہونچے۔ کل گواہوں نے بیان کیا کہ انھوں نے کلو کو شام کے وقت ہنونت سنگھ کے ہاں دیکھا اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ شام کو اور آٹھ بجے شب کو چوک میں دیکھا ان کا کہنا صحیح ہے تو وہ جھوٹے نکلے' اور اُن کا بیان راست ہے تو یہ دروغلو قرار پائے)۔

صاحب: وَل۔ یہ بہت خوب بات ہے' بے شک ہم کو اتفاق ہے۔

بیرسٹر: بالکل بنایا ہوا مقدمہ ہے۔ ایک کچھ بولتا ہے' دوسرا گواہ کچھ کہتا ہے۔

صاحب: وَل۔ (وکیل سے) اب اس کا کیا جواب ہے؟

بیرسٹر: عدالت اس پر بھی غور کرے کہ ایک گواہ نے سررشتہ دار صاحب کو کلّو لالہ قرار دیا۔

اس پر پھر قہقہہ پڑا اور صاحب نے کہا ہاں ہم اس گواہ سے ابھی جواب طلب کرتے ہیں۔ گواہ کا رنگ فق ہو گیا۔

کلّو: حضور جو ذرا بیان میں فرق ہو تو کھڑے کھڑے چنوا دیجیے۔

بیرسٹر: او بس تم بہت ٹھیک بولتا ہے۔

وکیل: معلوم ہوگا۔ جب قید خانے جائیں گے۔ ٹھیک بولتا ہے۔ وکیل نے کہا عدالت کو اس امر پر غور کرنا لازم ہے کہ کلّو لالہ شکرم پر سوار آئے اور ان کے دونوں ساتھی پکڑے گئے۔ ان پر جرم بھی ثابت ہو گیا ہے۔ ایک شخص رام چرن کے باپ نے صاف صاف کہا کہ اس کا لڑکا شب کو گھر میں نہ تھا۔ چار بجے آیا۔ دوسرا آدمی صبح تک گھر پر نہ تھا لہٰذا جرم اس پر ثابت ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور ثبوت کامل یہ ہے کہ کانپور میں کوئی اکھاڑہ چوبے کا مشہور نہیں ہے۔ یہ شخص اب تک اپنے قیام کی جگہ سے اطلاع نہ دے سکا۔ آئیں بائیں شائیں بکا کیا۔

بیرسٹر نے اس کلام کی تردید کی اور یوں کہا۔

شکرم پر سوار ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ صاف صاف تو بیان کر دیا کہ شکرم اُدھر سے آتی تھی۔ کرایہ کی گاڑی ٹوٹ گئی۔ شکرم والے کو کرایہ دیا اس نے بٹھا لیا۔

وکیل: وہ شکرم والا بولتا کیوں نہیں۔ اس کا کیا سبب خاص ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیرسٹر : او۔ ہم اپنا وقت اس لغویات کے سننے میں نہیں ضائع کرتا۔

وکیل : حضور ان کو اس کا جواب دینا چاہیئے۔ غور کے قابل بات ہے۔

بیرسٹر : ممکن ہے کہ ٹکرم والا انعام لے کر اپنے مالک سے اطلاع کرنے کے عوض خود کھا گیا ہو۔ یا مارے ڈر کے کہ میں دو چار روز خراب ہوں گا نام نہ بتایا ہو۔ خود پولیس والے بیان کرتے ہیں کہ ٹکرم پر تھا۔

صاحب : ول۔ ٹھیک ہے۔ اس سے کچھ بحث اب نہیں رہی ہے۔

شیخ : اور خداوند ایک بات مجھ کو لالہ سے پوچھنی ہے۔

وگ وگ دندان برہنہ تنان

چون خذف چوبک چوبک زنان

اس کے کیا معنی ہیں؟

صاحب مسکرائے بیرسٹر ہنسا۔ وکلا اور مقدمے والے بھی تبسم کرنے لگے۔ شیخ جی نے اکڑ کر کہا اچھا اس کے معنی بتائیں۔

ٹوٹی دریا کی کلائی زلف الجھی بام میں

مورچہ مخمل میں دیکھا آدمی بادام میں

صاحب : وَل چپ رہو۔ بہت غل مت مچاؤ یہاں۔

بیرسٹر : ایسے ایسے گواہ ہیں کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

وکیل : مگر کہتے سچ ہیں۔

وکیل نے کہا اچھا کانپور میں یہ کہاں فروکش ہوئے تھے۔ لالہ کلّو نے بیان کیا ہم ایک برہمن کے ہاں اترے تھے، وہ متھرا کے چوبے ہیں۔ ایک رئیس نے ان کو ٹکایا ہے۔ کشتی سیکھتے ہیں ان کا ایک اکھاڑا ہے۔ وہیں ہم بھی ٹکے۔

وکیل : وہیں ہیں کہتے رہو۔ اور کچھ نہیں۔ وہیں کہاں۔

کلّو : جھلّا کر۔ کانپور میں کمپو جسے بولتے ہیں۔ وہ کانپور اور کہاں۔

وکیل : یا الٰہی۔ تو کانپور کے کس محلّے میں۔

کلّو : کانپور کی کوٹھی کے پاس۔

وکیل : عدالت کو مہربانی کر کے دریافت کرنا چاہیئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحب: وَل کلّو تم جیل خانے بھیجا جائے گا۔ ایک دفعہ کیوں نہیں صاف صاف بولتا۔

بیرسٹر: پہلے ہمارا موکل نے صاف صاف بیان کر دیا تھا۔

صاحب: مقدمہ ملتوی۔ کلّو ابھی بری نہیں ہو سکتا۔ ۶ تاریخ کو مقدمہ پیش ہو۔

۶ تاریخ کو مقدمہ پھر پیش ہوا۔ صاحب کلکٹر کانپور نے بذریعہ تحصیلدار صاحب دریافت کیا تو کلّو کے بیان کی تصدیق ہوئی۔ جواب تار بذریعہ پوسٹ آیا۔ ترجمہ درج ذیل ہے۔

منجانب صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ ــــــ

بنام صاحب جج ضلع ــــــ

تاریخ ۶ مئی سنہ فلاں۔

صاحب من۔ آپ کا نامہ مورخہ ۶ مئی وصول ہوا۔ حسب خواہش سامی دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ لالہ کلّو مل مہاجن نے ایک چوبے کو بمشاہرہ ۳۰؍ ماہوار نوکر رکھا ہے۔ اُس کے اکھاڑے میں ایک شخص لالہ کلّو مل نامی آن کر ٹکا تھا۔

بیرسٹر: اب کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بس مقدمہ جیت گئے۔

وکیل: ابھی ہم کو کئی باتیں کہنی ہیں۔

بیرسٹر: وَل اب کچھ نہیں کہنا ہے۔ اس کو کہنا ہے مگر ہم جاتا ہے۔

صاحب: وَل اب کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مگر اب تم ابھی ثابت کرے کہ کانپور میں تھا۔

کلّو: تندرستیاں رہیں کیا انصاف کیا ہے۔

بیرسٹر: ہنونت سنگھ کے بھائی اور لالہ کلّو سے دشمنی ہے۔ لہٰذا وہ پھانسنا چاہتے ہیں۔

کلّو: مگر سچ سچ ہے اور جھوٹ پھر جھوٹ ہے۔

صاحب نے رائے لکھ کر تجویز سنا دی۔

چونکہ اس مقدمہ میں بالکل ثبوت اس امر کا نہیں ملا کہ کلّو قاتل ہے۔ لہٰذا مقدمہ خارج۔ خرچہ فریقین ذمہ فریقین۔

کلّو: واہ غریب پرور کیا عدالت ہے۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔

وکیل: (اپنے دل میں) واہ کیا الٹی گنگا بہائی۔

انسپکٹر: بڑا قسمت کا دھنی ہے۔

اس مقدمے سے ناظرین کو پولیس کی کارگزاری اور گواہوں کی سچائی، اور بیرسٹروں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی کارستانی سے بخوبی آگہی ہوگئی ہوگی۔ ابھی اس مقدمہ کی اپیل ہوگی۔

اب سُنیے کہ کلّو لالہ نے واقعی ہنونت سنگھ کو قتل کیا تھا۔ اور وہ دونوں آدمی بھی اُس وقت اس کے ساتھ تھے۔ رات کو کلّو لالہ چھپ بھی رہے تھے، پولیس کی تحقیقات میں شک نہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیقات ہوئی۔ مگر اہلِ پولیس نے گواہوں کو خوب بھرا، اور مصنوعی گواہ مقرر کیے۔ یہاں تک کہوادیا کہ لالہ کلّو دریا میں پیرتے تھے۔ شام کو وہاں ملے، چوک گئے اور چوک میں لوگوں نے ان کو نو بجے کے قریب دیکھا۔

اور بیرسٹر نے وہ دلیلیں پیش کیں کہ پولیس کی کارروائی بھی خاک میں مل گئی اور وکیل بھی بند ہوگیا۔

آزاد کا حال

آزاد پاشا کی مصیبت ناگفتہ بہ۔ ایک تہ خانہ میں یکہ وتنہا کوٹھری میں پڑے تھے۔ شام کو کھانا آتا تھا۔ دو روٹیاں اور آدھ پاؤ شوربا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلّاح۔

ایک روز آزاد پاشا کے کان میں آواز آئی، اور سوال و جواب ہونے لگے۔

آواز : آزاد۔ آزاد۔ آزاد!

آزاد : (کان کھڑے کرکے)۔ یا خدا کون بولتا ہے۔

آواز : آزاد۔ اِدھر آؤ۔

آزاد : ہائے آئے کون۔ قبر کے برابر کوٹھری میں پڑا ہوں۔

نہ دن کو چین نہ راتوں کو آب و دانہ ملا
ملا تو شام میں ٹوٹا سا قید خانہ ملا

آواز : او نادان۔ ذرا اِدھر آ۔

آزاد : ایک ہفتہ میں چرمر ہوگئے تھے۔ بات کرنے کی طاقت نہ تھی، آہستہ سے کہا بھائی جان بلب ہوں۔ مارے پیاس کے تالو میں کانٹے پڑے ہیں۔

آواز : آزاد۔ کیا مر گیے؟

آزاد : (آہستہ سے) مردہ بدست زندہ۔

آواز : آزاد تمھارے فائدے کے لئے آیا ہوں۔ جلدی آؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : (آہستہ سے) جامہ ندارم دامن از کجا آرم۔

آواز : افسوس ہائے افسوس۔ ارے آزاد۔ ذرا ادِھر آؤ۔

آزاد : دروازہ توڑ کے آجاؤ۔

اس آدمی نے دروازہ توڑ ڈالا، اندر آیا تو کہا اُفوّہ اس تنہائی میں بسر کرتے ہو۔ آزاد نے ازسرتاپا اس شخص کو دیکھا۔ کہا میں نے آپ کو پیشتر نہیں دیکھا تھا۔ آپ ہندوستانی ہیں۔ کہا ہاں میں ہندی ہوں۔

آزاد : آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں حضور۔

ہندی : میں بھاگل پور کا باشندہ ہوں اور خواجہ صاحب مجھے لوگ کہتے ہیں۔

آزاد : یہاں کس طریق پر آنے کا اتفاق ہوا؟

ہندی : بطریق سیاحت۔ یہاں سُنا کہ ایک ہندی بھائی گرفتارِ بلا ہے۔ بھائی تھا جوشِ خون کہاں جائے۔

فوراً موقع پاکر ڈھونڈتا ہوا اس طرف آیا۔

آزاد : کیا کوئی محافظ نہیں ہے۔ کسی نے ٹوکا نہیں؟

ہندی : دو دو پہرے ہیں۔ اور ننگی تلواریں لیے ہوئے تین تین سپاہی ایک ایک پہرے پر تعینات ہیں۔

آزاد : (آہ سرد کھینچ کر) افسوس ہے۔

خلوت میں نہیں ہے یار کیوں کر ملیے — جلوت میں تمھیں ہے عار کیوں کر ملیے
رونے نے تو کھویا خواب کا آنا — دریا حائل ہے یار کیوں کر ملیے

آپ کس طور پر آسکے کیا تدبیر کی؟

ہندی : حُبّ الوطنی نے مجبور کر دیا۔

حُبّ الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر — خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بہ ملک مصر شاہی می کرد — می گفت گدا بودنِ کنعان خوشتر

آزاد : بڑی نوازش ہوئی مگر دروازہ بند کر دیجیے۔

ہندی : دروازہ کسی قدر ٹوٹ گیا ہے۔

آزاد : ہائے غضب اب آپ مار ڈالے جائیں گے۔ افسوس کا مقام ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہندی: کچھ پرواہ نہیں بھائی جان۔ ہم پیدا ہی اس لیے ہوئے۔

آزاد: خدا اجر دے بھائی صاحب!

ہندی: ستر سو میل کے پاٹ کے دریائے زخار ڈینیوب کے تیسر پار ہو ہی گیے تب تو جان گئی ہی نہیں، اب کیا جائے گی۔

آزاد: خدا تمھیں اجر نیک عطا کرے۔

ہندی: اب کوئی تدبیر ایسی کرو کہ یہاں سے نکل بھاگو۔

آزاد: واہ یہ غیر ممکن ہے۔ بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد بہر جا کہ خاطر خواہ اوست

مرضی مولیٰ ہمہ اولیٰ۔

بے رضائے نور کے برگ نہ جنبد ز درخت

ہندی: حق ہے حق ہے مگر وہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ پرسوں ہم ایسے مقام پر تھے جہاں زلزلے نے پچاس آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا۔

آزاد: اَلاَماں۔ الاماں! (رو کر) موت سب کے واسطے ہے۔

ہندی: کسی امر کا خیال نہ کرو۔ آج ہمارے تمھارے چُپ چاپ باتیں ہوں مگر اِدھر اُدھر کی۔ نہ تم اپنا حال ہم سے کہو نہ ہم تم سے بیان کریں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ زلزلہ کیوں آتا ہے۔

آزاد: بھائی یہاں جان کے لالے پڑے ہیں، اور تم کسی اور ہی فکر میں ہو۔ افسوس ہے کیسا زلزلہ اور کہاں کا بھونچال۔

ہندی: آج نہ تمھاری بیتی سنوں گا نہ اپنی بیتی کہوں گا۔

آزاد: اچھا ہم اور کے بہانے سے اپنا ذکر کریں گے۔

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

زلزلہ کے کئی اسباب ہیں۔

اوّلاً زمین میں اجزار کبریتی ہیں۔ اُن کے جوش کھانے سے زلزلہ آتا ہے۔

ثانیاً۔ پہاڑوں کے ٹکڑے زمین کے غاروں میں اس زور سے گرتے ہیں کہ زمین کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گہوارہ دور تک ہلنے لگتا ہے۔ جب گندھک اور شورے کو کسی وجہ سے زمین کے اندر سیلان ہوتا ہے تو شعلے ہر سمت سے مصعود واقع ہوتے ہیں۔

ہندی نے کہا ہمیں اس وقت لکھنؤ کے مشاعرے یاد آتے ہیں۔

ہے ریاضِ فکرِ ناسخ کی جو شادابی یہی
لکھنؤ میں آئے گی روحِ غنی کشمیر سے

آزاد: ہمیں مشاعرہ یاد آتا ہے نہ مناظرہ۔ فقط ایک بتِ بے پیر کا چہرۂ زیبا یاد آتا ہے اور سب بھولے ہوئے ہیں۔ غم نے مار ڈالا ہے۔

یہ پھنک رہا ہے مرا جسم آتشِ غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے

ہندی: رہے نام اللہ کا ایک دن ہم بھی مشاعرے میں گئے تھے۔ ہزاروں شاعر اور ہزاروں سننے والے اور رؤسا، اور نواب جمع خواجہ صاحب بھی تھے، اور شیخ صاحب بھی تھے۔ اور ان دونوں کے تلامذہ بھی تھے۔ خواجہ صاحب کی طبیعت علیل تھی۔ انھوں نے اپنا کلام نہیں پڑھا۔ مگر ناسخ نے ایسی نایاب غزل پڑھی کہ کیا عرض کروں۔

پنجۂ گلگون چمن کو اب دکھایا چاہیئے — رشک سے مہندی کی پتی کو جلایا چاہیئے
ٹھوکر اک پائے حنائی سے لگایا چاہیئے — پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہیئے
باغ میں اُس گل کو لے جا کر ہنسانا ہے ضرور — کھلیوں میں عندلیبوں کو اڑایا چاہیئے
اشک کوئی چشمِ میگوں سے گرا کر نشۂ میں — بادہ مجھ میکش کی تربت پر چڑھایا چاہیئے

آزاد: یہ شعر سب سے بہتر ہے۔ خوب ہے۔

ہندی: ایک شعر اور سنیئے حاصل زمین ہے۔ واللہ کہتے ہیں

میرے نالے سن کے وہ ظالم چڑھ آیا بام پر
آسمان پر اب دماغ اپنا چڑھایا چاہیئے

آزاد: اہاہا۔ ایک شعر اس کا مجھے یاد آیا۔ سنیئے گا حضرت!

طالبِ زینت نہیں رنگینئے بے ساختہ
پنجۂ مرجان کو کیا منہدی لگایا چاہیئے

ہندی: ہاں۔ اسی غزل کا یہ شعر ہے۔ بہت اچھا کہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جس کے ہاتھ آیا خزانہ قصد رکھتا ہے یہی
مثل فوارہ جہاں میں سر اٹھایا چاہیئے
داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ
ان بتوں کو کس توقع پر خدایا چاہیئے

آزاد : سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ اہاہا۔ کیا کہنا ہے سبحان اللہ۔

ہندی : استاد بے بدل تھے۔ مستند۔ مسلم الثبوت

یار کی ٹیڑھی نگہ بھی لطف سے خالی نہیں
ہو اگر تلوار اصل اس کو دبایا چاہیئے
محفل عشرت میں ناسخ یاد آیا ہے غنی
شمع ساں ہنسنے میں یاروں کو رلایا چاہیئے

آزاد : ہم بھی کسی زمانے میں چہکتے تھے مگر دو دن نہ عیش کے ساتھ بسر کیا کہ تفرقہ پڑ گیا۔

چار ہی دن میں نہ رکھا بلبل و گل کا نشان
کھا گئی صیاد گلچیں کی نظر گلزار کو
پرُزے کرتا ہے دل صیاد ہر نالے کے ساتھ
باغباں قینچی سمجھتا ہے مری منقار کو

اب تو زندان بلا کے اسیر ہیں عضو عضو چھلنی ہو گیا۔ تبر فراق نے بدن کو مشبک کر دیا۔

جوش وحشت میں کیا میں نے گریباں چاک چاک
ہڈیاں زخموں کی پہنائیں گلے کے ہار کو

گو یہاں ہر قسم کا آرام تھا۔ معشوق گلفام و نازک اندام، شراب ناب اور نرگسی کباب۔ گل و لالہ۔ مگر۔

یار بن سمجھا گلوں کو میں گنہگاروں کی بھیڑ
سرو سنبل نے دکھایا ریسماں دوّار کو

جنازہ

حسن آرا بیگم، اور گیتی آرا، اور سپہر آرا باغ کے چبوترے پر پلنگڑیوں پر بڑے آرام کے ساتھ لیٹیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے روح وجد کرتی تھی۔ حسن آرا نے اشعار پڑھنا شروع کیے۔

ابر است و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد
برخیز کہ لغزیدن پا ہم مزہ دارد

سپہر آرا بولی۔ باجی اب سونے دو۔ اوئی اللہ سونے دو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیتی آرا: اے ہے تو ایسی نیند بھی کس کام کی۔ اور سنو۔ سونے دو۔

سپہر آرا: تو آپ رات بھر نہ سوئیں۔ آپ جگا کریں بس۔

حسن آرا: اے یہ آج جہاں آرا بہن اور عبّاسی کہاں چھُپ رہیں۔

سپہر آرا: آپ کی طرح رات بھر جاگنے کا توٹھیکا لیا نہیں ہے کسی نے۔

حسن آرا: ہم شب زندہ دار ہیں، رات کو عبادت خدا میں مصروف ہوتے ہیں۔

سپہر آرا: بھئی اللہ سونے نہ دیں گی آج۔ ہم بھی امّی جان کے پاس جاتے ہیں۔

حسن آرا: ہم تو سونے نہ دیں گے۔ جس کا جی چاہے بیٹھے جس کا جی چاہے جائے۔

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب — گبرو ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ بادشمنان نظر داری
یارب تو چناں کُن کہ پریشان نشوم — محتاج برادران و خویشان نشوم
بے منّتِ مخلوق مرا روزی دہ — تا از درِ تو بر درِ ایشان نشوم

سپہر آرا نے کہا۔ تمھیں قسم ہے جو صبح تک خاموش رہو۔ ہاں پڑھے جاؤ۔ حسن آرا مسکرائی۔ کہا ہم گیتی آرا بہن کو سناتے ہیں۔

سپہر آرا جھلّا کر اُٹھ کے چل دیں۔ چلیں تو بڑی بیگم کے پلنگ تک پہونچنے پائی تھیں کہ دھائیں کی آواز آئی۔ حُسن آرا اور گیتی آرا نے قریب جا کر دیکھا تو سپہر آرا بیہوش۔ بڑی بیگم کو اطلاع نہ دی۔ فوراً پانی کے چھینٹے دیئے اور چبوترے پر لاکر سمجھانا شروع کیا۔ جب اچھی طرح ہوش آیا تو حسن آرا نے ایک اخبار کا مضمون یوں پڑھ کر سُنایا تا کہ تشفّی دل بے قرار ہو۔ گیتی آرا اور حُسن آرا اور ایک مغلانی سپہر آرا کے پاس بیٹھی تھی۔ مضمون مذکور یہ ہے۔

بھوت

حال میں آپ کے اخبار نُدرَت بار میں ایک صاحب امیدوار جواب نے اپنے تین سوالوں میں سے سوال دوم میں اِستفسار فرمایا ہے کہ جو لوگ، بھوت، پریت، جن، سحر کو سچ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر یہ سب باتیں جھوٹ ہوتیں تو اس کا ذکر قدیم عقلا لوگ اپنی کتابوں میں نہ کرتے۔ اور اب صرف دغاباز لوگ بطور فریب اس کو سچ مانتے ہیں نہ کہ اچھے اچھے لوگ بعد عمل کرنے کے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو وہ کیا صحیح ہے تمّ کلامہٗ (یعنی ان کی بات ختم ہوئی)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اگرچہ بمطالعہ اخبارات، خصوص اودھ اخبار کے کہ اس میں اکثر مضامین گاہ گاہ بھوت پریت اور جن کے حالات میں لکھے جاتے ہیں۔ میرا قصد تھا کہ جو کچھ مجھ کو بذاتِ خاص تجربہ ہوا ہے اس کو واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھوں لیکن حضرت امیدوارِ جواب کی تحریر کو مطالعہ کرکے مجھ کو ضرور ہوا کہ انکا جواب دوں۔

واضح ہو کہ اہل ہند تو بھوت پریت پشاچ دیو، دانو راکش اچھرا وغیرہ بولتے ہیں اور اہل اسلام۔ خبیث اور جن۔ اور دیو اور غول اور پری کہتے ہیں۔ بہر حال دونوں صاحب اس میں دو تفریق بھی کرتے ہیں۔ یعنی ایک کی تو خلقت بیان کرتے ہیں اور ان کو آتشی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً دیو۔ دانو اور غول۔ راکش اور پری۔ انچھرا۔ اور جن۔ اور پشاچ۔ وغیرہ کو اور دوسرے فریق کو انسان کا ہمزاد بتاتے ہیں۔ مثلاً خبیث اور بھوت اور پریت کو۔ اب نئی روشنی کے مہذب ان دونوں گروہ کو اور ان کے وجود کو ایک امر خیالی تصور کرتے ہیں اور اس کی اصلیت سے محض انکار کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اپنا معائنہ اور چشم دیدہ بیان کرنے اُس کو تصور کی پختگی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ راقم کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ جس حالت میں تصوّر کو اثر مقناطیسی سے بہت کچھ طاقت ہے جس کا ثبوت عمل مسمریزم ہے، تو کیا عجب ہے کہ جب کوئی شخص تصوّر کرلے کہ فلاں مقام پر ایک مہیب شکل کا بھوت رہتا ہے تو اسی موقع پر ایک مرتبہ ویسی ہی صورت نظر آجاوے۔ چنانچہ سالہا سال میرا یہی طریقہ اور اعتماد رہا۔ لیکن جب بہ نظر تعمق اس مسئلہ کو غور کیا جائے تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے کیونکہ اکثر لوگوں کو اس وقت کہ جب ان کو اس کا خیال بھی نہ تھا، اور کسی مقام پر بھوت وغیرہ ہونے کا وہم بھی نہ تھا اس وقت ان کو بھوت مل گئے ہیں۔ غرض کہ میں اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ راقم ایک مرتبہ بیمار ہوا۔ حسب رائے طبیبت کے مسہل وغیرہ ہوئے۔ دیوانخانہ میں رہا کرتا تھا۔ میرے ایک دوست آئے، اور مجھ کو چھلے ہوئے بادام دے گیے جو میں نے کھائے۔ اس میں سے دو ایک بستر پر بھی پڑے رہے۔ اور تیمار داروں نے دیکھ کر جب دریافت کیا تو میں نے بیان کیا کہ فلاں صاحب مجھ کو دے گیے تھے۔ ان سے جو دریافت کیا تو وہ منکر ہوئے۔ دو ایک روز کے بعد والدہ صاحبہ نے مچھلی کے کباب کھلائے۔ ان سے بھی جب دریافت کیا گیا تو منکر ہوئیں۔ ایک عاقل نے بیان کیا کہ یہ ایک جن کا اثر ہے اور بتایا کہ دو روٹیاں روغنی نصف شب کو فلاں مقام پر (یہ مقام غیر آباد میدان میں تھا) کوئی لے جائے، ایک کتا سیاہ رنگ وہاں آئے گا۔ اس کو کھلا دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ طرفہ تر یہ کہ سیاہ کتا تینوں روز وہاں ملا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور وہ روٹی کھا گیا۔ تین روز ایسا ہی ہوا۔ لیکن اس کو بھی میں وہی نتیجہ تصوّرات خیال کرتا ہوں۔ دوم بمقام ٹی کمپنی مارگھام گرنٹ پلنٹیشن دوئی والہ پر دادوں، ضلع دہرہ دون (بمقام دہرہ دون سے ہردوار کی سڑک اعظم پر گیارہ میل ہے) ایک چائے کا باغ ہے۔ اور اس میں کوٹھی بنی ہوئی ہے۔ قریب ایک ہزار آدمی کے آبادی ہے۔ ایک یورپین منیجر وہاں رہتا ہے۔ اور ایک محرر وہاں رہتا ہے۔ مسٹر چارلس پامر صاحب (جرنیل پامر صاحب کے بڑے بیٹے) ۱۸۶۴ء میں یہاں منیجر ہو کر گئے اور کوٹھی میں فروکش ہوئے۔ صبح کو اٹھ کر راقم سے دریافت کیا کہ مسٹر کو کون صاحب منیجر، اسی کوٹھی میں مرے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ وہ تو رام پور میں مرے تھے۔ لیکن اور ایک صاحب یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ڈولی والہ کی کوٹھی میں مع اپنی میم اور بچوں کے ایک روز میں مر گئے تھے۔ اس وقت صاحب مذکور نے بیان کیا کہ رات کے وقت ہم کو معلوم ہوا کہ کوئی شخص ہم کو دبائے ہوئے ہے۔

لمپ جل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہمارے اوپر چڑھا ہوا ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان کو اٹھا کر دے ماریں۔ جب اس ارادے سے ہم اٹھے تو خود ہی گھٹنوں کے بل گو پڑے۔ یہ بیان کر کے صاحب موصوف ڈیرہ میں گیے، اور پادری صاحب اور ڈاکٹر صاحب سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ وہاں گندھک کی دھونی کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن یہ بھی منجملہ تصوّرات کے شمار ہو سکتا ہے۔ سوم اسی کوٹھی میں صاحب ممدوح رات کے وقت چاٹ پر شکار کھیلنے گیے۔ چپراسی کوٹھی کے دروازہ پر سو رہا تھا، اندر لمپ روشن تھا کہ یکایک ایک صاحب نے آ کر چپراسی کو جگایا، اور کہا کہ چائے لاؤ۔ اور کوٹھی کے اندر دروازہ کھول کر چلے گیے۔ چپراسی نے جا کر خدمتگار کو جگایا۔ اُس نے کہا کہ معمولی چائے کا پیالہ تو میز پر رکھا ہے، اور تازی چائے بنا کر لے گیا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ جب صاحب شکار سے آئے، اور ان سے ذکر کیا تو فرمایا کہ وہی صاحب مردہ جو شیطان ہو گیے ہیں۔ ہوں گے۔ چہارم صاحب موصوف ایک روز مصروالہ گانوں (جو اجڑ گیا تھا) مع ایک چوکیدار کے شکار کے واسطے گیے (یہاں نمک کی چاٹ لگا رکھی تھی۔ اور کئی روز سے شکار کو جاتے تھے) چوکیدار کو۔ کہہ دیا کہ ایک مکان میں سو رہے۔ جب بندوق کی آواز ہوگی جلدی ذبح کر لینا۔ دو بجے رات کو کہ چاندنی رات تھی صاحب کو معلوم ہوا کہ کوئی شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے ہماری طرف آتا ہے۔ صاحب سمجھے کوئی گاڑی بان ہے (جو اسی وقت پانس بھرنے کو گاڑیاں لے جایا کرتے تھے) یا کوٹھی پر کوئی واردات ہوئی کہ محرر نے ہماری اطلاع کے واسطے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چپڑاسی کو بھیجا ہے۔ اس عرصہ میں وہ شخص قریب دس بارہ قدم کے آگیا۔ دیکھا تو دو بانس طویل القامت ہے۔ صاحب نے فوراً بندوق چھتیائی، اور پایہ پر چڑھائی۔ فوراً نظروں سے پنہاں ہوگیا۔ پنجم سونگ ندی میں چونہ بنانے کے پتھر تھے۔ ندی کے کنارے رمضانی چونہ ساز نے چونے کا ٹھلا (یعنی بھٹی) بنا رکھی تھی۔ اس کے پندرہ بیس آدمی وہاں رہتے تھے۔ اگر شام کے وقت اس کے نوکروں میں سے خصوص کم عمر لڑکے، ندی میں پانی بھرنے جاتے تو ایک بھوت (جس کی صرف آواز آتی تھی) ان کے ہمراہ دروازے ہی سے ہوتا۔ اور جب تک ندی میں سے پانی بھر کر پھر اندر مکان کے نہ آجائیں، آواز برابر آتی رہتی تھی۔ ایک روز ایک شخص ننھے خاں نامی وزن کش وہاں موجود تھا۔ رمضانی مذکور نے کہا کہ ننھے خاں ان لڑکوں کو لے جاکر ندی سے پانی بھرلاؤ۔ ان کو بھتنا دق کرتا ہے۔ ننھے خاں مذکور لڑکوں کو ساتھ لے جاکر پانی بھرلایا۔ بھوت جی حسب عادت ان کے ہمراہ تھا۔ جب واپس آیا تو ننھے خاں مذکور نے آواز دے کر رمضانی سے کہا کہ اے لائیو ایک لکھٹی (یعنی ہیزم سوختہ) اس کے چلادوں۔ اسی وقت سے بھوت کی آواز موقوف ہوگئی اور پھر کبھی نہیں آئی۔

مراۃ الہند۔ اہل ہند اپنی موجودہ حالت کو بہ مقابلہ حالات گذشتہ کے جب دیکھتے ہیں تو نہایت متبدل پاتے ہیں۔ پس بقول آپ ڈوبے تو جگ ڈوبا۔ سمجھتے ہیں کہ کل زمانہ روز بروز بدتر حالت میں ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بہ نظر غور اگر دیکھیں تو قضیہ بالعکس پائیں۔ لکیر پر فقیر ہونے والوں کا تو ذکر نہیں مگر جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ زمانہ ترقی پر ہے، اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ باوجود اس ترقی کے جو اکثر مصنفوں کا کلام دلائل عقل پر مبنی نہیں ہوتا۔ اور مبالغہ وغیرہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کو سوائے شاعروں کی تقلید اور عادت کے کیا کہا جائے۔ اکثر خلاف قیاس روایات مثل واقعات تاریخی کے جو بیان کیے جاتے ہیں تو عوام النّاس کو اس پر ایسا وثوق ہوتا ہے کہ اس میں عقل کو دخل دینا کفر جانتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے خیالات کے شیوع سے ہند کا سراسر نقصان ہے۔ ہند اسی حالت میں ترقی کر سکتا ہے کہ جب اس کو وہم اور سستی اور جہالت، اور بھوت پریت کے پھندے سے نکالا جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ ہند میں علم و فضل کا دم بھرتے ہیں اُن میں بھی سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ سمجھنے والے معدودے چند ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ قدیم تصنیفات سب شاعرانہ ہوں۔ ہاں اکثر ان میں سے شاعرانہ مذاق سے عاری، اور معتبر بھی ہیں، مگر ان کے الفاظ اور معانی، اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مفہوم میں جا بجا ہند کی موجودہ حالت کا ابر ایسا چھا گیا ہے کہ اصل مطلب پر (جو کہ عین حکمت اور معقولات سے علو ہے اور سراسر مفید نوع انسان ہے) نظر نہیں رہی۔ غرض کہ شاعرانہ حکایات اور مضامین اور استعارات، اور تشبیہات کے اعتبار پر اگر بھوت پریت سے مراد وہ جہلا ہیں جو نوع انسان کو اپنے انواع واقسام کے افعال ناجائز سے اذیت پہونچاتے ہیں۔ اب ان کے وجود میں کسی کو بحث نہیں ہے۔ سچّی باتوں کو بنظر غور دیکھنا، اور بعد ازاں راست راست بے کم وکاست بیان کرنا ہند میں ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یہاں تو ہر ایک متنفّس کسان سے لے کر رئیسوں، اور امیروں تک، شاعرانہ مزاج اور مبالغہ پسند ہے۔ سچّے واقعات ان کو طعام بے نمک معلوم ہوتے ہیں۔ بیان میں جب تک جھوٹ کی پٹھ نہیں محض بے مزہ اور پھیکا ہے۔

ہم کو امید ہے کہ مراۃ الہند کے سایہ سے بھی آئندہ بھوت پریت دور بھاگیں۔

سپہر آرا بار بار سہمی جاتی تھی، اور یاس و نومیدی کے کلمے زبان پر لاتی تھی۔ حسن آرا سمجھاتی تھی۔ گیتی آرا ازراہ مذاق بناتی تھی۔

گیتی آرا : واہ بس یہی کہتی تھیں کہ بھوت پریت کوئی شے نہیں ہے۔

حسُن آرا : کیوں ہنسواتی ہو اپنے کو بہن۔

گیتی آرا : اوروں کو ہنستی ہیں، اور خود یہ حال ہے

سپہر آرا نے آنکھیں بند کر لیں اور کہا باجی ہم کو سونے دو چھیڑو نہیں۔

حسُن آرا : (گیتی آرا سے) باغ میں دو گھڑی چین نہ آیا۔

ہم صفیر اس باغ کی کیسی ہوا ناساز ہے

طائرِ رنگ چمن تک مائل پروانہ ہے

گیتی آرا : کیا جانے کیا سبب ہے کہ سہم اُٹھی۔

حسُن آرا : اللہ جانے۔ کہیں ڈر گئی ہیں۔ اُف فوہ! توبہ توبہ۔

مغلانی : حضور ہاتھ پاؤں کیسے سرد ہیں۔ جیسے مثالِ یخ۔

گیتی آرا : امّی جان کو جگا کے اطلاع کر دیں، یا چُپکے ہو رہیں۔

حسُن آرا : ہے ہے وہ سن پائیں گی تو سپہر آرا کو اور بھی ڈرا دیں گی۔

مغلانی : مگر بیگم صاحب ان سے کہنا تو ضرور چاہیئے۔ جگا دوں؟

حسن آرا، اور گیتی آرا، اور مغلانی کی صلاح سے بڑی بیگم کو اطلاع دی گئی کہ سپہر آرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باغ میں ڈر گئیں۔

بڑی بیگم : ارے! ہے کیسی خیریت ہے۔

حسن آرا : ہاں امّاجان! اس وقت آنکھ لگ گئی ہے ذری۔

مغلانی : حضور ہی کے پاس آتی تھیں، مگر راہ میں ڈر گئیں۔

بڑی بیگم : اچھا۔ کیا مصیبت ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔

مغلانی : حضور وہیں چل کے آپ بھی آرام کریں۔

اتنے میں جہاں آرا کی آنکھ کھل گئی تو چونک کر بولی۔ کیوں کیوں خیر تو ہے امّی جان۔ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

مغلانی : جی ہاں فضلِ الٰہی ہے۔

جہاں آرا : پھر یہ باتیں کیا ہو رہی ہیں آہستہ آہستہ۔

حسن آرا : سپہر آرا سہم گئیں۔ درخت کے پاس ڈر گئیں ذرا۔

جہاں آرا : ہے کہاں۔ ہائے ہائے۔ یا میرے اللہ!

حسن آرا : آئے تھے اس لیے کہ دو گھڑی لطف ہوگا۔ یہاں رنج نصیب ہوا۔

بڑی بیگم : نصیب، قسمت (آہ سرد بھر کر) کہو نہ۔

حسن آرا : چلو امی جان وہیں چلو۔

بڑی بیگم صاحب اٹھ کر چبوترے کی طرف گئیں۔ جہاں آرا بیگم کانپتی ہوئی ساتھ تھیں۔ بڑی بیگم نے جو ان کو تھرتھراتے اور کانپتے دیکھا تو نہایت متانت کے ساتھ سمجھانے لگیں۔

بڑی بیگم : نا بیٹا سہمے کو اور کوئی سہماتا ہے۔

حسن آرا : جہاں آرا بہن۔ ہائیں ہائیں دیکھیے سنبھلیے۔

گیتی آرا : اے آہستہ آہستہ گفتگو کرو بہن۔ آنکھ ابھی ابھی لگی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جگ پڑیں۔

اتنے میں سپہر آرا نے کروٹ بدلی۔

بڑی بیگم : سپہرا، پیشانی پر ہاتھ رکھ کر، سپہر آرا!

حسن آرا : بہن بولو، اماں جان کیا پوچھتی ہیں۔

جہاں آرا : میں بھی بیٹھ جاؤں یہاں پر۔ ڈر معلوم ہوتا ہے۔

سپہر آرا : امّاں جان آج جان بچ گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا : کچھ حال تو بیان کرو یہ ہوا کیا تھا بہن۔
سپہر آرا : درخت کے پاس جب پہونچی۔ بس ایک ۔ ۔ ۔
حسن آرا : کون سا درخت، یہ سامنے والا؟
سپہر آرا : نہیں مولسری کے درخت کے پاس۔ تو بہن معلوم ہوا کہ کسی بھوت یا پریت نے کوئی روشن شے پھینکی۔ اور اس کے بعد کوئی کالی کالی چیز ڈالی۔
حسن آرا : اے ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ بھلا کوئی سمجھے تو۔
بڑی بیگم : بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ (آہستہ سے) یہ کھیل نہیں ہے۔
حسن آرا : واہ اماں جان، ہوا سے شاخیں جھونکے لیتی ہوں گی۔
جہاں آرا : پھر ان سے اور ان سے کیا مطلب؟
حسن آرا : جب یہ درخت کی شاخیں تھیں تو یہ چاندنی اور تاریکی وہاں دونوں تھیں۔
جہاں آرا : ہاں کیا کہا۔ بس یہی تھا۔
سپہر آرا : واہ باجی جان ہمارا دل قابو میں نہ تھا کیسی چاندنی۔
حسن آرا : بہن تم ایک بات سمجھی ہی نہیں ہو۔ ہم اس کو کیا کریں۔
بڑی بیگم ع۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
سپہر آرا : افوہ اماں جان! اس وقت تک اندر والا قابو میں نہیں ہے۔
حسن آرا : (مسکرا کر)

مکائد سے شحابد سے دغا سے
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ۔
سپہر آرا : کسی کا جنازہ جاتا ہے۔
حسن آرا : اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا الیہ رَاجِعُون۔

سپہر آرا کی بیتابی

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔
اب سُنیئے کہ بڑی بیگم کے نزہت افزا، اور دل کشا داماغ کے متصل شاہ فصیح کا تکیہ تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جس میں کئی بادشاہوں اور شہزادوں اور رئیسوں کے مقبرے تھے۔ یہ جنازہ بھی اسی تکیے میں گیا۔ اس کے ساتھ ہزاروں آدمی تھے۔ باغ کے ایک برج سے حسن آرا اور سپہر آرا اور گیتی آرا اور عبّاسی نے دیکھا کہ جنازہ بڑے کرّوفر کے ساتھ اٹھا ہے۔ اور شہر کے رؤسا و عمائد ہمراہ ہیں۔

سپہر آرا: باجی جان کسی سے دریافت کریں کہ یہ کس بیچارے کا جنازہ ہے، خدا اس کو بخشے۔ خدا اس کی تربت کو عنبرین کرے!

راوی: ہائے کیا کلمہ ہے جس کا جنازہ تھا اس کی روح کو تازگی پہونچے گی۔

حسُن آرا: افوہ سارا شہر ساتھ ہے۔ اللہ یہ کون مرگیا۔ کس سے پوچھیں۔

عبّاسی: حضور جانے بھی دیں۔ رات کا وقت لاش نہ دیکھیں۔

حُسن آرا: نہیں گلاب مالی سے کہو ابھی ابھی پوچھے۔ اور جواب لائے۔ عبّاسی تھر تھر کانپنے لگی۔ گلاب باغبان کے کان میں کہا وہ باغ کا پھاٹک کھول کر باہر گیا۔ لوگوں سے دریافت کیا۔ آن کر عبّاسی کے کان میں کہا۔ عبّاسی اور گلاب میں سرگوشی ہوئی۔ اس کے بعد عبّاسی نے برج پر جاکر یوں کہا۔

عبّاسی: اے حضور خاندان نیشاپور کے کوئی رئیس تھے۔ مدت سے مندراج حاطے میں رہنا شروع کیا تھا اب یہاں آئے تھے۔ یہاں قضا آن پہونچی۔ انھیں کا جنازہ ہے۔

سپہر آرا: سن کیا تھا۔ ہائے جوان کا مرنا قہر ہے۔ دشمن کو بھی اللہ بچائے۔

راوی: قہر سا قہر ہے۔

ع۔ ایں ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد۔

خدا اس بیچارے پر رحم کرے۔

گیتی آرا: کچھ ٹھکانا ہے کہاں سے کہاں تک تانتا لگا ہوا ہے۔

سپہر آرا: خدا جانے جورو اور لڑکے بالے ہیں یا مجرد ہے۔ جوان ہے یا بوڑھا۔

راوی: معلوم ہو جائے گا۔ ہائے غضب یہ کیا ستم ہوا۔ بڑی بیگم کے کان میں عبّاسی نے کچھ کہا تو وہ دوہتڑ پیٹنے لگیں۔ کہا حسن آرا ہماری بھتّی کھائے جو الٹے پاؤں نہ چلی آئے۔ ہم کہتے ہے کرے جو ابھی نہ آئے۔

حسُن آرا: خیر ہے۔ اماں جان۔ آخر ش یہاں کھڑے رہنے میں کیا ڈر ہے۔

بڑی بیگم: اچھا تم کو اس سے کیا مطلب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : اماں جان کسی کا جنازہ جاتا ہے۔ لاکھوں آدمی ساتھ ہے۔

راوی : ہائے اس لفظ نے مار ڈالا (کسی کا جنازہ)۔

ایک شخص یہ اشعار پڑھتا ہوا نکلا۔

حیف بود آنکہ خضر راہ ہدیٰ | راہی کشور بقا گردید
شد سیہ خانہ عالم وہر سو | حشر در ماتمش بپا گردید
در غرایش وظیفۂ عالم | نوحہ و نالہ و بکا گردید
چہ غم است این کہ قبلہ عالم | بانی مجلس عزا گردید
چون بمسجد برفت بہر نماز | طاعت از بارِ غم دوتا گردید
چہرۂ سجدہ تند کف افسوس | سبحہ چون ملک اشکبا گردید
شد رُخ صبر ناخراشیدہ | جامہ ضبط باقبا گردید
دست ماتم سراست بو سر دل | سینہا تعزیت سرا گردید

ناخدائی سفینۂ اخلاق
غرقۂ لجۂ فنا گردید

دو چار آدمی آپس میں باتیں کرتے تھے۔

ایک : واہ رے مرے شاہزادے۔ کس سکدار ی کے ساتھ مرغِ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

بر سینہ و سر دست زنان می رفتند
پیش تابوت چہ برناؤ چہ پیر

دوسرا : حضرت اس شہر میں بس ایک ہی رئیس تھا۔ افسوس! جیسے ہی میں نے یہ خبر وحشت اثر سُنی۔ بس

قافلۂ طاقت و اشک وفغان
از بدن وچشم و دل ما برفت

تیسرا : یارو آفتاب برج امارت تہ خاک ہوا۔ ہائے ہائے، ہائے ہائے!

چوتھا : اجل سے خدا سمجھے۔ خدا اس اجل کا گھر پھونکیو!

شرر جوش است سراپای دل اے یاس تدبیری | مکرر آزمو و ستم ہے ارد عشق تاثیری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانچواں : کیا رنج کرتا ہے بچّہ۔ دنیا گذشتنی و گذاشتنی ہے۔

بہ ازاہد از من نصیحت شنو — رہ و رسم اہل حقیقت شنو
مکن خویشتن را بحث در شکنج — کہ دنیا و عقبیٰ نیرزد برنج
ندانم بہ سبحہ چہا دیدۂ — کہ چون ماہ بر مہرہ پیچیدہ
بہ سبحہ چہ رانی کہ خاک شفاست — نہان زیر این خاک زنار ماست
بیا ساقی آن شربت خمر نام — ہمان مردم دیدۂ شیخ جام
شرابی کہ گلبانگ منصور از وست — شرابی کہ خاموشی طور از وست

بمن دہ کہ خون دلم جوش زد
نگاہ پتا نیم با ہوش زد

میاں اس دنیا کی راحت اور اس کا رنج سب ہیچ ہے۔

چھٹا : حق ہے شاہ جی۔ حق ہے۔ مگر رنج نہیں جاتا۔ انسان سے یہ ممکن نہیں کہ رنج نہ کرے یا راحت سے خوش نہ ہو۔

ایک ستم زدہ نے رو کر با آواز بلند کہا اے میرے شہزادے کہاں چلے۔ دوسرے مصیبت کے مارے نے کہا شہزادے بہادر کدھر کے عزم میں، ہائے ہمیں نہ ساتھ لے چلے۔ چھوٹا بھائی سراسیمہ و بدحواس، روتا پیٹتا جاتا تھا، اور زبانِ حال سے کہتا تھا۔

حضرت کا رفیق زود میری میں تھا — بازوی قوی دستگیری میں تھا
یہ دور عدم کی راہ اور آپ ضعیف — مجھ کو نہ لیا عصائے پیری میں تھا

ہائے کس لطف سے ہماری زندگی بسر ہوتی تھی۔ ہم سب خوگر عیش ہیں یہ دھچکا کیوں کر اٹھا سکیں گے۔

شب فراق میں اور آندھیاں ہیں آہوں کی
چراغ کو مرے ظلمت کدہ میں بار نہیں

ایک شخص نے سر پیٹ کر کہا۔ سنو جنازے سے کیا آواز آتی ہے

زمین پیار سے مجھ کو گلے لگاتی ہے
عذاب ہے یہ دلا گور میں فشار نہیں

سنو سنو۔ ہائے آواز آتی ہے :

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پس از فنا بھی کسی طور سے قرار نہیں — ملا بہشت تو کہتا ہوں کوے یار نہیں
تمام رنج ہیں تا حشر ساتھ اے ناسخ — بجز حیات کوئی چیز مستعار نہیں

حسن آرا: خدا جانے کون بیچارہ ہے۔

سپہر آرا: اللہ بخشے اور اس کی تربت کو عنبر بن کرے!

راوی: تربت تو عنبر بن رہے ہی گی۔ مگر روح تازہ ہوگئی۔

بڑی بیگم: اللہ کے واسطے چلی آؤ۔

جہاں آرا: ارے آخر یہ کیا ماجرا ہے بھئی، یہ قسمیں دیتی جاتی ہیں، اور کوئی سنتا ہی نہیں۔

حسن آرا: اچھا اچھا۔ آئے۔ کہو صاحب۔ بس۔

جہاں آرا: گیتی آرا کہاں ہیں۔ وہ وہاں کیوں رہ گئیں۔ آؤ بہن وہاں کیا ہے۔

سپہر آرا: مجھے سردی سی معلوم ہوتی ہے۔

راوی: ہائے افسوس۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ اوس پڑ گئی۔

اتنے میں گیتی آرا بھی نیچے آئی۔ کہا۔ امّی جان۔ کوئی شہزادہ مر گیا۔ کیونکہ کئی آدمی شہزادے شہزادے کہہ کر روتے ہیں۔ بڑی بیگم نے کہا کوئی مرے ہوں گے۔

دنیا خوابے و زندگانی وردے
خواجیت کہ در خواب بہ بینی آنرا

دنیا ناپائدار ہے۔ موت سے ڈر ہی کیا۔

ہوگئے دفن ہزاروں ہی گل اندام اس میں
اس سر خاک سے ہوتے ہیں ہزاروں پیدا

شاہ جی نے قبرستان میں کسی معصوم بچّے کی قبر کے پاس بیٹھ کر یہ غزل پڑھی۔ حسن آرا وغیرہ نے سنی تو کان دھر کے غور کرنے لگیں۔

طرف زیست میں جاں باختہ مائل نہ ہوا — کچھ غم ناز کی بازوِ قاتل نہ ہوا
لے چلی موت مجھے سوئے حسینان بہشت — ایک دم پاس جو وہ حور شمائل نہ ہوا
آتی ہے عالم بالا سے صدا بانگ سرود — امتحان تو بھی ہیں لیکن کبھی سائل نہ ہوا
بار احسان فلک سے تو ملی آزادی — یہی حاصل ہے اگر کچھ مجھے حاصل نہ ہوا
کان گو کھولے نسیم سحری نے ناسخ — تو بھی گل سامع فریاد عنادل نہ ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیخ : اس شریر شہسوار کی باتیں تو دیکھیے کہ گرفتار ہوتے وقت شہزادے کو کس قدر کوسا۔ ہائے ستم!

کاوشیں اب تک چلی جاتی ہیں گو میں مر گیا　　جائے گل کانٹے مری تربت میں ظالم دھر گیا
قتل گہہ سے جب چلا قاتل مرا سر کاٹ کر　　دور تک پہونچانے کو لاشہ مرا بے سر گیا
ہوں چراغ اس بزم کا ناسخ کہ جس میں لاکھ بار　　پتلیوں کا عالم ہستی تماشا کر گیا

افسوس دیکھتے ہی دیکھتے جان گئی۔

ہو گیا ضبط فغان کے ساتھ سینہ چاک چاک
لاکھ دوا ہو گئے گر ہم نے بشِداک در کیا

عباسی : کوئی بوڑھا ادمی تھا۔
جہاں آرا : ہاں ہاں وہ تو گلاب نے کہا ہے۔
سپہر آرا : ارے بوڑھا تھا تو پھر کیا غم ہے۔
بڑی بیگم : (مسکرا کر) ہاں یہی بات ہے۔ تو پھر جتنے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہوں۔ سب کو مرنا چاہیئے۔
سپہر آرا : (شرما کر) ایسی باتیں نہ فرمائیے اماں جان۔
حسن آرا : بوڑھے اور جوان سب کو مرنا ہے ایک دن۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

اف فوہ۔ موت بھی کیا بری شے ہے۔
بڑی بیگم : اب ذرا سو رہیں۔
حسن آرا : ہم کو تو آج شب کو نیند نہ آئے گی آپ آرام فرمائیں۔

دیکھنا تاثیر میرے نالۂ جانکاہ کی
سن کے اس بے رحم نے بے اختیار آہ کی

قبرستان میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ہر صغیر و کبیر، برنا و پیر نوحہ کنان تھا۔ سپہر آرا اور گیتی آرا کا جی بہت گھبرایا۔ جہاں آرا اور بڑی بیگم، اور عباسی کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ ان تینوں نے کوشش بلیغ کی کہ سپہر آرا سے مخفی رکھیں مگر جب کہ جنازہ باغ ہی کے قریب آیا ان کے ہاتھ پانوں پھول گیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی بیگم اور جہاں آرا، اور عبّاسی نے باہم یوں صلاح کی۔

عبّاسی : دیکھیے یہ بھی خوبیِ قسمت ہے کہ وہاں سے بھاگے تھے کہ سپہر آرا سننے نہ پائیں مگر اتفاق وقت۔ یہ لیجیے وہ جنازہ اسی باغ کے پڑوس آگیا۔

بڑی بیگم : قسمتوں کی خوبی۔

جہاں آرا : حُسن آرا سے کہہ دوں۔ سپہر آرا سے نہ کہنا چاہیئے۔

عبّاسی : ابھی کسی سے نہ کہیے مگر چبوترے پر نہ سوئیں۔

جہاں آرا : ہاں شاید کوئی نام لے کر روئے۔

عبّاسی : جاکے کہہ دو کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ چلیے اب۔

جہاں آرا : ہاں ہاں۔ کیوں امی جان بلالیں نہ جاکے۔

بڑی بیگم : اچھّا بلالو۔ کہو وہیں چل کے سو رہو سب اور جلد آؤ۔

عبّاسی نے وہاں جاکر کہا۔ چلیے بڑی سرکار سب کو بلاتی ہیں۔ اس پر سپہر آرا نے قہقہہ لگایا۔

سپہر آرا : اے واہ، بڑی سرکار کو سب بلاتی ہیں یا سب کو بڑی سرکار بلاتی ہیں۔

حُسن آرا : مارے نیند کے ہوش قائم نہیں ہیں۔

عبّاسی : تو اب چلیے حضور خفا ہو رہی ہیں۔ فرماتی ہیں۔ ذری جلد آئیے۔ جو حکم ہو کہہ دوں۔

حُسن آرا : کہہ دو ہمیں نیند آرہی ہے۔ کیا کوئی ضروری کام ہے!

عبّاسی : وہ گھبرا رہی ہیں۔

حُسن آرا : اچھّا کہہ دو کہ اگر ضروری کام ہو تو حاضر ہوں نہیں سونے دیں۔ ادھر عبّاسی بڑی بیگم کے پاس گئی اور وہاں سے واپس آئی۔ کہا بڑی سرکار بہت خفا ہیں۔ اس وقت مارے غصّے کے ہاتھ پانوں کانپ رہے ہیں۔ حُسن آرا اٹھی، کہا چلو بھئی چلیں۔ چلنے ہی کو تھیں کہ انھیں شاہ جی نے پھر یہ غزل پڑھی۔

ہر دم لفِ دروں سے ہم آفت طلب رہے — ہے دشمنِ حیات جگر میں جو تب رہے
جاکی ہے تو نے منزلِ وادی میں اے صنم — آنکھوں کا بھی حجاب یہ ہم سے نہ اب رہے
داماں دشت کی ہے سکندر کو آرزو — باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے
اللہ ری بے نیازیِ محبوب آفریں — دل سے قریب ہو کے کوئی دور جب رہے
روپوشیِ حبیب کا کشتہ ہوں چاہیئے — مردہ بھی بے چراغ مزار شب کی شب رہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا اُٹھی کہ بڑی بیگم کے پاس جائے۔ مگر قبرستان سے آواز آئی۔ ہائے میرے ہمایوں فر داغ دے گیے۔ اس دغا کی تم سے امید نہ تھی۔

حسن آرا : ایں! عبّاسی، یہ کس کا نام لیا؟

عبّاسی : حضور بہادر مرزا کہا۔ کوئی بہادر مرزا ہوں گے۔

حسن آرا : عبّاسی تمھیں دھوکا ہوگیا۔ اری یہ کس کا نام لیا۔

عبّاسی : حضور کے قدموں کی قسم بہادر مرزا کہا۔

حسن آرا : ذری گلاب سے کہو پوچھے جاکے۔

عبّاسی نے گلاب کو سکھا دیا۔ گلاب نے آن کر کہا ہجور کوئی باہر کے رئیس تھے۔ بہادر مرجا (بہادر مرزا) وہی مر گیے ہیں۔ بڑے آدمی تھے۔ بیچارے بہت سے لوگ ساتھ ہیں۔

عبّاسی : لونڈی نے پہلے ہی عرض کیا تھا۔

حسن آرا : ہاں ہمیں کو دھوکا ہوا۔ ہائے پاؤں کے تلے سے مٹی نکل گئی۔

گیتی آرا : بہن ہم نے بھی کسی اور ہی کا نام سُنا تھا۔ اللہ کرے وہ جم جم جییں۔ صاف اسی بیچارے کا نام لیا تھا موئے نے۔

عبّاسی : کیا ہوگا ہم نے تو بہادر مرزا سُنا۔

عبّاسی اور حسن آرا اور گیتی آرا بڑی بیگم کے پاس آئیں۔

بڑی بیگم : آخر یہ اس قدر ضد تمھارے مزاج میں کیوں ہے۔

عبّاسی : حضور وہاں ٹھنڈی ہوا آتی تھی اسی سے نہیں آئیں۔

حسن آرا : اماں جان! وہاں بڑی ٹھنڈی ہوا تھی، یہاں وہ بات کہاں۔

بڑی بیگم : اچھا کچھ تو سمجھ کے ہم نے کہا تھا' یا بے سمجھے بوجھے کہا تھا۔ ابھی دیکھ چکی ہو کہ سپہر آرا کی کیا کیفیت تھی۔ باغ ہے کہ گھر ہے' میدان کا واسطہ۔

حسن آرا : بہت اچھا اب نہ جائیں گے۔

بڑی بیگم : ہر بات میں اپنی ضد رکھنا اچھا نہیں ہے۔ کل کی لڑکیاں اور یہ ضد۔ بلاتی ہوں آتی ہی نہیں۔

حسن آرا : (مسکرا کر) اب تو حاضر ہوئی۔

بڑی بیگم : مردہ وہاں آیا ہوا۔ اور رات کا وقت اور میدان۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : پھر اس سے کیا ہونا ہے۔ آخر اس سے ہوتا کیا ہے۔
بڑی بیگم : چلو بیٹھو۔ ہوتا کیا ہے۔ ہوتا نہیں ہے کچھ تو سہمی کیوں تھیں؟
سپہر آرا : اچھا پھر کیا ہوا۔ اہو ہو۔ ہوا کا جھونکا آیا سن سے ہوا چلی تو۔ شکر ہے۔

حسن آرا، اور سپہر آرا، ایک کونے میں لیٹیں۔ اور باتیں کرنے لگیں۔

سپہر آرا نے کہا، باجی! کچھ شعر پڑھو۔ مگر اچھے شعر ہوں اور اردو کے۔

طریق عشق کا سالک ہے واعظوں کی نہ سُن
ٹھگوں کے کہنے کا کیا اعتبار راہ میں ہے

جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر اس کو بھی
شہید ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے

جنون میں خاک اڑاتا ہے ساتھ ساتھ اپنے
شریک حال ہمارا غبار راہ میں ہے

کوئی تو دُوش سے بارِ سفر اتارے گا
ہزار راہزنِ امید وار راہ میں ہے

بلائے جان مسافر ہے خوابِ شیریں بھی
یہی وہ شہد ہے جو زہر مار راہ میں ہے

سپہر آرا : وہ شعر خوب کہا ہے۔

جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر اس کو بھی
شہیدِ ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے

حسن آرا : خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

کام آخر نہ ہوا اپنا صف مژگان سے
حسرتِ تیر لیے جاتے ہیں ترکستان سے

طرفہ گری مرے محبوبِ قبا پُوش نے کی
شمع کشتہ کو فروزندہ کیا دامان سے

سپہر آرا کو یہ شعر پسند آیا۔

جگہ ہے رحم کی یار ایک ٹھوکر اس کو بھی
شہیدِ ناز کا تیرے مزار راہ میں ہے

اور یہ خبر ہی نہ تھی کہ قبرستان میں تھوڑی ہی دیر کے بعد، ان کے شہیدِ ناز کا مزار ہو گا۔ شعر خوانی کے بعد دونوں بہنیں سو رہیں۔

جنگ اور خوجی

خواجہ بدیع الزماں صاحب یک رو میدان میں شب کے وقت سو رہے تھے۔ دس ہزار آدمیوں کا رسالہ تھا۔ پچاس آدمیوں کے علاوہ، اور سب سوتے تھے۔ خواجہ صاحب نے خواب دیکھا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک عدالت میں گواہی دے رہے ہیں صاحب جج اور وکلا سوال کر رہے ہیں۔

عدالت : وَل تمہارا نام کیا ہے ؟

خوجی : ماشاء اللہ خاں ہمارا نام ہے۔

عدالت : ہونہہ۔ وَل کیا نام ہے ؟

خوجی : ماشاء اللہ خاں۔

عدالت : اور تمہارے باپوں کا نام کیا ہے ؟

خوجی : باپوں واہ۔ لگی بازی کرتے ہیں آپ۔ ہمارے باپ کا نام اَستغفرُ اللہ خاں۔

عدالت وَل دادا کا نام۔

خوجی : نعُوذ باللہ خان بہادر۔

عدالت : تمہارے خاندان میں سب کے سب کوئی اللہ خاں ضرور ہیں۔

خوجی : پردادا کا نام تم باللہ خاں۔ ان کے باباجان کا نام انشاء اللہ خاں۔ اور اُن کے باپ عیاذاً باللہ خاں تھے۔

راوی : اور سبحان اللہ خاں آپ کے مورث اعلیٰ ہوں گے۔

عدالت : تم اس مقدمہ کی نسبت کیا جانتے ہو؟

خوجی : اور لاحول ولاقوۃ اِلاّ باللہ خاں مورثِ اعلیٰ تھے۔

عدالت : اللہ اللہ نام کیا شیطان کی آنت ہے۔

خوجی : اور العظمتہ اللہ خاں ان کے بھائی تھے۔

جناب بدیع الزماں بامراد
پدر با پدر پاک و عالی نژاد

وکیل : کبھی پاگل خانے بھی گئے تھے ؟

خوجی : نہ ہوئی قرولی۔ اچھا صاحب ٹھہریے۔

وکیل : (عدالت سے) حضور یہ خوب بات ہے جواب ہی نہیں دیتا یہ شخص۔

خوجی : جواب تو راست دیا۔

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے — انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر — دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عدالت : دل اس سے ہمیں مطلب نہیں۔

وکیل : حضور اس پاگل کی سند نہیں۔

خوجی : خاصے ہو۔ جانگلو کی یہی قطع ہوتی ہے۔

عدالت : اب کی اگر بولا تو نکالا گیا۔

اتنے میں کسی کی چاپ معلوم ہوئی، اور خوجی نے گھبرا کر گردن اٹھائی، دیکھا کہ ایک شخص چھری ہاتھ میں لیے ہوئے کل سواروں کے قریب جاتا ہے۔ تھوڑی دیر تک چپکے دیکھا کیے۔ جب ان کو شک ہوا کہ یہ شخص چھری سے سوتوں کے گلے کاٹ رہا ہے تو دفعتہً اٹھے، اور ایک دفعہ ہی (او گیدی خبردار) یہ کہہ کر جھپٹے!

یہ غل سن کر بیڑے کے اکثر آدمی جاگ اٹھے۔

ایک : کیوں کیوں خیریت تو ہے، کیا سانپ نکلا سانپ۔

دوسرا : کیا ہے کیا ہے، یہ غل کیسا ہوا؟

تیسرا : چور چور۔ لینا جانے نہ پائے۔

خواجہ صاحب نے بڑھ کر اس شخص کی گردن ناپی۔ کہا کدھر چلے تھے بچہ جی۔ آج ہی تو پھنسے ہو۔ دیکھتے کیا ہیں کہ کوئی پندرہ بیس آدمیوں کے سر تن سے جدا ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روسی ہے۔ بھیس بدل کر خاص اس غرض سے آیا تھا کہ ترکوں کو بے خبری میں قتل کرے۔ افسروں نے اسی وقت سوال کیے۔

سوال : تم کون شخص ہے؟

جواب : حضور ہم ایک آدمی ہیں۔ اور کون ہیں۔

سوال : تمہارا لب و لہجہ اس ملک کا سا نہیں ہے۔

جواب : حضور میں روسی ہوں۔ مگر مسلمان ہو گیا ہوں۔

سوال : کون مسلمان سُنی یا شیعہ۔

جواب : خواجہ شرف ہر دو طرف۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج تو معاف کیجیے۔ پھر جو کچھ کہیے گا۔

خوجی : ہات تیرے گیدی کی۔

روی تو گل و لب تو قند است
گل قند علاج دردمند است

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: گل قند تو خیر، مگر اس وقت حضور ریشہ خطمی کیوں ہوئے جاتے ہیں۔

خوجی: او گیدی۔ ہم پہلوان زادہ ہے۔

مست ذوقم در خرابات مغان جای من ست
دل صراحی، دیدہ ساغر گریہ صہبای من ست

افسر: واہ خواجہ صاحب تم نے اس موذی کو گرفتار کرایا ہے۔

روسی: واہ، یہ اور ہم کو گرفتار کرتے، ایک گھونسا چھپلتا ہوا دوں تو اٹھ کے پانی نہ پیے۔

اتنے میں توپ دغی دھنا، اور تمام بیڑے میں ہلڑ ہو گیا۔

ترکی سواروں نے جو طلایہ کے لیے مقرر تھے، اسی دم اطلاع دی کہ غنیم ایک پہاڑی سے گولے اُتارتا ہے۔ دو سمت سے فوج روم کو محصور کر لیا ہے۔ طرفین سے جنگ شروع ہو گئی۔ رومی دفعتہً آوازِ توپ سن کر گھبرا گیے اور جب تک مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں تب تک اُن کے کئی آدمی کام آئے۔ اس کے بعد میدان جنگ گرم ہوا تو یہ کیفیت تھی کہ گویا۔

اک دم قدم گاو زمیں جم نہیں سکتے
گردش میں ہیں قطبین فلک تھم نہیں سکتے

اتنے میں ایک سمند صرصر تگ سامنے سے نظر آیا۔ اس پر ایک سید صاحب سوار تھے۔ ان کے تقدّس کے جھنڈے گڑے تھے۔ اور عرب و عجم تک سے لوگ تلمّذ کے لئے آتے تھے۔ ان کے علم کی تعمیل کو اچھے اچھے رؤسا، اور شہزادے فخر و افتخار اور ذریعۂ حصول سعادت کونین تصور کرتے تھے۔ اُن کے آنے کی خبر سُن کر ترکوں نے نعرہ بلند کیا۔

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ غازی نظر آیا ۔۔۔ دین پرور و ابرار و نمازی نظر آیا
باروئے شہنشاہ مجازی نظر آیا
بجلی سا تڑپتا ہوا تازی نظر آیا

میدان کارزار میں پہونچے تو۔

چہرے نے عجب نور کی ضو بن میں دکھائی ۔۔۔ گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی ۔۔۔ ذرّوں نے ستاروں کی چمک دن میں دکھائی

غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخ بریں پر
نقشِ سُمِ توسن مہِ کامل تھے زمیں پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیشانی پر نور سے ہے رن میں اجالا
درو خطِ رخسار وہ مہتاب یہ ہالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے مالا
پلکیں نہیں جھپکیں پہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے اڑیں ہوش نہ کیوں اہل حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی پہ تیور ہیں اسد کے

انہوں نے آتے ہی فوج کو مخاطب کر کے کہا۔ سنو غازیانِ دین۔ مانا کہ روس کی سپاہ اس وقت جوق جوق جمع ہے۔ مگر۔

کچھ خارِ مغیلان گل تر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
اس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

ہمارا اشعار سپہ گری ہے۔ کثرتِ فوج غنیم سے کیا ہو گا۔ ہم سے لشکر زیادہ ہو خواہ دولت و زر خواہ تیر و خنجر مگر۔

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
دنیائے دنی کام کسی کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہرِ ذاتی
محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

یہ کہہ اس مقدس بزرگ نے فرسِ آہو شکار کو دوڑایا اور صفِ اول کاٹ ڈالی۔ تلوار چمکائی اور ایک کے دو اور دو کے چار کر ڈالے۔ اللہ ری صفائی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر فرد کو اُس تیغ کے جوہر نظر آئے
ریتی پہ طپان جسم برابر قطر آئے
موئے سرِ افواجِ ستم پر نظر آئے
اڑتے ہوئے بالائے ہوا سر نظر آئے
چلاتے تھے ڈر ڈر کے پرندے کہ یہ کیا ہے
آتی تھی سلیمان کی صدا قہر خدا ہے

یہ مومن پاک نہایت شجاعت سے لڑا اور ایسا لڑا کہ

ڈر سے کوئی لشکر کا نشان چھوڑ کے بھاگا
شمشیر و سپر کوئی جوان چھوڑ کے بھاگا

اب خواجہ صاحب کا حال سُنیے۔ انھوں نے سید صاحب عارف باللہ کے ساتھ بڑے بڑے کارِ نمایاں کیے۔ تین روسی افسروں کو تہ تیغ کیا۔ اور ایک سوار کو اس جوان مردی سے قتل کیا کہ تمام لشکر نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ یہ شخص بڑھ کر سیّد صاحب پر وار کرنے کو تھا مگر خوجی نے تلوار پر تلوار روکی اور ایسا تلا ہوا ہاتھ دیا کہ اُس سوار کی گردن کھٹ سے زمین پر گری۔ اس وقت ترکوں نے خوجی کی بڑی تعریف کی۔

ایک : آج سے ہم خواجہ صاحب کی بڑی تعظیم کریں گے۔

دوسرا : واقعی واجبُ التعظیم ہیں۔

تیسرا : اس وقت وہ کارِ نمایاں کیا کہ ہمارا ہی دل جانتا ہے۔

چوتھا : سیّد ذی جاہ حق آگاہ کی جان بچائی۔ آفرین ہے۔

حماکَ اللہُ من شرِّ النوائب
جزاکَ اللہُ فی الدّارَین خیرا

روس کی سپاہ نے بھی نہایت مستعدی کے ساتھ قدم جمائے اور پھر طرفین سے گولے برسنے لگے۔

در آمد بہ شورش دم گاؤ دُم
چمک زدن طاس روئینہ خم
بتیرہ زن از خارشِ چرمِ خام
لبیسہ دد انگند شب را نگام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زقاروره و ناچخ و بید و برگ

تواره تواره شده ورع و ترک

چو لشکر به لشکر در آورد ردے

مُبارِز برون آمد از هر دو سوئے

سُم باد پویان پولاد لعل

ز خون دلیران زمین کرده لعل

ترنگ کمانهاے بازو شکن

بسی خلق را برده از خویشتن

درخشیدنِ تیغ آئینه تاب

درخشان تر از چشمهٔ آفتاب

سیّد عالی جاہ نے کہا۔

چو گردن بر آرم بگیر دن کشی

نه زابی هراسم نه از آتشی

درم پہلو پہلوانان به تیغ

خورم گردهٔ گردنان بے دریغ

بهردم کشی اژدہا پیکرم

نه مردم کشم بلکه مردم خورم

ستیزنده را دارم آزرم سست

خر از زیر پالان بر آید درست

مرا از کسے درجہان شرم نیست

ستیزه بسے ہست و آزرم نیست

خواجہ صاحب کے گھوڑے پر ایک ہاتھ تلوار کا ایسا کاری پڑا کہ گھوڑا دھم سے گرا۔ ساتھ ہی اس کے خود بدولت بھی پُشت توسن سے زمین پر آئے۔ قریب تھا کہ غنیم کے سوار ضربت شمشیر لنگر دار سے خواجہ بدیع الزماں کمیدان کا کام تمام کریں، مگر یہ سنبھل کر اٹھے اور اس زور سے تلوار کا وار کیا کہ دو آدمی زخمی ہو گئے۔ اُدھر سید صاحب ذوی الاحترام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی تیغ آبدار جوہر دکھا رہی تھی۔

اس تیغ کی برش سے زبردست زیر تھے　　روباہ بن گئے تھے وہ دل جن کے شیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے　　تودے تھے سرکشوں کے سواروں کے ڈھیر تھے

چھ گھنٹے کے بعد جنگ موقوف ہوئی۔ روسیوں کے تین ہزار سات سو آدمی مقتول، اور سترہ سو مجروح ہوئے۔ ادھر صرف چھ سو مقتول اور ڈھائی سو کے قریب مجروح ہوئے۔

لشکریوں نے کمر کھولی۔ پڑاؤ پر دم لیا۔ خواجہ صاحب کی تعریف میں ساری فوج رطب اللسان تھی۔

سیّد صاحب : آپ نے آج وہ کام کیا ہے کہ تمام عمر کے گناہ دور کر دیئے۔ ایسے کار نمایاں کے ذریعے سے آپ کی مغفرت ہوگی۔

خوجی : بندہ بولتا کم ہے کہتا بہت ہے۔ مگر خموشی ہی میں گویائی ہے۔

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

خموشی ہزار گویائی کا لطف دیتی ہے۔ جو برستا ہے، وہ گرجتا نہیں اور جو گرجتا ہے وہ برستا نہیں۔

بفہم ہیچ مضمون جز لب بستن نمی آید
خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

سیّد : آپ کے لئے کوئی خطاب تجویز کیا جائے گا۔

خوجی : (آبدیدہ ہو کر) میرا آزاد آجائے تو میری محنت ٹھکانے لگے ورنہ سب ہیچ ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

کئی ترکی افسروں نے خوجی کو گھیر لیا، اور پیٹھ ٹھوکی۔ خوجی اکڑے کھڑے تھے، اور کیوں نہ ہو۔ کام ہی ایسا سرزد ہوا تھا۔

کرنل : جس وقت تم گھوڑے سے گرے اس وقت میرے ہوش اڑ گئے۔

خوجی : گرتے ہی سنبھلا (اکڑ کر) اور کیا۔

کرنل : مُنہ کے بھل گرے تھے۔

خوجی : اے لاحول۔ پہلوان اور لڑنتیا جب گرے گا پٹ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنل : شاباش۔ آفرین باد۔

خوجی : ہم شاہی کا زمانہ دیکھے ہوئے ہیں حضور!

خدا آہنے را بدو فہم کرد | بما ہر دو آن ہر دو تسلیم کرد
کلیدی و تیغی بدینسان نکاشت | کلید آن تو تیغ برمن گذاشت
چو من زا ہن تیغ گیتی فروز | کنم بازی غلق در نیم روز

کرنل : آپ اس زبان میں کیوں گفتگو کرتے ہیں۔

خوجی : ترکی زبان نہ تو صاف صاف سمجھ میں آتی ہے، اور نہ بول سکتے ہیں۔

کرنل : اتنا سا قد، اور یہ جرأت۔ حیرت ہے۔

خوجی : (بگڑ کر) ہاں! اتنا سا قد (اکڑ کر) کیوں اب بھی کہو گے کہ اتنا سا قد ہے۔

مرا ہم چنین چہرہ گلفام بود
بلورنیم از سرخی اندام بود

اب آزاد کی جدائی نے مار ڈالا۔

خواجۂ بدیع الزماں صاحب کا بخت خفتہ جاگا اور طالع نے اچھی یاوری کی۔

گاہ باشد ز پیر دانشمند | بر نیاید درست تدبیری
گاہ باشد کہ کودکی نادان | بغلط بر ہدف زند تیری

خوجی : ہم نے کئی کشتیاں نکالی ہیں۔

راوی : بجا ارشاد ہوا۔ خصوصاً مصر میں ہوٹل کے نامی گرامی پہلوان کو پچھاڑ دیا۔

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

کرنل : ہم سے آپ لڑیئے گا۔

خوجی : (مسکرا کر) آپ ایسے دس ہوں تو کیا پروا ہے۔ اور نرا سپاہی ہی نہیں ہوں۔ عالم بھی ہوں۔

بسے نیزتار یخہا داشتم | یکے حرف ناخواندہ نگذاشتم
بہم کردم آن گنج آگندہ را | درین پارہائے پراگندہ را

فرس خوشترک ران کہ صحرا خوش است
عنان در بکش بارگی دلکش است

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: سبحان اللہ۔

خواجہ صاحب خوش خوش، ادھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ جس طرف نکل جاتے تھے، لشکری انگلیاں اٹھاتے تھے کہ وہ ہندی جارہا ہے جس نے حضرت سید ولی اللہ کو بچایا۔ خدا اس کو اَجر عطا کرے۔ خواجہ صاحب کبھی جُھک جُھک کے سلام کرتے تھے کبھی اکڑے جاتے کہ من چیزے ہستم۔

کرنل نے اسی دم وزیر جنگ کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی اور سفارش کی کہ خواجہ بدیع الزماں صاحب کو تمغا اور خطاب عطا ہونا چاہیئے کیونکہ ایسے ایسے کارنمایاں ان سے سرزد ہوئے۔

راوی: اس کی تصدیق ہم بھی کرتے ہیں۔ بے شک خواجہ بدیع الزماں صاحب تمغہ پانے کے مستحق ہیں۔

شہسوار کی شامت

شہسوار سے ہمارے ناظرین خوب واقف ہیں۔ ٹھاکر کے ہاں سے یہ گرفتار ہو گئے تھے۔ انسپکٹر پولیس نے بڑی جواں مردی اور چالاکی سے ان کو گرفتار کیا تھا۔ ان کی گرفتاری کے لیے عطر فروش کا بھیس بدلا تھا مگر یہ اپنی چالاکی سے بھاگ گیے۔ دو دن حوالات میں رہے، اور نکل بھاگے۔ اب سُنیئے کہ بھیس بدل کر شہسوار ایک سرا میں بیٹھے۔ اشعار پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے یہ شعر پڑھا۔

بارک اللہ بیا حضرت عشق این جا شو
کہ یہ پیرانہ سرم طبع جوان می بایست

انہیں کے قریب ایک پیر مرد بھی ٹکے تھے۔ اشعار سن کر ان کے قریب آ بیٹھے، دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

شہسوار: ہم کو اشعار فرس از بس پسند ہیں۔

ہمای اوجِ سعادت بہ کنگرِ اقبال
فشاند سایۂ خود با شکوہ وجاہ وجلال
نوید داو بدنیساں کہ داور وا واژ
کشودہ است بردے جہاں درِ افضال
ہوائے تازہ وزید و دَمید سبزہ و گل
رسید صبح طرب با ہزار غنچ و دلال
سعادتے کہ علی داو نام پاکش را
حصول اینہمہ باشد بشہریار محال
لوائے شوکت وشان مدّ ظلہ العالی
سحابِ لطف و کرم در اقارن وامثال

پیر مرد: آپ کو کس سررشتہ سے تعلق ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : جی میں شہسوار ہوں۔ لال کرتی میں ڈیڑھ سو پاتا ہوں۔

پیرمرد : ہاں۔ آپ کچھ انگریزی بھی پڑھتے ہیں۔

شہسوار : جی ہاں۔ ایم اے پاس ہوں۔

پیرمرد : یہ کہیے۔ تو آپ انگریزی داں بھی ہیں۔

شہسوار : جی ہاں آپ یہاں بیٹھے تو میں اپنا کمال آپ پر ظاہر کروں۔ یہ کہہ کر شہسوار کوٹھری کے اندر گیا۔ اور ایک اخبار بیگ سے نکال کر سامنے رکھ لیا۔ کہا دیکھیے انگریزی کی مثل ہمیں کس قدر یاد ہے۔ اخبار دیکھتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے۔ گویا سب حفظ تھا۔

وہوندا

لڑکیوں اور بے وقوفوں کو کوئی کام، جو نصف کیا جاتا ہے، دیکھنا نہ چاہیئے۔ ان کو اس بات کے قیاس کرنے کی سمجھ نہیں ہے، کہ صناع کا کیا منصوبہ ہے۔ یہ تمام دنیا جو ہم دیکھتے ہیں ایک کام ہے جو نصف انجام کو پہونچا ہے۔ اس سبب سے بے وقوف لوگ خالق کی قدرت کاملہ پر حرف رکھتے ہیں۔ لڑکیوں اور بیوقوفوں کو تیز اور اڑنچھو نہ رہنا چاہیئے۔ یعنی ان کو اختیار نہ دینا چاہیئے۔ بادل جو دور ہوتے ہیں سیاہ! خوش نما نظر آتے ہیں۔ اگر ہم ان کو نظرِ غور و تعمق سے دیکھیں تو وہ سب خاکستری رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہی حال بہت سے آدمیوں کا ہے۔ جن کو وہ لوگ جو اُن کے قریب رہے ہیں، نہ اس قدر لائق کراہت نہ اس قدر لائقِ توصیف سمجھتے ہیں جس قدر کہ فریقِ مخالف تصور کرتے ہیں۔ قرضہ نہایت خراب قسم کی مفلسی ہے۔ اگر تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو وقت کو مت ضائع کرو کیونکہ وقت وہ شے ہے جس پر زندگی مشتمل ہے۔ خالی ظروف نہایت شور اور غوغا کرتے ہیں۔ جو لوگ بہت کم لیاقت رکھتے ہیں، وہ بڑے لاف زن، اور فضول گو ہوتے ہیں۔ بیوقوف عقل مندوں سے کچھ نہیں سیکھتے۔ لیکن عقل مند بیوقوفوں سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں یعنی عقل مند اپنی غلطی ترک کرنا سیکھتے ہیں۔ بیوقوف بالکل قسمت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ الفاظ نیک اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن افعال نیک نہایت اچھے ہیں۔ وہ جو سب سے آخر ہنستا ہے، اچھا رہتا ہے۔ ایک شخص کو جو نہایت دانشمند طریقہ اختیار کرتا ہے، وہ لوگ جو عارضی فتح حاصل کرتے ہیں، عرصۂ قلیل کے لئے ہنستے ہیں۔ لیکن آخر کار اُن کو دریافت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں بالکل ناکامیاب ہوئے۔ وہ شخص جس کو سانپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے کاٹا ہے۔ رسّی سے خوف کھاتا ہے۔ (سانپ کا کاٹا رسّی سے ڈرتا ہے) غالب ہے کہ رسّی کا ایک ٹکڑا اشفق میں غلطی سے سانپ خیال کیا جائے۔ وہ اشخاص جنھوں نے کسی طرح سے سخت آفتیں جھیلی ہیں۔ اُن کو ویسی ہی آفات پر برداشت کرنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ نادان مکان بناتے ہیں، اور دانش مند اس میں رہتے ہیں۔ کیوں کہ ایک مکان اس قدر قیمت پر شاذ و نادر بکتا ہے، جس قدر کہ اس کی تعمیر میں صرف ہوتا ہے۔ وہ شخص جو کہ غصّہ کرتا ہے، اپنے تئیں دوسرے شخص کے قصور کی سزا دیتا ہے۔ وہ شخص جو خاص اپنی ذات کو فائدہ پہونچانے کا خیال رکھتا ہے۔ غلام کا غلام ہے۔ ایک خود غرض شخص نہایت ہی کمینہ غلام ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کمینہ اور خفیہ خواہشوں کا غلام ہوتا ہے۔ بلند ہوا اونچے ٹیلوں پر چلتی ہے۔ ان لوگوں کو جو مراتب اعلیٰ پر ممتاز ہیں، از حد مقابلہ، بڑے خوف و خطر، تکلیفات اور ہر ایک چیز سے جس میں استقلال کی ضرورت ہوتی ہے خم ٹھوک کر لڑنا پڑتا ہے۔ اس شخص کو جس کی کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی کچھ مت دو۔ اگر چیزیں دوبارہ لے جائیں تو سب عقل مند ہوتے۔ جب ہم کسی کام کو کر چکتے ہیں۔ ہم اکثر معلوم کرتے ہیں کہ اگر یہ کام پھر ہمارے پاس آتا تو ہم کسی قدر بہتر انجام دے سکتے۔ گزشتہ غلطیوں پر بغور و تعمق خیال کرنے سے ہم آئندہ کے لئے متنبّہ ہوتے ہیں۔ دانش مندی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر تم ہوا کے رخ کو پھیر نہیں سکتے تو لازم ہے کہ تم بادبان کے رخ پھیرو۔ جب وہ حالات جس میں تم رکھے گئے ہو، تبدیلی اختیار نہیں کرتے ہیں، تو تم کو لازم ہے کہ ان کے مطابق تم اپنی تدبیرات کو پلٹو۔

پیر مرد: آپ شعر بھی کہتے ہیں کچھ کلام تو سنائیے۔

شہسوار: بے شک، اور ایسا شعر کہ زبان داں تک تعریف کرے۔

پیر مرد: زبان داں تو آپ خود ہیں۔

شہسوار: جی میں فارسی میں شعر کہتا ہوں، اور چوٹی کا شعر۔

پیر مرد: بجا۔ پھر کچھ فرمائیے۔

شہسوار: عرفی کے ایک قصیدے کے طرز پر میں نے یوں کہا ہے۔

ہمت والا یم از کون و مکان بگذشتہ است
بر فضای لامکان پر میزند عنقای من

عرفی نے کہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آسمان صحن قیامت کردو از غوغای من۔

پیرمرد: خوب کلام ہے آپ کو تلمذ کن صاحب سے ہے۔

شہسوار: جی؟ تلمذ؟ مجھے روح القدس سے تلمذ ہے۔ ایک رئیس اعظم کی شان میں یہ قصیدہ کہا تھا۔ سُنیئے داد دینے کے قابل ہے۔

آن وزارت مآب بابوراؤ
کہ بہر کام کامُور گردد

پیرمرد: میں سمجھ گیا۔ یہ شاید حضور وزارت مآب سوائی سرخیل آپا انگرا بہادر کی شان میں آپ نے فرمایا تھا۔

شہسوار: (متحیر ہو کر) جی ہاں

گر بذوقِ خرام آن داور
جلوہ آرای رہ گذر گردد

پیرمرد: کیا قطعہ بند ہے۔ ہاں فرمائیے۔

شہسوار: آپ بس سُنتے جائیے۔ بات نہ کاٹیے۔

گر بذوقِ خرام آن داور — جلوہ آرای رہ گزر گردد
ہر شمیمی کہ طرّہ اش خیزد — رشک افزائے مشک تر گردد
تا شش راغ گر فروزاند — دشت و کان شیشہ گر گردد
گر بہ پیکار مرکب انگیزد — ہم عنان نصرت و ظفر گردد

پیرمرد: کیا خوب شعر فرمایا ہے۔ واقعی آپ خوب فرماتے ہیں۔

شہسوار: ابھی سنتے تو جائیے کہ میں کہتا کیا ہوں۔

گر بساط نشاط آراید
گوی زرّین ترنج زر گردد۔

پیرمرد: سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا مضمون ہے خدا کی قسم کیا مضمون ہے۔

شہسوار: تسلیم۔ آپ قدردان ہیں۔ جوہر شناس ہیں۔

وصفِ شیریں لبت چو بنگارد
خامہ ہم رنگ نیشکر گردد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیرمرد: بہت ہی خوب۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔
شہسوار: اس مضمون پر غور کیجیے گا۔

ذرہ را چو مہر بنوازد
اعتبارش بلند تر گردد

پیرمرد: بہت بڑا قصیدہ ہے۔
شہسوار: خیر قصیدہ نہیں تو قطعہ تو ضرور ہے۔

اے کہ در بارگاہ بخشش او　　حاصل بحر مختصر گردد
نغز گویان ہند و فارس را　　سخنم مسلک ہنر گردد
رشک نثرم کہ سلک پروین ست　　بنیش افزای دیدہ ور گردد
آب نظمم کہ در سلطان است　　ما آبشش غیرت گہر گردد

پیرمرد: واہ وا، واہ۔ اہو ہو۔ در سلطان کیا خوب فرمایا ہے حضرت۔
شہسوار: اور خطاب کیا ہے۔

محکّ امتحان مرا بعیار
وا ور اجز تو کے دگر گردد

پیرمرد: قسم خدا پاک کی ایرانیوں کا کلام معلوم ہوتا ہے۔
شہسوار: (جھک کر) تسلیم۔ قدر دانی ہے حضور کی۔

چند سوزد بداغ بے ہنری　　چند چون شمع چشم تر گردد
از جنون چند سر بسنگ زند　　چند پا نغز رہ سپر گردد

جادہ پیمای راغ گر گردد
ہر گیاہ نوک نیشتر گردد

پیرمرد: راغ تو میدان وسیع کو کہتے ہیں۔
شہسوار: جی ہاں۔ راغ کے معنی جنگل۔

بیاغری گر زیادہ آشامم

یہ مصرع پڑھ چکے تھے کہ ایک شخص مسافر نے جو سرا میں قریب کی کوٹھری میں فروکش تھے اس کا دوسرا مصرع بھی پڑھ دیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ع۔ بادہ در کام تلخ تر گردد

ساغرے مگر زیادہ آشامم
بادہ در کام تلخ تر گردد۔

شہسوار نے اس شخص پر نظر ڈالی، اور سخت متحیّر ہوا کہ اس نے دوسرا مصرع کیوں کر پڑھ دیا۔ دو چار منٹ کے بعد اور اشعار پڑھے۔

وائے گردوں شگاف نالہ من — کہ ز کوے تو بے اثر گردد
بر دعا سر کنم فغانی چند — تا دران نالہ ہا اثر گردد

اب ذرا دعائیہ اشعار سنیے گا۔ دعائیہ اشعار پڑھنے ہی کو تھے کہ اسی مسافر نے یہ اشعار سنائے۔

ابر تا بار در گیا بالڈ — برگ و بار آورد شجر گردد
گلشنِ عمر تو ہمیشہ بدہر — سبز و شاداب و پر ثمر گردد

چشم دارم کہ عرشی ناشاد
زاستانِ تو شاد تر گردد

شہسوار نے جو یہ اشعار دعائیہ سنے تو گھبرائے۔

مسافر: خوب فرماتے ہیں آپ۔ مجھے آپ کا کلام یاد تھا۔

شہسوار: بجا۔ دولت خانہ کہاں ہے؟

مسافر: جی گوالیار کے قریب رہتا ہوں۔

شہسوار کا رنگ فق ہو گیا۔ خوف ہوا کہ مبادا چوری پکڑی جائے۔

اتنے میں مسافر نے کہا۔ وہاں بھی ایک بڑے شاعر غرّا ہیں۔

پیرمرد: کون صاحب۔ کوئی لکھنوی ہیں یا دہلوی۔

مسافر: خاتم الشعرا امام العلماء عالم علمی فاضل لوذعی سُحبان الامم حسّان العجم حضرت مولنا ابو القاسم محمد فضل رَبّ عرشی۔

پیرمرد: این عرشی تو آپ بھی تخلص کرتے ہیں۔

شہسوار: کیا ہوا بیخود پچاسوں شاعروں کا تخلّص ہے۔ حافظ کئی شعرا نے تخلص کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ حلوائیم واز کمال
معتقدِ حضرتِ شیرازیم

حافظ حلوائی بھی ایک شاعر تھے۔ ایک لسان الغیب حافظ شیراز تھے۔
مسافر: یہ بھی آپ ہی کا شعر ہے۔

داغہا بردہ ام از دہر بہ بیغا عرشی
لالہ روید ز تہہا لے کر بود در گلشن

شہسوار: جی نہیں یہ کسی اور شاعر کا ہے۔
مسافر: عقل کے ناخن لیجیے۔ یہ قطعہ مدجبہ جو آپ نے ابھی فرمایا جناب مولانا عرشی صاحب مدّظلّہ کے بحرِ مواج طبع کی لہر ہے۔ آج ہندوستان میں مولانا ممدوح اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ ان کے کلام کو تم اپنا کلام بتاتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔
شہسوار بہت خفیف ہوئے مگر

ع۔ بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

حضرت اکثر توارد ہو جاتا ہے۔ غنی کشمیری نے اپنا دیوان مرزا صائب کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا۔ تو نصف سے زیادہ شعروں میں توارُد۔ اسی سبب سے دیوان غنی بریدہ ہے۔
انشاء اللہ خاں کے وقت میں ایک شاعر تھے دانش۔ انشاء اللہ خاں کی اور اُن کی غزل کے آٹھ شعروں میں توارد ہو گیا۔

ضعف آن چنان کہ ضبط فغان ہم نمی شود
این ہم نمی شود زمن آن ہم نمی سود
چندان بعید نیست کہ ازمن نشدِ نشد
آن شوخ دیدہ ازدگران ہم نمی شود
آن اختلاط دگر می صحبت کجا کہ او
اکنون بسوی من نگران ہم نمی شود
از خود نمی رد یم و بخود ہم نہ ایم وای
ہم این چنین نگشت و چنان ہم نمی شود
این طرفہ ترکہ رازِ درونِ ولم ہنوز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ظاہر نہ گشت و باز نہان ہم نمی شود

ای عشق لذتی کہ نر فیض تو بردہ ایم

از صد یکی ز بندہ بیان ہم نمی شود

این یک زبان کوچک وبی ہیچ من چہ چیز

تقریرش از ہزار زبان ہم نمی شود

انشا کجا و پیروی زاہدان کہ او

دارد بہ بزم پیر مغان ہم نمی شود

بس مقطع میں ذرا فرق تھا۔ انھوں نے کہا انشا اس نے کہا دانش۔ انھوں نے کہا زاہدان اُس نے کہا عابدان بس۔

مسافر: درست۔ تو توارد ہو گیا ہے۔ کیوں جناب۔

شہسوار: کیوں۔ کیا تعجب ہے۔ ہمارا اور کلام سُنیئے۔

مسافر: جی بس۔ اگر ہوس است، ہمیں قدر بس است۔

پیر مرد نے کہا صاحبزادے تم کو جو دیکھا تو مجھے اپنا فرزند دلبند یاد آیا۔ یہ کہہ کر پیر مرد رونے لگے، اور یہ شعر زبان پر لائے۔

کجائی بگو جان بابائے من

کہ درد فراقت گلویم فشرد

شہسوار: کتنے برس ہوئے۔

پیر مرد: تین برس ہوئے، ڈوب کے مر گیا۔ ہائے افسوس۔

شہسوار: اگر آپ منظور کریں تو میرے ہی ساتھ رہیں۔

پیر مرد: یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ تم خدا جانے کہاں کے باشندے ہو۔

شہسوار: اوہ۔

ع۔ درویش ہر کجا کہ شب آمد سرای اوست۔

از مذہبم مپرس نہ مومن نہ کافرم

من رسم این دیار ندانم مسافرم

پیر مرد: تم اپنا حال تو کچھ بیان کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : داستان ہے۔ کہاں تک بیان کروں۔

پیرمرد : آخر کچھ تو سنوں۔

شہسوار : اگر مجھے مثل اپنے فرزند کے سمجھیے تو کہہ دوں۔

پیرمرد : خدا گواہ ہے تیرے ساتھ دغا نہ کروں گا۔

شہسوار : میں شاعر ہوں۔

کیا چیز بھلا قصرِ فریدون مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبدِ گردوں مرے آگے

مرغانِ اُولیِ اَجنحہ مانند کبوتر
کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے

مطلق متوجہ نہ ہوں ہرچند گزر جائیں
صد قافلۂ لیلیٰ و مجنوں مرے آگے

تُف بھی نہ کروں لاد کے گوگا وِ زمیں پر
لاوے کوئی گنجینۂ قاروں مرے آگے

مُنہ دیکھوں جو نقارچی پیلِ فلک کا
نقارے بجا کر کہے دوں دوں مرے آگے

ہوں وہ جبروتی کہ گروہ عُلما سب
چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے

بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضمون مرے آگے

ہے دورۂ گیتی جو بنایہ کُرَوی شکل
بے شبہ و شک دھیلے کی چوں چوں مرے آگے

مجرے کو مرے خسرو پرویز ہو عاجز
شیریں بھی کہے آکے بلالوں مرے آگے

بیتابی دل دیکھ کے سیماب سے بھر جائے
کف لائے اگر موجۂ جیحون مرے آگے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا آکے ڈرادے مجھے زلفِ شبِ یلدا
ہے دیو سفید سحری چون مرے آگے
وہ مارِ فلک کاہکشان نام ہے جس کا
کیا دخل جو بل کھاکے کرے فون مرے آگے

اور گھوڑے کی سواری میں برق ہوں اور علم موسیقی سے خوب واقف ہوں اور نشہ باز آدمی نہیں ہوں۔

کیا ذکرِ شراب یار توبہ خاور | رہ ایسا نہ شرمسار توبہ خاور
دوزخ میں جلینگے مے کے پینے والے | توبہ خاور ہزار توبہ خاور

قمار باز نہیں ہوں۔ جواری کی خواری کرتا ہوں۔

انسان وہی مقبول خدا ہوتا ہے | جو مُلکِ خیر میں فنا ہوتا ہے
قسامِ ازل کا اک اشارہ بس ہے | دم بھر میں شہنشاہ گدا ہوتا ہے

مگر میں نے بیڑا اٹھایا ہے کہ ہمایوں فرؔ اور آزاد دونوں کو قتل کر ڈالوں گا۔ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ انشاء اللہ۔

پیر مرد کے ہوش اُڑ گئے۔

شہسوار کو پیر مردؔ اور پیر مرد کو شہسوار کی باتیں بہت پسند آئیں۔

پیر مرد نے کہا بیٹا تم ہمارے ساتھ رہو، جو کچھ چونی بھوسی ہم کو نصیب ہوگی پہلے تم کو دیں گے پھر آپ کھائیں گے۔

شہسوار : بہت خوب بسر و چشم منظور۔

پیر مرد : تمہارا مکان کہاں ہے۔ بتاتے کیوں نہیں ؟

شہسوار : ع۔ درویش ہر کجا کہ شب آمد سرای اوست

اتنے میں ایک شخص نے شہسوار سے دل لگی کی باتیں شروع کیں، تو شہسوار نے یہ شعر پڑھا۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

پیر مرد : خوب شعر ہے۔ آپ کو اشعار یاد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : جی ہاں۔ کسی زمانہ میں ہم بھی کچھ تھے۔

بُلبُلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

اب کیا۔ اب وہ دن گیے۔ وہ وقت ہی نہ رہا۔ وہ زمانہ ہی نہ رہا۔ افسوس ہی افسوس رہ گیا۔

آیا عجب شکوہ سے اسپِ قمر رکاب۔
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب۔
حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
زین پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر
اخترِ خجل ہیں زین جواہر نگار سے
ذرّوں نے چن لیے ہیں ستارے غبار سے
تھمتا تھا کب سوار فراست شعار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر
بل کر رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھ کر

یہ اشعار جو آپ پڑھتے ہیں کس کے ہیں۔

چمک ہے یہ کچھ اس اُودے دوپٹہ کی کناری میں
نظر جوں برق آوے دامن ابر بھاری میں
تری چِتون کی اٹکھیلی پری کے بھیس میں آکر
مجھے شب لے گئی چپکے سے اک نرگس کی کیاری میں
بہت سے عاجز آئے ہیں بھلا صاحب رہیں کب تک
مزاج عالی سرکار کی ہم پاسداری میں
مجھے کہنے لگے وہ پیار میں آکر اگر بس ہو
تو تجھ کو موند رکھوں ایک ننھی سی پٹاری میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کراہا رات زخمی اُن کے غمزے کا تو وہ بولے
کوئی ہے' لال مرچیں بھر دے اس کے زخم کاری ہیں
ہمارے ساتھ تیرے چاند سے مکھڑے کے بن دیکھے
رہا کل ماہِ تاباں رات بھر اختر شماری ہیں
جو کہتا ہوں بھلا جاگا کروں راتوں کو میں کب تک
تو کہتا ہے رہا کر اور ابھی امیدواری ہیں
وہ جو سردار تھے اگلے زمانے کے بڑے رستم
یہ اُن کا حال ہے اب عالم بے روزگاری ہیں
پڑے سونا کھرچتے ہیں' کسی ٹوٹے سے چاقو سے
کہیں جو رہ گیا ہے پاؤ کوڑی بھر کٹاری میں
جو دو پیسے کی ڈولی پر کہیں جاتے ہیں چڑھکر تو
پرانی شال دیتے ہیں کہاروں کو کہاری میں
میاں قدوّس ان کے پوپلے سے ایک نوکر ہیں
بڑی ہیں موتیوں سے اُن کی باتیں آبداری ہیں
ہزاروں حُجتیں' تکرار' لاکھوں یاد ہیں اُن کو
حکایت بخشنے کی اُن کی تو خدمت گزاری میں
بعینہ اس نفر کی سی ہے وہ جو اپنے آقا سے
یہ کہتا تھا بہت سا کھینچ خود کو بردباری میں
نہ نادان اس قدر بنیے سمجھیے سوچیے دل میں
قدم حضرت سلامت آپ رکھیے ہوشیاری میں

پیر مرد: ان اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پرانے شاعر کا کلام ہے۔

شہسوار: یہ انشاء اللہ خاں کی غزل ہے۔

پیر مرد: ادہم کا کوئی شعر یاد ہے۔؟

شہسوار: ایک؟ اجی ہزاروں ہی یاد ہیں حضرت۔

پیر مرد: زبان میں کسی کا حصہ نہیں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار: اور خاص مسلمان کی زبان ہے۔ مسلمان بھی کون لکھنؤ یا دہلی کے۔ یا وہ لوگ جو دہلی یا لکھنؤ کے مقلّد ہیں۔

پیرمرد: کیا ہندو زبان دان نہیں ہو سکتا؟

شہسوار: ہندو فصیح ہو سکتا ہے۔ مگر زبان دانی کجا۔

پیرمرد: آپ کو ابھی تجربہ ہی نہیں ہے۔ بنگالیوں کی اردو سنائیں تو متحیر ہو جائیں۔

شہسوار: واہ۔ بس قابلیت کا حال معلوم ہو گیا۔ بنگالی بنگلہ زبان بولنا جانیں۔ اردو بھلا وہ کیا جانیں۔

پیرمرد: اچھا ایک بنگالی بابو کے ناول کو ملاحظہ فرمائیے۔

بیشتر قصص و حکایاتِ زبانِ اُردو، مرقومۂ کتب متقدمین میری نگاہ سے گزرے۔ لیکن اکثر حالات خلافِ قیاس و مبتدا مخالفِ عقل، خبر غیر مناسب و مضمون لاف گزاف ہے۔ بعض میں بیانِ فحش صاف صاف ہے، جو سوائے ناقص خیالات کے دوسرا نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔

پیرمرد: (نستعلیق) معلوم ہوتا ہے۔

شہسوار: زبان صاف ہے اور بنگالی سے ہزار غنیمت۔

یہ درست ہے کہ متقدمین عالی طبع نے کوئی امر خالی از فائدہ موضوع نہیں فرمایا ہے۔ لیکن افسانۂ و حکایات اس کا نام ہے، جس کے ملاحظہ سے ناظرین قوت تجربہ و نازک خیالی سے ممتاز ہوں اور شائقین استفادہ بلند پروازی عقل و ادراک سے سرفراز ہوں۔ بالخصوص اس کے لیے زورِ علمی و عقلی درکار ہے۔ بے اعانت علم و عقل انتظام اس کا خیلے دشوار ہے۔ نہ اینکہ ایک دیو لکڑی کے گھوڑے پر سوار آیا، اور وہ گھوڑا نہایت حسین پری ہو گیا۔ اور ایک شہزادہ اس کا عاشقِ زار ہوا۔ شہزادے نے بقوتِ انسانی دیو کو ہلاک کیا۔ اس اثنا میں غفلت پا کر دوسرا دیو اس پری کو اٹھالے گیا۔ بر رنج مفارقت اس کے شہزادہ جان بلب ہوا۔ تب پری نے خواب دکھلایا۔

ع۔ مرتی ہوں تیرے ہجر میں اے یار خبر لے۔

انصاف فرمائیے اس سے سامعین کو کیا فائدہ ہے اور کون زور علمی یا عقلی اس سے مترشح ہے جو پسند خاطرِ ارباب لیاقت ہو۔ عبارت مندرجہ بالا سے اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید مفہوم ظاہری اس کا خلافِ طبیعت ناظرین ہو۔ بلکہ عجب نہیں ہے کہ ناگوار خاطرِ شائقین ہو۔

شہسوار: مگر زبان دان کا کلام نہیں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لہذا بنظرِ دفع دخل اس کے موئف منشائے مافی الضمیر اپنا ظاہر کرتا ہے اور اپنی غرض خاص سے ہر منصف مزاج کو ماہر کرتا ہے۔ یعنی عیاذاً باللہ۔ اس حقیر نے متقدمین جامع فضل وکمالات ومخزنِ رفعت وجلال کی مذمت نہیں کی ہے۔ اور نہ وجہے من الوجوہ بیان فیض ترجمان، حضرات محتشم الیہم لائق ہجو قرار پا سکتا بلکہ اکثر ارباب فضیلت مآب مثل جناب مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور پنڈت دیا شنکر صاحب نسیمؔ ومیر حسن صاحبؒ کے واقعی ان حضرات نے بزورِ خامہ وزرین خامۂ اپنے بحرِ زخّارِ ذکاوت ولیاقت دریائے مواجِ رفعت ولطافت اس زور وشور سے جاری کیا ہے، کہ نغمہ سنجی عندلیب ہزار داستان، اور زمزمہ پردازی طوطی شکر بیان، ان کے مقابلے میں بےحقیقت محض ہے۔ جس حد تک اعتقاد مستحکم شاہد لیاقت وکمالاتِ حضرات موصوف الذکر ہے، شاید اس مرتبہ تک دوسرے ارباب مدح وثنا مداحئ دادِ سخن میں قاصر ہوں گے۔ حضرات واجب الثنا کی نثر ونظم ومضمون تراشی مثل ورکنون بےمثل وبےجواب ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی شخص دعوئ مساوات کر سکے یا راہ ہمسری میں قدم رکھ سکے بلکہ کمال خوش اعتقادی نحیف کا مقولہ ہے کہ بغیر مدد واعانت کلام اصحاب ممدوح آستان اس زمانہ میں قلم اٹھانا دشوار ہے۔ لیکن مغزِ سخن یہ ہے کہ ان اصحاب لیاقت وارباب ذکاوت نے بہ تقدم گہر ریزی سلک عبارت آرائی وفکرِ صنائع وبدائع اشعار نازک خیالی اصل مضمون کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ بغواصی بحر حکایات محتشم الیہم سوائے نادرات، وکمالاتِ نثر ونظم کے گوہر مضموں ہاتھ نہیں آتا۔ اور ترجمہ ہذا جواہر نازک خیالی، اور آبداری مضامین عالی سے مرصّع ہے۔ لیاقتِ عبارت آرائی اور بندشِ صنائع وبدائع خاص اُن کا کام تھا، جس کو وہ ختم کر گیے۔

ع۔ اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے۔

پیرمرد: سُبحان اللہ سُبحان اللہ۔ واہ واہ

شہسوار: یہ تو کوئی اُستاد زبان دان ہے۔

الحاصل محض بہ آراستگی کیفیتِ لطافتِ خیالات وصنعت مضامینِ نادرات، کے یہ طریقہ افسانہ جدید ہے۔ نظر بران بخدمات شایقینِ عالی طبع التماس ہے، کہ ہنگام ملاحظہ فسانہ ہذا۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ یادداشت کامل مضامین متعلقہ داستان ہائے ابتدائی جہاں تک آغاز ہر بیانات کا فرداً فرداً مذکور ہے، ونیز بہ نقش خاطر اسمائے متذکرہ عباراتِ مندرجۂ کتاب لذت مضامین داستانہائے جزیہ وانتہائیہ سے حظِ وافر ولطفِ خاطر اٹھائیں۔ جن حضرات کو ملاحظہ داستان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چند، حصول نتیجہ دخل دقیقہ کی خواہش ہو، ان کو لطف اس کا مطلق حاصل نہ ہوگا، چونکہ ترکیب بیان فسانۂ ہٰذا نئی ہے۔ لہٰذا اکثر مقامات پر شرح بطریق نوٹ صفحات متعلقہ میں بنظر تسہیل ناظرین لکھے ہیں۔ و بغرض عجلت تالیف جانب ترتیب عبارت کوشش بلیغ نہیں کی گئی ہے۔ امید ہے کہ شایقین محض بتوجہ لطافت مضامین گوناگوں و نفاست کوائفِ بوقلموں، افسانۂ ہٰذا کی صنعتِ عبارت نظر انداز فرماویں گے۔ اس لیے کہ تحریر ترجمۂ صحیح بدیانت منظور خاطرِ حقیر تھی۔ لہٰذا بپابندی ترجمۂ صحیحہ، عبارت آرائی ناگزیر تھی۔ مگر ارادہ حقیر کا ہے، کہ بشرطِ مقبولی اربابِ طبیعت انشاءاللہ تعالےٰ آیندہ ایسے ہی قصصِ نادرہ وغیرہ معروفہ تالیف و طبع کر کے نذرِ شایقین کرے۔ لہٰذا جہد وسعی عبارت منحصر بر آیندہ کے ہے۔ بلکہ بعد تالیف فسانۂ ہٰذا و غدغۂ ہیچمدانی سلیقہ تحریر سے جرأتِ طبع بر سر قصور تھی۔ و خدشہ بے بضاعتی فن تسطیر سے خواہشِ اعلان معذور تھی۔ لیکن اربابِ فضیلت و ذکاوت نے جلسۂ عام میں ابتدا سے آخر تک مسلّم کتاب سماعت فرما کر بہ آراستگی خلعتِ مقبولی و پسندیدگی خاطر زیب و زینت بخشی، و بعض اصحابِ فضیلت و لیاقت مآب نے اپنی اپنی تقریظیں، خاتمہ کتاب پر مزیّن فرمائیں۔ لہٰذا بالتماس معافی کسی غلطی کے رغبت طبع ہوئی۔ نحیف بے بضاعت بہ نسبت کیفیت تالیف کے اپنی رائے کچھ نہیں لکھ سکتا۔ بملاحظہ مضامین تقریظِ تصریح کیفیت تالیف واضح خاطر شایقین ہوگی۔ واللہ المستعان۔

شدند باہم، چو ہر دو ہمدم پس از حصولِ مراد خاطر
کشودِ ابواب رازِ پنہاں بہ یکدگر گشت حالِ ظاہر
دمے کہ بشنید رازِ مخفی ز فرطِ خجلت نماند ہوشی
کہ کردہ بودی جفای بیحد بہ محرم راز و سر فروشی
بگفت اے رشک مہ جبیناں و فخر بانوی شہریاراں
نبودہ ام آشنای حالش کہ ہست لطف بہ او فراواں

امیدِ عفوِ گناہ دارم چرا کہ در جرم خود اسیرم
اگر بہ شادی عوض شمارند خدمتش فرضِ عین گیرم

اس عبارت کو سنیے!

ہم نے راحت بھی اگر پائی تو ایک آن کی آن
اخترِ بخت جو چمکا بھی تو جگنو کی طرح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاکیانِ وصل یابی زبان قلیل۔ دَرادِیانِ تحمّل شداید و خوارد و لیل مظہرانِ مسافرت منازلِ غربت و کاشفانِ راہروی طریق درد و مصیبت بہ اظہارِ حالات عجیبہ یوں گویا ہوتے ہیں۔ ہیم چند نے مرنالنی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ بمقابلہ یک دیگر کھڑے ہوئے۔ الحمدُ للہ اتنی مصیبت کے بعد دونوں کی یکجائی ہوئی۔ وہ روزِ سیاہ قابل یاد ہے۔ جب کہ یہ کیفیت پیش نظر تھی، کہ لبِ دریا چمن آب نیلگوں کی لہروں میں عکس نجوم فلک پڑتا تھا، اور مولسری کا درخت دونوں پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ باہم آبدیدہ ہو کر جدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد آج دوچار ہوئے۔ موسم تابستان اور زمستان وسرما بسر ہوئے، یہ کون حساب میں ہے۔ ان دونوں طالب و مطلوب کے نزدیک تو کتنی مدتیں دراز جدائی کی گزری تھیں، جس کا شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ اب شبِ وصل میں کنارہ تالاب آب صفا پر جس کے ہر چار جانب درختاں گنجان، سایہ کنان اور ان کی شاخیں باہم گر پیوستہ تھیں، یہاں تک کہ نگاہ کا دخل بھی نہ ہوتا تھا۔ آب تالاب پارۂ زمرد نظر آتا تھا۔ سپہر دوّار پر ماہ و سیارے عنداں تھے۔ شعاعِ مہتاب شجر و بیل شجر اور زینہ تالاب اور آب نیلگوں پر پڑتی تھی۔ یعنی چاندنی پھیلی تھی۔ ایک سنسان سا عالم تھا۔

شہسوار: یہ رباعی سنیئے گا۔

ستم زغمِ عشق گو مستم مستم — دل در طلب وصلِ تو بستم بستم
گویند مرا عاشق بدنام توئی — منکر نتوان بود کہ ہستم ہستم

پیر مرد: اجی رباعی تو سنیں گے مگر اس مصنف کی تعریف تو کیجیے کہ بنگالی اور یہ زبان۔

لب جُو ماہ رخی سیم تنی را دیدم — در چمن سرو قدی گل بدنی را دیدم
کرد تقریر چنان بوالعجبی گشت مرا — نیز چون صاعقہ توبہ شکنی را دیدم

گل بدنانِ رشک حور و غلمان و سیم تنانِ غیرت وہ نیر تاباں کیفیت تقریر عجب آمیز دل ربائی ہیما یوں بیان کرتے ہیں۔

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی

محرزبانِ دائرہ سلطنت، و آتش زنانِ تازگی زراعت کور نمکانِ اقتدار آقا و سر پرست و محسن کشاں روسیاہ دتھی دستِ دام مکر و زور یوں بچھاتے ہیں۔

پہونچا جو حریف مٹھ کے اندر
دیکھی اک صورت گل تر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بانیانِ بنیادِ فساد و مکاران عالم ایجاد، حالِ سازش وتملق کو توال سن کر اس طرح محفوظ ہوتے ہیں جب محمد علی اٹھ کر نظر سے غائب ہوا۔ ایک دوسرے شخص نے اسی دروازے پر آ کر آہستہ پوچھا۔ اندر حاضر ہوں۔

باسیہ دل چہ سُود گفتن وَعظ
نرود میخ آہنی دَرسَنگ

مانعانِ نقائصِ روزگا، ورہ نمایانِ گلستاں صدا بہار، رخنہ پندانِ معاملات شرارت، وآقا کشی وہادیانِ طریق شرافت وعالی نسبی یوں فرماتے ہیں۔

صلا نشد بلا شد

محبوسان بے جُرم وگناہ، وغریب نوازانِ ذی قدر و عالی جاہ، حال اپنی نظر بندی کا بزبانِ مجبوری اس طرح بیان کرتے ہیں۔

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

ناجیان حبس بیجا، وخلاص یافتگانِ احاطہ ظلم وجفا حال رہائی قید ناحقہ اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

رسیدہ بود بلائے ولی بخیر گزشت

جنگ آزمایانِ عساکرِ دلاوری وشجاعت وقاتلانِ اعدائے جامع ظلم، وشقاوت حال مقابلہ شاہزادہ ہیم چند یوں بیان کرتے ہیں۔

گلُ چین کا جو اب پتا ملا ہے
یوں شاخِ قلم سے گل کھلا ہے

سراغ یافتگان معشوق گم گشتہ وپنہاں، ووصلت طلبان، محبوبہ رشک حور وغلمان رویت کنندگان ماہ فلک ومسخراّن فوق ثریّا تا سمک کیفیت ایصال ومشاہدہ معشوق اس طرح لکھتے ہیں۔

بلا جوڑے کی بندش اور قیامت قد بالا ہے
غضب چتون ستم مکھڑا بدن سانچے میں ڈھلا ہے

دروازہ مندر سے جو پر تو چراغ طلائی سے جگمگا رہا تھا۔ اور اسی جانب سے عکس ماہ درخشاں بھی جلوہ افروزِ مندر تھا۔ بمشاہدہ جمالِ عارضِ عالم تاب منور ما طبیعت پشوپتی کی مثل موجہائے سمندر لہرا اٹھی۔ در اصل منور ما کوتاہ قامت نہ تھی لیکن ابن ہمہ وہ قلیل العمر اس وجہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معلوم ہوتی تھی کہ عارضِ تاباں اس کا نہایت ملیح اور پیارا، اور صدائے ہوش ربا، بغایت حلاوت انگیز تھی۔ بیان مفصل اس کا خیرِ امکان سے باہر ہے۔ مزاج میں سادگی و بچپن بدرجہ غایت تھا۔ پس اگر ان علامات سے شاہزادہ ہیم چند نے عمر اس دل ربا کی پندرہ برس تشخیص کی تو کیا بیجا ہے۔ باہمہ عمر اس کی پندرہ یا سولہ سال یا کسی قدر کم و بیش رہی ہو۔ قد و قصر اس کا مؤرخ بلاغت شیم نے ترقیم نہیں کیا۔ ناظرین شایقین بطورِ خود تجویز فرمالیں۔ المختصر اندازہ عمر منور رما جو کچھ ہو ذخیرہ حسنِ عدیم المثال رشکِ بدر غیرتِ ہلال اس کا ایسا بیحد و بے حساب تھا کہ نگاہِ ناظرین میں گنجایش اس کی غیر ممکن تھی اس لیے کہ حسن عابد کش، زاہد فریب، منور یلا ایسا لاثانی اور عدیم النظیر تھا کہ عالم شباب و لڑکپن میں کسی کو دک اور برنا کو نصیب ہونا خیلے دشوار، بلکہ غیر ممکن ہے۔ اگر رنگت گل یاسمن کی کہ ہنگامِ عکسِ مہتاب زیادہ پر لطف ہوتی ہے، رنگ حسینہ دل آویز سے تشبیہ دوں، اور بچہ ہائے افعی کو موئے سر معشوقہ لکھوں اور لوح مصفّا پیشانی کو نصف قمر کہوں۔ ابروئے عارضِ جانان کو موجہائے کمان کیش صفحہ آب سے مقابل کروں۔ سواد سیمابی زنبور سیاہ کو چشمہائے محبوبہ خیال کروں۔ لب یاقوتی تراوت آمیز حبیب دلنواز کو گل گلاب آلودہ شبنم باور کروں۔ عارض منوّر کو نور بخشِ ماہ تاباں بتاؤں۔ کیفیتِ گلوے خمیدہ ہنس حالتِ حفاظت انتزاع بچہ ہا کو گلوے جانِ جہاں سے نسبت دوں۔ دندانِ فیل اگر نرم و نازک ہوتے یا گل چنپا یا شعاع مہتاب سے دستہائے معشوقہ کی تعمیر مناسب سمجھوں۔ جز این نیست کہ اجزا سبب ترکیب سینہ رشک قمر وہی اجزا جس سے خمیر اس کا ہے۔ کسی دوسری شے نادر سے تشبیہ دوں۔ شہسوار اور پیر مرد سوئے تو لطیفہ گوئی سناتے ہوئے شہسوار نے لطائف و ظرائف سے پیر مرد کو خوش کر دیا۔

در تذکرۂ شمشیر خانی مرقوم است۔ بصحن دخمۂ نوشیروان کہ بر قلعہ کوہ واقع است۔ چہار سوار مسلح با شمشیر ہائے علم از طلسم تیار ساختہ اند۔ ہر گاہ شخصے مقابل آنہا آید بر و حملہ نمایند۔ مامون رشید خلیفہ بغداد بہدایت دخمہ بان کہ از دفع اذیت طلسم آگہی داشت اندرون آن دخمہ در آمد دید کہ پیکر نوشیرواں بر تخت مرصّع نشستہ و جملہ اعضایش سالم گر لباسش بکہنگی رسیدہ مامون رشید لباس تازہ بمشک و عنبر معطّر کردہ بآن قالب بیجان پوشانیدہ، دران حالت دید کہ زیر زانوے نوشیروان لوحی از طلاست۔ دران لوح نوشتہ اند، کہ یکے از اعمامِ پیغمبر آخر الزّماں بزیارت ما رسیدہ لباس لطیف و معطّر خواہد پوشانید و آن وقت قالب بیجان ما بتواضع ادا اقدام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نتواند نمود۔ لہٰذا فلاں جانب این خمہ گنجے برائے ضیافت او ودیعت نہادہ ام۔ بصرف خود در آرد و مارا معذور دارد۔ ماموں رشید گنج شایگان از آنجا برداشت۔ گویند کہ دولتِ بنی عباس بدولتِ آن گنج بے قیاس بود۔

اتنے میں مینھ پڑنے لگا۔ دونوں آدمی کوٹھری کے اندر چارپائی لے گیے۔

در جہاں گیر نامہ مرقوم است کہ مرتضےٰ خاں ناظمِ گجرات انگشتری کہ حلقہ و خانہ نگین و نگینش ہمہ از یک قطعہ لعل بے بہا بود۔ دوزن یک مثقال و پانزدہ سرخ داشت۔ بحضرت سلطانی برسم پیش کش فرستادہ بود خیلے مطبوعِ طبع ہمایوں افتاد کہ مثلش در خزانہ پادشاہی نہ بود۔

پیر مرد: کیا عجب ہے۔ ہو گا۔

شہسوار: دیکھیے کیا خوب جواب دیا ہے۔

روزے بعضے از ہوا خواہاں، بحضرت نوشیروان عرض کردند کہ متصدیان و کارپرداز ان تو اول بہ نفع خود سعی می کنند آن گاہ بہ نفع تو خوض می نمایند گفت این عجب نیست۔ زمین خشک تا از آب سیراب شود آب از انجا جاری و روان نگردد۔

پیر مرد: بچوں سے محبت رکھنا چاہیئے۔

شہسوار: رسول مقبول بھی از حد محبت رکھتے تھے۔ لکھا ہے: در اخبار آمدہ، کہ روزے حضرت امام حسن علیہ السلام در عہد طفولیت۔ حضرت رسول را گفت کہ اے جدِ بزرگواری خواہم کہ بر شترے سواری کنم و ہر طرف برانم۔ حضرت فرمودند چگونہ باشد اگر من شتر تو شدم۔ امام حسن گفت بغایت نیکو باشد۔ پس آنحضرت آن جناب را بر دوش مبارکِ خود نشاندو از ین گوشہ حجرہ بدان گوشہ میرفت۔ دران حالت آں جناب گفت۔ اے جدّ بزرگوار شتران را مہارے باشد و شتر من مہار ندارد۔ آن حضرت ہر دو گیسوے مبارک خود، بدست آن جناب داد و فرمود کہ این موہا مہار شتر تو باشد پس آن جناب گفت۔ اے جدّ بزرگوار شتران آواز بردارند، وعف کنند و شتر من عف نمی کند۔ آنحضرت را ازین سخن کیفیت عظیم رو نمود۔ آواز برداشت کہ عفو درین وقت جبرئیل علیہ السلام نازل شدہ گفت، یارسول اللہ زبان خود نگہدار بیک عفو گفتن تو دریائے رحمت بہ جوش آمدہ۔ اگر یک بار دیگر عفو گوئی خلق اوّلین و آخرین ہمہ از عذاب نجات یابند و طبقاتِ دوزخ ہمچنان خالی بمانند

پیر مرد: ایک لطیفہ رابعہ بصری کا مشہور ہے اگر یاد ہو تو سناؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : سنیے؟
بعضے از ظریفان بصرہ نزد رابعہ بصری رفتند و گفتند کہ اے رابعہ ایزد تقدس و تعالٰے مردان را سہ فضیلت بخشیدہ کہ زنان ازان محروم اند۔ اول این کہ مردان کامل العقل اند۔ و زنان ناقص العقل۔ ازین جہت شہادتِ دو زن برابر یک مرد است۔ دوم آنکہ زنان ناقص الدین اند۔ زیراکہ بہر ماہے بعلّت حیض از نماز و روزہ باز مانند۔ سوم این کہ ہیچ زنی بہ پیغمبری نرسیدہ۔ رابعہ گفت، است است۔ امّا زنان را سہ فضیلت است کہ مردان را ازان بہیرہ نیست اوّل آنکہ درمیان انسان مخنّث نیست۔ دوم آنکہ ہیچ زنی دعویٰ خدائی نکرد۔ سوم آنکہ ہمہ انبیا و اولیا بطن زنان برآمدہ اند۔

پیر مرد : آدمی کیا لغت ہو۔

شہسوار : لغت سے کیا واسطہ۔ خیر ایک اور لطیفہ سُنیے۔
ابلہے بصحرا بانگ نماز می گفت و فی الفور دُور می رفت و گوش می داشت ازو پرسیدند کہ این چہ کار می کنی۔ گفت مردمان بر آوازِ مرا ازو در خوش آیند می گویند من بانگ صلوٰۃ مید ہم۔ و دور میردم تا آوازِ خود را از دور بشنوم کہ راست می گویند یا دروغ۔

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

خواجہ غلامی را بطلبِ انگور فرستاد، غلام بدیر باز آمد و انگور آورد خواجہ غلام را تہدید کرد و گفت کہ ہرگاہ ترا بیک کار فرستم باید کہ یکبارگی چند کارہا مرا انجام دہی و زود باز آئی۔ پس از چندے خواجہ بیمار شد۔ غلام را گفت کہ برو طبیبے حاضر کن۔ غلام رفت و چند کسان را ز و دبا خود آورد۔ خواجہ پرسید کہ این مردمان چرا آمدند۔ گفت اے خواجہ آن روز فرمودی کہ چون بیک کار اشارت کنم باید کہ چند کارہا بعجلت تمام سرانجام دہی۔ بحکم تو بدین فرصت قلیل چند کارہا سرانجام دادہ ام۔ یعنی طبیب را آوردہ ام تا علاج کند و مطربے را آوردہ ام کہ اگر صحت شود نغمہ سراید و غسالی آوردہ ام کہ اگر بمیری ترا غسل دہد و شاعرے آوردہ ام تا مرثیہ موزوں کند و نوحہ گری نماید و گورکنے آوردہ ام کہ مرقد تو تیار کند و حافظے آوردہ ام تا بر بالین تربت تو ختم کلام مجید کند۔

پیر مرد : اچھا دریا کا لطیفہ تو کوئی فرمائیے!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : بہت خوب ابھی سنیے!

اعرابی بحکمۂ قاضی برائے کسے گواہی داد۔ عاملیہ خواست کہ گواہی آورد کند گفت ای قاضی این عرب ہرگز نماز نگزارده گواہی او چگونہ معتبری پندای۔ عرب گفت۔ دروغ می گوئی فلاں تاریخ حج گزارده ام و مناسک حج بجا آورده قاضی گفت اگر راست می گوئی نشان ده کہ زمزم کجاست۔ گفت پیر مردیست در عرفات نشستہ۔ قاضی گفت اے جاہل زمزم چاہے است و عرفات صحرا نیست۔ عرب گفت در حالتیکہ من بحج رفتم چاه در انجا نبود و عرفات باغے پُر از انواعِ شقائق دریا مین بود اکنون بمرور زماں ہم چنین بوده باشد۔

پیر مرد : خوب جواب دیا۔ خوش گفتہ۔

شہسوار : خوش گفت بلکہ دُر سُفت۔

ابو منصور را پرسیدند کہ چون بصحرائے لق و دق برائے آب برویم رو بکدام سمت کنیم گفت رو بہ جامہ ہائے خود کنید تا وزد جامہ ہا رانہ بردو شما برہنہ نشوید۔

پیر مرد : اے سبحان اللہ۔

شہسوار : ایک لطیفہ اور سنیے۔

از حکیمے پرسیدند چہ گوئی در حقِ نکاح۔ گفت یک ماہ شادمانی است و بعد ازاں اندوه جاودانی۔

پیر مرد : حق بات کہی۔

شہسوار : یہ لطیفہ نئے مضمون کا ہے سُنیے۔

حکیمے گفتہ است کہ تا من مجرّد بودم کدخدایان گنگ بودند کہ مرا براخرا بہائے کدخدائی مطلع نکردند اکنون کہ من کدخدا شدم مجردان کر شدند کہ ہرگز گوش بر نصیحت من ندارند۔

گفتہ گفتہ من شرم بسیار گو
از شما یک تن نشد اسرار جو

شخصے در ایّام ماموں رشید بادشاہ دعوی نبوت نمود ماموں گفت معجزہ تو چیست ہرچہ دائی بگو و بنما۔ قفل افتاده بود ماموں گفت این را بکشا گفت دعوی نبوت کرده بودم نہ دعوی آہنگری ملک بخندید و انعام و اکرام بخشید۔

پیر مرد : اگر ہمارے ساتھ رہو تو لطف اٹھاؤ۔

شہسوار : اب کیا ساتھ چھوڑوں گا بھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شخصے دعویٰ خدائی کرد اور ابپیش خلیفہ آوردند۔ خلیفہ گفت کہ تال دیگبر این جا شخصے آمدہ بود کہ دعوی پیغمبری کردہ من اور ا بردار کردم گفت کہ خوب کردی کہ من نفرستادہ بودم۔

پیرمرد: عجیب بات ہے۔

شہسوار: ایسے ایسے بھی لوگ دنیا میں تھے۔

اعرابی در راہ میرفت، جامہ افتادہ دید برداشت، وآن ازار بودندانست کہ چہ کند ہر دو دست ور ہردو پاپچہ انداخت وسر اندرون ازار بیند اخت وگفت کہ مرا معلوم نند کہ جامہ نیست پیراہن سرطان ست۔

عورتِ بدقطع کی نسبت ایک لطیفہ گو نے خوب کہا ہے۔ واللہ سنو گے تو پھڑک جاؤ گے۔

شخصے صاحبِ جمال زنی داشت، قبیح و بدشکل، روزی بازن خود گفت کہ من وتو ہردو بہشتی ام زن گفت۔ بچہ دلیل، مرد گفت من ہرگاہ ترا می بینم صبر می کنم وتو ہرگاہ مرا می بینی شکر می گوئی۔ پس صابر وشاکر ہردو بہشتی اند۔ اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ وَالشَّاکِرِیْن۔

پیرمرد: حق ہے۔ اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِیْن وَالشَّاکِرِیْن۔

شہسوار: اور صابر کا بڑا درجہ ہے۔

شیخ شبلی براہ می رفت، نازنینی برہنہ سر بربام ایستادہ بود۔ شیخ گفت۔ اے دختر سرپوش، دختر گفت اے مرد چشم بپوش۔ شیخ گفت۔ من عاشق ام عاشق چشم نمی پوشد۔ دختر گفت۔ من مستانہ ام مستانہ سر نمی پوشد۔ فی الحال این شعر بخواند۔

این موی نیست بر سرمن بلکہ خارِ عشق
درپاے من خلیدہ واز سربرآمدہ

شیخ شنید وجان بحق تسلیم نمود۔ اِنَّا لِلہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن۔

نکتہ

دانارا باید کہ خود را نادان شمار، کرد آنچہ ندانند بہ آموختن آن انکار نکند وعار نکند۔

آن کس کہ بداند وبداند کہ نداند
اسپ طرب خویش بہ افلاک رساند
وآن کس کہ بداند وبداند کہ نداند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان ہم ضرکِ کنگ. بمنزل برساند
وآنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکبّ اَبدُ الدّہر بماند

پیرمرد: اب رباعی سُنیئے!

سرمد گلہ جو نشد نکو شد کہ نشد — لب بیہدہ گو نشد نکو شد کہ نشد
منّت کشِ چرخ میشدی آخرکار — کاری کہ نکو نشد نکو شد کہ نشد

شہسوار: عمر خیّام کا خیال اچھا تھا۔

مرغی دیدم نشستہ برپارۂ طوس — درپیش نہادہ کلۂ کیکاؤس
با کلّہ ہمی گفت کافسوس افسوس — کو بانگِ جرسہا زکجانالۂ کوُس

پیرمرد: کیا خوب فرمایا ہے۔

سدمدا گرشؔ وفاست خودمی آید — گرآمدنش رواست خودمی آید
بیہودہ چرادرپی او می گردی — بنیشیں تواگر خداست خودمی اید

شہسوار: ذرا اس رباعی کو سنیئے۔

ناازعَدَمِ عازمِ دنیا کردی — در ملکِ وجود بادہ پیما کردی
پوشیدہ زخلق بود عیب وہنرم — پیدا کردی وسخت رسوا کردی

پیرمرد: سچّا کلام ہے۔

سرمد غمِ عشق بُوالہوس راند ہند — سُوزِ دل پروانہ مگس راند ہند
عمری باید کہ بار آید بہ کنار — این دولتِ سرمد ہمہ کس راند ہند

شہسوار: یہ بھی سچّا کلام ہے۔

اسرارِ ازَل رانہ تو دانی ونہ من — این حرفِ معمّانہ توخوانی ونہ من
ہست ازپس پردہ گفتگوی من وتو — چون بر ماقتدنہ تونانی ونہ من

پیرمرد: جو کچھ فرمایا خوب فرمایا ہے۔

سرمد غمِ عشق رابشادی ندہی
دردی الگدت ہست منادی ندہی
صدبار اگر شود مرادتست حاصل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زنہار زدست نامرادی ندہی

شہسوار : یہ رباعی شراب خوار بہت پسند کرتے ہیں۔

آمد سحری خطاب ومیخانہ ما — کای رند خراباتی ودیوانہ ما
برخیز کہ پر کنیم پیمانہ مے — زان پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

پیر مرد : رندانہ کلام ہے۔

زاہد بہ نماز و روزہ ضبطے دارد
عاشق بمے شبینہ ربطے دارد
معلوم نشد کہ یار مشغول بکیست
ہرکس بخیالِ خویش خبطے دارد

شہسوار : میر درد کا کلام ہے۔

در موسم پیری کہ سفر در وطن ست — ہر روز چو آب کاہش جان وتن ست
زین پیش، بصد رنگ سخن میگفتم — اکنون ای دَرد دَر خموشی سخن ست

پیر مرد : حق کہا ہے۔

گیرم کہ سریرت زسمور و پشم است
سنگش داند ہرآنکہ اورا چشم است
کین مسندِ قاقم و سمّور سنجاب
در دیدہ بوریا نشینان چشم است

شہسوار : یہ بھی سننے کے لائق ہے۔

در مذہبِ کفر سرفرازم کردی — در ششدرِ عشق نرد بازم کردی
یک نقش زدی بہ تختۂ ہستی من — ایمان بردی و پاک بازم کردی

پیر مرد : اور سنیے !

دل مغز حقیقت ست وتن پوست بہ بین
در کسوتِ پوست جلوۂ دوست بہ بین
ہر چیز کہ آن نشان ہستی دارد
یا پرتو روی اوست یا اوست بہ بین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار : واہ' وا واہ۔

از شبنمِ عشق خاک آدم گل شد — شوری بر خاست فتنۂ حاصل شد
چون نشترِ عشق بر رگِ روح زوند — یک قطرہ از و چکید نامش دل شد

پیرمرد : یہ غزل سنیے!

گفتم خمِ دامِ بلا گفتا سرِ گیسوی من
گفتم دمِ تیغ قضا گفتا خمِ ابروی من
گفتم کہ خون کردی دلم گفتا ہمین کارمنست
گفتم زدی آتش بجان گفتا کہ ہست این خوئ من
گفتم کہ ماہِ آسمان گفتا کہ روئے روشنم
گفتم کہ سروِ گلستان گفتا قدِ دل جوی من
گفتم کہ در عالم عیان کرداست سحرِ سامری
گفتا نگاہِ کافراین نرگسِ جادوی من
گفتم چہ نام تو بود گفتا کہ شاہ دلبران
گفتم کہ خسرو کیست گفتا گدائے کوی من

شہسوار نے پیرمرد سے کہا کہ ہم برسوں تک علماء کی صحبت میں باریاب رہے ہیں۔ کوئی علم ایسا نہیں جس سے ہم واقف نہ ہوں۔ پیرمرد نے کہا کہ یہ ہوا جو ہم سب کو نظر آتی ہے کیا شے ہے۔

شہسوار نے یوں جواب دیا۔

کرہ ہوا جس کو حکماء طبیعات کائنات الجو کہتے ہیں' چوطرفہ زمین کو محیط ہے' اور اس کی حرکت حولیہ کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس کی حرکت حولیہ کے سبب سے کرہ شمس کے گرد بھی اس کے ساتھ ساتھ گھومتا ہے۔ ہوا بدرجہ نہایت سیال اور لچک دار ہے۔ حتیٰ کہ ذرا ہی سی حرکت سے اس میں بڑی دور تک جنبش ہو جاتی ہے۔ چاہے کیسا ہی بڑا کمرہ کیوں نہ ہو' عموماً دو ایک پنکھے اور دو ایک قلمی ان سب کو ہوادار کر دیتے ہیں' کیونکہ اس کے اجزا میں قوت اتصال بہت کم ہے۔ کیونکہ یہ جسم لطیف ہے۔ اس سبب سے اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہم چوطرفہ ہوا سے گھرے ہیں۔ اگر سخت ہوتا تو ہم کو اٹھنے میں' بیٹھنے میں' چلنے میں' پھرنے میں' لکھنے میں' ہلنے میں' اس کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا۔ اور اس کے خرق اور التیام میں' اور اجسام سخت کی طرح بڑی دقت واقع ہوتی۔ پانی اور زمین کی نسبت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہیں زیادہ سبک ہے۔ اور قاعدۂ کلیہ ہے کہ اشیائے سبک وزنی چیزوں کے اوپر رہتی ہیں۔ مثلاً کٹر وف گلی جو پانی سے ہلکے ہیں۔ ہمیشہ سطح آب پر تیرا کرتے ہیں۔ اگر پانی کی نسبت پتھر کی طرح وزنی ہوتے تو ڈوب جاتے کیونکہ پتھر بھاری ہونے کی وجہ سے پانی میں غرق ہو کر تہ تک پہونچ جاتا ہے، اس سے صریحی نتیجہ نکلا کہ ہوا ہمیشہ سطح آب پر تیرا کرتی ہے، اور زمین کے اوپر رہتی ہے۔ ڈاکٹر ٹامسن جو علم کمسٹری میں ید طولیٰ رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہوا پانی سے ۸۱۶ حصے اور پارے سے ...۱۱ حصے سبک ہے۔ اگر مینار پر کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے پتھر اور دوسرے ہاتھ سے کاغذ کا تختہ ایک ہی وقت میں زمین پر پھینکو تو پتھر پہلے گرے گا اور کاغذ پیچھے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ پتھر کاغذ سے بھاری ہے، اور اپنے زور سے ہوا کو ہٹا دیتا ہے مگر کاغذ اس زور سے ہوا کو نہیں ہٹا سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہوا سب کی سب اوپر ہی کیوں نہیں چلی جاتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین اس کو اپنی قوت کشش سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔

رصد خیر مرو: آپ نے تو خوب ثابت کیا ہے۔

اس کے بعد شہسوار نے دیوان انشا پڑھنا شروع کیا۔

غیر کے لی جو کان میں چٹکی — تم نے لی میری جان میں چٹکی
گالیاں سن کے جی میں آتا ہے — لیجے تیری زبان میں چٹکی

دو شعر اور یاد ہیں۔

بات سن کہہ کے اس کی اٹکھیلی — لیتی ہے گل کے کان میں چٹکی
لے نہ اے عشق ہر دم انشا کے — اس دل ناتواں میں چٹکی

قبرستان

مریض وہ ہوں جو درمان سے بے نصیب آیا
اجل ہنسی مری بالیں پہ جب طبیب آیا

لاکھ جتن کیے کہ مرزا ہمایوں فر کی جان نہ جائے، مگر خاک فائدہ نہ ہوا۔ جس وقت اس شہید خنجر ناز کی لاش دریا سے نکالی گئی، اردگرد تماشائی ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ ہمایوں فر کی مادر پیر کی یہ کیفیت تھی کہ آنسو آنکھوں سے جاری تھے اور حیرت کے ساتھ اپنے نوخیز اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہونہار لڑکے کو دیکھتی تھی

ڈاکٹروں پر ڈاکٹر آئے۔ اطبا، یونانی و مصرانی سب جمع تھے۔ مگر کسی سے کچھ نہ ہو سکا۔ ہوتا کیا کوئی اجل سے لڑ سکا ہے۔

درد یست اجل کہ در نیست درمان اورا
بر شاہ و گدا است حکم و فرمان اورا

نوبت باینجا رسید کہ تابوت قبرستان میں پہونچا۔

اب سنیئے کہ بڑی بیگم صاحب نے بہزار خرابی لڑکیوں کو باغ میں اپنے پاس سلایا۔ مگر حسن آرا اور گیتی آرا کی آنکھ نہ لگی۔ پہلے حسن آرا اٹھیں، ان کی آہٹ پا کر گیتی آرا بھی بیدار ہوئیں۔

حسن آرا : اس وقت اندر والا قابو میں نہیں ہے۔ کلیجہ دھڑکتا ہے۔

گیتی آرا : جب سے مردہ آیا ہے۔ ہمارا دل بھی بے قابو ہے۔

حسن آرا : کیا جانے کون بے چارہ تھا۔ اور۔

ع۔ این ماتم سخت ست کہ گویند جوان مرد

ہائے ہائے!

گیتی آرا : کوئی اس کے گھر والوں کے دل سے پوچھے۔

حسن آرا : ہائے کیا جانے ان پر کیا گزرتی ہوگی۔

حسن آرا اور گیتی آرا بے تاب ہو کر کمرے کے باہر آئیں، اور روشوں میں ٹہلنے لگیں، تو قبرستان سے طرح طرح کی آوازیں سننے میں آئیں۔ ایک شخص نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔ ہائے میرے شہزادے ہمیں کس کے سپرد کر چلا۔ دوسرے نے سمجھایا۔ بھائی صبر کرو صبر کرو۔ اَلصَّبرُ مِفتاحُ الفَرَج آیا ہے۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال
صد سال میتوان بہ تمنا گریستن

تیسرا بولا ارے یارو لاکھوں تمناؤں کا خون ہو گیا۔ ہائے وہ ناز پرور دہ گل بدن، جب اس سانحۂ نادیدنی اور واقعہ ناشنیدنی کا حال سنے گی تو اس کے قلب کا کیا حال ہوگا۔ بے ہے لاکھوں تدبیریں کیں، مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی ہیچ ہے۔

مریض وہ ہوں جو درمان سے بے نصیب آیا
اجل ہنسی مری بالیں پہ جب طبیب آیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کئی آدمیوں نے جو ہمایوں فر کی اَبدی جدائی سے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے تھے۔ اس شعر کو پڑھ کر ماتم کیا۔ بڑی دیر تک یہ درد انگیز شعر سب کے وردِ زبان تھا۔

حسن آرا : بہن کوئی ہر دلعزیز شہزادہ تھا۔ دیکھو اتنے آدمی ماتم کر رہے ہیں کیا غضب ہو گیا۔

گیتی آرا : ہمیں اس وقت در و دیوار، اور ایک ایک پتی سے موت کی شکل نظر آتی ہے۔ اُف ہے ہے۔

حسن آرا : خدا ہی خیر کرے چلیے چل کے سو رہیں۔

گیتی آرا : قدم نہیں اٹھتا۔ ہائے قدم نہیں اٹھتا۔

حسن آرا : کیا جانے مجرّد تھے یا لڑکے بالے والے تھے۔

گیتی آرا : اللہ کو علم ہے۔ مگر تھا ابھی جوان۔ جواں مرگ موا۔

حسن آرا : یہی تو سخت افسوس ہے۔ جوان آدمی تھا۔

کسی نے روتے ہوئے یہ اشعار بہ آواز بلند پڑھے۔

شمع بھاگے دیکھ کر میرے سیہ خانے کا رنگ
دیکھ کر سوزِ دلی اڑ جائے پروانے کا رنگ

تو عبث دھوتا ہے قاتل دامن گل کی روش
میرے خون کا تیرے دامن سے نہیں جانے کا رنگ

دامن گل کر دیا ہے دامن کہسار کو
ابر سیکھے آکے ہم سے اشک برسانے کا رنگ

کھیت میں تیرے شہیدوں کے جو دہقان بوئے گا
سرخ ہو جائے گا بس گرتے ہی ہر دانے کا رنگ

گیتی آرا اور حسن آرا پھر کوٹھے پر گئیں۔ دیکھا کہ قبروں پر بہت سے آدمی بیٹھے اور لیٹے ہیں۔ ایک شخص نے کفن کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

طالب نظارہ ام پردہ بر افگن ز رُخ
پیش صفِ راستان شعبدہ بازی مکن

دوسرا بولا۔

دو درم از وصال تو زندگی چہ کار آید
جان بلب نمی آید اینچہ سخت جانی ہاست

حسن آرا نے آہ سرد بھر کر با دلِ پُر درد کہا۔ بہن دیکھو تابوت پر کتنی حسرت برستی ہے۔ سینکڑوں آدمی جمع ہیں۔ مگر کیا سناٹا ہے کہ توبہ توبہ۔ جو ہے ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سپہر آرا بھی مغلانی کو لے کر پہونچی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا : اے لو اور سنو آپ بھی آئیں۔ از برای خدا تم جاؤ۔
گیتی آرا : اے ہاں تم جاؤ ابھی ڈر گئیں تھیں۔
سپہر آرا : اس بیچارے کی شادی ہوئی تھی یا نہیں۔ ہے ہے۔ جو شادی ہوئی ہوگی تو ستم ہے۔
راوی : افسوس کیسا رقت انگیز فقرہ ہے۔ وائے حسرتا۔

رفتم واندوہ ہمران ترا بردم بخاک
تا بہ بینم بے تو حال خفتگان خاک چیست

سپہر آرا کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ تھوڑی دیر میں تڑپ رہی ہوں گی۔

شب ہجر تو چون بیماری غلطم ز بے تابی
ازین پہلو بہ آن پہلو وز آن پہلو باین پہلو

ایک مرتبہ ہمایوں فر نے ایک خط میں سپہر آرا کو لکھا تھا۔

وصل تو گفتم رسد پیشترم از اجل
آہ کہ از بخت بد این نرسید آن رسید

جانِ من جانانِ من

در ہجر تو دل مطرب ماتم زدگان ست
ایّام خزاں مرغِ چمن مرثیہ خوان ست

آخر اس ہجر و فرقت کی کوئی انتہا بھی ہے۔ یا تمام عمر اسی طرح وعدے ہوں گے۔ اب صبر محال ہے۔

قانع بہ تجلّی نہ شود شائق دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلی نتوان کرد

گو اس قدر آرزو بر آئی کہ تم نے ہماری حالت زار پر رحم کر کے وعدہ کر لیا۔ مگر دل کو تشفّی کہاں۔ خدا را کوئی تدبیر بتاؤ۔ خدا وہ دن دکھائے کہ ہم دولھا تم دلہن بنو۔ دل کے حوصلے نکلیں۔ لطفِ زندگی حاصل ہو۔

شب عاشقانِ بیدل چہ شب دراز باشد
کہ زاولی شب اینجا در صبح باز باشد

اب سنیے کہ اِدھر تو ماتم ہوتا تھا اُدھر قبرستان کے شمال کی طرف ایک برات نکلی تھی۔ وہاں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ اس پر دو راہ گیروں میں باتیں ہونے لگیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک : دیکھیے دنیا کے کیا کارخانے ہیں۔ کہیں رنج کہیں خوشی۔

دوسرا : اور کیا۔

دنیا دو رنگی مکار اسرائے
کہیں خوب خوبا کہیں ہائے ہائے

رنج اور شادی دونوں انسان کے واسطے ہیں۔

اتنے میں محفل رقص و سرور آراستہ ہوئی اور گانا شروع ہوا۔ گویا کی یہ غزل گائی۔

مرے خون سے سرخ کرا و کفک تجھے ہاتھوں کے رنگ وحنا کی قسم
نہ اٹھاؤں گا تیغ تلے سے میں سر مجھے یار تیرے کف پا کی قسم

کہا لیلیٰ نے قدر شناس ہیں نہیں اپنے ہی مہر و فا کی قسم
جو ہے قیس کو غم ہے یہاں بھی الم کہو کھائیں دوبارہ خدا کی قسم

کہا لیلیٰ نے ناقہ جو چل نہ سکا یہی قیس کا بن ہے خدا کی قسم
یہ اسی ہی کے عشق کا جذب ہوا اسی وحشی بے سروپا کی قسم

کبھی باغ میں گل پہ کروں نہ نظر رخ یار کے حسن صفا کی قسم
مری نظروں میں سانپ ہے سنبل تر مجھے حلقۂ زلف رسا کی قسم

کہیں آیا نگو نہ نظر جو کبھی کہا لیلیٰ نے باد صبا سے یہی
یہی حال ہمارے ہے قیس کا بھی اسی وحشی بے سروپا کی قسم

ترے ہجر میں آئے جو مری قضا رہے باغ جناں میں بھی دھیان ترا
کسی حور کا بھائے نہ ناز و ادا مجھے تیری ہی ناز و ادا کی قسم

تھے جہاں میں عجیب نصیب کے ہم کہ سہا کیے تادم زیست الم
ہمیں کر چکے کشتۂ تیغ ستم تو وہ کھاتے ہیں جور و جفا کی قسم

تپ ہجر سے حال تھا میرا برا جو وصال ہوا تو وصال ہوا
نہ تو میں ہی رہا نہ مرض وہ رہا اسی عیسیٰ کے دست شفا کی قسم

گر ہستی سے شب جو دہ ماہ تعاویں ساقی کے ہوش رہے نہ بجا
سبو ہاتھ سے پیر مغان سے گرا اسی مست کی لغزش پا کی قسم

جو ہو نجد کے بن میں گزار مرا کہے کانٹوں سے جسم نزار مرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرو عضو ہر ایک نگار میرا تمھیں قیس کے پیرہن پا کی قسم
ہوا قیس کا جب کہ چمن میں گزر کہا شرط وفا ہے یہ بادِ سحر
کبھی دیکھوں نہ جانب سنبل تر مجھے لیلی کی زلف دوتا کی قسم
میں اکیلا پڑا ہوا روتا رہا۔ کبھی ان سے نہ خون کا قطرہ گرا
میرے زخموں نے ساتھ نہ میرا دیا مجھے ہجر کی شب کی بکا کی قسم
کبھی آیا جو اُس کا خیال ذرا مری آنکھوں کے پردے میں جاکے چھپا
نہیں دیکھی کسی میں یہ شرم وحیا مجھے یار کے شرم وحیا کی قسم
کرے بات وہ گل جو ادا سے کبھی لگے چٹکی سی بلبل زار کو بھی
کبھی چٹکی نہ کوئی چمن میں کلی مجھے اس کے دہن کی صدا کی قسم
جو چمن میں وہ لالہ عذار نہیں کسی گل پہ ذرا بھی بہار نہیں
کہیں نغمہ بلبل زار نہیں مجھے جنبشِ بادِ صبا کی قسم
دل مضطرب آہ جو کہنے میں ہو کہو سیدھی بھی بات تو ترچھی سنو
یہ سمجھ لو جو کعبہ بھی تم ہو بتو نہ کروں کبھی سجدہ خدا کی قسم
شب ماہ ہے اور چمن کی فضا لب نہر ہے اور ہے ٹھنڈی ہوا
کوئی جام شراب کا دے گویا تجھے ساقی ماہ لقا کی قسم

دوسرے خط میں ہمایوں فر نے بصد حسرت لکھا تھا۔ او ظالم۔ ذرا رحم کر۔ اب تو مہتابی پر آنا بھی چھوڑ دیا۔ یہ میری زشتی اعمال کا نتیجہ ہے۔ سپہر آرا۔ خدا گواہ ہے کہ تمھارا ذرا قصور نہیں۔

اے مرا بر زشتی اعمال نومیدی گواہ — دورم از حسن عمل چون روسپیدی از گناہ

یہ خط سپہر آرا کے پاس تھے اور ان کے اکثر کلمات جگر خراش ان کو خون رلائیں گے۔

چند آدمی باہم تقریر کرنے لگے کہ قبر اور مرقد حضور پر کیا عبارت کندہ ہو۔

ایک : تاریخ وصال ہو۔ چار مصرعہ کافی ہیں مگر ہجری سن ہو۔

دوسرا : ہوں تو پھر دس بارہ شعر سے کیا کم ہوں۔ اور سب تاریخی ہوں۔

تیسرا : یہ رباعی ضرور ہو۔

دردا کہ ز دہر با تمیزان رفتند — زین بزم چو شمع اشک ریزان رفتند
مایوسف دل را بہ کہ خواہیم فروخت — اکنون کہ ازیں مصر عزیزان رفتند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوتھا : ہم جانتے ہیں یوں نہ ہو۔

مرقد ہمایوں فر منور شہزادہ جم جاہ فلک پا ئگاہ سکندر صولت رشک سنجر حضرت۔

اس کے بعد ہمایوں کا لفظ کہنے کو تھے کہ ایک شخص نے غل مچا کر کہا۔ خدا خیر کرے۔ ایک بھائی کا تابوت ابھی رکھا ہی ہے اور دوسرے کی حالت بھی دگر گوں ہے۔

شیخ : بار خدا اُن کی بوڑھی ماں بیچاری پر رحم کرے۔

لالہ : ڈاکٹر صاحب کو فوراً بلاؤ۔ گاڑی بھجواؤ اور بلواؤ

شیخ : اس وقت حکیم کا کام ہے۔ ڈاکٹروں کی ادویہ سریع التاثیر اور کثیر المنفعت تو ہوتی نہیں مگر مسکن ادویہ ان کے پاس کہاں۔

بدلو : ہاں یہی بات ہے حضور جلدی سے جا کے گاڑی پر ڈاکٹر صاحب کو لاؤ اور دوسری گاڑی حکیم صاحب کے پاس جائے۔

سپہر آرا : معلوم ہوتا ہے دو بھائی ہیں۔ دوسرے کی طبیعت بھی بگڑی ہوئی ہے۔

حسن آرا : کہہ رہے ہیں صاف صاف۔ حکیم اور ڈاکٹر بلوائے جاتے ہیں۔

گیتی آرا : ان کی بوڑھی ماں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ ہائے۔

سپہر آرا : جو شادی ہوگئی ہے تو خرابی ہے اور اگر شادی ہونے کو تھی تو خرابی ہے۔

راوی : ہائے ستم اور یہ معلوم ہی نہیں کہ مرزا ہمایوں فر ہیں۔ خدا بخشے۔

سپہر آرا : وہ بیچاری بیوہ اپنے دل میں خدا جانے کیا کیا سوچتی ہوگی۔

حسن آرا : سوچتی کیا ہوگی۔ یہی سوچتی ہوگی کہ مر مٹے۔

اتنے میں ایک فقیر نے خلق اللہ کو مخاطب کر کے یوں نصیحت کی۔ بابا دنیا گوشتی و گذاشتی ہے۔ جائے آسایش نہیں۔ خدا کا مقبول بندہ وہ ہے جو موت سے ذرا بھی خائف نہ ہو۔ دل کے بودے اور نا تجربہ کار اور جہلا موت کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں۔ مگر ہم موت کو کھیل اور زندگی کو بازیچۂ اطفال سے کم سمجھتے ہیں۔ زندگانی امانت خدا ہے۔ اسکو اختیار ہے۔ اپنی امانت جب چاہے لے لے۔ آج خاصے ہٹے کٹے ہیں۔ کل جان آفرین کو جان شیریں سپرد کر دی۔

ع ۔ اے غافلو یہ جاں امانت خدا کی ہے۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام دہر مے کل من علیہا فان

مرگ کا اندیشہ یعنی چہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواہی کہ ترا رتبۂ ابرار رسد پسند کسے راز تو آزار رسد

از مرگ میندیش و غم رزق مخور

کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

یہ طمطراق اور جاہ و تجمّل اور شان و شوکت سب خرافات ہے۔ ایک صُوفی صافی نے خوب کہا ہے۔ بادشاہ کی طرف مخاطب ہیں۔

گیرم ہمہ ملک توچنیں خواہد بود

آفاق ترا زیرِ نگیں خواہد بود

خوش باش کہ عاقبت نصیبِ من وتو

دہ گز کفن و سہ گز زمین خواہد بود

بس دس گز کفن اور تین گز زمین اس کے سوا اور سب ہیچ ہے۔ بلکہ سہ گز زمین ہی اپنی ملک ہے۔ دس گز کفن کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ یہ تنگ ظرفوں کا کام ہے کہ ذراسی ثروت میں بھول گئے۔ پھر زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ یہ عجب و غرور خدا کو برا معلوم ہوتا ہے۔

ز حکمت بیاموزمت نکتۂ

کہ در ہر دو عالم شوی سرفراز

لباسِ طریقت چو در بر کنی

بذلت مرنج و بغرت مناز

اگر چشم بینا ہے، اور گوش شنوا ہے تو ہر شے سے انسان عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ ایک کاسے کی صدا سُنیے اور اس سے عبرت حاصل کیجیے۔

ہر کس بہ ضمیر خود صفا خواہد داد

آئینۂ خویش را جلا خواہد داد

ہر جا کہ فتادہ بود و ستش گیر

بشنو کہ ہمیں کاسہ صدا خواہد داد

اگر کوئی ہماری رائے لے تو ہم کہیں کہ سنگِ مزار پر یہ شعر ضرور کندہ ہو۔

بعزلت پا نشردم یافتم آرام جان اینجا

جہاں صحرائے محشر بود بستم آشیاں اینجا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہائے حسرت کے اشعار شعرائے ایران زمین نے خوب خوب فرمائے ہیں۔

بگریہ زادم و باگریہ از جہاں رفتم
دریں خرابہ چناں کامدم چناں رفتم

ہمارا نامۂ اعمال بالکل سیاہ ہے۔ مگر لاتقنطوا من رحمت اللہ۔ اِس سے تقویت ہوتی ہے۔ خدا مالک ہے۔ ورنہ گناہوں کی تعداد ہی نہیں ہے۔

زپرسش گنہم روز حشر آخر شد
تمسکاتِ گناہان خلق پارہ کنند

اس تقریر نے لوگوں کے دل پر بڑا اثر کیا۔

اتنے میں ڈاکٹر صاحب آئے۔ مرزا ہمایوں فر کے بھائی کی نبض دیکھی۔ کہا رنج کے سبب سے قلب بیچین ہے۔ کچھ بات نہیں ہم دوا لکھے دیتے ہیں۔ نسخہ لکھنے ہی کو تھے کہ حکیم صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے بھی نبض دیکھی۔ فرمایا نبض اچھی ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ لخلخہ سنگھائیے۔ عطرِ گل منگوائیے۔ کھیرا کاٹ کر ناک کے پاس رکھیے۔

ایک نسخہ حکیم صاحب نے بھی لکھا۔ ڈاکٹر صاحب کا نسخہ سوداگر کی کوٹھی میں بھیجا گیا۔ دوا فوراً آئی۔ پلائی گئی تو ذرا تسکین ہوئی۔

ڈاکٹر: دو گھنٹے کے بعد ایک ایک مارک دیا جائے۔
شیخ: بہت خوب حضور۔ اور اگر بیچینی زیادہ ہو۔ خدانخواستہ۔
ڈاکٹر: نہیں ہوگا۔ اب بے چینی نہ ہوگا بالکل۔
شیخ: اور حضور کیوڑا دیں۔ بھلا برف کیسی۔
ڈاکٹر: برف دو۔ کچھ ہرج نہیں۔ برف کیوڑا۔

ہمایوں فر کے بھائی نے آہستہ سے کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ اس وقت یہیں رہیے۔ جائیے نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو عذر کیا مگر مجبور ہو کر رہنا پڑا۔

فقیر نے جو مرزا ہمایوں فر کے بھائی کی علالت کی خبر پائی تو سرھانے جاکر آہستہ آہستہ کچھ پڑھا، اور یہ اشعار زبان پر لایا۔

مراکن از فروغ جلوہ ممتاز   غبارم بر ہوا خیل پری ساز
دلم را کن بہ نوعی از غمت شاد   کہ گرد و تہنیت دہ مرگ فرہاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ازیں لب تشنگی دل خستہ جاں چند   بیابان مرگ چوں ریگ رواں چند

بیا اے ابرِ رحمت بر غبارم   دماغ ہرزہ جولانی ندارم

حسن آرا، گیتی آرا اور سپہر آرا تینوں بہنیں چلی آئیں۔ اور سو رہیں۔ مگر دل بےچین تھا، اور طبیعت مضمحل۔ تھوڑی دیر میں نیند آئی اور آرام کرنے لگیں۔

شب کو سپہر آرا نے خواب میں دیکھا کہ مرزا ہمایوں فر ایک باغ میں بیٹھے ان سے باتیں کر رہے ہیں۔

ہمایوں فر: آج خدا نے یہ دن دکھایا۔ شکرِ خدا ہزار شکرِ خدا۔

سپہر آرا: کروڑوں منتیں مانیں۔ جب جا کے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

ہمایوں فر: یہ ہمارے دل کی کشش کا اثر ہے۔

سپہر آرا: واہ! یہ ہمارے جذبۂ دل نے رنگِ اثر جمایا۔

ہمایوں فر: سب سے پہلے ہمیں نے التجا کی تھی۔ یاد ہے۔؟

سپہر آرا: (مسکرا کر) تم نے دغابازی کی تھی یا التجا کی تھی۔

ہمایوں فر: اپنی بہن بن کر تم سے گلے ملے۔

سپہر آرا: بہروپیے کے بھی کان کاٹے۔

ہمایوں فر: دل قابو میں نہ تھا اور اللہ گواہ ہے، اگر نکاح نہ ہوتا تو ہمارا جنازہ ہی نکلتا۔

سپہر آرا: اے ہے۔ از برائے خدا جنازے کا نام زبان پر نہ لاؤ۔

ہمایوں فر: ایں واہ۔ آپ خیر سے ڈرپوک بھی ہیں۔

سپہر آرا: ہنسی خوشی کے وقت اچھی اچھی باتوں کا ذکر کرو۔

راوی: ہائے ستم۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ ہمایوں فر کے مقبرے کی تیاری ہو رہی ہے۔

سپہر آرا: ہمارے تمہارے نکاح کی کسی نے تاریخ بھی کہی ہے۔

راوی: نکاح کی تاریخ یوم الحساب ہے۔ یہاں تاریخ وفات کی فکر ہو رہی ہے۔

سپہر آرا: لوگوں نے کس قدر رخنہ اندازی کی، مگر اللہ کو یہ منظور تھا۔

راوی: افسوس صد افسوس! منظور تو کچھ اور ہی تھا۔

ہمایوں فر: یاد ہے۔ جب ہم نے مہتابی پر کنکوا ڈھایا تھا۔

سپہر آرا: (مسکرا کر) ایک ہی ذاتِ شریف ہیں آپ۔

ہمایوں فر: اور اُس کے اشعار بھی یاد ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

از عاشقانِ صادقت اے دلستان منم
اوّل کسی کہ بر تو خدا شد زجان منم

سپہر آرا : ہاں ہاں خوب یاد ہے ۔ اور اس دن شاید نظیر بیگم اور جانی بیگم بھی آئی تھیں ۔

ہمایوں فر : تمہاری بدولت کئی بار ہماری جان جانے کو تھی ۔

سپہر آرا : اور ہماری خبر ہی نہیں ۔ بچا ۔

ہمایوں فر : خدا ناکردہ حضور کے دشمنوں کی کب ۔

سپہر آرا : کوٹھے سے خدا جانے کون گرا تھا ۔ آپ کو خبر ہی نہیں ۔

ہمایوں فر : (کانپ کر) اُفوہ کیا برا وقت تھا چوطرفہ آگ اور بیچ میں ہم ۔

سپہر آرا : اللہ بچائے ۔ دشمن کو بھی ویسا وقت نہ دکھائے ۔ ع
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

سپہر آرا اور محمد عسکری ہاتھ میں ہاتھ دیکر باغ میں ٹہلنے لگے ۔ ہمایوں فر نے کہا اس وقت پانچ سوال کرتے ہیں ۔ پانچوں کے جواب دیجیے ۔

ہمایوں فر : ایک درخت پر پچپن چڑیاں بیٹھی ہیں ۔ زید نے گولی سر کی ۔ چودہ چڑیاں مجروح ہو کر زمین پر گر پڑیں ۔ بتاؤ درخت پر کتنی باقی رہیں ۔ ؟

2 ۔ اس وقت کون کتاب پڑھنے کو جی چاہتا ہے ۔ ؟

3 ۔ دُنیا میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ کون بدبخت ہے ۔ ؟

4 ۔ خوش قسمت کی تعریف کرو ۔ خوش نصیب کون ہے ۔ ؟

5 ۔ دنیا کو دارِ محن کیوں کہتے ہیں ۔ اس کا کیا سبب ہے ۔ ؟

ہمایوں فر کے ان پانچوں سوالوں کے جواب سپہر آرا نے یوں دیے ۔

سپہر آرا : درخت پر چودہ کم سو چڑیاں رہیں ۔ 86 ۔

ہمایوں فر : واہ ۔ 86 کیوں کر رہیں حساب کیجیے ۔

سپہر آرا : چودہ گر پڑیں ۔ سو تھیں ۔ باقی رہیں چھیاسی ۔

ہمایوں فر : غلط ہے ۔ بالکل غلط ہے ۔ چھیاسی نہیں رہیں ۔

سپہر آرا : آئیے ۔ کچھ کچھ شرط سہی ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر: سوسو اشرفیاں۔
سپہر آرا: بہتر ہے میں لے لوں گی۔
ہمایوں فر: گولی کی آواز سنتے ہی سب چڑیاں پھر سے اُڑ گئیں چھپاسی کہاں سے باقی رہیں۔
سپہر آرا: ارے، واہ اس کی سند نہیں ہم نہیں مانتے۔

ہمایوں فر کے کاندھے پر سر رکھ کر سپہر آرا کسی قدر شرما کر کہنے لگی کہ تم تو حساب کی بات پوچھتے تھے یہ کیا بات اس سے کیا ہوتا ہے۔

ہمایوں فر: خدا جانتا ہے نہ دوگی تو ہمارے تمہارے بنے گی نہیں۔
سپہر آرا: یہاں کسی نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ کیا مفت کی اشرفیاں ہیں۔
ہمایوں فر: اچھا حسن آرا بیگم اس کا فیصلہ کر دیں گی۔
سپہر آرا: خیر۔ بہتر اب دوسرا سوال کیجیے۔ کیا پوچھا تھا۔
ہمایوں فر: اس وقت کون کتاب پڑھو گی۔
سپہر آرا: عین البکا۔ اس میں حالات کربلائے معلیٰ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حال درج ہے۔
ہمایوں فر: اس وقت کوئی اور کتاب بتاؤ۔ عاشقانہ یا رنگین۔
سپہر آرا: ہماری طبیعت یہی چاہتی ہے کہ عین البکا پڑھیں۔
ہمایوں فر: بہتر ہے مگر اس میں تو جگر خراش مضمون ہیں۔
سپہر آرا: چاہے جو ہو۔

رو کر بیان یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر — اور بیٹھی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
اب اے انیس گریہ و زاری کا ہے محل — واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
حسرت کا ہو مقام جو فرصت نہ دے اجل — اب تو وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل

پیری کا اب مزہ نہ جوانی کا لطف ہے
رو مٹنے پہ شہ کے فرشتہ خوانی کا لطف ہے

یہ بھی تو تم نے پوچھا تھا نہ کہ دنیا میں سب سے زیادہ بد قسمت کون ہے۔

ہمایوں فر: ہاں۔ جس سے زیادہ مصیبت کسی پر نہ پڑی ہو۔
سپہر آرا: کنواری پاکدامن لڑکی ہو اور نکاح کے دو دن پہلے بیوہ ہو جائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر: اس کے کیا معنی۔ جب نکاح ہی نہیں ہوا تو بیوہ ہونا یعنی چہ۔
سپہر آرا: ہائے اتنا بھی نہ سمجھے۔ مطلب یہ کہ اس کو اس قدر عشق ہو کہ پھر کسی کے ساتھ شادی کا خیال ہی دل میں نہ لائے، اور بیوہ کی طرح زندگی بسر کرے۔ ایسی لڑکی سے زیادہ مصیبت اور کسی پر نہ پڑے گی اس کی آرزو کا غنچہ بن کھلے مُرجھا جائے گا۔

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مُرجھا گئے

مثلاً ہمایوں فر تم مر جاؤ اور ہم پھر کسی کے ساتھ نکاح نہ کریں۔
ہمایوں فر کا رنگ فق ہو گیا۔ کہا سپہر آرا اس وقت تم ہوش میں نہیں ہو، ہائے افسوس یہ جگر خراش کلمہ اور تمہاری زبان سے نکلے۔

صبحدم مرغِ چمن باگل نوخاستہ گفت
نازکم کن کہ دریں باغ بسی چونتو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولی
ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نگفت

گو موت ایک دن سب کو آنی ہے۔ کل من علیہا فان مگر تمہاری زبان سے ایسا کلمہ مقام حیرت ہے۔
سپہر آرا نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ دیکھو خوب یاد آیا۔ پہلے دن۔ میاں آزاد اور شہسوار سے باجی جان نے یہی سوال کیا تھا کہ اگر درخت پر اس قدر چڑیاں ہوں اور گولی سر کیجائے اور آدھی مر جائیں تو درخت پر کس قدر چڑیاں باقی رہیں مگر آزاد نے جواب بتا دیا۔
ہمایوں فر: اب بات ٹالنے سے کیا ہوتا ہے ہمارے مرنے کا ذکر تو ہو چکا خیر۔ ع

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

مرزا ہمایوں فر نے جو بار بار اسی بات کا اعادہ کیا، تو سپہر آرا بھی جھلائی اور تنگ ہو کر بولی کہ ایک بات منہ سے نکل گئی پھر اس کا بار بار چھیڑنا کیسا، اور اگر تمہارا ذکر بدی کے ساتھ تھا تو ہم بھی تو اس میں شریک تھے۔ صرف تم ہی تو نہیں تھے۔ ہم کو بھی تو اس کا خیال ہونا چاہیے۔ دیکھو اگر عاشق زار ہو تو ہمارے اس کلام کا برا ماننا خلاف عقل ہے۔ بلکہ تم نے اس بات پر ناراضی ظاہر کی ہوتی کہ ہم نے منحوس بات کہی کہ ہم اور تم میاں بیوی کی طرح کبھی نہ رہ سکیں نہ یہ کہ اپنے مرنے کا حال سُن کر بگڑ گئے۔ اے واہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر نہایت خفیف ہوئے۔ اصرار کیا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ دُنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے؟ سپہر آرا نے یوں جواب دیا۔ دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت سپہر آرا جو اس وقت اپنے پیارے ہمایوں فر سے ہم کلام ہے۔ اور صرف ہم کلام ہی نہیں بلکہ ہم — ہم کے بعد اور کچھ کہنے کو تھی کہ ایک درخت سے کالی کالی بھیانک صورت نظر آنے لگی۔ سپہر آرا کانپ کر ہمایوں فر کو لپٹ گئی۔ ہمایوں فر نے شمشیر براں تول کر گھٹنا ٹیک کر ایسا تُلا ہوا ہاتھ دیا کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد دلاسا دے کر سپہر آرا کو سمجھایا۔ اس نے آنکھ کھول دی اور ڈرتے ہوئے یوں پوچھا۔

سپہر آرا: یہ کیا تھا۔ ہائے کس خبیث نے صورت دکھائی تھی۔

ہمایوں: خدا جانتا ہے فقط خیال ہی خیال تھا۔ اُٹھو تمہیں خدا کی قسم۔

سپہر آرا: ہمایوں فر۔ ہم اس مہینے میں کئی بار ڈر چکے ہیں۔

ہمایوں فر: کیوں گھبراتی ہو۔ حُسن آرا کی بہن ہو کر اور ایسی ڈرپوک۔ سبحان اللہ!

سپہر آرا: اب اس وقت کیا کروں ہائے کیا کروں۔

انگڑائی لے کے خواب سے اُٹھا وہ دلربا
مل مل کے پشتِ دست سے آنکھوں کو یہ کہا
کیوں اماں جان خیر تو ہے تم پہ میں فدا
ہے کیا سبب کہ روتی ہو آنسو بہا بہا
کیوں آج بے حواس ہو کیوں رنگ زرد ہے
اماں خدا نخواستہ کیا دل میں درد ہے

ہمایوں فر: یہ اشعار بے محل کیوں پڑھتی ہو۔ یہ غزلخوانی و شعر خوانی کا وقت ہے! مرثیہ خوانی کا۔ اگر جی چاہے تو ایک روز مجلس کر دیں۔

سپہر آرا: اِس وقت طبیعت گھبراتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ خوب روؤں۔

ہمایوں فر: آؤ خواجہ صاحب کی ایک غزل سناؤں۔

وہ رنگ سرخ ہے کیفِ شراب سے ہوتا
ظہور لعل کا ہے آفتاب سے ہوتا
غرور حسن نے نازاں کیا انھیں ورنہ
نیاز نامہ مشرف جواب سے ہوتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نزاکتِ بدنِ نازنین یار نہ پوچھ
کمر میں درد رہا پیچ و تاب سے ہوتا
شراب تھوڑی سی پینا مناسب آپ کو ہے
ستم بہت ہے تمہارے حجاب سے ہوتا
چکور ہوتے ہیں رخسارِ یار کے صدقے
کمال ماہ ہے حُسنِ شباب سے ہوتا
قریب ہے کہ کرے آفتاب حشر طلوع
کمال تنگ ہے یوسف نقاب سے ہوتا
شراب خوار ہوں رندی سمجھ نہ سہل آتش
شنا دروں کا گذارا ہے آب سے ہوتا

سپہر آرا: ہم کو تو یہی شعر پسند ہے۔ بس اور کوئی نہیں۔

موت مانگوں تو رہے آرزوِ خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

ہمایوں فر: یہ اس وقت ماجرا کیا ہے کہ رنج اور غم اور ماتم کے سوا اور کسی قسم کے اشعار پسند ہی نہیں آتے۔

سپہر آرا: واہ۔ جب دل بھی خوش ہو۔

ظلم مردوں پر کیا مشقِ خرامِ یار نے
ہر قدم پر کاسۂ سر ٹھوکریں کھانے لگے

ہمایوں فر: چلو اب شہر چلیں۔ باغ میں تمہیں وحشت ہوتی ہے۔

سپہر آرا: اُف خدا جانے اس وقت بیٹھے بیٹھے کیا ہو گیا ہے۔

شب آدینہ بھی آتا نہیں گورِ غریباں پر
ہنوز آگہہ نہیں وہ شمع رو مسکین نوازی سے

ہمایوں فر نے کہا میر انیس صاحب کا ایک سلام سناؤں تو پھڑک جاؤ۔ ایک ایک مصرعہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لحد میں سوتے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لائی ہے مکینوں کو
یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
حسین جاتے ہیں بہر نبرد میدان میں
چڑھائے مثل ید اللہ آستینوں کو

سپہر آرا: جنگ وجدل اور قتل کا ذکر اس سلام میں نہیں ہے۔

ہمایوں فر: سب کچھ ہے۔

لگا دغا میں ٹپکتے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہ والا نے آستینوں کو

اور ایک شعر ایسا ہی سنیے۔ بلکہ اس سے بڑھا ہوا۔

فلک پہ جب ہوئی آواز ارکبوا دم صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پہ زینوں کو

اتنے میں ہمایوں فر نے کہا اُف ہمارے جگر میں اس وقت بے طور درد ہو رہا ہے۔ اور کرب زیادہ ہی ہوتا جاتا ہے چمک ہوتی ہے۔ اُف۔ اُوف۔

سپہر آرا: ہے ہے اللہ رحم کرے۔ اوئے کوئی ہے جا کے ڈاکٹر کو لاؤ۔

مغلانی: حضور چوبدار کو روانہ کر دیا۔ اور ابھی ابھی میاں محسن بگھی لے کر گئے ہیں۔

سپہر آرا: ارے کہو جلدی جائے اور ابھی اسی دم لائے ہائے دنیا کو دارِ محن اسی سبب سے کہا ہے۔ مجھ سے سوال کیا ہے کہ دُنیا کو دار محن کیوں کہتے ہیں۔

ہمایوں فر: تڑپ کر، ہائے مرا جان نکلی۔ اُف فو۔

اتنے میں ڈاکٹر صاحب آئے اور ان کے ساتھ دو شیر اور ایک گینڈا ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہی تھے کہ شیر سپہر آرا کی طرف آیا۔ اور مارے ڈر کے آنکھ کھُل گئی۔ تو ہمایوں فر، نہ ڈاکٹر۔ خوف اس قدر غالب تھا کہ تھر تھر کانپنے لگی، اور جہاں آرا بیگم کے گلے لپٹ کر رونے لگی۔ جہاں آرا چونک پڑی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غل مچایا کہ امی جان جلدی اُٹھیے۔ سپہر آرا کا خدا ناکردہ برا حال ہے۔

بڑی بیگم اور حسن آرا اور گیتی آرا اور عباسی یہ آواز سنتے ہی فوراً جاگ اُٹھیں۔ خیر ہے۔ خیر ہے۔ اے آخر بتاؤ تو ہوا کیا۔

بڑی بیگم: آج کی رات خدا دُشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

جہاں آرا: سوتے سوتے کیا جانے کیا ہوا کہ اُن کے لپٹ گئی۔ آپ ہی آپ۔

حسن آرا: اس وقت بھی ڈر گئی تھی اس وقت بھی ڈر گئی۔ خوف ہی تو ہے۔

عباسی: اے حضور ذری آنکھ کھولیے (سپہر آرا کا شانہ ہلا کر) ذری ادھر تو حضور دیکھیں۔

بڑی بیگم: سپہر آرا بیٹا۔ آنکھ کھول دو۔ شاباش۔ کھول دو۔

اتنے میں مہریاں اور مغلانیاں اور کئی آدمی بنگلے کے اردگرد جمع ہو گئے۔ عورتیں اندر آئیں۔ مرد باہر رہے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے حکم دیا کہ شاہ لطف اللہ کو بلواؤ فنس یا گاڑی لے جاؤ۔ اور آداب عرض کر کے دست بستہ کہو کہ آپ کی پوتی آج شب کو دو بار ڈر گئی ہے۔ جلدی قدم رنجہ فرمایئے۔ فوراً چلے آئیں گے۔ اور ایک روتنے کو دوڑا دو کہ نواب صادق حسین کو بلا لاتے۔ وہ بھی سنتے ہی آئیں گے۔

خدام باادب حکم پاتے ہی روانہ ہوتے، ادھر سپہر آرا کو لخلخہ سنگھایا، کیوڑا منہ پر چھڑکا۔ ذرا ذرا ہوش آیا، تو آہستہ آہستہ یوں گفتگو کی۔

اماں۔ اماں جان۔ آج (آج کا لفظ اس قدر آہستہ سے کہا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا) آج۔ ہائے (آہ سرد) آج اندر والے کا کچھ عجب حال۔ (آہ سرد)۔ اُف۔ اماں جان۔ میں اب کیا کروں گی۔

حسن آرا: بہن بہن۔ کیوں گھبراتی ہو بہن۔ لو پانی پیو ٹھنڈا ٹھنڈا۔

بڑی بیگم: (بہ آواز بلند) برف کا پانی پیوگی۔ یا نہیں پیوگی۔؟

سپہر آرا: (گردن کے اشارے سے کہا کہ پیوں گی لایئے۔

بڑی بیگم پانی پلانے گئیں مگر آبخورے سے پانی گرنے لگا، ہاتھ کانپتے تھے۔ ع

پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند

عباسی نے معاً آبخورہ لیا اور پانی پلایا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پی کر سپہر آرا نے آنکھیں کھول دیں، اور کہا اُف اماں جان! آج ہمارا بڑا بُرا حال ہوا۔ ایسا بُرا خواب اس وقت دیکھا کہ جی بے چین ہو گیا۔ اِک ذرا سا پانی اور پلاؤ۔ مغلانی نے برف کا پانی پھر پلایا۔ اس سے اور بھی تسکین ہوئی۔ بڑی بیگم نے ایک بوڑھی مغلانی کے مشورے سے کئی ٹوٹکے کیے۔ حسن آرا نے چاہا کہ بڑی بیگم کو اس حرکت لغو سے باز رکھیں مگر سوچی کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اگر اس وقت ٹوکتی ہوں تو مبادا خفا ہو جائیں۔ لہٰذا خاموش ہو رہیں۔ بڑی بیگم صاحب نے رائے ظاہر کی کہ اگر ڈاکٹر آئے تو نسخہ لکھوا لیا جائے مگر دوا نہ دی جائے۔

حسن آرا: نہیں اماں جان دوا ضرور دی جائے۔ یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو۔

گیتی آرا: ہاں ہماری بھی یہی رائے ہے۔ دوا اور دعا دونوں ضروری ہیں۔ یہ نہیں کہ دوا ہی دے، اور دعا نہ ہوئے۔ یا دعا ہی کے بھروسے رہے؛ اور دوا کی فکر نہ کی۔

حسن آرا: دوا مقدم ہے۔ دعا اور ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک سب تشفی قلب کے لیے ہے۔ فائدہ خیر صلاح۔

بڑی بیگم کو یہ کلمہ بہت برا معلوم ہوا۔ کہا تم لڑکیاں دیکھیے کیا کرتی ہو۔ مجھے ان باتوں پر زہر کھانا پڑے گا۔ خود رائی بھی تو کتنی حسن آرا کچھ کہنے کو تھی کہ سپہر آرا نے مختصر طور پر خواب کا حال بیان کیا۔ اور کہا ہمایوں فر اور ہم مزے مزے سے باتیں کرتے تھے مگر دفعتاً اس بیچارے کے جگر میں درد اٹھا، اور درخت سے ایک بھیانک صورت نظر آئی۔ جس سے میں ڈر گئی۔ تھر تھر کانپنے لگی۔ ادھر جگر کے درد کی چمک ادھر اس ڈراونی صورت کا خوف۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اوف۔

اتنے میں آنکھ کھل گئی۔

بڑی بیگم: اب اس بات کا خیال نہ کرو۔

سپہر آرا: مگر دل کو کیا کروں۔

آزاد مرزا اور شہسوار

آزاد مرزا: آزاد مرزا نے پولیس والوں کے چھکّے چھوڑا دئے۔ کئی انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر اور کانسٹبل ان کے جانی دشمن تھے۔ کوئی چانڈو خانہ کوئی مدک خانہ، ایسا نہ تھا جہاں ان کی گرفتاری کے لیے آدمی نہ مقرّر ہوں۔ کوئی تھانہ ایسا نہ تھا، جہاں ان کا حُلیہ موجود نہ ہو۔ ہر ساقن کی دکان پر مخبر رہتے تھے۔ چوروں کی بیٹھک اور قمار خانوں میں بھی خفیہ طور پر ان کی تلاش ہوتی تھی۔ شہر بھر کے بد معاش اُچکّے اُٹھائی گیرے، چور گرہ کٹ ان کی فکر میں تھے۔ سرکار نے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار دیا تھا۔ ہر چوکی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھانے پر اشتہار چسپاں تھے۔ بازاروں اور سڑکوں اور مشہور مقاموں میں بھی اِدھر اُدھر اشتہار چپکائے گئے تھے۔

ایک روز آزاد مرزا نے گورنمنٹ گزٹ میں اشتہار پڑھا۔

اشتہار جہتِ آگاہی خاص و عام

ازانجا کہ آزاد مرزا نامی ایک شخص جس پر کئی جرم عائد ہوئے ہیں۔ حوالات سے دو تین کانسٹبلوں کو مجروح و مقتول کر کے نکل بھاگا ہے۔ لہٰذا واسطے آگاہی خاص و عام کے اطلاع دی جاتی ہے، اگر کوئی مجرم مذکور کا پتا لگائے اور اُس کے ذریعے سے مجرم ہاتھ آئے۔ تو ایک ہزار روپیہ اس کو بطریقِ انعام دیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایمیاناً کوئی شخص اس مجرم مفرور کو روپوش کو اپنے گھر یا علاقے میں جگہ دے یا اس کے علم یقین میں ہو کہ یہی شخص آزاد مرزا ہے۔ اور بہ اینہمہ دیدہ و دانستہ کوشش کرے کہ آزاد مرزا پناہ پائے تو وہ مستحق سزا ہوگا۔

یہ اشتہار پڑھ کر آزاد مرزا ہنسے۔ اس وقت ان کے پاس دو چور اور تین ڈاکو بیٹھے تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر یوں مکالمہ کیا۔

آزاد مرزا: شانِ خدا ہم کو اور کوئی گرفتار کر سکے۔ کیا مجال۔

چور: اجی استاد۔ تمہاری جوتیوں کے صدقے ہیں ہمارا تو کوئی بال بیکا کر ہی نہیں سکتا۔ نہ کہ تم تم تو استاد ہو۔

دوسرا: اللہ جانتا ہے۔ سارا شہر ان سے یوں کانپتا ہے تھر تھر۔

ڈاکو: کوتوال کو کوئی نہیں مانتا۔ ان سے سب ڈرتے ہیں۔

دوسرا: دریں چہ شک بھائی۔ ان کا رعب ہی مارے ڈالتا ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے آن کر کہا۔ مرزا جی غضب ہو گیا۔ اب بچنا محال ہے۔ جا بجا اشتہار لگے ہوئے ہیں کہ آزاد مرزا کو گرفتار کرو۔ خدا ہی خیر کرے۔ کئی محلوں میں اپنی آنکھوں پڑھا۔ مگر اب ہوشیاری کے بغیر نہ بنے گی۔

آزاد: اے لاحول۔ ان پولیس والوں کو ہم سمجھتے کیا ہیں بھلا۔

ڈاکو: کہو تو انھیں کے ہاں ڈاکا ماروں جا کے۔ جی ہو نہہ۔

چور: ہاں دل لگی تو خوب ہو۔ چلو ہم تم دونوں چلیں۔

آزاد: اور ہم کیا نہ چلیں گے۔ چلیں اور بیچ کھیت چلیں۔ بھائی۔

ڈاکو: تمہارا جانا مصلحت نہیں ہے۔ تم مدعا ہو اور اشتہاری مجرم بھی ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : اوہ جی۔ کچھ پروا نہیں۔ ع

چور جاتے رہے کہ اندھیاری

آزاد مرزا اور دونوں ڈاکوؤں اور چوروں اور جس شخص نے بیان کیا تھا کہ اشتہار چوطرف چسپاں ہیں۔ ٹھان لی کہ کوتوال شہر کے ہاں چوری کریں، اِدھر اُدھر آدمی دوڑائے۔ شام کو کمیٹی ہوئی۔ شب کو آزاد مرزا اور لچھمی نرائن ڈاکو اور گلباز چور اور رامو ڈاکو چھ سات آدمیوں کو چوری اور ڈکیتی کے فن میں اپنے آپ ہی نظیر تھے ساتھ لے کر انسپکٹر آف پولیس کے مکان پر چلے۔ رامو کو ریزرو فوج کی طرح بیٹھک میں رکھا تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔

گلباز : بھئی ایک کام کرو محلّے کے جتنے مکان ہیں سب کی کنڈیاں بند کر دو، بڑی دل لگی ہے۔ کچھ مشکل نہیں ہے۔

چور : اچھی سوجھی۔ پھر اگر جاگ بھی ہوگی تو کچھ پروا نہیں ہے۔

دوسرا : لانا ہاتھ۔ بس یہ خوب تدبیر ہے۔ محلہ بھر بالکل بند۔

آزاد : اچھا ایک سرے سے بند کرنا شروع کرو۔ مگر محلّے بھر سے کیا واسطہ اس کی کنڈیاں بند کر دو۔

اس حکم کی معاً تعمیل کی گئی۔ اتنے میں کانسٹبل کا اس طرف گذر ہوا۔ جاگتے رہیو۔ جاگو جاگو رات کے سونے والو جاگو خوب ہوشیار۔ اندھیری رات ہے۔ ایک سنار دکان سے کھنکھارا۔ مہاجن راوٹی سے بولا کے بجے ہوں گے جوان۔ کانسٹبل نے کہا بارہ بج گئے۔ آزاد مرزا اُن کے ساتھی ایک نالے میں دبک رہے۔ جب کانسٹبل دور نکل گیا تو یہ باہر آئے۔ انسپکٹر صاحب کے مکان کی دیواریں خام تھیں۔ چاپ پا کر دربان نے آواز دی۔

دربان : کون۔ کون۔ تم لوگ کون ہو بولتے نہیں جی۔

آزاد : کیا بتائیں مصیبت زدہ ہیں۔ ادھر سے کوئی جنازہ تو نہیں نکلا۔

دربان : ہاں گیا تو ہے بہت سے آدمی ساتھ تھے۔ یوں گیا ہے۔

آزاد : ہمارے بڑے دوست تھے۔ افسوس ہائے افسوس۔ ارے اُف۔

چور : حضور صبر کیجیے۔ صبر کیجیے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ صبر کیجیے۔

لچھمن : پرمیشر کی مایا۔ امانت لے لی۔ اب روتے دھوئے کیا ہوتا ہے اب صبر بہتر ہے۔

دربان : ہاں بھائی ایسی بات ہے۔ آپ کون ٹھاکر ہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لچھمن: ہم اب کیا بتائیں۔ ہم برہمن ہیں قنوجیا برہمن۔

دربان: پائیں لاگیں مہراج۔ مکان کہاں ہے مہراج۔

لچھمن: بیسواڑہ۔ عمر بھر لڑائی بھڑائی میں صرف ہوا۔ اب وہ دن کہاں۔

آزاد: اجی خدا نہ کرے کہ کسی کے بُرے دن آئیں۔ ستم کا سامنا ہوتا ہے۔

روز در آرزوِ وصل توام آخر شد
غمِ تنہائی و طولانی شب۔ راچہ علاج
گیرم از ہر دو جہاں چشم بہ بندم صائب
دلِ شوریدۂ دیدار طلب۔ راچہ علاج

شوئ طالع سے خدا بچائے۔ یا خدا مدد ے مصیبت تنہا کبھی نہیں آتی۔ اور حضرت بات یہ ہے کہ اگر روٹی کھانے بھر کو ہو اور کفایت شعاری کے ساتھ انسان رہے اور منہیات اور معصیات سے محترز رہے تو سبحان اللہ۔

ہر کس کہ بدہر نیم نانے دارد وز بہر نشست آشیانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

راوی: اللہ اللہ ستر چوہے کھاکے بلّی حج کو چلی۔ اب تو بڑی پارسائی کی لینے لگے۔ مگر دل میں اب تک کھوٹ ہے۔

کے رفتن رہ ز رفتن خواب۔ شود
کے دفع عطش ز گفتن آب۔ شود

زبانی داخلے کا مطلق اعتبار نہیں۔ دل کی صفائی مقدم ہے۔

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاران کعبہ یکدل بہتر است

دربان خوش گلو آدمی تھا۔ ایک چور جو اس سے واقف تھا، اس کی خوش الحانی کی تعریف کرنے لگا۔ اس پر آزاد مرزا نے باصرار کہا کہ کوئی چیز کہیے۔

دربان: آپ کہیے تو میں بھی کہوں۔ پہلے آپ فرمائیں۔ پھر ہم کہیں۔

آزاد: ہنسئے گا نہیں دیکھیے میں عرض کرتا ہوں۔ بسم اللہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کون زندہ ہے جو اس چشم کا بیمار نہیں
مر کے چھوٹا ہے جو زلفوں کا گرفتار نہیں

انسپکٹر صاحب بھی کوٹھے پر سے سنتے تھے۔ کمال محفوظ ہوئے۔ آزاد مرزا نے پھر باآواز بلند کہا۔

کیا ترے ہاتھ سے سر پر مرے دستار نہیں
مارے چاکوں کے جنون جیب میں دس تار نہیں

انسپکٹر صاحب ایسے مسرور ہوئے کہ آنکھ لگ گئی۔

دربان: آپ خوب گاتے ہیں۔ بھلا ہم گنوار گانا کیا جانیں۔

آزاد: واہ۔ اب ہم بغیر سُنے نہ جانے کے۔ کچھ فرمایئے ضرور۔

دربان: بہت اچھا۔ مگر ہمیں تو کچھ یاد ہی نہیں ہے۔ ع

گلفشاں عکس ہوا کس کے یہ رنگین رُخ کا

آزاد: کوئی ٹھمری کہیے۔

دربان: سکھی ری ہمارے ہو دھن دھن بھاگ۔

آزاد: خوب۔ اب رخصت ہوں گے۔

برفتیم یاران تخفیف تصدیع
اگر درد سر بود ازما شمارا

چلتے وقت کہا اگر آپ تمباکو پیتے ہوں تو ایک چلم بھریے دربان ٹھاکر آدمی۔ حقّہ پینے کا عادی۔ فوراً انگیٹھی کے پاس جاکر چلم بھرنے لگا۔ چلم بھرنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ آزاد مرزا نے مشکیں کس لیں۔ اور کہا بس بولا اور ہم نے قتل کیا۔ یہ تو رامو کے پاس بھیجے گئے۔ اور دیوار میں سیند دینا شروع کیا۔ ڈیوڑھی پر ایک کانسٹبل تعینات تھا۔ وہ اس وقت خواب خرگوش میں تھا۔ ایک سمت سپاہی کھٹیا پر غافل سو رہا تھا۔

آزاد: دیوار بڑی مضبوط ہے۔ بغیر سرکّے کام نہ چلے گا۔

چھمن: پکّی دیوار اچھی۔ ایک اینٹ گرائی اور دیوار بھر کھود کے پھینک دی۔

چور: سرکا اس وقت کہاں سے آئے۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

چھمن: چلو کسی عطّار کی دکان میں چوری کریں ہے کہ نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی : اچھی سوجھی۔ اس سوجھ بوجھ کے قائل۔ ماشا اللہ کیا ذہن کی رسائی ہے۔ ایک چور جا کے کہیں سے بسر کالے آیا۔ بسر کا چھڑک چھڑک کر دیوار میں سیندھ دی۔ اتنے میں کانسٹبل پھر آیا۔ جاگتے رہیو اندھیری بہت ہے۔

آزاد : ذت آیا وہاں سے اندھیری ہے۔ چلا جا چپ چاپ۔

کانسٹبل : کون یہ کون بولا۔ تم لوگ کون ہے۔

آزاد : باپ تیرے۔ جاتا ہے کہ بھونک دوں قرولی۔ سور۔

کانسٹبل : چور۔ چور۔ چور۔ چور۔ (آہستہ آہستہ) ارے دو، دو۔

راوی : دوڑو کہنے کو ہے مگر مارے خوف کے دو دو کہتے ہیں۔

آزاد نے قرولی سے کانسٹبل کا کام تمام کر دیا۔ ہائے کرکے برق انداز گرا چور نے کہا آپ بڑے بے دھڑک ہیں۔ کس بے رحمی سے اس بیچارے کا کام تمام کیا۔

آزاد : اے ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ نام کے چور ہو۔ بالکل کچے۔ دیکھو چور میں ہوں اتنی باتیں ہونی چاہئیں۔

۱۔ جیوٹ ضرور ہو۔ یہ خوف نہ ہو کہ پکڑا جاؤں گا۔
2۔ جب گرفتار ہو جائے تو اپنے ساتھیوں کا نام نہ بتائے۔
3۔ رحم آئے تو چوری چھوڑ دے۔ رحم چور کے لیے سیاہی ہے جیسا جبنیت سپاہی کے لیے۔
4۔ جب موقع پائے معاً وار کرے۔ چوکا اور گیا گذرا۔
5۔ حتی الوسع بھاگنے کی فکر کرے۔ لڑنے سے پرہیز کرے۔
6۔ دبے پر سانپ بھی کاٹتا ہے۔ اگر کوئی گھیرے تو ضرور اس کو مار ڈالے۔
7۔ چھری یا قرولی یا چاقو ضرور پاس رکھے۔
8۔ جس کے یہاں چوری کرنے کو جائے اس کو بے عزت نہ کرے۔
9۔ پیچ پینڈیے کو ہرگز ساتھ نہ رکھے۔

دو گھنٹے کے بعد سیندھ تمام ہوئی۔ اب فکر تھی کہ اندر جائیں مگر ایک رہرو کے آنے سے معاملہ خراب ہو گیا۔ یہ شخص گاتا ہوا چلا آتا تھا۔

ہے جلوہ تن سے در و دیوار بسنتی
پوشاک جو پہنے ہے مرا یار بسنتی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوروں میں سے ایک شخص نے آوازہ کسا۔ واہ جی واہ۔ تان سین کی بیٹ کھا گیا ہے۔ بجو کے گھرانے کا ہے۔ اس نے پلٹ کر کہا کون۔ کچھ بیدھا تو نہیں آیا ہے۔

آزاد: جانے دو بھائی یہ دیوانہ یوں ہی بکتا ہے۔

رہرو: دیکھتے ہو بھئی۔ ہم تو کسی سے بولیں نہ چالیں۔ آپ ہی آپ گالیاں دینے لگا۔

آزاد: اب غصّے کو تھوک دو بھائی جان۔ جانے بھی دو۔

رہرو: ابھی پاؤں تو کھود کے اسی جگہ دفن کردوں مردک کو۔

آزاد: اس میں کیا شک ہے مگر اب سیدھے چلے جاؤ۔ غل نہ مچاؤ۔

رہرو: تم کون ہو۔ تم بیچ میں بولنے والے کون ہو آخر۔

آزاد: ہم چوروں کے گرو گھنٹال بدمعاشوں کے رولی کھنگر۔

یہ کہہ کر آزاد مرزا نے آگے بڑھ کر ایک چانٹا لگایا۔ جس سے رہرو تیورا کر گرا تو بے ہوش۔ دوسرا چانٹا لگایا۔ تیسرا جمایا۔ ادھ موا کر دیا۔ اس کے بعد تجویز ہوئی کہ سیند کے اندر جائیں۔ آزاد مرزا نے پہلے سیند میں پاؤں ڈالے پاؤں ڈالتے ہی کسی شخص نے اندر سے تلوار جمائی تو دونوں پاؤں کھٹ سے الگ۔

آزاد: ہائے۔ ارے مرا۔ ارے دوڑو۔

لچھمن: ارے ہے ہے۔ دھوکا ہو گیا۔ بس گئے گذرے۔ چوروں نے ملکر آزاد مرزا کے دھڑ کو اُٹھایا اور روتے پیٹتے لے جانے لگے مگر اثنائے راہ میں پکڑے گئے۔ لچھمن اور دو چور لمبے ہوئے۔ محلّے بھر میں جاگ ہو گئی۔ اب جو دروازہ کھولتا ہے۔ بند پاتا ہے۔ یا الٰہی ارے یہ دروازہ کون بند کر گیا۔ دروازہ کھولو۔ ایں! لاحول ولاقوۃ کوئی سنتا ہی نہیں۔ دروازہ کھولو۔ ہر سمت سے یہی آوازیں آتی ہیں۔ صرف ایک دروازے میں باہر سے کنڈی نہ تھی ایک پُرانے فیشن کا سپاہی اس پھاٹک سے نکلا۔ ایک ہاتھ میں مشعل دوسرے میں سروہی ڈھال لٹکی ہوئی۔ پھاٹک کھول کر للکارا۔

سپاہی: ارے۔ یہ تو سیند لگی ہے۔ اخاہ خوب جاگ ہو گئی۔

کانسٹبل: خون بھی ہوا ہے۔ جلد آؤ۔ قدم بڑھاؤ۔

سپاہی: (قدم بڑھا کر) مار لیا ہے۔ جانے نہ پائے چور۔

چور: کیوں بیدھے ہوئے ہو۔ کالے خاں۔ آزاد مرزا جیتا نہ چھوڑیں گے۔

سپاہی: ایں۔ آزاد مرزا بھی یہاں ہیں۔ ارے غضب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں سپاہی نے تمام محلّے کے دروازے کھولے اور محلّے والے اپنے اپنے گھر سے لٹھے لے کر نکلے۔ دیکھا تو چوروں اور کانسٹبل اور کئی رہرووں میں لڑائی ہو رہی ہے۔ آزاد مرزا کی ٹانگیں کٹی ہوئیں، لچھمن ڈاکو مجروح، کانسٹبل مردہ، دربان ادھ مرا، رہرو جاں بلب، کانسٹبلوں کو مدد دی، اور چوروں کو گرفتار کیا۔ صرف ایک چور بھاگ کھڑا ہوا۔ باقی سب دھر لیے گئے۔

چوکی پر خبر ہوئی۔ تھانے پر اطلاع دی گئی۔ کوتوالی سے آدمی دوڑایا گیا۔

کوتوال: افوہ۔ خون ہو گیا۔ کتنے آدمیوں کا خون ہوا۔

برق انداز: حضور ایک کانسٹبل مارا گیا، اور کئی آدمی پڑے سسک رہے ہیں۔

کوتوال: لاحول ولاقوۃ۔ یہ ہوا کیا۔ کیا ڈاکو آیا تھا۔

برق انداز: حضور وہی کمبخت آزاد مرزا تھا۔ اور لچھمن ڈاکو۔

کوتوال: آزاد مرزا کیا بھاگ گیا۔ افوہ۔ غضب ہوا۔

برق انداز: حضور اس کی تو دونوں ٹانگیں ندارد ہیں۔ ادھ موا ہے۔

کوتوال نے فوراً وردی ڈانٹی اور چل کھڑے ہوئے۔ ادھر انسپکٹر اور تھانہ دار اور برق انداز بھی دوڑ پڑے جس انسپکٹر کے مکان میں سیندھ لگی تھی اس کو بھی اطلاع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس کے گھر کی بارن نے چوروں کو سیندھ دیتے دیکھ لیا تھا۔ فوراً جا کر کوٹھری میں بیٹھ رہی جیسے ہی آزاد مرزا نے کوٹھری میں پاؤں ڈالا معاً دو ٹکڑے کر دیے، یہ بارن عرصہ دراز تک پاسیوں اور ڈاکوؤں کے ساتھ رہی تھی۔ الغرض آزاد مرزا پر جرم ثابت ہو گیا۔ اور ایک جرم کیا معنی سیکڑوں جرم تھے۔ چند روز کے بعد دائم الحبس بہ عبور دریائے شور کا حکم سنایا گیا۔ اور دو مہینے کے بعد آزاد مرزا پورٹ بلیر جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوئے۔ اس وقت منجملہ اور آدمیوں کے ایک شخص سے ملاقات ہوتی۔ آزاد مرزا نے پوچھا۔ کہو بھائی تم کس جرم میں ماخوذ ہوئے ہو۔ آبدیدہ ہو کر کہا۔ حضرت کیا عرض کروں۔ ناکردہ گناہ دھر لیا گیا۔

شہسوار: اس شخص نے بیان کیا کہ میں ایک امیرزادہ ہوں۔ باپ دادا بدخشان سے آئے تھے۔ سو پشت سے سپہ گری پیشہ ہے۔ میں بھی فوج میں ایک معزز عہدے پر نوکر تھا۔ مگر شامتِ اعمال سے نوکری چھوڑ دی۔

آزاد: کیوں کر۔ شامتِ اعمال کیسی۔

شہسوار: ایک رشکِ قمر پر دل آیا۔ نوکری سے کنارہ کش ہوئے۔

الا یا ایہا الساقی اور کاساً وناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عشق خانہ خراب نے ہمیں تباہ کر دیا۔ افسوس۔

آزاد : افسوس آپ بھی ہمارے ساتھی ہی نکلے۔

شہسوار : جس رشک زلیخا پر ہم جان دیتے تھے وہ ایک اور جوان رعنا پر ربجھی۔

آزاد : نام کیا ہے کوئی رئیس زادی ہے یا ایسی ویسی۔

شہسوار : حسن آرا بیگم نام ہے۔ ہائے افسوس، وائے افسوس۔

آزاد مرزا نے از سر تا پا غور سے شہسوار پر نظر ڈالی۔ اور چند باتیں دریافت کیں۔

۱۔ آزاد پاشا کو آپ جانتے ہیں۔

2۔ اللہ رکھی سے کبھی کی ملاقات ہے۔ ثریا بیگم کو جانتے ہو۔

3۔ شہسوار کا ذکر کبھی سنا۔ ہمایوں فر سے کبھی کوئی تعلق تھا۔

شہسوار : (آہ سرد کھینچ کر) ہائے ستم۔ تم تو راز داں نکلے۔

۱۔ آزاد ہی تو رقیب روسیہ کا نام ہے۔

2۔ ثریا بیگم اور اللہ رکھی کا نام نہیں سنا۔

3۔ شہسوار غلام ہی ہے۔

آزاد : ہم نے آپ کا نام سنا ہے، اور آپ کے **کل حالات** سے بخوبی واقف ہوں۔

چہ نای کہ مولائے نامم توام
درم ناخریدہ غلامم توام

شہسوار : ابھی تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے نام سے بخوبی واقف ہیں۔

آزاد : اتنا جانتے ہیں کہ شہسوار مشہور ہو۔ نام نہیں یاد ہے۔

شہسوار : گمنام۔ عشق نے یہ دن دکھایا کہ اب کالے پانی چلے۔

ایں عشق ندانم از کجا خاست
کز ہر رگ و ریشہ ام بلا خاست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب تمام عمر حسن آرا اور سپہر آرا اور جوگن سے نہ مل سکیں گے۔

آزاد: وہی جوگن نہ جو اُستانی جی کے ہاں رہتی تھی۔

شہسوار: خدا کی پناہ! تم تو بڑے واقف کار نکلے۔

راوی: اب خوب گزرے گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri